باسمہٖ تعالیٰ
مناسکِ حج
کے
فضائل واحکام
مصنِّف
مفتی محمد رضوان
ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ: ارکانِ اسلام

مناسکِ حج

کے

فضائل واحکام

حج کے اعمال ومناسک کے فضائل واحکام سے متعلق مفصَّل ومدلَّل کتاب

حج کی فرضیت، حج کی فضیلت، حج کی حکمت، حج کی قسمیں وصورتیں، عمرہ کا طریقہ، حج کا طریقہ، احرام، منیٰ، عرفات، مزدلفہ، رَمی، طواف اور سعی وغیرہ کے مفصل ومدلل فضائل واحکام، حرمین شریفین سے متعلق متفرق فضائل واحکام، حج وعمرہ سے متعلق احادیث اور دعاؤں کی اسنادی وشرعی حیثیت، قرآن وسنت اوراہلُ السنۃ والجماعۃ کے چاروں فقہی مسالک کی روشنی میں باحوالہ بحثیں، جدید حالات کے تناظر میں مشکل اور پیچیدہ مسائل کا حل

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران، چاہ سلطان، راولپنڈی، پاکستان

نام کتاب: مناسکِ حج کے فضائل واحکام

مُصنِّف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ جولائی 2013ء

صفحات: ۸۳۶

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔ فون: 051-5507270
ادارہ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ فون: 042-37353255
کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798
دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631861
مکتبہ سید احمد شہید: 10-الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37228196
مکتبہ اسلامیہ: گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔ فون: 0992-340112
ادارہ اشاعت الخیر: شاہین مارکیٹ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔ فون: 061-4514929
ادارۃ المعارف: دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35032020
مکتبہ سراجیہ: چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔ فون 048-3226559
مکتبہ شہید اسلام، متصل مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد۔ فون: 0321-5180613
ملت پبلیکیشرز بک شاپ: شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد۔ فون: 051-2254111
ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان۔ فون: 061-4540513
مکتبہ العارفی: نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔ فون: 041-8715856
کتب خانہ شمسیہ، نزد ایری گیشن مسجد، سریاب روڈ، کوئٹہ۔ فون: 0333-7827929
مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35123130
تاج کمپنی، لیاقت روڈ، گوالمنڈی، راولپنڈی۔ فون: 051-5774634
مکتبۃ القرآن: گورومندر، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 021-34856701
مکتبہ الفرقان، اردو بازار، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4212716
مکتبہ القرآن: رسول پلازہ، امین پورہ بازار، فیصل آباد۔ فون: 041-2601919
اسلامی کتب خانہ، پھولوں والی گلی، بلاک نمبر 1، سرگودھا۔ فون: 048-3712628
اسلامی کتاب گھر: خیابانِ سرسید، سیکٹر 2، عظیم مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 051-4830451
مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، 17، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37232536
الخلیل پبلشنگ ہاؤس: اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 051-5553248

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	شمار نمبر
↓	↓	↓
۳۷	تمہید (از مؤلف)	۱
۴۴	(مقدمہ) حج سے متعلق بنیادی معلومات واحکام	۲
//	حج وعمرہ کے معنیٰ	۳
۴۵	مناسک کے معنیٰ	۴
//	حج کی فرضیت	۵
۴۸	حج کی فضیلت	۶
۵۳	حج کی حکمت	۷
۵۴	حج فرض ہونے کی شرائط	۸
//	حج صحیح ہونے کی شرائط	۹
۵۸	حج کے فرض واقع ہونے کی شرائط	۱۰
۶۱	حج کرنے والے کے لئے ہدایات وآداب	۱۱
۷۳	(باب نمبر۱) حج کرنے کے تین طریقے یا تین قسمیں	۱۲

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 00925155075300

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 0092515507530

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 00925155077530

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 0092515507530

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 00925155507530

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 00925155075330

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 0092515507530

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 00925155075 30

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

ایمان واسلام کے بعد، نماز، روزہ، زکاۃ، اور حج درحقیقت اسلام کے چار بڑے ارکان وستون ہیں، اور ایک مسلمان کو نماز کے رکن کے ساتھ رات دن میں پانچ مرتبہ، اور روزہ، اور زکاۃ کے ارکان کے ساتھ سال میں ایک مرتبہ واسطہ پڑتا رہتا ہے، لیکن ان عبادتوں کے برعکس حج ایسی عبادت ہے کہ وہ اَوّلاً تو نماز، روزہ اور زکاۃ کی طرح ہر جگہ ادا نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس کو خاص مقام پر جاکر ادا کرنا ضروری ہے، اس لئے حج کو زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض کیا گیا ہے، اور اس کی فرضیت کے لئے مختلف قسم کی شرائط رکھی گئی ہیں، جن کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''ماہِ ذیقعدہ اور حج کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردی ہے۔

دوسرے حج کی ادائیگی کا طریقہ دیگر عبادتوں سے بہت کچھ مختلف ہے، اس لئے حج کے احکام سے ہر مسلمان کو عموماً مناسبت نہیں ہوتی، اور حج کے احکام دوسری عبادتوں کے مقابلہ میں غیر معمولی غور طلب ہوتے ہیں۔

تیسرے حج کے اعمال ومناسک کی ادائیگی کے لئے دنیا بھر سے سفر کرکے آئے ہوئے لاکھوں مسلمانوں کو مخصوص مقامات میں جمع ہونا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے غیر معمولی ہجوم ہوکر سب کو ایک ساتھ اعمال کی انجام دہی میں کچھ مشکلات کا سامنا لازماً کرنا پڑتا ہے۔

چوتھے دنیا بھر سے حج کی ادائیگی کے لئے آنے والوں کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا ہے، اور تعداد میں اضافہ کا یہ سلسلہ کسی حد پر نہیں ٹھہر رہا، بلکہ سال بہ سال اضافے وازدحام کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا جارہا ہے۔ ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

جس کے پیشِ نظر اگر ایک طرف حکومتِ سعودیہ کی طرف سے حجاجِ کرام کے لئے مختلف

انتظامات کی صورت میں سہولیات مہیا کی گئی ہیں، تو اسی کے ساتھ رَش اور ہجوم اور کئی قسم کی قانونی پابندیوں کے باعث کئی طرح کی مشکلات میں پہلے زمانوں کے مقابلہ میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے، اور کسی ایک فقہی مسلک کی تمام تر پابندیوں کے ساتھ اور سنت کے مطابق حج کے اعمال ومناسک کی انجام دہی دشوار ہوگئی ہے۔

پانچویں حج کی عبادت ادا کرنے کے لئے دنیا کے مختلف اطراف سے آنے والے لوگوں کے مسالک بھی مختلف ہوتے ہیں، اور سب لوگ کسی ایک مسلک مثلاً مسلکِ حنفی سے تعلق نہیں رکھتے، اور حج کے کئی احکام ایسے ہیں کہ ان میں مختلف مسالک کے درمیان کچھ اختلافِ رائے بھی پایا جاتا ہے، اور جب مختلف مسالک کے حجاجِ کرام ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، تو ایک دوسرے کے درمیان اختلافِ رائے سامنے آنے سے حجاجِ کرام کو تشویش لاحق ہوتی ہے، اور بسا اوقات بحث ومباحثہ کا بازار بھی گرم ہوتا ہے، اور بعض اوقات ایک دوسرے کے خلاف فتوے بازی اور الزام تراشی وتشدُّد پرستی کی بھی نوبت آجاتی ہے۔

ان حالات میں اہلِ علم حضرات کی ذمہ داریوں میں کئی طرح سے اضافہ ہوگیا ہے، جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنے اپنے طور پر اہلِ علم حضرات غور وفکر فرماتے رہتے ہیں، اور عوام کو حقیقتِ حال سے باخبر رکھنے اور عوامی مشکلات کے حل کے لئے تحریری وتقریری طور پر مختلف کوششیں فرماتے ہیں، اور بعض اہم اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے کئی اہلِ علم حضرات اجتماعی طور پر بھی مختلف اجلاس منعقد کر کے مسلمانوں کی اجتماعی مشکلات کا حل نکالنے کے لئے جدوجہد فرماتے ہیں، جس کے نتیجہ میں علمی اختلافات بھی رونما ہوتے رہتے ہیں، اور مختلف فقہی آراء اور ائمۂ مذاہب کے مجتہدات کی باہم راجح ومرجوح کی بحث گرم رہتی ہے، حتیٰ کہ اہلِ علم کے ساتھ ساتھ بعض عوام بھی احکامِ شرع کے ان ابواب میں رائے زنی کرتے نظر آتے ہیں۔

اس صورتِ حال کا ایک مدت سے جائزہ لیتے رہنے کے نتیجے میں یہ خیال تقویت پکڑتا رہا کہ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 0092515507530

مناسکِ حج سے متعلق ایک تفصیلی کتاب ایسی تیار ہونی چاہئے کہ جس میں ایک طرف تو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے چاروں مقبول وراجح فقہی مسالک کے موقف کو مسائل کے ضمن میں جمع کیا جائے، تا کہ متعلقہ مسائل کے مجتہد فیہ ہونے کا علم ہو، اور ایک دوسرے کے خلاف تشدُّد وتعصب اور فتوے بازی والزام تراشی سے حفاظت ہو، اور اسی کے ساتھ کتاب کا انداز اصولی نوعیت کا ہو، نیز مشکل اور پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے جدید حالات کے پیشِ نظر مجتہد فیہ اور مشکل وپیچیدہ مسائل میں تحقیق وغور فکر کے نتیجہ میں دیانت دارانہ طریقہ پر گنجائش کی جو صورتیں ممکن ہوں، ان پر روشنی ڈالی جائے، اور موقعہ بموقعہ حسبِ ضرورت دلائل کا بھی ایک حد تک ذکر کر دیا جائے، اور ساتھ ہی حواشی میں متعلقہ فقہی عبارات کو بھی جمع کیا جائے، تا کہ اہلِ علم حضرات کو متعلقہ مسائل کی تصدیق کے لئے دوسری مطوّل اور مفصّل کتب کی طرف مراجعت کی زحمت اٹھانے سے بھی کافی حد تک نجات حاصل ہو جائے۔

اس غرض سے بندہ نے ’’مناسکِ حج کے فضائل واحکام‘‘ کے عنوان سے زیرِ نظر مفصل ومدلل کتاب تیار کی ہے، جو اصل میں مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے، اہلِ علم حضرات اور مجتہد فیہ مسائل کو تفصیل کے ساتھ سمجھنے والوں کے لئے ہے، لیکن اگر کوئی عام شخص اپنے مطالعہ میں وسعت پیدا کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہے، تو اس کے لئے بھی اس کتاب سے استفادہ کرنا مشکل نہیں ہے، اور اس کتاب میں بندہ نے اس سے پہلے لکھی ہوئی اپنی ایک مختصر کتاب ’’حج کا صحیح طریقہ اور حج کی غلطیاں‘‘ کی ضروری ابحاث کو بھی شامل کر لیا ہے، اور بندہ کی جن مسائل میں تحقیق سے پہلے کوئی دوسری یا معروف رائے تھی، اور اب وہ رائے بدل گئی، اس کو چھوڑ دیا گیا، اور راجح موقف کو اس کتاب میں شامل کیا گیا۔

اس موقع پر اس کتاب کے قارئین سے خاص طور پر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ فقہائے کرام کے درمیان اختلافی اور مجتہد فیہ فروعی مسائل کے بارے میں موجودہ دور میں دو قسم کے غیر معتدل اور افراط وتفریط پر مبنی نقطہائے نظر سامنے آ رہے ہیں، ایک نقطۂ نظر تو جمودِ محض کا

ہے، کہ ایک خاص فقہی مذہب اور مجتہد فیہ موقف کے برخلاف ابتلائے عام اور اس موقف پر عمل کرنے میں عوام النّاس کو کتنی بھی مشکلات کیوں نہ پیدا ہوجائیں، اور اس مخصوص فقہی قول کے بالمقابل دوسرے موقف سے متعلق کتنے ہی مضبوط دلائل کیوں نہ سامنے آجائیں، جن پر دل کا اطمینان ومیلان ہو، اور ان دلائل کے مقابلہ میں اپنے موقف کو مضبوط ثابت کرنے کے لئے خواہ کتنی ہی بے تکی اور دور دراز کی تاویلات کا سہارا کیوں نہ حاصل کرنا پڑے، لیکن اپنے سلسلہ کے مشہور ومعروف اور اس خطہ میں پہلے سے رائج موقف سے ہٹنے کی کوئی گنجائش نہیں سمجھی جاتی، اور گنجائش تو دور کی بات ہے، اگر کوئی صاحبِ علم غور وفکر اور تحقیق کے نتیجہ میں اس معروف اور مروج موقف کے علاوہ مدلل انداز میں اپنی ذاتی دیانت دارانہ رائے ہی کیوں نہ پیش کرے، جو کہ علمی وفقہی اُصول وقواعد کے مطابق اس کی ذمہ داری ہے، اور اس کو اپنی اس دیانت دارانہ رائے میں خیانت کرنا جائز نہیں، مگر وہ ان کے نزدیک متفرد، غیر مقلد، سلف کا گستاخ، اور نہ جانے کن کن الزامات کا مورَد اور القابات کا مستحق سمجھا جاتا ہے، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کا جمود اور اس سے بڑھ کر خمود، ایک ایسا فقہی ومسلکی تعصّب وتشدد ہے کہ جس کی نظیر موجودہ عہد سے قبل گزشتہ کسی دور میں نہیں ملتی، بلکہ گزشتہ صدیوں میں سے تقریباً ہر صدی اور ہر دور میں اہلِ حق علماء وفقہاء، فقہی ومجتہد فیہ فروعی مسائل میں نہ صرف یہ کہ ضرورت وحاجت یا دلائل کے پیشِ نظر اپنی آراء کا اظہار کرتے رہے ہیں، بلکہ اپنی تحقیق کے مطابق فتاویٰ بھی دیتے رہے ہیں، خواہ وہ رائے یا فتویٰ سابق معروف ومروج قول کے خلاف کیوں نہ ہو، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول یا حنفیہ کی ظاہرُ الروایت کے خلاف، اور غیر ظاہرُ الروایہ کے مطابق اور اس سے بڑھ کر امام ابویوسف، امام محمد، بلکہ امام زفر وغیرہ کے قول کے مطابق کیوں نہ ہو، اور بعض اوقات دوسرے مسالکِ حقہ کے قول اور موقف کو بھی اختیار یا ان کے موقف کے دلائل کے راجح ہونے کی طرف اپنا میلان ورجحان ظاہر کیا جاتا رہا ہے، اور ایسے مسائل اور شخصیات کی فہرست اور دائرہ بڑا وسیع

ہے، جن کو احاطۂ شمار میں لانا مشکل ہے۔

مگر موجودہ صدی میں برصغیر کے ایک علمی طبقہ پر ایسا جمود بلکہ خمود طاری ہوا ہے کہ جو رائے یا فتویٰ گزشتہ صدی میں کسی نے دے دیا، یا جس قول کو راجح وغیرہ قرار دے دیا، تو بس وہی رائے اور فتویٰ حرفِ آخر بن کر رہ گیا، یا اس کو ایسا بنا دیا گیا، گویا کہ یہ شارع کا منصوص مصرح حکم ہے، خواہ وہ فتویٰ اور رائے دلائلِ شرعیہ کے تناظر میں کمزور اور حالتِ حاضرہ میں عرف ومعاشرت اور تعاملات بدل جانے کی وجہ سے مشکل اور نا قابلِ عمل کیوں نہ ہو، اور اس سے ذرا بھی ادھر اُدھر انحراف کرنا بڑا عیب وجرم خیال کیا جانے لگا، اور کسی پہلو سے متعلق پائے جانے والے مختلف اقوال میں سے کسی ایک قول کو لے کر اس کے ساتھ شریعت کے اہم اصول، نصِ قطعی اور فرض وواجب جیسا سلوک کیا جانے لگا، یہ نقطۂ نظر اگرچہ بعض علمی حلقوں میں کتنا ہی مقبول ومانوس کیوں نہ سمجھا جاتا ہو، اور اس پر کتنا ہی زور کیوں نہ دیا جاتا ہو، لیکن اعتدال کی کسوٹی پر پرکھنے سے ایک جہت سے انتہاء وتعصب پسندانہ اور غلو پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ [1]

اس غیر معتدل نقطۂ نظر کے مدمقابل، دوسرا نقطۂ نظر موجودہ دور میں یہ سامنے آرہا ہے کہ فقہی اور مجتہد فیہ مسائل کو نااہل، غیر محتاط، ناتجربہ کار اور پختہ علم سے محروم حضرات، ایسا تختۂ مشق بناتے ہیں کہ اپنی تحقیق میں کمزور نظر آنے والے موقف پر ایسے نشتر چلاتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں دینِ اسلام کی اصولی تعلیمات کا بھی حلیہ مسخ ہو کر رہ جاتا ہے، اور فقہائے کرام کے علمی وفقہی منصب پر بھی ان کی طرف سے لب کشائی میں زورِ قلم وزبان اتنا تیز ہو جاتا ہے کہ سامنے آنے والی ہر چیز کو کاٹتا چلا جاتا ہے، جبکہ یہ نقطۂ نظر بھی پہلے نقطۂ نظر کے مقابلے میں

---

[1] افسوس کہ ہمارے بعض علمی حلقوں میں اس طرح کے مختلف اقوال میں سے بعض اقوال کو اُصولِ اجتہاد وتحقیق اور افتاء کے عنوان سے اس انداز میں پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے کہ تحقیق واجتہاد کی صلاحیت رکھنے والے اہلِ علم حضرات کی تمام تر صلاحیتوں پر ہر طرح کی پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں، اور ایک باصلاحیت محقق عالمِ دین کو تقلیدِ جمود کا پختہ سبق پڑھا کر اور ایک طرح سے تحقیق واجتہاد سے اپاہج بنا کر چھوڑ دیا جاتا ہے، جو کہ غیر معتدل طریقہ ہے، جس کی قدرے تفصیل ہم نے اپنی کتاب "معینُ المفتی" میں ذکر کر دی ہے۔

دوسری جہت سے انتہاء وتعصب پسندی پر مبنی ہے، اور بنظرِ غائر دیکھا جائے تو پہلے نقطۂ نظر وطرزِ عمل کا ردِّعمل ہے، جمودِ محض کے ردِّ عمل میں بھرپور خودرائی وخودستائی شاید نظامِ کائنات میں اصولِ فطرت کی رُو سے عمل وردِّعمل کا حصہ ہے، عمل جب منفی اور غیر معتدل ہوگا تو ردِّعمل کے مثبت ومعتدل آنے کی کیونکر توقع رکھی جاسکتی ہے۔

اور اس طرح سے ہماری دیانت دارانہ رائے کے مطابق نہ پہلا نقطۂ نظر اعتدال پر مبنی کہلائے جانے کے قابل ہے، اور نہ ہی دوسرا نقطۂ نظر، بلکہ ایک اگر افراط پر مبنی ہے، تو دوسرا تفریط پر مبنی ہے، اور حق ومعتدل نقطۂ نظر ان دونوں کے درمیان ہے، جس میں نہ پہلے کی طرح ایسا جمود و خمود ہے کہ فقہی ومجتہد فیہ فروعی مسائل کا اختلاف امت کے لئے رحمت کے بجائے زحمت ٹھہرے، اور تحقیق واجتہاد ونظرِ ثانی اور راجح ومرجوح قرار دینے کے تمام کلّی وجزوی دروازے بند اور مسدود ہوجائیں، اور کسی بھی باصلاحیت صاحبِ علم کی فیمابینہٗ وبین اللہ، دیانت دارانہ رائے کے اظہار پر قفل پڑجائیں، اور امت کو درپیش مشکلات کے حل کا بھی کوئی راستہ نہ ہو، اور نہ ہی اس میں ایسی آزادی ہے کہ اس میں ہر اہل ونااہل، کس وناکس کو تحقیق واجتہاد کے نام پر اباحیت پرستی اور کلی آزادی کی کھلی چھوٹ مل جائے۔

مذکورہ اور اس جیسی دوسری بے اعتدالیوں اور انتہاء وتعصب پسندیوں کو نظر انداز کر کے اور ان کے مابین اعتدال کے راستوں کو مدنظر رکھ کر اگر اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے گا، تو ان شاءاللہ تعالیٰ مفید ثابت ہوگا، ورنہ طرح طرح کی عیب جوئیوں، عیب گوئیوں اور بدگمانیوں کی نوبت آئے گی۔

اور ہمیں مذکورہ بے اعتدالیوں اور انتہاء وتعصب پسندیوں کا مدتِ دراز سے متواتر مشاہدہ ہوتے رہنے سے اس بات کا پیشگی قوی خدشہ ہے کہ غیر معتدل اور انتہاء وتعصب پسند طبقہ کے اپنے مخصوص منجمد علمی ماحول میں زندگی گزارنے، ایک خاص مزاج بن جانے اور اس کے پختہ ہوجانے کی وجہ سے اس کو ہماری زیرِ نظر کتاب میں مذکور بعض باتیں اور آراء ناگوار

گزریں گی، بلکہ ایسا طبقہ کہ جس نے فقہی ومجتہد فیہ فروعی مسائل اور اہل السنۃ والجماعۃ کے مسالک کوایک دوسرے کے لئے ذاتی فتح وشکست اوراس سے بڑھ کرموت وزندگی کے مابین مقابلہ کا درجہ دیا ہوا ہے، اس کے لئے مجتہد فیہ مسائل کے باب میں بعض چیزیں باعثِ وحشت بنیں گی۔

مگر ہم نے جس مسئلہ میں جہاں کہیں بھی دلائل یاضرورت وحاجت کی وجہ سے اپنی رائے قائم کی ہے، وہ متقدمین وسلف کے طرزِ عمل کی پیروی کرتے ہوئے فیما بیننا وبین اللہ دیانت داری کے ساتھ بغیر کسی لومۃَ لائم کے قائم کی ہے، جس کی بروزِ قیامت اللہ کے حضور جوابدہی کا ہمیں احساس ہے۔

اس لئے ہمیں بحمد اللہ تعالیٰ اس غیر معتدل اور انتہاء وتعصب پسند طبقہ کی طرف سے ہونے والی چہ میگوئیوں سے کوئی دلچسپی اور ملامت کا ڈرنہیں ہے، البتہ اگر کسی صاحبِ علم کی طرف سے افہام وتفہیم کی غرض سے کوئی مصلحانہ مشورہ ورائے مدلل انداز میں سامنے آئی، تو اس پر غوروفکر کرنے اور دلائل کا ایک حد تک جائزہ لینے کے لئے ہماری طرف سے بحمد اللہ تعالیٰ ہروقت راستے کھلے ہوئے ہیں، بشرطیکہ وہ دلائل معقول اور اُصولی نوعیت کے ہوں، نہ کہ روایتی اور نامعقول، جن پر کہ ہم پہلے روشنی ڈال چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اصحابِ علم کوفقہی تعصّبات اور افراط وتفریط سے بچا کر راہِ اعتدال اور اپنی دیانت دارانہ رائے پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور امت کی مشکلات کوحل کرنے کی ذمہ داری کی طرف دین کے صحیح مقتداؤں ورہنماؤں کوحقیقت واعتدال پسندی کے ساتھ متوجہ ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

فقط محمد رضوان

مورخہ: ۲۴/شعبان المعظم/۱۴۳۴ھ 04 / جولائی/2013ء بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(مقدمہ)

حج سے متعلق بنیادی معلومات واحکام

حج کے مناسک اور حج کے اعمال شروع کرنے سے پہلے حج کے متعلق چند بنیادی معلومات اور احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حج وعمرہ کے معنیٰ

لفظِ ''حج'' جس کے حا پر زَبَر پڑھی جاتی ہے، اس کے عربی لغت (Dictionary) میں معنیٰ قصد وارادہ کرنے کے آتے ہیں۔

اور شریعت کی مخصوص زبان میں حج کے معنیٰ مخصوص جگہ یعنی بیتُ اللہ وعرفہ کا مخصوص وقت یعنی حج کے مہینوں میں مخصوص اعمال یعنی وقوفِ عرفہ، طواف، سعی وغیرہ کو مخصوص شرائط کے ساتھ ادا کرنے کا قصد وارادہ کرنے کے آتے ہیں۔

اور حج کے مقابلہ میں عمرہ کے معنیٰ طواف اور سعی کی غرض سے بیتُ اللہ کا قصد کرنے کے آتے ہیں۔ [1]

---

[1] الحج: بفتح الحاء ويجوز كسرها، هو لغة القصد، حج إلينا فلان :أى قدم، وحجه يحجه حجا :قصده .ورجل محجوج، أى مقصود .هذا هو المشهور.
وقال جماعة من أهل اللغة :الحج :القصد لمعظم.
والحج بالكسر :الاسم .والحجة :المرة الواحدة، وهو من الشواذ، لأن القياس بالفتح.
تعريف الحج اصطلاحا :الحج فى اصطلاح الشرع :هو قصد موضع مخصوص (وهو البيت الحرام وعرفة) فى وقت مخصوص (وهو أشهر الحج) للقيام بأعمال مخصوصة وهى الوقوف بعرفة، والطواف، والسعى عند جمهور العلماء ، بشرائط مخصوصة يأتى بيانها الألفاظ ذات الصلة:
العمرة :وهى قصد البيت الحرام للطواف والسعى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٢٣، مادة "حج"، تعريف الحج)

مناسک کے معنیٰ

''مناسک'' عربی زبان کا لفظ ہے، جو ''مَنسک'' کی جمع ہے، جس کے سین پر زَبر اور زیر دونوں پڑھے جاتے ہیں، اور اس کے معنیٰ عبادت کرنے کے آتے ہیں، اور حج کی خاص اصطلاح وزبان میں حج کے اعمال واحکام کو مناسک کہا جاتا ہے، تو مناسکِ حج کے معنیٰ ہوئے ''حج کے احکام واعمال''

اور ''مناسکِ حج'' سے حج کے وہ احکام مراد ہیں، جو حج کو عملی طور پر ادا کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ [1]

حج کی فرضیت

جب حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں تو زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے، اور حج کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔

---

[1] جہاں تک حج کے فرض یا واجب ہونے کے احکام کا تعلق ہے کہ مثلاً حج کس پر فرض، واجب ہے، اور کس پر نہیں؟ تو وہ موجودہ کتاب میں ہماری بحث سے خارج ہیں، اور اُن کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری کتاب ''ماہِ ذیقعدہ اور حج کے فضائل واحکام'' میں ذکر کر دی ہے۔

والمناسک : جمع منسک، بفتح السين وكسرها، وهو التعبد ويقع على المصدر والزمان والمكان وسميت أمور الحج كلها مناسک الحج.

وسئل ثعلب عن المناسک، ما هو؟ فقال :هو مأخوذ من النسيكة وهو سبيكة الفضة المصفاة كأنه صفى نفسه لله تعالى.

وفى (المطالع) المناسک مواضع متعبدات الحج، والمنسک المذبح أيضا، وقد نسک ينسک نسكا إذا ذبح.

والنسيكة الذبيحة، وجمعها :نسک والنسک أيضا الطاعة والعبادة، وكل ما تقرب به إلى الله تعالى.

والنسک :ما أمرت به الشريعة والورع، وما نهت عنه .والناسک العابد، وجمعه النساک(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۳، ص ۲۷۲، كتاب الحيض، باب تقضى الحائض المناسک كلها إلا الطواف بالبيت)

اوراسی وجہ سے حج کی فرضیت کا انکار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ [1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (سورة آل عمران، رقم الآية ۹۷)

ترجمہ: اوراللہ (کی رضا) کے واسطے بیتُ اللہ کا حج کرنا فرض ہےان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو شخص انکار کرے تو (اللہ تعالیٰ کا اس میں کیا نقصان ہے) اللہ تو تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے (سورہ آلِ عمران)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ،

---

[1] الحج فرض عين على كل مكلف مستطيع فى العمر مرة، وهو ركن من أركان الإسلام، ثبتت فرضيته بالكتاب والسنة والإجماع.

أ -أما الكتاب :فقد قال الله تعالى :(ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا ومن كفر فإن الله غنى عن العالمين)

فهذه الآية نص فى إثبات الفرضية، حيث عبر القرآن بصيغة (ولله على الناس) وهى صيغة إلزام وإيجاب، وذلك دليل الفرضية، بل إننا نجد القرآن يؤكد تلك الفرضية تأكيدا قويا فى قوله تعالى :(ومن كفر فإن الله غنى عن العالمين) فإنه جعل مقابل الفرض الكفر، فأشعر بهذا السياق أن ترك الحج ليس من شأن المسلم، وإنما هو شأن غير المسلم.

ب -وأما السنة فمنها حديث ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :بنى الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصيام رمضان، والحج. وقد عبر بقوله :بنى الإسلام . . .فدل على أن الحج ركن من أركان الإسلام.

وأخرج مسلم عن أبى هريرة قال :خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال :أيها الناس قد فرض الله عليكم الحج فحجوا فقال رجل :أكل عام يا رسول الله؟ فسكت حتى قالها ثلاثا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو قلت نعم لوجبت ولما استطعتم.

وقد وردت الأحاديث فى ذلك كثيرة جدا حتى بلغت مبلغ التواتر الذى يفيد اليقين والعلم القطعى اليقينى الجازم بثبوت هذه الفريضة.

ج -وأما الإجماع :فقد أجمعت الأمة على وجوب الحج فى العمر مرة على المستطيع، وهو من الأمور المعلومة من الدين بالضرورة يكفر جاحده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۲۳، وص۲۴، مادة "حج")

شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے، ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ (عبادت کے لائق) نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکاۃ ادا کرنا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کے روزے رکھنا (بخاری ومسلم)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ حج، اسلام کے بنیادی ستونوں میں سے ہے، جن پر کہ اسلام کی عمارت قائم ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری دوسری کتاب ''ماہ ذی قعدہ اور حج کے فضائل واحکام''

البتہ حج فرض ہونے کی شرائط پائی جانے کے بعد عذر نہ ہونے کی صورت میں فوری حج کرنا ضروری ہے، یا تاخیر کرنا بھی جائز ہے۔

اس میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حج فرض ہونے کے بعد زندگی میں جب بھی حج کرلیا جائے، تو حج کا فریضہ ادا ہوجاتا ہے۔

اور حج فرض ہونے کے بعد اگر کوئی معقول عذر نہ ہو تو جلد از جلد اس فریضہ سے سبکدوش

---

[1] رقم الحديث ٨، كتاب الايمان، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم :بني الإسلام على خمس، مسلم ،رقم الحديث ١٦ "٢٠"، ترمذي، رقم الحديث ٢٦٠٩، نسائي، رقم الحديث ٥٠٠١.

[2] عن جرير قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وحج البيت، وصوم رمضان " (مسند احمد، رقم الحديث ١٩٢٢٠)

فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

ہوجانے میں عافیت ہے۔ ۱؎

حج کی فضیلت

قرآن وسنت میں حج کے عظیم فضائل بیان کیے گئے ہیں، اور حج کرنے والے کے لئے بڑے بڑے انعامات کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ۲؎

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَصَلّٰی

۱؎ اختلفوا فی وجوب الحج عند تحقق الشروط هل هو على الفور أو على التراخی؟ .ذهب أبو حنيفة فی أصح الروايتين عنه وأبو يوسف ومالک فی الراجح عنه وأحمد إلى أنه يجب على الفور، فمن تحقق فرض الحج عليه فی عام فأخره يكون آثما، وإذا أداه بعد ذلک كان أداء لا قضاء ، وارتفع الإثم.

وذهب الشافعی والإمام محمد بن الحسن إلى أنه يجب على التراخی، فلا يأثم المستطيع بتأخيره. والتأخير إنما يجوز بشرط العزم على الفعل فی المستقبل، فلو خشی العجز أو خشی هلاک ماله حرم التأخير، أما التعجيل بالحج لمن وجب عليه فهو سنة عند الشافعی ما لم يمت، فإذا مات تبين أنه كان عاصيا من آخر سنوات الاستطاعة.

استدل الجمهور على الوجوب الفوری بالآتی:

أ -الحديث :من ملک زادا .وراحلة تبلغه إلى بيت الله، ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا.

ب -المعقول :وذلک أن الاحتياط فی أداء الفرائض واجب، ولو أخر الحج عن السنة الأولى فقد يمتد به العمر وقد يموت فيفوت الفرض، وتفويت الفرض حرام، فيجب الحج على الفور احتياطا.

واستدل الشافعية ومن معهم بما يلی:

أ -أن الأمر بالحج فی قوله تعالى :(ولله على الناس حج البيت) مطلق عن تعيين الوقت، فيصح أداؤه فی أی وقت، فلا يثبت الإلزام بالفور، لأن هذا تقييد للنص، ولا يجوز تقييده إلا بدليل، ولا دليل على ذلک .وهذا بناء على الخلاف أن الأمر على الفور أو للتراخی (انظر مصطلح :أمر).

ب -(أن النبی صلى الله عليه وسلم فتح مكة عام ثمان من الهجرة، ولم يحج إلا فی السنة العاشرة ولو كان واجبا على الفورية لم يتخلف رسول الله صلى الله عليه وسلم عن فرض عليه) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۲۴، وص۲۵، مادة "حج")

۲؎ فضل الحج :تضافرت النصوص الشرعية الكثيرة على الإشادة بفضل الحج، وعظمة ثوابه وجزيل أجره العظيم عند الله تعالى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۲۵، مادة "حج")

الصَّلَوَاتِ وَحَجَّ الْبَيْتَ، لَا أَدْرِیْ أَذَكَرَ الزَّكَاةَ أَمْ لَا، إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَّغْفِرَ لَهُ (ترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے، اور نمازیں پڑھیں، اور بیت اللہ کا حج کیا، راوی کہتے ہیں کہ شاید زکاۃ کی ادائیگی کا بھی ذکر فرمایا، تو اللہ پر یہ حق ہے کہ اس کی مغفرت فرمادیں (ترمذی)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَمْسٌ مَنْ جَاءَ بِهِنَّ مَعَ إِيْمَانٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ، مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ عَلٰى وُضُوْئِهِنَّ وَرُكُوْعِهِنَّ وَسُجُوْدِهِنَّ وَمَوَاقِيْتِهِنَّ، وَصَامَ رَمَضَانَ، وَحَجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا، وَأَعْطَى الزَّكَاةَ طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُهُ، وَأَدَّى الْأَمَانَةَ، قَالُوْا: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، وَمَا أَدَاءُ الْأَمَانَةِ قَالَ: اَلْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں ہیں، جو انہیں ایمان کے ساتھ بجالائے گا، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، جس نے پانچ نمازوں کی وضو کے ساتھ اور نمازوں کے رکوع اور سجود اور اوقات کی پابندی کے ساتھ حفاظت کی، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ کا حج کیا، اگر بیت اللہ کی طرف جانے کی استطاعت ہے، اور اپنی خوش دلی کے ساتھ زکاۃ ادا کی، اور امانت ادا کی، لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابوالدرداء امانت کی ادائیگی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ غسلِ جنابت کرنا (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

[1] رقم الحديث ۲۵۳۰، ابواب صفة الجنة، باب ما جاء فی صفة درجات الجنة.

[2] رقم الحديث ۴۲۹، كتاب الصلاة، باب فی المحافظة علی وقت الصلوات.

سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ، وَلَمْ یَفْسُقْ، رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ أُمُّہُ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ کے لئے (یعنی اللہ کی رضا کے لئے اخلاص کے ساتھ) حج کیا، اور (اس میں) نہ تو شہوت والی بات کی اور نہ گناہ کیا، تو وہ (حج کے بعد گناہوں سے) اس طرح (پاک صاف ہوکر) لوٹے گا جس طرح وہ اپنی ماں سے پیدا ہونے کے دن (گناہوں سے پاک صاف) تھا (بخاری)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حج کے اعمال کی فضیلت معلوم کرنے والے دوصحابہ کرام سے) فرمایا کہ:

فَإِنَّکَ إِذَا خَرَجْتَ مِنْ بَیْتِکَ تَؤُمُّ الْبَیْتَ الْحَرَامَ لا تَضَعُ نَاقَتُکَ خُفًّا، ولا تَرْفَعُہُ إِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ لَکَ بِہٖ حَسَنَۃً وَمَحَا عَنْکَ خَطِیْئَۃً وَأَمَّا رَکْعَتَاکَ بَعْدَ الطَّوَافِ کَعِتْقِ رَقَبَۃٍ مِنْ بَنِیْ إِسْمَاعِیْلَ وَأَمَّا طَوَافُکَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ بَعْدَ ذٰلِکَ کَعِتْقِ سَبْعِیْنَ رَقَبَۃً وَأَمَّا وُقُوْفُکَ عَشِیَّۃَ عَرَفَۃَ فَإِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی یَھْبِطُ إِلٰی سَمَاءِ الدُّنْیَا فَیُبَاھِیْ بِکُمُ الْمَلَائِکَۃَ یَقُوْلُ: عِبَادِیْ جَاءُ وْنِیْ شُعْثًا مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یَرْجُوْنَ رَحْمَتِیْ فَلَوْ کَانَتْ ذُنُوْبُکُمْ کَعَدَدِ الرَّمْلِ، أَوْ کَقَطْرِ الْمَطَرِ، أَوْ کَزَبَدِ الْبَحْرِ لَغَفَرَھَا، أَوْ لَغَفَرْتُھَا، أَفِیْضُوْا عِبَادِیْ مَغْفُوْرًا لَکُمْ وَلِمَنْ شَفَعْتُمْ لَہٗ وَأَمَّا رَمْیُکَ الْجِمَارَ فَلَکَ بِکُلِّ حَصَاۃٍ رَمَیْتَھَا کَبِیْرَۃٌ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ وَأَمَّا نَحْرُکَ فَمَذْخُوْرٌ لَکَ عِنْدَ رَبِّکَ وَأَمَّا حِلَاقُکَ رَأْسَکَ فَلَکَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَلَقْتَھَا

---

[1] رقم الحدیث ۱۵۲۱، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، واللفظ لہٗ؛ سنن النسائی، رقم الحدیث ۲۶۲۷؛ ابنِ ماجہ، رقم الحدیث ۲۸۸۹؛ مسند احمد، رقم الحدیث ۷۱۳۶.

حَسَنَةٌ وَيُمْحٰى عَنْکَ بِهَا خَطِيْئَةٌ وَأَمَّا طَوَافُکَ بِالْبَيْتِ بَعْدَ ذٰلِکَ فَإِنَّکَ تَطُوْفُ، وَلَا ذَنْبَ لَکَ يَأْتِيْ مَلَکٌ حَتّٰى يَضَعَ يَدَيْهِ بَيْنَ کَتِفَيْکَ فَيَقُوْلُ: إِعْمَلْ فِيْمَا تَسْتَقْبِلُ فَقَدْ غُفِرَ لَکَ مَا مَضٰى (مسند البزار) [1]

ترجمہ: جب تم بیت اللہ کی (زیارت اور حج وعمرہ کی) نیت سے اپنے گھر سے چلو گے، تو راستہ میں تمہاری اونٹنی کے ہر قدم اٹھانے اور رکھنے پر تمہارے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی، اور ایک خطا مٹائی جائے گی اور طواف کے بعد تمہارا دو رکعتیں

[1] رقم الحديث ٦١٧٧؛ واللفظ لهٗ؛ المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٣٥٦٦، دلائل النبوة للبيهقي، باب ما روى في إخبار النبي صلى الله عليه وسلم السائل بما أراد أن يسأله عنه قبل سؤاله.

قال البزار: وهذا الكلام قد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم من وجوه، ولا نعلم له طريقا أحسن من هذا الطريق وقد روى عطاف بن خالد، عن إسماعيل بن رافع، عن أنس، عن النبي صلى الله عليه وسلم هذا الكلام وحديث ابن عمر نحوه.

وقال البيهقي بعد نقل هٰذا الحديث: وله شاهد بإسناد حسن.

أخبرنا أبو نصر بن قتادة، أخبرنا أبو عمرو بن مطر، حدثنا أبو الحسين عبد الله بن محمد بن يونس السمناني، حدثنا أبو كريب، حدثنا يحيى بن عبد الرحمن الأرحبي، حدثنا عبيدة بن الأسود، حدثنا القاسم بن الوليد الجندعي، عن سنان بن الحارث بن مصرف عن طلحة بن مصرف عن مجاهد عن عبد الله ابن عمر قال :جاء رجل من الأنصار -وأظنه رجلا من ثقيف إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال :يا نبي الله !كلمات أسألک عنهن تعلمنيهن فذكر الحديث بمعناه .إلا أنه قال :وإذا رمى الجمرة فإن أحدا لا يدرى ماله حتى يوفاه يوم القيامة .وقال فى الطواف :خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه .وروى ذلک عن أنس بن مالک (دلائل النبوة للبيهقي)

وقال البوصيرى:رواه مسدد والبزار والأصبهاني بسند ضعيف، لضعف إسماعيل بن رافع .وله شاهد من حديث ابن عمر رواه الطبراني في الكبير، والبزار، وابن حبان في صحيحه، ورواه الطبراني في الأوسط من حديث عبادة بن الصامت (اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، تحت رقم الحديث ٢٥٤٠، باب في الطواف بالبيت وفضله)

وقال المنذرى:

رواه الطبراني في الكبير والبزار واللفظ له وقال وقد روى هذا الحديث من وجوه ولا نعلم له أحسن من هذا الطريق. قال المملى رضى الله عنه وهى طريق لا بأس بها رواتها كلهم موثقون ورواه ابن حبان فى صحيحه ويأتى لفظه فى الوقوف إن شاء الله تعالى (الترغيب والترهيب، كتاب الحج الترغيب في الحج والعمرة، تحت رقم الحديث ١٧٠٩، ج ٢ ص ١١١ مطبوعه بيروت ، لبنان)

ادا کرنا (ثواب میں) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک غلام آزاد کرنے کی طرح ہے اور صفا ومروہ کی سعی کرنے کا (ثواب) ستر غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور عرفہ کے دن شام کو تمہارا میدانِ عرفات میں وقوف کرنا (ایسا مبارک ہے کہ) اللہ تبارک وتعالیٰ (خاص تجلی اور رحمت کے ساتھ اپنی شان کے مطابق) آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔

اور ملائکہ کے سامنے تم پر فخر فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ میرے بندے غبار آلود، پراگندہ بال، ہر گہری اور کشادہ وادی سے (نکل کر) میرے پاس آئے ہیں اور میری جنت (ملنے کی) آرزو رکھتے ہیں (پھر بندوں سے ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندو!) اگر تمہارے گناہ ریت کے ذرّوں کی تعداد کے برابر ہوں یا بارش کے قطروں یا سمندر کی جھاگ کی طرح ہوں تو بھی میں نے بخش دیئے، اب تم بخشے ہوئے لوٹ جاؤ اور جن کی تم سفارش کرو (ان کو بھی بخش دیا) جمرات کی رمی میں ہر اس کنکری کے بدلہ جس سے تم رمی کرو گے ہلاک کرنے والے گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ معاف ہوگا، اور تمہاری (حج کی) قربانی تمہارے رب کے پاس ذخیرہ ہے (جس کا ثواب آخرت میں ملے گا) اور سر منڈانے میں تمہارے ہر بال کے بدلہ میں جس کو تم نے مونڈا ہے ایک نیکی عطا ہوگی اور ایک خطا مٹائی جائے گی (اس کے بعد آخر میں) تمہارا بیت اللہ کا طواف کرنا ایسی حالت میں ہوگا کہ تم پر کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں ہے اور ایک فرشتہ آئے گا اور تمہارے دونوں کاندھوں کے درمیان ہاتھ رکھے گا اور کہے گا کہ آئندہ (نئے سرے سے) عمل کرو تمہارے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے (بزار، طبرانی، بیہقی)

حج کی اس طرح کی اور بھی فضیلتیں آئی ہیں، جن کو ہم نے اپنی دوسری کتاب ''ماہ ذی قعدہ اور حج کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردیا ہے، وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

حج کی حکمت

حج کی اصل حکمت تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنا اور اس عبادت کے فریضہ کو ادا کرنا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ حج کرنے میں بعض اور حکمتیں بھی پائی جاتی ہیں، مثلاً حج کرنے والا اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی محبت، عاجزی وانکساری، آخرت کی طرف رغبت، دنیا سے نفرت اور شیطان سے عداوت وغیرہ کا اظہار کرتا ہے۔

اور حج کی ادائیگی کے ذریعہ سے بدن اور مال کی نعمت کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔

اور حج کے موقع پر روئے زمین کے بے شمار مسلمانوں کا اجتماع ہوتا ہے، جس میں مسلمانوں کی ایک دوسرے سے محبت ومودت اور اتفاق واتحاد کا اظہار کیا جاتا ہے، اور ایک دوسرے سے مفید چیزیں اور حکمت وتجربہ کی باتیں حاصل کرنے اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حالات معلوم کرنے کا موقع میسر آتا ہے۔ [1]

---

[1] حكمة مشروعية الحج : شرعت العبادات لإظهار عبودية العبد لربه ومدى امتثاله لأمره، ولكن من رحمة الله تعالى أن أكثر هذه العبادات لها فوائد تدركها العقول الصحيحة وأظهر ما يكون ذلك فى فريضة الحج. وتشتمل هذه الفريضة على حكم جليلة كثيرة تمتد فى ثنايا حياة المؤمن الروحية، ومصالح المسلمين جميعهم فى الدين والدنيا، منها:أ -أن فى الحج إظهار التذلل لله تعالى، وذلك لأن الحاج يرفض أسباب الترف والتزين، ويلبس ثياب الإحرام مظهرا فقره لربه، ويتجرد عن الدنيا وشواغلها التى تصرفه عن الخلوص لمولاه، فيتعرض بذلك لمغفرته ورحمته، ثم يقف فى عرفة ضارعا لربه حامدا شاكرا نعماء ه وفضله، ومستغفرا لذنوبه وعثراته، وفى الطواف حول الكعبة البيت الحرام يلوذ بجناب ربه ويلجأ إليه من ذنوبه، ومن هوى نفسه، ووسواس الشيطان.ب -أن أداء فريضة الحج يؤدى شكر نعمة المال، وسلامة البدن، وهما أعظم ما يتمتع به الإنسان من نعم الدنيا، ففى الحج شكر هاتين النعمتين العظيمتين، حيث يجهد الإنسان نفسه " وينفق ماله فى طاعة ربه والتقرب إليه سبحانه، ولا شك أن شكر النعماء واجب تقرره بداهة العقول، وتفرضه شريعة الدين.ج -يجتمع المسلمون من أقطار الأرض فى مركز اتجاه أرواحهم، ومهوى أفئدتهم، فيتعرف بعضهم على بعض، ويألف بعضهم بعضا، هناك حيث تذوب الفوارق بين الناس، فوارق الغنى والفقر، فوارق الجنس واللون، فوارق اللسان واللغة، تتحد كلمة الإنسان فى أعظم مؤتمر بشرى اجتمعت كلمة أصحابه على البر والتقوى وعلى التواصى بالحق والتواصى بالصبر، هدفه العظيم ربط أسباب الحياة بأسباب السماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٢٦، وص٢٧، مادة "حج")

حج فرض ہونے کی شرائط

زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے، بلکہ اُسی پر فرض ہے، جس میں حج فرض ہونے کی شرائط پائی جائیں، اوران شرائط کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''جس مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد غیر معذور کی ملکیت میں حج پر جانے یا حج کی درخواستیں وصول کیئے جانے کے وقت اس کی اصلی اور بنیادی ضروریات سے زائد اور فاضل اتنا مال ہو کہ جس سے وہ بیت اللہ وعرفات تک آنے جانے اور وہاں کے قیام وطعام کا خرچ برداشت کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور واپسی تک اپنے اُن اہل وعیال و متعلقین کے خرچ کا انتظام بھی کر سکے جن کا نان ونفقہ اس کے ذمہ واجب ہے اور راستہ بھی مامون (امن والا) ہو اور حکومت وغیرہ کی طرف سے کوئی رُکاوٹ نہ ہو، تو ایسے ہر مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ حج فرض ہے''

عورت کے لئے چونکہ بغیر محرم کے اور عدت میں سفر کرنا شرعاً جائز نہیں اس لئے وہ حج ادا کرنے پر اس وقت قادر سمجھی جائے گی جبکہ اس کے ساتھ شوہر یا کوئی شرعی محرم حج کرنے والا ہو، خواہ محرم اپنے خرچ سے حج کر رہا ہو یا یہ عورت اس کے سفر کا خرچ بھی برداشت کرے، اور وہ عورت عدت میں بھی نہ ہو۔

(تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''ماہِ ذیقعدہ اور حج کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

حج صحیح ہونے کی شرائط

جب کوئی حج کرے، تو اُس کا حج صحیح ہونے کے لئے بھی کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جن کو شرائطِ صحتِ اداء یا حج صحیح ہونے کی شرائط کہا جاتا ہے۔

ان شرائط کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ شرائط نہ پائی جائیں، اگرچہ حج فرض ہونے کی شرائط پائیں جائیں، تو حج کی ادائیگی صحیح و درست نہیں کہلاتی۔

ان شرائط کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱)......اسلام (یعنی اسلام کی حالت میں حج کرنا)

کیونکہ غیر مسلم عبادت کا اہل نہیں ہوتا، اور اس کا عبادت کرنا صحیح نہیں ہوتا، لہٰذا اگر کوئی غیر مسلم اپنی یا کسی دوسرے کی طرف سے حج کرے، تو اس کا حج کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

اور اسی وجہ سے اگر کوئی غیر مسلم حج کرے، یا اس کی طرف سے کوئی دوسرا حج کرے، پھر یہ غیر مسلم اسلام لے آئے، تو اسلام لانے کے بعد حج فرض ہونے کی شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر حج کرنا فرض ہوگا۔ [۱]

(۲)......عقل (یعنی حج کرنے والے کا صاحبِ عقل ہونا)

کیونکہ پاگل ومجنون عبادت کا اہل نہیں، اور اگر وہ جنون وپاگل پنے کی حالت میں خود سے حج کرے، تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا۔ [۲]

---

[۱] شروط صحة الحج:

شـروط صـحة الـحج أمور تتوقف عليها صحة الحج وليست داخلة فيه .فـلـو اختل شيء منها كان الحج باطلا، وهي:

الشرط الأول :الإسلام:

يشترط الإسلام لأن الكافر ليس أهلا للعبادة ولا تصح منه، فلا يصح حج الكافر اصالة ولا نيابة، فإن حج أو حج عنه ثم أسلم، وجبت عليه حجة الإسلام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۳۹، مادة "حج")

[۲] اورحنفیہ کے نزدیک ایسا بچہ جو شعور نہ رکھتا ہو، اس کا حج کرنا بھی صحیح نہیں ہوتا، اور حنفیہ کے نزدیک حج صحیح واقع ہونے (نہ کہ فرض واقع ہونے) کے لئے نابالغ کا ممیّز ہونا ضروری ہے، جس کو صبی ممیّز کہا جاتا ہے۔

الشرط الثانى : العقل :يشتـرط الـعقـل لأن المجنون ليس أهلا للعبادة أيضا ولا تصح منه .فلو حج المجنون فحجه غير صحيح، وإذا أفاق وجبت عليه حجة الإسلام .لكن يصح أن يحج عن المجنون وليه ويقع نفلا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۳۹مادة "حج")

ومـنـهـا الـعـقـل فـلا يـجوز أداء الحج من المجنون والصبى الذى لا يعقل كما لا يجب عليهما، فأما البـلـوغ والـحرية فليسا من شرائط الجواز، فيجوز حج الصبى العاقل بإذن وليه، والعبد الكبير بإذن مولاه لكنه لا يقع عن حجة الإسلام لعدم الوجوب (بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۶۰، كتاب الحج، فصل شرائط أركان الحج)

(۳)......زمان (یعنی حج کے ارکان ومناسک مخصوص زمانے میں ادا کرنا)

کیونکہ اگر کسی نے حج کے مناسک ادا کیئے جانے کے مخصوص زمانے کے علاوہ کسی اور وقت میں وقوفِ عرفہ، رمی جمرات وغیرہ کیا، تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا۔ [1]

(۴)......مکان (یعنی حج کے ارکان ومناسک اُن کے مخصوص ومقررہ مقامات پر جا کرادا کرنا)

کیونکہ اگر کسی نے حج کے مناسک ادا کیے جانے والی جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ میں طواف، سعی اور وقوف وغیرہ کیا، تو اس کا حج صحیح نہیں ہوگا۔ [2]

---

[1] الشرط الثالث :الميقات الزماني : ذكر الله تعالى للحج زمانا لا يؤدى فى غيره، فى قوله تعالى :(الحج أشهر معلومات)

قال عبد الله بن عمر وجماهير الصحابة والتابعين ومن بعدهم :هى شوال وذو القعدة وعشر من ذى الحجة.

ووقع الخلاف فى نهار يوم النحر، فقال الحنفية والحنابلة :هو من أشهر الحج .وقال الشافعية : آخر أشهر الحج ليلة النحر، وليس نهار يوم النحر منها.

ووسع المالكية فقالوا :آخر أشهر الحج نهاية شهر ذى الحجة.

وامتداد الوقت بعد ليلة النحر إلى آخر ذى الحجة عند المالكية إنما هو بالنظر إلى جواز التحلل من الإحرام وكراهة العمرة فقط.

فلو فعل شيئا من أعمال الحج خارج وقت الحج لا يجزيه، فلو صام المتمتع أو القارن ثلاثة أيام قبل أشهر الحج لا يجوز، وكذا السعى بين الصفا والمروة عقب طواف القدوم لا يقع عن سعى الحج إلا فيها.

نعم أجاز الحنفية والمالكية والحنابلة الإحرام بالحج قبلها مع الكراهة عندهم .(انظر مصطلحى إحرام فقرة ۳۴، وأشهر الحج).

ولا يصح الإحرام بالحج قبل وقته عند الشافعية، فلو أحرم به فى غير وقته انعقد عمرة على الصحيح عندهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۰، مادة "حج")

[2] الشرط الرابع: الميقات المكانى: هناك أماكن وقتها الشارع أى حددها لأداء أركان الحج، لا تصح فى غيرها .فالوقوف بعرفة، مكانه أرض عرفة .والطواف بالكعبة، مكانه حول الكعبة. والسعى، مكانه المسافة بين الصفا والمروة.

ونفصل توقيت المكان لكل منسك فى موضعه إن شاء الله تعالى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۰، وص ۴۱، مادة "حج")

اور حنفیہ کے نزدیک احرام کا ہونا بھی حج صحیح ہونے کی شرط میں داخل ہے۔ ۱؎

۱؎ اور حنفیہ کے نزدیک احرام صحیح ہونے کے لئے نیت کے ساتھ تلبیہ بھی ضروری ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک احرام، حج کی شرط کے بجائے حج کے رُکن میں داخل ہے، اور احرام کے لئے نیت ضروری ہے، اور تلبیہ سنت ہے۔

ملحوظ رہے کہ بعض مشائخ حنفیہ نے حج کی شرائطِ صحت تین ذکر فرمائی ہیں، ایک مکان، دوسرے زمان، اور تیسرے احرام۔ اور بعض حضرات نے احرام کے بجائے نیت کا ذکر فرمایا ہے، اور بعض حضرات نے ایک چوتھی شرط اسلام بھی ذکر فرمائی ہے۔ اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے تمیز اور صاحبِ قدرت کا خود حج کے مناسک ادا کرنا اور وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع وصحبت نہ کرنا اور اسی سال کے احرام میں حج کرنا بھی حج صحیح ہونے کی شرائط میں داخل مانا ہے۔

اور اس اختلاف وفرق کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض شرائط ایسی ہیں کہ جو حج فرض یا واجب ہونے کی شرائط میں بھی داخل ہیں، جیسا کہ اسلام اور عقل، اس لئے بعض مشائخ حنفیہ نے شرائطِ صحت میں ان کو مستقلاً ذکر نہیں فرمایا، اور کیونکہ احرام صحیح ہونے کے لئے نیت بھی شرط ہے، اس لئے بعض حضرات نے صرف احرام کو ذکر کردیا، اور نیت کے ذکر کی مستقل ضرورت نہیں سمجھی۔

جہاں تک مباشرتِ افعال کا تعلق ہے، تو چونکہ بعض اعذار میں دوسرے کی طرف سے افعال کی ادائیگی جائز ہوتی ہے، اور اسی طرح عدمِ جماع کو دیگر حضرات نے مفسدات میں ذکر فرمایا ہے، نیز اسی سال کے احرام سے حج کا تعلق چونکہ ایک حیثیت سے احرام کی صحت میں داخل تھا، اس لئے دیگر حضرات نے ان اُمور کو مستقل شرائط کے تحت ذکر نہیں فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(وأما شرائط صحة أدائه فثلاثة) الإحرام والمكان والزمان هكذا فى السراج الوهاج (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱، ص ۲۱۹، كتاب المناسك، الباب الأول)

والثالثة أعنى شرائط الصحة أربعة الإحرام بالحج والوقت المخصوص والمكان المخصوص والإسلام ومنهم من ذكر بدل الإحرام النية وهذا أولى لاستلزامه النية وغيرها (البحرالرائق، ج ۲، ص ۳۳۱، وص ۳۳۲، كتاب الحج)

النوع الثالث :شرائط صحة الأداء وهى تسعة :الإسلام والإحرام، والزمان، والمكان، والتمييز، والعقل ومباشرة الأفعال إلا بعذر وعدم الجماع والأداء من عام الإحرام(ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۵۸، كتاب الحج)

(و) الحج (فرضه) ثلاثة (الإحرام) وهو شرط ابتداء ، وله حكم الركن انتهاء حتى لم يجز لفائت الحج استدامته ليقضى به من قابل(الدر المختار)

(قوله فرضه) عبر به ليشمل الشرط والركن ط (قوله الإحرام) هو النية والتلبية أو ما يقوم مقامها أى مقام التلبية من الذكر أو تقليد البدنة مع السوق لباب وشرحه (قوله وهو شرط ابتداء) حتى صح تقديمه على أشهر الحج وإن كره كما سيأتى ح (قوله حتى لم يجز إلخ) تفريع على شبهه بالركن يعنى أن فائت الحج لا يجوز له استدامة الإحرام، بل عليه التحلل بعمرة والقضاء من قابل كما يأتى، ولو كان شرطا محضا لجازت الاستدامة اهـ ح ويتفرع عليه أيضا ما فى شرح اللباب من أنه لو أحرم ثم ارتد والعياذ بالله تعالى بطل إحرامه وإلا فالردة لا تبطل الشرط الحقيقى كالطهارة للصلاة اهـ وكذا ما قدمناه من اشتراط النية فيه، والشرط المحض لا يحتاج إلى نية وكذا ما مر من عدم سقوط الفرض عن صبى أو عبد أحرم فبلغ أو عتق ما لم يجدده الصبى (قوله ليقضى من قابل) أى بهذا الإحرام السابق المستدام ط(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۴۶۶، وص ۴۶۷، كتاب الحج)

حج کے فرض واقع ہونے کی شرائط

فقہائے کرام نے حج کی جو شرائط ذکر فرمائی ہیں، اُن میں بعض شرائط وہ ہیں، جن کو حج کے فرض واقع ہونے کی شرائط کہا جاتا ہے، اور ان شرائط کا مطلب یہ ہے کہ ان شرائط کے پائے جانے سے ادا شدہ حج، فرض حج کی ادائیگی میں شمار کیا جاتا ہے، ورنہ وہ حج، فرض حج کی ادائیگی میں شمار نہیں کیا جاتا۔

حج کے فرض واقع ہونے کی شرائط درجِ ذیل ہیں:

(۱)......اسلام (یعنی حج اسلام کی حالت میں کرنا)

کیونکہ اگر کسی نے اسلام لانے سے پہلے حج کیا، تو اس سے اس کے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، اور مسلمان ہونے کے بعد صاحبِ استطاعت ہونے پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا۔

(۲)...... اسلام پر باقی رہنا (یعنی حج کرنے کے بعد اسلام کی حالت پر قائم رہنا)

کیونکہ اگر نعوذ باللہ کوئی حج کرنے کے بعد دائرۂ اسلام سے خارج ومرتد ہوجائے، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کے حج کا فریضہ کالعدم اور غیر معتبر ہوجاتا ہے، اور اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوتا ہے۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق مرتد ہونے کی وجہ سے حج کا فریضہ کالعدم نہیں ہوتا، اور اس پر دوبارہ حج کرنا فرض نہیں ہوتا۔ [1]

---

[1] شروط إجزاء الحج عن الفرض: شروط إجزاء الحج عن الفرض ثمانية وهي:
أ -الإسلام :وهو شرط لوقوعه عن الفرض والنفل، بل لصحته من أساسه كما هو معلوم.
ب -بقاؤه على الإسلام إلى الموت من غير ارتداد عياذا بالله تعالى، فإن ارتد عن الإسلام بعد الحج ثم تاب عن ردته وأسلم وجب عليه الحج من جديد عند الحنفية والمالكية، ورواية عن أحمد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۳)......عقل (یعنی عقل مند ہونے کی حالت میں فرض حج ادا کرنا)

کیونکہ اگر کسی نے جنون و پاگل پنے کی حالت میں حج کیا، تو اس سے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، اور صحت مند ہونے کے بعد صاحبِ استطاعت ہونے پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا۔

(۴)......آزاد ہونا (یعنی آزاد ہونے کی حالت میں فرض حج کرنا)

کیونکہ اگر کسی شرعی غلام و باندی نے آزاد ہونے سے پہلے حج کیا، تو اس کے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، اور آزاد ہونے کے بعد صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا۔

(۵)......بلوغ (یعنی بالغ ہونے کی حالت میں فرض حج ادا کرنا)

کیونکہ اگر کسی نے نابالغ ہونے کی حالت میں حج کیا، تو یہ نفل حج واقع ہوگا، اور اس سے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، اور بالغ ہونے کے بعد صاحبِ استطاعت ہونے پر اس کو دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا۔

(۶)......اگر قدرت ہو تو خود حج کے افعال ادا کرنا۔

کیونکہ اگر کوئی شخص صحیح وتندرست ہے، اور کوئی شرعی رُکاوٹ نہیں تو خود جا کر حج ادا کرنا ضروری ہے، ایسی صورت میں کسی اور کا اس کی طرف سے حج کرنا فرض حج

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الشافعية وهو رواية عن أحمد :لا تجب عليه حجة الإسلام مجددا بعد التوبة عن الردة
استدل الحنفية والمالكية ومن معهم بقوله تعالى :(لئن أشركت ليحبطن عملك. .فقد جعلت الآية الردة نفسها محبطة للعمل.
واستدل الشافعي بقوله تعالى :(ومن يرتدد منكم عن دينه فيمت وهو كافر فأولئك حبطت أعمالهم في الدنيا والآخرة وأولئك أصحاب النار هم فيها خالدون
فقد دلت الآية على أن إحباط الردة للعمل مشروط بالموت كافرا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۴، مادة "حج")

نہیں بنے گا، بلکہ نفل حج بنے گا۔ [1]

(۷)......نفل حج کی نیت نہ کرنا۔

کیونکہ اگرکوئی نفل حج کی نیت سے حج کرے، اوراس نے اپنا فرض حج ادا نہ کیا ہو، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نفل کی نیت کے ساتھ حج کرنے سے اس کے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔

البتہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفل حج کی نیت کرنے کی صورت میں بھی، اس کے حج کا فریضہ ادا ہو جائے گا۔

(۸)......دوسرے کی طرف سے حج کی نیت نہ کرنا۔

کیونکہ اگر کسی نے اپنی طرف سے حج کی نیت نہیں کی، بلکہ کسی اور کی طرف سے نیت کر کے حج کیا، تو اس سے اس حج کرنے والے کے حج کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔ [2]

---

[1] ج -العقل :فإن المجنون وإن صح إحرام وليه عنه ومباشرته أعمال الحج عنه، فإنه يقع نفلا لا فرضا.

نعم، لو كان حال الإحرام مفيقا يعقل النية والتلبية وأتى بهما، ثم أوقفه وليه، وباشر عنه سائر أموره صح حجه فرضا، إلا أنه يبقى عليه طواف الزيارة حتى يفيق فيؤديه بنفسه.

د -الحرية :فإذا حج العبد ثم عتق لا تسقط عنه حجة الإسلام .وقد سبق الكلام فيها .(فقرة ۱۲).

هـ -البلوغ :فإذا حج الصبي ثم بلغ فعليه حجة الإسلام .وقد سبق الكلام فيه (فقرة ۱۱ و ۱۲)

و -الأداء بنفسه إن قدر عليه :بأن يكون صحيحا مستكملا شروط وجوب أداء الحج بنفسه، فإنه حينئذ إذا أحج عنه غيره صح الحج ووقع نفلا، وبقي الفرض في ذمته.

أما إذا اختل شرط من شروط وجوب الأداء بنفسه فأحج عنه غيره صح وسقط الفرض عنه، بشرط استمرار العذر إلى الموت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۴۱، وص ۴۲، مادة "حج")

[2] ز -عدم نية النفل :فيقع الحج عن الفرض بنية الفرض في الإحرام، وبمطلق نية الحج.

أما إذا نوى الحج نفلا وعليه حجة الفرض أو نذر، فإنه يقع نفلا عند الحنفية والمالكية .ويقع عن الفرض أو النذر عند الشافعية، وهو المذهب عند الحنابلة.

يدل للأولين حديث وإنما لكل امرء ما نوى وهذا نوى النفل فلا يقع عن الفرض، لأنه ليس له إلا ما نواه.

واستدل للآخرين بأنه قول ابن عمر وأنس .وأن المراد بالحديث غير الحج.

ح -عدم النية عن الغير :وهذا محل اتفاق إذا كان المحرم بالحج قد حج عن نفسه قبل ذلك، فإن نوى عن غيره وقع عن غيره اتفاقا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حج کرنے والے کے لئے ہدایات وآداب

حج کرنے والے کو چند آداب کا لحاظ کرنا چاہئے، اور حج سے متعلق رائج منکرات ورسموں سے بچنا چاہئے، جن کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)...... حج کرنے سے پہلے اپنی نیت میں اخلاص پیدا کرے، اور ریاء کاری ودکھلاوے سے پرہیز کرے۔ [۱]

(۲)...... حج کرنے سے پہلے تجربہ کار اور صاحبِ علم حضرات سے حج کے سفر اور حج کے احکام سے متعلق مشورہ اور علم حاصل کرلے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أما إذا لم يكن حج عن نفسه حجة الإسلام ونوى عن غيره فإنه يقع عن الغير مع الكراهة عند الحنفية والمالكية، ويقع عن نفسه عند الشافعية والحنابلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۴۱، وص ۴۲، مادة "حج")

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر حج کرنے والے نے اپنا حج کا فریضہ ادا نہیں کیا، پھر وہ دوسرے کی طرف سے حج کرے، تو شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اس سے حج کرنے والے کا حج ہی ادا ہوگا۔

ملحوظ رہے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے عدمِ افساد (یعنی احرام باندھنے کے بعد وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع نہ کرنے) کو بھی حج فرض واقع ہونے کی ایک مستقل شرط قرار دیا ہے، اور اس طرح اُن کے نزدیک ان شرائط کی تعداد آٹھ کے بجائے مجموعی طور پر نو بنتی ہے۔

النوع الرابع :شرائط وقوع الحج عن الفرض وهى تسعة أيضا :الإسلام، وبقاؤه إلى الموت، والعقل، والحرية والبلوغ والأداء بنفسه إن قدر، وعدم نية النفل، وعدم الإفساد، وعدم النية عن الغير(ردالمحتار، ج۲، ص۴۵۸، كتاب الحج)

زاد العلامة السندى تلميذ العلامة ابن الهمام فى منسكه المتوسط المسمى لباب المناسك قسما رابعا وهو شرائط وقوع الحج عن الفرض وهى تسعة الإسلام وبقاؤه إلى الموت والعقل والحرية والبلوغ والأداء بنفسه إن قدر وعدم نية النفل وعدم الإفساد وعدم النية عن الغير فلا يقع حج الكافر عن الفرض ولا عن النفل إذا أسلم ولا المسلم إذا ارتد بعد الحج وإن تاب ولا المجنون والصبى والعبد وإن أفاق وبلغ وعتق بعده ولا بأداء الغير قبل العذر ولا بنية النفل أو عن الغير أو مع الفساد فهؤلاء لو حجوا ولو بعد الاستطاعة لا يسقط عنهم الفرض ويجب عليهم ثانيا إذا استطاعوا اهـ (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص ۳۳۱، كتاب الحج)

[۱] عن أنس بن مالک، قال :حج النبى صلى الله عليه وسلم على رحل، رث، وقطيفة تساوى أربعة دراهم، أو لا تساوى، ثم قال :اللهم حجة لا رياء فيها، ولا سمعة (ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۸۹۰، باب الحج على الرحل)

(۳)...... جب حج کا ارادہ ہوجائے، تو حج کے سفر کی تعیین اور کیفیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرلے، مثلاً وہ کون سے ادارہ ومحکمہ کے واسطہ اور کون سے طریقہ (وپیکج) سے حج کا سفر کرے۔ [1]

(۴)...... جب حج کا پختہ ارادہ وعزم ہوجائے، تو تمام گناہوں اور خطاؤں سے سچی توبہ کرے، اور مخلوق کی جو مالی وجانی حق تلفیاں اور مظالم کیے ہیں، اُن کی ادائیگی کرے، یاصِدقِ دل سے معافی طلب کرے۔

اور اگر کچھ حقوق ذمہ میں باقی ہوں، تو اُن کی وصیت کردے، اور اپنے اہل وعیال ومتعلقین کو بھی خیر کی وصیت کردے۔

اور اپنے زیرِ کفالت بیوی، بچوں وغیرہ کے نان ونفقہ اوران کی نگرانی کا معقول انتظام وبندوبست کردے۔

(۵)...... اپنے بزرگوں، عزیزوں اور بطورِ خاص والدین کو راضی کرنے کی کوشش کرے۔

(۶)...... حج میں خرچ کرنے کے لئے حلال مال کا انتخاب واہتمام کرے۔

---

[1] آداب الحاج:

آداب الاستعداد للحج:

أ -يستحب أن يشاور من يثق بدينه وخبرته فی تدبير أموره، ويتعلم أحكام الحج و كيفيته .قال الإمام النووی :وهذا فرض عين، إذ لا تصح العبادة ممن لا يعرفها، ويستحب أن يستصحب معه كتابا واضحا فی المناسک جامعا لمقاصدها، وأن يديم مطالعته ويكررها فی جميع طريقه لتصير محققة عنده .ومن أخل بهذا خفنا عليه أن يرجع بغير حج، لإخلاله بشرط من شروطه أو ركن من أركانه، أو نحو ذلک، وربما قلد كثير من الناس بعض عوام مكة وتوهم أنهم يعرفون المناسک فاغتر بهم، وذلک خطأ فاحش.

ب -إذا عزم على الحج فيستحب له أن يستخير الله تعالى، لكن ليس للحج نفسه، فإنه لا استخارة فی فعل الطاعات، لكن للأداء هذا العام إن كانت الحجة نافلة، أو مع هذه القافلة، وترد الاستخارة على الحج الفرض هذا العام لكن على القول بتراخی وجوبه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۸۱، مادة "حج")

(۷)...... نیک صالح اور حج کے احکام کا علم رکھنے والے ساتھیوں کے ساتھ حج کا سفر کرنے کی کوشش کرے، اور اگر کوئی مستند باشرع عالمِ دین میسر آجائے تو یہ اور بھی بہتر ہے۔ [1]

(۸)...... جب حج کا سفر شروع کرے، تو اپنے گھر والوں، پڑوسیوں اور رفقاء کو الوداع کہے، اور ان کو اللہ کے حفظ وامان میں دینے کی دعاء کرے۔

(۹)...... بہتر ہے کہ سفرِ حج کے لئے گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ لے، جس کی پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھنا بہتر ہے۔

---

[1] ج -إذا استقر عزمه على الحج بدأ بالتوبة من جميع المعاصي والمكروهات، ويخرج من مظالم الخلق، ويقضي ما أمكنه من ديونه، ويرد الودائع، ويستحل كل من بينه وبينه معاملة في شيء أو مصاحبة، ويكتب وصيته، ويشهد عليها، ويوكل من يقضي عنه ما لم يتمكن من قضائه، ويترك لأهله ومن تلزمه نفقته نفقتهم إلى حين رجوعه .

ولا يتوهم أحد الإفلات من حقوق الناس بعباداته، ما لم يؤد الحقوق إلى أهلها، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يغفر للشهيد كل شيء إلا الدين.

د -أن يجتهد في إرضاء والديه، ومن يتوجه عليه بره وطاعته، وإن كانت زوجة استرضت زوجها وأقاربها، ويستحب للزوج أن يحج بها، فإن منعه أحد والديه من حج الإسلام لم يلتفت إلى منعه، وإن منعه من حج التطوع لم يجز له الإحرام، فإن أحرم فللوالد تحليله على الأصح عند الشافعية، خلافا للجمهور.

هـ -ليحرص أن تكون نفقته كثيرة وحلالا خالصة من الشبهة، فإن خالف وحج بمال فيه شبهة أو بمال مغصوب صح حجه في ظاهر الحكم، لكنه عاص وليس حجا مبرورا، وهذا مذهب الشافعي ومالک، وأبي حنيفة رحمهم الله وجماهير العلماء من السلف والخلف، وقال أحمد بن حنبل :لا يجزيه الحج بمال حرام . وفي رواية أخرى يصح مع الحرمة.

وفي الحديث الصحيح :أنه صلى الله عليه وسلم :ذكر الرجل يطيل السفر، أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء :يا رب، يا رب ومطعمه حرام، ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذي بالحرام، فأنى يستجاب لذلک.

و الحرص على صحبة رفيق موافق صالح يعرف الحج، وإن أمكن أن يصحب أحد العلماء العاملين فليتمسک به، فإنه يعينه على مبار الحج ومكارم الأخلاق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۸۱، وص ۸۲، مادة "حج")

اور گھر سے نکلتے وقت مسنون دعاء پڑھ لے، مثلاً:

بِسْمِ اللّٰهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.

(۱۰)......سفر میں دعاء کی کثرت رکھے، اور سفر کے آداب کا اہتمام کرے۔ [۱]

(۱۱)......اچھے اخلاق اور صبر کا مظاہرہ کرے، اور بداخلاقی و بے صبری سے بچنے کا اہتمام کرے۔

(۱۲)......اللہ کی طرف دل کے استحضار اور خشوع وخضوع کا اہتمام کرے۔

(۱۳)......حج کے احکام ومناسک کو سنت کے مطابق ادا کرنے کا اہتمام کرے، اور افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کے راستہ کو اختیار کرے، اور ہر قدم پر وقت ضائع کرنے اور خاص کر گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرے۔ [۲]

---

[۱] آداب السفر للحج: نشير إلى نبذ هامة منها فيما يلي:
أ -يستحب أن يودع أهله وجيرانه وأصدقاءه، ويقول لمن يودعه ما جاء في الحديث :أستودعك الله الذي لا تضيع ودائعه.
ويسن للمقيم أن يقول للمسافر :أستودع الله دينك وأمانتك وخواتيم عملك.
ب -أن يصلي ركعتين قبل الخروج من منزله، يقرأ في الأولى سورة (قل يا أيها الكافرون) وفي الثانية (قل هو الله أحد) وصح أنه صلى الله عليه وسلم ما خرج من بيته قط إلا رفع طرفه إلى السماء فقال :اللهم إني أعوذ بك أن أضل أو أضل، أو أزل أو أزل، أو أظلم أو أظلم، أو أجهل أو يجهل علي.
ج -يستحب الإكثار من الدعاء في جميع سفره، وعلى آداب السفر وأحكامه والتقيد برخصه من غير تجاوز لها (انظر مصطلح :سفر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۸۲،وص۸۳، مادة "حج")
عن أنس بن مالك، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من قال -يعني -إذا خرج من بيته :بسم الله، توكلت على الله، لا حول ولا قوة إلا بالله، يقال له :كفيت، ووقيت، وتنحى عنه الشيطان (ترمذى، رقم الحديث ۳۴۲۶، باب ما يقول إذا خرج من بيته)

[۲] آداب أداء مناسك الحج:أ -التحلي بمكارم الأخلاق، والتذرع بالصبر الجميل، لما يعانيه الإنسان من مشقات السفر، والزحام، والاحتكاك بالناس.ب -استدامة حضور القلب والخشوع، والإكثار من الذكر والدعاء وتلاوة القرآن، وغير ذلك، والمحافظة على أذكار مناسك الحج.
ج -الحرص على أداء أحكام الحج كاملة وعدم تضييع شيء من السنن، فضلا عن التفريط بواجب، إلا في مواضع العذر الشرعية التي بينت في مناسباتها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۸۳، مادة "حج")

(۱۴)...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے وقت مندرجہ ذیل دعاء پڑھنا منقول ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ مَنَایَانَا بِھَا حَتّٰی تُخْرِجَنَا مِنْھَا. [۱]

سنت کی نیت سے مکہ میں داخل ہوکر یہ دعاء پڑھے، اور حج وعمرہ کے تمام احکام شریعت وسنت کے مطابق ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

(۱۵)...... حج سے واپسی کے وقت میں بھی سفر کے آداب کا خیال رکھے، اور اگر عذر نہ ہو تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے مسجد میں دو رکعت نفل ادا کرے۔

اور حج بلکہ کسی بھی سفر سے واپسی پر تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھ کر مندرجہ ذیل دعاء کا پڑھنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْکُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، آیِبُوْنَ تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ، وَھَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ. [۲]

(۱۶)...... بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک حج کر کے آنے والے کو سلام کرنا اور اس سے دعاء اور استغفار کی درخواست کرنا اور اس کو حج قبول ہونے کی دعاء

---

[۱] عن ابن عمر، أن النبی صلی الله علیه وسلم کان إذا دخل مکة قال " :
اللهم لا تجعل منایانا بها حتی تخرجنا منها (مسند احمد، رقم الحدیث ۶۰۷۲)
فی حاشیة مسند احمد: رجاله ثقات رجال الشیخین، غیر محمد بن ربیعة، وهو الکلابی، فقد روی له أصحاب السنن، والبخاری فی "الأدب المفرد"، وهو ثقة.

[۲] عن عبد الله رضی الله عنه، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان إذا قفل من الغزو أو الحج أو العمرة یبدأ فیکبر ثلاث مرار، ثم یقول :
لا إله إلا الله، وحده لا شریک له، له الملک، وله الحمد، وهو علی کل شیء قدیر. آیبون تائبون، عابدون ساجدون، لربنا حامدون صدق الله وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده (بخاری، رقم الحدیث ۴۱۱۶، باب غزوة الخندق وهی الأحزاب)

دینا اور حج کرنے والے کو دوسروں کی مغفرت کی دعاء کرنا مستحب ہے۔ [1]

(۱۷)...... حج سے واپس آ کر اپنے اعمال کی نگرانی رکھے، تاکہ اس کی جو حالت حج کرنے سے پہلے تھی، حج کرنے کے بعد اُس سے بہتر ہو جائے۔ [2]

---

[1] مگر اس سلسلہ میں جو بعض قیودات کے ساتھ ایک حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے کہ:

اللهم اغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج.

اس کی سند معتبر معلوم نہ ہوسکی، جس کی تفصیل آگے ضمیمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

يغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج.

رواه البزار والطبراني في الصغير عن أبي هريرة رفعه ، ورواه ابن خزيمة في صحيحه والحاكم في مستدركه والبيهقي بلفظ اللهم اغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج ، وقال الحاكم أنه على شرط مسلم وتعقب بأن في سنده شريک القاضي ولم يخرج له في المتابعات ، ولكن له شاهد عند التيمي في ترغيبه عن مجاهد مرسلا ، ونحوه ما رواه أحمد عن أبي موسى الأشعري قال إذا رجع يعني الحاج من الحج المبرور رجع وذنبه مغفور ودعاؤه مستجاب -إلى غير ذلک من الآثار كما بينها السخاوي في أماليه وروى أحمد أيضا عن ابن عمر مرفوعا إذا لقيت الحاج فسلم عليه وصافحه ومره أن يستغفر لک قبل أن يدخل بيته فإنه مغفور له.

ولمسدد في مسنده وأبي الشيخ في الثواب وغيرهما عن عمر أنه قال يغفر للحاج ولمن يستغفر له الحاج بقية ذي الحجة والمحرم وصفر وعشرا من ربيع الأول ، وهو من رواية ليث بن أبي سليم ، وهو ضعيف عن عمر وهو على ما ظن منقطع ، ويشهد له ما جاء عن يونس بن أسباط عن يس الزيات وهو ضعيف أنه قال يغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج في ذي الحجة والمحرم وصفر وعشرين من ربيع كما ذكره الدينوري في المجالسة ، ومثله لا يقال من قبل الرأي فحكمه الرفع قال في المقاصد ويمكن أن تكون حكمته أن أكثر الحاج يصل لمكة في أول ذي الحجة أو قبله بيسير ومعلوم أن الحسنة بعشر أمثالها فيجعل لكل يوم من عشر ذي الحجة ما عدا يوم الوقوف لمزيد الثواب فيه عشرة أيام فبلغ ذلک تسعين يوما القدر المذكور في حديث عمر ، ويحتمل أن يكون ذلک أقصى زمن ينتهي فيه القاصد مكة بعد حجه لبلده غالبا ، وأما ما أورده الديلمي في الفردوس بلا إسناد ولم يقف له ولده ولا شيخنا على سند عن علي رفعه يغفر للحاج ولأهل بيت الحاج ولقرابة الحاج ولعشيرة الحاج ولمن شيع الحاج ولمن استغفر له الحاج أربعة أشهر وعشرين من بقية ذي الحجة والمحرم وصفر وربيع الأول وعشرين من ربيع الآخر.

فليس عليه رونق ألفاظ النبوة بل هو ركيک لفظا ومعنى كما بينته في بعض الأجوبة انتهى (كشف الخفاء للعجلوني، تحت رقم الحديث ٣٢٢٥)

[2] آداب العود من الحج:

من آداب العود من الحج ما يلي:

أ -أن يراعي آداب السفر وأحكامه العامة للذهاب والإياب، والخاصة بالإياب، مثل إخبار أهله إذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۸)...... حج کے حوالہ سے آج کل کئی منکرات ورسمیں پیدا ہوگئی ہیں، جن سے بچنا چاہئے، ان کا مختصر حال ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

ا ...... آج کل بہت سے لوگ نام ونمود، اپنی مالداری اور نیک نامی ظاہر کرنے کے لئے حج وعمرہ کرتے ہیں جبکہ دکھلاوے اور ریاکاری کے طور پر عمل کرنا چھپا ہوا شرک ہے جس پر قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں لہٰذا اپنی نیتوں میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے۔

ا ...... بعض لوگ تجارت یا سیر وتفریح کو مقصود بنا کر حج یا عمرہ کے سفر پر جاتے ہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب نیت ہی میں اخلاص نہ رہا تو پھر ثواب کی کیا امید رکھی جاسکتی ہے؟

ا ...... بعض لوگ بھیک مانگنے کے لئے حج کے سفر کا انتخاب کرتے ہیں اور وہاں جا کر حرمین شریفین اور دوسرے مقامات پر سوال کرتے اور بھیک مانگتے ہیں، جو کہ سنگین گناہ ہے۔

ا ...... بعض لوگ نماز روزے، زکاۃ اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے اور حج کے سفر پر چل پڑتے ہیں، بلکہ کئی کئی حج کرتے رہتے ہیں، جس کا گناہ ہونا واضح ہے، کیونکہ نماز، روزے اور زکاۃ کا درجہ حج سے پہلے ہے۔

ا ...... بعض لوگ حقوق العباد کی صحیح طور پر ادائیگی کی فکر نہیں کرتے اور صرف مروّجہ رسمی طور پر معافی تلافی کر کے اور رسمی طور پر لوگوں سے مل ملا کر حج کے لئے روانہ ہوجاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح رسمی کارروائی کرنے اور ملنے جلنے سے سب معاملات صاف اور حقوقُ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

دنا من بلده، وألا يطرقهم ليلا، وأن يبدأ بصلاة ركعتين فى المسجد إذا وصل منزله، وأن يقول إذا دخل بيته :توبا توبا، لربنا أوبا، لا يغادر حوبا (انظر مصطلح :سفر).

ب -يستحب لمن يسلم على الحاج أن يطلب من الحاج أن يستغفر له، كما يستحب أن يدعو للحاج أيضا ويقول :قبل الله حجك وغفر ذنبك، وأخلف نفقتك.

ويدعو الحاج لزواره بالمغفرة، فإنه مرجو الإجابة لقوله صلى الله عليه وسلم :اللهم اغفر للحاج ولمن .استغفر له الحاج

ج -قال الإمام النووى :ينبغى أن يكون بعد رجوعه خيرا مما كان، فهذا من علامات قبول الحج، وأن يكون خيره آخذا فى ازدياد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٨٣، وص٨٤، مادة "حج")

العباد بے باق ہوجاتے ہیں، جو کہ غلط ہے، شریعت کے اصولوں کے مطابق معافی تلافی کرنی چاہیئے۔

▌ ......بعض لوگ حج پر جانے سے پہلے اجنبی عورتوں سے بے مُحابا ملتے پھرتے ہیں اوراس طرح حج سے پہلے ہی بے پردگی اور بدنظری کے گناہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں، حج کرنے کی خاطر بدنظری میں مبتلا ہونا بڑی حماقت کی بات ہے، جس سے بچنا چاہیئے۔

▌ ......بعض لوگوں کے یہاں حج پر جانے سے پہلے عورتوں اور اجنبی مَردوں کا بے پردگی کے ساتھ اختلاط واجتماع ہوتا ہے اور بدنظری عام ہوتی ہے، اس سے بھی بچنا چاہیئے۔

▌ ......بعض لوگ حج یا عمرے پر جانے سے پہلے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور متعلقین سے رسمی ملاقات اور ملنے کو ضروری خیال کرتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی کسی سے ملاقات نہ کرسکے تو اس کو بہت زیادہ معیوب اور قابلِ الزام چیز سمجھتے ہیں، یہ بھی ایک غیر ضروری چیز کو ضروری سمجھنا ہوا جو کہ شرعی اعتبار سے غلط ہے۔

▌ ......بعض لوگ حج جیسی مقدس عبادت کے لئے حرام مال استعمال کرتے ہیں جو بڑا گناہ ہے اوراس سے حجِ مقبول کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا حج کے لئے جہاں تک ہوسکے حلال مال استعمال کرنا چاہیئے ، حرام مال سے ویسے بھی بچنا ضروری ہے اور حج کے لئے تو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

▌ ......بعض لوگوں پر حج فرض نہیں ہوتا اور حج کا شوق رکھتے ہیں اور اتنا مال نہیں ہوتا کہ وہ حج کرسکیں، لیکن اپنا شوق پورا کرنے کے لئے لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں اوراس طرح سے رقم جمع کرکے پھر حج کو جاتے ہیں ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں اور مانگنے پر ایسے لوگوں کا تعاون کرنا بھی جائز نہیں۔

▌ ......آجکل حج پر جانے سے پہلے بعض لوگ اجتماعی قرآن خوانی کا اہتمام کرنے لگے ہیں ، جس میں مَرد حضرات کے علاوہ خواتین کو بھی شریک کیا جاتا ہے اور بعد میں خورد ونوش کا بھی

انتظام کیا جاتا ہے اس میں کئی خرابیاں شامل ہیں، لہٰذا اس سے بھی بچنا چاہئے، البتہ مرّوجہ قرآن خوانی کی رسم سے ہٹ کر اپنے طور پر خود اخلاص کے ساتھ پڑھنے اور کچھ صدقہ خیرات کرنے میں حرج نہیں۔

❙ ......بعض لوگ نامحرم عورت کو اور بعض عورتیں نامحرم مرد کو اپنا محرم ظاہر کر کے حج پر جاتے ہیں، جبکہ وہ ایک دوسرے کے لئے شرعی نقطۂ نظر سے محرم نہیں ہوتے جس کا جھوٹ ہونا اور جھوٹ کا گناہ ہونا ظاہر ہے۔

❙ ......بعض اوقات نفلی حج کی قانونی طور پر اجازت نہیں ہوتی، ایسے حالات میں بعض لوگ جو اپنا فرض حج پہلے ادا کر چکے ہوتے ہیں جھوٹ بول کر یعنی فرض حج یا حجِ بدل ظاہر کر کے نفلی حج پر جاتے ہیں، یہ جھوٹ بھی جائز نہیں، ایک نفلی عمل کی خاطر جھوٹ جیسے گناہ کی کیسے اجازت ہوسکتی ہے؟

❙ ......اسی طرح بعض لوگ نفلی حج کی خاطر رشوت دینے کا ارتکاب کرتے ہیں، حالانکہ نفلی حج کی خاطر رشوت کے لین دین کا ارتکاب درست نہیں۔

❙ ......حاجیوں کے لئے قانونی طور پر خون کے گروپ اور دیگر طبی معائنوں کی رپورٹ ضروری قرار دی گئی ہے، بعض لوگ طبی معائنہ وتشخیص کرائے بغیر رسمی اور جھوٹی رپورٹ تیار کرالیتے ہیں جس کے جھوٹ ہونے میں کوئی شک نہیں، جھوٹ کے علاوہ اس کا نقصان بعض اوقات اس شکل میں بھی اٹھانا پڑ جاتا ہے کہ ہنگامی حالات میں اس کی وجہ سے غلط دوا اور خون وغیرہ کا انتخاب ہو جاتا ہے، پس میڈیکل رپورٹ کے اس غلط طریقہ سے بچنا بھی ضروری ہے۔

❙ ......آج کل حاجی کو رخصت کرتے وقت گلے میں یا حج کے سفر پر جانے والے کے سر پر مختلف قسم کے ہار اور پھول پتیاں ڈالی جاتی ہیں یہ رسم خلافِ سنت اور قابلِ ترک ہے اور اس میں کئی خرابیاں جمع ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی کے لئے ایسی نمائش اور زیبائش میں

مشغول ہونا پسند نہیں فرمایا۔

- ......بعض لوگ حاجی کو رخصت کرتے وقت نعت خوانی اور نعرے بازی کرتے ہیں، یہ بھی خواہ مخواہ کی رسم اور اخلاص کے خلاف ہے۔
- ......بعض جگہ حاجی کو رخصت کرنے کے لئے خواتین بھی گھروں سے باہر نکلتی ہیں اور اسٹیشن، ائیر پورٹ وغیرہ تک جاتی ہیں، جن میں بے پردہ عورتیں بھی ہوتی ہیں، عورتوں کو اس غرض کے لئے گھر سے باہر نکلنا مناسب نہیں، اور بے پردگی اور بھی بری چیز ہے۔
- ......بعض لوگ حاجی کو رخصت کرتے وقت تصویریں بناتے ہیں، جس سے بچنا چاہئے۔
- ......بعض لوگ حج کے سفر میں ذرا سی غفلت اور لاپرواہی سے فرض نمازیں تک چھوڑ دیتے یا قضاء کر دیتے ہیں ایک فریضہ حج کا ادا کرنے چلے ہیں اور اس سے اہم نماز کا فریضہ کئی کئی مرتبہ ضائع کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے حج کی قبولیت سے محرومی کا اندیشہ ہے، اور اگر یہ نفلی حج ہے تو معاملہ اور زیادہ خطرناک ہے۔
- ......بعض عورتیں شرعی محرم کے بغیر حج کے سفر پر چل پڑتی ہیں جو کہ جائز نہیں، اور کسی نامحرم کو اپنا محرم ظاہر کر کے حج پر جانا دوہرا جرم ہے، جس میں جھوٹ اور غلط بیانی کا گناہ بھی شامل ہے۔
- ......بعض عورتیں حج میں پردہ کا اہتمام نہیں کرتیں بلکہ اپنے گھروں میں پردہ کرنے والی خواتین بھی حج کے موقع پر بے پردگی کا کھلا مظاہرہ کرتی ہیں، جو کہ درست نہیں۔
- ......بعض لوگ کسی طرح چھپ کر یا سفارش وتعلقات وغیرہ کی بنیاد پر متعینہ وزن سے زیادہ سامان اس کا مقررہ محصول اور کرایہ ادا کئے بغیر لے جاتے یا لاتے ہیں، جو کہ جائز نہیں۔
- ......بعض لوگ حج کے مقدس فریضہ کی ادائیگی سے واپس آتے ہوئے ساتھ میں غیر شرعی یا غیر قانونی سامان لے آتے ہیں حتیٰ کہ ٹیلی ویژن، وی سی آر، ڈیک وغیرہ جیسی خرافات کے

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 00925155O7530

ساتھ اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں، اس احمقانہ حرکت سے باز آنا چاہئے۔

❙ ......بعض لوگوں کو حج سے واپسی پر رسمی طور پر رشتہ دار واحباب کو تحفے تحائف دینے کی بڑی فکر ہوتی ہے اور اتنے سارے تحفے سب کے لئے لانا مشکل ہوتا ہے، ایسے حالات میں وہ اپنے یہاں سے خریدی یا لی ہوئی چیزوں کو مکہ ومدینہ سے لائی ہوئی ظاہر کر کے پیش کرتے ہیں جس میں دھوکہ دہی پائی جاتی ہے، اولاً تو رسمی تحفے تحائف کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر اس رسمی عمل کو مزید ایک دھوکہ دہی کا گناہ کر کے انجام دینا تو اور زیادہ برا ہے۔

❙ ......آج کل عام طور پر دیکھنے میں آرہا ہے کہ اگر کوئی حج کر کے واپس آئے اور کسی جاننے والے کے لئے کوئی تحفہ وہاں سے نہ لائے تو اس کو معیوب سمجھا جاتا ہے، طرح طرح کی باتیں کی جاتی ہیں اور حاجی صاحب بھی اسی غرض سے لاتے ہیں تاکہ لوگوں کی طعن وتشنیع سے بچا جاسکے، یا ہمارا نام روشن ہوجائے اور سب کو معلوم ہوجائے کہ فلاں صاحب حج وعمرہ کر کے آئے ہیں سب لوگوں کے لئے تحفے لائے ہیں، جبکہ اس طرح رسم کے طور پر اور نام ونمود کے لئے لین دین کرنا گناہ ہے، البتہ کسی مسلمان بھائی کو محبت اور اخلاص سے تحفہ، ہدیہ دینا، دعوت کرنا اور اس کا قبول کرنا باعث اجر وثواب اور سنت ہے اس سے آپس میں محبت بڑھتی ہے، لیکن یہ عمل اس وقت عبادت ہے جبکہ محبت اور اخلاص کے ساتھ ہو، اس میں کوئی گناہ نہ ہو، اور اس کو صرف رسم کے طور پر انجام نہ دیا جائے۔

❙ ...... بہت سے لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ ہم نے حج کرلیا ہے اور سب گناہ اور سارے حقوق العباد معاف ہوگئے، اس لئے یہ لوگ حج کے بعد گناہوں پر اور جری ہوجاتے ہیں، حالانکہ حج سے تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہ اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔

❙ ......آج کل بعض لوگوں کی حج سے واپسی پر ایئر پورٹ یا اسٹیشن وغیرہ پر تصاویر بنائی جاتی ہیں، جبکہ یہ گناہ کی بات ہے، جس سے بچنا چاہئے۔

❙ ......بعض علاقوں میں یہ بھی ضروری سمجھا جانے لگا ہے کہ جب کوئی حج کر کے واپس آتا

ہے تو اس کے دوست احباب اور رشتہ دار اس سے ملاقات کے لئے خالی ہاتھ نہ جائیں بلکہ مٹھائی، جوڑا وغیرہ کچھ نہ کچھ خدمت میں پیش کریں اور کوئی خالی ہاتھ چلا جائے تو اسے معیوب سمجھا جاتا ہے، یہ بھی حد سے تجاوز اور گناہ ہے۔

۱ ...... بعض علاقوں میں یہ دستور بھی چل پڑا ہے کہ حاجی صاحب تمام ملنے والوں کی اجتماعی یا انفرادی طور پر ضرور دعوت کریں اور دوسرے جاننے والے بھی فرداً فرداً حاجی صاحب کی دعوت کریں، اور جو کوئی دعوت نہ کرے تو اسے باعثِ عَیب سمجھتے ہیں، یہ تمام چیزیں رسم محض ہیں، جن کا حج وعمرہ کی مبارک عبادت سے کوئی تعلق نہیں، البتہ اگر کوئی اخلاص اور محبت سے دعوت کرے اور اسے ضروری نہ سمجھے، اور رسم کے طور پر اس کو اختیار نہ کیا جائے، نہ ہی دکھلاوا پیشِ نظر ہو، تو پھر کوئی حرج نہیں۔

۱ ...... بعض لوگ حج سے واپس آ کر جب بھی کہیں موقع ملتا ہے، اپنے حج وعمرہ کے قصے چھیڑ دیتے ہیں، تاکہ حاضرین کو پتہ چل جائے کہ یہ حضرت بھی حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، اور ایک مرتبہ ہی نہیں، بلکہ اتنی مرتبہ حاصل کر چکے ہیں، ظاہر ہے کہ ریاء کاری اور دکھلاوے سے نیک اعمال کی قبولیت ونورانیت ختم ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو منکرات اور رسموں سے بچ کر اخلاص کے ساتھ حج وعمرہ کی سعادت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(باب نمبر۱)

حج کرنے کے تین طریقے یا تین قسمیں

حج کرنے کے تین طریقے یا تین قسمیں ہیں، جن میں سے ایک طریقہ سے حج کرنے کو حجِ افراد کہا جاتا ہے، اور دوسرے طریقہ سے حج کرنے کو حجِ تمتع کہا جاتا ہے، اور تیسرے طریقہ سے حج کرنے کو حجِ قران کہا جاتا ہے۔

حجِ افراد یہ ہے کہ کوئی شخص تنہا حج کا احرام باندھے، اور اس احرام سے صرف حج کرے، اور حج کر کے احرام سے نکل جائے۔

حجِ تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں پہلے تنہا عمرہ کا احرام باندھے، پھر عمرہ سے فارغ ہو کر احرام سے نکل جائے، پھر اسی سال الگ احرام کے ساتھ حج کرے۔

حجِ قران یہ ہے کہ کوئی شخص عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھا ایک ہی احرام باندھے، یا پہلے عمرہ کا احرام باندھے، پھر اس پر حج کو داخل کر دے، اور پھر اُسی احرام میں حج کرے۔ [۱]

---

[۱] حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عمرہ وحج کا ایک ساتھ احرام باندھنے کی صورت میں حجِ قران میں عمرہ کا حج میں تداخل ہوجاتا ہے، اور ایک طواف اور ایک سعی، عمرہ اور حج دونوں کی طرف سے کافی ہوجاتی ہے، جس کی تفصیل آگے حجِ قران کے بیان میں آتی ہے۔

أما القران :فهو أن يحرم بالعمرة والحج معا فيجمع بينهما فى إحرامه، أو يحرم بالعمرة ثم يدخل عليها الحج قبل الطواف لها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۲۸۲، مادة "افراد")

القران عند الحنفية :هو أن يجمع الآفاقى بين الحج والعمرة متصلا أو منفصلا قبل أكثر طواف العمرة، ولو من مكة، ويؤدى العمرة فى أشهر الحج.

وعند المالكية :أن يحرم بالحج والعمرة معا، بنية واحدة، أو نيتين مرتبتين يبدأ فيهما بالعمرة، أو يحرم بالعمرة ويردف الحج عليها قبل طوافها أو بطوافها .

وعند الشافعية :القران أن يحرم بالعمرة والحج جميعا، أو يحرم بعمرة فى أشهر الحج ثم يدخل الحج عليها قبل الطواف.

ومثل ذلك عند الحنابلة إلا أنهم لم يشترطوا الإحرام فى أشهر الحج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۴۱، مادة "احرام")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ تینوں طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ سے حج کرنا شریعت سے ثابت اور جائز ہے۔ [1]

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (سورہ آلِ عمران رقم الآیة ۹۷)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كيفيات الحج: يؤدى الحج على ثلاث كيفيات، وهى:
أ -الإفراد :وهو أن يهل الحاج أى ينوى الحج فقط عند إحرامه ثم يأتى بأعمال الحج وحده.
ب -القران :وهو أن يهل بالعمرة والحج جميعا، فيأتى بهما فى نسک واحد.
وقال الجمهور :إنهما يتداخلان، فيطوف طوافا واحدا ويسعى سعيا واحدا ويجزئه ذلک عن الحج والعمرة .وقال الحنفية :يطوف القارن طوافين ويسعى سعيين، طواف وسعى للعمرة، ثم طواف الزيارة والسعى للحج .ويجب على القارن أن ينحر هديا بالإجماع.
وتفصيل ذلک فى مصطلح :(قران).
ج -التمتع :وهو أن يهل بالعمرة فقط فى أشهر الحج، ويأتى مكة فيؤدى مناسک العمرة، ويتحلل .ويمكث بمكة حلالا، ثم يحرم بالحج ويأتى بأعماله .ويجب عليه أن ينحر هديا بالإجماع .وتفصيل ذلک فى مصطلح :(تمتع) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۲، وص۴۳، مادة "حج")

[1] مشروعية كيفيات الحج: اتفق الفقهاء على مشروعية كل كيفيات الحج التى ذكرناها.
ويستدل لذلک بالكتاب والسنة والإجماع:
أما الكتاب فقوله تعالى :(ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا) ، وقوله تعالى :(وأتموا الحج والعمرة لله) وقوله :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى).
وأما السنة :فمنها حديث عائشة رضى الله عنها قالت :خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عام حجة الوداع، فمنا من أهل بعمرة، ومنا من أهل بحجة وعمرة، ومنا من أهل بالحج .وأهل رسول الله صلى الله عليه وسلم بالحج .فأما من أهل بالحج، أو جمع الحج والعمرة فلم يحلوا حتى كان يوم النحر .وأما الإجماع :فقد تواتر عمل الصحابة ومن بعدهم على التخيير بين هذه الأوجه كما نص على ذلک الأئمة، ومن ذلک:
تصريح الإمام الشافعى الذى نقلناه سابقا، وقوله "ثم ما لا أعلم فيه خلافا "قال القاضى حسين من الشافعية :وكلها جائزة بالإجماع "قال الإمام النووى :وقد انعقد الإجماع بعد هذا -أى بعد الخلاف الذى نقل عن بعض الصحابة -على جواز الإفراد والتمتع والقران من غير كراهة "
قال الخطابى :لم تختلف الأمة فى أن الإفراد والقران، والتمتع بالعمرة إلى الحج كلها جائزة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۳، مادة "حج")

ترجمہ: اوراللہ کے لئے لوگوں پر بیتُ اللہ کا حج کرنا (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہو (آلِ عمران)

اس آیت سے عام حج کرنے کا طریقہ ثابت ہوا، جیسا کہ حجِ افراد میں ہوتا ہے۔

اور قرآن مجید میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۹۶)

ترجمہ: اور پورا کرو تم حج وعمرہ کو اللہ کے لئے (سورہ بقرہ)

اس آیت سے حج اور عمرہ کو اکٹھا پورا کرنے کا حکم معلوم ہوا، جیسا کہ حجِ قران میں ہوتا ہے۔

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۹۶)

ترجمہ: پس جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے پس اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے (سورہ بقرہ)

اس آیت سے حجِ تمتع کرنے کا حکم معلوم ہوا۔

اور اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَنْ أَرَادَ مِنْكُمْ أَنْ يُهِلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ، فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُهِلَّ بِحَجٍّ فَلْيُهِلَّ، وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ، فَلْيُهِلَّ (مسلم) [1]

ترجمہ: ہم رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حج کے لئے) نکلے، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص حج اور عمرہ کا (اکٹھا) احرام باندھنا چاہتا ہے، تو اسے چاہئے کہ وہ اس طرح احرام باندھ لے، اور جو شخص

---

[1] رقم الحديث ۱۲۱۱ "۱۱۴"، باب بيان وجوه الإحرام.

صرف حج کا احرام باندھا چاہتا ہے، تو اسے چاہئے کہ وہ اس طرح احرام باندھ لے، اور جو شخص عمرہ کا احرام باندھنا چاہتا ہے، تو اسے چاہئے کہ وہ اس طرح احرام باندھ لے (مسلم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

مِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ مُفْرَدًا، وَمِنَّا مَنْ قَرَنَ، وَمِنَّا مَنْ تَمَتَّعَ (مسلم) [1]

ترجمہ: ہم میں سے بعض نے حجِ مفرد (یعنی تنہا حج) کا احرام باندھا، اور بعض نے قِران کا، اور بعض نے تمتُّع کا (مسلم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ، وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، وَأَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ، فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ، فَأَحَلُّوْا حِيْنَ طَافُوْا بِالْبَيْتِ، وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ أَوْ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَلَمْ يُحِلُّوْا إِلٰى يَوْمِ النَّحْرِ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، پس ہم میں سے بعض نے حج کا احرام باندھا، اور بعض نے تنہا عمرہ کا احرام باندھا (حجِ تمتع میں پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے) اور بعض نے اکٹھا حج اور عمرے کا احرام باندھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا، پس جن لوگوں نے تنہا عمرہ کا احرام باندھا تھا، تو وہ بیتُ اللہ کا طواف اور صفا اور مروَہ کی سعی کر کے حلال ہو گئے

---

[1] رقم الحديث ١٢١١ "١٢٤"، باب بيان وجوه الإحرام، وأنه يجوز إفراد الحج والتمتع والقران، وجواز إدخال الحج على العمرة، ومتى يحل القارن من نسكه.

[2] رقم الحديث ٢٤٠٧٦.

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

(یعنی احرام سے نکل گئے) اور جن لوگوں نے تنہا حج یا حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھا تھا، وہ یوم النحر (یعنی دس ذی الحجہ) تک حلال نہیں ہوئے (یعنی احرام سے نہیں نکلے) (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَنوَاعٍ ثَلَاثَةٍ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ مَعًا وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ مُفْرَدًا وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ مُفْرَدَةً فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ مَعًا فَلَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ عَلَيْهِ حَتّٰى يَقْضِيَ مَنَاسِكَ الْحَجِّ وَمَنْ أَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَلَّ مِمَّا كَانَ حَرُمَ عَلَيْهِ حَتّٰى يَسْتَقْبِلَ (مسند إسحاق بن راهوية، رقم الحديث ١١٠٦)

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (حجۃ الوداع میں) تین طرح کی حالت پر نکلے، پس ہم میں سے بعض نے حج وعمرہ کا اکٹھا احرام باندھا، اور ہم میں سے بعض نے مفرد (یعنی تنہا) حج کا احرام باندھا، اور ہم میں سے بعض نے مفرد (یعنی تنہا) عمرہ کا احرام باندھا، پس جس نے حج وعمرہ کا (اکٹھا) احرام باندھا تھا، تو اُس کے لئے کوئی چیز حلال نہیں ہوئی، جو اُس پر (احرام کی وجہ سے) حرام ہوگئی تھی، یہاں تک کہ اُس نے حج کے مناسک (واعمال) ادا نہیں کر لیے، اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، تو اُس نے بیتُ اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی (یعنی عمرہ کیا) تو اُس کے لئے وہ چیز حلال ہوگئی، جو اس پر (احرام کی وجہ سے) حرام ہوئی تھی (یعنی اس کی احرام کی پابندیاں ختم ہوگئیں) یہاں تک کہ اُس نے اگلا (حج کا) احرام نہیں باندھ لیا (مسند اسحاق)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ:

خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَھَلَّ بِعُمْرَۃٍ وَمِنَّا مَنْ أَھَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَۃٍ وَمِنَّا مَنْ أَھَلَّ بِالْحَجِّ وَأَھَلَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ فَأَمَّا مَنْ أَھَلَّ بِالْعُمْرَۃِ فَحَلَّ وَأَمَّا مَنْ أَھَلَّ بِالْحَجِّ أَوْ جَمَعَ بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ فَلَمْ یَحِلَّ حَتّٰی یَوْمِ النَّحْرِ (شرح معانی الآثار)[1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے، پس ہم میں سے بعض نے عمرہ کا احرام باندھا، اور ہم میں سے بعض نے حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھا، اور ہم میں سے بعض نے حج کا احرام باندھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا، پس جس نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، تو وہ (عمرہ کرکے) حلال ہوگیا (یعنی احرام سے نکل گیا) اور جس نے تنہا حج کا احرام باندھا تھا، یا حج اور عمرہ کے درمیان جمع کیا تھا (یعنی حجِ قران کا احرام باندھا تھا) تو وہ یومُ النحر (یعنی دس ذی الحجہ) تک حلال نہیں ہوا (یعنی احرام سے نہیں نکلا) (شرح معانی الآثار)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ حج کرنے کے تین طریقے یا تین قسمیں ہیں، جن میں سے ایک کو حجِ افراد، دوسرے کو حجِ تمتع، اور تیسرے کو حجِ قِران کہا جاتا ہے، اور ان تینوں طریقوں یا قسموں میں سے کسی بھی ایک طریقہ یا قسم سے حج کرنا جائز ہے۔

حج کے تین طریقوں میں سے افضل طریقہ

البتہ حج کے ان تین طریقوں یا قسموں میں سے کون سے طریقے یا کون سی قسم سے حج کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے؟ اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

---

[1] رقم الحدیث ۳۶۴۹، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ محرما فی حجۃ الوداع.

بعض فقہائے کرام کے نزدیک حجِ افراد کرنا افضل ہے۔
اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک حجِ تمتع کرنا افضل ہے۔
اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حجِ قران کرنا افضل ہے، اور اس کے بعد حجِ تمتع کی فضیلت ہے۔ [1]

---

[1] المفاضلة بين كل من الإفراد والقران والتمتع : اختلف الفقهاء فى الإفراد، والقران، والتمتع أيها أفضل، والاتجاهات فى ذلك كالآتى:

أ -الإفراد أفضل عند المالكية والشافعية، لكن أفضليته عند الشافعية، وفى قول عند المالكية إن اعتمر فى نفس العام بعد أداء الحج، ولذلك يقول الشافعية إن لم يعتمر فى نفس العام كان الإفراد مكروها. واستدل القائلون بأفضلية الإفراد بما صح عن جابر وعائشة وابن عباس رضى الله تعالى عنهم أن النبى صلى الله عليه وسلم أفرد الحج ، ثم بالإجماع على أنه لا كراهة فيه، وأن المفرد لم يربح إحراما من الميقات (بالاستغناء عن الرجوع ثانية للإحرام) ولا ربح استباحة المحظورات.

ب -القول الثانى :أن القران أفضل :وذلك عند الحنفية، وفى قول للإمام أحمد أنه إن ساق الهدى فالقران أفضل، وإن لم يسق الهدى فالتمتع أفضل.

واستدل الحنفية على أفضلية القران بقول النبى صلى الله عليه وسلم :يا آل محمد :أهلوا بحجة وعمرة معا ولأن فى القران جمعا بين العبادتين.

ويلى القران فى الأفضلية عند الحنفية التمتع ثم الإفراد، وهذا فى ظاهر الرواية، لأن فى التمتع جمعا بين العبادتين فأشبه القران، ثم فيه زيادة نسك وهى إراقة الدم.

وعن أبى حنيفة رحمه الله أنه يلى القران الإفراد ثم التمتع، لأن المتمتع سفره واقع لعمرته والمفرد سفره واقع لحجته، ووافقه فى ذلك أشهب من المالكية.

ج -التمتع أفضل :وهذا عند الحنابلة وفى قول عند الشافعية والمالكية، ويلى التمتع عند الحنابلة الإفراد ثم القران.

واستدل الحنابلة على أفضلية التمتع بما روى ابن عباس وجابر وأبو موسى وعائشة أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر أصحابه لما طافوا بالبيت أن يحلوا ويجعلوها عمرة فنقلهم من الإفراد والقران إلى المتعة، ولا ينقلهم إلا إلى الأفضل، ولأن المتمتع يجتمع له الحج والعمرة فى أشهر الحج مع كمالها وكمال أفعالها على وجه اليسر والسهولة مع زيادة نسك فكان ذلك أولى.

وقد ذكر الرملى فى نهاية المحتاج أن منشأ الخلاف اختلاف الرواة فى إحرامه صلى الله عليه وسلم لأنه صح عن جابر وعائشة وابن عباس رضى الله عنهم أنه صلى الله عليه وسلم أفرد الحج ، وعن أنس أنه قرن ، وعن ابن عمر أنه تمتع ، ثم قال :إن الصواب الذى نعتقده أنه صلى الله عليه وسلم أحرم بالحج ثم أدخل عليه العمرة، وخص بجوازه فى تلك السنة للحاجة.

وبهذا يسهل الجمع بين الروايات، فعمدة رواة الإفراد أول الإحرام، ورواة القران آخره، ومن روى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر یہ اختلاف افضلیت میں ہے، جواز میں نہیں، جیسا کہ گزرا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التمتع أراد التمتع اللغوی وهو الانتفاع، وقد انتفع بالاكتفاء بفعل واحد، ويؤيد ذلك أنه صلى الله عليه وسلم لم يعتمر فى تلك السنة عمرة مفردة، ولو جعلت حجته مفردة لكان غير معتمر فى تلك السنة، ولم يقل أحد إن الحج وحده أفضل من القران فانتظمت الروايات فى حجته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۲۸۲، الیٰ ص ۲۸۴، مادة "افراد")

فضل كل كيفية من كيفيات الحج طائفة من العلماء، وذلك بسبب اختلاف الروايات فى حجه صلى الله عليه وسلم ولاستنباطات قوة ذلك التفضيل عند كل جماعة:

أ -ذهب المالكية والشافعية إلى أن الإفراد بالحج أفضل، وبه قال عمر بن الخطاب، وعثمان، وعلى، وابن مسعود، وابن عمر، وجابر، والأوزاعى، وأبو ثور.

ومن أدلتهم :حديث عائشة السابق، وفيه قولها :وأهل رسول الله صلى الله عليه وسلم بالحج . وغيره من أحاديث تفيد أنه صلى الله عليه وسلم كان مفردا بالحج.

أنه أشق عملا من القران، وليس فيه استباحة محظور كما فى التمتع، فيكون أكثر ثوابا.

إلا أن المالكية فضلوا الإفراد، ثم القران، ثم التمتع، وقدم الشافعية التمتع على القران.

وشرط تفضيل الإفراد على غيره -على ما صرح به الشافعية " -أن يحج ثم يعتمر فى سنته، فإن أخر العمرة عن سنة الحج فكل واحد من التمتع والقران أفضل منه، بلا خلاف، لأن تأخير العمرة عن سنة الحج مكروه.

ب -ذهب الحنفية إلى أن أفضلها القران، ثم التمتع، ثم الإفراد، وهو قول سفيان الثورى والمزنى صاحب الشافعى .وابن المنذر، وأبى إسحاق المروزى.

ومن أدلتهم: حديث عمر رضى الله عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم بوادى العقيق يقول :أتانى الليلة آت من ربى، فقال :صل فى هذا الوادى المبارك، وقل :عمرة فى حجة.

فقد أمر الله نبيه بإدخال العمرة على الحج بعد أن كان مفردا، ولا يأمره إلا بالأفضل .وهذا يجمع بين الروايات المختلفة فى حجه صلى الله عليه وسلم فالمصير إليه متعين أنه أشق لكونه أدوم إحراما، وأسرع إلى العبادة، ولأن فيه جمعا بين العبادتين فيكون أفضل.

ج -ذهب الحنابلة إلى أن التمتع أفضل، فالإفراد، فالقران.

"وممن روى عنه اختيار التمتع :ابن عمر، وابن عباس، وابن الزبير، وعائشة، والحسن، وعطاء، وطاوس، ومجاهد، وجابر بن زيد، والقاسم، وسالم، وعكرمة، وهو أحد قولى الشافعى.

ومن أدلتهم:قوله صلى الله عليه وسلم -فى حديث جابر :-لو أنى استقبلت من أمرى ما استدبرت لم أسق الهدى، وجعلتها عمرة، فمن كان منكم ليس معه هدى فليحل، وليجعلها عمرة.

فقد أمر أصحابه بالتمتع، وتمناه لنفسه، ولا يأمر ولا يتمنى إلا الأفضل.

أن المتمتع، يجتمع له الحج والعمرة فى أشهر الحج، مع كمالهما، وكمال أفعالهما، على وجه اليسر والسهولة، مع زيادة نسك، لكان ذلك أولى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۴۴، وص ۴۵، مادة "حج"، المفاضلة بين كيفيات أداء الحج)

(فصل نمبر۱)

حج ادا کرنے کا اجمالی و مختصر طریقہ

پہلے حج کرنے کا مختصر اور اجمالی طریقہ ذکر کیا جاتا ہے، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ حج کے فرائض، واجبات اور سنتوں کی تفصیل اور پھر حج کے تینوں طریقوں کو اجمالی و مختصر انداز میں بیان کرنے کے بعد مناسکِ حج کے تفصیلی فضائل واحکام کا ذکر کیا جائے گا۔

پس جاننا چاہیئے کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے، تو اسے اپنے مقررہ مقام سے حج کا احرام باندھنا چاہیئے، اور حج کے احرام میں حج کے اس طریقہ کی نیت کرنی چاہیئے، جس طریقہ سے وہ حج ادا کرنا چاہتا ہے، پس اگر وہ حجِ افراد ادا کرنا چاہتا ہے، تو اس احرام سے صرف حج کی نیت کرے گا، اور اگر حجِ قران کرنا چاہتا ہے، تو اس احرام سے حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرے گا، اور اگر حجِ تمتع کرنا چاہتا ہے، تو اس احرام سے صرف عمرہ کی نیت کرے گا۔ [1]

پھر جب مکہ میں داخل ہوجائے، تو وضو کرکے مسجدِ حرام میں جائے، اور خشوع وادب کے ساتھ کعبہ کی طرف متوجہ ہو، اور طواف کرے، جس کی ابتداء حجرِ اسود سے کرے، اور بیتُ اللہ کو اپنی بائیں طرف رکھ کر سات چکر کاٹے۔

---

[1] صفة أداء الحج بكيفياته كلها:
ونقسم أعمال الحج لتسهيل فهم أدائها إلى قسمين:
أ -أعمال الحج حتى قدوم مكة.
ب -أعمال الحج بعد قدوم مكة.
أعمال الحج حتى قدوم مكة:
من أراد الحج فإنه يشرع بالاستعداد للإحرام (انظر مصطلح إحرام، وخصوصا ف ۱۱۷) ، وينوي في إحرامه الكيفية التي يريد أداء الحج عليها، فإن أراد الإفراد نوى الحج، وإن أراد القران نوى الحج والعمرة، وإن أراد التمتع نوى العمرة فقط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۵، مادة "حج")

اگر کوئی حجِ افراد کرنے والا ہے، تو اس کے حق میں یہ طواف، طوافِ قدوم کہلائے گا، اور اگر کوئی حجِ تمتع کرنے والا ہے، تو اس کے حق میں یہ طوافِ عمرہ کہلائے گا، اور اگر کوئی حجِ قران کرنے والا ہے، تو حنفیہ کے نزدیک یہ طوافِ عمرہ کہلائے گا، اور اس کو طوافِ قدوم الگ کرنا ہوگا، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس کا یہ طواف، طوافِ قدوم کہلائے گا۔ [1]

اور جو شخص حجِ تمتع کرنے والا ہو، وہ اس طواف کے شروع ہوتے ہی تلبیہ پڑھنے کو ختم کردے گا (اور بعد میں جب حج کا احرام باندھے گا، تو دوبارہ تلبیہ پڑھے گا) اور جو شخص حجِ افراد یا حجِ قران کرنے والا ہے، تو وہ دس ذی الحجہ کی رمی شروع کرنے تک تلبیہ پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھے گا۔

اور طواف کے شروع میں حجرِ اسود کا استلام کرے گا، اور جب بھی اس کے سامنے سے گزرے گا، تو اس کی تقبیل یا اس کی طرف اشارہ کرے گا۔

پھر اگر یہ طواف ایسا ہے کہ اس کے بعد سعی کرنا چاہتا ہے، تو اس طواف کے تمام چکروں میں مرد احرام کی چادر کا اضطباع کرے گا، اور پہلے تین چکروں میں رَمَل یعنی قریب قریب قدم رکھ کر اور کندھوں کو جھٹک کر چلنے کا عمل کرے گا۔

پھر جب طواف سے فارغ ہوجائے گا، تو مقامِ ابراہیم کے قریب اگر ممکن ہو، یا جہاں بھی میسر ہو، دو رکعت طواف کی ادا کرے گا۔

پھر جب سعی کرے گا، تو صفا سے ابتداء کرکے صفا اور مروہ کے سات چکر کاٹے گا۔

اور اگر حجِ افراد کرنے والا ہے، تو اس کی یہ سعی حج کی واقع ہوگی (اگرچہ اس پر یہ سعی ابھی کرنا ضروری نہیں) اور حجِ تمتع کرنے والا ہے تو اس کی یہ سعی عمرہ کی واقع ہوگی، اور اگر حجِ قران

---

[1] فإذا دخل مكة بادر إلى المسجد الحرام، وتوجه إلى الكعبة المعظمة بغاية الخشوع والإجلال، ويبدأ بالطواف من الحجر الأسود، فيطوف سبعة أشواط، وهذا الطواف هو طواف القدوم للمفرد بالحج، وهو طواف العمرة لمن أحرم متمتعا (انظر تمتع) . أما إن كان قارنا فيقع عن القدوم عند الجمهور، وعن العمرة عند الحنفية، وعليه أن يطوف طوافا آخر للقدوم عندهم (انظر مصطلح قران) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۵، مادة "حج")

کرنے والا ہے، تو حنفیہ کے نزدیک یہ سعی اس کے عمرہ کی واقع ہوگی، اور حج کی سعی الگ کرنی ہوگی، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی یہ سعی حج وعمرہ کی سعی کہلائے گی، کیونکہ ان کے نزدیک حج کی سعی کا عمرہ کی سعی میں تداخل وادغام ہوجاتا ہے۔

پھر اگر یہ حجِ تمتع کرنے والا ہے، تو سعی کرنے کے بعد اپنے سَر کے بال منڈوا یا کٹوا کر عمرہ کے احرام سے نکل جائے گا۔

اور اگر یہ حج افراد یا حجِ قران کرنے والا ہے، تو یہ اپنے سَر کے بال نہ منڈوائے گا نہ کٹوائے گا، بلکہ اس کا احرام دس ذی الحجہ تک جاری رہے گا، اور یہ حج کے اعمال سے فارغ ہوکر ہی احرام کی پابندیوں سے نکلے گا۔ [۱]

مذکورہ اعمال کے بعد حج کرنے والا مکہ میں مقیم رہے گا۔ [۲]

پھر یومِ ترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ کو (اور اگر انتظامی ضرورت کی وجہ سے اس سے پہلے ضرورت

---

[۱] ویقطع المتمتع التلبية بشروعه بالطواف، ولا يقطعها المفرد والقارن حتى يشرع فى الرمى يوم النحر (انظر تلبية).

ويستلم الحجر فى ابتداء الطواف ويقبله وكلما مر به، إن تيسر ذلك من غير إيذاء لأحد، وإلا لمسه بيده أو بشىء يمسكه بها وقبله، وإلا أشار بيديه، وإن كان يريد السعى بعده فيسن له أن يضطبع فى أشواط طوافه هذا كلها، ويرمل فى الثلاثة الأولى .وليكثر من الدعاء والذكر فى طوافه كله، ولا سيما المأثور (انظر مصطلح :طواف)

وإذا فرغ من طوافه يصلى ركعتى الطواف عند مقام إبراهيم إن أمكن، ثم إن أراد السعى يذهب إلى الصفا ويسعى بين الصفا والمروة سبعة أشواط، مراعيا أحكام السعى وآدابه.

(انظر :سعى) . وهذا السعى يقع عن الحج للمفرد، وعن العمرة للمتمتع، وعن الحج والعمرة للقارن، على ما هو مذهب الجمهور فى القران، أما عند الحنفية فعن العمرة فقط للقارن، وعليه سعى آخر للحج عندهم (انظر مصطلح :قران).

وهنا يحلق المتمتع رأسه بعد السعى أو يقصره (انظر حلق) وقد حل من إحرامه .(انظر :إحرام :ف ١٢٦) .أما المفرد والقارن فهما على إحرامهما إلى أن يتحللا بأعمال يوم النحر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٤٥، وص٤٦، مادة "حج")

[۲] اور اگر یہ حجِ تمتع کرنے کے لئے آیا ہے، تو اپنے اس اقامت کے زمانہ میں مزید عمرے اور طواف کرسکتا ہے، اور اگر اس دوران مدینہ منورہ جائے تو یہ بھی جائز ہے، پھر وہاں سے واپسی پر احرام باندھ کر حرم میں داخل ہوگا، اور عمرہ کرے گا۔ جس کی مزید تفصیل حجِ تمتع کے طریقہ میں بیان کردی گئی ہے۔

ہو، تو اس سے پہلے) باقاعدہ حج کے اعمال کا سلسلہ شروع ہوگا۔

اگر حجِ تمتع کرنے والا ہو، تو وہ حج کا احرام باندھ کر اور حجِ افراد یا حجِ قران کرنے والا ہو، تو وہ اپنے سابقہ احرام کی حالت میں آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ کی طرف روانہ ہوگا، جہاں آٹھ ذی الحجہ کی ظہر سے لے کر نو ذی الحجہ کی فجر تک پانچ نمازیں ادا کی جائیں گی، اور آٹھ و نو ذی الحجہ کی درمیانی شب منیٰ میں گزاری جائے گی۔ [1]

نو ذی الحجہ جس کو عربی میں یومِ عرفہ کہا جاتا ہے، اس دن منیٰ میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد میدانِ عرفات کے لئے روانگی ہوگی (اور اگر انتظامی مشکلات کی وجہ سے پہلے جانا پڑ جائے تو بھی گناہ نہیں) اور نو ذی الحجہ کو میدانِ عرفات میں حج کا سب سے بڑا رُکن ادا کیا جائے گا، جس کو وقوفِ عرفہ کہا جاتا ہے، اور میدانِ عرفات میں بعض شرائط کے ساتھ ظہر اور عصر کی نمازیں ظہر کے وقت میں اکٹھی ورنہ اپنے اپنے وقت پر الگ الگ پڑھی جائیں گی، اور یہاں نو ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے تک قیام رہے گا۔

اور سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ کی طرف روانگی ہوگی، جہاں رات کو پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں عشاء کے وقت میں اکٹھی پڑھی جائیں گی، اور یہاں رات گزاری جائے گی، اور کوئی عذر نہ ہو، تو یہاں رات گزارنا حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، اور دوسرے فقہاء کے نزدیک واجب ہے۔

پھر مزدلفہ میں ہی فجر کی نماز پڑھی جائے گی، اور فجر کی نماز کے بعد وقوف کیا جائے گا، جو حنفیہ

---

[1] أعمال الحج بعد قدوم مكة:
يمكث الحاج في مكة بعد القدوم وما ذكرنا فيه -إلى يوم التروية ليؤدي سائر المناسك ويؤدي أعمال الحج هذه في ستة أيام كما يلي:
يوم التروية:
وهو يوم الثامن من ذي الحجة، وينطلق فيه الحجاج إلى منى، ويحرم المتمتع بالحج، أما المفرد والقارن فهما على إحرامهما، ويبيتون بمنى اتباعا للسنة، ويصلون فيها خمس صلوات: الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر. وهذا فجر يوم عرفة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۶، مادة "حج")

کے نزدیک واجب ہے، بشرطیکہ عذر نہ ہو، اور دوسرے فقہاء کے نزدیک سنت ہے۔

اور جمرات پر کنکریاں مارنے کے لئے مزدلفہ سے تقریباً ستر یا صرف سات کنکریاں چُن لینا مستحب ہے۔ [1]

پھر دس ذی الحجہ کو جسے عربی میں یومُ النحر کہا جاتا ہے، فجر کی نماز کے بعد مزدلفہ میں وقوف سے فارغ ہوکر سورج طلوع ہونے سے کچھ پہلے روانہ ہوا جائے گا، اور تلبیہ کثرت سے پڑھا جاتا رہے گا۔

اس دن حج کے کئی احکام ادا کیے جاتے ہیں، اس لئے یہ حج کا بڑا دن کہلاتا ہے۔

مزدلفہ سے منیٰ آنے کے بعد اس دن کا ایک عمل صرف جمرۂ کبریٰ یعنی بڑے شیطان کو سات کنکریاں مارنا یا بالفاظِ دیگر رمی کرنا ہے، جس کو عربی میں جمرۂ عقبہ یا جمرۂ کبریٰ کی رمی کہا جاتا ہے، اور یہ جمرہ منیٰ کی مسجدِ خیف سے آتے ہوئے سب سے آخر میں واقع ہے۔

اور اس شیطان کو کنکریاں مارنے کے آغاز پر تلبیہ پڑھنا ختم کر دیا جائے گا۔

پھر حج کی قربانی کی جائے گی، جو حجِ تمتع اور حجِ قران کرنے والے پر واجب ہے، اور حجِ افراد کرنے والے پر واجب نہیں، البتہ سنت و مستحب ہے۔

---

[1] یوم عرفة: وهو يوم عظيم يؤدى فيه الحجاج الوقوف بعرفة ركن الحج الذى يتوقف على فواته بطلان الحج، ثم المبيت بالمزدلفة.

أ -الوقوف بعرفة :وفيه يسن أن يخرج الحاج من منى إلى عرفة بعد طلوع الفجر، وعرفة كلها موقف إلا بطن عرنة، ويسن ألا يدخل عرفة إلا بعد الزوال، وبعد أن يجمع الظهر والعصر تقديما، فيقف بعرفة مراعيا أحكامه وسننه وآدابه، ويستمر إلى غروب الشمس، ولا يجاوز عرفة قبله، ويتوجه إلى الله فى وقوفه خاشعا ضارعا بالدعاء والذكر والقرآن والتلبية . . .حتى يدفع من عرفة.

ب -المبيت بالمزدلفة :إذا غربت شمس يوم عرفة يسير الحاج من عرفة إلى المزدلفة، ويجمع بها المغرب والعشاء تأخيرا، ويبيت فيها، وهو واجب عند الجمهور سنة عند الحنفية، ثم يصلى الفجر ويقف للدعاء ، والوقوف بعد الفجر واجب عند الحنفية سنة عند الجمهور إلا أن الحنفية يرون أنه إذا نفر لعذر كزحمة قبل الفجر فلا شىء عليه.

ويستمر واقفا يدعو ويهلل ويلبى حتى يسفر جدا، لينطلق إلى منى.

ويستحب له أن يلقط الجمار (الحصيات الصغار) من المزدلفة، ليرمى بها، وعددها سبعون، للرمى كله، وإلا فسبعة يرمى بها يوم النحر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۶، وص۴۷، مادة "حج")

اس کے بعد سَر کے بال منڈائے یا کٹائے جائیں گے، اور مرد حضرات کو سر کے بال منڈوانا افضل ہے، اور عورتوں کو سر کے بال کٹانا متعین ہے، اور ان کو سر کے بال منڈانا منع ہے۔

اس کے بعد بیتُ اللّٰہ کا طوافِ زیارت کیا جائے گا، اور یہ طوافِ زیارت بھی حج کا فرض ہے، جس کو عربی میں طوافِ افاضہ بھی کہا جاتا ہے۔

پھر اگر حاجی حج کی سعی پہلے ادا کر چکا ہے، تو اس طواف میں اضطباع اور رَمَل نہیں کرے گا، اور اس کے بعد سعی بھی نہیں کرے گا، اور اگر پہلے حج کی سعی نہیں کی، اور احرام کی چادریں بھی اوڑھ رکھی ہیں، تو اس طواف میں مرد اضطباع اور رَمَل کرے گا، اور اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی بھی کرے گا۔ [1]

اور دس اور گیارہ ذی الحجہ کے دن کے بعد کی راتیں منیٰ میں گزاری جائیں گی، جن کا منیٰ میں گزارنا حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک واجب ہے، اور ان کے نزدیک اس کا واجب درجہ رات کا اکثر حصہ ہے۔

گیارہ ذی الحجہ کو تینوں شیطانوں یا تینوں جمرات کو ترتیب وار سات سات کنکریاں ماری

---

[1] یوم النحر:

یسن أن یدفع الحاج من مزدلفة إلى منى یوم النحر قبل طلوع الشمس، لیؤدی أعمال النحر، وهو أكثر أیام الحج عملا، ویكثر فی تحركه من الذكر والتلبیة والتكبیر.

وأعمال هذا الیوم هی:

أ -رمی جمرة العقبة :فیجب على الحاج فی هذا الیوم رمی جمرة العقبة وحدها، وتسمى الجمرة الكبرى .یرمیها بسبع حصیات، ویكبر مع كل حصاة، ویقطع التلبیة مع ابتداء الرمی.

ب -نحر الهدی، وهو واجب على المتمتع والقارن، سنة لغیرهما.

ج -الحلق أو التقصیر :والحلق أفضل للرجال، مكروه كراهة شدیدة للنساء.

د -طواف الزیارة :ویأتی ترتیبه بعد الأعمال السابقة، فیفیض الحاج أی یرحل إلى مكة لیطوف الزیارة، وهو طواف الركن فی الحج.

وإن كان قدم السعی فلا یضطبع ولا یرمل فی هذا الطواف، لأنه لم یبق سعی بعده، وإن لم یقدم السعی فلیسع بعد الطواف، ویضطبع ویرمل فی طوافه، كما هی السنة فی كل طواف بعده سعی.

هـ -السعی بین الصفا والمروة :لمن لم یقدم السعی من قبل (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۱۷، ص۴۷، مادة "حج")

جائیں گی، پہلے چھوٹے جمرہ کو جسے عربی میں جمرۂ اولیٰ کہا جاتا ہے، سات کنکریاں ماری جائیں گی، چھوٹا جمرہ یا جمرۂ اولیٰ منیٰ کی مسجدِ خیف کی طرف سے آتے ہوئے سب سے پہلے واقع ہے، پھر اس کے بعد دوسرے یعنی درمیانی جمرہ کو جسے عربی میں جمرۂ وسطیٰ کہا جاتا ہے، سات کنکریاں ماری جائیں گی، پھر اس کے بعد آخری جمرہ کو جسے عربی میں جمرۂ کبریٰ یا جمرۂ عقبہ کہا جاتا ہے، سات کنکریاں ماری جائیں گی۔

اور بارہ ذی الحجہ کو بھی اسی ترتیب سے تینوں شیطانوں یا تینوں جمرات کو سات سات کنکریاں ماری جائیں گی۔

بارہ ذی الحجہ کو تینوں شیطانوں یا تینوں جمرات کو کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ سے روانہ ہوجانا جائز ہے۔

لیکن اگر منیٰ میں موجود ہوتے ہوئے بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہوجائے تو حنفیہ کے نزدیک تیرہ ذی الحجہ کی رمی کیے بغیر منیٰ سے چلے آنا مکروہ ہے، اور اگر تیرہ ذی الحجہ کی طلوعِ فجر ہوجائے، تو پھر حنفیہ کے نزدیک تیرہ ذی الحجہ کو بھی تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنا واجب ہوجاتا ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک منیٰ میں موجود ہوتے ہوئے بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے یعنی تیرہ ذی الحجہ کی رات شروع ہونے پر تیرہ ذی الحجہ کی رمی کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ [۱]

---

[۱] أول وثانی أيام التشريق: هما ثانی وثالث أيام النحر، وفيهما ما يلی :أ -المبيت بمنی ليلتی هذين اليومين :وهو واجب عند الجمهور سنة عند الحنفية.

ب -رمی الجمار الثلاث :يرميها علی الترتيب :الجمرة الأولی أو الصغری وهی أقرب الجمرات إلی مسجد الخيف بمنی، ثم الجمرة الثانية أو الوسطی، ثم الثالثة الكبری جمرة العقبة .يرمی كل واحدة بسبع حصيات، ويدعو بين كل جمرتين

ج -النفر الأول :يحل للحاج إذا رمی جمار اليوم الثانی من أيام التشريق أن يرحل إلی مكة، ويسقط عنه رمی اليوم الثالث، إذا جاوز حدود منی قبل غروب الشمس عند الجمهور، وقبل فجر ثالث أيام التشريق عند الحنفية.

د -التحصيب :وهو مستحب عند الجمهور، فينزل الحاج بالمحصب عند وصوله مكة إن تيسر له ليذكر الله تعالی فيه ويصلی (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۷، وص۴۸، مادة "حج")

تیرہ ذی الحجہ تک تو منیٰ میں ٹھہرنا شریعت سے ثابت ہے، اوراس کے بعد ثابت نہیں، لہٰذا اگر کوئی بارہ ذی الحجہ کو جمرات کی رمی کر کے روانہ نہیں ہوا، اور تیرہ ذی الحجہ کو بھی منیٰ میں ٹھہرا رہا، اور پھر تیرہ ذی الحجہ کو بھی جمرات کی رمی کرلی، تو پھراس کے بعد یہاں سے روانہ ہوجانا چاہئے۔

اس کے بعد حج کے اعمال مکمل ہوجاتے ہیں، پھراس کے بعد اگر کوئی حاجی مکہ میں ٹھہرے تو اُسے مزید عمرے، طواف، ذکر وعبادت میں مصروف رہنا جائز ہوتا ہے۔

اور صرف واپسی کے وقت ایک طواف کرنا ہوتا ہے، جس کو طوافِ وداع کہا جاتا ہے۔

جو کہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک واجب ہے، اور یہ طواف بغیر احرام کے اور بغیر رَمَل اور اضطباع کے کیا جاتا ہے، جس کے بعد طواف کی دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، اور زم زم پیا جاتا ہے، اوراس کے بعد اپنے گھر روانگی ہوجاتی ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

[1] ثالث أيام التشريق: هو رابع أيام النحر، وفيه:
أ -الرمى :يجب رمى الجمار الثلاث فى هذا اليوم على من تأخر، فلم ينفر النفر الأول، وينتهى وقته ووقت الرمى كله أيضا قضاء وأداء بغروب شمس هذا اليوم اتفاقا .وتنتهى بغروبه مناسک منى.
ب -النفر الثانى :ينـفر أى يرحل سائر الحجاج فى هذا اليوم إلى مكة بعد رمى الجمار، ولا يشرع المكث بمنى بعد ذلک.
ج -التحصيب :عند وصول مكة، كما مر ذكره، فى النفر الأول.
د -المكث بمكة :تنتهى المناسک بنهاية أعمال منى -عدا طواف الوداع -ويمكث الحاج بمكة إلى وقت سفره فى عبادة، وذكر، وطواف، وعمل خير .ويأتـى المفرد بالعمرة، فإن وقتها كل أيام السنة عدا يوم عرفة وأربعة أيام بعده فتكره فيها كراهة تحريم عند الحنفية .(انظر مصطلح :إحرام: ف ٣٨) (وعمرة).
طواف الوداع: م -إذا أراد الحاج السفر من مكة يجب عليه عند الجمهور أن يطوف بالبيت طواف الوداع، والـمعنى الملاحظ فى هذا الطواف أن يكون آخر العهد بالبيت، ولا رمل فى هذا الطواف ولا اضطباع، وبعد أن يصلى ركعتى الطواف، يأتى زمزم ويشرب من مائها مستقبل البيت، ويتشبث بأستار الكعبة، ويستلم الحجر الأسود إن تيسر له من غير إيذاء أحد، ثم يسير إلى باب الحرم ووجهه تلقاء الباب، داعيا بالقبول، والغفران، وبالعود مرة بعد مرة، وألا يكون ذلک آخر العهد من هذا البيت العتيق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٣٨، مادة "حج")

(فصل نمبر۲)

عمرہ ادا کرنے کا اجمالی ومختصر طریقہ

عمرہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو شخص عمرہ کا ارادہ کرے، تو اسے چاہئے کہ وہ عمرہ کے احرام کی تیاری کرے۔

پھر اگر وہ میقات سے باہر سے سفر کر کے حرم جا رہا ہے، تو اُسے چاہئے کہ میقات پر پہنچ کر یا اس سے پہلے جب بھی چاہے، احرام باندھ لے۔

اور اگر وہ حرم کی حدود میں موجود ہے، تو اُسے چاہئے کہ وہ کسی بھی طرف سے حرم کی حدود سے باہر نکل کر احرام باندھے، اور آج کل بیتُ اللہ سے حرم کی بیرونی قریبی حد تنعیم ہے، جہاں آج کل مسجدِ عائشہ قائم ہے، اور وہاں حکومت کی طرف سے احرام باندھنے کے تمام انتظامات مہیا کیے گئے ہیں۔

اور عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے حرم کی حدود سے باہر نکلنے کا یہ حکم ہر اس شخص کے لئے ہے، جو حرم کی حدود میں موجود ہو، خواہ وہ وہاں کا مستقل باشندہ ہو، یا کسی اور جگہ کا رہنے والا شخص حرم میں کسی وجہ سے مقیم ہو، یا حرم کے باہر سے آیا ہوا کوئی ایسا شخص ہو، جو حرم میں موجود ہو، مگر وہ شرعی اعتبار سے مسافر ہو۔

اور آج کل جو بعض لوگ حرم میں موجود باہر سے آئے ہوئے حضرات کو تنعیم سے جہاں آج کل مسجدِ عائشہ کے نام سے مسجد قائم ہے، عمرہ کا احرام باندھنے کو منع کرتے ہیں، اُن کا یہ منع کرنا درست نہیں۔

اور احرام کی تیاری یہ ہے کہ جو چیزیں احرام کے لئے سنت ومستحب ہیں، ان کو اختیار کرے، مثلاً غسل کرے، یا کم از کم وضو کرے، فاضل بال اور ناخن وغیرہ کاٹے، اور بدن پر خوشبو

لگائے، اور اگر مرد ہو تو سِلے ہوئے کپڑے اُتار کر احرام کی دو چادریں پہن لے، پھر احرام شروع کرنے کے لئے دو رکعت پڑھے، پھر اس کے بعد عمرہ کی نیت کرے، اور زبان سے بھی الفاظ ادا کر لے، تو بہتر ہے، مثلاً عربی میں یہ الفاظ ادا کرے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.

اور اگر عربی میں مشکل ہو تو اُردو یا اپنی جو بھی زبان ہو، اُس میں اس طرح سے کہے کہ:

اے اللہ! میں عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں، تو آپ اس کو میرے لئے آسان کر دیجئے، اور اس کو میری طرف سے قبول فرمالیجئے، بے شک آپ خوب سُننے، جاننے والے ہیں۔

پھر اس کے بعد تلبیہ پڑھے، اور تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں کہ:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیْکَ لَکَ.

اس عمل کے ذریعہ سے اس کا احرام شروع ہو جائے گا، اور احرام کی پابندیاں لازم ہو جائیں گی۔

اس کے بعد کثرت سے تلبیہ پڑھتے رہنا چاہئے، اور پھر مسجدِ حرام میں داخل ہو کر عمرہ کے طواف کی تیاری کرنی چاہئے۔

پس باوضو خشوع اور احترام کے ساتھ بیتُ اللہ کے قریب پہنچے، اور اگر مرد ہو تو اضطباع کر لے، یعنی اپنے احرام کی اوپر والی چادر کا دایاں حصہ داہنے بازو کے نیچے سے لا کر اور دائیں کندھے کو اوپر کی طرف سے ننگا کر کے بائیں کندھے کے اوپر ڈال لے، اور چادر کے بائیں طرف کے کنارے کو بھی اسی بائیں کندھے کے اوپر ڈال لے، اور حجرِ اسود کے قریب پہنچ کر تلبیہ پڑھنا بند کر دے، اور دل میں بیتُ اللہ کا طواف کرنے کی نیت کرے، اور حجرِ اسود

کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو، پھر اللہ اکبر کہہ کر حجرِ اسود سے طواف کی ابتداء کرے، اور بیت اللہ کو اپنے بائیں طرف کر کے سات چکر کاٹے، اور طواف شروع کرتے وقت حجرِ اسود کا استلام کرے، اور استلام یہ ہے کہ اگر ہجوم نہ ہو، اور کسی کو ایذاء وتکلیف نہ پہنچے، تو تکبیر یعنی اللہ اکبر پڑھ کر حجرِ اسود کو بوسہ دے، بشرطیکہ اس کو خوشبو لگی ہوئی نہ ہو، ورنہ دُور سے اس کی طرف اللہ اکبر کہتے ہوئے اشارہ کرنے پر اکتفاء کرے، یہ استلام کا اشارہ ہے، پھر اس کے بعد جب بھی حجرِ اسود کے سامنے سے گزرے، تو مذکورہ تفصیل کے مطابق اس کو بوسہ دے، یا اس کی طرف اشارہ کرے۔

اور اگر مرد ہو، تو طواف کے پہلے تین چکروں میں رَمَل کرے، اور باقی چار چکر معمول کے مطابق چل کر مکمل کرے، اور رَمَل کا مطلب یہ ہے کہ سینہ تان کر اور قریب قریب پاؤں رکھ کر چلے، اور خواتین رَمَل نہ کریں، بلکہ وہ طواف کے تمام چکر عام رفتار کے ساتھ چل کر پورے کریں۔

اور طواف کے درمیان آہستہ آواز میں ذکر اور دعاء میں مصروف یا خاموش رہے۔

پھر جب طواف کے سات چکر مکمل کرلے، تو طواف سے فارغ ہو کر دو رکعتیں ادا کرے، اور اگر ہجوم نہ ہو، اور اپنے کو اور کسی دوسرے کو تکلیف نہ ہو، تو مقامِ ابراہیم کے قریب میں یہ دو رکعتیں ادا کرے، ورنہ مسجدِ حرام میں جہاں بھی موقع مل جائے، وہاں یہ دو رکعتیں ادا کرلے۔

پھر اگر ممکن ہو تو ایک مرتبہ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے حجرِ اسود کا بوسہ لے، اور اگر بوسہ لینا مشکل ہو، تو اس کی طرف اشارہ کرے۔

اور پھر صفا کی طرف چلے، اور اگر ممکن ہو تو یہ آیت پڑھتا ہوا جائے کہ:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا.

اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی شروع کرے۔

چنانچہ پہلے صفا پہاڑی پر اتنا اوپر چڑھ جائے کہ کعبۃ اللہ نظر آنے لگے، پھر کعبۃ اللہ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو جائے، اور لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے، اور جو چاہے دعاء کرے۔

پھر آہستہ آواز میں ذکر ودعاء کرتے ہوئے مروہ کی طرف چلنا شروع کرے، اور اگر مرد ہو تو میلین اخضرین یعنی دو سبز ستونوں کے درمیان تیز چلے، اور خاتون ہو تو عام رفتار کے ساتھ چلے۔

اور میلین اخضرین سے گزرنے کے بعد مرد بھی عام رفتار کے ساتھ چل کر مروہ تک پہنچ جائے، اور مروہ پر کھڑے ہو کر بھی بیتُ اللہ کی طرف رُخ کر کے صفا کی تفصیل کے مطابق کھڑے ہو کر دعاء کرے۔

اس طرح یہ ایک چکر مکمل ہوا۔

پھر مروہ سے صفا کی طرف پہلی تفصیل کے مطابق واپس جائے، اور صفا پر جا کر پہلی تفصیل کے مطابق دعاء کرے، اس طرح دوسرا چکر بھی مکمل ہو گیا، اور اسی طرح کرتے کرتے سات چکر مکمل کر لے، ساتویں چکر کا اختتام مروہ پر ہو گا۔

پھر جب سعی سے فارغ ہو جائے تو مرد کو چاہئے کہ اپنے سر کے بال منڈوائے، یا ترشوائے، اور خاتون ہو تو اُسے اپنے سر کے بال کٹانا متعین ہے، منڈانا جائز نہیں۔

اس کے بعد عمرہ مکمل ہو جائے گا، اور احرام کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی۔

پھر جب عمرہ کرنے والے کا مکہ سے واپسی کا ارادہ ہو تو آخر میں رخصت ہوتے وقت کئی فقہائے کرام کے نزدیک طوافِ وداع واجب یا سنت ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک عمرہ کرنے والے کے لئے طوافِ وِداع واجب یا سنت نہیں، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مستحب ہے، بہر حال اختلاف سے بچنے کے لئے صرف عمرہ کے لئے جانے والے کو بھی واپسی کے وقت ایک طواف کر لینا مناسب ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری دوسری کتاب ''عمرہ کے فضائل واحکام'')

(فصل نمبر ۳)

حج کے فرائض، واجبات، سنتیں ومستحبات

حج کے اعمال ومناسک میں بعض چیزیں فرض، بعض چیزیں واجب، بعض چیزیں سنت اور بعض چیزیں مستحب ہیں، جن کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱...... حج میں جو چیزیں فرض ہیں، اوران کے بغیر حج کی ادائیگی درست نہیں ہوتی، وہ دوقسم کی ہوسکتی ہیں، ایک وہ جن کو ارکان سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو حج کے داخلی اعمال ومناسک سے تعلق رکھتے ہیں، دوسرے وہ جن کو شرائط سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو حج کے داخلی اعمال ومناسک سے تو تعلق نہیں رکھتے، البتہ ان پر حج کی ادائیگی موقوف ہوتی ہے، جیسا کہ نماز کے فرائض کا معاملہ ہے کہ ان کے بعض فرائض کو ارکان سے تعبیر کیا جاتا ہے، جن کو عام بول چال میں اندر کے فرائض بھی کہا جاتا ہے، اور بعض فرائض کو شرائط سے تعبیر کیا جاتا ہے، جن کو عام بول چال میں باہر کے فرائض بھی کہا جاتا ہے۔

فرائض اور ارکان کے علاوہ حج کے بعض اعمال ومناسک واجب ہیں، جن کو حج کے واجبات کہا جاتا ہے، جن پر حج کا صحیح ہونا تو موقوف نہیں ہوتا، البتہ شرعی عذر کے بغیر ان کا ترک کرنا گناہ ہوتا ہے، اوران کی تلافی بعض صورتوں میں اعادہ کرنے یا فدیہ ودَم وغیرہ کی شکل میں کفارہ ادا کرنے سے کی جاتی ہے، اور بعض صورتوں میں کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

اور حج کے واجبات دوقسم کے ہیں، ایک وہ جن کو واجباتِ اصلیہ کہا جاتا ہے، جو بذاتِ خود واجب ہیں، کسی دوسرے عمل کے تابع ہو کر واجب نہیں، دوسرے وہ جن کو واجباتِ غیر اصلیہ کہا جاتا ہے، جو بذاتِ خود تو واجب نہیں، البتہ حج کے کسی دوسرے رکن یا واجب عمل کے تابع ہو کر واجب ہیں، مثلاً احرام کے واجبات، طواف کے واجبات، وقوفِ عرفہ کے

واجبات وغیرہ وغیرہ۔ [۱]

حج کے فرائض اور واجبات کے علاوہ بعض اعمال مسنون ومستحب کہلاتے ہیں، جن کا کرنا باعثِ ثواب ہے۔

فرائض کی تلافی کسی دَم وغیرہ سے ممکن نہیں، بلکہ بہرحال ان کی ادائیگی ہی ضروری ہے۔

اور واجبات کی تلافی فدیہ اور دَم وغیرہ کی شکل میں کفارہ ادا کرنے سے ممکن ہے، اور بعض واجبات کی عذر کی صورت میں خلاف ورزی یا ترک کرنے پر کوئی دَم، فدیہ وکفارہ وغیرہ واجب نہیں ہوتا۔

اور مسنون اعمال کی ادائیگی ثواب ہے، لیکن ان کے ترک کرنے پر دَم، کفارہ وغیرہ لازم نہیں، البتہ سنت کے ثواب سے محرومی ہوجاتی ہے، بشرطیکہ بلاعذر ان کوترک کیا جائے۔ [۲]

پھر سنت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ کہ جس کی شریعت کی طرف سے تاکید بیان کی گئی ہو، اور

---

[۱] واجبات الحج:الواجب فی الحج :هو ما يطلب فعله ويحرم تركه، لكن لا تتوقف صحة الحج عليه، ويأثم تاركه، إلا إذا تركه بعذر معتبر شرعا، ويجب عليه الفداء بجبر النقص.

وواجبات الحج قسمان :القسم الأول :الواجبات الأصلية، التی ليست تابعة لغيرها .القسم الثانی : الواجبات التابعة لغيرها .وهی أمور يجب مراعاتها فی أداء ركن أو واجب من أعمال الحج(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۳، وص۵۴، مادة "حج")

واجبات الحج التابعة لغيرها :واجبات الحج التابعة لغيرها هی أمور يجب أداؤها فی ضمن ركن من أركان الحج، أو ضمن واجب أصلی من واجباته. وتجد دراستها فی المصطلحات التی تخص أركان الحج أو واجباته، سوى ترتيب أعمال يوم النحر، فندرسه هنا، ونشير إلى ما سواه إشارة سريعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۹، مادة "حج")

[۲] الجبر بالدم :لا خلاف بين الفقهاء فی أن :من ترک واجبا من واجبات الحج كالإحرام من الميقات، ورمی الجمار كلها أو بعضها، ولم يتمكن من الإتيان به، يجب عليه الجبر بالدم، ولا يجبر بالدم إلا ما كان واجبا .أما أركان الحج فلا تجبر إذا تركت، وأما تفصيل ما يعتبر واجبا يجبر بالدم، واختلاف الفقهاء فيه، ونوع الجبر، فيرجع إلى مصطلح :(حج)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۱۰۳، مادة "جبر")

سنن الحج ومستحباته وممنوعاته ومباحاته

الأول :سنن الحج:السنن فی الحج يطلب فعلها، ويثاب عليها، لكن لا يلزم بتركها الفداء من دم أو صدقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۲، مادة "حج")

اس پر پابندی کا حکم فرمایا گیا ہو، اور بلاعذر اس کے ترک کرنے اور چھوڑنے کو برا اور مکروہ قرار دیا گیا ہو، ایسی سنت کو سنتِ مؤکدہ کہا جاتا ہے، اور اگر شریعت کی طرف سے اس کی تاکید بیان نہ کی گئی ہو، اور بلاعذر اس کے ترک کرنے کو مکروہ اور برا قرار نہ دیا گیا ہو، البتہ اس پر عمل کرنے میں اجروثواب رکھا گیا ہو، اس کو سنتِ غیرمؤکدہ کہا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] تطلق السنة عند الشافعية والحنابلة :على المندوب، والمستحب، والتطوع، فهى ألفاظ مترادفة، فكل منها عبارة عن الفعل المطلوب طلبا غير جازم.

قال البنانى :ومثلها الحسن أو النفل والمرغب فيه .ونفى القاضى حسين وغيره ترادفها حيث قالوا: إن واظب النبى صلى الله عليه وسلم على الفعل فهو السنة، وإن لم يواظب عليه كأن فعله مرة أو مرتين فهو المستحب، أو لم يفعله وهو ما ينشئه الإنسان باختياره من الأوراد فهو التطوع .ولم يتعرض القاضى حسين ومن معه للمندوب لعمومه للأقسام الثلاثة.ويقسم الشافعية والحنابلة السنن إلى سنن مؤكدة وغير مؤكدة .إلا أن الحنابلة يقولون :إن ترك السنن المؤكدة مكروه، أما ترك غير المؤكدة فليس بمكروه .وقال ابن عابدين :إن المشروعات أربعة أقسام :فرض، وواجب، وسنة، ونفل .فما كان فعله أولى من تركه مع منع الترك إن ثبت بدليل قطعى ففرض، أو بظنى فواجب، وبلا منع الترك إن كان مما واظب عليه الرسول صلى الله عليه وسلم أو الخلفاء الراشدون من بعده فسنة، وإلا فمندوب ونفل. وهذا مطابق لقواعد الحنفية من الفرق بين الفرض والواجب خلافا للشافعية ومن معهم من قولهم بالترادف بينهما إلا فى مواضع تذكر فى موضعها .فالسنة عند الحنفية بالمعنى الفقهى نوعان:أ -سنة الهدى:وهى ما تكون إقامتها تكميلا للدين، وتتعلق بتركها كراهة أو إساءة، كصلاة الجماعة، والأذان، والإقامة، ونحوها، وذلك لأن النبى صلى الله عليه وسلم واظب عليها على سبيل العبادة، وتسمى أيضا السنة المؤكدة.

ب -سنن الزوائد:وهى التى لا يتعلق بتركها كراهة ولا إساءة، لأن النبى صلى الله عليه وسلم فعلها على سبيل العادة، فإقامتها حسنة، كسير النبى صلى الله عليه وسلم فى لباسه وقيامه، وقعوده وأكله، ونحو ذلك . وعند المالكية :السنة ما فعله النبى صلى الله عليه وسلم وواظب عليه، وأظهره فى جماعة، ولم يدل دليل على وجوبه .والرغيبة :ما رغب الشارع فيه وحده ولم يظهره فى جماعة. والنفل ما فعله النبى صلى الله عليه وسلم ولم يداوم عليه؛ أى تركه فى بعض الأوقات(الموسوعة الفقهية الكويتية ج۲۵،ص ۲۶۴، وص ۲۶۵، ماده"سنة"الأحكام المتعلقة بالسنة)

يرى جمهور الفقهاء استحباب المواظبة على السنن الرواتب .وذهب مالك فى المشهور عنه: إلى أنه لا توقيت فى ذلك حماية للفرائض، لكن لا يمنع من تطوع بما شاء إذا أمن ذلك.

وصرح الحنفية أن تارك السنن الرواتب يستوجب إساءة وكراهية .وفسر ابن عابدين استيجاب الإساءة بالتضليل واللوم .وقال صاحب كشف الأسرار :الإساءة دون الكراهة .وقال ابن نجيم: الإساءة أفحش من الكراهة .وفى التلويح :ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام .وقال الحنابلة بكراهة ترك الرواتب بلا عذر هذا فى الحضر .وفى السفر يرى جمهور الفقهاء استحباب صلاة السنن الرواتب أيضا لكنها فى الحضر آكد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۲۷۶، مادة "سنة" السنن الرواتب)

اور بعض چیزیں حج کے مستحبات میں داخل ہیں، جن کو اختیار کرنے میں اجروثواب حاصل ہوتا ہے، لیکن ان کا اجروثواب سنت سے کم درجہ کا ہوتا ہے، اوران کو ترک کرنے میں کوئی برائی نہیں ہوتی۔ [1]

اور حج میں کیا کیا چیزیں فرض وواجب اور سنت یا مستحب ہیں، ان میں سے کئی چیزوں کی درجہ بندی میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

اس لئے دیگر فقہائے کرام کے اقوال کو بھی ذکر کرنے کے لئے فرائض، واجبات، سنتوں اور مستحبات کو فہرست کے انداز میں ذکر کرنے کے بجائے ان کو الگ الگ مسائل کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر۲...... حنفیہ کے نزدیک حج کے ارکان (یعنی اندر کے فرائض) دو ہیں، ایک وقوفِ عرفہ، اور دوسرے طوافِ زیارت، اور حنفیہ کے نزدیک احرام شرط ہے، اگرچہ بعض جہات سے رکن ہے۔

جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک حج کے ارکان چار ہیں، ایک احرام، دوسرے وقوفِ عرفہ، تیسرے طوافِ زیارت، چوتھے سعی۔

اور شافعیہ کے نزدیک حج کے ارکان چھ ہیں، چار تو یہی جو ذکر ہوئے، اور پانچویں حلق یا قصر، اور چھٹے بڑے ارکان کے درمیان ترتیب، یعنی پہلے احرام، اس کے بعد وقوفِ عرفہ، پھر طوافِ زیارت، پھر سعی۔ [2]

---

[1] مستحبات الحج يحصل بها الأجر لكن دون أجر السنة، ولا يلزم تاركها الإساءة بخلاف السنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۷، مادة ”حج“مستحبات الحج)

[2] أركان الحج:

أركان الحج فيما اتجه إليه جمهور الفقهاء أربعة:

الإحرام .والوقوف بعرفة .والطواف وهو طواف الزيارة .والسعي .وأركان الحج عند الحنفية ركنان :الوقوف بعرفة، وطواف الزيارة.

وعند الشافعية ست :الأربع المذكورة عند الجمهور والحلق أو التقصير، والترتيب بين معظم الأركان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۹، مادة ”حج“)

اور سعی کرنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، جس کے ترک کرنے پر دَم سے تلافی ہو جاتی ہے۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام (شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کے نزدیک سعی کرنا حج کے رکن میں داخل ہے، جس کی ادائیگی کے بغیر حج صحیح نہیں ہوتا، اور اس کی تلافی کسی دَم وغیرہ سے نہیں ہوتی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳...... مزدلفہ میں وقوف کرنا یا رات گزارنا واجب ہے، اور اس واجب کی ادائیگی کا وقت حنفیہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کے طلوعِ فجر سے لے کر سورج طلوع ہونے کے درمیان ہے، اور طلوعِ فجر سے پہلے رات کا وقت مزدلفہ میں گزارنا سنت ہے۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مزدلفہ میں طلوعِ فجر سے پہلے کا کچھ وقت مزدلفہ میں گزارنا واجب ہے، اور طلوعِ فجر کے بعد سنت ہے۔

گویا کہ حنفیہ کے نزدیک طلوعِ فجر کے بعد وقوف واجب اور رات کا قیام سنت اور دیگر فقہاء کے نزدیک رات کا قیام واجب اور طلوعِ فجر کے بعد کا وقوف سنت ہے۔ [2]

---

[1] حکم السعی :ذهب الأئمة الثلاثة إلى أن السعی رکن من أرکان الحج لا یصح بدونه، حتى لو ترک الحاج خطوة منه یؤمر بأن یعود إلى ذلک الموضع فیضع قدمه علیه، ویخطو تلک الخطوة .
وهو قول عائشة وعروة بن الزبیر.
وذهب الحنفیة إلى أن السعی واجب فی الحج ولیس برکن، وهو مذهب الحسن البصری وسفیان الثوری .ورکن السعی عند الجمهور سبعة أشواط، حتى لو ترک شیئا منها لم یتحلل من إحرامه، أما الحنفیة فإن رکن السعی أکثر أشواط السعی، والثلاثة الباقیة لیست رکنا، وتنجبر بالفداء .
والمشی للقادر واجب فی السعی عند الحنفیة والمالکیة، سنة عند الشافعیة والحنابلة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۷، ص۵۳، مادة "حج")

[2] واتفق الفقهاء على أن المبیت بالمزدلفة واجب لیس برکن .ثم اختلفوا فی مقداره ووقته.
فذهب الأئمة الثلاثة إلى أن زمن الوقوف الواجب هو المکث بالمزدلفة من اللیل، ثم اختلف أصحاب هذا الرأی.
فذهب المالکیة إلى أن النزول بالمزدلفة قدر حط الرحال فی لیلة النحر واجب، والمبیت بها سنة.
وذهب الشافعیة والحنابلة إلى أنه یجب الوجود بمزدلفة بعد نصف اللیل، ولو ساعة لطیفة :أی فترة ما من الزمن ولو قصیرة.
وذهب الحنفیة إلى أنه ما بین طلوع الفجر یوم النحر وطلوع الشمس، فمن حصل بمزدلفة فی هذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورمزدلفہ میں پہنچ کرمغرب اورعشاء کی نماز کوجمع کر کے پڑھنے کے واجب یا سنت ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل مزدلفہ کے بیان میں آتی ہے، کیونکہ مغرب اور عشاء کی نماز کومزدلفہ میں جمع کر کے پڑھنا، مزدلفہ کے احکام میں سے ہے۔

مسئلہ نمبر۴...... دس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کومنیٰ میں جمرات کی رَمی کرنا حج کے واجبات میں داخل ہے۔

پہلے دن بڑے جمرہ یا بڑے شیطان کو، اور دوسرے تیسرے دن تینوں جمرات یا تینوں شیطانوں کوالگ الگ مقررہ تعداد میں کنکریاں مارنا واجب ہے۔

دس ذی الحجہ سے لے کر بارہ ذی الحجہ تک تین دن رمی کرنا واجب ہے، اس لئے تین دن کی رَمی حج کے تین واجبات کے قائم مقام ہوئی، اور چوتھے دن کی رمی کرنا فی نفسہٖ واجب نہیں، البتہ بعض صورتوں میں اس دن کی رمی بھی واجب ہوجاتی ہے۔[۱]

مسئلہ نمبر۵...... حجِ تمتع یا حجِ قِران کرنے والے کو حج کے نتیجہ میں مخصوص قربانی (یعنی ھدی کا ذبح) کرنا واجب ہے، اور جس نے حجِ افراد کیا ہو، اس پر واجب نہیں۔

البتہ اگر کوئی حج کرنے والا شخص غربت اور مال کی کمی وغیرہ کی وجہ سے حج کی اس قربانی کو کرنے پر قادر نہ ہو، تو اس کے حق میں قربانی کے بدلہ میں دس روزوں کا رکھنا مقرر کیا گیا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الوقت فترة من الزمن فقد أدرك الوقوف، سواء بات بها أو لا، ومن لم يحصل بها فيه فقد فاته الوقوف الواجب بالمزدلفة .وعليه دم إلا إن تركه لعذر كزحمة فلا شيء عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۴، مادة "حج")

ويمكث بها حتى يطلع الفجر، ثم يقف للدعاء ويمكث فيها حتى يسفر جدا، ثم يدفع إلى منى فهذا سنة عند الحنفية والشافعية، مندوب عند المالكية، مستحب عند الحنابلة .إنما الواجب الوقوف الذى سبق ذكره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۷، مادة "حج")

[۱] ثانيا :رمى الجمار: الرمى لغة :القذف.

والجمار :الأحجار الصغيرة، جمع جمرة، وهى الحصاة .ورمى الجمار واجب فى الحج، أجمعت الأمة على وجوبه.والرمى الواجب لكل جمرة (أى موضع الرمى) هو سبع حصيات بالإجماع أيضا.

توقيت الرمى وعدده:أيام الرمى أربعة :يوم النحر العاشر من ذى الحجة، وثلاثة أيام بعده وتسمى " أيام التشريق "(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۴ ، مادة "حج")

ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... سر کے بالوں کو منڈوانا یا کٹوانا بھی اکثر فقہائے کرام کے نزدیک حج کے واجبات میں سے ایک واجب ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق یہ حج کا رکن اور فرض ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۷ ...... آٹھ اور نو ذی الحجہ کی درمیانی شب کا منیٰ میں گزارنا تو سنت ہے۔ [3]

اور دس اور گیارہ ذی الحجہ کے دنوں کی بعد والی راتوں کا منیٰ میں گزارنا اور اگر تیرہویں تاریخ میں رَمی کا ارادہ ہو، تو بارہ ذی الحجہ کے دن کے بعد کی رات کا بھی منیٰ میں گزارنا حنفیہ اور بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سنت ہے، جس کی خلاف ورزی پر دَم واجب نہیں ہوتا، اور اگر کسی عذر سے اس سنت کو ترک کیا جائے، تو کوئی خرابی بھی لازم نہیں آتی۔

جبکہ دوسرے بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک ان راتوں کا منیٰ میں گزارنا واجب ہے،

---

[1] البتہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مکی وحرمی کو حجِ تمتع وحجِ قران کرنا جائز ہے، مگر ایسے لوگوں پر حج کے نتیجہ میں قربانی واجب نہیں، جس کی تفصیل آگے حجِ تمتع کے بیان میں، نیز حج کی قربانی کے بیان میں آتی ہے۔

هدى القران :يجب باتفاق الفقهاء على القارن هدى يذبحه أيام النحر ، لقوله تعالى :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى) لأن القارن فى حكم المتمتع .... ومن عجز عن الهدى فعليه بالإجماع صيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجع إلى أهله، لقوله تعالى :(فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص ۸٦، وص۸۷، مادة " قران ")

[2] اتفق جمهور العلماء على أن حلق شعر الرأس أو تقصيره واجب من واجبات الحج، وهو مذهب الحنفية والمالكية والحنابلة.

وذهب الشافعى فى المشهور عنه وهو الراجح فى المذهب إلى أنه ركن فى الحج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۷، مادة "حج"، الحلق والتقصير)

[3] ثالثا :المبيت بمنى ليلة يوم عرفة:

يسن للحاج أن يخرج من مكة إلى منى يوم التروية، بعد طلوع الشمس، فيصلى بمنى خمس صلوات هى :الظهر، والعصر، والمغرب، والعشاء ، والفجر، وذلك سنة باتفاق الأئمة.

وقد ثبت فى حديث جابر :فلما كان يوم التروية توجهوا إلى منى فأهلوا بالحج، وركب رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى بهم الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر، ثم مكث قليلا حتى طلعت الشمس وأمر بقبة من شعر تضرب له بنمرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص٦٦، مادة "حج")

اوراس واجب کی کم ازکم مقدار رات کا اکثر حصہ ہے، اور بغیر عذر کے اس کی خلاف ورزی پردَم واجب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۸...... دس ذی الحجہ کے دن پہلے بڑے جمرہ کورَمی کرنا، پھر اس کے بعدحجِ تمتع یاحجِ قِران کرنے والے کا قربانی کرنا، پھر اس کے بعد بال کٹوانا یا منڈوانا، ان تینوں اعمال کواسی مذکورہ ترتیب پراداکرنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے، جس کی خلاف ورزی پر دم واجب ہوتا ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام محمد اور امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ترتیب واجب نہیں، بلکہ سنت ہے، جس کی خلاف ورزی پردَم واجب نہیں ہوتا۔ [2]

مسئلہ نمبر۹...... حج کے اعمال واحکام سے فارغ ہوکرحرم سے واپس رخصت ہوتے وقت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ایک طواف کرنا واجب ہے، جس کوطوافِ وداع کہا جاتا ہے، البتہ حنفیہ کے مفتیٰ بہٖ قول کی رُو سے یہ طواف صرف آفاق یعنی میقات سے باہر سے آنے والے حجاج پرواجب ہے، حرم اوراس سے متصل حِل میں رہنے والوں پرواجب نہیں۔ البتہ مستحب ان کے لئے بھی ہے۔

---

[1] رابعا :المبيت بمنى ليالی أيام التشريق:
منى :بالكسر والتنوين شعيب بين جبال، طوله ميلان وعرضه يسير
والمبيت بها ليالی أيام التشريق واجب عند جمهور الفقهاء ، يلزم الدم لمن تركه بغير عذر.
وذهب الحنفية إلى أن المبيت بها سنة، والقدر الواجب للمبيت عند الجمهور هو مكث أكثر الليل
(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۷، مادة "حج")

[2] فذهب الحنفية والمالكية ورواية عن أحمد إلى وجوب ترتيب أعمال يوم النحر على تفصيل فيه، أخذ كل منهم به للتوفيق بين الأدلة.
وذهب الشافعی والصاحبان ورواية عن أحمد إلى أن الترتيب سنة، واستدلوا بحديث عبد الله بن عمرو الأخير، فإن قوله :فما سئل يومئذ . .يدل بعمومه على سنية الترتيب.
أما الأولون فاستدلوا بفعل النبی صلى الله عليه وسلم فإنه يدل على الوجوب، ثم ذهبوا مذاهب فی كيفية الترتيب:
فذهب الحنفية إلى وجوب الترتيب بين أعمال منى حسب الوارد، أما الترتيب بينها وبين طواف الإفاضة فسنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۱، مادة "حج")

جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک طوافِ وداع حرم کے باشندوں پر واجب نہیں، اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک جو بھی حرم سے سفر کا قصد کر کے نکلے، اس کو طوافِ وداع کرنا چاہئے، اگرچہ وہ حرم کا باشندہ ہی کیوں نہ ہو۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۰۱......طواف کی ایک قسم طوافِ قدوم کہلاتی ہے، جو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک سنت ہے، اور اس طواف کو طوافِ قادم، طوافِ تحیہ، طوافِ ورود اور طوافِ لقاء وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔

---

[۱] اور عمرہ کرنے والے کو بھی عمرہ سے فارغ ہو کر رخصت ہوتے وقت کئی فقہائے کرام کے نزدیک طوافِ وداع واجب یا سنت ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک واجب یا سنت نہیں، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مستحب ہے۔

بہرحال اختلاف سے بچنے کے لئے عمرہ کرنے والے کو بھی واپسی کے وقت ایک طواف کر لینا مناسب ہے۔

خامسا: طواف الوداع:

طواف الوداع يسمى طواف الصدر، وطواف آخر العهد:

وذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والحنابلة وهو الأظهر عند الشافعية إلى أن طواف الوداع واجب، وذهب المالكية إلى أنه سنة .

استدل الجمهور على وجوبه بأمره صلى الله عليه وسلم كما روى ابن عباس رضى الله عنه قال: أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت، إلا أنه خفف عن المرأة الحائض.

واستدل المالكية على أنه سنة، بأنه جاز للحائض تركه دون فداء ، ولو وجب لم يجز للحائض تركه.

شروط وجوبه:

أن يكون الحاج من أهل الآفاق، عند الحنفية والحنابلة، فلا يجب على المكي، لأن الطواف وجب توديعا للبيت، وهذا المعنى لا يوجد فى أهل مكة لأنهم فى وطنهم.

وألحق الحنفية من كان من منطقة المواقيت، لأن حكمهم حكم أهل مكة.

وقال الحنابلة :لا يسقط إلا عمن كان منزله فى الحرم فقط.

وعند المالكية والشافعية يطلب طواف الوداع فى حق كل من قصد السفر من مكة، ولو كان مكيا إذا قصد سفرا تقصر فيه الصلاة .ووصفه المالكية بأنه سفر بعيد كالجحفة لا قريبا كالتنعيم إذا خرج للسفر لا ليقيم بموضع آخر أو بمسكنه، فإن خرج ليقيم بموضع آخر أو بمسكنه طلب منه، ولو كان الموضع الذى خرج إليه قريبا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۷، وص۵۸، مادة "حج")

ثم عليه طواف الوداع إذا أراد السفر من مكة -ولو كان مكيا -وجوبا عند الشافعية وسنة عند

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیونکہ یہ طواف بیتُ اللہ میں پہلی مرتبہ داخلہ کے وقت ادا کیا جاتا ہے۔

طوافِ قدوم عمرہ کرنے والے اور حجِ تمتع کرنے والے کے لئے تو سنت نہیں ہے، کیونکہ عمرہ کرنے والا خود مسجدِ حرام میں داخل ہوکر عمرہ کا طواف کرتا ہے، اور حجِ تمتع کرنے والا بھی پہلے عمرہ کرتا ہے، جس میں طواف ادا کیا جاتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المالكية، ويجب عليه طواف الوداع عند الحنابلة إلا إن كان مكيا أو منزله فى الحرم، فلا يجب عليه الوداع.

أما الحنفية فلا يجب عندهم طواف الوداع على المعتمر لكن يستحب خروجا من الخلاف.

لأن طواف الوداع عندهم من مناسك الحج، شرع ليكون آخر عهده بالبيت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠،ص٣١٨، مادة "عمرة")

(ثم) إذا أراد السفر (طاف للصدر) أى الوداع (سبعة أشواط بلا رمل وسعى، وهو واجب إلا على أهل مكة) ومن فى حكمهم فلا يجب بل يندب كمن مكث بعده (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله إلا على أهل مكة) أفاد وجوبه على كل حاج آفاقى مفرد أو متمتع أو قارن بشرط كونه مدركا مكلفا غير معذور فلا يجب على المكى، ولا على المعتمر مطلقا، وفائت الحج والمحصر والمجنون والصبى والحائض والنفساء كما فى اللباب وغيره.

(قوله ومن فى حكمهم) أى ممن كان داخل المواقيت، وكذا من نوى الاستيطان قبل حل النفر كما مر.

(قوله فلا يجب إلخ) قال فى النهر :والمنفى عنهم إنما هو وجوبه لا ندبه.

وقد قال الثانى أحب إلى أن يطوف المكى طواف الصدر لأنه وضع لختم أفعال الحج، وهذا المعنى موجود فى حقهم (ردالمحتار، ج٢، ص٥٢٣، كتاب الحج، مطلب فى طواف الزيارة)

وليس على المعتمرين من أهل الأفاق طواف الصدر أيضا لأن ركن العمرة هو الطواف فكيف يصير ركنه تبعا له (تحفة الفقهاء، ج١، ص٤١٠، كتاب المناسك، باب الاحرام)

فأما طواف الصدر فلا يجب على المعتمر، وقال الحسن بن زياد يجب عليه كذا ذكر الكرخى وجه قوله :إن طواف الصدر طواف الوداع والمعتمر يحتاج إلى الوداع، كالحاج(بدائع الصنائع، ج٢ص٢٢٧، كتاب الحج، العمرة)

(قوله وليس للعمرة طواف الصدر) أى ؛ لأن الطواف ركن العمرة فكيف يصير مثل ركنه تبعا له وفيه تأمل .ا هـ .كاكى(حاشية الشلبى على التبيين، ج٢ص٣٦، باب الاحرام)

إذا طاف للعمرة فهو أحوط وأبرأ للذمة؛ لأنك إذا طفت للوداع فى العمرة، لم يقل أحد إنك أخطأت، لكن إذا لم تطف قال لك من يوجب ذلك :إنك أخطأت، وحينئذ يكون الطائف مصيباً بكل حال، ومن لم يطف فإنه على خطر، ومخطء على قول بعض أهل العلم(مجموع فتاوىٰ ورسائل للعثيمين، ج٢٣ص٣٢٥،كتاب المناسك، طواف الوداع فى الحج والعمرة)

البتہ حجِ افراد اور حجِ قران کرنے والے آفاقی کے لئے طوافِ قدوم سنت ہے۔ [1]

[1] اور شافعیہ کے نزدیک طوافِ قدوم کے لئے آفاقی ہونا (یعنی میقات سے باہر کا ہونا) شرط نہیں، بلکہ غیر آفاقی (یعنی میقات سے اندر والے) یہاں تک کہ مکی وحرمی اور محرم وغیر محرم سب کے لئے سنت ہے، جو بھی مسجدِ حرام میں داخل ہو۔

أولا :طواف القدوم:ويسمى طواف القادم، طواف الورود، وطواف الوارد، وطواف التحية لأنه شرع للقادم والوارد من غير مكة لتحية البيت .ويسمى أيضا طواف اللقاء ، وأول عهده بالبيت، وطواف القدوم سنة للآفاقي القادم من خارج مكة عند الحنفية والشافعية والحنابلة، تحية للبيت العتيق، لذلک يستحب البدء به دون تأخير ، وسوى الشافعية بين داخلي مكة المحرم منهم وغير المحرم في سنية طواف القدوم.

وذهب المالكية إلى أنه واجب، من تركه لزمه الدم.

ووجوب طواف القدوم عند المالكية على كل من أحرم من الحل، سواء كان من أهل مكة أو غيرها، وسواء كان إحرامه من الحل واجبا كالآفاقي القادم محرما بالحج، أم ندبا كالمقيم بمكة الذى معه نفس (متسع من الوقت) وخرج من الحرم فأحرم من الحل، وسواء كان أحرم بالحج مفردا أم قارنا، وكذا المحرم من الحرم إن كان يجب عليه الإحرام من الحل، بأن جاوز الميقات حلالا مخالفا للنهي . وهو واجب على هؤلاء ما لم يكن أحدهم مراهقا، وهو من ضاق وقته حتى خشي فوات الوقوف بعرفات.

والأصل فيه فعل النبي صلى الله عليه وسلم كما ثبت في أول حديث جابر قوله :حتى إذا أتينا البيت معه استلم الركن فرمل ثلاثا ومشى أربعا.

وعن عائشة رضي الله عنها :إن أول شيء بدأ به حين قدم النبي صلى الله عليه وسلم مكة أنه توضأ ثم طاف . . .الحديث .

فاستدل المالكية بذلک على الوجوب بقوله :خذوا عني مناسككم .وقالالجمهور :إن القرينة قامت على أنه غير واجب لأن المقصود به التحية، فأشبه تحية المسجد، فيكون سنة.

متى يسقط طواف القدوم:يسقط طواف القدوم عمن يلي:

أ -المكي .ومن في حكمه، وهو الآفاقي إذا أحرم من مكة، وشرط فيه المالكية أن لا يكون وجب عليه الإحرام من الحل، كما سبق، ووسع الحنفية فقالوا :يسقط عمن كان منزله في منطقة المواقيت لأن لها حكم مكة.

وعلة سقوط طواف القدوم عن هؤلاء أنه شرع للقدوم، والقدوم في حقهم غير موجود.

ب -المعتمر والمتمتع ولو آفاقيا عند الجمهور، لدخول طواف الفرض عليه، وهو طواف العمرة، فطواف القدوم عندهم خاص بمن أحرم بالحج مفردا، أو قارنا بين الحج والعمرة، وتفرد الحنابلة فقالوا :يطوف المتمتع للقدوم قبل طواف الإفاضة، ثم يطوف طواف الإفاضة.

ج -من قصد عرفة رأسا للوقوف يسقط عنه طواف القدوم، "لأن محله المسنون قبل وقوفه "، وقرر المالكية أنه إذا أحرم بالحج من الحرم أو أحرم به من الحل ولكنه مراهق أو أحرم بالعمرة من الحل ثم أردف بالحج عليها في الحرم فإنه لا يطالب بطواف القدوم وإذا لم يطالب بطواف القدوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... حج کرنے والے مرد حضرات کو درمیانی اونچی آواز میں وقتاً فوقتاً تلبیہ پڑھتے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فإنه يؤخر السعي إلى طواف الإفاضة، لأنه سيأتي أنه يجب أن يكون السعي عقب أحد طوافي الحج فلما سقط طواف القدوم تعين أن يكون عقب طواف الإفاضة.

فروع: م -الأول :قال في التوضيح :ومتى يكون الحاج مراهقا إن قدم يوم عرفة أحببت تأخير طوافه، وإن قدم يوم التروية أحببت تعجيله وله في التأخير سعة وفي المختصر عن مالك، إن قدم يوم عرفة فليؤخره إن شاء وإن شاء طاف وسعى، وإن قدم يوم التروية ومعه أهل فليؤخر إن شاء ، وإن لم يكن معه أهل فليطف وليسع .ومعنى ذلك أن الاشتغال يوم عرفة بالتوجه إلى عرفة أولى، وأما يوم التروية فمن كان معه أهل كان في شغل مما لا بد للمسافر بالأهل منه .انتهى .وقال ابن فرحون :لأنه بأهله في شغل، وحال المنفرد أخف، وقال قبله :والمراهق هو الذي يضيق وقته عن إيقاعه طواف القدوم والسعي وما لا بد له من أحواله ويخشى فوات الحج إن تشاغل بذلك فله تأخير الطواف، ثم ذكر ما قاله أشهب ونقله عن مالك في المختصر انتهى من مناسكه.

الثاني :حكم من أحرم بالقران من الحل حكم من أحرم بالحج من الحل في وجوب طواف القدوم عليه وتعجيل السعي بعده، فإن ترك ذلك وهو غير مراهق فعليه الدم، وإن كان مراهقا فلا دم عليه قاله في المدونة.

الثالث :إذا أردف الحج على العمرة في الحل فحكمه حكم من أحرم بالقران من الحل في وجوب طواف القدوم والسعي بعده إذا لم يكن مراهقا وهو ظاهر.

الرابع :إذا أحرم بالقران من مكة أو بالعمرة من مكة ثم أردف عليها حجة وصار قارنا فإنه يلزمه الخروج للحل على المشهور، فإذا دخل من الحل لا يطوف ولا يسعى لأنه أحرم من مكة .قاله ابن رشد عن ابن القاسم ونقله ابن عرفة وقد تقدم ذلك عند قوله ولها وللقران الحل.

الخامس :من أحرم بالحج أو بالقران من الحل ومضى إلى عرفات ولم يدخل مكة وليس بمراهق فإنه بمنزلة من ترك طواف القدوم ويجب عليه الدم .قاله في المدونة وكلام المصنف في مناسكه يوهم سقوط الدم وليس كذلك.

وقال الحنابلة :لا يسقط طواف القدوم عمن تأخر عنه إلى الوقوف، فإذا قدم مكة يبدأ طواف القدوم قبل طواف الزيارة.

د -قرر المالكية أنه يسقط طواف القدوم عن الحائض والنفساء والمغمى عليه والناسي، إلا أن يزول المانع ويتسع الزمن لطواف القدوم فإنه حينئذ يجب .

وقت طواف القدوم: يبدأ وقت طواف القدوم حين دخول مكة، ويستحب أن يبادر به قبل استئجار المنزل ونحو ذلك، لأنه تحية البيت العتيق، وآخر وقته وقوفه بعرفة عند الجمهور، لأنه بعد الوقوف مطالب بطواف الفرض، وهو طواف الزيارة.

كيفية طواف القدوم: كيفية طواف القدوم كطواف الزيارة، إلا أنه لا اضطباع فيه ولا رمل، ولا سعي لأجله، إلا إذا أراد تقديم سعي الحج إليه، فإنه يسن له عندئذ الاضطباع والرمل في الطواف، لأن الرمل والاضطباع سنة في كل طواف بعده سعي(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۶۲، الیٰ ص ۶۵، مادة "حج")

رہنا مستحب ہے، اور خواتین کو آہستہ آواز میں پڑھنا مستحب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... حجِ افراد کرنے والے پر حج کے نتیجہ میں قربانی واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر حیثیت اور وسعت ہو، تو اس کو قربانی کرنا مستحب ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۳...... جو شخص آفاق یعنی میقات سے باہر سے سفر کر کے حرم میں داخل ہونا چاہتا ہے، تو اسے حرم میں داخل ہونے سے پہلے غسل کر لینا مستحب ہے۔ [3]

مسئلہ نمبر ۱۴...... حج کرنے والے کو کثرت سے تلبیہ پڑھنا، دعا کرنا اور ذکر واذکار میں مشغول رہنا اور مختلف اعمال واحوال کے متعلق دعاؤں کا پڑھنا مستحب ہے۔ [4]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ: أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ (ترمذی، رقم الحديث ۸۲۷، باب ما جاء فی فضل التلبية والنحر)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟ تو نبی صلی

---

[1] ومستحبات الحج كثيرة نذكر طائفة هامة منها فيما يلي: أولا :العج:وهو رفع الصوت بالتلبية باعتدال، وهو مستحب للرجال، عملا بحديث السائل :أى الحج أفضل؟ قال صلى الله عليه وسلم :العج، والثج(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۷، مادة "حج"مستحبات الحج)

[2] اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک عمرہ کرنے والے کو بھی عمرہ سے فراغت کے بعد قربانی کرنا مستحب ہے۔

ثانيا :الثج:وهو ذبح الهدى تطوعا، لما مر فى الحديث، وقد أكثر النبى صلى الله عليه وسلم من هدى التطوع جدا، حتى بلغ مجموع هديه فى حجته مائة من الإبل.قال الإمام النووى :اتفقوا على أنه يستحب لمن قصد مكة بحج أو عمرة أن يهدى هديا من الأنعام، وينحره هناك، ويفرقه على المساكين الموجودين فى الحرم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۸، مادة "حج")

[3] ثالثا :الغسل لدخول مكة للآفاقى :وذلك عند ذى طوى، كما ورد فى السنة، أو غيره من مداخل مكة، وقد ثبت أنه صلى الله عليه وسلم :كان يغتسل لدخول مكة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۸، مادة "حج"، مستحبات الحج)

[4] سادسا :الإكثار من الدعاء والتلبية والأذكار المتكررة فى الأحوال: كالأدعية المأثورة فى المناسك، ولا سيما وقوف عرفة، وغير ذلك، فهذا به روح شعائر الحج .كما جاء فى الحديث: إنما جعل رمى الجمار والسعى بين الصفا والمروة لإقامة ذكر الله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۸، مادة "حج"، مستحبات الحج)

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس میں خوب تلبیہ پڑھا جائے، اور جس حج میں قربانی کی جائے (ترمذی)

مسئلہ نمبر ۱۵...... حج کے اعمال سے فراغت کے بعد منیٰ سے مکہ کی طرف روانہ ہوتے وقت وادیٔ محصب یا ابطح مقام میں کچھ وقت ٹھہرنے کے لئے اترنا مستحب ہے، لیکن اس میں غلو کرنا مناسب نہیں۔ [1]

اس لئے کہ بعض روایات وآثار میں محصّب میں نزول کے سنت سمجھنے کی ممانعت آئی ہے، جس کی مزید تفصیل آگے "گیارہ تا تیرہ ذی الحجہ کی رَمی کے فضائل واحکام" کے آخر میں آتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ حج کے مذکورہ فرائض، واجبات، سنتوں اور مستحبات کی مزید تفصیل آگے آنے والے حج کے الگ الگ اعمال ومناسک کے بیان میں آتی ہے، یہاں صرف اجمالی اور مختصر انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، تاکہ حج کے اعمال کے درجات کے درمیان فقہاء کے اختلاف کا ایک نمونہ سامنے آجائے۔

---

[1] اور حنفیہ کے نزدیک وادیٔ محصب میں قیام کرنا سنت ہے، جس میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھنا بھی داخل ہے۔

اور وادیٔ محصب دراصل مکہ میں داخل ہونے کے وقت دو پہاڑوں کے درمیان حجون یا المعلاۃ نام کے مقبرہ کی طرف واقع ہے، اور آج کل یہ مکہ کی آبادی کا حصہ بن چکی ہے، بلکہ مکہ کی آبادی اس سے بھی آگے تک تجاوز کر چکی ہے۔

(فصل نمبر۴)

حج کے ممنوعات، مکروہات ومباحات

حج میں بعض چیزیں ممنوع ہیں، جن کو حج کے ممنوعات کہا جاتا ہے، اوران سے مراد ایسے کام ہیں، جن کا حج میں کرنا شریعت کی طرف سے ناجائز اور منع ہے۔

حج کے ممنوعات میں حج کے محرمات کے ساتھ حج کے مفسدات بھی داخل ہیں، اور بعض حضرات کے نزدیک محرمات میں مکروہ تحریمی درجہ کے مکروہات بھی داخل ہیں۔

لہٰذا جن کاموں کا حج میں کرنا حرام یا مکروہ تحریمی ہے، یا جو کام حج کو فاسد کردیتے ہیں، ایسے سب کام حج کے ممنوعات کہلاتے ہیں، اور جو کام مکروہ تحریمی درجہ سے نیچے کے ہیں، ان کو عام مکروہ کہا جاتا ہے، اور وہ کوئی مستقل کام نہیں ہیں، بلکہ ایسے کام ہیں جن میں سنتوں وغیرہ کا ترک کرنا لازم آتا ہے، جن کی تفصیل اپنے اپنے مقامات پر ذکر کردی گئی ہے۔ [1]

حج کے کوئی مخصوص مباحات نہیں ہیں، سوائے ان مباحات کے، جو احرام میں مباح اور جائز ہیں، لہٰذا جو کام احرام کی حالت میں جائز اور مباح ہیں، وہ حج کے بھی مباحات کہلاتے ہیں۔

اور مباح یا مباحات سے مراد ایسے جائز کام ہیں، جن کا کرنا جائز ہو، اور نہ کرنا بھی جائز ہو، یعنی نہ تو ان کے کرنے میں کوئی ثواب یا گناہ ہو، اور نہ ان کے چھوڑنے میں کوئی ثواب یا گناہ ہو۔ [2]

---

[1] ممنوعات الحج أقسام: مكروهات، ومحرمات، ومفسدات. أما المكروهات: فهي ترك سنة من سنن الحج، وهو مكروه تنزيها عند الحنفية. ويلزم فيه الإساءة، ولا يجب فداء.

وأما المحرمات: فيدخل فيها ترك الواجبات، ويسميه الحنفية: مكروها كراهة تحريم. وحكمه إثم من ارتكبه بغير عذر ولزوم الفداء فيه اتفاقا على التفصيل الآتي:

أما المفسدات وسائر محرمات الحج فإنها متعلقة بالإحرام لا تختص بالحج. (انظر في المصطلح: إحرام ف ۵۵ وما بعد و ۱۷۱ - ۱۷۳) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۹، مادة "حج"، ممنوعات الحج)

[2] مباحات الحج: ليس للحج مباحات خاصة به، سوى المباحات التي لا تخل بمحظورات الإحرام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۷۰، مادة "حج")

(فصل نمبر۵)

حجِ افراد کے بنیادی احکام

حج کرنے کا ایک طریقہ حجِ افراد کہلاتا ہے، جس کے بنیادی احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

افراد اور حجِ افراد کے معنیٰ

افراد کے عربی لغت میں معنیٰ کسی چیز کو تنہا کرنے کے آتے ہیں۔

اور شریعت کی زبان میں حجِ قِران اور حجِ تمتع کے مقابلہ میں حجِ افراد کے معنیٰ تنہا حج کرنے کے آتے ہیں، جس میں عمرہ شامل نہ ہو۔ [۱]

حجِ افراد کا جواز اور اس کی فضیلت

حجِ افراد کرنا بھی جائز ہے۔

اور حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک حجِ افراد کرنا دوسرے طریقوں

---

[۱] الإفراد لغة :مصدر أفرد، والفرد ما كان وحده، وأفردته : جعلته واحدا، وعددت الدراهم أفرادا أى :واحدا واحدا، وأفردت الحج عن العمرة، فعلت كل واحد على حدة.

وقد استعمله الفقهاء بالمعنى اللغوى فى مواطن متعددة ستأتى:

أ -الإفراد فى البيع:قال الحطاب :لا يجوز أن يفرد الحنطة فى سنبلها بالبيع دون السنبل.

ب -الإفراد فى الوصية :جاء فى فتح القدير :يجوز إفراد الأم بالوصية وكذلك يجوز إفراد الحمل.ج -الإفراد فى الأكل :جاء فى الآداب الشرعية لابن مفلح :يكره القران فى التمر، وعلى قياسه كل ما العادة جارية بتناوله أفرادا، وفى الصحيحين عن ابن عمر قال :نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن القران إلا أن يستأذن الرجل أخاه.

د -إفراد الحج:

هو أن يهل بالحج مفردا .وسيكون البحث هنا خاصا بإفراد الحج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص ۲۸۱، وص ۲۸۲، مادة "افراد"، التعريف)

یعنی حجِ تمتع اور حجِ قران کرنے سے افضل ہے۔ [1]

---

[1] البتہ ان میں سے بعض حضرات حجِ افراد کی حجِ قران وحجِ تمتع پر اس وقت فضیلت کے قائل ہیں، جبکہ حج سے فارغ ہوکر اسی سال عمرہ بھی کرلیا جائے۔

المفاضلة بين كل من الإفراد والقران والتمتع:

اختلف الفقهاء فی الإفراد، والقران، والتمتع أيها أفضل، والاتجاهات فی ذلک كالآتی:

أ -الإفراد أفضل عند المالكية والشافعية، لكن أفضليته عند الشافعية، وفی قول عند المالكية إن اعتمر فی نفس العام بعد أداء الحج، ولذلک يقول الشافعية إن لم يعتمر فی نفس العام كان الإفراد مكروها. واستدل القائلون بأفضلية الإفراد بما صح عن جابر وعائشة وابن عباس رضی الله تعالی عنهم أن النبی صلی الله عليه وسلم أفرد الحج ، ثم بالإجماع علی أنه لا كراهة فيه، وأن المفرد لم يربح إحراما من الميقات (بالاستغناء عن الرجوع ثانية للإحرام) ولا ربح استباحة المحظورات.

ب -القول الثانی :أن القران أفضل :وذلک عند الحنفية، وفی قول للإمام أحمد أنه إن ساق الهدی فالقران أفضل، وإن لم يسق الهدی فالتمتع أفضل.

واستدل الحنفية علی أفضلية القران بقول النبی صلی الله عليه وسلم :يا آل محمد :أهلوا بحجة وعمرة معا ولأن فی القران جمعا بين العبادتين.

ويلی القران فی الأفضلية عند الحنفية التمتع ثم الإفراد، وهذا فی ظاهر الرواية، لأن فی التمتع جمعا بين العبادتين فأشبه القران، ثم فيه زيادة نسک وهی إراقة الدم.

وعن أبی حنيفة رحمه الله أنه يلی القران الإفراد ثم التمتع، لأن المتمتع سفره واقع لعمرته والمفرد سفره واقع لحجته، ووافقه فی ذلک أشهب من المالكية.

ج -التمتع أفضل :وهذا عند الحنابلة وفی قول عند الشافعية والمالكية، ويلی التمتع عند الحنابلة الإفراد ثم القران.

واستدل الحنابلة علی أفضلية التمتع بما روی ابن عباس وجابر وأبو موسی وعائشة أن النبی صلی الله عليه وسلم أمر أصحابه لما طافوا بالبيت أن يحلوا ويجعلوها عمرة فنقلهم من الإفراد والقران إلی المتعة، ولا ينقلهم إلا إلی الأفضل، ولأن المتمتع يجتمع له الحج والعمرة فی أشهر الحج مع كمالها وكمال أفعالها علی وجه اليسر والسهولة مع زيادة نسک فكان ذلک أولی.

وقد ذكر الرملی فی نهاية المحتاج أن منشأ الخلاف اختلاف الرواة فی إحرامه صلی الله عليه وسلم لأنه صح عن جابر وعائشة وابن عباس رضی الله عنهم أنه صلی الله عليه وسلم أفرد الحج ، وعن أنس أنه قرن ، وعن ابن عمر أنه تمتع ، ثم قال :إن الصواب الذی نعتقده أنه صلی الله عليه وسلم أحرم بالحج ثم أدخل عليه العمرة، وخص بجوازه فی تلک السنة للحاجة.

وبهذا يسهل الجمع بين الروايات، فعمدة رواة الإفراد أول الإحرام، ورواة القران آخره، ومن روی التمتع أراد التمتع اللغوی وهو الانتفاع، وقد انتفع بالاكتفاء بفعل واحد، ويؤيد ذلک أنه صلی الله عليه وسلم لم يعتمر فی تلک السنة عمرة مفردة، ولو جعلت حجته مفردة لكان غير معتمر فی تلک السنة، ولم يقل أحد إن الحج وحده أفضل من القران فانتظمت الروايات فی حجته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص ۲۸۲ الیٰ ۲۸۴، مادة ”افراد“)

حرم اور حِل کے رہنے والوں کو حجِ افراد کی تخصیص

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جو لوگ حرم یا حِل یعنی میقات سے اندر کے رہائشی ہوں، اُن کو حجِ افراد ہی کرنا چاہئے، اور ایسے لوگوں کو حجِ قران اور حجِ تمتع کرنا مکروہ وممنوع ہے۔

جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک حرم یا حِل یعنی میقات سے اندر کے رہائشی لوگوں کو حجِ افراد کے علاوہ حجِ تمتع اور حجِ قِران کرنا بھی جائز ہے، جس کی تفصیل آگے اپنے اپنے مقامات پر آتی ہے۔ [1]

حجِ افراد کی نیت اور تلبیہ

حجِ افراد میں تنہا حج کا احرام باندھا جاتا ہے، اس لئے حجِ افراد کرنے والا احرام باندھتے وقت تنہا حج کی نیت کرے گا، اور نیت اصل دل میں ہوتی ہے، اور اگر زبان سے بھی الفاظ ادا کرے، تو بہتر ہے، مثلاً عربی میں اس طرح کہ:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّیْ.

---

[1] حالة وجوب الإفراد (وجوبه فی حق المکی)

اختلف الفقهاء بالنسبة للمکی ومن فی حکمه هل له تمتع وقران، أم لیس له إلا الإفراد خاصة؟

فیری الجمهور أن لأهل مکة المتعة والقران مثل الآفاقی، ولأن التمتع الذی ورد فی الآیة أحد الأنساک الثلاثة، فصح من المکی کالنسکین الآخرین، ولأن حقیقة التمتع هو أن یعتمر فی أشهر الحج ثم یحج من عامه، وهذا موجود فی المکی .

ویری الحنفیة أن أهل مکة لیس لهم تمتع ولا قران، وإنما لهم الإفراد خاصة، لأن شرعهما للترفه بإسقاط إحدی السفرتین وهذا فی حق الآفاقی

واختلف الفقهاء أیضا فی حاضری المسجد الحرام.

فذهب الشافعیة والحنابلة إلی أنهم أهل الحرم ومن بینه وبین مکة دون مسافة القصر.

فإن کانوا علی مسافة القصر فلیسوا من الحاضرین.

وذهب الحنفیة إلی أنهم أهل المواقیت فمن دونها إلی مکة.

وذهب المالکیة إلی أنهم أهل مکة وأهل ذی طوی (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۵ص ۲۸۴، مادة "افراد")

اوراُردو میں اس طرح کہ:

اے اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں، تو اس کو میرے لئے آسان کردیجئے، اور اس کو میری طرف سے قبول فرمالیجئے۔

اوراس طرح نیت کرنے کے ساتھ تلبیہ بھی پڑھے۔ [1]

حنفیہ کے نزدیک حج کا احرام شروع کرتے وقت نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھنا بھی ضروری ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک نیت کرنا ضروری اور تلبیہ پڑھنا سنت ہے۔

اورحجِ افراد والے احرام کے بعد کثرت سے تلبیہ پڑھنا افضل ہے، جس کا اختتام دس ذی الحجہ کی رَمی کی ابتداء کے وقت ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] نية الإفراد:
ويختلف الفقهاء فيما ينعقد به إحرام المفرد :فعند الشافعية والحنابلة وهو الراجح عند المالكية أن الإحرام ينعقد بمجرد النية مع استحباب التلفظ بما أحرم به فيقول :اللهم إنى أريد الحج فيسره لى وتقبله منى.
وفى قول للشافعية أن الإطلاق أولى، لأنه ربما حصل عارض من مرض أو غيره فلا يتمكن من صرفه إلى ما لا يخاف فوته، فإن أحرم إحراما مطلقا فى أشهر الحج صرفه بالنية -لا باللفظ -إلى ما شاء من النسكين أو إليهما معا إن كان الوقت صالحا لهما.
وعند الحنفية لا ينعقد الإحرام إلا بأمرين :النية والتلبية، ولا يصير شارعا فى الإحرام بمجرد النية ما لم يأت بالتلبية، لأن التلبية فى الحج كتكبيرة الإحرام فى الصلاة.
وفى قول عند المالكية :ينعقد بالنية مع قول كالتلبية والإهلال، أو فعل كالتوجه فى الطريق والتجرد من المخيط. على أن الذى ذكر لا يختص بالإفراد وحده، وإنما ينطبق على القران والتمتع، إذ لا بد فى أى نسك من هذه الأنساك الثلاثة عند الإحرام بأى منها من النية على رأى الجمهور، أو النية والتلبية على رأى أبى حنيفة (ر :إحرام -قران -تمتع) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۲۸۴، وص ۲۸۵، مادة "افراد")

[2] التلبية فى الإفراد : التلبية فى الحج على اختلاف حكمها من أنها سنة أو واجبة تستوى كيفيتها والبدء بها بالنسبة للمحرم بأى نسك من الأنساك الثلاثة.
أما قطع التلبية فيكون المتمتع والمفرد والقارن بالنسبة لقطعها سواء .
فعند الحنفية والشافعية والحنابلة يقطع التلبية عند ابتداء الرمى.
وعند المالكية يقطعها إذا وصل لمصلى عرفة بعد الزوال، وإن كان قد وصل قبل الزوال لبى إلى الزوال، وإن زالت الشمس قبل الوصول لبى إلى الوصول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۲۸۵، مادة "افراد")

حجِ افراد میں طوافِ قدوم اور اس کی ادائیگی کا طریقہ

حجِ افراد کا طریقہ دوسرے طریقوں سے حج کرنے کی طرح ہے، البتہ حجِ افراد میں حج سے پہلے عمرہ ادا نہیں کیا جاتا، نیز حجِ افراد کرنے والے کے حق میں حرم پہنچ کر پہلے طوافِ قدوم کرنا اکثر فقہائے کرام کے نزدیک سنت ہے۔ [۱]

اور طوافِ قدوم کو طوافِ قادم، طوافِ تحیہ، طوافِ ورود اور طوافِ لقاء وغیرہ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ طواف بیت اللہ میں پہلی مرتبہ داخلہ کے وقت ادا کیا جاتا ہے، اور اس طواف کا حجِ افراد کرنے والے کو حرم میں داخلہ کے وقت بلا تاخیر کرنا افضل ہے۔ [۲]

---

[۱] حنفیہ کے نزدیک طوافِ قدوم آفاقی کے لئے سنت ہے۔
اور مالکیہ کے نزدیک طوافِ قدوم واجب ہے، جس کے ترک پر دَم لازم ہے، اور حرم سے خارج کے لئے طوافِ قدوم سنت ہے، اور شافعیہ کے نزدیک حرمی اور غیر حرمی اور محرم وغیر محرم، سب کے لئے مسجدِ حرام میں دخول پر طوافِ قدوم سنت ہے۔

ما يفترق به المفرد عن المتمتع والقارن:
أ -الطواف بالنسبة للمفرد:
الطواف فى الحج ثلاثة أنواع:
طواف القدوم إلى مكة، وطواف الإفاضة بعد رمى جمرة العقبة يوم النحر، وطواف الوداع.
والفرض من ذلک هو طواف الإفاضة، ويسمى طواف الزيارة أو الفرض أو الركن، وما عدا ذلک فهو سنة أو واجب ينجبر بالدم على خلاف بين الفقهاء فى ذلک (ر :طواف).
والفرض على المفرد من هذه الأنواع هو طواف الإفاضة فقط، لأنه الركن، فلا يجب عليه طواف القدوم، بل يطالب به على سبيل السنية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۲۸۵، مادة "افراد")

[۲] طواف القدوم :ويسمى طواف القادم، طواف الورود، وطواف الوارد، وطواف التحية لأنه شرع للقادم والوارد من غير مكة لتحية البيت .ويسمى أيضا طواف اللقاء، وأول عهده بالبيت، وطواف القدوم سنة للآفاقى القادم من خارج مكة عند الحنفية والشافعية والحنابلة، تحية للبيت العتيق، لذلک يستحب البدء به دون تأخير، وسوى الشافعية بين داخلى مكة المحرم منهم وغير المحرم فى سنية طواف القدوم.
وذهب المالكية إلى أنه واجب، من تركه لزمه الدم.
ووجوب طواف القدوم عند المالكية على كل من أحرم من الحل، سواء كان من أهل مكة أو غيرها، وسواء كان إحرامه من الحل واجبا كالآفاقى القادم محرما بالحج، أم ندبا كالمقيم بمكة الذى معه نفس (متسع من الوقت) وخرج من الحرم فأحرم من الحل، وسواء كان أحرم بالحج مفردا أم قارنا،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

طوافِ قدوم کے بعد چونکہ سعی نہیں کی جاتی، اس لئے طوافِ قدوم کرتے وقت نہ تو اضطباع کی ضرورت ہے، اور نہ رَمل کی، البتہ اگر کوئی حج کی سعی طوافِ قدوم کے بعد کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے طوافِ قدوم میں بھی رَمَل اور اضطباع کرنا سنت ہوگا۔ [1]

حجِ افراد میں حج کی قربانی

حجِ افراد کرنے والے پرحجِ تمتع اور حجِ قِران کرنے والے کی طرح قربانی کرنا واجب نہیں ہے، البتہ اگر کوئی نفلی درجہ میں قربانی کرے، تو باعثِ ثواب ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكذا المحرم من الحرم إن كان يجب عليه الإحرام من الحل، بأن جاوز الميقات حلالا مخالفا للنهي.

وهو واجب على هؤلاء ما لم يكن أحدهم مراهقا، وهو من ضاق وقته حتى خشي فوات الوقوف بعرفات.

والأصل فيه فعل النبي صلى الله عليه وسلم كما ثبت في أول حديث جابر قوله :حتى إذا أتينا البيت معه استلم الركن فرمل ثلاثا ومشى أربعا.

وعن عائشة رضي الله عنها :إن أول شيء بدأ به حين قدم النبي صلى الله عليه وسلم مكة أنه توضأ ثم طاف . . .الحديث .

فاستدل المالكية بذلك على الوجوب بقوله :خذوا عني مناسككم .وقال الجمهور :إن القرينة قامت على أنه غير واجب لأن المقصود به التحية، فأشبه تحية المسجد، فيكون سنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۲، وص۶۳، مادة "حج")

وقت طواف القدوم:

يبدأ وقت طواف القدوم حين دخول مكة، ويستحب أن يبادر به قبل استئجار المنزل ونحو ذلك، لأنه تحية البيت العتيق، وآخر وقته وقوفه بعرفة عند الجمهور، لأنه بعد الوقوف مطالب بطواف الفرض، وهو طواف الزيارة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۵، مادة "حج")

[1] كيفية طواف القدوم:

كيفية طواف القدوم كطواف الزيارة، إلا أنه لا اضطباع فيه ولا رمل، ولا سعي لأجله، إلا إذا أراد تقديم سعي الحج إليه، فإنه يسن له عندئذ الاضطباع والرمل في الطواف، لأن الرمل والاضطباع سنة في كل طواف بعده سعي(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۵، مادة "حج")

[2] ب -عدم وجوب الدم على المفرد:

لا يجب على المفرد هدى لإحرامه بالحج مفردا بخلاف القارن والمتمتع فإن عليهما الهدى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حجِ افراد والے کو طوافِ وداع

حج کے اعمال واحکام سے فارغ ہو کر حرم سے واپس رخصت ہوتے وقت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ایک طواف کرنا واجب ہے، جس کو طوافِ وداع کہا جاتا ہے، البتہ حنفیہ کے مفتیٰ بہٖ قول کی رُو سے یہ طواف صرف آفاق یعنی میقات سے باہر سے آنے والے حجاج پر واجب ہے، حل وحرم میں رہنے والوں پر واجب نہیں، البتہ مستحب ان کے لئے بھی ہے۔

جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک طوافِ وداع حرم کے باشندوں پر واجب نہیں، اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک جو بھی حرم سے سفر کا قصد کر کے نکلے، اس کو طوافِ وداع کرنا چاہئے، اگرچہ وہ حرم کا باشندہ ہی کیوں نہ ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لقوله تعالى : (فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى) والقارن كالمتمتع، لإحرامه بالنسكين.إلا أنه يستحب للمفرد أن يهدى ويكون تطوعا.

والقارن والمتمتع سواء عند الجمهور (ر: دم -هدى -كفارة -قران -تمتع)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٥ص ٢٨٥، وص ٢٨٦، مادة " افراد")

[1] اور عمرہ کرنے والے کو بھی عمرہ سے فارغ ہو کر رخصت ہوتے وقت کئی فقہائے کرام کے نزدیک طوافِ وداع واجب یا سنت ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک واجب یا سنت نہیں، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مستحب ہے۔

بہرحال اختلاف سے بچنے کے لئے عمرہ کرنے والے کو بھی واپسی کے وقت ایک طواف کر لینا مناسب ہے۔

خامسا: طواف الوداع:طواف الوداع يسمى طواف الصدر، وطواف آخر العهد:

وذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والحنابلة وهو الأظهر عند الشافعية إلى أن طواف الوداع واجب، وذهب المالكية إلى أنه سنة .

استدل الجمهور على وجوبه بأمره صلى الله عليه وسلم كما روى ابن عباس رضى الله عنه قال: أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت، إلا أنه خفف عن المرأة الحائض.

واستدل المالكية على أنه سنة، بأنه جاز للحائض تركه دون فداء ، ولو وجب لم يجز للحائض تركه.

شروط وجوبه :أن يكون الحاج من أهل الآفاق، عند الحنفية والحنابلة، فلا يجب على المكى، لأن الطواف وجب توديعا للبيت، وهذا المعنى لا يوجد فى أهل مكة لأنهم فى وطنهم.

وألحق الحنفية من كان من منطقة المواقيت، لأن حكمهم حكم أهل مكة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حجِ افراد کا احرام باندھنے کے بعد عورت کو ایام آجانے کا حکم

اگر کسی عورت نے حجِ افراد کا احرام باندھا، پھر اس کو طواف کرنے سے پہلے حیض یا نفاس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الحنابلة :لا يسقط إلا عمن كان منزله في الحرم فقط.
وعند المالكية والشافعية يطلب طواف الوداع في حق كل من قصد السفر من مكة، ولو كان مكيا إذا قصد سفرا تقصر فيه الصلاة .ووصفه المالكية بأنه سفر بعيد كالجحفة لا قريبا كالتنعيم إذا خرج للسفر لا ليقيم بموضع آخر أو بمسكنه، فإن خرج ليقيم بموضع آخر أو بمسكنه طلب منه، ولو كان الموضع الذي خرج إليه قريبا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٧، وص٥٨، مادة "حج")

ثم عليه طواف الوداع إذا أراد السفر من مكة -ولو كان مكيا -وجوبا عند الشافعية وسنة عند المالكية، ويجب عليه طواف الوداع عند الحنابلة إلا إن كان مكيا أو منزله في الحرم، فلا يجب عليه الوداع، أما الحنفية فلا يجب عندهم طواف الوداع على المعتمر لكن يستحب خروجا من الخلاف؛ لأن طواف الوداع عندهم من مناسك الحج، شرع ليكون آخر عهده بالبيت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠،ص٣١٨، مادة "عمرة")

(ثم) إذا أراد السفر (طاف للصد) أي الوداع (سبعة أشواط بلا رمل وسعي، وهو واجب إلا على أهل مكة) ومن في حكمهم فلا يجب بل يندب كمن مكث بعده (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله إلا على أهل مكة) أفاد وجوبه على كل حاج آفاقي مفرد أو متمتع أو قارن بشرط كونه مدركا مكلفا غير معذور فلا يجب على المكي، ولا على المعتمر مطلقا، وفائت الحج والمحصر والمجنون والصبي والحائض والنفساء كما في اللباب وغيره (قوله ومن في حكمهم) أي ممن كان داخل المواقيت، وكذا من نوى الاستيطان قبل حل النفر كما مر (قوله فلا يجب إلخ) قال في النهر: والمنفي عنهم إنما هو وجوبه لا ندبه.

وقد قال الثاني أحب إلي أن يطوف المكي طواف الصدر لأنه وضع لختم أفعال الحج، وهذا المعنى موجود في حقهم (ردالمحتار، ج٢، ص٥٢٣، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة)

وليس على المعتمرين من أهل الآفاق طواف الصدر أيضا لأن ركن العمرة هو الطواف فكيف يصير ركنه تبعا له (تحفة الفقهاء، ج١، ص٤١٠، كتاب المناسك، باب الاحرام)

فأما طواف الصدر فلا يجب على المعتمر، وقال الحسن بن زياد يجب عليه كذا ذكر الكرخي وجه قوله :إن طواف الصدر طواف الوداع والمعتمر يحتاج إلى الوداع، كالحاج(بدائع الصنائع، ج٢ص٢٢٧، كتاب الحج، العمرة)

(قوله وليس للعمرة طواف الصدر) أي ؛ لأن الطواف ركن العمرة فكيف يصير مثل ركنه تبعا له وفيه تأمل .اهـ .كاكي(حاشية الشلبي على التبيين، ج٢ص٣٦، باب الاحرام)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

شروع ہوگیا، اور حیض یا نفاس کا یہ سلسلہ وقوفِ عرفہ تک جاری رہا، تو یہ عورت اسی حال میں وقوفِ عرفہ اور دوسرے حج کے اعمال ادا کرے گی، سوائے طواف اور سعی کے۔

پھر پاک ہونے کے بعد وہ حج کا ایک طواف اور ایک سعی کرے گی، اور اس کا حج درست ہوجائے گا، اور اس پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں ہوگا۔ [۱]

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حیض یا نفاس کی حالت میں عورت کو احرام سے لے کر حج کے تمام اعمال ومناسک کا ادا کرنا جائز ہے، سوائے طواف کرنے کے، اور عورت کو اس حالت میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا بھی جائز نہیں۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا طاف للعمرة فهو أحوط وأبرأ للذمة؛ لأنک إذا طفت للوداع فی العمرة، لم يقل أحد إنک أخطأت، لكن إذا لم تطف قال لک من يوجب ذلک :إنک أخطأت، وحينئذ يكون الطائف مصيباً بكل حال، ومن لم يطف فإنه على خطر، ومخطء على قول بعض أهل العلم(مجموع فتاویٰ ورسائل للعثيمين، ج۲۳ ص۳۲۵، کتاب المناسک، طواف الوداع فی الحج والعمرة)

[۱] أ -أن تحرم المرأة بالحج مفردة أو قارنة، ثم يمنعها الحيض أو النفاس من أداء الطواف، فإنها تمكث حتى تقف بعرفة وتأتی بكافة أعمال الحج فيما عدا الطواف والسعی، فإذا طهرت تطوف طوافا واحدا وتسعی سعيا واحدا إن كانت مفردة .

وتطوف طوافين وتسعی سعيا للحج والعمرة إن كانت قارنة، حسبما يجب عند الحنفية، وطوافا وسعيا واحدا للقران عند غير الحنفية، ولا يسقط عنها طواف الوداع فی هاتين الصورتين اتفاقا.

ويسقط عنها طواف القدوم، أما عند الجمهور فلأنه سنة فات وقتها، وأما عند المالكية فلكونه عذرا يسقط به، ولو كان واجبا، إلا أن يزول المانع ويتسع الزمن لطواف القدوم، فإنه حينئذ يجب عليها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۷۰، وص۷۱، مادة "حج")

(فصل نمبر۶)

حجِ تمتع کے بنیادی احکام

حج کرنے کا ایک طریقہ حجِ تمتع کہلاتا ہے، جس کے بنیادی احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

تمتع اور حجِ تمتع کے معنیٰ

تمتع کے لغوی معنیٰ فائدہ اٹھانے کے آتے ہیں۔

اور شریعت کی زبان میں حجِ افراد اور حجِ قِران کے مقابلہ میں حجِ تمتع کے معنیٰ اس طرح حج کرنے کے آتے ہیں کہ جس میں ایک سفر سے عمرہ اور حج کی دونوں عبادتیں ادا کرنے کا اس طرح سے فائدہ اٹھایا جائے کہ عمرہ کرنے کے بعد احرام سے نکل کر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے، اور اس کے بعد پھر الگ احرام سے حج کرے۔ [1]

---

[1] التمتع فی اللغة :الانتفاع، والمتاع هو كل شیء ينتفع به، وما يتبلغ به من الزاد.
والمتعة اسم من التمتع، ومنه متعة الحج ومتعة الطلاق، ونكاح المتعة.
وفی الاصطلاح يطلق التمتع على معنيين:
أولا :بمعنى متعة النكاح وهو العقد على امرأة إلى مدة معلومة أو مجهولة، وهو باطل بلا خلاف بين الأئمة؛ لأنه لا يراد به مقاصد النكاح، وتفصيله فی مصطلح :(متعة).
وثانيا :بمعنى المتعة بالعمرة إلى الحج، وهو عند الحنفية أن يفعل أفعال العمرة أو أكثرها فی أشهر الحج، وأن يحج من عامه ذلک من غير أن يلم بأهله إلماما صحيحا -والإلمام الصحيح النزول فی وطنه من غير بقاء صفة الإحرام -ويحرم للحج من الحرم.
وعند المالكية هو أن يحرم بعمرة ويتممها فی أشهر الحج، ثم يحج بعدها فی عامه.
وعند الشافعية هو أن يحرم بالعمرة فی أشهر الحج من ميقات بلده أو غيره، ويفرغ منها، ثم ينشء حجا من عامه دون أن يرجع إلى الميقات للإحرام بالحج.
وعند الحنابلة هو أن يحرم بالعمرة من ميقات بلده فی أشهر الحج ثم يحرم بالحج من عامه من مكة أو قريب منها.وسمی متمتعا لتمتعه بعد تمام عمرته بالنساء والطيب وغيرهما مما لا يجوز للمحرم؛ ولترفقه وترفهه بسقوط أحد السفرين .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حجِ تمتع کا جواز اور اس کی فضیلت

حجِ تمتع کرنا بھی جائز ہے، اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک حجِ تمتع کرنا دوسرے طریقوں سے حج کرنے سے افضل ہے، البتہ حنفیہ کے نزدیک حجِ تمتع کرنا حجِ افراد کے مقابلہ میں افضل ہے۔ [۱]

حجِ تمتع کے ارکان

حجِ تمتع دراصل عمرہ اور حج کو دو احراموں میں اس طرح جمع کرنے کا نام ہے کہ پہلے احرام

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

هذا هو معنى التمتع الذى يقابل القران والإفراد.
الألفاظ ذات الصلة:
أ -الإفراد:الإفراد فى الاصطلاح هو أن يهل بالحج وحده، ويحرم به منفردا.
وتفصيله فى مصطلح :(إفراد).
ب -القران:القران فى اللغة :اسم مصدر من قرن بمعنى جمع، وفى الاصطلاح هو أن يهل بالحج، والعمرة من الميقات، أو يحرم بالعمرة ثم يدخل عليها الحج على خلاف ينظر فى مصطلح : (قران)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴، ص ۶، وص ۷، مادة "تمتع")

[۱] المفاضلة بين التمتع والإفراد والقران:
قال المالكية والشافعية :الإفراد أفضل، لحديث جابر وعائشة رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم أفرد الحج.
وذهب الحنفية إلى أن القران أفضل -وهذا رواية عن أحمد إذا ساق الهدى -لقوله تعالى :(وأتموا الحج والعمرة لله) وإتمامهما أن يحرم من دويرة أهله؛ ولأن النبى صلى الله عليه وسلم حج قارنا . ولحديث أنس قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :لبيك عمرة وحجا ، ولأن القارن يجمع بين العبادتين بامتداد إحرامهما، والمشقة فيه أكثر، فيكون الثواب فى القران أتم وأكمل .
وصرح الحنابلة -وهو قول عند المالكية والشافعية -بأن التمتع أفضل من الإفراد والقران إذا لم يسق هديا، وممن روى عنه اختيار التمتع ابن عمر وابن عباس وابن الزبير وعائشة وكثير من التابعين لما روى أن النبى صلى الله عليه وسلم أمر أصحابه لما طافوا بالبيت أن يحلوا ويجعلوها عمرة فنقل النبى إياهم من الإفراد والقران إلى التمتع يدل على أفضلية التمتع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴، ص ۷، مادة "تمتع")

سے عمرہ ادا کیا جائے، اور عمرہ کے احرام سے نکل کر اسی سال اس کے بعد پھر الگ احرام سے حج کیا جائے، لہٰذا حجِ تمتع میں عمرہ اور حج دونوں مستقل ارکان کہلاتے ہیں، اور اسی وجہ سے حجِ تمتع میں پہلے عمرہ کے احرام میں طواف اور سعی عمرہ کے لئے الگ ہوتی ہے، اور اس کے بعد الگ یعنی حج کے احرام سے طوافِ زیارت اور حج کی سعی ادا کی جاتی ہے۔ [1]

حجِ تمتع میں عمرہ مقدم ہونے کی شرط

حجِ تمتع صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ حج کے احرام سے پہلے الگ احرام میں عمرہ کیا جائے، اور حج کا احرام باندھنے سے پہلے عمرہ ادا کرلیا جائے۔

پس اگر کسی نے عمرہ اور حج کا اکٹھا یعنی ایک ہی نیت کے ساتھ احرام باندھ لیا، یا اس نے طوافِ عمرہ شروع کرنے سے پہلے حج کو بھی اس احرام میں داخل کرلیا، تو وہ حجِ قِران کرنے والا شمار ہوگا، نہ کہ حجِ تمتع کرنے والا۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی نے عمرہ کے طواف کے کم از کم چار چکر ادا کر لئے، اور اس کے بعد پھر حج کے اعمال میں مشغول ہوا، تو وہ حجِ تمتع کرنے والا شمار ہوجائے گا، اس سے پہلے نہیں۔ [2]

---

[1] أركان التمتع:

التمتع جمع بين نسكي العمرة والحج بإحرامين :إحرام من الميقات للعمرة، وإحرام من مكة للحج؛ ولذلك فأركان التمتع هي أركان العمرة والحج معا فيجب عليه بعد الإحرام الطواف والسعي للعمرة، ثم بعد الإحرام للحج يجب عليه الإتيان بأركان وأعمال الحج كالمفرد، كما هو مبين في مصطلح (حج) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص۷،مادة "تمتع")

[2] شروط التمتع:

أ -تقديم العمرة على الحج:

اتفق الفقهاء على أن المتمتع يشترط عليه أن يحرم بالعمرة قبل الإحرام بالحج، ويأتي بأعمالها قبل أن يحرم بالحج، فلو أحرم بالعمرة والحج معا من الميقات أو أدخل الحج على العمرة قبل الشروع في أعمالهما يصبح قارنا .إلا أن الحنفية قالوا :إذا طاف للعمرة أربعة أشواط قبل الإحرام بالحج صح تمتعه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص۸، مادة "تمتع")

عمرہ کے حج کے مہینوں میں واقع ہونے کی شرط

حجِ تمتع صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عمرہ حج کے مہینوں میں کیا جائے، اور حج کے مہینے شوال کا چاند نظر آنے پر شروع ہوتے ہیں (جیسا کہ احرام کے بیان میں آتا ہے)

لہٰذا اگر کسی نے حج کے مہینے شروع ہونے (یعنی شوال کا چاند نظر آنے) سے پہلے عمرہ کیا، اور اسی وقت عمرہ کے احرام سے نکل گیا، پھر حج کے مہینے شروع ہونے کے بعد اس نے حج کا احرام باندھا اور حج کیا، تو اس کا حج تمتع واقع نہیں ہوگا۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر کسی نے عمرہ کا احرام تو حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے باندھا، اور عمرہ کے طواف کے اکثر (یعنی کم از کم چار) چکر حج کا مہینہ شروع ہونے (یعنی شوال کا چاند نظر آنے) کے بعد ادا کئے، پھر عمرہ مکمل کر کے اسی سال دوبارہ احرام باندھ کر حج کیا، تو اس کا حج تمتع واقع ہوجائے گا۔ [1]

---

[1] اور مالکیہ کے نزدیک اگر عمرہ کا کوئی رکن بھی حج کے مہینے میں واقع ہوگیا، مثلاً سعی کا کم از کم ایک چکر جو کہ مالکیہ کے نزدیک رکن ہے، اور حج کا مہینہ شروع ہونے کے بعد عمرہ کے احرام سے نکل کر پھر اسی سال حج کیا، تو اس کا حج تمتع واقع ہوجائے گا، اور حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے ایک قول کے مطابق حجِ تمتع بننے کے لئے احرام اور عمرہ کے تمام اعمال کا حج کے مہینوں میں واقع ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کے نزدیک احرام، شرط کے بجائے رُکن میں داخل ہے، جبکہ شافعیہ کے ایک قول کے مطابق اگر عمرہ کا احرام حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے باندھا، لیکن عمرہ کے افعال حج کے مہینے میں ادا کئے، پھر عمرہ کے احرام سے نکل کر اسی سال دوبارہ حج کا احرام باندھ کر حج کیا، تو اس کا حج تمتع واقع ہوجائے گا، اور تمتع کے بارے میں جو اختلاف ہے، وہی اختلاف حجِ قِران کے بارے میں بھی ہے، جس کا بیان آگے آتا ہے۔

ب -أن تكون العمرة فى أشهر الحج : يشترط للمتمتع أن تكون عمرته فى أشهر الحج، فإن اعتمر فى غير أشهر الحج وحل منها قبل أشهر الحج ثم أحرم بالحج لا يكون متمتعا.

وهذا القدر متفق عليه بين الفقهاء إلا أن الحنفية أعطوا الأكثر حكم الكل فقالوا :لو طاف للعمرة أربعة أشواط فى أشهر الحج يعتبر متمتعا وإن وقع الإحرام والأشواط الثلاثة قبل أشهر الحج.

وقال المالكية :يشترط فعل بعض ركن العمرة ولو شوطا من السعى فى وقت الحج .فمن أدى شوطا من السعى وحل من عمرته فى أشهر الحج ثم حج من عامه فهو متمتع، وإن حل من عمرته قبل أشهر الحج فليس بمتمتع .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عمرہ اور حج کے ایک ہی سال ادا کرنے کی شرط

حجِ تمتع صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ حج اور عمرہ ایک ہی سال میں ادا کیا جائے، اگر کسی نے ایک سال تو عمرہ کیا، اور پھر اگلے سال یا اس کے بعد کسی سال حج کیا، تو اس کا حج تمتع واقع نہیں ہوگا۔ [1]

عمرہ اور حج کے درمیان سفر واقع نہ ہونے کی شرط

حجِ تمتع صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد حج سے پہلے سفر واقع نہ ہو۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حجِ تمتع صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ عمرہ یا عمرہ کا مکمل طواف یا طواف کے اکثر (یعنی کم از کم چار) چکر اور اس کے بعد حج ایک سفر میں واقع ہوئے ہوں، لہٰذا اگر کوئی شخص عمرہ کرنے یا عمرہ کے طواف کے اکثر (یعنی کم از کم چار) چکر ادا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما الحنابلة والشافعية فی قول -فاشترطوا أن یکون الإحرام بالعمرة وأعمالها فی أشهر الحج، فلو أحرم بها فی غیر أشهره لم یکن متمتعا، وإن وقعت أفعالها فی أشهر الحج؛ لأنه أتی بالإحرام -وهو نسک لا تتم العمرة إلا به -فی غیر أشهر الحج فلم یکن متمتعا کما لو طاف فی غیر أشهر الحج.
والقول الآخر للشافعية أنه لو أحرم بالعمرة فی غیر أشهر الحج وأتی بأفعالها فی أشهر الحج یجب علیه دم التمتع؛ لأن عمرته فی الشهر الذی یطوف فیه، واستدامة الإحرام فی أشهر الحج بمنزلة ابتدائه فیها(الموسوعة الفقهية الکویتية، ج۱۴ ص۸، مادة"تمتع")

[1] ج -کون الحج والعمرة فی عام واحد:
یشترط فی التمتع أن تؤدی العمرة والحج فی سنة واحدة، فإن اعتمر فی أشهر الحج ولم یحج ذلک العام بل حج العام القابل فلیس بمتمتع وإن بقی حراما إلی السنة الثانية وذلک لقوله لقوله تعالی (فمن تمتع بالعمرة إلی الحج فما استیسر من الهدی)وهذا یقتضی الموالاة بینهما؛ ولما روی سعید بن المسیب قال :کان أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم یعتمرون فی أشهر الحج فإذا لم یحجوا من عامهم ذلک لم یهدوا .وهذا الشرط محل اتفاق بین الفقهاء (الموسوعة الفقهية الکویتية، ج۱۴، ص۸، وص۹، مادة " تمتع")

کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹ آیا، اور اس نے اپنے ساتھ حجِ تمتع کی قربانی بھی نہیں رکھی ہوئی تھی، اور پھر اسی سال دوبارہ جا کر حج کیا، یا عمرہ کے باقی ماندہ افعال ادا کئے، تو اس کی وجہ سے اس کا حج تمتع نہیں بنے گا، اور اگر عمرہ کرنے کے بعد اپنے وطن نہیں گیا، خواہ میقات سے باہر کہیں اور چلا گیا ہو، پھر واپس آ کر اسی سال حج کیا، تو اس کا حجِ تمتع معتبر ہو جائے گا۔

اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک حجِ تمتع بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد کسی بھی میقات سے باہر نہ نکلے، لہٰذا اگر کوئی عمرہ کرنے کے بعد کسی بھی میقات کی طرف لوٹ گیا، پھر وہاں سے حج کا احرام باندھ کر واپس آیا، اور حج کیا، تو اس کا حج تمتع واقع نہیں ہوگا، اور اگر عمرہ کرنے کے بعد میقات کے اندر اندر گیا، پھر واپس آ کر الگ احرام سے حج کیا، تو اس کا حج تمتع واقع ہوگا۔

اسی طرح اگر عمرہ کرنے کے بعد میقات سے باہر چلا گیا، اور پھر میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر آیا، اور پھر اس احرام سے نکل کر اسی سال الگ احرام کے ساتھ حج کیا، تو بھی ان حضرات کے نزدیک اس کا حج تمتع واقع ہو جائے گا۔ [1]

---

[1] اور مالکیہ کے نزدیک اگر عمرہ کے بعد اپنے وطن یا اپنے وطن کی مسافت کے برابر کسی اور جگہ چلا گیا، اور پھر لوٹ کر آ کر حج کیا، تو اس کا حج تمتع واقع نہیں ہوگا، اور اگر نہ تو اپنے وطن لوٹا، اور نہ وطن کی مسافت کے برابر کسی اور جگہ گیا، البتہ اپنے وطن کی مسافت سے کم کے فاصلہ پر گیا، تو اس کی وجہ سے اس کا تمتع ختم نہیں ہوگا۔

جبکہ حنابلہ کے نزدیک حجِ تمتع بننے کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ عمرہ اور حج کے درمیان اتنے فاصلہ کا سفر واقع نہ ہو کہ جس میں نماز قصر کی جاتی ہے، اور ہماری دیانت دارانہ رائے کے مطابق صاحبین اور امام شافعی کا قول راجح ہے، لہٰذا اگر آفاقی عمرہ کرنے کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا، جو کہ آفاق میں ہے، تو واپسی پر اسے حجِ تمتع، حجِ قران اور حجِ افراد کسی بھی طریقہ سے حج کرنا جائز ہوگا، اور اگر وہ واپسی پر حجِ افراد کا احرام باندھے، تو اس پر دَمِ تمتع بھی واجب نہ ہوگا، یہی حکم کسی اور طرف میقات سے باہر جانے کی صورت میں بھی ہوگا۔

د -عدم السفر بين العمرة والحج:اختلفت عبارات الفقهاء فى بيان هذا الشرط:

فقال الحنفية :يشترط أن يكون طواف العمرة كله أو أكثره والحج فى سفر واحد، فإن عاد المتمتع إلى بلده بعد العمرة ولم يكن ساق الهدى بطل تمتعه؛ لأنه ألم بأهله إلماما صحيحا فانقطع حكم السفر الأول. ولو رجع إلى أهله قبل إتمام الطواف ثم عاد وحج، فإن كان أكثر الطواف فى السفر الأول لم يكن متمتعا، وإن كان أكثره فى الثانى كان متمتعا. وقال المالكية :يشترط عدم رجوعه بعد عمرته إلى بلده أو إلى مثل بلده فى البعد عن مكة، فإذا ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حج کے احرام سے پہلے عمرہ کے احرام سے حلال ہونے کی شرط

حجِ تمتع صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ حج کا احرام شروع کرنے سے پہلے عمرہ کے احرام سے نکل چکا ہو، کیونکہ اگر عمرہ کے احرام سے نہیں نکلا، اور اسی احرام میں حج کرلیا، تو اس کا حج تمتع کے بجائے حجِ قِران بن جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رجع لم يكن متمتعا ولو كان بلده فى أرض الحجاز. وأما إذا رجع إلى أقل من بلده ثم حج فإنه يكون متمتعا إلا أن يكون بلده بعيدا كتونس، فإن هذا إذا رجع إلى مصر بعد فعل عمرته وقبل حجه وعاد وأحرم بالحج لا يكون متمتعا.

وقال الشافعية :يشترط أن لا يعود لإحرام الحج إلى الميقات، فإن رجع إلى الميقات فأحرم للحج لا يكون متمتعا ولم يلزمه الدم.

وقال الحنابلة :يشترط أن لا يسافر بين العمرة والحج سفرا بعيدا تقصر فى مثله الصلاة.

والأصل فى ذلك ما روى عن عمر رضى الله عنه أنه قال :إذا اعتمر فى أشهر الحج ثم أقام فهو متمتع، فإن خرج ورجع فليس بمتمتع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۹، مادة "تمتع")

فأما إذا جاوز الميقات بعد الفراغ من العمرة فأتى بلدة أخرى غير بلدته بأن يكون كوفيا فأتى البصرة ثم عاد وحج من عامه ذلك كان متمتعا فى قول أبى حنيفة -رحمه الله تعالى-، ولم يكن متمتعا فى قولهما ذكره الطحاوى -رحمه الله تعالى- فى كتابه وجه قولهما أن صورة المتمتع أن تكون عمرته ميقاتية، وحجته مكية، وهذا حجته وعمرته ميقاتيتان؛ لأنه بعدما جاوز الميقات حلالا إذا عاد يلزمه الإحرام من الميقات فهو والذى ألم بأهله سواء وأبو حنيفة -رحمه الله تعالى- استدل بحديث ابن عباس -رضى الله عنه- فإن قوما سألوه فقالوا :اعتمرنا فى أشهر الحج، ثم زرنا القبر، ثم حججنا فقال :أنتم متمتعون، ولأنه مترفق بأداء النسكين فى سفر واحد؛ لأنه ماض على سفره ما لم يعد إلى أهله فهو بمنزلة ما لو لم يخرج من الميقات حتى حج، وعاد فيكون متمتعا(المبسوط للسرخسى، ج۴ ص ۳۱، كتاب المناسك)

[1] البتہ حنفیہ کے نزدیک عمرہ کے طواف کے اکثر چکر ادا کرلینے کے بعد عمرہ کے احرام سے نکلنے کا وقت شروع ہوجاتا ہے، نیز حنفیہ کے نزدیک عمرہ کے احرام سے نکلنے کی یہ شرط اس شخص کے لئے ہے، جو حج کی ھدی یعنی حج کی قربانی کا جانور ساتھ نہ لے جائے، اور جو شخص ھدی ساتھ لے جائے (جیسا کہ عموماً پہلے زمانوں میں ہوتا تھا) تو وہ عمرہ کے احرام سے اس وقت تک نہیں نکلے گا، جب تک یومِ ترویہ یا اس سے پہلے حج کا احرام باندھ کر یوم النحر میں ھدی ذبح نہ کردے۔

هـ -التحلل من العمرة قبل الإحرام بالحج :يشترط للمتمتع أن يحل من العمرة قبل إحرامه بالحج، فإن أدخل الحج على العمرة قبل حله منها فيكون قارنا وليس متمتعا، وهذا الشرط متفق عليه بين الفقهاء، إلا أن الحنفية قالوا :إن هذا الشرط ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حرم کا باشندہ نہ ہونے کی شرط

حجِ تمتع یا حجِ قِران صحیح ہونے کے لئے حنفیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ حج کرنے والا حرم یا حِل یعنی میقات سے اندر کا رہنے والا نہ ہو، بلکہ میقات سے باہر کا رہنے والا یعنی آفاقی ہو، اور جو شخص حرم کا رہنے والا ہو، یا حِل یعنی میقات سے اندر کا رہنے والا ہو، تو اس کو حجِ تمتع اور حجِ قِران کرنا درست نہیں، اور اگر کوئی کرے، تو اس پر دمِ جنایت واجب ہے۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک میقات سے باہر کے رہنے والوں کی طرح میقات سے اندر یعنی حل اور حرم کے رہنے والوں کو بھی حجِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لمن لم يسق الهدى، أما من ساق الهدى فلا يحل من إحرام العمرة إلى أن يحرم يوم التروية أو قبله للحج كما يحرم أهل مكة، فإذا حلق يوم النحر حل من الإحرامين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ص۹، وص۱۰، مادة "تمتع")

وإذا أراد المتمتع أن يسوق الهدى أحرم وساق هديه فإن كانت بدنة قلدها بمزادة أو نعل وأشعر البدنة عند أبي يوسف ومحمد وهو :أن يشق سنامها من الجانب الأيمن ولا يشعرها عند أبي حنيفة.

فإذا دخل مكة طاف وسعى ولم يتحلل حتى يحرم بالحج يوم التروية وإن قدم الإحرام قبله جاز وعليه دم فإذا حلق يوم النحر فقد حل من الإحرامين(المختصر القدوری، ص۳۴، باب التمتع)

ثم المتمتع نوعان:

متمتع ساق الهدى مع نفسه، ومتمتع لم يسق الهدى مع نفسه .فالذي لم يسق الهدى، أو فرغ من أعمال العمرة يتحلل بالحلق، والذي ساق الهدى مع نفسه لا يتحلل بالحلق، وإن فرغ من أفعال العمرة؛ لأن للسوق أثراً في ابتداء الإحرام، فيكون له أثر في استدامته من الطريق الأولى(المحيط البرهاني، ج۲ص۴۶۹، كتاب المناسك، الفصل العاشر في التمتع)

والمتمتع نوعان عند الحنفية :متمتع يسوق الهدى، ومتمتع لا يسوق الهدى .وحكم الأول كالقارن إذا دخل مكة طاف وسعى، ولا يتحلل بعد العمرة، بل يظل محرما، حتى يحرم بالحج يوم التروية، وينحر الهدى يوم النحر، لقوله صلى الله عليه وسلم في حديث جابر المتقدم :لو استقبلت من أمري ما استدبرت، لما سقت الهدى، ولجعلتها عمرة فهذا يفيد أن التحلل لا يتأتى إلا بإفراد العمرة، وعدم سوق الهدى، ولو كان التحلل يجوز مع سوق الهدى لاكتفى بقوله :لجعلتها عمرة وتحللت وإذا أراد المتمتع أن يسوق الهدى، أحرم، وساق هديه (الفقه الاسلامي وادلته، ج۳ص۲۲۸۱،الباب الخامس الحج والعمرة)

تمتع اور حجِ قران کرنا جائز ہے، اور ان حضرات کے نزدیک ایسے لوگوں کو حجِ تمتع اور حجِ قران کرنے کے نتیجے میں قربانی کرنا بھی واجب نہیں ہے۔ [1]

اور اس اختلاف کی وجہ قرآن مجید کی آیت میں حجِ تمتع کا بیان کرتے ہوئے ایک اسمِ اشارہ کے مشارٌ الیہ کا اختلاف ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۹۶)

ترجمہ: پس جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے، تو اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے، پھر جو شخص قربانی نہ پائے، تو اسے تین دن حج میں روزے رکھنا

---

[1] الشرط السادس: أن لا يكون من حاضرى المسجد الحرام:
ذهب الجمهور إلى صحة القران من المكى ومن فى حكمه وهو حاضر المسجد الحرام، إلا أنه لا يلزمه دم القران، فجعلوا هذا شرطا للزوم دم القران، لا للمشروعية .
وقالوا: إن اسم الإشارة فى قوله تعالى: (ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام) يرجع إلى قوله: (فما استيسر من الهدى)، والمعنى: ذلك الحكم وهو وجوب الهدى على من تمتع - وهو يشمل القران - إذا لم يكن من حاضرى المسجد الحرام، فإن كان من حاضرى المسجد الحرام، فلا هدى عليه، وقرانه وتمتعه صحيحان .
وذهب الحنفية إلى أنه يشترط للقران أن لا يكون القارن من حاضرى المسجد الحرام على الراجح. وقالوا: المراد ب (ذلك) الواردة فى الآية السابقة: التمتع بالعمرة إلى الحج، وهو يشمل القران والتمتع لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام، فدلت على أنه لا قران ولا تمتع له، ولو كان المراد الهدى لقال: ذلك على من لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام.
ويدل للحنفية ما ورد عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه سئل عن متعة الحج فقال: أهل المهاجرون والأنصار وأزواج النبى صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع . . . إلى أن قال ": فجمعوا نسكين فى عام بين الحج والعمرة، فإن الله تعالى أنزله فى كتابه، وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم وأباحه للناس غير أهل مكة، قال الله: (ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۸۴، وص ۸۵، مادة "قران"، شروط القران)

ہے، اور سات اس وقت جب تم (حج کرکے) لوٹ جاؤ، یہ پورے دس ہیں، یہ حکم اس کے لئے ہے کہ جس کے گھر والے مسجدالحرام کے پاس نہ رہتے ہوں

(سورہ بقرہ)

مذکورہ آیت کے آخر میں جو یہ فرمایا گیا کہ ''یہ حکم اس کے لئے ہے الخ'' حنفیہ کے نزدیک اس حکم سے مرادِ حج تمتع کرنا ہے، اور حجِ قران کا حکم حجِ تمتع کی طرح ہے۔

جبکہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس حکم سے مرادِ حجِ تمتع کرنے والے پر قربانی یا روزوں کا واجب ہونا ہے۔ [1]

---

[1] جمہور فقہائے کرام کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں حجِ تمتع کے جواز وعدمِ جواز کا حکم بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ حجِ تمتع کرنے کے نتیجہ میں قربانی کے حکم کو بیان کرنا مقصود ہے، لہٰذا ''ذٰلک'' کا مرجع بھی یہی حکم ہوگا، اور قریبی مرجع بھی یہی ہے، وھوالراجح عندی۔ اور حنفیہ کا استدلال حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے۔

ذهب الجمهور إلى صحة القران من المكي ومن في حكمه وهو حاضر المسجد الحرام، إلا أنه لا يلزمه دم القران، فجعلوا هذا شرطا للزوم دم القران، لا للمشروعية.

وقالوا :إن اسم الإشارة في قوله تعالى(ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)يرجع إلى قوله :(فما استيسر من الهدى) ، والمعنى :ذلك الحكم وهو وجوب الهدى على من تمتع -وهو يشمل القران -إذا لم يكن من حاضرى المسجد الحرام، فإن كان من حاضرى المسجد الحرام، فلا هدى عليه، وقرانه وتمتعه صحيحان.

وذهب الحنفية إلى أنه يشترط للقران أن لا يكون القارن من حاضرى المسجد الحرام على الراجح.

وقالوا :المراد ب (ذلك) الواردة في الآية السابقة :التمتع بالعمرة إلى الحج، وهو يشمل القران والتمتع لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام، فدلت على أنه لا قران ولا تمتع له، ولو كان المراد الهدى لقال :ذلك على من لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام.

ويدل للحنفية ما ورد عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه سئل عن متعة الحج فقال :أهل المهاجرون والأنصار وأزواج النبى صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع . . .إلى أن قال " :فجمعوا نسكين فى عام بين الحج والعمرة، فإن الله تعالى أنزله فى كتابه، وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم وأباحه للناس غير أهل مكة، قال الله :(ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص۸۴، وص۸۵، مادة " قِران ")

(ذلك) الحكم المذكور من وجوب الهدى أو الصيام على من تمتع (لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام (تفسير الجلالين، سورة البقرة، تحت رقم الآية ۱۹۶)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ آیت میں مسجدِ حرام کے حاضرین شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں، جو حرم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قال الله) عز وجل: (ذلك) إشارة إلى الحكم المذكور عندنا والتمتع عند أبي حنيفة إذ لا تمتع ولا قران لحاضرى المسجد الحرام عنده تقليدا لابن عباس -رضى الله عنهما- .وأجاب الشافعية بأن قول الصحابى ليس حجة عند الشافعي إذ المجتهد لا يقلد مجتهدا قاله الكرماني وغيره، وأما قول العينى أن هذا جواب واه مع إساءة الأدب، فإن مثل ابن عباس كيف لا يحتج بقوله وأى مجتهد بعد الصحابة يلحق ابن عباس أو يقرب منه حتى لا يقلده فلا يخفى ما فيه فلا يحتاج إلى الاشتغال برده (إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى، ج۳،ص۱۳۷ ،باب قول الله تعالى ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)

مذهبنا أن المكى لا يكره له التمتع والقران وإن تمتع لم يلزمه دم وبه قال مالك وأحمد وداود وقال أبو حنيفة يكره له التمتع والقران وإن تمتع أو قرن فعليه دم.

واحتج له بقوله تعالى (فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام) فأباح التمتع لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام خاصه ولان المتمتع شرع له أن لا يلم بأهله والمكى ملم بأهله فلم يكن له ذلك قالوا ولأن الغريب إذا تمتع لزمه دم وقلتم إذا تمتع مكى فلا دم وهذا يدل على أن نكسه ناقص عن نسك الغريب فكره له فعله.

واحتج أصحابنا بأن ما كان من النسك قربة وطاعة فى حق غير المكى كان قربة وطاعة فى حق المكى كالإفراد (والجواب) عن الآية أن معناها فمن تمتع فعليه الهدى إذا لم يكن من حاضرى المسجد فإن كان فلا دم فهذا ظاهر الآية فلا يعدل عنه (فإن قيل) فقوله تعالى (ذلك لمن لم يكن أهله) ولم يقيل على من لم يكن أهله (قلنا) اللام بمعنى على كما فى قوله تعالى إن أحسنتم أحسنتم لأنفسكم وإن أسأتم فلها) أى فعليها وقوله تعالى (أولئك لهم اللعنة) أى عليهم قال القاضى أبو الطيب وجواب آخر وهو أن قوله تعالى (فمن تمتع) شرط وقوله تعالى (فما استيسر من الهدى) جزاء الشرط وقوله تعالى (ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد) بمنزلة الاستثناء وهو عائد إلى الجزاء دون الشرط كما لو قال من دخل الدار فله درهم إلا بنى تميم أو قال ذلك لمن يكن من نبى تميم فإن الاستثناء يعود إلى الجزاء دون الشرط الذى هو دخول الدار كذا ههنا (وأما) قولهم المتمتع شرع له أن لا يلم بأهله فقال أصحابنا لا نسلم ذلك ولا تأثير للإلمام بأهله فى التمتع ولهذا لو تمتع غريب عن أهله فألم بأهله يصح تمتعه وكذا لو تمتع من غير إلمام بأهله فتمتعه عندهم مكروه (وأما) قوله إن نسكه ناقص لوجوب الدم على الغريب فقال أصحابنا إنما لزم الغريب الدم لأنه ترفه بالتمتع فيلزمه الدم والمكى أحرم بحجة وعمرة من ميقاته الأصلى فلم يلزمه دم لعدم الترفه والله أعلم (المجموع شرح المهذب، ج۷، ص ۱۶۹، وص ۱۷۰، كتاب الحج)

قال مالك وإذا أحرم مكى بالعمرة من مكة ثم أردف الحج صار قارنا وليس عليه دم قران قال مالك فى الموازية أكره القران للمكى فإن فعل فلا هدى عليه وبالصحة قال ش وقال ح لا يصح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے رہنے والے ہوں، یا حرم کے اتنے قریب رہنے والے ہوں کہ ان کے اور حرم کے درمیان مسافتِ قصر سے کم کا فاصلہ ہو، ان حضرات کے نزدیک ایسے لوگوں کو بھی حجِ تمتع اور حجِ قِران کرنا تو جائز ہے، مگر ان لوگوں پر حجِ تمتع وحجِ قِران کرنے کے نتیجہ میں قربانی واجب نہیں ہے، چہ جائیکہ دمِ جنایت لازم ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

منهم تمتع ولا قران فإن تمتع فعليه دم خلافا لنا وإن قرن ارتفضت عمرته أحرم بهما معا أو متعاقبين لقوله تعالى (ذلک لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام) البقرة ۱۹۶، والإشارة بذلک إلى التمتع فلذلک أضافه باللام ولو أراد الهدى لأضافه بعلي لأن اللام لما يرغب وعلى لما يرهب ولذلک تقول وشهد له عليه والقران مثل التمتع لأنه فيه إسقاط أحد العملين كما أنه فى التمتع إسقاط أحد السفرين وجوابه أن الإشارة بذلک إلى الهدى لأن الإشارة كالضمير يجب عودها إلى أقرب مذكور وهو أقرب ولما كان حكما شرعيا حسن إضافته باللام تقديره ذلک مشروع لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام الآية فيسقط عن المكى (الذخيرة للقرافى، ج۳ص ۲۹۱، كتاب الحج، الباب السادس فى اللواحق)

قال الشافعي : إن المشار إليه بذلک هو الدم، وقال أبو حنيفة: إن المشار إليه القران والتمتع (العرف الشذى للكشميرى، ج ۲ ص ۲۲۲، كتاب الحج، باب ما جاء فى إفراد الحج)

[1] اور مالکیہ کے نزدیک مکہ یا اس کے قرب وجوار میں مقیم ہونے والے لوگ مسجدِ حرام کے حاضرین میں داخل ہیں، ان پر دمِ تمتع لازم نہیں ہے، اگرچہ حجِ تمتع ان لوگوں کا بھی ادا کرنا درست ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک میقات سے اندر کے رہنے والے مسجدِ حرام کے حاضرین میں داخل ہیں، اور ان کو سرے سے حجِ تمتع وقِران کرنا ہی جائز نہیں، اور اگر کوئی کرے تو اس پر دَمِ تمتع ودَمِ قِران یعنی دَمِ شکر کے بجائے دَمِ جبر یا دَمِ جنایت لازم ہے۔

و۔ أن لا يكون من حاضرى المسجد الحرام:

لا خلاف بين الفقهاء أن دم التمتع لا يجب على حاضرى المسجد الحرام فلا تمتع لهم، إذ قد نص الله تعالى فى كتابه بقوله سبحانه :(ذلک لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)

ولأن حاضرى المسجد الحرام ميقاتهم مكة فلا يحصل لهم الترفه بترک أحد السفرين؛ ولأن المتمتع من تكون عمرته ميقاتية وحجته مكية ولا كذلک حاضرو المسجد الحرام .

المراد بحاضرى المسجد الحرام

صرح الشافعية والحنابلة بأن حاضرى المسجد الحرام أهل الحرم ومن بينه وبين مكة، (وفى قول عند الشافعية من بينه وبين الحرم) دون مسافة قصر.

وقال الحنفية :المراد بحاضرى المسجد الحرام أهل مكة ومن فى حكمهم من أهل داخل المواقيت.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عمرہ یا حج کو فاسد نہ کرنے کی شرط

حجِ تمتع صحیح ہونے کے لئے ایک شرط کئی فقہاء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ حج کرنے والے نے عمرہ یا حج کو فاسد نہ کیا ہو، اگر کسی نے حج یا عمرہ کسی ایک کو فاسد کردیا، تو وہ حجِ تمتع کرنے والا شمار نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں عمرہ وحج کا ایک سفر میں جمع کرنا باقی نہیں رہے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال المالكية :هم مقيمو مكة ومقيمو ذى طوى.

والعبرة بالتوطن، فلو استوطن المكى المدينة مثلا فهو آفاقى، وبالعكس مكى .فإن كان للمتمتع مسكنان أحدهما بعيد، والآخر قريب اعتبر فى كونه من الحاضرين أو غيرهم كثرة إقامته بأحدهما عند الحنفية والشافعية، وهو قول القاضى من الحنابلة .فإن استوت إقامته بهما فليس بمتمتع عند الحنفية، واعتبر الأهل والمال عند الشافعية والحنابلة باعتبار الأكثرية.

وقال المالكية :لو كان للمتمتع أهلان أهل بمكة وأهل بغيرها، فالمذهب استحباب الهدى ولو غلبت إقامته فى أحدهما.

هذا وإذا دخل الآفاقى مكة متمتعا ناويا الإقامة بها بعد تمتعه فعليه دم اتفاقا بين الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص۱۰، وص۱۱، مادة "تمتع")

اختلف الفقهاء بالنسبة للمكى ومن فى حكمه هل له تمتع وقران، أم ليس له إلا الإفراد خاصة؟

فيرى الجمهور أن لأهل مكة المتعة والقران مثل الآفاقى، ولأن التمتع الذى ورد فى الآية أحد الأنساك الثلاثة، فصح من المكى كالنسكين الآخرين، ولأن حقيقة التمتع هو أن يعتمر فى أشهر الحج ثم يحج من عامه، وهذا موجود فى المكى .

ويرى الحنفية أن أهل مكة ليس لهم تمتع ولا قران، وإنما لهم الإفراد خاصة، لأن شرعهما للترفه بإسقاط إحدى السفرتين وهذا فى حق الآفاقى

واختلف الفقهاء أيضا فى حاضرى المسجد الحرام.

فذهب الشافعية والحنابلة إلى أنهم أهل الحرم ومن بينه وبين مكة دون مسافة القصر.

فإن كانوا على مسافة القصر فليسوا من الحاضرين.

وذهب الحنفية إلى أنهم أهل المواقيت فمن دونها إلى مكة.

وذهب المالكية إلى أنهم أهل مكة وأهل ذى طوى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ ص۲۸۴، مادة "افراد")

[1] ز -عدم إفساد العمرة أو الحج:

ذكر الحنفية وهو رواية عن أحمد -أن من شروط التمتع عدم إفساد العمرة أو الحج، فإذا أفسدها لا يعتبر متمتعا، وليس عليه دم التمتع؛ لأنه لم يحصل له الترفه بسقوط أحد السفرين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حج کی قربانی ساتھ ہونے کی صورت میں حکم

اگر کوئی حجِ تمتع کرنے والا شخص اپنے ساتھ ھدی یعنی حج کی قربانی کا جانور لے کر جائے (جیسا کہ پہلے زمانہ میں ہوا کرتا تھا، اور آج کل اس کا تصور مشکل ہے) تو کیا وہ عمرہ کے اعمال سے فارغ ہوکر احرام سے حلال ہوجائے گا یا نہیں؟

تو اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق حجِ تمتع کرنے والا شخص عمرہ کے اعمال سے فارغ ہوکر حلال ہوجائے گا، خواہ اس کے ساتھ ھدی کا جانور ہو یا نہ ہو۔

اور حنفیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی مشہور روایت کے مطابق اگر حجِ تمتع کرنے والے کے ساتھ ھدی کا جانور موجود ہو، تو وہ عمرہ کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد حلال نہیں ہوگا، بلکہ اس کے احرام کی پابندیاں جاری رہیں گی، اور اسی حالت میں بعد میں حج کا احرام باندھے گا، اور دس ذی الحجہ کو مخصوص اعمال کے بعد احرام کی پابندیوں سے نکلے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمشهور عند الحنابلة أنه إذا أفسد القارن والمتمتع نسكيهما لم يسقط الدم عنهما.

قال ابن قدامة :وبه قال مالک والشافعي؛ لأنه ما وجب فی النسک الصحيح وجب فی الفاسد.

هـذا وقد ذكر بعض الشافعية والحنابلة أنه يشترط لوجوب الدم أن ينوی التمتع فی ابتداء العمرة أو أثنائها، ولم يعتبره الآخرون. ولا يعتبر وقوع النسكين عن شخص واحد، فلو اعتمر لنفسه وحج عن غيره أو عكسه أو فعل ذلک عن اثنين كان عليه دم التمتع لظاهر الآية، وهذا عند جمهور الفقهاء .

وقال المالكية :فی شرط كونهما عن شخص واحد تردد، أنكره ابن عرفة وخليل فی مناسكه.

وقـال ابن الحاجب :الأشهـر اشتـراطـه. هـذا وقد ذكر الشافعية والحنابلة أن هذه الشروط معتبرة لوجوب الدم لا لكونه متمتعا، ولهذا يصح التمتع والقران من المكی فی المشهور عندهم.

وفـی وجـه عـنـد الشـافـعية، ورواية عند الحنابلة أنها تشترط لكونه متمتعا، فلو فات شرط لا يكون متمتعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص۱۱، مادة "تمتع")

[1] سوق الهدی هل يمنع التحلل؟

قـال مـالک والشافعی، وهو رواية عند الحنابلة :الـمتـمتع إذا فرغ من أعمال العمرة يتحلل، ساق الهدی أم لم يسق.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حجِ تمتع میں قربانی کا وجوب

جو شخص حجِ تمتع کرے، تو اس پر حجِ تمتع کے نتیجہ میں حج کی قربانی واجب ہوتی ہے، جو کہ ایک بکری، دنبہ، گائے یا اونٹ ہے، یا بڑے جانور (یعنی گائے یا اونٹ) کا ساتواں حصہ ہے۔[۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وصرح الحنفية بأن للمتمتع إن شاء أن يسوق الهدى -وهو أفضل -وفى هذه الحالة إذا دخل مكة طاف وسعى للعمرة ولا يتحلل، ثم يحرم بالحج يوم التروية أو قبله كما يحرم أهل مكة. لقوله صلى الله عليه وسلم :لو استقبلت من أمرى ما استدبرت لما سقت الهدى ولجعلتها عمرة وتحللت منها وهذا ينفى التحلل عند سوق الهدى فإذا حلق يوم النحر حل من الإحرامين وذبح دم التمتع. وعدم التحلل لمن يسوق الهدى هو مذهب الحنابلة أيضا فى المشهور عندهم.لما روى عن ابن عمر رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من كان منكم أهدى فإنه لا يحل من شىء منه حتى يقضى حجه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص ۱۱، وص ۱۲، مادة "تمتع")

وإن كان قد ساق الهدى لا يحلق، ولا يقصر للعمرة بل يقيم حراما إلى يوم النحر :لا يحل له التحلل إلا يوم النحر عندنا، وعند الشافعى سوق الهدى لا يمنع من التحلل، ونذكر المسألة فى التمتع إن شاء الله تعالى (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۱۴۹، كتاب الحج، فصل بيان سنن الحج وبيان الترتيب فى أفعاله)

[۱] اور تمتع کے نتیجہ میں قربانی کے وجوب کا یہ حکم دیگر فقہائے کرام کے نزدیک غیر حاضرینِ مسجدِ حرام کے لئے مختص ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک حاضرینِ مسجدِ حرام کے حق میں تمتع مشروع ہی نہیں، اور حاضرینِ مسجدِ حرام کی تفصیل اور اس میں فقہائے کرام کے اقوال پہلے ذکر کئے جا چکے ہیں۔

وجوب الهدى فى التمتع:

اتفق الفقهاء على أنه يجب الهدى على المتمتع وذلك بنص القرآن الكريم، قال تعالى : (فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى)

والهدى الواجب شاة أو بقرة أو بعير أو سبع البقرة أو البعير عند جمهور الفقهاء .وقال مالك هو بدنة ولا يصح سبع بعير أو بقرة.

ووقت وجوبه إحرامه بالحج عند جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة وهو المشهور عند المالكية.

وفى رواية عندهم وقت وجوبه الوقت الذى يتعين فيه نحره.ووقت ذبحه وإخراجه يوم النحر عند الجمهور، ويجوز ذبحه بعد أعمال العمرة ولو قبل الإحرام بالحج فى الأصح عند الشافعية، وهو الصحيح عند المالكية.

وفى رواية عن أحمد أنه إن قدم المتمتع الهدى قبل العشر طاف وسعى ونحر هديه، وإن قدم فى العشر لم ينحر إلا يوم النحر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۲، مادة"تمتع")

حج کی قربانی کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں حکم

اگر کوئی حجِ تمتع کرنے والا شخص، جس پر حج کی قربانی واجب تھی، تنگ دستی وناداری کی وجہ سے حج کی قربانی کرنے پر قادر نہ ہو، مثلاً قربانی کا جانور دستیاب نہ ہو، یا اس کی قیمت دستیاب نہ ہو، یا بہت مہنگی قیمت پر دستیاب ہو، تو اس پر حج کی قربانی واجب نہیں ہوتی، اور اس کے حج کی قربانی کا حکم دس روزے رکھنے کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ [1]

اور دس روزے رکھنے کی تفصیل یہ ہے کہ تین روزے تو دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے رکھ لے۔ [2]

---

[1] بدل الهدى:

اتفق الفقهاء على أن المتمتع إذا لم يجد الهدى بأن فقده أو ثمنه أو وجده بأكثر من ثمن مثله، ينتقل إلى صيام ثلاثة أيام فى الحج، وسبعة إذا رجع؛ وذلك لقوله تعالى :(فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة)

وتعتبر القدرة فى موضعه، فمتى عدمه فى موضعه جاز له الانتقال إلى الصيام وإن كان قادرا على الهدى فى بلده. هذا ولا يلزم التتابع فى الصيام بدل الهدى عند الفقهاء .قال ابن قدامة :لا نعلم فيه مخالفا .ويندب تتابع الثلاثة، وكذا السبعة عند بعض الفقهاء منهم الشافعية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴، ص ۱۲، وص ۱۳، مادة "تمتع")

[2] وقت الصيام ومكانه: أولا -صيام الأيام الثلاثة:

جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والحنابلة على أن الوقت المختار لصيام الثلاثة هو أن يصومها ما بين إحرامه بالحج ويوم عرفة، ويكون آخر أيامها يوم عرفة، وعلى ذلك يستحب له تقديم الإحرام بالحج قبل يوم التروية ليكمل الثلاثة يوم عرفة؛ لأن الصوم بدل الهدى فيستحب تأخيره إلى آخر وقته رجاء أن يقدر على الأصل.

ويستحب عند الشافعية أن يكون الثلاثة قبل يوم عرفة؛ لأن صوم يوم عرفة بعرفة غير مستحب.

ولا يجوز تقديم الثلاثة أو يوم منها على الإحرام بالحج عند المالكية والشافعية، وهو قول زفر من الحنفية لقوله تعالى :(فصيام ثلاثة أيام فى الحج)ولأن الصوم عبادة بدنية فلا يجوز تقديمها على وقت وجوبها كسائر الصيام الواجب؛ ولأن ما قبله لا يجوز فيه الدم فلم يجز بدله.

وذهب الحنفية والحنابلة إلى جواز تقديم الثلاثة على الإحرام بالحج بعد الإحرام بالعمرة، وفى رواية عن أحمد إذا حل من العمرة .والدليل على ذلك أن إحرام العمرة أحد إحرامى التمتع فجاز الصوم بعده كإحرام الحج .وأما قوله تعالى :(فصيام ثلاثة أيام فى الحج)فالمراد به وقته أو أشهر الحج؛ لأن نفس الحج -وهى أفعال معلومة -لا يصلح أن يكون ظرفا لفعل آخر وهو الصوم.

وأما تقديم الصوم على إحرام العمرة فلا يجوز اتفاقا لعدم وجود السبب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴، ص ۱۳، مادة "تمتع")

اور اگر وہ دس ذی الحجہ سے پہلے تین روزے نہیں رکھ سکا، تو پھر حنفیہ کے نزدیک اس کو روزے رکھنا جائز نہیں ہوتا، بلکہ بہرحال قربانی کرنا ہی ضروری ہوتا ہے، جبکہ شافعیہ وغیرہ کے نزدیک حج کے دن گزرنے کے بعد بھی یہ تین روزے رکھے جاسکتے ہیں۔ [1]

اور باقی ماندہ سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھے، خواہ مکہ میں رکھ لے یا اپنے گھر واپس آنے کے بعد رکھ لے۔ [2]

اگر کسی نے دس ذی الحجہ سے پہلے تین روزے رکھنے شروع کئے، اور تین روزوں کی تعداد مکمل ہونے سے پہلے وہ قربانی پر قادر ہوگیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر قربانی ہی واجب ہوجائے گی۔

---

[1] چنانچہ مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق ایامِ منیٰ میں بھی ان تین روزوں کو رکھنا جائز ہے۔

وإن فاته الصوم حتى أتى يوم النحر صام أيام منى عند المالكية -وهو الظاهر عند الحنابلة -وقال الشافعية :وهو رواية أخرى عند الحنابلة يصومها بعد أيام التشريق؛ لأنه صوم مؤقت فيقضى، والأظهر عندهم أن يفرق فى قضائها بينها وبين السبعة بقدر أربعة أيام (يوم النحر وأيام التشريق) ومدة إمكان السير إلى أهله على العادة الغالبة.

وقال الحنفية :لا يجزئه إلا الدم، لنهى النبى صلى الله عليه وسلم عن الصوم فى هذه الأيام؛ ولأن الصوم بدل عن الهدى ولا نظير له فى الشرع؛ ولأن الإبدال ثبت شرعا على خلاف القياس؛ لأنه لا مماثلة بين الدم والصوم فلا يثبت إلا بإثبات الشارع، والنص خصه بوقت الحج، فإذا فات وقته فات هو أيضا فيظهر حكم الأصل وهو الدم على ما كان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص۱۳، وص۱۴، مادة "تمتع")

[2] ثانيا -صيام الأيام السبعة :يصوم المتمتع سبعة أيام إذا رجع من الحج ليكمل العشرة، لقوله تعالى :(وسبعة إذا رجعتم) والأفضل أن يصوم السبعة بعد رجوعه إلى أهله؛ لما روى ابن عمر أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :فمن لم يجد هديا فليصم ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجع إلى أهله .

ويجوز صيامها بمكة بعد فراغه من الحج عند جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية والحنابلة) وهو قول عند الشافعية، إذ المراد من الرجوع الفراغ من الحج؛ لأنه سبب الرجوع إلى أهله، فكان الأداء بعد السبب.

وقال الشافعية فى الأظهر :لا يجوز صيامها إلا بعد الرجوع إلى وطنه وأهله لقوله تعالى :(وسبعة إذا رجعتم)فلا يجوز صومها فى الطريق أو فى مكة إلا إذا أراد الإقامة بها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص۱۴، مادة " تمتع")

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تین روزے شروع کرنے کے بعد مکمل ہونے سے پہلے اگر قربانی پر قادر ہوجائے، تو اس پر روزے چھوڑ کر قربانی واجب نہیں ہوتی، الَّا یہ کہ وہ خود ہی ایسا کرنا چاہے، اور مالکیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔

مزید تفصیل آگے حج کی قربانی کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ [1]

حجِ تمتع کا احرام باندھنے کے بعد عورت کو ایام آجانے کا حکم

اگر کسی عورت نے حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھا (جس کے بعد اس کا حجِ تمتع کرنے کا ارادہ تھا) پھر اسے حیض یا نفاس شروع ہوگیا، اور اسے حج سے پہلے عمرہ یا طوافِ عمرہ کے اکثر چکر ادا کرنے کا موقع نہیں ملا، یہاں تک کہ وقوفِ عرفہ کا وقت آ گیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اسی حال میں حجِ افراد کا احرام باندھ لے، جس سے اس کا عمرہ کا احرام ختم ہوجائے گا، اور حج کا احرام شروع ہوجائے گا، اور اس پر حجِ تمتع کی قربانی واجب نہیں ہوگی، مگر اس کے ذمہ عمرہ کی قضاء اور ایک دَم (عمرہ کا احرام ترک کرنے کی وجہ سے) واجب ہوگا۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک وہ حجِ قِران کا احرام باندھے گی، کیونکہ ان کے نزدیک حجِ قِران میں ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی ضروری ہوتی ہے، اور اس پر حجِ قِران کی قربانی واجب ہوگی، جبکہ وہ مسجدِ حرام کے حاضرین میں سے نہ ہو، اور وہ واپسی کے

---

[1] ثالثا -القدرة على الهدى بعد الشروع فى الصيام: من دخل فى الصيام ثم قدر على الهدى لم يكن عليه الخروج من الصوم إلى الهدى إلا أن يشاء ، وهذا عند الشافعية و الحنابلة.
وقال الحنفية :إن وجد الهدى بعد صوم يومين بطل صومه، ويجب الهدى، وبعد التحلل لا يجب كالمتيمم إذا وجد الماء بعد فراغه من الصلاة.
أما المالكية فقد فصلوا فى الموضوع وقالوا :إن أيسر بعد الشروع فى الصوم وقبل إكمال اليوم يجب عليه الرجوع للهدى، وإن أيسر بعد إتمام اليوم وقبل إكمال الثالث يستحب له الرجوع، وإن أيسر بعد الثالث يجوز له التمادى على الصوم والرجوع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص۱۴ وص۱۵، مادة "تمتع")

وقت اپنی شرائط کے ساتھ سب کے نزدیک طوافِ وداع بھی کرے گی۔ [۱]

حجِ تمتع کرنے والے کا پہلے عمرہ کے بعد مزید عمروں کا حکم

عمرہ کی ادائیگی کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں، اور کوئی مکروہ وقت بھی نہیں، دن رات میں جب چاہیں ادا کر سکتے ہیں، البتہ حنفیہ کے نزدیک سال کے صرف پانچ دنوں میں تنہا عمرہ کرنا مکروہ ہے، اور وہ یومِ عرفہ (یعنی نو ذی الحجہ) سے لے کر تیرہ ذی الحجہ تک کا وقت ہے، کیونکہ یہ حج کے مخصوص دن ہیں۔ [۲]

---

[۱] اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ عورت کے بجائے کوئی مرد یا کوئی عورت جس نے حجِ تمتع کا احرام باندھا ہو، وہ کسی بھی وجہ سے وقوفِ عرفہ سے پہلے عمرہ نہ کر سکے، اور اسی حال میں وقوفِ عرفہ کر لے۔

ب -أن تحرم بالعمرة ثم تحيض أو تنفس قبل الوقوف بعرفة، ولا يتسع الوقت كى تطهر وتعتمر قبل الإحرام بالحج:

قرر الحنفية فى هذه الصورة :أن المرأة تحرم بالحج أى تنويه وتلبى، وتؤدى أعمال الحج كما ذكرنا بالنسبة للمفردة، وتصبح بهذا رافضة للعمرة، أى ملغية لها، وتحتسب لها حجة فقط، فإذا أرادت العمرة تهل بها بعد الفراغ من أعمال الحج وليس لها إرداف الحج على العمرة عندهم.

أما غير الحنفية فقالوا :لا تلغى العمرة، بل تحرم بالحج، وتصبح قارنة، فتحتسب لها العمرة، وقد كفى عنها طواف الحج وسعيه تبعا لمذهبهم فى طواف القارن وسعيه أنهما يجزئان عن الحج والعمرة (انظر مصطلح قران)

وعليها هدى القران عندهم، ولا يسقط عنها طواف الوداع اتفاقا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۰، وص ۷۱، مادة "حج")

[۲] اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق یومِ عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کے زوال سے پہلے تک عمرہ مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس سے پہلے عملی طور پر حج کا وقت شروع نہیں ہوتا، کیونکہ پہلا فرض وقوفِ عرفہ ہی ہے، جس کا وقت نو ذی الحجہ کے زوال سے شروع ہوتا ہے۔

ب -الإحرام بالعمرة يوم عرفة:اختلف الفقهاء فى حكم الإحرام بالعمرة يوم عرفة، فيرى جمهور الفقهاء عدم كراهة الإحرام بالعمرة يوم عرفة، ويرى الحنفية وأحمد فى رواية عنه أن الإحرام بالعمرة يوم عرفة مكروه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص ۳۲۹، مادة "يوم عرفة"مكروهات يوم عرفة)

والعمرة لا تفوت وهى جائزة فى جميع السنة إلا خمسة أيام يكره فيها فعلها وهى يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق "لما روى عن عائشة رضى الله تعالى عنها أنها كانت تكره العمرة فى هذه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان پانچ دنوں میں بھی عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ ۱

گزشتہ تفصیل کو پیشِ نظر رکھ کر اب یہ مسئلہ سمجھنا مشکل نہ رہا کہ حجِ تمتع کرنے والے کو حرم میں پہلی مرتبہ پہنچ کر عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حرم ومکہ میں قیام کے دوران نو ذی الحجہ سے پہلے مزید عمرے کرنا دوسرے فقہائے کرام سمیت حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأيام الخمسة ولأن هذه الأيام أيام الحج فكانت متعينة له وعن أبي يوسف رحمه الله أنها لا تكره في يوم عرفة قبل الزوال لأن دخول وقت ركن الحج بعد الزوال لا قبله والأظهر من المذهب ما ذكرناه ولكن مع هذا لو أداها في هذه الأيام صح ويبقى محرما بها فيها لأن الكراهة لغيرها وهو تعظيم أمر الحج وتخليص وقته له فيصح الشروع(الهداية في شرح بداية المبتدي، ج ۱ ص۱۷۸، باب الفوات)

۱ اتفقوا على أن ميقات العمرة الزماني هو جميع العام، فيصح أن تفعل في جميع السنة، وينعقد إحرامها، وذلك لعدم المخصص لها بوقت دون وقت وكذلك قرروا أنها أفضل في شهر رمضان منها في غيره .وعبر الحنفية بقولهم " :تندب في رمضان "، لقوله صلى الله عليه وسلم :عمرة في رمضان تقضي حجة .متفق عليه.

ثم اختلفوا في أوقات يكره فيها الإحرام بالعمرة أو لا يكره .وهي:

أ -يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق :ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى عدم الكراهة فيها، لكن قال الرملي الشافعي " :وهي في يوم عرفة والعيد وأيام التشريق ليست كفضلها في غيرها؛ لأن الأفضل فعل الحج فيها ."واستدلوا لعدم الكراهة بأن الأصل عدم الكراهة، ولا دليل عليها.

وذهب الحنفية إلى أن العمرة تكره تحريما يوم عرفة وأربعة أيام بعده، حتى يجب الدم على من فعلها في ذلك عندهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ ص۱۴۴، الميقات الزماني للإحرام بالعمرة، مادة "احرام")

۲ اور حجِ تمتع والے کو حج سے پہلے میقات سے باہر (مثلاً مدینہ) جانے کی صورت میں واپسی پر آتے ہوئے میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مزید عمرے کرنا بھی جائز ہے، بالخصوص صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک، کہ ان کے نزدیک میقات سے باہر جانے پر حج کے ساتھ پہلے عمرہ کا بحیثیتِ تمتع تعلق ختم ہوجاتا ہے، اور ان کے نزدیک یہی عمرہ، حج کو تمتع بنانے والا شمار ہوتا ہے۔

لہٰذا آج کل قانونی تقاضوں کی وجہ سے عمرہ کرنے کے بعد بہت سے حجاجِ کرام کو حج سے پہلے مدینہ منورہ لے جایا جاتا ہے، اور حج سے پہلے واپس حرم لایا جاتا ہے، ایسے حجاجِ کرام مدینہ منورہ سے واپس حرم آتے ہوئے ذوالحلیفہ سے اگر عمرہ کا احرام باندھ کر آئیں، اور حج سے پہلے عمرہ کرلیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ صاحبین اور کئی فقہائے کرام کے نزدیک ان کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حجِ بدل والے کا حجِ تمتع کرنا

اگر حجِ بدل کرانے والے نے حجِ بدل کرنے والے کو ہر طرح کا حج کرنے کی اجازت دی ہو،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اس عمرہ سے ہی ان کا حج تمتع بنے گا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان کا حج تمتع پہلے والے عمرہ سے ہی برقرار رہے گا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ عمرہ کرنا ممنوع نہ ہوگا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اور بعض عوام یا اہلِ علم میں یہ جو مشہور ہے کہ حج تمتع کرنے والا، مکہ اور حرم میں قیام کے دوران مزید عمرے نہیں کرسکتا، اس کی علامہ شامی رحمہ اللہ نے تردید فرمائی ہے، اور فرمایا ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص مکہ میں مقیم ہو کر اب مکی کا حکم حاصل کر چکا ہے، جس کے لئے حنفیہ کے نزدیک تمتع اور قِران کی ممانعت ہے، یہ سمجھنا درست نہیں، اس لئے کہ یہ متمتع آفاقی ہے، جس کو عمرہ کرنے کی ممانعت نہیں، اور اگر مکی بھی تسلیم کر لیا جائے، تو مکی کے حق میں صحیح قول کے مطابق نفسِ عمرہ و تکثیرِ عمرہ کی ممانعت نہیں، اگرچہ تمتع کی ممانعت ہے، اور یہ پہلے سے متمتع ہے، جس کا تمتع تکرارِ عمرہ سے باطل نہیں ہوتا، لہٰذا اس کو عمرہ کا تکرار جائز ہے، کیونکہ عمرہ طواف کی طرح عبادتِ مستقلہ ہے۔

البتہ جو متمتع سائقِ ہدی ہو، اس کے حق میں ممانعت مسلَّم ہے، کیونکہ ایسا متمتع بحکمِ قارِن ہوتا ہے، جو عمرہ کے بعد حلق وقصر کے ساتھ حلال نہیں ہوتا، اس لئے اس کے حق میں عمرہ کے احرام پر دوسرے عمرہ کا تداخل لازم آتا ہے، جو کہ ممنوع ہے۔

اور جو متمتع سائقِ ہدی نہ ہو، تو اس کے حق میں مزید عمروں کی ممانعت کا حکم لگانا احناف کے تمام اصحابِ مذہب کے خلاف ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک عمرہ پانچ دِنوں کے علاوہ پورے سال جائز ہے، جس میں مکی اور آفاقی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، جبکہ دیگر کئی فقہائے کرام کے نزدیک نہ تو متمتع سائقِ ہدی کو تکرارِ عمرہ کی ممانعت ہے، کیونکہ ان کے نزدیک متمتع سائقِ ہدی وغیر سائقِ ہدی برابر ہیں، اور نہ ان کے نزدیک پانچ دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے۔

وجه قولهما أنه لما جاوز الميقات، ووصل إلى موضع لأهله التمتع والقران فقد بطل حكم السفر الأول، وخرج من أن يكون من أهل مكة لوجود إنشاء سفر آخر، فلا يكون متمتعا كما لو رجع إلى أهله، ولأبي حنيفة أن وصوله إلى موضع لأهله القران والتمتع لا يبطل السفر الأول، ما لم يعد إلى منزله؛ لأن المسافر ما دام يتردد في سفره يعد ذلك كله منه سفرا واحدا ما لم يعد إلى منزله، ولم يعد ههنا فكان السفر الأول قائما فصار كأنه لم يبرح من مكة فيكون متمتعا، ويلزمه هدى المتعة(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۲،ص ۱۷۱، كتاب الحج)

(تنبيه)أفاد أنه يفعل ما يفعله الحلال، فيطوف بالبيت ما بدا له ويعتمر قبل الحج، وصرح في اللباب بأنه لا يعتمر :أي بناء على أنه صار في حكم المكي وأن المكي ممنوع من العمرة في أشهر الحج وإن لم يحج، وهو الذي حط عليه كلام الفتح .وخالفه في البحر وغيره بأنه ممنوع منها إن حج من عامه وسيأتي تمامه(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۵۳۷، كتاب الحج،باب التمتع)

وقد ذكر في اللباب أن المتمتع لا يعتمر قبل الحج قال شارحه هذا بناء على أن المكي ممنوع من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

توحج بدل کرنے والے کوحجِ افراد کے علاوہ حجِ تمتع اورحجِ قران کرنا بھی جائز ہے، اور اگر کسی خاص قسم کے حج کی تخصیص کی ہو، مثلاً یہ کہ حجِ تمتع کیا جائے، تو اس کے حکم کے مطابق حجِ بدل کرنے میں تو کوئی شبہ نہیں، اور اگر حجِ افراد یا مطلق اور عام حج کا حکم کیا ہو، تو اس صورت میں حنفیہ (امام ابوحنیفہ اور صاحبین) کے نزدیک حجِ تمتع کرنا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حجِ تمتع اورحجِ قران دونوں ہی کرنا جائز نہیں۔

جبکہ شوافع اور صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) رحمہما اللہ کے نزدیک اس صورت میں حجِ قران کرنا جائز ہے، اور حنابلہ کے نزدیک حجِ قران اور حجِ تمتع دونوں جائز ہیں۔

آج کل کیونکہ میقات سے آنے والوں کی طرف سے عام طور پر حجِ تمتع کا رواج ہے، اس لئے اگر حج بدل کرانے والے نے کسی خاص قسم کے حج کی صراحت اور وضاحت نہ کی ہو، بلکہ عام حج کا حکم یا وصیت کی ہو، تو موجودہ دور میں عرف اور رواج کی وجہ سے دلالتاً اجازت ہونے کی بناء پر حج بدل کرنے والے کوحجِ تمتع کرنا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العمرة المفردة أيضا، وقد سبق أنه غير صحيح بل إنه ممنوع من التمتع والقران وهذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها؛ لأنها عبادة مستقلة أيضا كالطواف اهـ.

وفي حاشية المدني أن ما في اللباب مسلم في حق المتمتع السائق للهدى، أما غير السائق فلا؛ لأنه خلاف مذهب أصحابنا جميعا؛ لأن العمرة جائزة في جميع السنة بلا كراهة إلا في خمسة أيام لا فرق في ذلك بين المكي والآفاقي كما صرح به في النهاية والمبسوط والبحر وأخي زاده والعلامة قاسم وغيرهم اهـ.(منحة الخالق، ج۲، ص۳۹۳، كتاب الحج، باب التمتع)

والظاهر أن المتمتع بعد فراغه من العمرة لا يكون ممتنعا من إتيان العمرة فإنه زيادة عبادة وهو وإن كان في حكم المكي إلا أن المكي ليس ممنوعا عن العمرة فقط على الصحيح، وإنما يكون ممنوعا عن التمتع كما تقدم اهـ. ما في اللباب(منحة الخالق، ج۲، ص۳۹۶، كتاب الحج، باب التمتع)

[1] جب کسی میقاتی پر ابتداءً حج فرض ہوتا ہے، تو اصلاً حج فرض ہوتا ہے، جس کے ساتھ عمرہ فرض نہیں ہوتا، اور حجِ افراد میں میقات سے حج کا احرام باندھا جاتا ہے، جس میں حج کی قربانی واجب نہیں ہوتی، اور حجِ تمتع میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے، پس تمتع میں ابتداءً یہ سفر عمرہ کا بن جاتا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حج بدل کرنے والا اگر آمر کی اجازت کے بغیر حجِ افراد کے بجائے حجِ تمتع یا حجِ قران کرتا ہے، تو وہ اس سفر میں عمرہ کو ساتھ ملا کر آمر کی مخالفت کرتا ہے، اور یہ گویا کہ ایسا ہے جیسا کہ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(حج بدل کے مزید تفصیلی مسائل واحکام کے لئے ہماری دوسری کتاب ''ماہِ ذیقعدہ اور حج کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عمرہ اپنی طرف سے کیا، اور حج آمر کی طرف سے؛ جبکہ شوافع اور صاحبین کے نزدیک حج تمتع کرنے کی صورت میں تو مخالفت پائی جاتی ہے، کیونکہ متمتع کا میقات سے احرام عمرہ کا واقع ہوتا ہے، جبکہ حجِ بدل کرنے والے پر میقات سے حج کا احرام لازم تھا؛ البتہ حجِ قران کرنے کی صورت میں یہ مخالفت نہیں پائی جاتی، اور وہ اضافی ثواب کو حاصل کرنے والا شمار ہوتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ بعض مشائخ حنفیہ کی تصریح کے مطابق آمر کی طرف سے اجازت کے ساتھ حجِ تمتع یا حجِ قران کرنے کی صورت میں بھی دمِ قران اور دمِ تمتع حاجی یعنی مامور کے ذمہ ہوتا ہے، جس کا وہ آمر یا اُس کے مال سے مطالبہ نہیں کرسکتا، البتہ اگر آمر بخوشی اس کا خرچہ خود ادا کردے، تو پھر مامور کے لئے یہ خرچہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اور حنابلہ کے نزدیک اگر آمر کی اجازت سے تمتع یا قران کیا جائے، تو دمِ شکر کا خرچ آمر کے ذمہ ہے، اور عرف ورواج سے دلالتاً اجازت متحقق ہوجایا کرتی ہے، جیسا کہ گزرا۔

لہٰذا حنابلہ کے نزدیک عرف ورواج کی صورت میں آمر کی تصریح کے بغیر حجِ تمتع وقران کرنا اور آمر کے مال میں سے دمِ شکر ادا کرنا جائز ہے۔

موجودہ حالات میں یہ موقف عمل کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ قانونی پابندیوں کی وجہ سے بعض اوقات حج کرنے والے کو کئی چیزوں میں اختیار نہیں ہوتا، نیز آج کل حکومتِ سعودیہ کی طرف سے قانونی وجبری طور پر حجِ تمتع کی قربانی کا خرچہ وصول کرلیا جاتا ہے، اس کے علاوہ اگر حجِ بدل کرنے والے کو حجِ بدل کے بعد کہا جائے کہ دمِ شکر آپ اپنے مال سے ادا کریں، تو ظاہر ہے کہ یہ تنازع کا باعث ہوگا، مگر یہ کہ پہلے ہی تمام معاملات طے اور صاف کرلئے گئے ہوں، لیکن موجودہ دور میں عوامی دنیا میں صفائی معاملات تقریباً عنقاء ہے۔

من الشروط عدم المخالفة فلو أمره بالإفراد أو العمرة فقرن أو تمتع، ولو للميت لم يقع حجه عن الآمر ويضمن النفقة (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۳، ص۶۸، کتاب الحج، باب الحج عن الغير)

(ودم القران) والتمتع (والجناية على الحاج) إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن (الدرالمختار)

(قوله على الحاج) أى المأمور .أما الأول فلأنه وجب شكرا على الجمع بين النسكين وحقيقة الفعل منه وإن كان الحج يقع عن الآمر لأنه وقوع شرعى لا حقيقى .وأما الثانى فباعتبار أنه تعلق بجنايته، أفاده فى البحر (قوله فيصير مخالفا) هذا قول أبى حنيفة .ووجهه أنه لم يأت بالمأمور به لأنه أمره بسفر يصرفه إلى الحج لا غير، فقد خالف أمر الآمر فضمن بدائع .زاد فى المحيط لأن العمرة لا تقع عن الآمر لأنه ما أمره بها فصار كأنه حج عنه واعتمر لنفسه فيصير مخالفا (ردالمحتار، ج۲، ص ۶۱۱، کتاب الحج، باب الحج عن الغير)

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

ملحوظ رہے کہ حجِ تمتع میں پہلے الگ احرام کے ساتھ عمرہ کیا جاتا ہے، لہٰذا حجِ تمتع کرنے والا پہلے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرے گا (اور عمرہ کا طریقہ الگ ذکر کر دیا گیا ہے) اور اس کے بعد بال کٹا یا منڈا کر احرام سے نکل جائے گا، پھر مکہ میں قیام رہے گا، اور اس دوران مزید عمرے اور طواف کرنا بھی جائز ہے، اور مدینہ منورہ جانا بھی جائز ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اور پھر آٹھ ذی الحجہ کو حرم سے حج کا احرام باندھے گا، اور اس کے بعد حج کرے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وأما بيان ما يصير به المأمور بالحج مخالفا، وبيان حكمه إذا خالف فنقول :إذا أمر بحجة مفردة أو بعمرة مفردة فقرن فهو مخالف ضامن فى قول أبى حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد :يجزى ذلك عن الآمر نستحسن وندع القياس فيه، ولا يضمن فيه دم القران على الحاج.وجه قولهما أنه فعل المأمور به وزاد خيرا فكان مأذونا فى الزيادة دلالة، فلم يكن مخالفا كمن قال لرجل :اشتر لى هذا العبد بألف درهم فاشتراه بخمسمائة أو قال :بع هذا العبد بألف درهم، فباعه بألف وخمسمائة يجوز، وينفذ على الآمر لما قلنا كذا هذا، وعليه دم القران؛ لأن الحاج إذا قرن بإذن المحجوج عنه كان الدم على الحاج لما نذكر، ولأبى حنيفة أنه لم يأت بالمأمور به؛ لأنه أمر بسفر يصرفه إلى الحج لا غير، ولم يأت به فقد خالف أمر الآمر فضمن. ولو أمره أن يحج عنه فاعتمر ضمن؛ لأنه خالف ولو اعتمر ثم حج من مكة يضمن النفقة فى قولهم؛ جميعا لأمره به بالحج، بسفر وقد أتى بالحج من غير سفر؛ لأنه صرف سفره الأول إلى العمرة، فكان مخالفا فيضمن النفقة (بدائع الصنائع، ج۲ ص۲۱۳، ۲۱۴، كتاب الحج)

اختلف الفقهاء فيمن يجب عليه دم القران والتمتع فى الحج عن الغير:

قال الحنفية :دم القران والتمتع على الحاج -أى المأمور بالحج عن غيره -إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفا، فيضمن النفقة. وللشافعية تفصيل وتفرقة بين ما إذا كانت الإجارة على الذمة أو العين، وكان قد أمره بالحج، فقرن أو تمتع. وقال الحنابلة :دم التمتع والقران على المستنيب، إن أذن له فيهما، وإن لم يؤذن فعليه.(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸، ص۳۰۰، دم القران والتمتع،مادة "ضمان")

إذا أمر النائب بالإفراد فقرن فقد ذهب الشافعية، والحنابلة، وأبو يوسف ومحمد من الحنفية، إلى أنه لا يكون مخالفا ولا يضمن، ووقع الحج والعمرة عن المحجوج عنه؛ لأنه فعل المأمور به وزاد خيرا، فكان مأذونا فى الزيادة دلالة، فلم يكن مخالفا فصح ولم يضمن، كما لو أمره بشراء شاة بدينار فاشترى به شاتين تساوى إحداهما دينارا وذهب أبو حنيفة إلى أنه يكون مخالفا ويضمن النفقة؛ لأنه لم يأت بالمأمور به، إذ أمر بسفر يصرفه إلى الحج لا غير، ولم يأت به، فقد خالف أمر الآمر فضمن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۳۶، وص۳۷، مادة "نيابة")

إذا أمر بالحج فتمتع أو قرن جاز ذلك ووقع عن الآمر والدم على النائب (شرح العمدة فى الفقه لابن تيمية، ج۲، ص۲۵۵، كتاب الحج)

(فصل نمبر ۷)

حجِ قِران کے بنیادی احکام

حج کرنے کا ایک طریقہ حجِ قِران کہلاتا ہے، جس کے بنیادی احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قِران اور حجِ قِران کے معنیٰ

قِران کے لغوی معنیٰ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جمع کرنے اور ملانے کے آتے ہیں۔

اور شریعت کی زبان میں حجِ افراد اور حجِ تمتع کے مقابلہ میں حجِ قِران کے معنیٰ اس طرح حج کرنے کے آتے ہیں کہ عمرہ وحج کے احرام کو جمع کردیا اور ملادیا جائے، خواہ اس طرح سے کہ ایک ہی ساتھ عمرہ اور حج کا احرام باندھے، یا اس طرح کہ عمرہ کا احرام باندھ کر اس پر حج کے احرام کو داخل وجمع کردے۔ [1]

---

[1] القران لغة :جمع شيء إلى شيء يقال قرن الشخص للسائل :إذا جمع له بعيرين في قران واحد. والقران : الحبل يقرن به. قال الثعالبي " :لا يقال للحبل قران حتى يقرن فيه بعيران "، والقرن :الحبل أيضا.

واصطلاحا : هو أن يحرم بالعمرة والحج جميعا، أو يحرم بعمرة في أشهر الحج ثم يدخل الحج عليها قبل الطواف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص ۸۰، مادة " قران ")

أما القران :فهو أن يحرم بالعمرة والحج معا فيجمع بينهما في إحرامه، أو يحرم بالعمرة ثم يدخل عليها الحج قبل الطواف لها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۲۸۲، مادة "افراد")

القران عند الحنفية :هو أن يجمع الآفاقي بين الحج والعمرة متصلا أو منفصلا قبل أكثر طواف العمرة، ولو من مكة، ويؤدي العمرة في أشهر الحج.

وعند المالكية :أن يحرم بالحج والعمرة معا، بنية واحدة، أو نيتين مرتبتين يبدأ فيهما بالعمرة، أو يحرم بالعمرة ويردف الحج عليها قبل طوافها أو بطوافها .

وعند الشافعية :القران أن يحرم بالعمرة والحج جميعا، أو يحرم بعمرة في أشهر الحج ثم يدخل الحج عليها قبل الطواف.

ومثل ذلك عند الحنابلة إلا أنهم لم يشترطوا الإحرام في أشهر الحج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۴۱، مادة "احرام")

حجِ قِران کا جواز اور اس کی فضیلت

حجِ قِران کرنا بھی جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک حجِ قِران کرنا دوسرے طریقوں سے حج کرنے سے افضل ہے۔ [1]

حجِ قِران کے ارکان

حجِ قِران میں عمرہ اور حج دونوں مستقل ارکان کہلاتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک حجِ قِران کرنے والے کو دو طواف اور دو سعی کرنا ضروری ہے، پہلا طواف اور سعی تو عمرہ کے لئے ہوں گے، اور دوسرا طواف اور سعی حج کے لئے ہوں گے۔

البتہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عمرہ وحج کا ایک ساتھ احرام باندھنے کی صورت میں حج میں عمرہ کا تداخل ہوجاتا ہے، یعنی عمرہ اور حج دونوں کے طواف اور سعی کو الگ الگ کرنے کی

---

[1] مشروعية القران:
ثبتت مشروعية القران بالكتاب والسنة والإجماع:
أما الكتاب، فقوله تعالى :(وأتموا الحج والعمرة لله).
قال المرغيناني :المراد منه أن يحرم بهما من دويرة أهله.
وأما السنة :فمنها حديث عائشة رضى الله عنها، قالت :خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عام حجة الوداع، فمنا من أهل بعمرة، ومنا من أهل بحجة وعمرة، ومنا من أهل بالحج، وأهل رسول الله صلى الله عليه وسلم بالحج، فأما من أهل بالحج أو جمع الحج والعمرة لم يحلوا حتى كان يوم النحر.
فقد أقر النبى صلى الله عليه وسلم الصحابة على القران، فيكون مشروعا.
وأما الإجماع :فقد تواتر عمل الصحابة ومن بعدهم على التخيير بين أوجه الحج التى عرفناها، دون نكير، فكان إجماعا.
قال النووى:وقد انعقد الإجماع بعد هذا على جواز الإفراد والتمتع والقران من غير كراهة .
المفاضلة بين القران والتمتع والإفراد:
بعد أن اتفق الفقهاء على مشروعية هذه الأوجه فى أداء الحج دون كراهة، اختلفوا فى أيها الأفضل، وقد قيل بأفضلية كل منها، وسبق بيان المذاهب فى ذلك تفصيلا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص ۸۱، مادة " قران ")

ضرورت نہیں ہوتی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ؎[1]

عمرہ پر حج، یا حج پر عمرہ کا احرام باندھنے کی صورت میں قِران کا حکم

حجِ قِران صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے حج کا احرام شروع

[1] أركان القران: القران جمع بين نسكي الحج والعمرة في عمل واحد، فأركانه هي أركان الحج والعمرة.
لكن هل يلزم أداء الطواف والسعي لكل من الحج والعمرة، أو يتداخلان فلا يجب تكرارهما؟
ذهب الجمهور إلى التداخل، وأنه يجزء الطواف والسعي عن الحج والعمرة، ولا يجب تكرارهما، وبه قال ابن عمر وجابر وعطاء وطاوس ومجاهد وإسحاق بن راهويه وأبو ثور وابن المنذر.
واستدلوا بالنقل والقياس:
أما النقل :فحديث عائشة الذي قالت فيه . . " :وأما الذين جمعوا بين الحج والعمرة فإنما طافوا طوافا واحدا "
وحديثها أيضا لما جمعت بين الحج والعمرة فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم :يجزء عنك طوافك بالصفا والمروة عن حجك وعمرتك.
وعن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرن الحج والعمرة، فطاف لهما طوافا واحدا.
وأما القياس :فلأنه ناسك يكفيه حلق واحد ورمي واحد، فكفاه طواف واحد وسعي واحد، كالمفرد.
ولأنهما عبادتان من جنس واحد، فإذا اجتمعتا دخلت أفعال الصغرى في الكبرى، كالطهارتين : الوضوء والغسل.
وقال الحنفية -وهو رواية عن أحمد -ويروى عن الشعبي، وجابر بن زيد، وعبد الرحمن بن الأسود، وبه قال الثوري والحسن بن صالح.
قالوا :القارن يطوف طوافين، ويسعى سعيين :طواف وسعي لعمرته، وطواف وسعي لحجته.
واستدلوا بقوله تعالى :(وأتموا الحج والعمرة لله)
وتمامهما أن يأتي بأفعالهما على الكمال، ولم يفرق بين القارن وغيره."
وبما ورد عن صبي بن معبد في قصة حجه قارنا، قال " :قال -يعني عمر له :-فصنعت ماذا؟ قال " :مضيت فطفت طوافا لعمرتي، وسعيت سعيا لعمرتي، ثم عدت ففعلت مثل ذلك لحجي، ثم بقيت حراما ما أقمنا، أصنع كما يصنع الحاج، حتى قضيت آخر نسكي قال :هديت لسنة نبيك."
وعن علي رضي الله عنه قال لمن أهل بالحج والعمرة :تهل بهما جميعا ثم تطوف لهما طوافين وتسعى لهما سعيين .
وبأن القران ضم عبادة إلى عبادة وذلك إنما يتحقق بأدلة عمل كل واحد على الكمال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص ۸۱ الیٰ ص۸۳، مادة " قران ")

ہو چکا ہو، چنانچہ اگر کسی نے پہلے عمرہ کا احرام باندھا، اور پھر اس کے بعد حج کا احرام باندھا، یعنی اس نے حج کو عمرہ پر داخل کر دیا، تو اس کا یہ احرام باندھنا اور اس کا حجِ قِران کرنا درست ہو جائے گا، بشرطیکہ اس نے حج کا احرام عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے باندھ لیا ہو۔

اور اگر اس نے پہلے حج کا احرام باندھا، اور پھر اس کے بعد عمرہ کا احرام باندھا، یعنی عمرہ کو حج پر داخل کر دیا، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کے عمرہ کا احرام صحیح نہیں ہوگا، اور وہ حجِ قِران کرنے والا شمار نہ ہوگا، جبکہ حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے عمرہ کا احرام طوافِ قدوم کرنے سے پہلے باندھا، یا طوافِ قدوم کا کچھ حصہ کرنے کے بعد باندھا، تو اس کا احرام صحیح ہو جائے گا، اور وہ حجِ قِران کرنے والا شمار ہو جائے گا، مگر ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

اور اگر کسی نے حج کا احرام باندھنے کے بعد وقوفِ عرفہ بھی کر لیا، اور اس کے بعد عمرہ کا احرام باندھا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا حجِ قِران صحیح نہیں ہوگا، اس لئے اس صورت میں اس پر حجِ قِران کی قربانی واجب نہیں ہوگی۔ [1]

حجِ قِران کے لئے فسادِ عمرہ سے پہلے احرامِ حج کی شرط

حجِ قِران صحیح ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ عمرہ فاسد ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا

---

[1] شروط القران: الشرط الأول :أن يحرم بالحج قبل طواف العمرة :وذلك فيما إذا أحرم بالعمرة ثم أحرم بالحج فأدخله على العمرة، فإن إحرامه هذا صحيح، ويصبح قارنا بشرط أن يكون إحرامه بالحج قبل طواف العمرة.

أما إذا أحرم بالحج ثم أدخل العمرة على الحج، فإنه لا يصح إحرامه بالعمرة عند جمهور الفقهاء .
وقال الحنفية بصحة هذا الإحرام ويصير قارنا -مع كونه مكروها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص۸۳، مادة " قران ")

وقد عد في اللباب للقران سبعة شروط.......الثالث :أن يطوف للعمرة كله أو أكثره قبل الوقوف بعرفة، فلو لم يطف لها حتى وقف بعرفة بعد الزوال ارتفعت عمرته وبطل قرانه وسقط عنه دمه، ولو طاف أكثره ثم وقف أتم الباقي منه قبل طواف الزيارة(ردالمحتار، ج۲ ص۵۳۰، باب القران)

وقال في الفتح :وإن أدخل إحرام العمرة على إحرام الحج، فإن كان قبل أن يطوف شيئا من طواف القدوم فهو قارن مسيء وعليه دم شكر، وإن كان بعد ما شرع فيه ولو قليلا فهو أكثر إساءة وعليه دم اهـ وقدمنا مثله في باب القران عن اللباب وشرحه فهذا نص صريح في وجوب الدم في الصورتين، وأن الأول دم شكر أي اتفاقا والثاني دم جبر أو شكر على الخلاف الآتي وفي أن المراد بالطواف فيهما الشروع فيه ولو شوطا فافهم (ردالمحتار، ج۲ ص۵۸۸، باب الجنايات في الحج)

ہو، لہٰذا اگر کسی نے عمرہ کو فاسد کردیا، مثلاً عمرہ کے احرام کے بعد عمرہ کا رکن ادا کرنے سے پہلے جماع کرلیا، پھر اس کے بعد اسی سال دوسرا عمرہ کیے بغیر حج کیا، تو اس کا حج قران نہیں بنے گا۔ ۱

عمرہ کے حج کے مہینوں میں واقع ہونے کی شرط

حجِ قران صحیح ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ عمرہ حج کے مہینوں میں واقع ہوا ہو، اور حج کے مہینوں کا آغاز شوال کا چاند نظر آنے پر ہوجاتا ہے، جیسا کہ احرام کے بیان میں آتا ہے۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک حجِ تمتع کی طرح صرف یہ شرط ہے کہ عمرہ کا مکمل طواف یا کم از کم اس کے چار چکر حج کا مہینہ شروع ہونے کے بعد واقع ہوئے ہوں، اور دیگر فقہائے کرام کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ ۲

عمرہ کے وقوفِ عرفہ سے پہلے واقع ہونے کی شرط

حجِ قران صحیح ہونے کے لئے حنفیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ وقوفِ عرفہ سے پہلے عمرہ ادا کرلیا جائے، اور اگر کوئی مکمل عمرہ ادا نہ کرسکے، تو کم از کم عمرہ کے طواف کے تمام یا اکثر (یعنی

---

۱ الشرط الثانی :أن یحرم بالحج قبل فساد العمرة: إذا أحرم بالعمرة ثم أراد أن یدخل الحج علیها ومحرم به فوقها، فقد اشترط المالکیة والشافعیة لصحة الإرداف أن تکون العمرة صحیحة، وزاد الشافعیة اشتراط أن یکون إدخال الحج علی العمرة فی أشهر الحج .وقال الحنفیة :عدم فساد العمرة شرط لصحة القران (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۳ص ۸۳، مادة "قران"، شروط القران)

۲ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حجِ تمتع کی طرح مالکیہ کے نزدیک اگر عمرہ کا کوئی رکن بھی حج کے مہینے میں واقع ہوگیا، مثلاً سعی کا کم از کم ایک چکر، اور حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے ایک قول کے مطابق احرام اور عمرہ کے تمام اعمال حج کے مہینوں میں واقع ہونے سے ہی حجِ قران بنتا ہے، جبکہ شافعیہ کے ایک قول کے مطابق اگر عمرہ کا احرام حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے باندھا، لیکن عمرہ کے افعال حج کے مہینے میں ادا کیے، اور اسی احرام پر حج کو داخل کیا، تو حجِ قران واقع ہوجائے گا۔

الشرط الثالث: أن یطوف للعمرة الطواف کله أو أکثره فی أشهر الحج عند الحنفیة، وزاد الشافعیة فاشترطوا أن یکون إدخال الحج علی العمرة فی أشهر الحج قبل الشروع فی طواف العمرة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۳ص ۸۳،مادة "قران" ، شروط القران)

اس سلسلہ میں تفصیلی عبارت پیچھے "قران اور حجِ قران کے معنیٰ" کی سُرخی کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

چار) چکرادا کرلیے جائیں۔ [1]

عمرہ وحج کو فاسد نہ کرنے کی شرط

حجِ قِران صحیح ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ عمرہ اور حج کو فاسد نہ کیا جائے۔

چنانچہ اگر کسی نے وقوفِ عرفہ سے پہلے یا عمرہ کے طواف سے پہلے جماع کرلیا تو اس کی وجہ سے وہ حجِ قِران کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔ [2]

---

[1] اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک یہ شرط نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک حجِ قِران کرنے والے کو حج سے پہلے مستقل عمرہ کرنا ضروری نہیں، اور ان کے نزدیک حجِ قِران کرنے والے کا پہلا طواف، طوافِ قدوم واقع ہوتا ہے، جو کہ ان کے نزدیک سنت ہے، سوائے مالکیہ کے، کہ مالکیہ کے نزدیک واجب ہے۔

الشرط الرابع:أن يطوف للعمرة كل الأشواط أو أكثرها قبل الوقوف بعرفة.

وهذا عند الحنفية، لقولهم :إن القارن يطوف طوافين ويسعى سعيين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۸۳، ۸۴،مادة " قران " شروط القران)

وطواف القدوم سنة للآفاقي القادم من خارج مكة عند الحنفية والشافعية والحنابلة، تحية للبيت العتيق، لذلك يستحب البدء به دون تأخير، وسوى الشافعية بين داخلي مكة المحرم منهم وغير المحرم في سنية طواف القدوم.

وذهب المالكية إلى أنه واجب، من تركه لزمه الدم.

ووجوب طواف القدوم عند المالكية على كل من أحرم من الحل، سواء كان من أهل مكة أو غيرها، وسواء كان إحرامه من الحل واجبا كالآفاقي القادم محرما بالحج، أم ندبا كالمقيم بمكة الذي معه نفس (متسع من الوقت) وخرج من الحرم فأحرم من الحل، وسواء كان أحرم بالحج مفردا أم قارنا، وكذا المحرم من الحرم إن كان يجب عليه الإحرام من الحل، بأن جاوز الميقات حلالا مخالفا للنهي.

وهو واجب على هؤلاء ما لم يكن أحدهم مراهقا، وهو من ضاق وقته حتى خشي فوات الوقوف بعرفات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۶۲، وص ۶۳، مادة "حج")

[2] الشرط الخامس:

أن يصونهما عن الفساد :فلو أفسدهما بأن جامع قبل الوقوف وقبل أكثر طواف العمرة بطل قرانه، وسقط عنه دم القران، ويلزمه موجب الفساد.

أما إذا جامع بعدما طاف لعمرته أربعة أشواط فقط فسد حجه دون عمرته وسقط عنه دم القران، ولزمه موجب فساد الحج عند الحنفية، تبعا لمذهبهم في أركان القران (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۸۴، مادة " قران " شروط القران)

حرم کا باشندہ نہ ہونے کی شرط

حجِ قِران صحیح ہونے کے لئے حنفیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ حج کرنے والا حرم یا حِل یعنی میقات سے اندر کا رہنے والا نہ ہو، بلکہ میقات سے باہر کا رہنے والا یعنی آفاقی ہو، اور جو شخص حرم کا رہنے والا ہو، یا حِل یعنی میقات سے اندر کا رہنے والا ہو، تو اس کو جس طرح حجِ تمتع کرنا درست نہیں، اسی طرح حجِ قران کرنا بھی درست نہیں، ورنہ دمِ جنایت واجب ہوگا۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک میقات سے باہر کے رہنے والوں کی طرح میقات سے اندر یعنی حل اور حرم کے رہنے والوں کو بھی حجِ تمتع کی طرح حجِ قران کرنا جائز ہے۔

البتہ ایسے لوگوں کو حجِ قران کرنے کے نتیجے میں حجِ قران کی قربانی واجب نہیں ہے۔ [1]

---

[1] اور جمہور وحنفیہ کی دلیل اس سلسلہ میں وہی ہے، جو حجِ تمتع کے بیان میں گزری۔

الشرط السادس :أن لا یکون من حاضری المسجد الحرام:

ذھب الجمھور إلی صحة القران من المکی ومن فی حکمه وھو حاضر المسجد الحرام، إلا أنه لا یلزمه دم القران، فجعلوا ھذا شرطا للزوم دم القران، لا للمشروعیة .

وقالوا :إن اسم الإشارة فی قوله تعالی :(ذلک لمن لم یکن أھله حاضری المسجد الحرام)یرجع إلی قوله :(فما استیسر من الھدی) ، والمعنی :ذلک الحکم وھو وجوب الھدی علی من تمتع - وھو یشمل القران -إذا لم یکن من حاضری المسجد الحرام، فإن کان من حاضری المسجد الحرام، فلا ھدی علیه، وقرانه وتمتعه صحیحان .

وذھب الحنفیة إلی أنه یشترط للقران أن لا یکون القارن من حاضری المسجد الحرام علی الراجح.

وقالوا :المراد ب (ذلک) الواردة فی الآیة السابقة :التمتع بالعمرة إلی الحج، وھو یشمل القران والتمتع لمن لم یکن أھله حاضری المسجد الحرام، فدلت علی أنه لا قران ولا تمتع له، ولو کان المراد الھدی لقال :ذلک علی من لم یکن أھله حاضری المسجد الحرام.

ویدل للحنفیة ما ورد عن ابن عباس رضی الله عنھما أنه سئل عن متعة الحج فقال :أھل المھاجرون والأنصار وأزواج النبی صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع . . .إلی أن قال " :فجمعوا نسکین فی عام بین الحج والعمرة، فإن الله تعالی أنزله فی کتابه، وسنة نبیه صلی الله علیه وسلم وأباحه للناس غیر أھل مکة، قال الله :(ذلک لمن لم یکن أھله حاضری المسجد الحرام) (الموسوعة الفقھیة الکویتیة، ج۳۳، ص۸۴، وص۸۵، مادة " قران " شروط القران)

حج فوت نہ ہونے کی شرط

حجِ قِران صحیح ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ حجِ قران کا احرام باندھنے کے بعد اس کا حج فوت نہ ہوا ہو، جو کہ وقوفِ عرفہ کا وقت نکل جانے سے فوت ہو جاتا ہے۔ [۱]

حجِ قران کے احرام کی کیفیت

حجِ قِران کے احرام کا طریقہ یہ ہے کہ عمرہ اور حج دونوں کا میقات سے احرام باندھے۔ [۲]

اور حجِ قِران کرنے والے کو احرام باندھتے وقت عمرہ اور حج دونوں کی نیت کرنی چاہئے، اور نیت اصل دل میں ہوتی ہے، اور اگر زبان سے بھی الفاظ ادا کر لے، تو بہتر ہے۔

اور عربی میں مثلاً اس طرح الفاظ ادا کرے کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اُرِیۡدُ الْعُمْرَۃَ وَالْحَجَّ فَیَسِّرْھُمَا لِیۡ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیۡ.

اور اُردو میں مثلاً اس طرح الفاظ ادا کرے کہ:

اے اللہ! میں عمرہ اور حج کا ارادہ کرتا ہوں، تو ان دونوں کو میرے لئے آسان

---

[۱] الشرط السابع:
عدم فوات الحج :فلو فاته الحج بعد أن أحرم بالقران لم يكن قارنا، وسقط عنه دم القران(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص۸۵، مادة " قران " شروط القران)

[۲] البتہ بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک قارن کے احرام کی میقات مفرد کے احرام کی میقات کی طرح ہے، اور مالکیہ کے نزدیک قارن کی میقات عمرہ کی میقات کی طرح ہے، اور حنفیہ کے نزدیک آفاقی کی میقات کی طرح ہے، کیونکہ ان کے نزدیک غیر آفاقی کو قران کرنا درست نہیں، اور میقات کی تفصیل آگے احرام کے بیان میں آتی ہے۔

کيفية القران:
هى أن يحرم بالعمرة و الحج معا من الميقات أو قبله، لا بعده.
وميقات إحرام القارن هو ميقات إحرام المفرد عند الجمهور، وقال المالكية :ميقات القارن هو ميقات العمرة، وعلى ذلك فمن كان آفاقيا فإنه يحرم من الميقات الخاص به، ومن كان غير ذلك فلا قران له عند الحنفية، وله عند الجمهور القران، ولا دم عليه،فيحرم من موضعه إلا عند المالكية، فيجب أن يخرج إلى الحل فيحرم بالقران (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص۸۵، مادة " قران ")

فرما دیجئے، اوران دونوں کو میری طرف سے قبول فرما لیجئے۔

اوراس طرح نیت کرنے کے ساتھ تلبیہ بھی پڑھے۔

اور عمرہ اور حج کا آگے پیچھے احرام باندھنا بھی درست ہے، مثلاً پہلے عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے، پھر اس کے بعد حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے۔ [1]

حجِ قِران کے اعمال

جب حجِ قِران کا احرام باندھ لیا، تو حنفیہ کے نزدیک یہ شخص دوطواف اور دوسعی کرے گا، ایک طواف اور سعی تو عمرہ کے لئے، اور ایک طواف اور سعی حج کے لئے، جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ حجِ قران کرنے والا مسجدِ حرام میں داخل ہو کر طواف کرے گا، جس میں سات چکر پورے گا، پہلے تین چکروں میں رَمَل کرے گا، اور اس طواف میں اضطباع کرے گا، پھر اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان عمرہ کی سعی کرے گا، جس کے بعد عمرہ کے افعال مکمل ہو جائیں گے، لیکن وہ سَر کے بال نہیں کٹوائے یا منڈوائے گا، بلکہ اس کے احرام کی پابندیاں جاری رہیں گی، پھر وہ حج سے پہلے طوافِ قدوم کرے گا، اور اگر وہ طوافِ قدوم کے ساتھ حج کی (طوافِ زیارت کے بعد والی) سعی بھی ساتھ کرنا چاہے، تو بھی درست ہے۔

اس صورت میں طوافِ قدوم کے اندر رَمل اور اضطباع بھی کرے گا، پھر اس کے بعد حسبِ قاعدہ حج کے اعمال ادا کرے گا، اور حجِ قران کے نتیجے میں قربانی بھی کرے گا، اور حج کے اعمال ادا کرنے کے بعد جب سَر کے بال منڈائے یا کٹائے گا، تو وہ ایک ساتھ عمرہ اور حج

---

[1] وكيفية إحرام القارن، أنه بعدما يستعد للإحرام يقول ناويا بقلبه :اللهم إني أريد العمرة والحج فيسرهما لي وتقبلهما مني، أو نويت العمرة والحج وأحرمت بهما لله تعالى، لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك .إن الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك، ثم يقول : لبيك بعمرة وحجة.

ويجوز أن يحرم بالحج والعمرة متعاقبا، بأن يكون أحرم بالعمرة، ثم يحرم بالحج إضافة إلى العمرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص۸۵، مادة "قران")

دونوں کے احراموں سے باہر نکلے گا، یہ تفصیل تو حنفیہ کے نزدیک تھی۔

اور جمہور فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حجِ قران کرنے والا وہی اعمال کرے گا، جو حجِ افراد کرنے والا کرتا ہے، کہ پہلے رَمَل واضطباع کے بغیر طوافِ قدوم کرے گا، اور پھر وقوفِ عرفہ کرے گا، اور اگر طوافِ قدوم کے بعد حج کی سعی کرنا چاہے، تو وہ بھی کرسکتا ہے، مگر اس صورت میں طوافِ قدوم میں رَمَل اور اضطباع بھی کرے گا، پھر اس کے بعد حسبِ قاعدہ حج کے افعال ادا کرے گا، اور حجِ قران کی قربانی بھی ادا کرے گا، اور حج مکمل کرکے احرام سے نکل جائے گا۔ [1]

حجِ قران کے احرام سے نکلنے کی کیفیت

حجِ قران کرنے والا حنفیہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کو سر کے بال منڈا یا کٹا کر ہی احرام سے نکلے گا، اور اس پر زوجین کے مخصوص تعلقات کے علاوہ احرام کی باقی تمام پابندیاں ختم ہوں گی۔

اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک دسویں تاریخ میں بڑے شیطان کو کنکریاں مارنے سے زوجین

---

[1] فإذا انعقد الإحرام قارنا، فإنه عند المالكية والشافعية والحنابلة يفعل ما يفعل الحاج المفرد، ويطوف طواف القدوم، ويسعى بعده إن أراد تقديم السعي، ثم يقف بعرفة وهكذا إلى آخر أعمال الحج، ويذبح هديا يوم النحر.

والتفصيل في مصطلح (هدي).

وأما عند الحنفية :فإن القارن يطوف طوافين ويسعى سعيين :طواف وسعي لعمرته، وطواف وسعي لحجته، وكيفية أدائه للقران :إذا انعقد إحرامه قارنا دخل مكة، وابتدأ فطاف بالبيت سبعة أشواط، يرمل في الثلاثة الأولى منها، ويضطبع فيها كلها، ثم يسعى بعدها بين الصفا والمروة، وهذه أفعال العمرة، ثم يبدأ بأفعال الحج، فيطوف طواف القدوم سبعة أشواط، ويسعى بعده سعي الحج إن أراد تقديم سعي الحج عن يوم النحر (ر:سعي)

وعندئذ يرمل في الطواف الثاني ويضطبع؛ لأن الرمل والاضطباع سنة في كل طواف بعده سعي ، ثم يتابع أعمال الحج كما في الإفراد، ويذبح هديا إلى آخره . . .لكن لا يتحلل بما أداه من أفعال العمرة ولا يحلق، لأنه محرم بالحج ووقت تحلله يوم النحر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص۸۵، وص۸۶، مادة "قران"، وكيفية إحرام القارن)

کے خصوصی تعلقات کے علاوہ احرام کی باقی پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ [۱]

پھراس کے بعد جب طوافِ زیارت اور سعی دونوں کر لئے جائیں، یا سعی پہلے کر چکا ہوتو بالاتفاق زوجین کے خصوصی تعلقات بھی حلال ہوجاتے ہیں۔ [۲]

حجِ قران کی قربانی

حجِ قران کرنے والے کو حجِ قران کے نتیجے میں حج کی قربانی بھی واجب ہے، اوراس قربانی کے جانور کے لئے بھی وہی شرائط ہیں، جو عام قربانی کے لئے شرائط ہیں، جس میں بکری، دنبہ، گائے اوراونٹ وغیرہ میں سے کسی جانور کی قربانی بھی جائز ہے، اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس حجِ قران کی قربانی کے گوشت کا حکم عام قربانی کی طرح ہے، جس سے خود

---

[۱] اور شافعیہ کے نزدیک دسویں تاریخ کی رمی اور بال منڈانے یا کٹانے اور قربانی تینوں اعمال کرنے یا ان میں سے کوئی بھی دو اعمال کرنے سے زوجین کے خصوصی تعلقات کے علاوہ احرام کی باقی پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، مگر مالکیہ کے ایک قول کے مطابق رمی کے بعد شکار اور ایک قول کے مطابق خوشبو کا استعمال جائز نہیں ہوتا، جس کی تفصیل آگے رمی کے بیان میں آتی ہے۔

للقارن تحللان:

التحلل الأول :ويسمى أيضا الأصغر.

ويحصل بالحلق عند الحنفية، وبرمي جمرة العقبة وحده عند المالكية والحنابلة، وبفعل اثنين من ثلاثة عند الشافعية، وهي الرمي، والحلق، والطواف، أي طواف الزيارة المسبوق بالسعي، وإلا فلا يحل حتى يسعى بعد طواف الزيارة.

والمفرد والقارن والمتمتع في ذلك سواء عندهم جميعا، حتى الشافعية لأن الذبح لا مدخل له في التحلل عند الشافعية.

ويحل بالتحلل الأول جميع محظورات الإحرام إلا الجماع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص۸۶، مادة " قران ")

[۲] وأما التحلل الثاني :ويسمى التحلل الأكبر :فتحل به جميع محظورات الإحرام حتى النساء إجماعا.

ويحصل التحلل الأكبر عند الحنفية والمالكية بطواف الإفاضة بشرط الحلق هنا باتفاق الطرفين، وزاد المالكية أن يكون الطواف مسبوقا بالسعي، وقال الحنفية :لا مدخل للسعي في التحلل لأنه واجب مستقل . وعند الشافعية والحنابلة :يحصل باستكمال أفعال التحلل الثقة التي ذكرناها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص۸۶،مادة " قران ")

کھانا اور امیر وغریب کو کھلانا اور صدقہ وہبہ کرنا سب جائز ہے، اِلَّا عند الشافعية۔ [1]

اور اگر کوئی شخص قربانی کرنے سے عاجز ہو تو اس کو قربانی کے بدلے میں دس روزے رکھنے کا حکم ہے، جس کی تفصیل حجِ تمتع کے بیان میں گزر چکی ہے، اور آگے تفصیلی فضائل واحکام میں قربانی کے بیان میں بھی آتی ہے۔ [2]

حجِ تمتع کو حکماً حجِ قِران بنانا

اگر کوئی حجِ تمتع کرنے والا اپنے ساتھ ہدی یعنی حج کی قربانی کا جانور لے کر جائے، تو حنفیہ کے نزدیک وہ عمرہ کر کے احرام سے نہیں نکلتا، لہٰذا ایسے حج کرنے والے شخص کا احرام قران کے احرام کی طرح ہوتا ہے، اسی وجہ سے اگر یہ شخص عمرہ کے اعمال سے فارغ ہو کر بال

---

[1] پھر اگر کوئی حج قران کرنے والا حاضرینِ مسجدِ حرام میں سے ہو تو اس پر حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک حجِ قران کی قربانی واجب نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کو حجِ قران ہی جائز نہیں، اور کر لینے کی صورت میں دَمِ جبر واجب ہے، کما مرّ۔

هدى القران :يجب باتفاق الفقهاء على القارن هدى يذبحه أيام النحر، لقوله تعالى :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى)

لأن القارن فى حكم المتمتع،قال القرطبى " :وإنما جعل القران من باب التمتع؛ لأن القارن يتمتع بترك النصب فى السفر إلى العمرة مرة وإلى الحج أخرى، ويتمتع بجمعهما ولم يحرم لكل واحدة من ميقاته، وضم الحج إلى العمرة، فدخل تحت قول الله عز وجل :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى) ، وقد روى ذلك عن ابن مسعود وابن عمر رضى الله عنهم؛ ولأنه إذا وجب على المتمتع لأنه جمع بين نسكين فى وقت أحدهما فلأن يجب على القارن وقد جمع بينهما فى الإحرام أولى.

وأدنى ما يجزء فيه شاة، والبقرة أفضل، والبدنة أفضل منهما.

واختلفوا فى موجب هذا الهدى، فقال الجمهور ومنهم الحنفية والمالكية والحنابلة :هو دم شكر، وجب شكرا لله لما وفقه إليه من أداء النسكين فى سفر واحد، فيأكل منه ويطعم من شاء ولو غنيا، ويتصدق . وقال الشافعية :هو دم جبر على الصحيح فى مذهبهم، فلا يجوز له الأكل منه، بل يجب التصدق بجميعه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٣، ص٨٦، وص٨٧، مادة " قران ")

[2] ومن عجز عن الهدى فعليه بالإجماع صيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجع إلى أهله، لقوله تعالى :(فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٣، ص٨٧، مادة " قران ")

منڈا یا کٹادے، تو اس پر دمِ جنایت واجب ہے۔

مگر اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک احرام کی خلاف ورزی کرنے پر دوہری خلاف ورزی شمار نہیں ہوتی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک ہدی یعنی حج کی قربانی کا جانور ساتھ ہو یا نہ ہو، بہر حال عمرہ کرنے کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

حجِ قران کرنے والے کا احرام کی پابندی کی خلاف ورزی

حنفیہ کے نزدیک حجِ قران کرنے والا عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھتا ہے، اور اس کے حق میں عمرہ اور حج دونوں مستقل رکن ہیں، لہٰذا اگر کوئی حجِ قران کرنے والا احرام کی کسی پابندی کی خلاف ورزی کرے، تو اس پر دوہرا یا ڈبل کفارہ واجب ہوتا ہے، ایک عمرہ کے احرام کی خلاف ورزی کرنے کا، اور دوسرے حج کے احرام کی خلاف ورزی کرنے کا۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک حجِ قران کرنے والے کو بھی احرام کی خلاف ورزی کرنے پر ایک ہی کفارہ واجب ہوتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک قران میں، حج اور عمرہ کے طواف اور سعی میں تداخل ہو جاتا ہے۔ [2]

---

[1] صيرورة التمتع قرانا: إذا ساق المتمتع الهدى كما هو السنة.
فقال الحنفية والحنابلة: لا يحل المتمتع الذى ساق الهدى بأفعال العمرة، ولا يحلق، ولو حلق لم يتحلل من إحرامه بالعمرة، ويكون حلقه جناية على إحرام العمرة، ويلزمه دم لجنايته هذه، بل يظل حراما، ثم يهل يوم التروية بالحج، ويفعل ما يفعله الحاج -لكن يسقط عنه طواف القدوم- حتى يحل يوم النحر منهما.
قال الحنفية: إنه يصير قارنا، وهو المعتمد عند الحنابلة.
وذهب المالكية، والشافعية، وهو قول عند الحنابلة إلى أن المتمتع الذى ساق الهدى كالذى لم يسقه، يتحلل بأداء العمرة، ويمكث بمكة حلالا حتى يحرم بالحج، والتفصيل فى مصطلح (تمتع ف ۱۵) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳، ص۸۷، وص۸۸، مادة "قران")

[2] اور حنفیہ کے نزدیک دوہرا فدیہ واجب ہونا اُن جنایات کے ساتھ مشروط ہے، جو دونسکوں یعنی حج وعمرہ میں سے کسی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حجِ قِران کا احرام باندھنے کے بعد عورت کو ایام آجانے کا حکم

اگر کسی عورت نے حجِ قِران کا احرام باندھا، پھر اس کو طواف کرنے سے پہلے حیض یا نفاس شروع ہوگیا، اور وقوفِ عرفہ تک جاری رہا، تو حنفیہ کے نزدیک وہ حجِ افراد کرنے والی شمار ہوگی، اور وہ اپنا حج، حجِ افراد کے طریقہ پر کرے گی۔

اور اس پر حجِ قِران کی قربانی واجب نہیں ہوگی۔

مگر اس کے ذمہ عمرہ کی قضاء اور ایک دَم (عمرہ کا احرام ترک کرنے کی وجہ سے)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ایک کے ساتھ خاص نہ ہوں، اور اگر کوئی ایسا نسک ہو، جو حج یا عمرہ میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص ہو، جیسا کہ رمی یا طوافِ وداع کا ترک کرنا، تو اس پر بہرحال ایک یا اکہرا فدیہ ہی واجب ہوتا ہے۔

جنايات القارن على إحرامه:

بناء على الخلاف في القارن، هل يجزئه طواف واحد وسعي واحد لحجته وعمرته .كما هو مذهب الجمهور، أو لا بد له من طوافين وسعيين لهما كما هو مذهب الحنفية، اختلفوا في كفارات محظورات الإحرام للقارن.

فالجمهور سووا بين القارن وغيره في كفارات محظورات الإحرام.

أما الحنفية فقالوا " :كل شيء فعله القارن بين الحج والعمرة -مما ذكرنا -أنه يجب فيه على المفرد بجنايته دم فعلى القارن فيه دمان، لجنايته على الحج والعمرة، فيجب عليه دم لحجته ودم لعمرته، وكذا الصدقة ." والتفصيل في (إحرام ف ۱۶۹.۱۴۷)

وهذا إنما يعني به الجنايات التي لا اختصاص لها بأحد النسكين كلبس المخيط والتطيب والحلق والتعرض للصيد وأشباهها يلزم القارن فيها جزاء ان.

أما ما يختص بأحد النسكين، فلا يجب إلا جزاء واحد، كترك الرمي، وترك طواف الوداع.

ومثل القارن في ذلك كل من جمع بين الإحرامين، كالمتمتع الذي ساق الهدي، أو الذي لم يسقه لكن لم يحل من العمرة حتى أحرم بالحج، وكذا كل من جمع بين الحجتين أو العمرتين ، كمن أحرم بهما معا، فقد ذهب الحنفية إلى انعقاد الإحرام بهما وعليه قضاء أحدهما ولا ينعقد إحرامه بهما عند الجمهور(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص۸۸، مادة " قران ")

(قوله ومثله متمتع ساق الهدي) أولى منه قول اللباب :وما ذكرناه من لزوم الجزاء ين على القارن هو حكم كل من جمع بين إحرامين كالمتمتع الذي ساق الهدي أو لم يسقه، لكن لم يحل من العمرة حتى أحرم بالحج، وكذا من جمع بين الحجتين أو العمرتين(ردالمحتار، ج۲ص۵۷۷، باب الجنايات في الحج)

واجب ہوگا۔ [1]

---

[1] اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ عورت کے بجائے کوئی مرد یا کوئی عورت جس نے حجِ قران کا احرام باندھا ہو، وہ کسی بھی وجہ سے وقوفِ عرفہ سے پہلے عمرہ نہ کرسکے، اور اسی حال میں وقوفِ عرفہ کرلے۔

لأن القارن إذا لم يدخل مكة ووقف بعرفات صار رافضا لعمرته فيلزمه دم لرفضها وقضاؤها كما سيأتي في آخر القران (ردالمحتار، ج٢، ص٥٢٥، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة)

وإذا لم يدخل القارن مكة وتوجه إلى عرفات بطل قرانه، وسقط عنه دم القران (المختار مع الاختيار)

قال: (وإذا لم يدخل القارن مكة وتوجه إلى عرفات ووقف بها بطل قرانه) لأنه عجز عن تقديم أفعال العمرة كما هو المشروع في القران، ولا يصير رافضا بالتوجه حتى يقف هو الأصح عند أبي حنيفة بخلاف مصلي الظهر يوم الجمعة حيث تبطل بمجرد السعي لأنه مأمور ثم بالسعي بعد الظهر، وههنا هو منهي عن التوجه إلى عرفة قبل أداء العمرة فافترقا.

قال: (وسقط عنه دم القران) لأنه لم يوفق لأداء النسكين. (وعليه دم لرفضها) لأنه رفض إحرامه قبل أداء أفعال المتعة. (وعليه قضاء العمرة) لشروعه فيها(الاختيار لتعليل المختار، ج١، ص١٦٠، ١٦١، كتاب الحج، باب القران)

(قوله وإن لم يدخل مكة ووقف بعرفة فعليه دم لرفض العمرة وقضاؤها) يعني إن لم يأت القارن بالعمرة حتى أتى بالوقوف فعليه دم لترك العمرة؛ لأنه تعذر عليه أداؤها؛ لأنه يصير بانيا أفعال العمرة على أفعال الحج، وذلك خلاف المشروع فعدم دخول مكة كناية عن عدم طواف العمرة؛ لأن الدخول وعدمه سواء إذا لم يطف لها، والمراد أكثر أشواطه حتى لو طاف لها أربعة أشواط ثم وقف بعرفة فإنه لا يصير رافضا لها إذ قد أتى بركنها ولم يبق إلا واجباتها من الأقل والسعي، ويأتي بها يوم النحر وهو قارن على حاله بخلاف ما إذا طاف الأقل ثم وقف فإنه كالعدم فيصير رافضا، والمراد بعدم الطواف للعمرة عدم الطواف أصلا فإنه لو طاف طوافا ما ولو قصد به طواف القدوم للحج فإنه ينصرف إلى طواف العمرة، ولم يكن رافضا لها بالوقوف؛ لأن الأصل أن المأتي به من جنس ما هو متلبس به في وقت يصلح له ينصرف إلى ما هو متلبس به وعن هذا قلنا لو طاف وسعى للحج ثم طاف وسعى للعمرة كان الأول لها والثاني له ولا شيء عليه كمن سجد في الصلاة بعد الركوع ينوي سجدة تلاوة انصرف إلى سجدة الصلاة، ولم يقيد الوقوف بعرفة بكونه بعد الزوال كما وقع في كافي الحاكم؛ لأنه لا حاجة إليه؛ لأن الوقوف قبل وقته لا اعتبار به وقيد بالوقوف؛ لأنه لا يكون رافضا لها بمجرد التوجه إلى عرفات هو الصحيح، والفرق بينه وبين مصلي الظهر يوم الجمعة إذا توجه إليها أن الأمر هناك بالتوجه متوجه بعد أداء الظهر والتوجه في القران والتمتع منهي عنه قبل أداء العمرة فافترقا وأطلق في رفضها فشمل ما إذا قصده أو لا، وأشار به إلى سقوط دم القران عنه لعدمه، وإنما وجب دم لرفضها؛ لأن كل من تحلل بغير طواف يجب عليه دم كالمحصر ووجب قضاؤها؛ لأن الشروع ملزم كالنذر والله أعلم(البحرالرائق، ج٢ص ٣٨٩، كتاب الحج، باب القران)

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مذکورہ صورت میں وہ عورت ایک طواف اور ایک سعی کرے گی، اوراسی سے وہ حجِ قران کرنے والی شمار ہوجائے گی، کیونکہ ان کے نزدیک حجِ قِران میں ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی ضروری ہوتی ہے، اوراس پر حجِ قِران کی قربانی بھی واجب ہوگی، بشرطیکہ وہ مسجدِ حرام کے حاضرین میں سے نہ ہو، جس کا ذکر کئی مرتبہ پہلے گزرچکا ہے۔ [1]

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

[1] ونبين هنا أحكاما أخرى هامة، هى أحكام حج الحائض والنفساء ، وله صور متعددة نبين حكمها فيما يلى:
أ -أن تحرم المرأة بالحج مفردة أو قارنة، ثم يمنعها الحيض أو النفاس من أداء الطواف، فإنها تمكث حتى تقف بعرفة وتأتى بكافة أعمال الحج فيما عدا الطواف والسعى، فإذا طهرت تطوف طوافا واحدا وتسعى سعيا واحدا إن كانت مفردة .
وتطوف طوافين وتسعى سعيا للحج والعمرة إن كانت قارنة، حسبما يجب عند الحنفية، وطوافا وسعيا واحدا للقران عند غير الحنفية، ولا يسقط عنها طواف الوداع فى هاتين الصورتين اتفاقا.
ويسقط عنها طواف القدوم، أما عند الجمهور فلأنه سنة فات وقتها، وأما عند المالكية فلكونه عذرا يسقط به، ولو كان واجبا، إلا أن يزول المانع ويتسع الزمن لطواف القدوم، فإنه حينئذ يجب عليها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٠، وص ٥١، مادة "حج")

(باب نمبر۲)

احرام کے فضائل واحکام

حج یا عمرہ کے لئے احرام کا عمل انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اس لئے احرام کی حقیقت، اس کے احکام، اور اس کی پابندیوں کو سمجھ لینا ضروری ہے، جس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

احرام سے متعلق بنیادی معلومات واحکام

پہلے احرام سے متعلق بنیادی معلومات اور بنیادی احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... لغت میں احرام کے معنیٰ حرام کرنے یا حُرمت وتعظیم میں داخل ہونے کے آتے ہیں۔

اور شریعت کی زبان میں احرام کی حقیقت حج یا عمرہ کے لئے بعض چیزوں کے حرام کر لینے یا دوسرے لفظوں میں مخصوص پابندیاں لازم کر لینے کی نیت کرنے کے آتے ہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲...... احرام کے لئے کچھ چیزیں واجب ہیں۔

جیسا کہ احرام کا مقررہ جگہ سے ہونا، اور احرام کے ممنوعات مثلاً خوشبو سے بچنا، اور کچھ چیزیں مکروہ ہیں، مثلاً زیب وزینت اختیار کرنا، جبکہ کچھ چیزیں سنت ومستحب، اور کچھ چیزیں مباح

---

[۱] الركن الأول :الإحرام:
الإحرام فى اللغة :الدخول فى الحرمة.
وفى الاصطلاح:
الإحرام بالحج :نية الحج عند الجمهور .
والنية مع التلبية وهى قول :لبيك اللهم -عند الحنفية.
والإحرام ركن من أركان الحج عند الجمهور.
وشرط من شروط صحته عند الحنفية .وهو عندهم شرط من وجه ركن من وجه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۴۹، مادة "حج")

وجائز ہیں، جن کا تفصیلی ذکر آگے آتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۳...... حنفیہ کے نزدیک حج یا عمرہ کے احرام کی پابندیاں صرف حج یا عمرہ کی نیت کر لینے سے شروع نہیں ہوجاتیں، یعنی صرف احرام کی نیت کر لینے سے انسان احرام میں داخل نہیں ہوجاتا، بلکہ نیت کرنے کے ساتھ ساتھ مخصوص ذکر جو اللہ کی تعظیم و بڑائی پر دلالت کرے، مثلاً تلبیہ پڑھنا بھی ضروری ہے۔

جیسا کہ نماز کے لئے نیت کرنے کے ساتھ ساتھ تکبیرِ تحریمہ پڑھنا بھی ضروری ہے۔

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسف کی روایت کے مطابق حج یا عمرہ کی پابندیوں کی نیت کر لینے سے احرام کی پابندیاں لازم ہوجاتی ہیں، نیت کے ساتھ کوئی مخصوص ذکر کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ [۲]

---

[۱] احرام کے واجبات کو واجباتِ اصلیہ کے مقابلہ میں واجباتِ غیر اصلیہ کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ حج کے اصلی واجبات میں سے نہیں ہیں، بلکہ احرام کے تابع ہوکر واجب ہیں، جیسا کہ واجبات کے ذیل میں اس کی تفصیل ذکر کر دی گئی ہے۔

أولا :واجبات الإحرام:

أ -كون الإحرام من الميقات المكاني، لا بعده (انظر إحرام ف ۳۱-۳۲)

ب -التلبية وهي واجبة عند المالكية ويسن قرنها بالإحرام، وشرط في الإحرام عند الحنفية، وسنة عند الجمهور (انظر إحرام :ف ۲۹)

ج -اجتناب محظورات الإحرام (انظر إحرام :ف ۳۱و۵۵ ـ ۹۴)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۵۹، مادة "حج")

[۲] البتہ حنفیہ کے نزدیک ہدی یعنی حج کی قربانی کے جانور کو ساتھ لے کر چلنا بھی مخصوص ذکر یا تلبیہ کے قائم مقام ہوجاتا ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اور اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ نیت یا اس کے قائم مقام عمل کے بغیر صرف تلبیہ پڑھنے سے احرام شروع نہیں ہوتا۔

الإحرام عند الحنفية هو الدخول في حرمات مخصوصة غير أنه لا يتحقق شرعا إلا بالنية مع الذكر أو الخصوصية.

والمراد بالدخول في حرمات :التزام الحرمات، والمراد بالذكر التلبية ونحوها مما فيه تعظيم الله تعالى.

والمراد بالخصوصية :ما يقوم مقامها من سوق الهدى، أو تقليد البدن.

تعريف المذاهب الثلاثة للإحرام:

أما تعريف الإحرام عند المذاهب الثلاثة :المالكية -على الراجح عندهم والشافعية والحنابلة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... احرام باندھنے یا احرام میں داخل ہونے کے معنیٰ ”مخصوص چادریں پہن لینے کے نہیں ہیں، جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں، کیونکہ احرام کو جس طرح مرد حضرات باندھتے ہیں، اسی طرح عورتیں بھی باندھتی ہیں، مگر عورتیں مرد حضرات کی طرح مخصوص چادریں نہیں پہنتیں، جس سے معلوم ہوا کہ احرام باندھنے کی حقیقت صرف چادریں پہن لینا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف احرام کی چادریں پہن لے، اور احرام کی نیت نہ کرے، اور نہ ہی احرام کی نیت سے تلبیہ پڑھے، تو اس کا احرام شروع نہیں ہوگا، اور وہ احرام میں داخل نہیں ہوگا۔

البتہ مرد حضرات کو احرام کی حالت میں جسم یا جسم کے اعضاء کے مطابق سِلے یا بُنے ہوئے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فهو :نية الدخول فی حرمات الحج والعمرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۲۹، مادة”إحرام“)

من معانی الإحرام فی اللغة :الإهلال بحج أو عمرة ومباشرة أسبابها، والدخول فی الحرمة .يقال: أحرم الرجل إذا دخل فی الشهر الحرام، وأحرم :دخل فی الحرم، ومنه حرم مكة، وحرم المدينة، وأحرم :دخل فی حرمة عهد أو ميثاق.

والحرم -بضم الحاء وسكون الراء :-الإحرام بالحج أيضا، وبالكسر :الرجل المحرم، يقال أنت حل، وأنت حرم.

والإحرام فی اصطلاح الفقهاء يراد به عند الإطلاق الإحرام بالحج، أو العمرة .وقد يطلق على الدخول فی الصلاة ويستعملون مادته مقرونة بالتكبيرة الأولى، فيقولون " :تكبيرة الإحرام " ويسمونها "التحريمة وتفصيل ذلك فی مصطلح (صلاة).

ويطلق فقهاء الشافعية الإحرام على الدخول فی النسك، وبه فسروا قول النووی فی المنهاج ": (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲،ص ۱۲۸، وص ۱۲۹،مادة”إحرام“، التعريف)

وروی عن أبی يوسف أنه يصير محرما بمجرد النية، وبه أخذ الشافعی(بدائع الصنائع، ج۲ص۱۶۳، فصل بيان مكان الاحرام)

ولا يصير شارعا بالنية وحدها قياسا على الصلاة، وروی عن أبی يوسف أن النية تكفی قياسا على الصوم بجامع أنهما عبادة كف عن المحظورات(البحرالرائق، ج۲ص۳۴۷، كتاب الحج، باب الاحرام)

وقد علم مما قرره المصنف أنه لا يكون محرما بمجرد النية من غير تلبية أو ما يقوم مقامها وهو المذهب وعن أبی يوسف أنه يكتفی بالنية ولا خلاف أن التلبية وحدها لا تكفی بلا نية(البحر الرائق، ج۲ص۳۸۳، كتاب الحج، باب القران)

کپڑے پہننا جائز نہیں ہوتا، اس لئے مرد حضرات احرام کے وقت میں سِلے ہوئے کپڑے اُتار کر مخصوص چادریں پہنتے ہیں۔

پس مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مرد حضرات کو احرام کی حالت میں سِلے ہوئے کپڑے نہ پہننا، احرام کی پابندیوں میں سے ایک پابندی ہے، جس طرح سے کہ احرام میں خوشبو کا استعمال نہ کرنا بھی احرام کی ایک پابندی ہے، اور اسی وجہ سے اگر کوئی حج یا عمرہ کے سفر پر جانے والا شخص احرام کی چادریں پہلے پہننا چاہتا ہے، اور ابھی احرام کی پابندیوں کو لازم نہیں کرنا چاہتا (کہ کہیں جہاز یا سیٹ وغیرہ منسوخ یا مؤخر نہ ہو جائے) اور وہ احرام کی چادریں اس نیت سے نہ پہنے کہ وہ احرام کی پابندیاں شروع کر رہا ہے، یا احرام میں داخل ہو رہا ہے، اور نہ ہی وہ احرام شروع کرنے کی نیت سے تلبیہ پڑھے، تو ایسا کرنے میں گناہ نہیں، اور وہ صرف چادریں پہننے اور باقی کام (مثلاً غسل وغیرہ) کرنے کی وجہ سے احرام میں داخل نہیں ہوگا، بلکہ احرام میں اس وقت داخل ہوگا، جب احرام کی نیت کرے گا، اور حنفیہ کے بقول ساتھ ہی تلبیہ بھی پڑھے گا، خواہ وہ (جہاز وغیرہ میں) سفر کرتے ہوئے اور چلتے چلتے ایسا کرے۔

مسئلہ نمبر ۵...... احرام خواہ عمرہ کے لئے ہو، یا فرض و نفل حج کے لئے، بہرحال احرام کا ہونا ضروری ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک احرام شرط کے درجہ کا فرض ہے، اور بعض حیثیات سے یہ رُکن کے درجہ کا فرض ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک احرام رُکن کے درجہ کا فرض ہے۔ [۱]

---

[۱] اور حنفیہ کے نزدیک احرام کے شرط ہونے کی وجہ سے حجِ تمتع یا قِران کرنے والا اگر عمرہ کا احرام حج کے مہینوں سے پہلے باندھ لے، لیکن عمرہ کے افعال یا اس کا رُکن یعنی طواف یا رُکن کا اکثر حصہ یعنی طواف کے کم از کم چار چکر حج کے مہینوں میں کرلے، تو مذکورہ احرام اور عمرہ کی وجہ سے اس کا حجِ تمتع یا قِران (جو بھی ہو) معتبر ہو جاتا ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک اگر عمرہ کا کوئی رکن بھی حج کے مہینے میں واقع ہوگیا، مثلاً سعی کا کم از کم ایک چکر جو کہ مالکیہ کے نزدیک رکن ہے، تو اس کا حج تمتع یا قِران (جو بھی ہو) واقع ہو جائے گا، اور حنابلہ و شافعیہ کے ایک قول کے مطابق حجِ تمتع یا قِران بننے کے لئے احرام اور عمرہ کے تمام اعمال کا حج کے مہینوں میں واقع ہونا ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶ ...... حج یا عمرہ کے لئے احرام کے فرض ہونے میں کئی حکمتیں ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾ ضروری ہے، کیونکہ ان کے نزدیک احرام، شرط کے بجائے رُکن میں داخل ہے، جبکہ ان کے ایک قول کے مطابق اگر عمرہ کا احرام حج کے مہینے شروع ہونے سے پہلے باندھا، لیکن عمرہ کے افعال حج کے مہینے میں ادا کئے، تو بھی حجِ تمتع یا حجِ قران (جو بھی ہو) معتبر ہوجاتا ہے، جیسا کہ حجِ تمتع کے بیان میں گزرا۔

اور اگر کوئی بچہ حج کا احرام باندھ لے، پھر احرام باندھنے کے بعد بالغ ہوجائے، اور اسی احرام میں حج کے افعال ادا کرلے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا حج حجۃ الاسلام نہیں بنتا، لیکن اگر وقوف سے پہلے احرام کی تجدید کرلے، اور حجۃ الاسلام کی نیت کرلے، تو اس کا حج حجۃ الاسلام بن جاتا ہے، اس حیثیت سے حنفیہ کے نزدیک احرام رُکن ہوا، یا رُکن کے مشابہ ہوا۔

حكم الإحرام :أجمع العلماء على أن الإحرام من فرائض النسك، حجا كان أو عمرة، وذلك لقوله صلى الله عليه وسلم :إنما الأعمال بالنيات متفق عليه لكن اختلفوا فيه أمن الأركان هو أم من الشروط. فمذهب المالكية والشافعية والحنابلة أن الإحرام ركن للنسك .وذهب الحنفية إلى أن الإحرام شرط من شروط صحة الحج، غير أنه عند الحنفية شرط من وجه ، ركن من وجه أو "هو شرط ابتداء ، وله حكم الركن انتهاء .ويتفرع على كون الإحرام شرطا عند الحنفية وكونه يشبه الركن فروع .منها:أجاز الحنفية الإحرام بالحج قبل أشهر الحج، مع الكراهة، لكون الإحرام شرطا عندهم، فجاز تقديمه على الوقت.

لو أحرم المتمتع بالعمرة قبل أشهر الحج، وأتى بأفعالها، أو بركنها، أو أكثر الركن -يعني أربعة أشواط من الطواف -في أشهر الحج يكون متمتعا عند الحنفية.

تفرع على شبه الإحرام بالركن عند الحنفية أنه لو أحرم الصبي، ثم بلغ بعدما أحرم، فإنه إذا مضى في إحرامه لم يجزه عن حجة الإسلام .لكن لو جدد الإحرام قبل الوقوف ونوى حجة الإسلام، جاز عن حجة الإسلام عند الحنفية اعتبارا لشبه الركن في هذه الصورة احتياطا في العبادة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۲۹، وص ۱۳۰، ماده،إحرام)

يشترط للمتمتع أن تكون عمرته في أشهر الحج، فإن اعتمر في غير أشهر الحج وحل منها قبل أشهر الحج ثم أحرم بالحج لا يكون متمتعا.

وهذا القدر متفق عليه بين الفقهاء إلا أن الحنفية أعطوا الأكثر حكم الكل فقالوا :لو طاف للعمرة أربعة أشواط في أشهر الحج يعتبر متمتعا وإن وقع الإحرام والأشواط الثلاثة قبل أشهر الحج.

وقال المالكية :يشترط فعل بعض ركن العمرة ولو شوطا من السعي في وقت الحج .فمن أدى شوطا من السعي وحل من عمرته في أشهر الحج ثم حج من عامه فهو متمتع،وإن حل من عمرته قبل أشهر الحج فليس بمتمتع .أما الحنابلة والشافعية في قول -فاشترطوا أن يكون الإحرام بالعمرة وأعمالها في أشهر الحج، فلو أحرم بها في غير أشهره لم يكن متمتعا، وإن وقعت أفعالها في أشهر الحج؛ لأنه أتى بالإحرام -وهو نسك لا تتم العمرة إلا به -في غير أشهر الحج فلم يكن متمتعا كما لو طاف في غير أشهر الحج .والقول الآخر للشافعية أنه لو أحرم بالعمرة في غير أشهر الحج وأتى بأفعالها في أشهر الحج يجب عليه دم التمتع؛ لأن عمرته في الشهر الذي يطوف فيه، واستدامة الإحرام في أشهر الحج بمنزلة ابتدائه فيها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص۸، مادة "تمتع")

کی تعظیم کا اظہار کرنا، اور حج یا عمرہ کا عمل ادا کرنے کے لئے اللہ کے حکم پر تلبیہ پڑھنا، اور اللہ کی عبادت اور پیروی کا اظہار کرنا، اور اللہ کے حکم کی پیروی میں ہر چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوجانا، اور ہر قسم کی پابندیوں کو برداشت کرنے کا خوگر ہوجانا، اور قبر وآخرت کا استحضار کرنا۔[1]

مسئلہ نمبر۷...... احرام صحیح ہونے کے لئے مسلمان ہونا اور احرام کی نیت کا ہونا ضروری ہے، اور حنفیہ کے نزدیک احرام کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھنا بھی ضروری ہے۔[2]

---

[1] فرضية الإحرام للنسك لها حكم جليلة، وأسرار ومقاصد تشريعية كثيرة، أهمها :استشعار تعظيم الله تعالى وتلبية أمره بأداء النسك الذى يريده المحرم، وأن صاحبه يريد أن يحقق به التعبد والامتثال لله تعالى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۳۰ مادة "إحرام"، حكمة تشريع الإحرام)

[2] پھر احرام باندھتے وقت نُسک (یعنی حج) کے فرض یا غیر فرض ہونے کی تعیین ضروری نہیں، اور اگر کوئی مطلق یعنی عام نیت کرے، اور اس نے اس سے قبل فرض حج ادا نہ کیا ہو، تو اس طرح کی نیت کے احرام سے حج کرنے کی صورت میں بالاتفاق اس کا فرض حج ادا ہوجاتا ہے۔
اور اگر اس نے نفل حج کی نیت کی، تو حنفیہ کے معتمد قول اور مالکیہ کے مذہب کے مطابق اس کا حج اس کی نیت کے مطابق واقع ہوتا ہے۔
اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسے شخص کا حج، حِجۃُ الاسلام یعنی فرض حج واقع ہوتا ہے۔
اور یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب نذر و منت کی وجہ سے کسی کے ذمہ حج لازم ہوگیا ہو، اور وہ نذر کی ادائیگی سے پہلے اگر نفل کی نیت سے حج کرے، تو بھی شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اس کے ذمہ میں نذر کی وجہ سے واجب شُدہ حج ادا ہوتا ہے۔
شروط الإحرام:يشترط الفقهاء لصحة الإحرام :الإسلام والنية .وزاد الحنفية، وهو المرجوح عند المالكية، اشتراط التلبية أو ما يقوم مقامها.
وقد اتفقوا على أنه لا يشترط فى النية للنسك الفرض تعيين أنه فرض فى النية، ولو أطلق النية ولم يكن قد حج حجة الفرض يقع عنها اتفاقا .بخلاف ما لو نوى حجة نفل فالمذهب المعتمد عند الحنفية وهو مذهب المالكية أنه يقع عما نوى.
وبهذا قال سفيان الثورى وابن المنذر، وهو رواية عن الإمام أحمد.
وأما الشافعية والحنابلة فقالوا :إن أحرم بتطوع أو نذر من لم يحج حجة الإسلام وقع عن حجة الإسلام .وبهذا قال ابن عمر وأنس .وقالوا :من حج عن غيره ولم يكن حج عن نفسه، رد ما أخذ، وكانت الحجة عن نفسه، وبهذا قال الأوزاعى.
استدل الحنفية ومن معهم " :بأن المطلق ينصرف إلى الفرد الكامل، فإن كان عليه حجة الإسلام يقع عنها استحسانا، فى ظاهر المذهب أى إذا أطلق ولم يعين" .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸......تلبیہ کے لغت میں معنیٰ پکارنے اور بُلانے والے کا جواب دینے کے آتے ہیں، جیسا کہ تعلیمی اداروں میں طلبہ کی حاضری کا نام پکارے جانے کے جواب میں لبیک کہا جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۹...... حنفیہ کے نزدیک احرام شروع ہونے کے لئے نیت اور تلبیہ دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا اگر کسی نے احرام کی نیت تو کی، لیکن تلبیہ نہیں پڑھا، یا تلبیہ تو پڑھا، لیکن احرام میں داخل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وجه الاستحسان " :أن الظاهر من حال من عليه حجة الإسلام أنه لا يريد بإحرام الحج حجة التطوع، ويبقى نفسه فى عهدة الفرض، فيحمل على حجة الإسلام، بدلالة حاله، فكان الإطلاق فيه تعيينا، كما فى صوم رمضان.

وقالوا فى اعتباره عما نواه من غير الفرض " :إنما أوقعناه عن الفرض عند إطلاق النية بدلالة حاله، والدلالة لا تعمل مع النص بخلافه.

ويشهد لهم نص الحديث المشهور الصحيح :وإنما لكل امرء ما نوى واستدل الشافعية والحنابلة بحديث ابن عباس رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول :لبيک عن شبرمة .قال :من شبرمة؟ قال :أخ لى، أو قريب لى .قال :حججت عن نفسک؟ قال :لا .قال :حج عن نفسک، ثم حج عن شبرمة .أخرجه أبو داود وابن ماجه وغيرهما .وفى رواية :اجعل هذه عن نفسک . . .فاستدلوا بها .وقد صحح النووى أسانيده، وتكلم فيه غيره، فرجح إرساله، ووقفه .

واستدلوا بحديث ابن عباس أيضا :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا صرورة فى الإسلام أخرجه أحمد وأبو داود واختلف فى صحته كذلک.

قال الخطابى فى معالم السنن " :وقد يستدل به من يزعم أن الصرورة لا يجوز له أن يحج عن غيره. وتقدير الكلام عنده :أن الصرورة إذا شرع فى الحج عن غيره صار الحج عنه، وانقلب عن فرضه، ليحصل معنى النفى، فلا يكون صرورة، وهذا مذهب الأوزاعى والشافعى وأحمد وإسحاق ." . . .

واستدلوا من المعقول " :أن النفل والنذر أضعف من حجة الإسلام، فلا يجوز تقديمهما عليها، كحج غيره على حجه ."وبقياس النفل والنذر على من أحرم عن غيره وعليه فرضه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۳۰، وص ۱۳۱ مادة "إحرام")

[1] التلبية:

التلبية لغة إجابة المنادى .والمراد بالتلبية هنا :قول المحرم " :لبيک اللهم لبيک " . . .أى إجابتى لک يا رب .ولم يستعمل "لبيک "إلا على لفظ التثنية .والمراد بها التكثير .والمعنى: أجبتک إجابة بعد إجابة، إلى ما لا نهاية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۳۲، مادة "إحرام")

ہونے کی نیت سے نہیں پڑھا، یا ایک وقت میں احرام کی نیت کی، مگر تلبیہ نہیں پڑھا، اور دوسرے وقت میں تلبیہ تو پڑھا، مگر احرام کی نیت سے نہیں پڑھا، تو ان صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک اس کا احرام شروع نہیں ہوگا۔

اور شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کی روایت کے مطابق حج یا عمرہ کے احرام کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھنا فرض یا واجب نہیں، البتہ سنت ہے، جیسا کہ گزرا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۰..... تلبیہ کے مشہور الفاظ وکلمات یہ ہیں کہ:

لَبَّيْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْکَ، لَبَّيْکَ لَا شَرِيْکَ لَکَ لَبَّيْکَ، إِنَّ

---

[1] حكم التلبية:

التلبية شرط في الإحرام عند أبي حنيفة ومحمد وابن حبيب من المالكية، لا يصح الإحرام بمجرد النية، حتى يقرنها بالتلبية أو ما يقوم مقامها مما يدل على التعظيم من ذكر ودعاء أو سوق الهدى. فإذا نوى النسك الذي يريده من حج أو عمرة أو هما معا ولبى فقد أحرم، ولزمه كل أحكام الإحرام الآتية، وأن يمضي، في أداء ما أحرم به.

والمعتمد عندهم "أنه يصير محرما بالنية لكن عند التلبية، كما يصير شارعا في الصلاة بالنية، لكن بشرط التكبير، لا بالتكبير.

وقد نقل هذا المذهب عن عبد الله بن مسعود، وابن عمر، وعائشة، وإبراهيم النخعي، وطاوس ومجاهد، وعطاء بل ادعى فيه اتفاق السلف .وذهب غيرهم إلى أن التلبية لا تشترط في الإحرام، فإذا نوى فقد أحرم بمجرد النية، ولزمته أحكام الإحرام الآتية، والمضي في أداء ما أحرم به.

ثم اختلفوا :فقال المالكية :هي واجبة في الأصل، والسنة قرنها بالإحرام .ويلزم الدم بطول فصلها عن النية .ولو رجع ولبى لا يسقط عنه الدم .وسواء أكان الترك أو طول الفصل عمدا أم نسيانا . وذهب الشافعية والحنابلة -وهو منقول عن أبي يوسف -إلى أن التلبية سنة في الإحرام مطلقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص١٣٢، مادة "إحرام")

وروى عن أبي يوسف أنه يصير محرما بمجرد النية، وبه أخذ الشافعي(بدائع الصنائع، ج٢ص١٦٣، فصل بيان مكان الاحرام)

ولا يصير شارعا بالنية وحدها قياسا على الصلاة، وروى عن أبي يوسف أن النية تكفي قياسا على الصوم بجامع أنهما عبادة كف عن المحظورات(البحرالرائق، ج٢ص٣٤٧، كتاب الحج، باب الاحرام)

وقد علم مما قرره المصنف أنه لا يكون محرما بمجرد النية من غير تلبية أو ما يقوم مقامها وهو المذهب وعن أبي يوسف أنه يكتفي بالنية ولا خلاف أن التلبية وحدها لا تكفي بلا نية(البحر الرائق، ج٢ص٣٨٣، كتاب الحج، باب القران)

اَلْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیْکَ لَکَ. [۱]

مسئلہ نمبر۱۱...... صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجِ ذیل تلبیہ پڑھنا بھی ثابت ہے کہ:

لَبَّیْکَ إِلٰهَ الْحَقِّ. [۲]

ان الفاظ میں بھی تلبیہ پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۱۲...... تلبیہ پڑھنا اس وقت کہلاتا ہے، جبکہ اس کے الفاظ زبان سے ادا کیے جائیں، زبان کو حرکت دیے بغیر دل ہی دل میں تصور کر کے تلبیہ پڑھنے کا اعتبار نہیں۔ [۳]

---

[۱] المقدار الواجب من لفظ التلبية:
الصيغة التى أوردها الفقهاء للتلبية :هى " :لبيك اللهم لبيك .لبيك لا شريك لك لبيك. إن الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك"
هذه الصيغة التى لزمها رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع، ولم يزد عليها والذى يحصل به أداء التلبية فى الإحرام عند الحنفية هو ما يحصل به التعظيم .فإن المشروط على الحقيقة عند الحنفية أن تقترن النية "بذكر يقصد به التعظيم، كتسبيح، وتهليل "ولو مشوبا بالدعاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۳۲، وص ۱۳۳، مادة "إحرام")

[۲] عن أبى هريرة، قال :كان من تلبية النبى صلى الله عليه وسلم " :لبيك إله الحق
(مسند احمد، رقم الحديث ۸۴۹۷)
فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط البخارى.

[۳] پھر اگر عربی میں تلبیہ کے الفاظ صحیح طرح ادا کرنے کی قدرت ہو، تو عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں تلبیہ کے کلمات کا ترجمہ یا مفہوم ادا کرنا جمہور کے نزدیک معتبر نہیں، البتہ حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے۔
اگر کوئی گونگا شخص ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کا نیت کرنے کے ساتھ ساتھ زبان سے تلبیہ کی ادائیگی کی حرکت کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
النطق بالتلبية:
يشترط لأداء التلبية أن تلفظ باللسان، فلو ذكرها بقلبه لم يعتد بها عند من يقول إنها شرط، ومن يقول إنها واجب، ومن يقول إنها سنة.
وتفرع على ذلك عند الحنفية فرعان:
الفرع الأول :لو كان لا يحسن العربية، فنطق بالتلبية بغير العربية، أجزأه اتفاقا .أما لو كان يحسن العربية، فنطق بها بغير العربية، فلا يجزئه عند الجمهور، خلافا للحنفية فى ظاهر المذهب .ودليلهم أنه ذكر مشروع، فلا يشرع بغير العربية، كالأذان والأذكار المشروعة فى الصلاة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۴۳...... حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک احرام کے لئے تلبیہ پڑھنے کا افضل وقت احرام کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک حج کی روانگی کے لئے سواری پر سوار ہوتے وقت تلبیہ پڑھنے کا افضل وقت ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۴۴...... اگر کوئی شخص احرام کی نیت کرتے وقت تلبیہ نہ پڑھے، البتہ کوئی ایسا ذکر زبان سے کرلے، جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم پائی جاتی ہو، مثلاً سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر، تو بھی حنفیہ کے نزدیک اس کے تلبیہ پڑھنے کا واجب ادا ہو جاتا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ودليل الحنفية أنه ذكر مقصود به التعظيم، فإذا حصل هذا المقصود أجزأه، ولو بغير العربية.
الفرع الثاني في الأخرس:
الأصح أنه عند الحنفية يستحب له تحريك لسانه بالتلبية مع النية، ولا يجب .وقيل :يجب تحريك لسانه، فإنه نص الإمام محمد على أنه شرط .
وعلى هذا "فينبغي "ألا يلزمه في الحج بالأولى، فإن باب الحج أوسع، مع أن القراء ة فرض قطعي متفق عليه، والتلبية أمر ظني مختلف فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۳۳، مادة "إحرام")

[1] وقت التلبية:
الأفضل عند الحنفية والحنابلة أن يلبي بنية الحج أو العمرة أو نيتهما معا عقب صلاته ركعتين سنة الإحرام، وبعد نية النسك .وإن لبى بعدما استوت به راحلته أو ركوبته جاز، إلى أن يبلغ نهاية الميقات، فإذا جاوز الميقات ولم يلب بنية النسك صار مجاوزا للميقات بغير إحرام عند الحنفية، ولزمه ما يلزم ذاك عندهم.
وعند الجمهور يستحب البدء بالتلبية إذا ركب راحلته، واستوت به، لكن يلزمه الدم عند المالكية إن تركها أو أخرها حتى طال الفصل بين الإحرام والتلبية كما تقدم (ف ۹) . ولا يلزمه شيء عند الشافعية والحنابلة لقولهم إن التلبية سنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۳۳، مادة "إحرام")

[2] ما يقوم مقام التلبية:
يقوم مقام التلبية عند الحنفية لصحة الإحرام أمران:
الأول :كل ذكر فيه تعظيم لله تعالى، كالتسبيح، والتحميد، والتكبير، ولو بغير اللغة العربية، كما سبق بيانه (ف ۱۰)
الثاني :تقليد الهدي وسوقه والتوجه معه .والهدي يشمل الإبل والبقر والغنم .لكن يستثنى من التقليد الغنم، لعدم سنية تقليد الغنم عند الحنفية .(ر :هدي) والتقليد هو أن يربط في عنق البدنة أو البقرة علامة على أنه هد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۳۴، مادة "إحرام")

مسئلہ نمبر۱۵...... حنفیہ کے نزدیک ہدی یعنی حج کی قربانی کے جانور کو ساتھ لے کر چلنا بھی مخصوص ذکر یا تلبیہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے، جیسا کہ پہلے زمانے میں ہوتا تھا۔

لہٰذا اگر کوئی احرام کی نیت سے حج کی قربانی کا جانور ساتھ لے کر چلے، اور تلبیہ نہ پڑھے، تو بھی حنفیہ کے نزدیک اس کا احرام شروع ہو جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۶...... احرام تین طرح کا باندھا جاتا ہے۔ایک حجِ افراد یعنی تنہا حج کا، دوسرا صرف عمرہ کا، تیسرا حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنے کا، جس کی ایک صورت حجِ تمتع کہلاتی ہے، اور دوسری صورت حجِ قران کہلاتی ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر ذکر کر دی گئی ہے۔ [2]

---

[1] کیونکہ ہدی کا ساتھ لے کر چلنا بھی اللہ تعالیٰ کی اظہارِ تعظیم میں داخل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب (سورة الحج، رقم الآية ٣٢)

اور چند آیات کے بعد ارشاد ہے کہ:

والبدن جعلناها لكم من شعائر الله (سورة الحج، رقم الآية ٣٦)

تاہم اگر وہ ہدی ساتھ لے کر نہ چلے، بلکہ کسی اور کے ہاتھ روانہ کر دے، تو اگر وہ حاجی میقات سے پہلے اس ہدی کو پالے، اور پھر اس کو ساتھ لے کر چلے، تو پھر اسی وقت احرام شروع ہوتا ہے، اور اگر وہ ہدی تمتع یا قران کی ہو، اور اس کو اشہر حج میں قلادہ وپٹہ ڈال کر کسی کے ہاتھ روانہ کر دے، تو پھر احرام کی نیت سے چلنے سے ہی احرام شروع ہو جاتا ہے، اگرچہ اس ہدی کو نہ بھی پا سکے۔

شروط إقامة تقليد الهدى وسوقه مقام التلبية:

يشترط: النية.

سوق البدنة والتوجه معها.

يشترط -إن بعث بها ولم يتوجه معها -أن يدركها قبل الميقات ويسوقها، إلا إذا كان بعثها لنسك متعة أو قران، وكان التقليد في أشهر الحج، فإنه يصير محرما إذا توجه بنية الإحرام وإن لم يلحقها، استحسانا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص١٣٤، مادة "إحرام")

[2] **الفصل الثالث حالات الإحرام:**

ينقسم الإحرام بحسب ما يقصد المحرم أداء ه به من النسك إلى ثلاثة أقسام :

الإفراد للحج أو العمرة أو الجمع بين النسكين، وهو إما تمتع أو قران.

الإفراد: هو اصطلاحا :أن يهل -أي ينوى -في إحرامه الحج فقط، أو العمرة فقط.

القران :القران عند الحنفية :هو أن يجمع الآفاقي بين الحج والعمرة متصلا أو منفصلا قبل أكثر طواف العمرة، ولو من مكة، ويؤدي العمرة في أشهر الحج .

وعند المالكية :أن يحرم بالحج والعمرة معا، بنية واحدة، أو نيتين مرتبتين يبدأ فيهما بالعمرة، أو يحرم بالعمرة ويردف الحج عليها قبل طوافها أو بطوافها . ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۷...... اگر کوئی احرام شروع کرتے وقت حج یا عمرہ میں سے کسی ایک کی نیت کی تعیین نہ کرے، تو اس کا احرام پھر بھی شروع ہوجاتا ہے، اور اس پر احرام کی پابندیاں لازم ہوجاتی ہیں۔ [۱]

لیکن حج یا عمرہ کے اعمال شروع کرنے سے پہلے اس پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اس احرام کو حج یا عمرہ کسی ایک یا دونوں کے لئے حسبِ منشا مختص ومتعین کرلے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وعند الشافعية :القران أن يحرم بالعمرة والحج جميعا، أو يحرم بعمرة فى أشهر الحج ثم يدخل الحج عليها قبل الطواف .

ومثل ذلک عند الحنابلة إلا أنهم لم يشترطوا الإحرام فى أشهر الحج

التمتع:التمتع عند الحنفية :هو الترفق بأداء النسكين فى أشهر الحج فى سنة واحدة، من غير إلمام بينهما بأهله إلماما صحيحا.

والإلمام الصحيح :هو الذى يكون فى حالة تحلله من عمرته، وقبل شروعه فى حجته.

وعند المالكية :التمتع هو أن يحرم بعمرة، ثم يحل منها فى أشهر الحج، ثم يحج بعدها . وعند الشافعية :أن يحرم بالعمرة من ميقات بلده ويفرغ منها ثم ينشء حجا .

وعند الحنابلة :أن يحرم بعمرة فى أشهر الحج ثم يحرم بالحج من أين شاء بعد فراغه منها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۴۰، ۱۴۱، مادة "إحرام")

[۱] حالات الإحرام من حيث إبهام النية وإطلاقها:

إبهام الإحرام، تعريفه:

هو أن ينوى مطلق نسک من غير تعيين، كأن يقول :أحرمت لله، ثم يلبى، ولا يعين حجا أو عمرة، أو يقول :نويت الإحرام لله تعالى، لبيک اللهم. .، أو ينوى الدخول فى حرمات نسک، ولم يعين شيئا .فهذا الإحرام صحيح باتفاق المذاهب .ويترتب عليه كل أحكام الإحرام، وعليه اجتناب جميع محظوراته، كالإحرام المعين ويسمى هذا إحراما مبهما، ويسمونه أيضا إحراما مطلقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۳۴، مادة "إحرام"، الفصل الثانى)

[۲] پھر حنفیہ کے نزدیک طواف شروع کرنے سے پہلے حج یا عمرہ کے لئے اگر تعیین کرلی، تو یہ احرام اسی عمل کے لئے مختص ہوجائے گا، اور اگر اس نے بیتُ اللہ کا طواف بغیر تعیین کئے ہوئے کرلیا، تو پھر اس کا یہ احرام عمرہ کے لئے واقع ہوجائے گا۔

اور اگر اس نے طواف نہیں کیا، اور سیدھا وقوفِ عرفہ کرلیا، تو پھر اس کا یہ احرام حج کے لئے واقع ہوجائے گا۔

اور مالکیہ کے نزدیک اور صاحبین کی ایک روایت کے مطابق اس کو تعیین کرنے سے پہلے کوئی عمل کرنا جائز نہیں، اور اگر اس نے تعیین سے پہلے طواف کرلیا، تو اس کا یہ احرام حجِ افراد کے لئے واقع ہوجائے گا، اور اس کا یہ طواف، طوافِ قدوم کہلائے گا۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نُسک شروع کرنے سے پہلے تعیین ضروری ہے، اور بغیر تعیین کے کوئی عمل بھی حج یا عمرہ کا رکن یا نُسک نہیں کہلائے گا، اور اس کی ادائیگی درست ومعتبر نہیں ہوگی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... اگر کوئی شخص دوسرے کے احرام کے مطابق اپنا احرام باندھے، مثلاً یہ نیت کرے کہ دوسرے نے جس طرح کا احرام باندھا ہے، اسی طرح کا احرام میں بھی باندھتا ہوں، تو بھی اس کا احرام اس دوسرے شخص کے احرام کے مطابق منعقد و معتبر ہو جاتا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تعيين النسک:

ثـم عـلـى هـذا الـمحرم التعيين قبل أن يشرع فى أفعال أحدهما، وله أن يجعله للعمرة، أو للحج، أو لهـمـا معا حسبما يشاء .وتـرجـع الأفـضـلية فيـما يختاره ويعينه إلى خلاف المذاهب فى أى أوجه الإحرام أفضل :الـقـران، أو التـمتع، أو الإفراد، وإلى حكم الإحرام بالحج قبل أشهر الحج، إن وقع هذا الإحرام قبل أشهر الحج، وأراد التعيين قبلها واختلفوا فى كيفية التعيين.

فـقال الحنفية :إن عيـن مـا يـريـده قبـل الـطـواف فالعبرة لهذا التعيين، وإن لم يعين ثم طاف بالبيت للعمرة، أو مطلقا بغير تعيين ولو شوطا، جعل إحرامه للعمرة، فيتم مناسک العمرة، ثم يحرم بالحج ويصير متمتعا .وعـلة جعله للعمرة "أن الـطـواف ركن فى العمرة، وطواف القدوم فى الحج ليس بركن، بل هو سنة، فإيقاعه عن الركن أولى، وتتعين العمرة بفعله كما تتعين بقصده ."

أمـا إن لـم يـعيـن، ولم يطف بالبيت، بل وقف بعرفة قبل أن يطوف، فينصرف إحرامه للحج .وإن لم يـقـصـد الـحج فى وقوفه، فإنه ينصرف إلى الحج شرعا، وعليه أن يتمم مناسک الحج .هذا معتمد مذهب الحنفية.

ومذهب المالكية، وهو رواية عن أبى يوسف ومحمد، أنه لا يفعل شيئا إلا بعد التعيين، فإن طاف قبل أن يـصـرف إحرامه لشىء -سـواء أكـان أحـرم فى أشهر الحج أم لا -وجـب صـرفـه للحج مفردا، ويكون هذا الطواف الواقع قبل الصرف والتعيين طواف القدوم، وهو ليس ركنا من أركان الحج فلا يـضر وقوعه قبل الصرف .ولا يـصـح صـرف ذلک الإحرام لعمرة بعد الطواف؛ لأن الطواف ركن منها، وقد وقع قبل تعيينها .

أمـا الشافعية والحنابلة فيشترطون التعيين قبل الشروع بأى عمل من المناسک .فلو عمل شيئا من أركـان الـحـج أو الـعـمرة قبل التعيين، لم يجزئه، ولـم يصح فعله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ١٣٤، وص ١٣٥، مادة "إحرام")

[۱] الإحـرام بـإحرام الغير: هو أن ينوى المحرم فى إحرامه مثل ما أحرم به فلان، بأن يكون قاصدا مرافقته، أو الاقتداء به لعلمه وفضله.

فيقول: اللهم إنى أهل أو أحرم أو أنوى مثل ما أهل أو نوى فلان، ويلبى.

فهـذا الإحـرام صـحـيـح، ويـنعقد على مثل ما أحرم به ذلک الشخص عند الجمهور وظاهر مذهب المالكية.

ودليـلهـم حـديـث عـلـى رضى الله عنه أنه قدم من اليمن ووافى النبى صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۹...... اگر کوئی شخص حج یا عمرہ یا حجِ قِران کا متعین احرام باندھنے کے بعد یہ بھول جائے کہ اس نے عمرہ یا حج کا احرام باندھا ہے، یا حجِ قِران کا، تو حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس پر حج وعمرہ لازم ہوجائے گا، اور اسے حجِ قِران کرنا پڑے گا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲۰...... اگر کوئی مشروط احرام باندھے، مثلاً احرام باندھتے وقت یہ کہے کہ اگر مجھے کوئی رکاوٹ پیش آ گئی، یا فلاں عذر وعارضہ پیش آ گیا، تو میں اسی وقت حلال ہوجاؤں گا، یا میرے احرام کی پابندیاں ختم ہوجائیں گی، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک احرام میں اس طرح کی شرط لگانا درست ومعتبر نہیں ہوتا۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس طرح کی شرط لگانا درست ومعتبر ہوجاتا ہے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فقال له النبی صلی الله علیه وسلم :بم أهللت؟ قال :بما أهل به النبی صلی الله علیه وسلم .فقال: لولا أن معی الهدی لأحللت.

زاد فی روایة :قال :فأهد وامكث حراما كما أنت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۳۵، وص۱۳۶، مادة "إحرام")

[۱] جبکہ حنابلہ کے نزدیک اُسے اس احرام کو حج یا عمرہ کسی ایک نُسک کی طرف پھیرنے کا اختیار ہوگا، اور ان کے نزدیک ایسے شخص کو عمرہ کی طرف پھیرنا مندوب ہے۔

نسیان ما أحرم به:

من أحرم بشیء معین، مثل حج، أو عمرة، أو قران، ثم نسی ما أحرم به، لزمه حج وعمرة .ویعمل عمل القران فی المذاهب الثلاثة :الحنفی والمالكی والشافعی .

وذهب الحنابلة إلی أنه یصرف إحرامه إلی أی نسک شاء ، ویندب صرفه إلی العمرة خاصة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۸۰، مادة "إحرام" نسیان ما أحرم به)

[۲] بلکہ حنابلہ کے نزدیک احرام باندھنے والے کے لئے، خواہ وہ عمرہ کا احرام باندھے یا حج کا، اس طرح کی شرط لگالینا مستحب ہے، اور حنابلہ کے نزدیک اس شرط سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں، ایک یہ کہ جب اسے کوئی دشمن یا بیماری وغیرہ کی رکاوٹ پیش آ جائے، تو اس کو احرام سے نکلنا جائز ہوجاتا ہے، دوسرے یہ کہ احرام سے نکلنے کی صورت میں اس پر نہ تو کوئی دَم واجب ہوتا، اور نہ کوئی روزہ وغیرہ واجب ہوتا، خواہ وہ مانع ورکاوٹ دشمن کی شکل میں ہو یا بیماری کی شکل میں یا کسی اور شکل میں۔

حنابلہ اور شافعیہ کی دلیل حضرت ضباعہ بنتِ زبیر رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ وہ حدیث ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حج کے ساتھ اس طرح کی شرط لگانے کا حکم دیا تھا، والناس علی شروطهم، کمافی الحدیث الصحیح.

وهو الراجح عندی فیما بینی وبین الله.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۱...... ایک احرام شروع کرنے کے بعد اس کو شرعی طریقہ پر ختم کئے بغیر دوسرا احرام شروع کرنا جائز نہیں ہوتا، جیسا کہ کسی نے پہلے صرف حج کا احرام باندھا، پھر حج کے احرام سے نکلے بغیر عمرہ کا احرام باندھ لیا، تو اس طرزِ عمل سے پرہیز کرنا چاہئے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الاشتراط فی الإحرام أن یقول عند إحرامه " :إن حبسنی حابس، فمحلی حیث حبستنی ."
ذهب الشافعیة إلی صحة الاشتراط، وأنه یفید إباحة التحلل من الإحرام عند وجود الحابس کالمرض، فإذا لم یشترط لم یجز له التحلل ثم إن اشترط فی التحلل أن یکون مع الهدی وجب الهدی، وإن لم یشترط فلا هدی علیه .علی تفاصیل تجدها فی بحث الإحصار.
وتوسع الحنابلة فقالوا :یستحب لمن أحرم بنسک حج أو عمرة أن یشترط عند إحرامه .ویفید هذا الشرط عندهم شیئین: أحدهما :إذا عاقه عدو أو مرض أو غیرهما یجوز له التحلل .الثانی :أنه متی أحل بذلک فلا دم علیه ولا صوم، سواء أکان المانع عدوا، أو مرضا، أو غیرهما.
وذهب الحنفیة والمالکیة إلی عدم صحة الاشتراط، وعدم إفادته للتحلل عند حصول المانع له، بل یأخذ حاله حکم ذلک المانع، علی ما هو مقرر فی مبحث الإحصار، استدل الشافعیة والحنابلة بحدیث عائشة رضی الله عنها قالت :دخل النبی صلی الله علیه وسلم علی ضباعة بنت الزبیر، فقالت :یا رسول الله إنی أرید الحج وأنا شاکیة؟ فقال النبی صلی الله علیه وسلم :حجی واشترطی أن محلی حیث حبستنی .متفق علیه.
واستدل الحنفیة والمالکیة بالآیة الکریمة، وهی :قوله تعالی (فإن أحصرتم فما استیسر من الهدی)
(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲، ص ۱۳۶، مادة "إحرام"، الاشتراط فی الإحرام)

[1] پھر اگر کسی نے عمرہ کے احرام پر حج کے احرام کا اضافہ کیا، تو اس صورت میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل عبارت میں مذکور ہے، اور اگر کسی نے حج کے احرام پر عمرہ کے احرام کا اضافہ کیا، تو مالکیہ اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حج کے احرام پر عمرہ کے احرام کا اضافہ صحیح نہیں ہوتا۔
اور حنفیہ کے نزدیک صحیح تو ہو جاتا ہے، مگر مکروہ ہوتا ہے۔
اور اگر کسی نے دو حج یا دو عمروں کا ایک ساتھ احرام باندھا، تو مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان میں سے ایک کا احرام منعقد ہو جائے گا، اور دوسرا لغو ہو جائے گا۔
اور حنفیہ کے نزدیک دونوں کا احرام منعقد ہو جائے گا، اور اس پر ان دونوں میں سے ایک کی قضا واجب ہو جائے گی۔
إضافة الإحرام إلی الإحرام:
أولا :إضافة إحرام الحج إلی العمرة وهو أن یحرم بالعمرة أولا، ثم بالحج قبل أن یطوف لها، أو بعدما طاف قبل أن یتحلل منها.
وتتنوع صور إضافة إحرام الحج إلی العمرة بحسب حال إضافته، وبحسب حال المحرم، وتأخذ کل صورة حکمها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۲...... نابالغ بچہ پر حج کرنا ضروری تو نہیں، لیکن اگر وہ حج یا عمرہ کرے، تو اس کا حج

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وللحنفية تفصيل خاص فى هذا، لقولهم بكراهة القران للمكى، وأنه إن فعله جاز وأساء ، وعليه دم جبر لإساء ته هذه .كما أن للمذاهب الأخرى تفصيلا بحسب آرائهم فى مسائل من الإحرام وأوجه الإحرام .والتفصيل عند الحنفية :أن المحرم إما أن يكون مكيا أو آفاقيا.

وأما بالنسبة لحال إضافة الإحرام بالحج إلى العمرة فعلى وجوه.

الوجه الأول :أن يدخل الحج على العمرة قبل أن يطوف للعمرة:

أ -إن كان آفاقيا صح ذلك، بلا كراهة، وكان قارنا، باتفاق المذاهب .بل هو مستحب، على ما صرح به الحنفية، لحمل فعله صلى الله عليه وسلم على ذلك، على ما حققه ابن حزم وغيره، وتبعه النووى وغيره.

ومما يدل على جواز ذلك حديث عائشة فى حجة النبى صلى الله عليه وسلم وفيه قولها :وكنت ممن أهل بعمرة فحضت قبل أن أدخل مكة، فأدركنى يوم عرفة وأنا حائض، فشكوت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال :دعى عمرتك، وانقضى رأسك، وامتشطى، وأهلى بالحج .... متفق عليه .وعلل المالكية صحة إرداف الحج على العمرة بقولهم " :لقوته وضعفها ."

ب -وإن كان مكيا (أو ميقاتيا) فترتفض عمرته اتفاقا عند الحنفية، وعليه دم الرفض؛ لأن الجمع بين النسكين غير مشروع للمكى عندهم، "والنزوع عن المعصية لازم "ويرفض العمرة هنا؛ لأنها أقل عملا، والحج أكثر عملا .فكانت العمرة أخف مؤنة من الحجة، فكان رفضها أيسر، ولأن المعصية حصلت بسببها؛ لأنها هى التى دخلت فى وقت الحج، فكانت أولى بالرفض .ويمضى حجته .وعليه دم لرفض عمرته .وعليه قضاء العمرة ."

أما غير الحنفية فحكم الآفاقى والمكى عندهم سواء فى صحة الإحرامين وصيرورته قارنا، تبعا لمذهبهم فى تجويز القران للمكى على تفصيل يأتى .(ف ٣٠)

لكن شرط المالكية والشافعية أن تكون العمرة صحيحة .وهذا شرط لصحة الإرداف فى جميع صوره عند المالكية، وعند الحنفية شرط لصحة القران فقط وزاد الشافعية اشتراط أن يكون إدخال الحج عليها فى أشهر الحج.

الوجه الثانى :أن يدخل الحج على العمرة بعد أن طاف شيئا قليلا، على ألا يتجاوز أقل أشواط طواف العمرة، أى ثلاثة أشواط فما دون ذلك .فمذهب الحنفية فى ذلك:

أ -إذا كان آفاقيا كان قارنا.

ب -وإن كان مكيا (أى ميقاتيا) : وجب عليه رفض أحد النسكين، على التحقيق فى عبارات فقهاء الحنفية ، وإنما اختلفوا فى أى الرفضين أولى :قال أبو حنيفة :يرفض الحج .وعليه لرفضه دم . وعليه حجة وعمرة ؛ لأنه مثل فائت الحج، وحكم فائت الحج أنه يتحلل بعمرة، ثم يأتى بالحج من قابل حتى لو حج فى سنته سقطت العمرة؛ لأنه حينئذ ليس فى معنى فائت الحج، بل كالمحصر، إذا تحلل ثم حج من تلك السنة، فإنه حينئذ لا تجب عليه عمرة، بخلاف ما إذا تحولت السنة ، فإنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وعمرہ صحیح ہوجاتا ہے، اوراس کا حج وعمرہ نفل بنتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تجب عليه العمرة مع حجته.

وقال أبو يوسف ومحمد :رفض العمرة أحب إلينا، ويقضيها دون عمرة أخرى، وعليه دم للرفض.

وكذلك هو الحكم عند أبي حنيفة لو اختار هذا المحرم رفض العمرة.

استدل أبو حنيفة على استحباب رفض الحج بأن "إحرام العمرة قد تأكد بأداء شيء من أعمالها، وإحرام الحج لم يتأكد، ورفض غير المتأكد أيسر.

ولأن في رفض العمرة -والحالة هذه -إبطال العمل، وفي رفض الحج امتناع عنه والامتناع أولى من الإبطال، واستدل الصاحبان على أن رفض العمرة أولى " :بأنها أدنى حالا وأقل أعمالا، وأيسر قضاء، لكونها غير مؤقتة.

وقال المالكية والحنابلة .يصح هذا الإرداف .ويصير قارنا، ويتابع على ذلك .وتندرج العمرة في الحج.

أما الشافعية وهو قول أشهب من المالكية -فقالوا :يصح إدخال الحجة على العمرة قبل الشروع في الطواف، فلو شرع في الطواف ولو بخطوة فإنه لا يصح إحرامه بالحج.

واستدلوا على ذلك :بأنه "لاتصال إحرامها بمقصوده، وهو أعظم أفعالها، فلا ينصرف بعد ذلك إلى غيرها ."لكن الشافعية قرروا أنه "لو استلم الحجر بنية الطواف فالأوجه جواز الإدخال، إذ الاستلام مقدمة الطواف لا بعضه ."

الوجه الثالث :أن يدخل الحج على العمرة بعد أن يطوف أكثر أشواط طواف العمرة .فهذا حكمه عند الحنفية حكم ما لو أكمل الطواف الآتي في الوجه الرابع التالي؛ لأن للأكثر حكم الكل عندهم. وعند الجمهور حكمه حكم الوجه الثاني السابق.

الوجه الرابع :أن يدخل الحج على العمرة بعد إكمال طواف العمرة قبل التحلل .مذهب الحنفية التفصيل المتقدم في الوجه الثاني.

وفصل المالكية تفصيلا آخر فقالوا : أ -إرداف الحج على العمرة بعد طوافها قبل ركعتي الطواف مكروه .فإن فعله صح، ولزمه، وصار قارنا، وعليه دم القران.

ب -إرداف الحج على العمرة بعد أن طاف وصلى ركعتي الطواف قبل السعي مكروه، ولا يصح، ولا يكون قارنا .وكذلك الإرداف في السعي، إن سعى بعض السعي وأردف الحج على العمرة كره له ذلك .فإن فعل فليمض على سعيه، فيحل، ثم يستأنف الحج، سواء أكان من أهل مكة أم غيرها .وحيث إن الإرداف لم يصح بعد الركوع وقبل السعي أو في أثنائه فلا يلزم قضاء الإحرام الذي أردفه على المشهور.

ج -إرداف الحج على العمرة بعد السعي للعمرة قبل الحلق لا يجوز الإقدام عليه ابتداء ؛ لأنه يستلزم تأخير الحلق . فإن أقدم على إرداف الإحرام في هذا الحال فإن إحرامه صحيح، وهذا حج مستأنف .ويحرم عليه الحلق للعمرة، لا خلاله بإحرام الحج، ويلزمه هدى لتأخير حلق العمرة الذي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب اگر کوئی بچہ سمجھدار ہے، جو بات کو سمجھتا ہے، اور جواب بھی دیتا ہے، تو اس کا حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خود سے احرام باندھنا درست ہوجاتا ہے، خواہ اس کا ولی وسرپرست اجازت دے یا اجازت نہ دے، اور اس کی طرف سے اس کے ولی اور سرپرست کا خود سے احرام باندھنا صحیح نہیں ہوتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجب عليه بسبب إحرامه بالحج، ولا يكون قارنا ولا متمتعا ، إن أتم عمرته قبل أشهر الحج، بل يكون مفردا .وإن فعل بعض ركنها في وقت الحج يكون متمتعا . ولو قدم الحلق بعد إحرامه بالحج وقبل فراغه من أعمال الحج فلا يفيده في سقوط الهدى، ولا بد من الهدى، وعليه حينئذ فدية أيضا . وهى فدية إزالة الأذى عند المالكية . ومذهب الشافعية والحنابلة أنه لا يصح إدخال الحج على العمرة بعد الطواف، لما ذكرنا من العلة فى الصورة السابقة .وبعد السعى لا يصح، من باب أولى.

إلا أن الحنابلة استثنوا من كان معه هدى فقالوا " : يصح إدخال الحج على العمرة ممن معه هدى، ولو بعد سعيها، بل يلزمه كما يأتى؛ لأنه مضطر إليه لقوله تعالى (ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله) ويصير قارنا على المذهب.

وقال فى الفروع، وشرح المنتهى فى موضع آخر :لا يصير قارنا، ولو كان إدخال الحج على العمرة فى غير أشهر الحج يصح على المذهب، لصحة الإحرام به قبلها عند الحنابلة.

ثانيا:إضافة إحرام العمرة إلى الحج:ذهب المالكية والشافعية فى الجديد وهو الأصح فى المذهب -والحنابلة إلى أنه لا يصح إحرامه بالعمرة بعدما أحرم بالحج .وعلى ذلك لا يصير قارنا، ولا يلزمه دم القران، ولا قضاء العمرة التى أهل بها .وبه قال إسحاق بن راهويه وأبو ثور وابن المنذر،وصرح الحنفية والمالكية بكراهة هذا العمل، لكن قال الحنفية بصحة الإحرام على تفصيل نذكره.

ثالثا:الإحرام بحجتين معا أو عمرتين معا:إن أحرم بحجتين أو عمرتين انعقد بإحداهما ولغت الأخرى .وهذا مذهب المالكية والشافعية والحنابلة؛ لأنهما عبادتان لا يلزمه المضى فيهما، فلم يصح الإحرام بهما .وعلى هذا لو أفسد حجه أو عمرته لم يلزمه إلا قضاؤها.

ومذهب أبى حنيفة أن الإحرام ينعقد بهما، وعليه قضاء إحداهما؛ لأنه أحرم بها ولم يتمها .وفى الموضوع تفصيلات وفروع لا حاجة إلى إيرادها هنا لندرة وقوعها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۳٦ الیٰ ۱۴۰، مادة "إحرام")

[1] (قوله وظاهره) أى ظاهر قول المبسوط أو أحرم عنه أبوه بإعادة الضمير إلى الصبى العاقل لكن تأمله مع قول اللباب، وكل ما قدر الصبى عليه بنفسه لا تجوز فيه النيابة اهـ وكذا ما فى جامع الأسروشنى عن الذخيرة قال محمد فى الأصل والصبى الذى يحج له أبوه يقضى المناسك ويرمى الجمار وأنه على وجهين الأول إذا كان صبيا لا يعقل الأداء بنفسه، وفى هذا الوجه إذا أحرم عنه أبوه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نابالغ سمجھ دار بچہ کا احرام اس کے ولی وسرپرست کی اجازت سے ہی منعقد ومعتبر ہوتا ہے، بلکہ شافعیہ کے نزدیک زیادہ صحیح قول کے مطابق بچہ کے ولی کا اس بچہ کی طرف سے خود احرام باندھنا بھی درست ہوتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲۳...... جو بچہ نابالغ ہونے کے ساتھ ساتھ نا سمجھ ہو، جو بات کو نہ سمجھے اور جواب نہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جاز وإن كان يعقل الأداء بنفسه يقضي المناسك كلها يفعل مثل ما يفعله البالغ اهـ فهو كالصريح في أن إحرامه عنه إنما يصح إذا كان لا يعقل (ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۶، كتاب الحج)

وينبغي الجمع بينهما بحمل الأول على مجنون ليس له قابلية النية في الإحرام كالصبي الذي لا يعقل والثاني على الذي له بعض الإدراكات الشرعية وعلى صحة حج الصبي الغير المميز إذا ناب عنه وليه في النية كذا في شرح لباب المناسك لمنلا على القاري (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ص۳۳۴، وص۳۳۵، كتاب الحج، واجبات الحج)

[۱] مشروعية حج الصبي وصحة إحرامه:

اتفق العلماء على صحة حج الصبي، وعمرته، وأن ما يؤديه من عبادة أو من حج أو من عمرة يكون تطوعا، فإذا بلغ وجب عليه حجة فرض الإسلام .وإذا كان أداء الصبي للنسك صحيحا كان إحرامه صحيحا قطعا.

صفة إحرام الصبي:

ينقسم الصبي بالنسبة إلى مرحلة صباه إلى قسمين :صبي مميز، وصبي غير مميز .وضابط المميز: هو الذي يفهم الخطاب ويرد الجواب، دون اعتبار للسن.

أما الصبي المميز :فعند الحنفية والمالكية ينعقد إحرامه بنفسه، ولا تصح النيابة عنه في الإحرام، لعدم جواز النيابة عند عدم الضرورة .ولا تتوقف صحة إحرامه على إذن الولي، بل يصح إحرامه بإذن الولي، وبغير إذن الولي، لكن إذا أحرم بغير إذن الولي فقد صرح المالكية أن للولي تحليله، وله إجازة فعله وإبقاؤه على إحرامه بحسب ما يرى من المصلحة .فإن كان يرتجي بلوغه فالأولى تحليله ليحرم بالفرض بعد بلوغه .فإن أحرم بإذنه لم يكن له تحليله، أما إذا أراد الولي الرجوع عن الإذن قبل الإحرام فقال الحطاب " :الظاهر أن له الرجوع، لا سيما إذا كان لمصلحته ."

ولم يصرح بذلك الحنفية .ولعله يدخل في الإحصار بمنع السلطان عندهم.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه لا ينعقد إحرامه إلا بإذن وليه، بل قال الشافعية :يصح إحرام وليه عنه، على الأصح عندهم في المسألتين .أما عند الحنابلة فلا يحرم عنه وليه لعدم الدليل .ويفعل الصبي الصغير المميز كل ما يستطيع أن يفعله بنفسه، فإن قدر على الطواف علمه فطاف، وإلا طيف به، وكذلك السعي وسائر المناسك .ولا تجوز النيابة عنه فيما قدر عليه بنفسه، وكل ما لا يقدر الصبي على أدائه ينوب عنه وليه في أدائه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۴۸، مادة "إحرام"إحرام الصبي، صفة إحرام الصبي)

دے، تو اس کا خود سے احرام باندھنا تو درست ومعتبر نہیں۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک اس کے ولی کا اس کی طرف سے احرام باندھنا صحیح ہے، مثلاً ولی تلبیہ پڑھنے کے ساتھ یہ نیت کرے کہ میں نے اس بچہ کو حج یا عمرہ (جو بھی پیشِ نظر ہو) کے احرام میں داخل کر دیا، اور اس کے بعد اس بچہ کا ولی، بچہ کو ساتھ لے کر حج کے مناسک ادا کرے، اور اگر وہ بچہ، لڑکا ہو، تو اس کے سِلے ہوئے کپڑے بھی اتار دے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۴...... اگر کسی نابالغ بچہ کا والد یا ولی بچہ کو احرام بندھوا کر اس کو حج کرائے، تو بچہ کے ولی یا والد کو چاہئے کہ بچہ کو احرام کی ممنوع چیزوں سے بچائے، لیکن اگر بچہ احرام یا حج کی کوئی خلاف ورزی کرے، تو حنفیہ کے نزدیک اس بچہ پر یا اس بچہ کی طرف سے اس کے ولی یا والد پر کچھ واجب نہیں ہوتا، خواہ وہ بچہ سمجھدار ہو یا ناسمجھ ہو، بشرطیکہ نابالغ ہو۔ [2]

---

[1] الصبی الغیر الممیز لا یصح إحرامه ولا أداؤه، بل یصحان من ولیه له، فیحرم عنه من کان أقرب إلیه، فلو اجتمع والد وأخ یحرم الوالد ومثله المجنون، إلا أنه إذا جن بعد الإحرام یلزمه الجزاء ویصح منه الأداء وتمامه فی اللباب (ردالمحتار، ج۲، ص۵۲۷، کتاب الحج، مطلب فی طواف الزیارة)

وأما الصبی غیر الممیز -ومثله المجنون جنونا مطبقا -فیحرم عنه ولیه، بأن یقول :نویت إدخال هذا الصبی فی حرمات الحج، مثلا .ولیس المراد أن الولی یحرم فی نفسه ویقصد النیابة عن الصبی .ولا ینعقد إحرام الصبی غیر الممیز بنفسه اتفاقا. ویؤدی الولی بالصبی غیر الممیز المناسک، فیجرده من المخیط والمحیط إن کان ذکرا، ویکشف وجه الأنثی وکفیها کالکبیرة علی ما سبق فیه ویطوف به ویسعی، ویقف به بعرفة والمزدلفة، ویرمی عنه، ویجنبه محظورات الإحرام، وهکذا .لکن لا یصلی عنه رکعتی الإحرام أو الطواف، بل تسقطان عنه عند الحنفیة والمالکیة، أما عند الشافعیة فیصلیهما الولی عنه، وهو ظاهر کلام الحنابلة.

إلا أن المالکیة خففوا فی الإحرام والتجرد من الثیاب، فقالوا " :یحرم الولی بالصغیر غیر الممیز، ویجرده من ثیابه قرب مکة، لخوف المشقة وحصول الضرر .فإن کانت المشقة أو الضرر یتحقق بتجریده قرب مکة أحرم بغیر تجریده، کما هو الظاهر من کلامهم -ویفدی (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲، ص۱۷۸ و ص۱۷۹، مادة "إحرام" إحرام الصبی، صفة إحرام الصبی)

[2] اور شوافع وحنابلہ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔

(قال) : صبی أحرم عنه أبوه وجنبه ما یجنب المحرم فلبس ثوبا أو أصاب طیبا أو صیدا فلیس علیه شیء عندنا والشافعی -رحمه الله تعالی -یوجب الکفارة المالیة علی الصبی کالبالغ بناء علی أصله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۵......اگر کوئی نابالغ بچہ میقات سے بغیر احرام کے حرم کی حدود میں داخل ہوا، اور وہ پھر حرم کی حدود میں پہنچ کر بالغ ہوگیا، اوراس نے حرم کی حدود ہی سے حج کا احرام باندھ کر حج کرلیا، تو اس کا حج ادا ہو جائے گا، اوراس بچہ یا اس کے ولی پر بچہ کے میقات سے بغیر احرام کے گزرنے سے کچھ واجب نہیں ہوگا، اور حرم کی حدود کا ذکر آگے میقات کے بیان میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی إیجاب الزکاۃ علیہ ویأمر الولی بأدائہ من مالہ، وعندنا المالی والبدنی سواء فی أن وجوب ذلک ینبنی علی الخطاب .والصبی غیر مخاطب ثم إحرام الصبی للتخلق فلا تتحقق جنایتہ فی الإحرام بھذہ الأفعال، وھذا؛ لأنہ لیس للأب علیہ ولایۃ الإلزام فیما یضرہ، ولو جعلنا إحرامہ ملزما إیاہ فی الاجتناب عن المحظورات وموجبا للکفارۃ علیہ لم یکن تصرف الأب فی الإحرام واقعا بصفۃ النظر لہ فلھذا جعلناہ تخلقا غیر ملزم إیاہ فلا یلزمہ الجزاء بارتکاب المحظور غیر أن الأب یمنعہ من ذلک لتحقیق معنی التخلق والاعتیاد(المبسوط لشمس الأئمۃ السرخسی، ج۴، ص ۱۳۰، کتاب المناسک، یضرب المحرم فسطاطا لیستظل بہ)

وإذا ارتکب الصبی محظورا من محظورات الإحرام فلا فدیۃ علیہ مطلقا، وإذا فعل الولی أو غیرہ بہ ذلک فعلیہ الفدیۃ (حاشیۃ البجیرمی علی تحفۃ الحبیب علی شرح الخطیب، ج۲، ص ۴۳۱، کتاب الحج)

ولو فرط الصبی فی شیء من أعمال الحج کان وجوب الدم فی مال الولی ، ویجب علیہ منعہ من محظورات الإحرام ، فإن ارتکب منھا شیئا وھو ممیز وتعمد فعل ذلک فالفدیۃ فی مال الولی فی الأظھر.

أما غیر الممیز فلا فدیۃ فی ارتکابہ محظورا علی أحد (مغنی المحتاج إلی معرفۃ ألفاظ المنھاج، ج۵، ص۳۸۸، کتاب الحج)

الفصل الثالث، فی محظورات الإحرام :

وھی قسمان؛ ما یختلف عمدہ وسھوہ، کاللباس والطیب، وما لا یختلف، کالصید، وحلق الشعر، وتقلیم الأظفار .

فالأول، لا فدیۃ علی الصبی فیہ؛ لأن عمدہ خطأ .

والثانی، علیہ فیہ الفدیۃ.

وإن وطء أفسد حجہ، ویمضی فی فاسدہ .وفی القضاء علیہ وجھان، أحدھما، لا یجب؛ لئلا تجب عبادۃ بدنیۃ علی من لیس من أھل التکلیف .والثانی، یجب؛ لأنہ إفساد موجب للفدیۃ، فأوجب القضاء ، کوطء البالغ، فإن قضی بعد البلوغ بدأ بحجۃ الإسلام .فإن أحرم بالقضاء قبلھا، انصرف إلی حجۃ الإسلام .وھل تجزئہ عن القضاء ؟ ینظر، فإن کانت الفاسدۃ قد أدرک فیھا شیئا من الوقوف بعد بلوغہ، أجزأ عنھما جمیعا، وإلا لم یجزئہ، کما قلنا فی العبد علی ما مضی(المغنی لابن قدامۃ، ج۳،ص ۲۴۳، کتاب الحج،الفصل الثالث فی محظورات إحرام الصبی)

آتا ہے۔ [1]

اور اگر کوئی بچہ احرام باندھنے کے بعد وقوفِ عرفہ سے پہلے بالغ ہوگیا، اور اس نے احرام کی تجدید کر کے حج کے فرائض ومناسک ادا کر لیے، تو اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا۔

(اس مسئلہ کی مزید تفصیل ''ماہِ ذیقعدہ اور حج کے فضائل واحکام'' میں ملاحظہ فرمائیں) [2]

مسئلہ نمبر ۲۶...... اگر کوئی عاقل بالغ شخص حج کرنے کے لئے چلا، مگر وہ احرام میں داخل ہونے سے پہلے ہی کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے بے ہوش ہوگیا، تو اگر اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے اپنے کسی ساتھی کو یہ کہہ دیا تھا کہ اگر وہ بے ہوش ہوگیا، تو وہ اس کی طرف سے احرام باندھ لے، اور پھر وہ احرام باندھنے سے پہلے بے ہوش ہوگیا تو اس کے ساتھی کا اس کی

---

[1] ولو جاوز الميقات بغير إحرام ثم احتلم بمكة، وأحرم من مكة أجزأه عن حجة الإسلام، ولم يكن عليه لمجاوزة الميقات بغير إحرام شيء كذا في فتاوى قاضي خان(الفتاوى الهندية، ج ،ص ۲۱۷،كتاب المناسك،الباب الأول)

(قوله وينبغي إلخ) قال في اللباب وشرحه :وينبغي لوليه أن يجنبه من محظورات الإحرام كلبس المخيط والطيب وإن ارتكبها الصبي لا شيء عليهما (ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۶، كتاب الحج)

[2] بلوغ الصبي في أثناء النسك :إن بلغ الصبي الحلم بعدما أحرم، فمضى في نسكه على إحرامه الأول، لم يجزه حجه عن فرض الإسلام عند الحنفية والمالكية .وقال الحنفية :لو جدد الصبي الإحرام قبل الوقوف بعرفة، ونوى حجة الإسلام، جاز عن حجة الإسلام؛ لأن إحرام الصبي غير لازم لعدم أهليته للزوم عليه .وقال المالكية لا يرتفض إحرامه السابق، ولا يجزيه إرداف إحرام عليه، ولا ينقلب إحرامه عن الفرض، لأنه اختل شرط الوقوع فرضا، وهو ثبوت الحرية والتكليف، وقت الإحرام .وهذا لم يكن مكلفا وقت الإحرام، فلا يقع نسكه هذا إلا نفلا.

أما الشافعية والحنابلة فقالوا :إن بلغ الصبي في أثناء الحج ينظر إلى حاله من الوقوف فينقسم إلى قسمين:

الأول :أن يبلغ بعد خروج وقت الوقوف، أو قبل خروجه وبعد مفارقة عرفات لكن لم يعد إليها بعد البلوغ، فهذا لا يجزيه حجه عن حجة الإسلام.

الثاني :أن يبلغ في حال الوقوف، أو يبلغ بعد وقوفه بعرفة، فيعود ويقف بها في وقت الوقوف، اى قبل طلوع فجر يوم النحر، فهذا يجزيه حجه عن حجة الإسلام .لكن يجب عليه إعادة السعي إن كان سعى عقب طواف القدوم قبل البلوغ، ولا دم عليه.

أما في العمرة :فالطواف في العمرة كالوقوف بعرفة في الحج، إذا بلغ قبل طواف العمرة أجزأه عن عمرة الإسلام، عند من يقول بوجوبها (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲، ص۱۷۹، مادة "إحرام" بلوغ الصبي في أثناء النسك)

طرف سے احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھنے سے اس بے ہوش کا احرام شروع ہو جائے گا۔
اور اگر اس نے بے ہوش ہونے سے پہلے اپنے کسی ساتھی کو احرام باندھنے کا نہیں کہا تھا، تو بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے ساتھیوں اور رفیقوں کا اس کی طرف سے احرام کی نیت کر کے تلبیہ پڑھنے سے اس کا احرام شروع ہو جاتا ہے۔
کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حج کے سفر کے ساتھیوں کو ایک دوسرے کی اس طرح نیابت واعانت کی دلالۃً اجازت حاصل ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] جبکہ صاحبین کے نزدیک بغیر امر کے نیابت صحیح نہیں ہوتی، اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیہوش کے احرام کی بہر حال نیابت درست نہیں، خواہ اس کی طرف سے پہلے سے امر بھی موجود ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولو حدث ذلک قبل الإحرام فأهلّ عنه رفيقه جاز عند "ح "رحمه الله لا عندهما ولو أمره بذلک قبل نومه أو إغمائه جاز وفاقاً ولو أحرم بالحج ثم أغمي عليه فطافوا به حول البيت على بعير وأوقفوه بعرفة ومزدلفة ووضعوا الأحجار في يديه ورموا بها وسعوا به بين الصفا والمروة جاز (جامع الفصولين للشهير بابن قاضي، ج۲، ص۱۲۶، كتاب الحج)

ومما يتصل بهذا الفصل ما ذكر في الجامع الصغير : رجل توجه يريد حجة الإسلام، فأغمي (عليه) فأهل عنه أصحابه أجزأه، ويصير المغمى عليه محرماً حتى لو وقفوا به وطافوا به جاز، وسقط عنه حجة الإسلام، وهذا قول أبي حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد :لا يجزئه، واختلفت عبارة المشايخ في تخريج المسألة، قال بعضهم :لا خلاف بين أصحابنا أن الإحرام يتأدى بالنائب، حتى أن من أمر أهل رفقته أن يحرموا عنه متى عجز عن الإحرام بنفسه، فأغمي عليه، وأحرم عنه واحد من أهل رفقته يجوز، ويصير المغمى عليه محرماً، وإنما وقع الخلاف في هذه المسألة لاختلافهم في أنه هل وجدت الإنابة من المغمى عليه في الإحرام عنه؟ فهما تمسكا بالحقيقة والصريح، وقالا :لم توجد الإنابة من حيث الحقيقة والصريح، وأبو حنيفة رحمه الله يتمسک بالدلالة، وقال الناس فيما بينهم :إنما يقصدون عقد الرفقة للإستعانة بعضهم ببعض فيما يحتاج إليه في سفره، هذا هو الكلام في الإحرام وأما سائر المناسک هل تتأدى بأهل رفقته، فمن المشايخ من قال :تتأدى، إلا أن الأولى أن يطوفوا به ويقفوا به ليكون أقرب إلى أدائه لو كان مفيقاً وإليه مال شمس الأئمة السرخسي، فعلى هذا القول لا يقع الفرق بين سائر المناسک وبين الإحرام.

ومنهم من فرق بين الإحرام وسائر المناسک، والفرق أن الاستعانة تتحقق عند العجز، وفي أصل الإحرام تحقق العجز، فأما في الأعمال لم يتحقق العجز، فإنهم إذا حضروه المواقف كان هو الواقف والطائف بمنزلة ما لو طاف راكباً بعذر، ومن المشايخ من قال :لا خلاف بين العلماء أن عقد الرفقة استعانة من كل واحد منهم بأصحابه فيما يعجز عن الفعل بنفسه.

والخلاف في هذه المسألة بناءً على اختلافهم في أن الإحرام هل يتأدى بالنائب؟ على قول أبي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اگر یہ بے ہوش شخص جس کی طرف سے دوسرے نے احرام باندھا، وہ ہوش میں آ جائے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو آگے اپنے حج کا احرام جاری رکھنا درست ہوگا۔
اور جن کے نزدیک اس کی طرف سے دوسروں کا احرام باندھنا معتبر نہیں، ان کے نزدیک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حنيفة يتأدى، وعلى قولهما :لا يتأدى وهذا القائل يقول :لا رواية عنهما فيما إذا أمر أصحابه بالإحرام عنهما صريحاً، وإنما الرواية في بدنة بين سبعة نفر قلّدها واحد منهم بأمر أصحابه محرمين، فالرواية عنهما في التقليد، والرواية في التقليد لا تكون رواية في التلبية فيما يقولان بأن الإحرام فعل من أفعال الحج، فلا تجرى فيه النيابة قياساً على الطواف وسائر الأفاعيل، والمعنى في الكل أن أفعال الحج عبادة بدنية، وهذا بخلاف ما لو أغمي عليه بعد الشروع، وطافوا ووقفوا به؛ لأن ذلك إعانة وليس بنيابة؛ لأن المغمى عليه يصير طائفاً وواقفاً لكن بإعانتهم، والإعانة جائزة، وبخلاف النفل؛ لأنه فعل مأتيّ والنيابة تجرى في نفله.

وأبو حنيفة يقول :الإحرام عنه ليس بمقصود تحريم المحظورات، وهذا المقصود يحصل بالنائب، فتصح النيابة كما في باب الزكاة بخلاف الوقوف والطواف؛ لأن المقصود من الطواف والوقوف تعظيم البيت وحصوله في ذلك المكان، هذا المقصود لا يحصل بفعل النائب وأما إذا أحرم عنه من ليس من رفقته، لا شك أن على قولهما لا يجوز، وأما على قول أبي حنيفة، اختلف المشايخ، بعضهم قالوا :يجوز لوجود الإذن دلالة؛ لأنه أنفق مالاً عظيماً حتى بلغ الميقات، فالظاهر أنه يكون مستعيناً بكل واحد من آحاد الناس بالإحرام عنه إذا لم يحرم عنه أهل رفقته (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲ص ۴۷۹، ۴۸۰، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر)

للمغمى عليه حالان :أن يغمى عليه قبل الإحرام، أو يغمى عليه بعد الإحرام.

أولا :من أغمي عليه قبل الإحرام:

في المذاهب الثلاثة المالكي والشافعي والحنبلي :لا إحرام له، ولا يحرم عنه أحد من رفقته ولا غيرهم، سواء أمرهم بذلك قبل أن يغمى عليه أو لم يأمرهم، ولو خيف فوات الحج عليه؛ لأن الإغماء مظنة عدم الطول، ويرجى زواله عن قرب غالبا .

وذهب الحنفية إلى جواز الإحرام عن المغمى عليه، على تفصيل بين الإمام وصاحبيه:

أ -من توجه إلى البيت الحرام يريد الحج فأغمي عليه قبل الإحرام، أو نام وهو مريض فنوى عنه ولبى أحد رفقته، وكذا من غير رفقته وكان قد أمرهم بالإحرام عنه قبل الإغماء ، صح الإحرام عنه، ويصير المغمى عليه محرما بنية رفيقه وتلبيته عنه اتفاقا بين أئمة الحنفية .ويجزيه عن حجة الإسلام.

ب -إن أحرم عنه بعض رفقته أو غيرهم بلا أمر سابق على الإغماء صح كذلك عند الإمام أبي حنيفة، ولم يصح عند صاحبيه أبي يوسف ومحمد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲،ص ۱۷۹،مادة إحرام، إحرام المغمى عليه)

ہوش میں آنے کے بعد اگر وہ احرام باندھ کر وقوفِ عرفہ کو پالے، اور حج کے مناسک ادا کرلے، تو ہی اس کا حج درست ہوگا، ورنہ نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲۷...... جس نے ہوش وحواس کی حالت میں اپنا احرام خود باندھا، اور پھر وہ بے ہوش ہوگیا، تو اس کی وجہ سے اس کے احرام پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۲۸...... اگر کوئی عاقل بالغ شخص کفر کی حالت میں حج کے لئے چلا، اور اسی حال میں احرام بھی باندھ لیا، تو کفر کی وجہ سے اس کا احرام باندھنا معتبر نہیں؛ پھر اگر وہ وقوفِ عرفہ کا وقت فوت ہونے (یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر) سے پہلے مسلمان ہوجائے، اور مسلمان

---

[۱] أ -إن أفاق المغمى عليه بعدما أحرم عنه غيره، فهو عند الحنفية محرم يتابع النسک.
وعـنـد غيـرهـم لا عبرة بإحرام غيره عنه، فإن كان بحيث يدرک الوقوف بعرفة أحرم بالحج، وأدى المناسک، وإلا فإنه يحرم بعمرة .ولا ينطبق عليه حكم الفوات عند الثلاثة؛ لأنه لم يكن محرما.
ب -لا يـجـب عـلـى مـن أحـرم عـن المغمى عليه تجريده من المخيط وإلباسه غير المخيط لصحة الإحـرام؛ لأن ذلک لـيـس هـو الإحرام، بل كف عن بعض محظورات الإحرام .حتى إذا أفاق وجب عليه أفعال النسک، والكف عن المحظورات.
ج -لـو ارتـكـب الـمغمى عليه الذى أحرم عنه غيره محظورا من محرمات الإحرام لزمه موجبه، أى كـفارته، وإن كان غير قاصد للمحظور .ولا يـلـزم الرفيق الذى أحرم عنه؛ لأن هذا الرفيق أحرم عن نـفسـه بـطريق الأصالة، وعن المغمى عليه بطريق النيابة، كالولى يحرم عن الصغير .فينتقل إحرامه إلـيـه، فيصير محرما كما لو نوى هو ولبى، ولذا لو ارتكب هو أيضا -أى الولى -محظورا لزمه جزاء واحد لإحرام نفسه، ولا شىء عليه من جهة إهلاله عن غيره عند الحنفية كما سبق.
د -إذا لـم يـفـق الـمـغـمـى عليه فهل يشهد به رفقته المشاهد، على أساس الإحرام عنه الذى قال به الحنفية؟ هناک قولان عند الحنفية :قيل :لا يجب على الرفقاء أن يشهدوا به المشاهد، كالطواف والـوقوف والرمى والوقوف بمزدلفة، بل مباشرتهم عنه تجزيه، لكن إحضاره أولى، على ما صرح به بعض أصحاب هذا القول .وهـذا الأصح على ما أفاد فى رد المحتار المعتمد فى الفتوى فى مذهب الـحـنـفية، لـكـن لا بـد للإجزاء عنه من نية الوقوف عنه، والطواف عنه بعد طواف النائب عن نفسه، وهكذا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ١٨٠، مادة "إحرام" إحرام المغمى عليه)

[۲] ثانيا :من أغمى عليه بعد إحرامه بنفسه:
الإغـماء بعد الإحرام لا يؤثر فى صحته، باتفاق الأئمة .وعـلـى ذلک فهذا حمله متعين على رفقائه، ولا سيـما للوقوف بعرفة، فإنه يصح ولو كان نائما أو مغمى عليه، على تفصيل فى أداء المناسک له يـطـلـب فـى موضعه من مصطلح "حج "ومـصـطلح "عـمـرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ١٨٠، مادة "إحرام" إحرام المغمى عليه)

ہونے کے بعد احرام کی تجدید کرلے، اور دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے پہلے وقوفِ عرفہ کرلے اور حج کے باقی مناسک بھی پورے کرلے، تو اس کا حج صحیح ہوجائے گا۔ [1]

اور اگر کسی نے مسلمان ہونے کی حالت میں حج کا احرام باندھا، اور پھر حج کرنے سے پہلے نعوذ باللہ تعالیٰ وہ مرتد ہوگیا، تو اس کا احرام باطل ہوجائے گا۔

لیکن اگر وہ وقوفِ عرفہ کا وقت فوت ہونے سے پہلے اسلام قبول کر کے احرام کی تجدید کرلے، اور وقوفِ عرفہ اور حج کے دیگر مناسک پورے کرلے تو اس کا حج صحیح ہوجائے گا۔ [2]

---

[1] کیونکہ حالتِ کفر میں احرام منعقد نہیں ہوتا، اسی وجہ سے کافر کے احرام شروع کر کے اس کے فسخ کرنے سے اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا، لہٰذا اس حالتِ کفر کے احرام پر وقوفِ عرفہ کا مرتب ہونا بھی معتبر نہیں ہوگا۔

وأما الكافر إذا دخل مكة بغير إحرام ثم أسلم فإنه لا يلزمه شيء كالصبي إذا جاوزه بغير إحرام ثم بلغ لعدم أهلية الوجوب (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۳، ص۴۵، كتاب الحج)

وكذا المجنون إذا أفاق، والكافر إذا أسلم قبل الوقوف بعرفة فجدد الإحرام، ولو أحرم العبد ثم عتق فأحرم بحجة الإسلام بعد العتق لا يكون ذلك عن حجة الإسلام بخلاف الصبي، والمجنون، والكافر، والفرق أن إحرام الكافر، والمجنون لم ينعقد أصلا لعدم الأهلية، وإحرام الصبي العاقل وقع صحيحا، لكنه غير لازم لكونه غير مخاطب فكان محتملا للانتقاض فإذا جدد الإحرام بحجة الإسلام انتقض فأما إحرام العبد، فإنه وقع لازما لكونه أهلا للخطاب فانعقد إحرامه تطوعا فلا يصح إحرامه الثاني إلا بفسخ الأول، وإنه لا يحتمل الانفساخ (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۱۲۱، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج)

[2] يبطل الإحرام بأمر واحد فقط، متفق عليه بين الجميع :هو الردة عن الإسلام، عياذا بالله تعالى وذلك لأنهم اتفقوا على كون الإسلام شرطا لصحة النسك .ويتفرع على بطلان الإحرام أنه لا يمضي في متابعة أعمال ما أحرم به، خلافا للفاسد .وأما إذا أسلم وتاب عن ردته فلا يمضي أيضا؛ لبطلان إحرامه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۷۷، مادة "إحرام" ما يبطل الإحرام)

ويتفرع عليه أيضا ما في شرح اللباب من أنه لو أحرم ثم ارتد والعياذ بالله تعالى بطل إحرامه (ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۷، كتاب الحج، مطلب في فروض الحج وواجباته)

الكافر إذا أحرم للحج ثم أسلم فجدد الإحرام يجوز يقتضي أن لا يكون مسلما بالإحرام لكن محله ما إذا لبى ولم يشهد المناسك أما إذا لبى وشهد المناسك كلها مع المسلمين ، فإنه يكون مسلما كما صرح به في المحيط والأصل أن الكافر متى فعل عبادة، فإن كانت موجودة في سائر الأديان، فإنه لا يكون به مسلما كالصلاة منفردا والصوم والحج الذي ليس بكامل والصدقة ومتى فعل ما هو مختص بشريعتنا، فإن كان من الوسائل كالتيمم لا يكون به مسلما، وإن كان من المقاصد أو من الشعائر كالصلاة بجماعة والحج على الهيئة الكاملة والأذان في المسجد وقراءة القرآن، فإنه يكون به مسلما إليه أشار في المحيط وغيره من كتاب السير(البحرالرائق، ج۱، ص۱۵۹، و۱۶۰، كتاب الطهارة، باب التيمم، نواقض التيمم)

(فصل نمبر۱)

احرام کی میقات کا بیان

حج یا عمرہ کا احرام شروع کرنے کے لئے شریعت کی طرف سے مخصوص زمانہ اور مخصوص مقامات متعین ہیں، جن کو شریعت کی زبان میں میقات کہا جاتا ہے، اور میقات کی جمع مواقیت آتی ہے۔ [1]

آ گے ان دونوں قسم کی میقاتوں اوران کے احکام کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... حج یا عمرہ کے لئے شریعت کی طرف سے دوقسم کی میقاتیں مقرر کی گئی ہیں۔

ایک زمانہ والی میقات ہے، جس کو عربی میں میقاتِ زمانی کہا جاتا ہے۔

اور دوسری مقام اور جگہ والی میقات ہے، جس کو عربی میں میقاتِ مکانی کہا جاتا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۲...... حج کے احرام کا مخصوص زمانہ یعنی حج کی میقاتِ زمانی شوال اور ذوالقعدہ کے دو مہینے اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔ [3]

---

[1] البتہ ہمارے عرف وزبان میں میقات یا مواقیت کا استعمال اکثر وبیشتر مخصوص مقامات کے لئے ہوتا ہے۔

الفصل الرابع مواقيت الإحرام: الميقات :من التوقيت، وهو :أن يجعل للشيء وقت يختص به، ثم اتسع فيه فأطلق على المكان .ويطلق على الحد المحدد للشيء.

وفي الاصطلاح :عرفوا المواقيت بأنها " :مواضع وأزمنة معينة لعبادة مخصوصة " (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۴۱، مادة "إحرام")

[2] ومنه يعلم أن للإحرام نوعين من الميقات:

النوع الأول :الميقات الزماني .النوع الثاني :الميقات المكاني (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۴۲، مادة "إحرام")

[3] مالکیہ کے نزدیک ذوالحجہ کا پورا مہینہ اشہرِ حج میں داخل ہے، مگر اس حیثیت سے نہیں کہ اس پورے مہینہ میں حج کا احرام باندھنا جائز ہے، بلکہ اس حیثیت سے کہ ان تین مہینوں کا بعض حصہ ابتدائے احرام کا وقتِ جواز ہے، اور وہ شوال کی ابتداء سے یوم النحر کی فجر کے طلوع کے درمیان دائر ہے، اور بعض حصہ احرام سے حلال ہونے کا ہے، اور وہ یومُ النحر کی فجر سے شروع ہوکر ذوالحجہ کے آخر تک جاری رہتا ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... اگر کوئی میقاتِ زمانی یعنی حج کے مہینے شروع ہونے (یعنی شوال کا چاند نظر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

پھر فقہائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کا دن بھی حج کے مہینوں میں داخل ہے یا نہیں؟ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ حج کے مہینوں میں داخل ہے، اور شافعیہ کے نزدیک حج کے مہینوں کا آخری وقت یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کی رات پر ختم ہو جاتا ہے، اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف سے بھی اس طرح کی روایت مروی ہے۔

الميقات الزمانى:إما أن يكون ميقاتا للإحرام بالحج، أو للإحرام بالعمرة .فينقسم قسمين:

أولا :الـميقـات الـزمـانـى لـلإحرام بالحج :ذهـب الأئـمة الثلاثة أبو حنيفة والشافعى وأحـمد وأصـحـابهـم إلـى أن وقـت الإحـرام بـالحج شوال وذو القعدة وعشر من ذى الحجة .وهـو مذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم .

وذهـب مالك إلى أن وقت الحج شوال وذو القعدة وشهر ذى الحجة إلى آخره .وليس المراد أن جـمـيـع هـذا الـزمـن الـذى ذكروه وقت لجواز الإحرام، بل المراد أن بعض هذا الزمن وقت لجواز ابتداء الإحرام، وهو من شوال لطلوع فجر يوم النحر، وبعضه وقت لجواز التحلل، وهو من فجر يوم النحر لآخر ذى الحجة .

وعـلـى هـذا فـالـميقات الزمانى بالنسبة للإحرام متفق عليه، إنما مرتب على مذهب المالكية جواز تأخير الإحلال إلى آخر ذى الحجة، كما سيأتى.

وهذا الذى ذهب إليه المالكية "قد حكى أيضا عن طاوس، ومجاهد، وعروة بن الزبير، والربيع بن أنس، وقتادة ."

والأصـل للفريقين قوله تعالى (الحج أشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج.

فـالجمهور فسروا الآية بأن المراد شهران وبعض الثالث .واستدلوا بالآثار عن الصحابة .كما يدل لهم أن أركان الحج تؤدى خلال تلك الفترة.

وأمـا المالكية فدليلهم واضح، وهو ظاهر الآية؛ لأنها عبرت بالجمع "أشهر "وأقل الجمع ثلاث، فلا بد من دخول ذى الحجة بكماله.

ثم اختلف الجمهور فى نهار يوم النحر هل هو من أشهر الحج أو لا .فقال الحنفية والحنابلة :هو من أشهر الحج.

وقـال الشافعية :آخـر أشهـر الـحـج ليلة يوم النحر .وهـو مـروى عن أبى يوسف .وفـى وجـه عند الشافعية فى ليلة النحر أنها ليست من أشهر الحج .والأول هو الصحيح المشهور.

استـدل الـحنفية والحنابلة بحديث ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقف يوم النحر بين الـجـمـرات فى الحجة التى حج فقال :أى يوم هذا؟ قالوا :يوم النحر .قال :هـذا يوم الحج الأكبر أخرجه أبو داود وابن ماجه .

قالوا :ولا يـجـوز أن يكون يوم الحج الأكبر ليس من أشهره .ويشهـد لـه حديث بعث أبى بكر أبا هـريـرة يـؤذن فـى الناس يوم النحر أن لا يحج بعد العام مشرك، فإنه امتثال لقوله تعالى (وأذان من الله ورسوله إلى الناس يوم الحج الأكبر. . .)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آنے) سے پہلے حج کا (نہ کہ عمرہ کا) احرام باندھ لے، تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کو ایسا کرنا مکروہ ہے، اگرچہ اس کا احرام منعقد ومعتبر ہوجاتا ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق حج کے مہینے شروع ہونے (یعنی شوال کا چاند نظر آنے) سے پہلے حج کا احرام سرے سے منعقد ومعتبر نہیں ہوتا، اور اگر کوئی ایسا کرلے، تو اس کا یہ احرام صرف عمرہ کے لئے منعقد ومعتبر ہوجاتا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والحديث متفق عليه .واحتجوا بالدليل المعقول؛ لأن يوم النحر فيه ركن الحج، وهو طواف الزيارة، وفيه كثير من أفعال الحج، منها :رمى جمرة العقبة، والنحر، والحلق، والطواف، والسعى، والرجوع إلى منى.ومستبعد "أن يوضع لأداء ركن عبادة وقت ليس وقتها، ولا هو منه

واستدل الشافعية برواية نافع عن ابن عمر أنه قال " :أشهر الحج شوال وذو القعدة وعشر من ذى الحجة "أى عشر ليال .وعن ابن مسعود وابن عباس وابن الزبير مثله .رواها كلها البيهقى، وصحح الرواية عن ابن عباس .ورواية ابن عمر صحيحة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۴۲، ۱۴۳، مادة "إحرام")

[۱] أحكام الميقات الزمانى للحج:

أ -ذهب الحنفية والمالكية والحنابلة إلى أنه يصح الإحرام بالحج قبل أشهر الحج، وينعقد حجا، لكن مع الكراهة .وهو قول إبراهيم النخعى، وسفيان الثورى، وإسحاق بن راهويه، والليث بن سعد. وذهب الشافعية إلى أنه لا ينعقد الإحرام بالحج قبل أشهره، فلو أحرم به قبل هلال شوال لم ينعقد حجا، وانعقد عمرة على الصحيح عندهم .وبه قال عطاء وطاوس ومجاهد وأبو ثور.

والأصل فى المسألة قوله تعالى (الحج أشهر معلومات) وقد تنازع الفريقان الاستدلال بها، وأيد كل فريق وجهته بدلائل أخرى .وهو خلاف وقع بين أهل العربية أيضا . استدل الثلاثة بأن معنى الآية :الحج (حج) أشهر معلومات، فعلى هذا التقدير يكون الإحرام بالحج فيها أكمل من الإحرام به فيما عداها، وإن كان ذاك صحيحا؛ ولأنه أحد نسكى القران،فجاز الإحرام به فى جميع السنة كالعمرة، أو :أحد الميقاتين، فصح الإحرام قبله، كميقات المكان.

ووجه الحنفية المسألة بناء على مذهبهم بأنه شرط عندهم، فأشبه الطهارة فى جواز التقديم على الوقت، وثبتت الكراهة لشبهه بالركن. واستدل الشافعية بقوله تعالى :(الحج أشهر معلومات) ووجه الاستدلال أن ظاهره التقدير الآخر الذى ذهب إليه النحاة، وهو (وقت الحج أشهر معلومات) فخصصه بها من بين سائر شهور السنة، فدل على أنه لا يصح قبلها، كميقات الصلاة .واستدلوا من المعقول :بأن الإحرام نسك من مناسك الحج، فكان مؤقتا، كالوقوف والطواف. اتفقوا بعد هذا على أنه لو فعل أى شىء من أفعال الحج قبل أشهر الحج لم يجزه، حتى لو صام المتمتع أو القارن ثلاثة أيام قبل أشهر الحج لا يجوز، وكذا السعى بين الصفا والمروة عقب طواف القدوم لا يقع عن سعى الحج إلا فيها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۴۳ و ۱۴۴، مادة "إحرام")

مسئلہ نمبر۴...... عمرہ کے احرام کا کوئی زمانہ (یعنی میقاتِ زمانی) مقرر نہیں، کیونکہ وہ پورے سال کرنا جائز ہے، البتہ حنفیہ کے نزدیک نو ذوالحجہ سے لے کر تیرہ ذوالحجہ تک (یعنی کل پانچ دن) عمرہ کرنا مکروہ ہے، اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... حج وعمرہ کا احرام باندھنے کے لئے شریعت کی طرف سے مختلف جگہوں میں موجود لوگوں کے لئے کچھ مقامات مقرر ہیں، جن کو میقاتِ مکانی کہا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص میقات سے باہر ہے، جس کو آفاقی کہا جاتا ہے، تو اسے حج یا عمرہ کا میقات سے پہلے پہلے یا میقات پر پہنچ کر احرام باندھنا ضروری ہے، اور شریعت کی طرف سے آفاقی کے لئے جو میقاتیں مقرر کی گئی ہیں، ان کی تفصیل مع تعداد کے مندرجہ ذیل ہے۔

---

[1] پھر حنفیہ کے نزدیک ان پانچ دنوں میں عمرہ کرنے والے پر دَم بھی واجب ہوتا ہے، وھو غیر الموجہ عندنا.

ثانیا :المیقات الزمانی للإحرام بالعمرة:اتفقوا علی أن میقات العمرة الزمانی ھو جمیع العام، فیصح أن تفعل فی جمیع السنة، وینعقد إحرامھا، وذلک لعدم المخصص لھا بوقت دون وقت.

وکذلک قرروا أنھا أفضل فی شھر رمضان منھا فی غیرہ .وعبر الحنفیة بقولھم " :تندب فی رمضان "، لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم :عمرة فی رمضان تقضی حجة .متفق علیہ.

ثم اختلفوا فی أوقات یکرہ فیھا الإحرام بالعمرة أو لا یکرہ .وھی:

أ -یوم عرفة ویوم النحر وأیام التشریق :ذھب المالکیة والشافعیة والحنابلة إلی عدم الکراھة فیھا، لکن قال الرملی الشافعی " :وھی فی یوم عرفة والعید وأیام التشریق لیست کفضلھا فی غیرھا؛ لأن الأفضل فعل الحج فیھا ." واستدلوا لعدم الکراھة بأن الأصل عدم الکراھة، ولا دلیل علیھا.

وذھب الحنفیة إلی أن العمرة تکرہ تحریما یوم عرفة وأربعة أیام بعدہ، حتی یجب الدم علی من فعلھا فی ذلک عندھم .واستدلوا بقول عائشة رضی اللہ عنھا :حلت العمرة فی السنة کلھا إلا أربعة أیام :یوم عرفة، ویوم النحر ویومان بعد ذلک أخرجہ البیھقی " . ولأن ھذہ الأیام أیام شغل بأداء الحج، والعمرة فیھا تشغلھم عن ذلک، وربما یقع الخلل فیہ فتکرہ ."

ب -استثنی المالکیة المحرم بالحج من سعة الوقت للإحرام بالعمرة، فقالوا :الحاج وقت إحرامہ بالعمرة من وقت تحللہ من الحج، وذلک "بالفراغ من جمیع أفعالہ من طواف وسعی ورمی الیوم الرابع، أو قدر رمیہ لمن تعجل فنفر فی ثالث أیام النحر، فإن ھذا ینتظر إلی أن یمضی -بعد الزوال من الیوم الرابع -ما یسع الرمی حتی یبدأ وقت الإحرام لہ للعمرة ."

وبناء علی ذلک قرر المالکیة :إن أحرم بالعمرة قبل ذلک الذی ذکرناہ لم ینعقد إحرامہ، وأنہ یکرہ الإحرام بالعمرة بعد التحلل بالفراغ من جمیع أفعال الحج وقبل غروب شمس الیوم الرابع (الموسوعة الفقھیة الکویتیة، ج۲، ص۱۴۴، ۱۴۵، مادة "إحرام")

ان میقاتوں میں سے ایک میقات کا نام ''ذوالحلیفہ'' ہے، جس کو ''آبارِعلی'' یا ''بئرِعلی'' بھی کہا جاتا ہے، اور یہ بیتُ اللہ سے شمال کی طرف مدینہ منورہ وغیرہ سے حرم کی طرف آتے ہوئے راستہ میں واقع ہے، اوراس میقات کا بیتُ اللہ سے فاصلہ دوسری میقاتوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ہے، اور یہ میقات مدینہ منورہ کے قریب ہے، چنانچہ آج کل کے اعتبار سے ذوالحلیفہ نامی میقات کا حرم سے فاصلہ تقریباً ساڑھے چار سو کلومیٹر کا بتلایا جاتا ہے۔

اور دوسری میقات کا نام ''جحفہ'' ہے، جس کو ''مہیعہ'' اور ''رابغ'' بھی کہا جاتا ہے، جو بیتُ اللہ سے شمال مغرب کی طرف ملکِ شام وغیرہ سے حرم میں آتے ہوئے واقع ہے، اور اس میقات کا بیتُ اللہ سے فاصلہ سِوائے ذوالحلیفہ کے دوسری میقاتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، چنانچہ آج کل کے اعتبار سے جحفہ نامی میقات کا حرم سے فاصلہ تقریباً ایک سو اسّی کلومیٹر کے لگ بھگ بتلایا جاتا ہے۔ [1]

اور تیسری میقات کا نام ''قرنُ المنازل'' ہے، جس کو ''قرن'' اور ''سیل'' یا ''سیلُ الکبیر'' یا ''وادیِ محرم'' بھی کہا جاتا ہے، اور یہ بیتُ اللہ کے مشرق یا جنوبی مشرق کی طرف نجد وغیرہ سے حرم میں آتے ہوئے واقع ہے، اور یہ میقات دوسری میقاتوں کے مقابلہ میں حرم کے زیادہ قریب اور میدانِ عرفات کی طرف ہے، چنانچہ آج کل کے اعتبار سے قرنُ المنازل کا حرم سے فاصلہ اسّی کلومیٹر سے کچھ کم کا بتلایا جاتا ہے۔

اور چوتھی میقات کا نام ''ذاتِ عرق'' ہے، جس کو ''الخریبات'' یا ''الضریبہ'' بھی کہا جاتا ہے، جو بیتُ اللہ سے مشرق یا شمال مشرق کی طرف عراق وغیرہ سے حرم میں آتے ہوئے واقع ہے۔

---

[1] رابغ دراصل جحفہ نامی میقات سے پہلے آفاق کی طرف اور جحفہ کے قریب میں واقع ہے، لیکن بعض حضرات کے بقول چونکہ جحفہ ویران جگہ ہے، اوراس کی حتمی ویقینی تعیین مشکل ہے، اس لئے اب اس کی بجائے رابغ کو اختیار کرلیا گیا ہے، پس جس نے رابغ سے احرام باندھا، تو گویا کہ اس نے جحفہ سے پہلے احرام باندھا، اوراس کا میقات سے احرام باندھنے کا وجوب یقینی طور پر ادا ہوگیا۔

اور ذاتِ عرق نامی یہ میقات ''قرنُ المنازل'' کی تقریباً سیدھ اور اس کی محاذات اور اس کے کچھ قریب واقع ہے، اور آج کل کے اعتبار سے ذاتِ عرق کا حرم سے فاصلہ تقریباً نوے کلومیٹر کا بتلایا جاتا ہے۔

اور پانچویں میقات کا نام ''یلملم'' ہے، جس کو ''بلدۃُ السعدیہ'' یا ''سعدیہ'' بھی کہا جاتا ہے، جو بیتُ اللہ سے جنوب کی طرف یمن، تہامہ وغیرہ سے حرم میں آتے ہوئے واقع ہے، اور آج کل کے اعتبار سے یلملم کا حرم سے فاصلہ تقریباً ایک سو پچیس کلومیٹر کا بتلایا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] المیقات المكانی ینقسم قسمین :میقات مكانی للإحرام بالحج، ومیقات مكانی للإحرام بالعمرة.

أولا :المیقات المكانی للإحرام بالحج:

یختلف المیقات المكانی للإحرام بالحج باختلاف مواقع الناس، فإنهم فی حق المواقیت المكانیة علی أربعة أصناف، وهی :الصنف الأول :الآفاقی.

الصنف الثانی :المیقاتی .الصنف الثالث :الحرمی .الصنف الرابع :المكی، ویشترك مع الحرمی فی أكثر من وجه، فیكونان مسألة واحدة .ثم صنف خامس :هو من تغیر مكانه، ما میقاته؟ .

میقات الآفاقی :وهو من منزله خارج منطقة المواقیت.

اتفق العلماء علی تقریر الأماكن الآتیة مواقیت لأهل الآفاق المقابلة لها، وهذه الأماكن هی:

أ -ذو الحلیفة :میقات أهل المدینة، ومن مر بها من غیر أهلها .وتسمی الآن "آبار علی "فیما اشتهر لدی العامة.

ب -الجحفة :میقات أهل الشام، ومن جاء من قبلها من مصر، والمغرب .ویحرم الحجاج من " رابغ "، وتقع قبل الجحفة، إلی جهة البحر، فالمحرم من "رابغ "محرم قبل المیقات .وقد قیل إن الإحرام منها أحوط لعدم التیقن بمكان الجحفة.

ج -قرن المنازل :ویقال له "قرن "أیضا، میقات أهل نجد، و "قرن "جبل مطل علی عرفات . وهو أقرب المواقیت إلی مكة، وتسمی الآن "السیل ."

د -یلملم :میقات باقی أهل الیمن وتهامة، والهند .وهو جبل من جبال تهامة، جنوب مكة.

هـ -ذات عرق :میقات أهل العراق، وسائر أهل المشرق.

أدلة تحدید مواقیت الآفاق:

والدلیل علی تحدیدها مواقیت للإحرام السنة والإجماع:

أ -أما السنة فأحادیث كثیرة نذكر منها هذین الحدیثین :حدیث ابن عباس رضی الله عنهما قال :إن رسول الله صلی الله علیه وسلم وقت لأهل المدینة ذا الحلیفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن المنازل، ولأهل الیمن یلملم .هن لهن؛ ولمن أتی علیهن من غیر أهلهن، ممن أراد الحج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ میقات یا مواقیت وہ متعین مقامات ہیں، جو اطرافِ عالم سے حرم کی حدود میں آنے والوں کے ہر راستہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں کہ جہاں سے احرام باندھنے کا حکم ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَـالَ: مِنْ أَيْنَ نُهِلُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْـحُـلَيْفَةِ، وَأَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَأَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ، قَالَ: وَأَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ (ترمذی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والعمرة .ومن كان دون ذلك فمن حيث أنشأ، حتى أهل مكة من مكة .متفق عليه.

وحديث عبد الله بن عمر رضى الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :يهل أهل المدينة من ذى الحليفة، وأهل الشام من الجحفة، وأهل نجد من قرن .قال عبد الله -يعنى ابن عمر -وبلغنى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :ويهل أهل اليمن من يلملم .متفق عليه.

فهذه نصوص فى المواقيت عدا ذات عرق.

وقد اختلف فى دليل توقيت ذات عرق هل وقت بالنص أم بالاجتهاد والإجماع .فقال جماعة من العلماء ومنهم الشافعى ومالك ثبت باجتهاد عمر رضى الله عنه وأقره الصحابة، فكان إجماعا.

وصحح الحنفية والحنابلة وجمهور الشافعية أن توقيت ذات عرق منصوص عليه من النبى صلى الله عليه وسلم وأن عمر رضى الله عنه لم يبلغه تحديد النبى صلى الله عليه وسلم فحدده باجتهاده فوافق النص.

ب -وأما دلالة الإجماع على هذه المواقيت فقال النووى فى المجموع " :قال ابن المنذر وغيره: أجمع العلماء على هذه المواقيت ."وقال أبو عمر بن عبد البر " :أجمع أهل العلم على أن إحرام العراقى من ذات عرق إحرام من الميقات ."(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۴۵، ۱۴۶، مادة "إحرام"الميقات المكانى)

Yalamlam is a city in the Mecca Province of Saudi Arabia in the Yalamlam Valley. It situated 125 km South East of Mecca and 125 km East of Saudi Aramco Jeddah Refinery. This small city is one of Miqat appointed by the Islamic prophet Muhammed. The Hajjaj coming from Yemen and the eastern countries are using this place as their Miqat.

(http://en.wikipedia.org/wiki/Yalamlam)

[1] رقم الحديث ۸۳۱، ابواب الحج، باب ما جاء فى مواقيت الإحرام لأهل الآفاق،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ،بخارى، حديث نمبر ۱۳۳.

قال الترمذى: وفى الباب عن ابن عباس، وجابر بن عبد الله، وعبد الله بن عمرو :.حديث ابن عمر حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم.

ترجمہ: ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم (حج یا عمرہ کا احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ کہاں سے پڑھیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ (یا اس طرف سے آنے) والے ''ذوالحلیفہ'' (Zulhulefah نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں، اور شام (یا اس طرف سے آنے) والے ''جحفہ'' (Juhfah نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں، اور نجد (یا اس طرف سے آنے) والے ''قرن'' (Qrn نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں، اور یمن (Yaman) یا اس طرف سے آنے) والے ''یلملم'' (Yalamlam نامی مقام) سے (احرام شروع کرنے کے لئے) تلبیہ پڑھیں (ترمذی)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ، وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ، هُنَّ لَهُنَّ، وَلِمَنْ أَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِهِنَّ مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، وَمَنْ كَانَ دُوْنَ ذٰلِكَ، فَمِنْ حَيْثُ أَنْشَأَ حَتّٰى أَهْلِ مَكَّةَ مِنْ مَكَّةَ (بخاری، رقم الحديث ۱۵۲۴، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کے لئے ''ذوالحلیفہ'' (Zulhulefah نامی مقام) کو اور شام والوں کے لئے ''جحفہ'' (Juhfah نامی مقام) کو اور نجد والوں کے لئے ''قَرنُ المنازل'' (Qrnulmanazil نامی مقام) کو اور یمن (Yaman) والوں کے لئے ''یلملم'' (Yalamlam نامی مقام) کو (احرام کے لئے) مقرر فرمایا،

اور جو لوگ دوسری جگہ کے رہنے والے ہوں، مگر ان مقامات سے گزر کر آئیں، اُن کے لئے بھی جو حج اور عمرہ کا ارادہ رکھیں، اور جو لوگ ان مقامات کے اندر ہوں، تو وہ جہاں سے چلنا شروع کریں، وہیں سے (احرام شروع کریں) یہاں تک کہ مکہ کے لوگ مکہ سے ہی (احرام شروع کریں) (بخاری)

بعض احادیث میں اہلِ مشرق یا عراق والوں کے لئے ''ذاتِ عرق'' کی میقات کا بھی ذکر آیا ہے، جس کا ذکر پہلے گزر چکا۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... مذکورہ مکانی تمام میقاتوں میں اصل اعتبار ان خاص جگہوں کا ہے، ان

---

[1] عن جابر، قال :خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال :مهل أهل المدينة، من ذى الحليفة، ومهل أهل الشام، من الجحفة، ومهل أهل اليمن، من يلملم، ومهل أهل نجد، من قرن، ومهل أهل المشرق من ذات عرق ثم أقبل بوجهه للأفق، ثم قال :اللهم أقبل بقلوبهم (سنن ابنِ ماجه،رقم الحديث ۲۹۱۵)

حدثنا أبو الزبير قال :سألت جابرا، عن المهل ؟ قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :مهل أهل المدينة من ذى الحليفة، ومهل أهل الطريق الأخرى من الجحفة، ومهل أهل العراق من ذات عرق، ومهل أهل نجد من قرن، ومهل أهل اليمن من يلملم (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۶۱۵)

فى حاشية مسند احمد:حديث صحيح.

عن عائشة، قالت :وقت رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام ومصر الجحفة، ولأهل العراق ذات عرق، ولأهل نجد قرنا، ولأهل اليمن يلملم (سنن نسائى، رقم الحديث ۲۶۵۶)

عن نافع، عن ابن عمر، أن رجلا سأل النبى صلى الله عليه وسلم :من أين يحرم ؟ قال " : مهل أهل المدينة من ذى الحليفة، ومهل أهل الشام من الجحفة، ومهل أهل اليمن من يلملم، ومهل أهل نجد من قرن "وقال ابن عمر " :وقاس الناس ذات عرق بقرن (مسند احمد،رقم الحديث ۴۴۵۵)

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

عن عطاء ، عن جابر، وعن أبى الزبير، عن جابر، وعن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، قال " :وقت رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل اليمن وأهل تهامة يلملم، ولأهل الطائف وهى نجد، قرن ، ولأهل العراق ذات عرق (مسند احمد،رقم الحديث ۶۶۹۷)

حديث صحيح، دون ذكر ميقات أهل العراق فشاذ.

جگہوں میں واقع تعمیر اور آبادیوں کا نہیں ہے۔

اسی وجہ سے اگر ان میقاتوں میں سے کسی میقات پر واقع آبادی ختم ہوجائے، یا اس نام کی یا وہ آبادی کسی اور جگہ منتقل ہوجائے، تو تب بھی اعتبار اس میقات والی مخصوص جگہ کا ہوگا، اور جس جگہ اس نام سے یا وہ آبادی منتقل ہوئی، اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۷...... مکانی میقاتوں کے جو نام پہلے ذکر کیے گئے، اگر کوئی خاص ان مقامات سے گزر کر نہیں آرہا، بلکہ ان مقامات سے ہٹ کر دائیں بائیں کسی اور جگہ سے آرہا ہے، تو ایسی صورت میں اس طرف واقع میقات کی محاذات اور مقابلہ کا اعتبار ہوگا، یعنی اس طرف جو میقات واقع ہے، اس کی سیدھ والا مقام اس کے لئے میقات کہلائے گا۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۸...... جو شخص حج یا عمرہ کی نیت سے کسی میقاتِ مکانی سے گزرتے ہوئے آنا چاہتا ہے، تو اس کو میقات سے پہلے پہلے احرام باندھنا چاہیے۔

---

[۱] ج -الاعتبار فی هذه المواقیت بتلک المواضع، لا باسم القریة والبناء .فلو خرب البناء فی المیقات ونقلت عمارته إلی موضع آخر قریب منه وسمی باسم الأول لم یتغیر الحکم، بل الاعتبار بموضع الأول (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲، ص۱۴۷، مادة "إحرام")

[۲] د -لا یشترط أن یحرم من هذه المواقیت بأعیانها، بل یکفی أن یحرم منها بذاتها، أو من حذوها، أی محاذاتها ومقابلتها، وذلک لما سبق فی توقیت ذات عرق، أن عمر رضی الله عنه أخذ فی توقیتها بالمحاذاة، وأقر علی ذلک .فدل علی اتفاق الصحابة علی الأخذ بقاعدة المحاذاة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲، ص۱۴۷، مادة "إحرام")

ثم هؤلاء الأصناف ثلاثة صنف منهم أهل الآفاق،وصنف منهم من کان داخل الحرم وهم أهل مکة والحرم ،وصنف منهم من کان خارج الحرم داخل مواقیت أهل الآفاق.

وأما مواقیت إحرامهم فمواقیت أهل الآفاق خمسة للحج والعمرة،وهی مواقیت بینها رسول الله صلی الله علیه وسلم تعظیما للبیت حتی لا یجوز للآفاقی التجاوز عن هذه المواقیت لدخول مکة لقصد الحج أو للتجارة ونحوها إلا محرما فلأهل العراق ذات عرق ولأهل المدینة ذو الحلیفة ولأهل الشام الجحفة ولأهل الیمن یلملم ولأهل نجد قرن وقد وردت أحادیث مشهورة فی هذا الباب،ثم هذه المواقیت لهؤلاء من أهل الآفاق ولمن حصل من أهل میقات آخر فی هذا المیقات.

وکذلک إن کان من أهل الحرم وأهل الحل من داخل هذه المواقیت إذا خرج إلی الآفاق للتجارة ثم رجع فحکمه حکم أهل الآفاق لا یجوز له مجاوزته إلا محرما إذا قصد مکة إما الحج أو العمرة (تحفة الفقهاء للسمرقندی ج ۱ ص ۳۹۳،۳۹۴، کتاب المناسک، باب الاحرام)

اوراس کو میقات پر پہنچ کراس میقات کو عبور کرنے سے پہلے اوراس میں داخل ہوتے ہی احرام باندھ لینا افضل ہے۔

اوراگر وہ میقات میں داخل ہونے کے بعد مگراس کی حدود ختم ہونے سے پہلے پہلے احرام باندھ لے،تو بھی جائز ہے۔

مثلاً جو شخص مدینہ منورہ سے حرم میں آنا چاہتا ہے،تو اسے ذوالحلیفہ نامی میقات شروع ہوتے ہی احرام باندھ لینا افضل ہے،اوراگر کوئی ذوالحلیفہ میں داخل ہونے کے بعد مگراس کی حدود ختم ہونے سے پہلے پہلے احرام باندھ لے،تب بھی جائز ہے۔

اور یہی حکم میقات کی سیدھ میں اس کے قریب واقع مقام کا بھی ہے۔ [1]

ملحوظ رہے کہ بیرون ممالک سے ہوائی جہاز یا پانی کے جہاز سے سعودی عرب آنے والے عازمینِ حج وعمرہ بکثرت پہلے جدہ اور پھر وہاں سے ہی حرم میں داخل ہوتے ہیں۔

اور بعض جہاز یلملم سے اور بعض قرنُ المنازل سے ہوتے ہوئے پھر جدہ پہنچتے ہیں،اور قرنُ المنازل بیتُ اللہ سے مشرق کی سمت میں تقریباً اسّی کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے،جبکہ یلملم بیتُ اللہ سے ایک سو پچیس کلومیٹر کے فاصلہ پر بیتُ اللہ سے جنوب مشرق کی سمت میں واقع ہے،اور جدہ بیتُ اللہ سے اسّی کلومیٹر کے لگ بھگ فاصلہ پر مغرب کی سمت میں واقع ہے۔

ہوائی جہاز کے ذریعہ سے ہندوپاکستان سے سفر کرنے والے عازمینِ حج وعمرہ اگر قرنُ المنازل یا یلملم کی میقات سے عبور کرتے ہوئے جدہ پہنچیں،تو انہیں قرنُ المنازل یا یلملم کی میقات عبور کرنے سے پہلے احرام باندھنا ضروری ہوگا۔

البتہ اگر کوئی مشرق کی طرف سے سمندری راستہ سے سفر کرتے ہوئے جدہ آئے،تو جدہ میں

---

[1] أحكام تتعلق بالمواقيت:

منها : أ -وجوب الإحرام منها لمن مر بالميقات قاصدا أحد النسكين، الحج أو العمرة، وتحريم تأخير الإحرام عنها بالإجماع.والإحرام من أول الميقات، أى الطرف الأبعد من مكة أفضل، حتى لا يمر بشيء مما يسمى ميقاتا غير محرم .ولو أحرم من آخره أى الطرف الأقرب إلى مكة جاز اتفاقا، لحصول الاسم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ١٤٧، مادة "إحرام")

داخل ہونے سے پہلے اس کے راستہ میں کوئی میقات نہیں پڑتی، اور خود جدہ میقات نہیں، بلکہ وہ جحفہ کی میقات کی طرف مگر جحفہ کے مقابلہ میں حرم سے قریب واقع ہے، اس لئے ایسے شخص کو جدہ میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھ لینے میں احتیاط ہے، جس کی وجہ آگے آتی ہے۔ [1]

---

[1] حكم الإحرام من جدة للواردين إليها من غيرها

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على إمام المتقين وسيد المرسلين، نبينا محمد .أما بعد: فإن مجلس المجمع الفقهي الإسلامي قد ناقش في جلسته الثالثة صباح يوم الخميس الموافق ١٤٠٢/٤/١٠هـ .والمصادف ١٩٨٢/٢/٤م .

موضوع (حكم الإحرام من جدة ، وما يتعرض له الكثير من الوافدين إلى مكة المكرمة للحج والعمرة عن طريق الجو والبحر)، لجهلهم عن محاذاة المواقيت التي وقتها النبي صلى الله عليه وسلم وأوجب الإحرام منها على أهلها، ومن مر عليها من غيرهم، ممن يريد الحج أو العمرة .وبعد التدارس واستعراض النصوص الشرعية الواردة في ذلك قرر المجلس ما يلي :

أولاً :أن المواقيت التي وقتها النبي صلى الله عليه وسلم وأوجب الإحرام منها على أهلها، وعلى من مر عليها من غيرهم، ممن يريد الحج والعمرة هي :ذو الحليفة لأهل المدينة ومن مر عليها من غيرهم، وتسمى حاليًّا (أبيار علي).

والجحفة وهي لأهل الشام ومصر والمغرب، ومن مر عليها من غيرهم، وتسمى حاليًّا (رابغ) وقرن المنازل، وهي لأهل نجد ومن مر عليها من غيرهم، وتسمى حاليًّا (وادي محرم) وتسمى أيضًا (السيل) وذات عرق، لأهل العراق، وخراسان، ومن مر عليها من غيرهم، وتسمى (الضريبة) ويلملم، لأهل اليمن ومن مر عليها من غيرهم. وقرر :أن الواجب عليهم أن يحرموا إذا حاذوا أقرب ميقات إليهم من هذه المواقيت الخمسة جوًّا أو بحرًا، فإن اشتبه عليهم ذلك ولم يجدوا معهم من يرشدهم إلى المحاذاة، وجب عليهم أن يحتاطوا وأن يحرموا قبل ذلك بوقت يعتقدون أو يغلب على ظنهم أنهم أحرموا قبل المحاذاة؛ لأن الإحرام قبل الميقات جائز مع الكراهة ومنعقد، ومع التحري والاحتياط، خوفًا من تجاوز الميقات بغير إحرام تزول الكراهة؛ لأنه لا كراهة في أداء الواجب، وقد نص أهل العلم في جميع المذاهب الأربعة على ما ذكرنا، واحتجوا على ذلك بالأحاديث الصحيحة الثابتة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في توقيت المواقيت للحجاج والعمار .واحتجوا أيضًا بما ثبت عن أمير المؤمنين عمر بن الخطاب، رضي الله عنه، لما قال له أهل العراق :إن قرنًا جَورٌ عن طريقنا؟ قال لهم -رضي الله عنه :انظروا حذوَها من طريقكم .قالوا :ولأن الله سبحانه أوجب على عباده أن يتقوه ما استطاعوا، وهذا هو المستطاع في حق من لم يمر على نفس الميقات. إذا عُلم هذا فليس للحجاج والعمار الوافدين من طريق الجو والبحر ولا غيرهم أن يؤخروا الإحرام إلى وصولهم إلى جدة، لأن جدة ليست من المواقيت التي وقتها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهكذا من لم يحمل معه ملابس الإحرام، فإنه ليس له أن يؤخر إحرامه إلى جدة، بل الواجب عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... جو شخص حج یا عمرہ کے لئے ایسے مقام سے گزر کر جارہا ہے کہ اس کے راستہ میں کوئی متعین مکانی میقات نہیں آتی، تو اسے چاہئے کہ وہ میقات کی سیدھ والے مقام سے گزرنے میں احتیاط سے کام لے، کہ کہیں احرام کے بغیر میقات کی سیدھ سے آگے نہ بڑھ جائے۔

اور اگر اسے میقات کی سیدھ کا علم نہ ہو، مثلاً وہ میقات سے غیر معمولی فاصلہ پر ہو، تو بعض اہلِ علم حضرات نے فرمایا کہ اسے چاہئے کہ وہ بیتُ اللہ سے زیادہ سے زیادہ دو مرحلوں یعنی اڑتالیس میل (جو کہ شرعاً مدتِ مسافت بھی ہے) کا فاصلہ رہ جانے سے پہلے پہلے احرام باندھ لے، کیونکہ حرم سے قریب ترین میقات یعنی ''قرن المنازل'' تقریباً اتنے فاصلہ پر ہی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أن يحرم فی السراويل إذا كان ليس معه إزار، لقول النبی صلی الله عليه وسلم فی الحديث الصحيح" :مَن لم يَجِدُ نَعْلَيْن فَلْيَلْبَسِ الخُفَّين، ومَن لم يجد إزارًا فليلبس السَّرَاوِيلَ ."وعليه كشف رأسه، لأن النبی صلی الله عليه وسلم لما سئل عما يلبس المحرم قال " :لا يلبَسُ القميصَ ولا العمائمَ ولا السَّرَاويلاتِ ولا البرانسَ ولا الخفافَ إلا لمن لم يَجِدِ النَّعلين ."الحديث متفق عليه. فلا يجوز أن يكون علی رأس المحرم عمامة ولا قلنسوة ولا غيرهما مما يلبس علی الرأس .وإذا كان لديه عمامة ساترة يمكنه أن يجعلها إزارًا اتَّزر بها، ولم يجز له لبس السراويل، فإذا وصل إلی جدة وجب عليه أن يخلع السراويل ويستبدلها بإزار إذا قدر علی ذلك، فإن لم يكن عليه سراويل، وليس لديه عمامة تصلح أن تكون إزارًا حين محاذاته للميقات فی الطائرة أو الباخرة أو السفينة، جاز له أن يحرم فی قميصه الذی عليه مع كشف رأسه، فإذا وصل إلی جدة اشتری إزارًا وخلع القميص، وعليه عن لبسه القميص كفارة، وهی إطعام ستة مساكين، لكل مسكين نصف صاع من تمر أو أرز أو غيرهما من قوت البلد، أو صيام ثلاثة أيام، أو ذبح شاة، هو مخير بين هذه الثلاثة، كما خير النبی صلی الله عليه وسلم كعب بن عجرة لما أذن له فی حلق رأسه وهو محرم للمرض الذی أصابه.

ثانيًا :يكلف المجلس الأمانة العامة للرابطة بالكتابة إلی شركات الطيران والبواخر لتنبيه الركاب قبل القرب من الميقات، بأنهم سيمرون علی الميقات قبل مسافة ممكنة.

ثالثًا :خالف عضو مجلس المجمع الفقهی الإسلامی معالی الشيخ مصطفی أحمد الزرقاء فی ذلك، كما خالف فضيلة الشيخ أبو بكر محمود جومی عضو المجلس بالنسبة للقادمين من سواكن إلی جدة فقط .وعلی هذا جری التوقيع .والله ولی التوفيق .وصلی الله وسلم علی نبينا محمد وآله وصحبه وسلم(المجمع الفقهی الإسلامی رابطة العالم الإسلامی،رقم القرار ۲ رقم الدورة۵: الاثنين ۴ رمضان ۱۴۳۳ الموافق ۲۳ يوليو ۲۰۱۲)

واقع ہے۔ [۱]

جبکہ بعض حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ صورت میں جس جہت سے وہ جارہا ہے، اس جہت سے جو میقات اس کے قریب پڑتی ہے، اس کا بیت اللہ سے جتنا فاصلہ ہے، بیتُ اللہ سے اتنا فاصلہ رہ جانے پر احرام باندھنا چاہئے۔ [۲]

---

[۱] من سلک طريقا ليس فيه ميقات معين، برا أو بحرا أو جوا، اجتهد وأحرم إذا حاذى ميقاتا من هذه المواقيت المذكورة .وينبغي أن يأخذ بالاحتياط لئلا يجاوز الميقات غير محرم، وخصوصا راكب الطائرة.

إن لم يعلم المحاذاة فإنه يحرم على مرحلتين من مكة .اعتبارا بمسافة أقرب المواقيت، فإنه على بعد مرحلتين من مكة .وعلى ذلک قرروا أن جدة تدخل في المواقيت؛ لأنها أقرب إلى مكة من قرن المنازل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۴۷، مادة "احرام")

اور پیچھے گزر چکا ہے کہ قرن المنازل کا فاصلہ حرم شریف سے اسّی کلومیٹر سے کچھ کم ہے، جو آج کل علماء کے حساب سے دو مرحلوں یعنی اڑتالیس میل کے قریب ہے، کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک اڑتالیس میل اسّی کلومیٹر سے کچھ کم بنتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ فقہائے کرام نے قرن المنازل کے فاصلہ میں پوری تحدید کے بجائے مدتِ مسافت کی تقریب کے حساب سے کام لیا ہے، اور شرعاً اتنا فرق معاف ہوجاتا ہے، اور جدہ بھی حرم سے مدتِ مسافت پر واقع ہے۔

لہٰذا جو بعض حضرات نے جدہ کے حرم شریف سے فاصلہ کو قرن المنازل سے کم قرار دے کر اس کو حتمی ویقینی طور پر میقات سے اندر یعنی حل میں داخل ہونے کا حکم لگایا ہے، وہ دقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جدہ میقات سے غیر معمولی دور ہے، اس لئے اس کو کسی میقات کے عین محاذات میں قرار دینا حتمی نہیں کہلاسکتا۔

علاوہ ازیں مدتِ مسافت نماز کے قصر واتمام کے اعتبار سے بھی ایک معیار ہے۔

اور پہلے زمانہ میں کلومیٹر کے بجائے میلوں کا رواج تھا، اور ایک میل کا فاصلہ ایک کلومیٹر سے غیر معمولی زائد ہوتا ہے، اور کسر کو شرعاً بہر رودرگزر بھی کردیا جاتا ہے، اس لئے جدہ کو میقات قرار دینا بھی بلادلیل اور نامعقول نہیں ہے۔

[۲] مذکورہ دونوں اقوال کو پیشِ نظر رکھ کر جب جدہ کی موجودہ حالت کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو جدہ کا حرم شریف سے فاصلہ تقریباً اسّی کلومیٹر ہے، جس کا فاصلہ قرن المنازل کے تقریباً مساوی ہے، اور وہ حرم سے دو مراحل یا مدتِ مسافت پر ہے، اور قرن المنازل حرم شریف کی سب سے قریبی میقات ہے، اسی سے فقہائے کرام نے محاذات اور دو مرحلوں یا مدتِ مسافت کے فاصلہ کو اخذ کیا ہے، جس کی تفصیل پہلے گزری۔

اور اگر جدہ کی جہت والی میقات کو دیکھا جائے، تو وہ جحفہ ہے، جو حرم شریف سے تقریباً ایک سو ستاسی کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

پس اگر جہت والی میقات کے فاصلہ والے قول کا اعتبار کیا جائے، تو جدہ بالیقین داخلِ میقات بن جاتا ہے، اور اس طرف سے حرم میں داخل ہونے والوں کے لئے جدہ سے پہلے احرام باندھنا ضروری ہوجاتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... اگر کوئی ایسے راستہ سے سفر کر رہا ہے کہ اس کے راستہ میں دومکانی میقاتیں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور اگر دو مرحلوں والے قول کا اعتبار کیا جائے، تو جدہ سے پہلے احرام باندھنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ خود جدہ سے احرام باندھنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔

اور غالباً انہی دونوں قولوں کے اختلاف کی وجہ سے جدہ کے داخلِ میقات اور خارجِ میقات ہونے میں ایک عرصہ سے اہلِ علم حضرات کی آراء مختلف ہیں۔

ہمارے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ کسی اور میقات سے گزرے بغیر آفاق سے آنے والوں کے لئے جدہ کو داخلِ میقات (یعنی حِل میں) قرار دیا جائے، اور جدہ سے پہلے احرام باندھنے کا حکم دیا جائے، لیکن اگر کوئی جدہ میں داخل ہونے والا شخص جو کسی اور میقات سے گزرے بغیر جدہ میں داخل ہو رہا ہے، وہ اگر جدہ سے ہی احرام باندھ لے، تو دو مرحلہ والے قول کے مطابق اس کی بھی گنجائش ہونی چاہئے، اور اس کے مطابق اہلِ علم کی ایک جماعت کا قول بھی موجود ہے۔

یہ بات مکرر یاد رکھنی چاہئے کہ مذکورہ تفصیل اس وقت ہوگی، جبکہ کوئی حرم میں داخل ہونے کا ارادہ رکھنے والا شخص جدہ میں اس طرح داخل ہو کہ اس سے پہلے کسی اور میقات سے گزر کر نہ آیا ہو، اور اگر کسی اور میقات سے گزر کر جدہ آیا ہو، تو اسے اس میقات سے ہی احرام باندھنا متعین ہو جائے گا، کیونکہ جدہ خود سے میقات نہیں، اگرچہ اس کے میقات کے محاذ میں ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہو۔

اور حنفیہ کے نزدیک اگر دو عین میقاتوں سے گزرتا ہوا کوئی آئے، تو اگلی میقات سے احرام باندھنے کی گنجائش ہوتی ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی بھی گنجائش نہیں ہوتی، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اور معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ہندو پاکستان سے جدہ پہنچنے والے جہاز عموماً قرن المنازل سے گزرتے ہوئے جدہ پہنچتے ہیں، لہٰذا ایسے لوگوں کو جدہ پہنچنے سے پہلے قرن المنازل سے ہی احرام باندھنا چاہئے، اور ان کو جدہ سے احرام باندھنے کی گنجائش دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔

واستدل به على أن من ليس له ميقات أن عليه أن يحرم إذا حاذى ميقاتا من هذه المواقيت الخمسة ولا شك أنها محيطة بالحرم فذو الحليفة شامية ويلملم يمانية فهي مقابلها وإن كانت إحداهما أقرب إلى مكة من الأخرى وقرن شرقية والجحفة غربية فهي مقابلها وإن كانت إحداهما كذلك وذات عرق تحاذي قرنا.

فعلى هذا فلا تخلو بقعة من بقاع الأرض من أن تحاذي ميقاتا من هذه المواقيت فبطل قول من قال من ليس له ميقات ولا يحاذي ميقاتا هل يحرم من مقدار أبعد من المواقيت أو أقربها.

ثم حكى فيه خلافا والفرض أن هذه الصورة لا تتحقق لما قلته إلا أن يكون قائله فرضه فيمن لم يطلع على المحاذاة كمن يجهلها وقد نقل النووي في شرح المهذب أنه يلزمه أن يحرم على مرحلتين اعتبارا بقول عمر هذا في توقيته ذات عرق.

وتعقب بأن عمر إنما حدها لأنها تحاذي قرنا وهذه الصورة إنما هي حيث يجهل المحاذاة فلعل القائل بالمرحلتين أخذ بالأقل لأن ما زاد عليه مشكوك فيه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پڑتی ہیں، ایک پہلے پڑتی ہے، اور ایک اس کے بعد۔

تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک پہلی میقات سے احرام باندھنا افضل ہے، اور دوسری میقات تک اس کو احرام باندھنے کا عمل مؤخر کرنا مکروہ ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسے پہلی والی میقات سے ہی احرام باندھنا واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ شام اور مصر یا مغرب کی طرف کے علاقوں سے آنے والوں کی میقات جحفہ ہے، اب اگر وہ مدینہ سے گزرتے ہوئے حرم جائیں تو ذوالحلیفہ کی میقات بھی راستہ میں واقع ہے۔

تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک جحفہ سے احرام باندھنا افضل اور ذوالحلیفہ سے جائز، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جحفہ ہی سے احرام باندھنا واجب ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لكن مقتضى الأخذ بالاحتياط أن يعتبر الأكثر الأبعد ويحتمل أن يفرق بين من عن يمين الكعبة وبين من عن شمالها لأن المواقيت التى عن يمينها أقرب من التى عن شمالها فيقدر لليمين الأقرب وللشمال الأبعد والله أعلم ثم إن مشروعية المحاذاة مختصة بمن ليس له أمامه ميقات معين فأما من له ميقات معين كالمصرى مثلا يمر ببدر وهى تحاذى ذا الحليفة فليس عليه أن يحرم منها بل له التأخير حتى يأتى الجحفة والله أعلم تنبيه العقيق المذكور هنا واد يتدفق ماؤه فى غورى تهامة وهو غير العقيق المذكور بعد بابين كما سيأتى بيانه (فتح البارى لابنِ حجر، ج۳ص ۳۹۰، ۳۹۱، قوله باب مهل أهل اليمن)

[1] وتفرع على ذلک مسألة من يمر بميقاتين، كالشامى إذا قدم من المدينة، والمدنى، فإنه إذا مر بالجحفة يمر بميقاتين فمن أى الميقاتين يحرم؟ ذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه يجب عليه أن يحرم من الميقات الأبعد، كأهل الشام ومصر والمغرب، ميقاتهم الجحفة، فإذا مروا بالمدينة وجب عليهم الإحرام من ذى الحليفة ميقات أهل المدينة، وإذا جاوزوه غير محرمين حتى الجحفة كان حكمهم حكم من جاوز الميقات من غير إحرام.

وذهب المالكية إلى أن من يمر بميقاتين الثانى منهما ميقاته ندب له الإحرام من الأول، ولا يجب عليه الإحرام منه؛ لأن ميقاته أمامه.

وذهب الحنفية إلى أن من يمر بميقاتين فالأفضل له الإحرام من الأول، ويكره له تأخيره إلى الثانى الأقرب إلى مكة .ولم يقيدوه -فى الأصح عندهم -بأن يكون الميقات الثانى ميقاتا له .استدل الشافعية والحنابلة بحديث المواقيت؛ لقوله صلى الله عليه وسلم :هن لهن؛ ولمن أتى عليهن من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... جو مکانی میقات ذکر کیے گئے، ان کے شروع ہونے سے پہلے احرام باندھنا بلاشبہ جائز ہے۔

لیکن افضل طریقہ کیا ہے؟

اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک میقات شروع ہونے سے پہلے بلکہ گھر سے ہی احرام باندھ لینا افضل ہے، بشرطیکہ احرام کے احکام اوراس کی پابندیوں کو نبھایا جاسکتا ہو۔

اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک میقات سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے، اور میقات پر پہنچ کر احرام باندھنا سنت ہے، اور حج یا عمرہ کا ارادہ کر کے جانے والے کو احرام کے بغیر میقات سے آگے بڑھنا جائز نہیں، ورنہ میقات پر واپس آ کر (خواہ وہی میقات ہو یا کوئی اور) احرام باندھنا واجب اور بصورتِ دیگر دَم واجب ہوگا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

غیر أهلهن، فإن هذا بعمومه يدل على أن الشامي مثلا إذا أتى ذا الحليفة فهو ميقاته، يجب عليه أن يحرم منه .ولا يجوز له أن يجاوزه غير محرم.

واستدل المالكية والحنفية بعموم التوقيت لأهل المناطق المذكورة، إلى جانب العموم الذى استدل به الشافعية، فيحصل من ذلک له جواز الأمرين.

فأخذ الحنفية بالعموم على ظاهره فى العبارتين، وجوزوا الإحرام من أى الميقاتين، مع كراهة التأخير، ويدل لهم ما ثبت أن ابن عمر أهل من الفرع وهو موضع بين ذى الحليفة ومكة .وخص المالكية ذلک بغير المدنى .ويشهد لهم فعل النبى صلى الله عليه وسلم والصحابة، فإنهم أحرموا من ذى الحليفة .وهو محمول عند الحنفية على فعل الأفضل.

ويدل للحنفية والمالكية من جهة النظر :أن المقصود من الميقات تعظيم الحرم المحترم، وهو يحصل بأى ميقات اعتبره الشرع المكرم، يستوى القريب والبعيد فى هذا المعنى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۴۷، ۱۴۸، مادة "إحرام")

[۱] التقدم بالإحرام على المواقيت المكانية جائز بالإجماع، وإنما حددت لمنع مجاوزتها بغير إحرام.لكن اختلف هل الأفضل التقدم عليها، أو الإحرام منها:

فذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أنه يكره له الإحرام قبل الميقات.

وذهب الحنفية إلى أن تقديم الإحرام على الميقات المكانى أفضل، إذا أمن على نفسه مخالفة أحكام الإحرام .استدل الأولون بأن النبى صلى الله عليه وسلم وأصحابه أحرموا من الميقات، ولا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۲...... جو شخص مکانی میقات سے گزر کر حرم کی حدود میں تو داخل ہونا چاہتا ہے، مگر اس کا ارادہ حج یا عمرہ کچھ بھی کرنے کا نہیں ہے، بلکہ کسی اور کام مثلاً ملازمت، تجارت، وغیرہ کی غرض سے حرم کی حدود میں داخل ہونے کا ہے، تو حنفیہ سمیت بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کو بھی میقات سے حج یا عمرہ کسی ایک کا احرام باندھ کر حرم کی حدود میں داخل ہونا ضروری ہے۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جو شخص حرم کی حدود میں حج یا عمرہ کے علاوہ کسی اور غرض سے جانا چاہتا ہے، تو اس کو احرام باندھنا ضروری نہیں، اگرچہ مستحب ہے (اور حرم کی حدود کی تفصیل آگے آتی ہے) [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يفعلون إلا الأفضل .وبأنه يشبه الإحرام بالحج قبل أشهره، فيكون مثله في الكراهة .واستدل الحنفية بما أخرج أبو داود وابن ماجه عن أم سلمة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :من أهل من المسجد الأقصى بعمرة أو حجة غفر له وسئل علي رضي الله عنه عن قوله تعالى:(وأتموا الحج والعمرة لله) فقال :أن تحرم من دويرة أهلك أخرجه الحاكم وصححه.
واستدلوا من حيث النظر بأن "المشقة فيه أكثر، والتعظيم أوفر "فيكون أفضل.
من جاوز الميقات قاصدا الحج أو العمرة أو القران، وهو غير محرم، أثم، ويجب عليه العود إليه والإحرام منه .فإن لم يرجع وجب عليه الدم سواء ترك العود بعذر أو بغير عذر، وسواء كان عالما عامدا أو جاهلا أو ناسيا .لكن من ترك العود لعذر لا يأثم بترك الرجوع .ومن العذر خوف فوات الوقوف بعرفة لضيق الوقت، أو المرض الشاق، أو خوف فوات الرفقة .وذلك موضع وفاق بين المذاهب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۴۸، ۱۴۹، مادة "إحرام")

[۱] آج کل نقل وحمل کے ذرائع عام اور تیز ہونے کی وجہ سے بہت سے تجّار، وملازم اور پیشہ ور لوگوں کو کثرت سے میقات سے گزر کر حرم میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور ہر مرتبہ عمرہ کی ادائیگی کا مکلّف کرنے میں حرجِ عظیم لازم آتا ہے، ایسے لوگوں کے لئے بعض اہلِ علم حنفیہ نے احرام کے بغیر حدودِ حرم میں داخلہ کی گنجائش دی ہے۔
علاوہ ازیں شافعیہ کی دلیل بھی اس سلسلہ میں معقول ہے، کیونکہ ایک روایت میں حج یا عمرہ کی قید کے بغیر میقات سے احرام باندھنے کا اور دوسری روایت میں حج یا عمرہ کی قید کے ساتھ احرام باندھنے کا ذکر آیا ہے، اور یہاں مطلق کو مقید پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔

ب -من مر بالمواقيت يريد دخول الحرم لحاجة غير النسك اختلف فيه :ذهب الحنفية والمالكية والحنابلة إلى أنه يجب عليه الإحرام لدخول مكة أو الحرم المعظم المحيط بها، وعليه العمرة إن لم يكن محرما بالحج. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۳۲...... مذکورہ مسئلہ میں تفصیل تو مکانی میقات سے باہر سے (حج وعمرہ کے لئے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب الشافعية إلى أنه إذا قصد مكة أو منطقة الحرم لحاجة لا للنسك جاز له ألا يحرم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۴۷، مادة "إحرام")

أما الآفاقي ومن في حكمه -غير من تقدم ذكره -ممن يمرون على المواقيت إذا أرادوا دخول الحرم لحاجة أخرى غير النسك فجمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية والحنابلة وهو قول عند الشافعية) يرون وجوب الإحرام عليهم بأحد النسكين، ولا يجوز لهم مجاوزة الميقات بغير إحرام.

وفي قول آخر للشافعية وهو المشهور عندهم :أنه يجوز دخول الحرم للآفاقي أيضا بغير إحرام لكنه يستحب له أن يحرم.

وهذا في الجملة، وتفصيله كالتالي:

قال الحنفية :الآفاقي إذا أراد دخول الحرم بغير النسك كمجرد الرؤية أو النزهة أو التجارة لا يجوز له أن يتجاوز الميقات إلا محرما، لأن فائدة التأقيت هذا، لأنه يجوز تقديم الإحرام على المواقيت .لما روى أن النبي عليه الصلاة والسلام قال :لا تجاوز الموقت إلا بإحرام، فإن جاوزها الآفاقي بغير إحرام فعليه شاة .فإن عاد فأحرم منه سقط الدم.

أما لو قصد موضعا من الحل، كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام .فإذا حل به التحق بأهله فله دخول الحرم بلا إحرام .قالوا :وهو الحيلة لمريد ذلك بقصد أولي، كما إذا كان قصده لجدة مثلا لبيع أو شراء، وإذا فرغ منه يدخل مكة ثانيا، إذ لو كان قصده الأولي دخول مكة ومن ضرورته أن يمر بالحل فلا يحل له تجاوز الميقات بدون إحرام.

وقال المالكية :إن كل مكلف حر أراد دخول مكة فلا يدخلها إلا بإحرام بأحد النسكين وجوبا، ولا يجوز له تعدي الميقات بلا إحرام، إلا أن يكون من المترددين أو يعود إلى مكة بعد خروجه منها من مكان قريب (أي دون مسافة القصر) لم يمكث فيه كثيرا فلا يجب عليه، وكذلك لا يجب على غير المكلف كصبي ومجنون.

وقال الحنابلة :لا يجوز لمن أراد دخول مكة أو الحرم أو أراد نسكا تجاوز الميقات . .إلا لقتال مباح لدخوله صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة وعلى رأسه المغفر .أو لخوف، أو حاجة متكررة كحطاب، وناقل الميرة، ولصيد، واحتشاش، ونحو ذلك، ومكي يتردد إلى قريته بالحل.

وقال الشافعية -كما نص عليه النووي :-إن من أراد دخول مكة لحاجة لا تتكرر كزيارة، أو تجارة، أو رسالة، أو كان مكيا عائدا من سفره يستحب له أن يحرم .وفي قول :يجب عليه الإحرام .وعلى كل فقد نصوا أنه لو جاوز الميقات بغير إحرام ثم أراد النسك فميقاته موضعه ولا يكلف العود إلى الميقات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۸۷، ۱۸۸، مادة " حرم ")

وقد اختلف العلماء في هذا الباب، فقال ابن القصار :واختلف قول مالك والشافعي في جواز دخول مكة بغير إحرام لمن لم يرد الحج والعمرة، فقالا مرة :لا يجوز دخولها إلا بالإحرام لاختصاصها ومباينتها جميع البلدان إلا الحطابين، ومن قرب منها مثل جدة والطائف وعسفان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یا حرم میں) آنے والوں کے لئے تھی، اور اگر کوئی شخص میقات کے اندر مگر حرم کی حدود سے باہر یعنی حِل میں موجود ہے، جسے حِلی بھی کہا جاتا ہے، اور وہ وہاں سے حج وعمرہ کے بجائے کسی اور غرض سے حرم میں داخل ہونا چاہتا ہے، تو اس کو حرم کی حدود میں بغیر احرام کے داخل ہونا حنفیہ سمیت سب فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لكثرة ترددهم إليها، وبه قال أبو حنيفة والليث، وعلى هذا فلا دم عليه، نص عليه في (المدونة). وقالا مرة أخرى :دخولها به مستحب لا واجب .قلت :مذهب الزهري والحسن البصري والشافعي في قول، ومالك في رواية، وابن وهب وداود بن علي وأصحابه الظاهرية :أنه لا بأس بدخول الحرم بغير إحرام، ومذهب عطاء بن أبي رباح والليث بن سعد والثوري وأبي حنيفة وأصحابه ومالك في رواية، وهي قوله الصحيح، والشافعي في المشهور عنه وأحمد وأبي ثور والحسن بن حي :لا يصلح لأحد كان منزله من وراء الميقات إلى الأمصار أن يدخل مكة إلا بالإحرام، فإن لم يفعل أساء و لا شيء عليه عند الشافعي وأبي ثور، وعند أبي حنيفة :عليه حجة أو عمرة .وقال أبو عمر :لا أعلم خلافا بين فقهاء الأمصار في الحطابين ومن يدمن الاختلاف إلى مكة ويكثره في اليوم والليلة أنهم لا يأمرون بذلك لما عليهم من المشقة، وقال ابن وهب عن مالك: لست آخذ بقول ابن شهاب في دخول الإنسان مكة بغير إحرام، وقال :إنما يكون ذلك على مثل ما عمل به عبد الله بن عمر من القرب إلا رجلا يأتي بالفاكهة من الطائف، أو ينقل الحطب يبيعه، فلا أرى بذلك بأسا .قيل له :فرجوع ابن عمر من قديد إلى مكة بغير إحرام؟ فقال :ذلك أنه جاءه خبر من جيوش المدينة (عمدة القاري، ج١٠، ص٢٠٥، كتاب جزاء الصيد، باب دخول الحرم ومكة بغير إحرام)

[1] ب -الدخول لأغراض أخرى: يجوز لمن كان داخل المواقيت (بين الميقات والحرم) أن يدخل الحرم بغير إحرام لحاجته، لأنه يتكرر دخوله لحوائجه فيحرج في ذلك، والحرج مرفوع، فصار كالمكي إذا خرج ثم دخل، بخلاف ما إذا دخل للحج لأنه لا يتكرر، فإنه لا يكون في السنة إلا مرة .وكذا لأداء العمرة لأنه التزمها لنفسه. كما يجوز لمن يخرج من الحرم إلى الحل (داخل المواقيت) أن يدخل الحرم بغير إحرام، ولو لم يكن من أهل الحرم، كالآفاقي المفرد بالعمرة، والمتمتع، وهذا باتفاق الفقهاء.

كذلك يجوز دخول الحرم لقتال مباح أو خوف من ظالم أو لحاجة متكررة كالحطابين والصيادين ونحوهما بغير إحرام، لأن النبي صلى الله عليه وسلم دخل مكة يوم الفتح بغير إحرام، وفي وجوب الإحرام على من تتكرر حاجته مشقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص١٨٦، مادة "حرم")

(ومن كان داخل الميقات) ش :أي ومن كان وطنه بين الميقات ومكة م :(له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته) ش :أي لأجل حاجته م :(لأنه يكثر دخوله مكة، وفي إيجاب الإحرام في كل مرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴۶...... جو شخص مکانی میقات سے باہر نہیں ہے، بلکہ میقات کے اندر مگر حرم سے باہر یا عین میقات میں موجود ہے، جس کو کہ حِل اور ایسے مقام پر موجود شخص کو حلّی کہا جاتا ہے، جیسا کہ عسفان میں، تو حنفیہ کے نزدیک وہ حل کی کسی بھی جگہ سے یعنی حرم کی حدود سے باہر باہر، جہاں سے چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے، اور حرم کی حدود کی تفصیل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حرج بين) ش :أي ظاهر، والحرج مدفوع شرعاً م :(فصاروا كأهل مكة، حيث يباح لهم الخروج منها، ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم) ش :روى عن ابن عباس -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا -أنه -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -رخص للحطابين أن يدخلوها بغير إحرام والظاهر أنهم لا يجاوزون الميقات، فدل أنه من كان داخل الميقات.

(بخلاف ما إذا قصد أداء النسك) ش :أي الحج والعمرة، حيث لا يجوز دخوله بلا إحرام ولا مجاوزة الميقات بالإحرام إن خرج عن الميقات م :(لأنه يتحقق أحيانا) ش :أي لأن قصد من كان داخل الميقات أن النسك متحقق في بعض الأحيان م :(فلا حرج) ش :حينئذ بخلاف قصده غير، وذلك ليس بحطب وبحشيش وحاجة ونحوها، فإنه يكثر، وفي إيجاب الإحرام حرج(البناية شرح الهداية، ج۴، ص۱۶۳، كتاب الحج، فصل المواقيت المكانية للحج)

فأما من كان وراء الميقات إلى مكة فله أن يدخلها لحاجته بغير إحرام عندنا....وحجتنا في ذلك حديث ابن عباس -رضي الله عنهما -أن النبي -صلى الله عليه وسلم -رخص للحطابين أن يدخلوا مكة بغير إحرام.

والظاهر أنهم لا يجاوزون الميقات فدل أن كل من كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام وابن عمر -رضي الله عنه -خرج من مكة يريد المدينة فلما انتهى إلى قديد بلغته فتنة بالمدينة فرجع إلى مكة ودخلها بغير إحرام وكان المعنى فيه أن من كان داخل الميقات فهو بمنزلة أهل مكة؛ لأنه محتاج إلى الدخول في كل وقت، ولأن مصالحهم متعلقة بأهل مكة ومصالح أهل مكة متعلقة بهم فكما يجوز لأهل مكة أن يخرجوا لحوائجهم، ثم يدخلوها بغير إحرام فكذا لأهل الميقات، وهذا لأنا لو ألزمناهم الإحرام في كل وقت كان عليهم من الضرر ما لا يخفى فربما يحتاجون إليه في كل يوم فلهذا جوزنا لهم الدخول بغير إحرام إلا إذا أرادوا النسك فالنسك لا يتأدى إلا بإحرام، وإرادة النسك لا تكون عند كل دخول(المبسوط للسرخسي، ج۴،ص۱۶۸، كتاب المناسك،باب المواقيت)

(وحَلَّ لأَهْلِ دَاخِلِهَا) أي داخل المواقيت، وكذا لِمَنْ هو مَنْزِلُه في نفس الميقات (دُخُولُ مكةَ غَيْرَ مُحْرِمٍ) لأن دخولهم إليها يكثر، وفي إيجاب الإحرام عليهم كل مرة حرج .ولقول ابن عباس : إنَّ النبيّ صلى الله عليه وسلم رَخَّصَ للحطَّابين أَنْ يدخلوا مكّة بغير إِحرام .والظاهر أنَّهم لا يجاوزون الميقات، فدل أَنَّ كل مَنْ هو داخل الميقات له أَنْ يدخل مكة بغير إِحرام .وقد خرج ابن عمر من مكة يريد المدينة، فلما انتهى إلى قُدَيْد بَلَغَتْهُ فتنة المدينة فرجع إلى مكة ودخلها بغير إِحرام .وهذا إِذا لم يَقْصِد الداخل منهم الحج والعمرة (شرح النقاية، ج۲،ص۲۷۳)

آگے آتی ہے۔[1]

مسئلہ نمبر ۱۵...... جو شخص حرم کی حدود میں موجود ہے (خواہ وہاں کا مستقل باشندہ ہے، یا وہاں پر کسی کام سے آیا ہوا ہے) تو اس کو حرم کی کسی بھی جگہ سے حج کا (نہ کہ عمرہ کا) احرام باندھنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ حرم کی حدود میں حج کا احرام باندھنا واجب ہے۔

اور اسی وجہ سے اگر یہ شخص حرم کی حدود سے باہر جا کر حج کا احرام باندھے گا، تو اس کو حرم میں

---

[1] جبکہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ حج کا احرام اسی جگہ سے باندھے گا، جہاں سے حج کے لئے روانہ ہوگا۔

ب) الميقاتي:

والميقاتي :هو من كان في مناطق المواقيت أو ما يحاذيها أو ما دونها إلى مكة.

وهؤلاء ميقاتهم من حيث أنشئوا العمرة وأحرموا بها، إلا أن الحنفية قالوا :ميقاتهم الحل كله، والمالكية قالوا :يحرم من داره أو مسجده لا غير، والشافعية والحنابلة قالوا :ميقاتهم القرية التي يسكنونها لا يجاوزونها بغير إحرام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠، ص٣٢٠، مادة " عمرة ")

ميقات الميقاتي (البستاني):

الميقاتي هو الذي يسكن في مناطق المواقيت، أو ما يحاذيها، أو في مكان دونها إلى الحرم المحيط بمكة كقديد، وعسفان، ومر الظهران .مذهب المالكية والشافعية والحنابلة أن ميقات إحرام المكاني للحج هو موضعه، إلا أن المالكية قالوا " :يحرم من داره، أو من مسجده، ولا يؤخر ذلك والأحسن أن يحرم من أبعدهما من مكة."

وقال الشافعية والحنابلة ميقاته القرية التي يسكنها، إن كان قرويا، أو المحلة التي ينزلها إن كان بدويا، فإن جاوز القرية وفارق العمران إلى مكة ثم أحرم كان آثما، وعليه الدم للإساء ة، فإن عاد إليها سقط الدم، على التفصيل الذي سبق، وبيان المذاهب فيه .وكذا إذا جاوز الخيام إلى جهة مكة غير محرم، وإن كان في برية منفردا أحرم من منزله .ويستحب أن يحرم من طرف القرية أو المحلة الأبعد عن مكة، وإن أحرم من الطرف الأقرب جاز.

ومذهب الحنفية أن ميقاته منطقة الحل أي جميع المسافة من الميقات إلى انتهاء الحل، ولا يلزمه كفارة، ما لم يدخل أرض الحرم بلا إحرام .وإحرامه من دويرة أهله أفضل.

استدل الجميع بقوله صلى الله عليه وسلم في حديث المواقيت :ومن كان دون ذلك فمن حيث أنشأ، فحمله المالكية على منزله، وقالوا :إن المسجد واسع للإحرام "؛ لأنه موضع الصلاة؛ ولأن أهل مكة يأتون المسجد فيحرمون منه، وكذلك أهل ذي الحليفة يأتون مسجدهم .

وفسره الشافعية والحنابلة بالقرية والمحلة التي يسكنها؛ لأنه أنشأ منها.

وقال الحنفية " :إن خارج الحرم كله كمكان واحد في حق الميقاتي، والحرم في حقه كالميقات في حق الآفاقي، فلا يدخل الحرم إذا أراد الحج أو العمرة إلا محرما(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص١٤٩، ١٥٠، مادة "إحرام")

لوٹ کرآ نا اور وہاں سے احرام کی تجدید کرنا ضروری ہوگا، ورنہ اس پر دَم واجب ہوگا۔ لے

لے اور اگر یہ حرم کی حدود میں موجود شخص حج کے بجائے، عمرہ کا احرام باندھنا چاہتا ہے، تو حج کے احرام کے برعکس عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے اس کو حرم کی حدود سے باہر حِل میں جانا ضروری ہوگا، جس کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری کتاب ''عمرہ کے فضائل واحکام'' میں بیان کردی ہے۔

میقات الحرمی والمکی:

أ -اتفقت المذاهب علی أن من کان من هذين الصنفين، بأن کان منزله فی الحرم، أو فی مکة، سواء أکان مستوطنا، أم نازلا، فإنه يحرم بالحج من حيث أنشأ، لما سبق فی الحديث " :فمن کان دون ذلک فمن حيث أنشأ حتی أهل مکة من مکة .

ب -ثم اختلفوا فی تفاصيل ذلک.

فمذهب الحنفية أن من کان مکيا، أو منزله فی الحرم، کسکان منی، فوقته الحرم للحج وللقران. ومن المسجد أفضل، أو من دويرة أهله، وهو قول عند الشافعية بالنسبة للمکی فقط.

وهذا علی سبيل الوجوب عندهم، فلو أنه أهل من خارج منطقة الحرم، لزمه العود إلی الحرم، وإلا وجب عليه الدم.

ودليله حديث جابر فی حجة الوداع :فأهللنا من الأبطح وحديثه :وجعلنا مکة بظهر أهللنا بالحج. أخرجهما مسلم، وعلقهما البخاری بصيغة الجزم.

ومذهب المالکية التفرقة بين من أهل بالحج ومن أهل بالقران، فجعلوا ميقات القران ميقات العمرة الآتی تفصيله، وهو قول عند الشافعية .وأما من أهل بالحج وهو من سکان مکة أو الحرم فإما أن يکون مستوطنا، أو آفاقيا نازلا :أما المستوطن فإنه يندب له أن يحرم من مکة، ومن المسجد الحرام أفضل، وإن ترکها وأحرم من الحرم أو الحل فخلاف الأولی، ولا إثم، فلا يجب الإحرام من مکة.

وأما الآفاقی فإن کان له سعة من الوقت -وعبروا عنه ب "ذی النفس - "فيندب له الخروج إلی ميقاته والإحرام منه .وإن لم يکن له سعة من الوقت فهو کالمستوطن.

ومذهب الشافعية والحنابلة أن الحرمی (الذی ليس بمکة) حکمه حکم الميقاتی.

وأما المکی :أی المقيم بمکة ولو کان غير مکی، فعند الشافعية وجهان فی ميقات الحج له، مفردا کان أو قارنا :الأصح :أن ميقاته نفس مکة، لما سبق فی الحديث حتی أهل مکة من مکة.

والثانی :ميقاته کل الحرم، لاستواء مکة، وما وراء ها من الحرم فی الحرمة.

وعند الحنابلة يحرم بالحج من مکة من المسجد من تحت الميزاب، وهو أفضل عندهم .وجاز وصح أن يحرم من بمکة من سائر الحرم عند الحنابلة کما هو عند الحنفية (الموسوعة الفقهية الکويتية، ج۲، ص ۱۵۰، ۱۵۱، مادة "إحرام")

ج) الحرمی:

والحرمی وهو المقيم بمنطقة الحرم والمکی ومن کان نازلا بمکة أو الحرم، هؤلاء ميقاتهم للإحرام بالعمرة الحل، فلا بد أن يخرجوا للعمرة عن الحرم إلی الحل ولو بخطوة واحدة يتجاوزون بها الحرم إلی الحل.والتفصيل فی مصطلح :(إحرام ف ۵۲-۵۳-۳۹)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۶...... بیت اللہ اور مسجدِ حرام کے اطراف میں ہر طرف حرم کی حدود واقع ہیں، اور حرم کی حدود کے مخصوص احکام و پابندیاں ہیں۔

حرم کی حد، جحفہ یا رابغ نامی میقات کی طرف ''تنعیم'' تک ہے، جو بیت اللہ سے تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، اور آج کل اس جگہ مسجدِ عائشہ قائم ہے۔

اور یمن کی طرف حرم کی حد، اضاءۃِ لبن تک ہے، جو بیت اللہ سے تقریباً تئیس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اور جدہ کی طرف حرم کی حد، حدیبیہ تک ہے، جو بیت اللہ سے تقریباً بائیس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اور مدینہ منورہ کی طرف حرم کی حد، جعرانہ تک ہے، جو بیت اللہ سے تقریباً چوبیس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اور قرنُ المنازل نامی میقات کی طرف حرم کی حد، نخلہ تک ہے، جو بیتُ اللہ سے تقریباً چودہ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اور طائف کی طرف حرم کی حد، میدانِ عرفات سے متصل وادی عرنہ یا بطنِ عرنہ تک ہے، جو بیتُ اللہ سے تقریباً سولہ، سترہ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، اس کو حرم کی حدود کہا جاتا ہے۔

اور آج کل ہر طرف سے حرم کی حدود پر حکومت کی طرف سے نشانات وعلامات قائم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ والدليل على تحديد هذه المواقيت للإحرام بالعمرة السنة والإجماع، فمن السنة حديث ابن عباس رضى الله عنهما :أن النبى صلى الله عليه وسلم وقت لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن المنازل، ولأهل اليمن يلملم هن لهن، ولمن أتى عليهن من غيرهن ممن أراد الحج والعمرة، ومن كان دون ذلک فمن حيث أنشأ حتى أهل مكة من مكة. وأما الإجماع فقال النووى :إذا انتهى الآفاقى إلى الميقات وهو يريد الحج أو العمرة أو القران حرم عليه مجاوزته غير محرم بالإجماع.

وأما ميقات الحرمى والمكى للعمرة فقد خص من الحديث السابق بما ورد عن عائشة رضى الله عنها فى قصة حجها قالت :يا رسول الله، أتنطلقون بعمرة وحجة وأنطلق بالحج؟ فأمر عبد الرحمن بن أبى بكر أن يخرج معها إلى التنعيم فاعتمرت بعد الحج فى ذى الحجة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۰، ص ۳۲۰، مادة " عمرة ")

ہیں۔ [1]

ملحوظ رہے کہ منیٰ اور مزدلفہ دونوں حرم کی حدود میں واقع ہیں، البتہ عرفات حرم کی حدود سے باہر حِل میں واقع ہے۔ [2]

پیچھے جن جن مسائل میں حرم یا اس کی حدود کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد حرم کی یہی مذکورہ حدود ہیں، اور حج وعمرہ کرنے والا بھی کیونکہ حرم کی حدود میں داخل ہوتا ہے، اس لئے اس پر بھی حرم کی ان حدود میں داخلے کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے۔

ملحوظ رہے کہ جس طرح حرم کی حدود میں داخل ہونے والے بہت سے لوگوں کو احرام باندھ کر داخل ہونے کا حکم ہے، اسی طرح حرم میں خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا اور حرم کی حدود میں خودرَو، درخت اور ہری گھاس پھونس کو کاٹنا بھی منع ہے، اور یہ ممانعت احرام میں موجود شخص کے علاوہ دوسرے لوگوں کے حق میں بھی ہے، جن کے بارے میں شریعت کی طرف سے مستقل احکام ہیں، ان احکام کا ذکر آگے احرام کے ممنوعات ومحظورات کے بیان میں آتا ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] ب -تحديد حرم مكة :حد الحرم من جهة المدينة المنورة عند التنعيم وهو على ثلاثة أميال. وفى كتب المالكية أنه أربعة أو خمسة أميال .ومبدأ التنعيم من جهة مكة عند بيوت السقيا، ويقال لها بيوت نفار، ويعرف الآن بمسجد عائشة، فما بين الكعبة المشرفة والتنعيم حرم .والتنعيم من الحل.ومن جهة اليمن سبعة أميال عند أضاة لبن (بكسر فسكون كما فى القاموس وشفاء الغرام) ومن جهة جدة عشرة أميال عند منقطع الأعشاش لآخر الحديبية، فهى من الحرم.ومن جهة الجعرانة تسعة أميال فى شعب عبد الله بن خالد ومن جهة العراق سبعة أميال على ثنية بطرف جبل المقطع، وذكر فى كتب المالكية أنه ثمانية أميال . ومن جهة الطائف على عرفات من بطن نمرة سبعة أميال عند طرف عرنة .ولعل الاختلاف فى تحديد الأميال يرجع إلى الاختلاف فى تحديد أذرع الميل وأنواعها. وابتداء الأميال من الحجر الأسود . هذا وقد حدد الحرم المكى الآن من مختلف الجهات بأعلام بينة مبينة على أطرافه مثل المنار مكتوب عليها اسم العلم باللغات العربية والأعجمية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧ ،ص١٨٦ ،مادة " حرم ")

[2] وامامزدلفة فانها كلهامن الحرم (البحرالرائق ج٢ص٣٦٨، كتاب الحج ،باب الاحرام)

لأن منى من أفنية مكة وتوابعها، لأنها فى الحرم وتوابع الشىء يقوم مقام ذلك الشىء .وأما عرفات فإنها من الحل وليست من فناء مكة، وبينها وبين مكة أربعة فراسخ(البناية شرح الهداية، ج٣ص٤٨، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

(فصل نمبر۲)

احرام باندھنے کامسنون ومستحب طریقہ

جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھنا چاہے، تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اپنے جسم سے میل وکچیل دُور کرلے، اوراپنے جسم (زیرِ ناف، زیرِ بغل، مونچھ) کے فاضل بال اوراُنگلیوں کے ناخن کاٹ لے، اورشریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر زیب وزینت حاصل کرلے۔

اوراحرام کی نیت سے غسل کرلے، اوراگروہ جنبی ہو، یعنی اس کوغسل کرنا ضروری ہو، تو ایک ہی غسل ناپاکی دُور کرنے اوراحرام کی نیت سے کافی ہوجائے گا۔

اوراگرعورت حیض ونفاس کی حالت میں ہوتو، اس کوبھی صفائی حاصل کرنے کی غرض سے غسل کرلینا افضل ومسنون ہے۔

اوراگرکسی کوغسل کرنے میں کوئی عذر ہوتو وضو پر اکتفاء کرلینا بھی جائز ہے۔

اورغسل کے بعد افضل یہ ہے کہ بدن اورلباس وکپڑوں پر ایسی خوشبو لگالے کہ جس خوشبو کا جسم اور دَل بعد میں باقی نہ رہے، پھر اگر احرام باندھنے والا مرد ہو تو سِلے ہوئے کپڑوں کے بجائے دونئے یا استعمال شدہ دُھلی ہوئی چادریں پہن لے، جو سفید رنگ کی ہوں تو بہتر ہے، اوراگرکسی اوررنگ کی ہوں تو بھی جائز ہے۔

آج کل بعض لوگ احرام کی چادروں کے لئے سفید رنگ ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ شرعاً سفید رنگ کے علاوہ دوسرا رنگ بھی جائز ہے البتہ سفید رنگ بہتر ومستحب ہے۔ [1]

---

[1] (جديدين أو غسيلين طاهرين) أبيضين ككفن الكفاية، وهذا بيان السنة وإلا فستر العورة كاف (الدرالمختار)

(قوله جديدين) أشار بتقديمه إلى أفضليته، وكونه أبيض أفضل من غيره وفى عدم غسل العتيق ترك المستحب بحر (قوله ككفن الكفاية) التشبيه فى العدد والصفة ط (ردالمحتار، ج۲ص ۴۸۱، كتاب الحج، فصل فى الإحرام وصفة المفرد)

اورعورت کوحسبِ معمول سِلا ہوالباس پہنے رکھنا جائز ہے۔

پھر اگر مکروہ وقت نہ ہو، اور عورت حیض ونفاس کی حالت میں بھی نہ ہو، تو احرام کی نیت سے دو رکعتیں پڑھ لے۔

اوراحرام کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اگر مرد ہو تو اپنے سر سے کپڑا ہٹادے، اور عورت صرف اپنے چہرے کی جلد پر کپڑا لگنے سے پرہیز کرے۔

احرام کی نیت سے پہلے جو نفل پڑھے جاتے ہیں بعض لوگ ان دو رکعتوں کو سر کھول کر اور اضطباع کر کے پڑھنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

جبکہ مرد کو بلاعذر سر کھول کر اور اضطباع کر کے نماز پڑھنا اچھا نہیں اور احرام شروع ہونے سے پہلے مرد کو سر ڈھانپنا منع نہیں۔

لہٰذا یہ نوافل سر ڈھانپ کر پڑھنا چاہئے۔ [1]

پھر اس کے بعد حج یا عمرہ جو بھی کرنا ہے، اس کی دل میں نیت کرے، اور زبان سے بھی نیت کے عربی یا کسی اور زبان میں الفاظ ادا کر لے، تو بہتر ہے، مگر ضروری نہیں، اور ساتھ ہی احرام شروع کرنے کی نیت سے تلبیہ بھی پڑھ لے۔ [2]

---

[1] فإذا فرغ من الطواف تركه حتى إذا صلى ركعتي الطواف مضطبعا يكره لكشفه منكبه ويأتي الكلام على أنه لا اضطباع في السعي .اهـ . (ردالمحتار، ج۲، ص۴۹۵، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد)

[2] كيفية الإحرام المستحبة:

من أراد أن يحرم بحج أو عمرة أو بهما معا يستحب له إزالة التفث عن جسمه، وأن يتزين على الصورة المألوفة التي لا تتنافى مع الشريعة وآدابها، وأن يغتسل بنية الإحرام، وإذا كان جنبا فيكفيه غسل واحد بنية إزالة الجنابة والإحرام، وأن يتطيب .

والأولى أن يتطيب بطيب لا يبقى جرمه، على التفصيل والخلاف السابق، ثم يلبس ثوبين نظيفين جديدين أو غسيلين، على ألا يكونا مصبوغين بصبغ له رائحة .

وأما المرأة فتلبس ما يستر عورتها إلا وجهها وكفيها .ثم يصلي ركعتين بنية الإحرام .

فإذا أتمهما نوى بقلبه وقال بلسانه :

اللهم إني أريد الحج فيسره لي، وتقبله مني .ثم يلبي .وإذا كان يريد العمرة فيقول :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے بعد احرام شروع ہوجائے گا، اور احرام کی پابندیاں لازم ہوجائیں گی، جو اس وقت تک برقرار رہیں گی، جب تک عمرہ یا حج جو بھی اس احرام سے ادا کرنا ہے، اس کو ادا نہ کرلیا جائے۔ ل

یہ احرام کا مسنون ومستحب مختصر طریقہ تھا۔

آگے احرام کی سنتوں وغیرہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اللهم إنى أريد العمرة، فيسرها لى، وتقبلها منى .

ثم يلبى وإذا كان قارنا فيستحب أن يقدم ذكر العمرة على ذكر الحج حتى لا يشتبه أنه أدخل العمرة على الحج .ويقول :

اللهم إنى أريد الحج والعمرة . . .إلخ، ويلبى .

فيصير بذلك محرما، وتجرى عليه .أحكام الإحرام التى تقدم بيانها.

وإذا كان يؤدى الحج والعمرة عن غيره فلا بد أن يعين ذلك بقلبه ولسانه .ويسن له الإكثار من التلبية .وأفضل صيغها الصيغة المأثورة " :لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك، إن الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك ."ويستحب ألا ينقص منها.

قال الطحاوى والقرطبى " :أجمع العلماء على هذه التلبية ."وأما الزيادة على التلبية، فإن كانت من المأثور فمستحب .وما ليس مرويا فجائز أو حسن، على تفصيل يذكر فى موضع آخر (ر: تلبية) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۷۴، مادة "إحرام")

ل موجب الإحرام:

إذا أحرم شخص بنسك وجب عليه إتمامه ولو كان نفلا فى الأصل .ويلزمه جميع ما يجب على المحرم فعله .ولا يتحلل من إحرامه إلا بعد أداء هذا النسك، على التفصيل المتقدم .ويتصل بهذا بيان أحكام ما يبطل الحج وما يفسده وما يمنع المضى فيه.

أما ما يبطله فهو الردة، فإذا ارتد بطل نسكه ولا يمضى فيه.

أما ما يفسد النسك فهو الجماع، وعليه أن يمضى فى نسكه ثم القضاء من قابل إن كان حجا على ما يأتى بيانه .وإن كان عمرة فعليه أن يمضى أيضا فيها ثم يقضيها ولو فى عامه على التفصيل.

أما ما يمنع الاستمرار فى النسك، وهو الإحصار والفوات، فإن أحكام ذلك ترد فى موضع آخر (ر :إحصار .فوات) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۷۴، وص ۱۷۵، مادة "إحرام")

(فصل نمبر۳)

احرام کی سنن، مباحات، مکروہات وممنوعات

احرام کی حالت میں بعض چیزیں مباح وجائز ہیں، بعض چیزیں سنت ہیں، بعض چیزیں مستحب ہیں، بعض چیزیں مکروہ ہیں، اور بعض چیزیں ممنوع وناجائز ہیں۔
آگے ان کا الگ الگ تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے۔

احرام کی سنتیں

احرام کے لئے بعض چیزیں سنت ہیں، جن کو اختیار کرنا باعثِ ثواب ہے، اوران کا بلاعذر ترک کرنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔
آگے احرام کی ان سنتوں کا مع متعلقہ ضروری پہلوؤں کے ذکر کیا جاتا ہے۔
مسئلہ نمبرا...... احرام شروع کرنے سے پہلے غسل کرنا سنت ہے، جس کا کئی احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے۔
چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهِ وَاغْتَسَلَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے احرام کے لئے سلے ہوئے کپڑے اتارے، اور غسل فرمایا (ترمذی)

---

[1] رقم الحديث ۸۳۰، باب ما جاء فی الاغتسال عند الإحرام.
قال الترمذی: هذا حديث حسن غريب وقد استحب قوم من أهل العلم الاغتسال عند الإحرام، وبه يقول الشافعی.

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے بارے میں سوال کرنے والے شخص کو جواب میں فرمایا کہ:

أَلْقِ ثِيَابَكَ، وَاغْتَسِلْ، وَاسْتَنْقِ مَا اسْتَطَعْتَ، وَمَا كُنْتَ صَانِعًا فِيْ حَجَّتِكَ فَاصْنَعْهُ فِيْ عُمْرَتِكَ (المعجم الاوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: اپنے (سلے ہوئے) کپڑے اتار دیجئے، اور غسل کیجئے، اور جس قدر صفائی حاصل کرسکیں، صفائی حاصل کیجئے، اور جو آپ اپنے حج میں کرتے ہیں، وہی اپنے عمرہ میں کیجئے (طبرانی)

اوراحرام کے لئے یہ غسل کرنا سنت ومستحب ہے، فرض یاواجب نہیں۔

لہٰذا اگر کوئی غسل نہ کرے، بلکہ وضو پر اکتفاء کرلے، تو بھی گناہ نہیں، اس کی بھی بعض روایات اور آثار سے گنجائش ملتی ہے۔ [2]

اوراگر احرام شروع کرتے وقت عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو، تو اس کو بھی غسل کرلینا سنت ومستحب ہے، کیونکہ اس غسل کا مقصود صفائی کا حاصل کرلینا بھی ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ١٨١٥. قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٢٥١، كتاب الحج، باب فرض الحج)

[2] عن إبراهيم، قال: خرجت مع علقمة إلى مكة فلم يغتسل حتى دخلها (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ١٥٨٤٠، باب في الغسل عند الاحرام)

عن إسماعيل عن الحسن، قال: إن شاء المحرم اغتسل، وإن شاء لم يغتسل (ايضاً، رقم الحديث ١٥٨٤١)

عن نافع، عن ابن عمر، أنه نزع قميصه عام الفتنة، ثم لبى، ولم يغتسل (ايضاً، رقم الحديث ١٥٨٤٦)

عن ابن جريج، قال: سألت نافعا أكان ابن عمر يغتسل عند الإحرام؟ فقال: كان ربما يغتسل، وربما توضأ (ايضاً، رقم الحديث ١٥٨٥٠)

[3] اتفق الفقهاء على سنية أغسال الحج للحائض، لحديث عائشة: قالت: قدمت مكة وأنا حائض، ولم أطف بالبيت ولا بين الصفا والمروة. قالت: فشكوت ذلك إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: افعلي كما يفعل الحاج، غير أن لا تطوفي بالبيت حتى تطهري. فيسن لها أن تغتسل للإحرام، ولدخول مكة. وللوقوف بعرفة وغيرها من الأغسال المسنونة. واستثنى المالكية الاغتسال لدخول مكة فلم يستحبوه للحائض، قالوا: لأنه في الحقيقة للطواف، فلذا لا يطلب من الحائض لمنعها من دخول المسجد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٨، ص٣١٩، ٣٢٠، مادة حيض)

اوراحرام سے پہلے غسل کرنے کے وقت میں توسیع پائی جاتی ہے، لہٰذا اگر کوئی احرام شروع کرنے سے کچھ یا زیادہ دیر پہلے غسل کرلے، اور پھر اس کا وضو ٹوٹ جائے، اور اس کے بعد یہ صرف وضو کرلے، غسل کو نہ دہرائے، تو تب بھی سنت کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲...... احرام شروع کرتے وقت (نہ کہ احرام شروع کرنے کے بعد) اپنے بدن کو (نہ کہ لباس کو) خوشبو لگانا سنت ہے، اگرچہ اس خوشبو کا رنگ یا جسم احرام کے بعد بھی باقی رہے، جس کا صحیح حدیث میں ثبوت ملتا ہے۔

---

[۱] اور شافعیہ کے نزدیک اگر کسی نے جمعہ کے دن، جمعہ سے پہلے احرام کی نیت سے غسل کرلیا، تو اس سے جمعہ کے دن کے غسل کی فضیلت بھی حاصل ہوجائے گی۔

جبکہ مالکیہ کے نزدیک احرام سے پہلے غسل کی سنیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ احرام کے ساتھ متصل واقع ہو۔

سنن الإحرام :يسن في الإحرام للعمرة أربع خصال هي:

الاغتسال، وتطييب البدن لا الثوب، وصلاة ركعتين، يفعل هذه الثلاثة قبل الإحرام .ثم التلبية عقب النية، والتلبية فرض في الإحرام عند الحنفية خلافا للجمهور (ر :إحرام ف ۱۰۸ ـ ۱۱۶)

ويسن للمعتمر أن يكثر من التلبية منذ نية الإحرام بالعمرة إلى بدء الطواف باستلام الحجر الأسود، عند الجمهور، وقال المالكية المعتمر الآفاقي يلبي حتى يبلغ الحرم، لا إلى رؤية بيوت مكة، والمعتمر من الجعرانة أو من التنعيم يلبي إلى دخول بيوت مكة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰، ص ۳۲۱، مادة " عمرة ")

الفصل السابع في سنن الإحرام: وهي أمور يثاب فاعلها، ويكون تاركها مسيئا ولا يلزمه بالترك شيء .وجملة ذلك أربعة:

أولا :الاغتسال:

وهو سنة عند الأئمة الأربعة لما ورد فيه من الأحاديث، كحديث زيد بن ثابت :أنه رأى النبي صلى الله عليه وسلم تجرد لإهلاله واغتسل .أخرجه الترمذي وحسنه. وقد اتفقوا على أن هذا الغسل سنة لكل محرم صغير أو كبير، ذكر أو أنثى، ويطلب أيضا من المرأة الحائض والنفساء في حال الحيض والنفاس .فعن ابن عباس مرفوعا إلى النبي صلى الله عليه وسلم قال :إن النفساء والحائض تغتسل وتحرم وتقضي المناسك كلها، غير أن لا تطوف بالبيت حتى تطهر أخرجه أبو داود والترمذي وحسنه واللفظ للترمذي.

ووقت هذا الاغتسال موسع عند الحنفية في الأظهر من مذهبهم .وهو مذهب الحنابلة والشافعية. وثمرة الخلاف أنه لو اغتسل ثم أحدث ثم توضأ ينال فضيلة السنة، ولا يضره ذلك .وألحق الشافعية هذا الغسل بغسل الجمعة، فدل على أنه موسع، كما هو حكم غسل الجمعة . أما المالكية فقيدوا سنية الغسل بأن يكون متصلا بالإحرام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۷۱، مادة "إحرام")

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِحْرَامِهٖ حِيْنَ يُحْرِمُ

(بخارى، رقم الحديث ۱۵۳۹، باب الطيب عند الإحرام)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احرام شروع کرتے وقت آپ کے احرام کو خوشبو لگا دیا کرتی تھی (بخاری) [1]

اوراحرام کے کپڑوں اور لباس میں احرام شروع کرنے سے پہلے ایسی خوشبو لگانا تو منع ہے، جس کا جسم احرام شروع کرنے کے بعد باقی رہے، اور ایسی خوشبو لگانا جائز ہے کہ جس کا جسم احرام شروع کرنے کے باقی نہ رہے، اگرچہ اس کی خوشبو باقی رہے۔

البتہ اگر احرام شروع کرنے کے بعد احرام کے خوشبو والے لباس یا کپڑے کو اپنے بدن سے الگ کر دے یا اتار دے، تو پھر اس کو احرام کی حالت میں دوبارہ جسم پر پہننا یا اوڑھنا جائز نہیں، بشرطیکہ اس میں خوشبو کی مہک موجود ہو، کیونکہ احرام کی حالت میں اس خوشبودار

---

[1] البتہ مالکیہ کے نزدیک جس خوشبو کا جسم احرام کے بعد باقی رہے، تو اس کا احرام شروع کرنے سے پہلے بدن پر لگانا جائز نہیں، اور اگر صرف اس کی خوشبو کا اثر باقی رہے، تو اس کے جائز وناجائز ہونے میں ان کا اختلاف ہے۔

ثانيا: التطيب:

وهو من محظورات الإحرام، لكنه سن استعدادا للإحرام، عند الجمهور، وكرهه مالك.

التطيب فى البدن :ودليل سنيته ما روت عائشة رضى الله عنها قالت :كنت أطيب رسول الله صلى الله عليه وسلم لإحرامه قبل أن يحرم، ولحله قبل أن يطوف بالبيت .متفق عليه .وعنها رضى الله عنها أيضا قالت :كأنى أنظر إلى وبيص الطيب فى مفارق رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو محرم .متفق عليه .والصحيح عندهم جواز التطيب بما يبقى جرمه بعد الإحرام، لتصريح حديث عائشة الثانى .وأما المالكية فحظروا بقاء جرم الطيب ولم يجوزوا بقاء رائحته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ١٧١، ١٧٢، مادة "إحرام")

والذى يظهر من كلام الباجى وابن الحاجب وابن عرفة أنها لا تسقط الفدية إلا فى بقاء الرائحة دون الأثر فقد اتفق الجميع على أنه إذا كان الباقى مما تطيب به قبل الإحرام شيئا من جرم الطيب فإن الفدية تكون واجبة، وإن كان الباقى رائحته فلا فدية والخلاف فيما إذا كان الباقى أثره أى لونه دون جرمه فقيل بعدم وجوبها وقيل بوجوبها(حاشية الدسوقى على الشرح الكبير، ج٢ ص ٦٢، باب فى احكام الحج والعمرة،فصل ما يحرم بالإحرام بحج أو عمرة)

یا خوشبو مہکنے والے لباس یا کپڑے کو دوبارہ استعمال کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ احرام کی حالت میں خوشبو کا استعمال کرنا، یا خوشبودار کپڑا پہننا، اور احرام کی حالت میں خوشبو کا استعمال کرنا ظاہر ہے کہ منع ہے۔ [1]

---

[1] اور مالکیہ کے نزدیک احرام سے پہلے کپڑوں پر لگائی ہوئی خوشبو کا حکم بدن پر لگی ہوئی خوشبو کی طرح ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی۔

التطيب فى ثوب الإحرام:
أما تطييب الثوب قبل الإحرام فمنعه الجمهور وأجازه الشافعي في القول المعتمد .فلا يضر بقاء الرائحة الطيبة في الثوب بعد الإحرام، كما لا يضر بقاء الرائحة الطيبة في البدن اتفاقا، قياسا للثوب على البدن .لكن نصوا على أنه لو نزع ثوب الإحرام .أو سقط عنه .فلا يجوز له أن يعود إلى لبسه ما دامت الرائحة فيه، بل يزيل منه الرائحة ثم يلبسه.
وذهب الحنفية إلى عدم جواز التطيب في الثوب للإحرام، ولا يجوز أن يلبس ثوب إحرام مطيبا. لأنه بذلك يكون مستعملا للطيب في إحرامه باستعمال الثوب، وهو محظور على المحرم .
وذهب المالكية إلى أنه إن تطيب قبل الإحرام يجب إزالته، سواء في ذلك بدنه أو ثوبه، فإن بقي في البدن أو الثوب بعد الإحرام شيء من جرم الطيب الذي تطيب به قبل الإحرام فإن الفدية تكون واجبة، وأما إن كان الباقي في الثوب رائحته، فلا يجب نزع الثوب لكن يكره استدامته، ولا فدية . وأما اللون ففيه قولان عند المالكية .وهذا كله في الأثر اليسير، وأما الأثر الكثير ففيه الفدية.
استدل المالكية بحديث يعلى بن أمية قال :أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل متضمخ بطيب وعليه جبة، فقال :يا رسول الله :كيف ترى في رجل أحرم بعمرة في جبة بعدما تضمخ بطيب؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم :أما الطيب الذي بك فاغسله ثلاث مرات، وأما الجبة فانزعها، ثم اصنع في عمرتك ما تصنع في حجك .متفق عليه .فاستدلالهم بهذا الحديث لحظر الطيب في الإحرام في البدن والثوب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص١٧٢، مادة "إحرام")
ولا يضر بقاء الرائحة في الثوب بعد الإحرام، كما لا يضر بقاء الرائحة الطيبة في البدن اتفاقا، قياسا للثوب على البدن، لكن نصوا على أنه لو نزع ثوب الإحرام أو سقط عنه فلا يجوز له أن يعود إلى لبسه ما دامت الرائحة فيه، بل يزيل منه الرائحة ثم يلبسه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص١٦١، مادة "إحرام")
(قوله وتطيب) أي يسن له استعمال الطيب في بدنه قبيل الإحرام أطلقه فشمل ما تبقى عينه بعده كالمسك والغالية، وما لا تبقى لحديث عائشة في الصحيحين كنت أطيب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لإحرامه قبل أن يحرم وفي لفظ لهما كأني أنظر إلى وبيص الطيب في مفرق رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لإحرامه قبل أن يحرم ، وفي لفظ لمسلم كأني أنظر إلى وبيص المسك وهو البريق واللمعان، وكرهه محمد بما تبقى عينه، والحديث حجة عليه وقيدنا بالبدن إذ لا يجوز التطيب في الثوب بما تبقى عينه على قول الكل على أحد الروايتين عنهما(البحر الرائق، ج٢ص٣٤٥، كتاب الحج، باب الاحرام)

مسئلہ نمبر۳۔..... احرام شروع کرنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لینا سنت سے ثابت ہے۔

احادیث میں حج یا عمرہ کا احرام شروع کرنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْرَمَ وَأَهَلَّ فِيْ دُبُرِ الصَّلَاةِ (سنن الدارمی) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا، اور نماز پڑھنے کے بعد تلبیہ پڑھا (سنن دارمی)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْرَمَ دُبُرَ الصَّلَاةِ (سنن الدارمی) [۲]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد احرام باندھا (سنن دارمی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا، فَلَمَّا صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِهٖ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْهِ أَوْجَبَ فِيْ مَجْلِسِهٖ، فَأَهَلَّ بِالْحَجِّ حِيْنَ فَرَغَ مِنْ رَكْعَتَيْهِ، فَسَمِعَ ذٰلِكَ مِنْهُ أَقْوَامٌ، فَحَفِظُوْا عَنْهُ، ثُمَّ رَكِبَ، فَلَمَّا اسْتَقَلَّتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ أَهَلَّ، وَأَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْهُ أَقْوَامٌ، وَذٰلِكَ أَنَّ النَّاسَ إِنَّمَا كَانُوْا يَأْتُوْنَ أَرْسَالًا، فَسَمِعُوْهُ حِيْنَ اسْتَقَلَّتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ يُهِلُّ، فَقَالُوْا: إِنَّمَا أَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِيْنَ اسْتَقَلَّتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ، ثُمَّ مَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

[۱] رقم الحديث ۱۸۴۸، كتاب المناسك، باب فی أی وقت يستحب الإحرام.
قال حسين سليم أسد الدارانی: إسناده صحيح (حاشية سنن الدارمی)

[۲] رقم الحديث ۱۸۴۷، كتاب المناسك، باب فی أی وقت يستحب الإحرام؛ مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۱۲۸۹۲.
قال حسين سليم أسد الدارانی: إسناده حسن (حاشية سنن الدارمی)

فَلَمَّا عَلَا عَلٰی شَرَفِ الْبَيْدَاءِ أَهَلَّ، وَأَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْهُ أَقْوَامٌ، فَقَالُوْا: إِنَّمَا أَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حِيْنَ عَلَا عَلٰى شَرَفِ الْبَيْدَاءِ، وَايْمُ اللّٰهِ، لَقَدْ أَوْجَبَ فِيْ مُصَلَّاهُ، وَأَهَلَّ حِيْنَ اسْتَقَلَّتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ، وَأَهَلَّ حِيْنَ عَلَا عَلٰى شَرَفِ الْبَيْدَاءِ، فَمَنْ أَخَذَ بِقَوْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَهَلَّ فِيْ مُصَلَّاهُ إِذَا فَرَغَ مِنْ رَكْعَتَيْهِ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۵۸) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ارادے سے نکلے، جب ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعتیں پڑھ چکے، تو یہیں بیٹھے بیٹھے حج کا احرام باندھ لیا، لوگوں نے اسے سن کر اپنے ذہنوں میں محفوظ کرلیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر سوار ہوئے، جب اونٹنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر سیدھی ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ تلبیہ والے الفاظ کہے، کچھ لوگوں نے یہ الفاظ سن لئے کیونکہ لوگ مختلف ٹولیوں کی شکل میں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) آتے تھے، اکٹھے ہی سارے نہیں آجاتے تھے، یہ لوگ بعد میں کہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت احرام باندھا تھا، جب اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر سیدھی ہوگئی تھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہوئے، جب بیداء (پہاڑ) کی چوٹی پر چڑھے تو دوبارہ تلبیہ پڑھا، کچھ لوگوں نے اس وقت کو یاد رکھا اور کہنے لگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداء کی چوٹی پر احرام باندھا ہے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام تو اپنی جائے نماز پر بیٹھے بیٹھے ہی باندھ لیا تھا، البتہ تلبیہ کا اعادہ اس وقت بھی کیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری آپ کو لے کر چلنے لگی تھی اور اس وقت بھی

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حسن لغيره، وهذا سند محتمل للتحسين، ابن إسحاق صرح بالتحديث، وخصيف بن عبد الرحمن -وإن كان فی حفظه شیء -مختلف فيه، وحديثه يصلح للمتابعات، وباقی رجاله ثقات رجال الشيخين...... قلنا :وللحديث مفرقاً شواهد.

جب آپ صلی اللہ وسلم بیداء کی چوٹی پر چڑھے تھے، اس لئے جو شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرنا چاہتا ہے، تو اسے چاہئے کہ احرام کی دو رکعتوں سے فارغ ہونے کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ہی احرام باندھ لے

(مسند احمد)

مگر ملحوظ رہے کہ اگر مکروہ وقت ہو تو پھر احرام سے پہلے کی ان دو رکعتوں کو نہیں پڑھنا چاہئے۔
اگر کوئی احرام شروع کرنے سے پہلے خاص احرام کی غرض سے دو نفل رکعتیں نہ پڑھے، بلکہ کوئی اور سنت نماز پڑھ لے، تو بھی احرام کی ان دو رکعتوں کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔[1]
اور اگر عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہے، تو پھر اسے یہ دو رکعتیں نہیں پڑھنی چاہئیں۔

مسئلہ نمبر ۴...... احرام باندھنے والے کے لئے یہ چیز بھی سنت میں داخل ہے کہ احرام کے بعد کثرت سے تلبیہ پڑھتا رہے، اور احرام شروع کرنے کے وقت بطورِ خاص تلبیہ پڑھے۔
حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَامِنْ مُلَبٍّ یُلَبِّیْ اِلَّا لَبّٰی مَاعَنْ یَمِیْنِہٖ وَشِمَالِہٖ مِنْ حَجَرٍ، اَوْشَجَرٍ، اَوْمَدَرٍ حَتّٰی تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ ھَاھُنَا وَھَاھُنَا (سنن ابن ماجه)[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان تلبیہ پڑھتا ہے تو جو چیزیں اس کے دائیں اور بائیں ہوتی ہیں پتھر یا درخت یا ڈھیلے وہ بھی اس کے

---

[1] ثالثا: صلاة الإحرام: يسن للمحرم أن يصلى ركعتين قبل الإحرام باتفاق الأئمة لحديث ابن عمر رضى الله عنهما: كان النبى صلى الله عليه وسلم يركع بذى الحليفة ركعتين. أخرجه مسلم. ولا يصليهما فى الوقت المكروه، اتفاقا بين الأئمة، إلا من أحرم بالحرم عند الشافعية، فإنه يصليهما ولو فى الوقت المكروه عندهم. وتجزء الصلاة المكتوبة عن سنة الإحرام اتفاقا كذلك، كما فى تحية المسجد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۷۲، وص ۱۷۳، مادة "إحرام")

[2] رقم الحديث ۲۹۲۱، باب التلبية، سنن الترمذى، رقم الحديث ۸۲۸، باب ماجاء فى فضل التلبية والنحر.

ساتھ تلبیہ پڑھتی ہیں، یہاں تک کہ اسی طرح زمین کی منتہیٰ تک (تلبیہ پڑھنے والی چیزوں کا) یہ سلسلہ چلتا ہے (ابنِ ماجہ، ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَنَّ تَلْبِيَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَبَّيْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْکَ، لَبَّيْکَ لَا شَرِيْکَ لَکَ لَبَّيْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِيْکَ لَکَ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ اس طرح تھا کہ:

لَبَّيْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْکَ، لَبَّيْکَ لَا شَرِيْکَ لَکَ لَبَّيْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِيْکَ لَکَ.

''میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ہر تعریف اور ہر نعمت آپ کے لیے ہے، اور ملک وبادشاہت بھی، آپ کا کوئی شریک نہیں ہے'' (بخاری)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ تَلْبِيَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَبَّيْکَ اَللّٰهُمَّ، لَبَّيْکَ، لَبَّيْکَ لَا شَرِيْکَ لَکَ لَبَّيْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِيْکَ لَکَ قَالَ: وَکَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَزِيْدُ فِيْهَا: لَبَّيْکَ لَبَّيْکَ، وَسَعْدَيْکَ، وَالْخَيْرُ بِيَدَيْکَ، لَبَّيْکَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْکَ وَالْعَمَلُ (مسلم) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ یہ تھا کہ:

لَبَّيْکَ اَللّٰهُمَّ، لَبَّيْکَ، لَبَّيْکَ لَا شَرِيْکَ لَکَ لَبَّيْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ

---

[1] رقم الحدیث ۱۵۴۹، باب التلبیة

[2] رقم الحدیث ۱۱۸۴ "۱۹"، باب التلبیة وصفتها ووقتها.

وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ.

’’میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک ہر تعریف اور ہر نعمت آپ کے لیے ہے، اور ملک و بادشاہت بھی، آپ کا کوئی شریک نہیں ہے‘‘

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تلبیہ کے ان کلمات میں یہ الفاظ زیادہ کرتے تھے کہ:

لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ، وَسَعْدَیْکَ، وَالْخَیْرُ بِیَدَیْکَ، لَبَّیْکَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَیْکَ وَالْعَمَلُ.

میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں اور آپ کے احکام کی فرمانبرداری کے لئے حاضر ہوں، ساری بھلائیاں آپ کے قبضہ وقدرت میں ہیں، میں حاضر ہوں اور رغبت اور عمل آپ ہی کی طرف ہے (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فِيْ تَلْبِيَتِهٖ لَبَّيْکَ إِلٰهَ الْحَقِّ، لَبَّيْکَ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۲۹۲۰، باب التلبية)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ میں یہ پڑھا کہ:

لَبَّيْکَ إِلٰهَ الْحَقِّ، لَبَّيْکَ (ابنِ ماجہ)

ان احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگرچہ سنت تو مشہور تلبیہ ہی ہے، لیکن اگر اس تلبیہ کے ساتھ دیگر احادیث میں آئے ہوئے مزید الفاظ کا اضافہ کرلیا جائے، تو بھی کوئی حرج نہیں، بلکہ بہتر ہے۔ [1]

---

[1] عن عبد الله بن عمر: أن تلبية النبي صلى الله عليه و سلم: لبيک اللهم لبيک لبيک لا شريک لک لبيک إن الحمد والنعمة لک والملک لا شريک لک قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت اُسامہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ:

لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ (بخاری) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم برابر لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ (دس ذی الحجہ کو) جمرۂ عقبہ پر کنکریاں ماریں (بخاری، مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حج کا احرام شروع کرنے کے بعد اس وقت تک تلبیہ جاری رکھنا چاہیے جب تک کہ دسویں تاریخ کی رمی شروع نہ کرے۔ [۲]

اور احرام کی حالت میں بطورِ خاص اوپر نیچے چڑھنے اور ایک دوسرے سے ملنے کے وقت اور فرض نماز کے بعد اور ایک حالت سے دوسری حالت تبدیل ہوتے وقت تلبیہ پڑھنا زیادہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكان عبد الله بن عمر يزيد فيها لبيك لبيك لبيك وسعديك والخير بيديك والرغباء إليك والعمل

قال محمد : وبهذا نأخذ التلبية هي التلبية الأولى التي روى عن النبي صلى الله عليه و سلم وما زدت فحسن وهو قول أبي حنيفة والعامة من فقهائنا (موطأ محمد، رقم الحديث ۳۸۵، باب التلبية)

(قوله وزد فيها) ولا تستحب الزيادة من غير المأثور كما في العناية خلافا لما في النهر فافهم، نعم في شرح اللباب ما وقع مأثورا يستحب بأن يقول : لبيك وسعديك والخير كله بيديك والرغباء إليك إله الخلق لبيك بحجة حقا تعبدا ورقا، لبيك إن العيش عيش الآخرة، وما ليس مرويا فجائز أو حسن (رد المحتار، ج۲، ص۴۸۴، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد)

[۱] رقم الحديث ۱۵۴۴، باب الركوب والارتداف في الحج، واللفظ لهٗ؛ مسلم، رقم الحديث ۱۲۸۲ "۲۶۸"، باب استحباب إدامة الحاج التلبية حتى يشرع في رمي جمرة العقبة يوم النحر.

[۲] قال -رحمه الله -(واقطع التلبية بأولها) أي مع أول حصاة ترميها لما روينا ولما روى عن ابن عباس أن أسامة كان رديف النبي -صلى الله عليه وسلم -من عرفة إلى المزدلفة ثم أردف الفضل من مزدلفة إلى منى فكلاهما قال لم يزل النبي -عليه الصلاة والسلام -يلبي حتى رمى جمرة العقبة.

رواه البخاري ومسلم وغيرهما وعليه إجماع الصحابة وقد ذكرنا تأويل من قطعهما منهم (تبيين الحقائق ج۲ ص۳۰، كتاب الحج، باب الاحرام)

فضیلت کا باعث ہے۔ [۱]

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: جَاءَ نِيْ جِبْرِيلُ فَقَالَ لِيْ: يَا مُحَمَّدُ مُرْ أَصْحَابَكَ أَنْ يَّرْفَعُوْا أَصْوَاتَهُمْ بِالتَّلْبِيَةِ (سنن نسائی) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے محمد! آپ اپنے صحابہ کو یہ حکم دیں کہ وہ تلبیہ اونچی آواز سے پڑھا کریں (نسائی)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

لَا تَرْفَعُ الْمَرْأَةُ صَوْتَهَا بِالتَّلْبِيَةِ (مُصنف ابن أبی شیبة) [۳]

ترجمہ: عورت تلبیہ میں اپنی آواز اونچی نہ کرے (ابنِ ابی شیبہ)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ أَنْ يَّرْفَعْنَ أَصْوَاتَهُنَّ بِالتَّلْبِيَةِ (مُصنف ابن أبی شیبة) [۴]

---

[۱] عن ابن جريج ، عن ابن سابط ، قال : كان سلفك يستحب التلبية فى أربعة مواضع ؛ فى دبر الصلاة ، وإذا هبطوا واديا ، أو علوه ، وعند انضمام الرفاق (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ١٢٨٩٤ ، من كان يستحب أن يحرم فى دبر الصلاة)

عن إبراهيم ، قال : تستحب التلبية فى مواطن ؛ فى دبر الصلاة المكتوبة ، وحين تصعد شرفا ، وحين تهبط واديا ، وكلما استوى بك بعيرك قائما ، وكلما لقيت رفقة (ايضاً رقم الحديث ١٢٨٩٥)

عن عبد الرحمن بن الأسود ، عن أبيه ؛ أنه كان يحرم فى دبر الصلاة المكتوبة (ايضاً رقم الحديث ١٢٨٩٦)

عن الأعمش ، عن خيثمة ، قال : كانوا يستحبون التلبية عند ست ؛ دبر الصلاة ، وإذا استقلت بالرجل راحلته ، وإذا صعد شرفا ، وإذا هبط واديا ، وإذا لقى بعضهم بعضا (ايضاً رقم الحديث ١٢٨٩٧)

[۲] رقم الحديث ٢٧٥٣، رفع الصوت بالإهلال.

[۳] رقم الحديث ١٤٨٨٢ ، فى المرأة ترفع صوتها بالتلبية.

[۴] رقم الحديث ١٤٨٨٦ ، فى المرأة ترفع صوتها بالتلبية.

ترجمہ: عورتوں کو تلبیہ میں اپنی آوازیں اونچی کرنے کی ضرورت نہیں (ابنِ ابی شیبہ)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مرد حضرات کو کچھ بلند آواز سے اور عورتوں کو آہستہ آواز سے تلبیہ پڑھنا سنت ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ احرام کی نیت کرنے کے ساتھ تلبیہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سنت ہے۔

اور افضل طریقہ یہ ہے کہ احرام کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اگر کوئی عذر نہ ہو، تو حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ پڑھ لے، جس سے حنفیہ کے نزدیک احرام شروع ہو جائے گا، اور دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک احرام سنت طریقہ پر شروع ہو جائے گا۔ [1]

---

[1] رابعا :التلبية:

التلبية سنة فى الإحرام متفق على سنيتها إجمالا، فيما عدا الخلاف فى حكم قرنها بالنية هل هى فرض فى الإحرام مع النية، أو واجب أو سنة؟ (ف . . .) فاتفقوا فيما عدا ذلك على سنيتها للمحرم، وعلى استحباب الإكثار منها، وسنية رفع الصوت بها.

والأفضل أن يلبى عقب صلاة الإحرام ناويا الحج أو العمرة، على ما قاله الحنفية والمالكية والحنابلة .وهو قول عند الشافعية، وفى قول -وهو الأصح -يلبى إذا ركب .ولا خلاف فى جواز ذلك كله لورود الرواية به .عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه صلى الله عليه وسلم أهل حين استوت به راحلته قائمة متفق عليه.

وأما انتهاء التلبية :فهو للحاج ابتداء رمى جمرة العقبة يوم النحر عند الحنفية والشافعية والحنابلة، ويقطعها عند الطواف والسعى للاشتغال بالأذكار والأدعية الواردة فيها .وأما المالكية فعندهم قولان:

الأول :يستمر فى التلبية حتى يبلغ مكة، فيقطع التلبية حتى يطوف ويسعى، ثم يعاودها حتى تزول الشمس من يوم عرفة ويروح إلى مصلاها . الثانى :يستمر فى التلبية حتى الابتداء بالطواف والشروع فيه.

وأما تلبية إحرام العمرة فالجمهور أنها تنتهى ببدء الطواف باستلام الركن .وقال المالكية :المعتمر الآفاقى يلبى حتى الحرم، لا إلى رؤية بيوت مكة، والمعتمر من الجعرانة والتنعيم يلبى إلى دخول بيوت مكة، لقرب المسافة.

يدل للجمهور حديث ابن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :يلبى المعتمر حتى يستلم الحجر .أخرجه أبو داود والترمذى وصححه واستدل مالك بما رواه عن نافع عن ابن عمر من فعله فى المناسك قال :وكان يترك التلبية فى العمرة إذا دخل الحرم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۷۳، وص ۱۷۴، مادة "إحرام")

احرام کی جائز اور مباح چیزیں

احرام کی حالت میں بعض چیزیں جائز ہیں، جن کو اختیار کرنے کی وجہ سے نہ تو کوئی فدیہ، کفارہ اور دَم وغیرہ لازم آتا، اور نہ کوئی گناہ وکراہت لازم آتی۔

مثلاً احرام کی حالت میں گرم پانی سے غسل کرنا، پانی میں اس طرح غوطہ لگانا، جس سے سر بھی پانی میں ڈوب جائے یا جسم کا کوئی حصہ اس طرح دھونا بلا کراہت جائز ہے، کہ جس میں جسم کو رگڑا نہ جائے، اور میل وکچیل دور نہ کیا جائے۔

اور احرام کی حالت میں بقدرِ ضرورت چکنائی وغیرہ دور کرنے کے لئے ایسا صابن یا سرف استعمال کرنا جائز ہے کہ جس میں خوشبو شامل نہ ہو۔

اور احرام کی حالت میں مرد وعورت کو حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک انگوٹھی پہننا جائز ہے۔

اور احرام کی حالت میں عورت کو اپنے جسم کے تمام اعضاء پر سِلا ہوا لباس پہننا جائز ہے، جس میں حنفیہ کے نزدیک ہاتھوں کے دستانے پہننا بھی داخل ہے۔

البتہ عورت کو چہرہ پر کپڑا لگانا منع ہے۔

اور احرام کی چادر کے تہبند میں روپیہ یا گھڑی وغیرہ رکھنے کے لئے جیب لگانا جائز ہے۔

اور اسی طرح مرد کو چادر پر ازار بند یا کمر بند باندھنا جائز ہے۔

اور احرام کی حالت میں آئینہ دیکھنا جائز ہے۔ [1]

---

[1] اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عورت کو چہرہ کے علاوہ ہاتھوں پر ہتھیلیوں تک کپڑا پہننا بھی منع ہے، اور اسی وجہ سے حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عورت کو احرام کی حالت میں ہاتھوں پر دستانے پہننا جائز نہیں۔
اور مالکیہ کے نزدیک احرام کی حالت میں مرد کو انگوٹھی پہننا جائز نہیں، اور اُن کے نزدیک خلاف ورزی پر فدیہ واجب ہے۔
اور احرام کی حالت میں آئینہ دیکھنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک تو مطلقاً جائز ہے، اور حنابلہ کے نزدیک ضرورت کی وجہ سے جائز اور زینت کی وجہ سے ناجائز ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراحرام کی حالت میں مسواک کرنا جائز ہے۔

اوراحرام کی حالت میں ٹوٹے ہوئے ناخن کو الگ کرنا جائز ہے۔

اوراحرام کی حالت میں حجامہ کرانا اور فصد کرانا جائز ہے، بشرطیکہ بال نہ اُکھاڑے جائیں۔

اوراحرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے کا اوڑھنا جائز ہے، جبکہ اسے جسم پر پہنا نہ جائے۔

اوراحرام کی حالت میں پالتو جانوروں مثلاً اونٹ، گائے، بکری وغیرہ کا ذبح کرنا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور مالکیہ کے نزدیک بہرحال احرام کی حالت میں آئینہ دیکھنا مکروہ ہے کہ کہیں آئینہ میں اپنا میل کچیل دیکھ کر اس کو زائل نہ کردے۔

الأمور التی تباح فی الإحرام كل ما ليس محظورا ولا مكروها، لأن الأصل فی الأشياء الإباحة. ونذكر منها ما يلی:

الاغتسال بالماء القراح، وماء الصابون ونحوه.ولبس الخاتم جائز عند الحنفية أو الشافعية والحنابلة للرجال والنساء .ولا يجوز عند المالكية للرجل المحرم لبس الخاتم، وفيه الفداء .

وأما المرأة :فيجوز لها لبس المحيط لسائر أعضائها، ما عدا الوجه والكفين عند الثلاثة، وما عدا الوجه فقط عند الحنفية.

وشد الهميان والمنطقة جائز عند الحنفية بإطلاق وكذا الشافعية.وقيد المالكية والحنابلة إباحة شدهما بالحاجة لنفقته.والنظر فی المرآة مباح عند الحنفية والشافعية مطلقا .وعند الحنابلة جائز لحاجة لا لزينة، وأما المالكية فيكره عندهم النظر فی المرآة، خيفة أن يرى شعثا فيزيله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۶۹ ،وص ۱۷۰، مادة "إحرام" ما يباح فی الإحرام)

الهميان :كيس تجعل فيه النفقة ويشد على الوسط، وفی اللسان :الهميان هميان الدراهم، أی الذی تجعل فيه النفقة، وهو أيضا :شداد السراويل والمنطقة كانت المرأة تشد بها حقويها .إما تكة وإما خيط(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ ص ۵۲،مادة "زنار")

[1] والسواک نص على إباحته الحنفية وليس هو محل خلاف . ونزع الظفر المكسور مباح باتفاق الأئمة، وصرح الشافعية بألا يجاوز القسم المكسور، وهذا لا يختلف فيه.

والفصد والحجامة بلا نزع شعر جائزة عند فقهاء المذاهب الأربعة .ومثلهما الختان .لكن تحفظ المالكية بالنسبة للفصد، فقالوا :يجوز الفصد لحاجة إن لم يعصب العضو المفصود، وإن لم يكن له حاجة للفصد فهو مكروه، وإن عصبه ففيه الفدية.

والارتداء والاتزار بمخيط أو محيط أی أن يجعل الثوب المخيط أو المحيط رداء أو إزارا، دون لبس .وكذا إلقاؤه على جسمه كل ذلک مباح عندهم جميعا.

وذبح الإبل والبقر والحيوانات الأهلية مباح وذلک لأنها لا تدخل فی تحريم الصيد ولا محرمات الإحرام باتفاقهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۷۰،وص ۱۷۱، مادة "إحرام" ما يباح فی الإحرام)

اور احرام کی حالت میں چشمہ لگانا جائز ہے (امدادالاحکام، ج۲ص۱۸۰، کتاب الحج، فصل فی الاحرام وماھو محظور فیہ)

اور احرام کی حالت میں پان کھانا جائز ہے، لیکن نہ کھانا بہتر ہے۔ [1]

اور احرام کی حالت میں آنت وغیرہ اُترنے کے عذر کی وجہ سے لنگوٹ باندھنا جائز ہے، اور بغیر عذر کے مکروہ ہے، مگر اس پر کوئی کفارہ وغیرہ واجب نہیں۔

---

[1] چنانچہ امدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

پان چونکہ داخلِ طیب نہیں، گو موجبِ زینت ہے، منافی احرام نہیں، اور الائچی اور مثل اُس کے طیب ضرور ہیں، مگر چونکہ پان وتمبا کو میں مغلوب ہیں، لہٰذا وہ بھی جنایت نہیں، گو خالی از کراہت بھی نہیں (امدادُالفتاویٰ، جلد۲، صفحہ۱۶۲، باب الاحرام)

أما إذا خلطه بطعام غير مطبوخ :فـإن كان الطعام أكثر فلا شيء ، ولا فدية إن لم توجد الرائحة، وإن وجدت معه الرائحة الطيبة يكره أكله عند الحنفية .وإن كان الطيب أكثر وجب في أكله الدم سواء ظهرت رائحته أو لم تظهر .

وأما عـنـد المالكية فكل طعام خلط بطيب من غير أن يطبخ الطيب معه فهو محظور في كل الصور، وفيه الفداء .

أمـا إن خـلـط الـطيب بمشروب، كماء الورد وغيره، وجب فيه الجزاء ، قليلا كان الطيب أو كثيرا، عند الحنفية والمالكية .

وقال الشافعية والحنابلة :إذا خـلط الطيب بغيره من طعام أو شراب، ولم يظهر له ريح ولا طعم، فلا حـرمة ولا فـدية، وإلا فهـو حـرام وفيـه الـفـدية (الـموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ١٦١ ، مادة "احرام"، تطييب البدن)

اعـلـم أن خـلـط الـطيـب بـغيـره على وجوه لأنه إما أن يخلط بطعام مطبوخ أو لا ففي الأول لا حكم للطيب سواء كان غالبا أم مغلوبا، وفي الثاني الحكم للغلبة إن غلب الطيب وجب الدم، وإن لم تظهر رائـحتـه كـمـا فـي الفتح، وإلا فلا شيء عليه غير أنه إذا وجدت معه الرائحة كره (ردالمحتار، ج٢، ص٥٤٧، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج)

ولـو كـان الـطيب في طعام طبخ وتغير فلا شيء على المحرم في أكله سواء كان توجد رائحته أو لا، كذا في البدائع.

وإن خلطه بما يؤكل بلا طبخ فإن كان مغلوبا فلا شيء عليه غير أنه إن وجدت معه الرائحة كره.

وإن كـان غـالبـا وجـب الـجـزاء ولو خلطه بما يشرب فإن كان غالبا فدم، وإلا فصدقة إلا أن يشرب مرارا فيجب دم هكذا في النهر الفائق.

وإن أكـل عيـن الـطيـب غيـر مـخـلـوط بـالـطعام فعليه الدم إذا كان كثيرا، كذا في البدائع (الفتاویٰ الهندية، ج ١، ص ٢٤١، كتاب المناسك، الباب الثامن، الفصل الاول)

البتہ نیکر پہننا بہر حال جائز نہیں (احسن الفتاویٰ ج ۴، ص ۵۳۱، کتاب الحج) [1]

اور احرام کی حالت میں ہاتھ میں گھڑی پہننا جائز ہے، **لانہ لیس بساتر۔**

اور اسی طرح احرام کی چادر کے دو پاٹوں کو جوڑنے کے لئے سلائی کرنا جائز ہے، تاکہ بے پردگی لازم نہ آئے، اگرچہ افضل یہ ہے کہ ایسی چادر ہو کہ جس میں بالکل سلائی نہ ہو (امداد الفتاویٰ، ج ۲ ص ۱۶۴، باب الاحرام) [2]

اور احرام کی حالت میں چونکہ حجامہ کرانا یعنی سینگی لگوانا جائز ہے، لہٰذا ضرورت کے وقت کسی کو خون دینا یا خون چڑھوانا جائز ہوا۔

اور حجامہ کے لئے بال کٹوانے کا حکم آگے کفارہ کے بیان میں آتا ہے۔

اور احرام کی حالت میں نکاح کرنا، یا کسی دوسرے کا نکاح پڑھانا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اور دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک احرام میں نکاح کرنا جائز نہیں۔ [3]

---

[1] فإن زرره أو خلله أو عقده أساء ولا دم عليه (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله فإن زرره إلخ) وكذا لو شده بحبل ونحوه لشبهه حينئذ بالمخيط من جهة أنه لا يحتاج إلى حفظه، بخلاف شد الهميان في وسطه لأنه يشد تحت الإزار عادة أفاده في فتح القدير أي فلم يكن القصد منه حفظ الإزار وإن شده فوقه (ردالمحتار، ج۲، ص ۴۸۱، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد)

[2] (قوله وهذا) أي لبس الإزار والرداء على هذه الصفة بيان للسنة وإلا فساتر العورة كاف فيجوز في ثوب واحد وأكثر من ثوبين وفي أسودين أو قطع خرق مخيطة أي المسماة مرقعة والأفضل أن لا يكون فيها خياطة لباب(ردالمحتار، ج۲ ص ۴۸۱، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد)

لنگی کے دو پاٹوں کو آگے سے سینے کی صورت میں بھی وہ لنگی خود سے جسم پر ٹھہری ہوئی نہیں ہوتی، جو کہ ممنوع لباس کے لئے ضروری ہے، اس لئے وہ ممنوع لباس میں داخل ہے۔

[3] الشرط السابع :ألا يكون محرما بحج أو عمرة:

اختلف الفقهاء في اشتراط خلو ولي النكاح من الإحرام بحج أو عمرة إلى رأيين :الرأي الأول: يرى أنه يشترط خلوه من الإحرام بحج أو عمرة، وهو رأي المالكية، والشافعية والحنابلة.

فالمحرم بأحدهما لا يصح منه تولي عقد النكاح، قال المالكية :فإن عقد فسخ أبدا.

وقال الشافعية :وهذا الشرط عام في الولي ولو حاكما أو الزوج، أو الوكيل عن أحدهما أو الزوجة، لحديث :لا ينكح المحرم ولا ينكح ولا يخطب، ولكن إحرام الولي لا ينقل الولاية للولي الأبعد في الأصح.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احرام سے متعلق چند غلط فہمیوں کا ازالہ

احرام کے حوالہ سے معاشرہ میں کئی غلط فہمیاں مشہور ہوگئی ہیں، جن کا کچھ حال ذکر کیا جاتا ہے۔

۱ ...... احرام شروع کرتے وقت عورت کو نیا لباس اور مرد کو مخصوص وہ چادریں پہننا ضروری نہیں، جو احرام کی نیت سے خریدی گئی ہوں، بلکہ دُھلا ہوا اور استعمال شدہ لباس اور چادروں کا پہننا بھی جائز ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ احرام کے لئے ایسا نیا کپڑا ضروری ہے جو پہلے استعمال نہ کیا گیا ہو، حالانکہ شرعاً احرام کے لئے نیا اور غیر استعمالی کپڑا ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ گزرا۔

۱ ...... اسی طرح آج کل بعض لوگ احرام کی حالت میں انہی چادروں کو استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو احرام کی غرض سے لی گئی ہوں، اسی وجہ سے اگر ان کے احرام کی چادریں میلی یا ناپاک ہوجائیں یا پھٹ جائیں تو پریشان ہوتے ہیں، حالانکہ احرام کی حالت میں خاص ان چادروں کا استعمال ضروری نہیں جو احرام کی غرض سے لی گئی ہوں، بلکہ مرد کو ہر ایسا کپڑا استعمال کرنا جائز ہے، جو بدن کی وضع قطع پر سلا ہوا نہ ہو خواہ وہ احرام کی غرض سے نہ لیا گیا ہو اور عام چادر ہی کیوں نہ ہو۔

۱ ...... اسی طرح بعض لوگ احرام کی حالت میں سلی ہوی چادر یا رضائی کے استعمال کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرأى الثانى :يرى أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد أنه لا بأس للمحرم أن ينكح وينكح ويخطب ولكنه إن تزوج فلا ينبغى له أن يدخل حتى يحل.

واستدلوا بما ورد عن ابن عباس رضى الله عنهما " :تزوج النبى صلى الله عليه وسلم ميمونة بنت الحارث وهو محرم "وقالوا :إذا كانت حرمة الصيام لا تمنع عقد النكاح فكذلك حرمة الإحرام لا تمنع عقد النكاح أيضا.

وروى الطحاوى عن ابن مسعود وابن عباس وأنس بن مالك رضى الله عنهم أنهم لا يرون بأسا بتزوج المحرم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۱، ص ۲۵۶،۲۵۷،مادة " نكاح ")

ناجائز سمجھتے ہیں، حالانکہ احرام کی حالت میں ایسا سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے جو بدن کی ہیئت اور وضع کے مطابق کاٹ یا پھاڑ کر بنایا گیا ہو (جیسے کرتا، پائجامہ، بنیان، واسکٹ وغیرہ) لہٰذا احرام کی حالت میں مرد کو رضائی، کمبل وغیرہ کا استعمال جائز ہے۔

▌......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ احرام شروع ہونے کے بعد حلال ہونے تک احرام کی مخصوص چادروں کو رات، دن مستقل پہنے رکھنا ضروری ہے اور اگر ان کو اتار دیا جائے یا کسی ضرورت سے جسم ننگا ہوجائے تو احرام ٹوٹ جاتا ہے، یہ بھی غلط فہمی ہے، کیونکہ اس طرح کرنے سے احرام نہیں ٹوٹتا، جیسا کہ پہلے گزرا۔

▌......اسی طرح بعض لوگ احرام کی چادر میلی یا ناپاک ہونے کے بعد دھونے کو ممنوع سمجھتے ہیں، حالانکہ احرام کی حالت میں، پہنی ہوئی احرام کی چادر یا لباس کو دھونا منع نہیں۔

▌......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب تک احرام کی حالت برقرار رہے اس پورے عرصہ میں اضطباع کئے رکھنا چاہئے (یعنی احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالے رکھنا چاہئے) اور اسی حالت میں نماز بھی ادا کرتے ہیں، جبکہ نماز میں اضطباع کرنا مکروہ ہے اور اضطباع تو صرف ایسے طواف کرتے وقت کرنا سنت ہے جس کے بعد سعی کرنی ہو اور احرام کی چادریں پہنی ہوئی ہوں۔

▌......بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب انسان حج یا عمرہ کے سفر پر گھر سے روانہ ہوتا ہے تو واپس لوٹنے تک احرام کی پابندیاں برقرار رہتی ہیں حالانکہ احرام کی پابندیاں حلال ہونے تک رہتی ہیں اور جب عمرہ یا حج کرکے احرام سے فراغت ہوگئی تو حلال ہونے کی وجہ سے احرام کی پابندیاں ختم ہوگئیں۔

▌......بعض لوگ احرام کی حالت میں ستر اور شرم گاہ کے پردہ کی حفاظت کا اہتمام نہیں کرتے، ناف کے نیچے یا گھٹنوں سے اوپر ران کا کچھ حصہ چلتے پھرتے لیٹے بیٹھے ہوئے نظر آرہا ہوتا ہے، جبکہ مرد کا ناف سے لیکر گھٹنوں تک کا حصہ ستر میں داخل ہے اور اس کو احرام کی

حالت میں بھی دوسروں سے چھپانا ضروری ہے۔

ا ......بعض خواتین خاص ایام میں ہوتی ہیں اور احرام کا مرحلہ پیش آجاتا ہے، ایسی حالت میں وہ بہت پریشان ہوتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ اس حالت میں احرام شروع نہیں ہوسکتا، حالانکہ یہ لاعلمی ہے، کیونکہ احرام اس حالت میں بھی شروع کیا جاسکتا ہے، البتہ اس حالت میں احرام شروع کرنے سے پہلے دو رکعت نفل کے علاوہ ان کو سب کام (فاضل بال، ناخن کاٹنا، غسل) کرنا جائز ہیں۔

ا ......آجکل اکثر خواتین سر پر مخصوص قسم کے رومال کو احرام سمجھتی ہیں اور یہ غلط فہمی بہت عام ہے، حالانکہ عورت کے احرام کا کوئی مخصوص کپڑا مقرر نہیں کہ جس کا عورت کو احرام میں پہننا یا باندھنا ضروری ہو، لہٰذا اس رومال کو احرام سمجھنا درست نہیں، علاوہ ازیں اس کو احرام کی حالت میں سر پر باندھ کر بہت سی خواتین کئی خرابیوں میں بھی مبتلاء ہوتی ہیں مثلاً: بعض خواتین اس کپڑے کو وضو وغیرہ کی حالت میں بھی نہیں اتارتیں اور نہ ہی اس کے نیچے سے ہاتھ دیکر مسح کرتیں، بلکہ اوپر ہی سے ہاتھ پھیر لیتی ہیں اور مسح کا اثر نیچے بالوں تک نہیں پہنچتا جس کی وجہ سے نہ ان کا وضو ہوتا ہے نہ نماز اور بعض خواتین اس کپڑے سے پیشانی کے اس حصہ کو چھپا دیتی ہیں جو حصہ چہرے میں داخل ہے اور اس حصہ پر کپڑا لگانا منع ہے۔

اور سر کے بال ٹوٹنے سے بچانے اور پردہ کے لئے کوئی اور طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

احرام کی مکروہ چیزیں

احرام کی حالت میں بعض چیزیں مکروہ ہیں، جن کو بلاعذر اختیار کرنا برا ہے، لیکن ان کی وجہ سے کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں ہوتا۔

مثلاً احرام کی حالت میں سر کو اور جسم کو اور ڈاڑھی کو کسی ایسی چیز (مثلاً خوشبو کے بغیر شیمپو) سے دھونا جس سے بال نرم ہوجاتے ہیں، یہ مکروہ عمل ہے۔

اوراحرام کی حالت میں زور سے سر میں کنگھا یا خارش کرنا، یا جسم کے کسی حصہ میں زور سے خارش کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر ہلکے اور نرم انداز میں کرے، تاکہ بال وغیرہ نہ ٹوٹیں، تو حرج نہیں۔

اوراحرام کی حالت میں زیب وزینت کا اختیار کرنا بھی مکروہ ہے، اوراسی وجہ سے احرام کی حالت میں زینت کی غرض سے سرمہ لگانا مکروہ ہے، البتہ اگر کوئی زینت کا ارادہ کئے بغیر، دوا یا نظر کی قوت کے لئے غیر خوشبودار سرمہ لگائے، تو حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔

اور خوشبودار سرمہ لگانا بہر حال مرد وعورت دونوں کے لئے ممنوع ہے۔ [1]

---

[1] اور مالکیہ کے نزدیک احرام کی حالت میں غیر خوشبودار سرمہ بھی لگانا ممنوع ہے، اور بغیر ضرورت کے ایسا کرنے پر ان کے نزدیک فدیہ واجب ہے۔

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جس سرمہ میں خوشبو اور زینت نہ ہو، وہ مکروہ نہیں، جیسا کہ سفید سرمہ، اور اگر زینت والا سرمہ لگائے جیسا کہ کالا سرمہ، تو وہ ان کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن اس میں کوئی فدیہ لازم نہیں۔

اور اگر ضرورت کی وجہ سے زینت والا سرمہ لگائے، مثلاً آنکھیں دُکھنے کی وجہ سے، تو پھر ان کے نزدیک کراہت بھی نہیں۔

مکروهات الإحرام :یکره فی إحرام العمرة ما یکره فی إحرام الحج، مثل تمشیط الرأس أو حکه بقوة،وکذا حک الجسد حکا شدیدا، والتزین(ر :إحرام ف۹۸.۹۵) (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۰،ص ۳۲۱،مادة " عمرة ")

الفصل السادس مکروهات الإحرام:وهی أمور یکون فاعلها مسیئا، لکن لا یلزمه جزاء لو فعلها. وفی بیانها تنبیه هام، وإزاحة لما قد یقع من اشتباه.

فمنها غسل الرأس والجسد واللحیة بالسدر ونحوه، عند الحنفیة؛ لأنه یقتل الهوام ویلین الشعر.

ومشط الرأس بقوة، وحکه، وکذا حک الجسد حکا شدیدا، وذلک لأنه یؤدی إلی قطع الشعر أو نتفه .أما لو فعل ذلک برفق فإنه مباح، لذلک قالوا :یحک ببطون أنامله.قال النووی " :وأما حک المحرم رأسه فلا أعلم خلافا فی إباحته بل هو جائز .

والتزین، صرح بکراهته الحنفیة وعبارات غیرهم تدل علیه .قال الحنفیة فی الاکتحال بکحل غیر مطیب لقصد الزینة إنه مکروه، فإن اکتحل لا لقصد الزینة بکحل غیر مطیب بل للتداوی أو لتقویة الباصرة فمباح.أما المالکیة فالاکتحال بغیر مطیب محظور عندهم، وفیه الفداء ، إلا لضرورة فلا فداء فیه.

ومذهب الشافعیة والحنابلة الاکتحال بما لا طیب فیه، إن لم یکن فیه زینة، غیر مکروه، کالکحل الأبیض، وإن کان فیه زینة کالإثمد فإنه یکره، لکن لا یلزم فیه فدیة .فإن اکتحل بما فیه زینة لحاجة کالرمد فلا کراهة .أما الاکتحال بکحل مطیب فإنه محظور اتفاقا علی الرجال والنساء(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲، ص ۱۶۹ ، مادة "إحرام")

احرام کی محظور، ممنوع وناجائز چیزیں

احرام کی حالت میں کئی ایسی چیزیں اور ایسے کام ممنوع وناجائز ہوجاتے ہیں، کہ جو احرام سے پہلے مباح اور جائز تھے، جس میں بے شمار حکمتیں ہیں، مثلاً ایک حکمت یہ ہے کہ ان پابندیوں کی وجہ سے احرام کی حالت میں غفلت پیدا نہ ہو، اور ہر وقت اللہ اور آخرت کا استحضار رہے۔ اور انسانی نفس کی تربیت ہو، اور وہ پابندیوں اور جفاکشی کا عادی ہو، اور عیش پرستی اور آرام طلبی سے نکلے، اور لوگوں میں مساوات اور برابری کا لحاظ ہو، اور تکبر دُور ہوکر عاجزی وانکساری پیدا ہو، اور موت وقبر اور قیامت کے یقین اور اللہ عزوجل کی طرف رجوع میں پختگی پیدا ہو، وغیرہ وغیرہ۔

احرام میں جو چیزیں ممنوع اور ناجائز ہوجاتی ہیں، ایسی چیزوں کو عربی میں ممنوعات ومحظوراتِ احرام کہا جاتا ہے۔ [1]

احرام کی ممنوع یا محظور چیزیں مختصراً مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)...... احرام کی حالت میں مرد کو ایسا سلا ہوا یا بُنا ہوا یا کسی اور طریقہ (مثلاً مشین) سے تیار شدہ لباس پہننا منع ہے، جو جسم یا اس کے بعض اعضاء کے مطابق تیار کیا گیا ہو، اور وہ خود سے جسم پر ٹھہرا رہے، جیسا کہ قمیص، شلوار، بنیان، جرابیں، ٹوپی، دستانے وغیرہ۔

البتہ خواتین کو احرام کی حالت میں سِلا ہوا لباس اور جوتے وموزے وغیرہ پہننا

---

[1] حکمة حظر بعض المباحات حال الإحرام: من حکم الشرع فی ذلک تذکیر المحرم بما أقدم علیه من نسک، وتربیة النفوس علی التقشف.

وقد کان من سنة النبی صلی الله علیه وسلم المغایرة فی حال العیش بین التقشف والترفه، وتقریر المساواة بین الناس، وإذکاء مراقبة الإنسان نفسه فی خصائص أموره العادیة، والتذلل والافتقار لله عز وجل، واستکمال جوانب من عبادة البدن. وقد ورد: إن الله عز وجل یباهی ملائکته عشیة عرفة بأهل عرفة، فیقول: انظروا إلی عبادی أتونی شعثا غبرا (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲، ص ۱۵۱، مادة "إحرام")

جائز ہے۔

(۲)......احرام کی حالت میں مرد کو ٹخنوں تک جوتے پہننا، اور اپنے سر کو اور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک اپنے چہرے کو بھی کپڑے سے ڈھانکنا، ممنوع ومحظور ہے، جبکہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک مرد کو اپنا چہرہ ڈھانکنا ممنوع نہیں۔

اور گردن اور کان کو ڈھانکنا بہر حال کسی کے نزدیک بھی ممنوع نہیں۔ [۱]

---

[۱] ملحوظ رہے کہ اس بارے میں فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ عورت کو احرام کی حالت میں اپنا سر اور سر کے بال ڈھانکنا جائز ہے، اور اس بارے میں بھی اتفاق ہے کہ مرد احرام کی حالت میں اپنے سر کو نہیں ڈھانکے گا، البتہ مرد کو چہرہ ڈھانکنے کے جائز وناجائز اور کفارہ واجب نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مرد کو چہرہ ڈھانکنا جائز ہے، اور اس پر کفارہ واجب نہیں، اور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک جائز نہیں، اور اس پر کفارہ واجب ہے۔

لا خلاف بين الفقهاء في أن إحرام المرأة في وجهها، وأن لها أن تغطي رأسها وتستر شعرها، كما لا خلاف بينهم في أن الرجل المحرم لا يخمر رأسه.

وإنما الخلاف في وجوب الفدية على الرجل المحرم بتخمير وجهه على قولين:

القول الأول :عدم وجوب الفدية بتخمير الوجه.

وإليه ذهب الشافعية، والحنابلة، وروي ذلك عن عثمان بن عفان وعبد الرحمن بن عوف وزيد بن ثابت وابن الزبير وسعد بن أبي وقاص وجابر رضي الله عنهم والقاسم وطاوس والثوري وأبي ثور.

واستدلوا بما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :إحرام المرأة في وجهها وإحرام الرجل في رأسه.

وبما روي في حديث ابن عباس المذكور آنفا أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في الرجل الذي وقصه بعيره :خمروا وجهه ولا تخمروا رأسه.

وبما روي أن عثمان بن عفان وزيد بن ثابت رضي الله عنهما ومروان بن الحكم كانوا يخمرون وجوههم وهم حرم.

وبما ورد عن عبد الله بن عامر بن ربيعة قال :رأيت عثمان بن عفان بالعرج وهو محرم في يوم صائف، قد غطى وجهه بقطيفة أرجوان.

يقول ابن قدامة :فهذا عمل عثمان بن عفان وزيد بن ثابت ومروان بن الحكم، وهو قول غيرهم ممن سمينا من الصحابة، ولم يعرف لهم مخالف، فكان إجماعا.

القول الثاني :وجوب الفدية بتخمير الوجه.

وإليه ذهب الحنفية، والمالكية، وهو الرواية الثانية عن الإمام أحمد.

واستدلوا بما روي عن ابن عباس رضي الله عنهما :أن رجلا وقع عن راحلته -وهو محرم- فوقصته، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور احرام کی حالت میں خواتین کو صرف اپنے چہرہ پر (نہ کہ سر پر) ایسا کپڑا لگانا منع ہے، جو چہرہ کی جلد کو چھولے۔

(۳)...... احرام کی حالت میں مرد حضرات اور خواتین دونوں کو خوشبو لگانا یا ایسی چیز کا استعمال کرنا، جس میں خوشبو بسی ہوئی ہو، منع ہے۔

(۴)...... احرام کی حالت میں مرد حضرات اور خواتین دونوں کو اپنے جسم کے کسی بھی حصہ کے بال کاٹنا اور ناخن کاٹنا منع ہے۔

(۵)...... احرام کی حالت میں مرد حضرات اور خواتین دونوں کو جماع کرنا یا اس کے مقدمات اور دواعی (مثلاً بوس وکنار وغیرہ) کو اختیار کرنا منع ہے۔

(۶)...... احرام کی حالت میں مرد حضرات اور خواتین دونوں کو لڑائی جھگڑا کرنا اور فسق وفجور اور گناہوں میں مبتلا ہونا خصوصیت کے ساتھ منع ہے۔

(۷)...... احرام کی حالت میں مرد حضرات اور خواتین دونوں کو خشکی کے جانور کا شکار کرنا منع ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾اغسلوه بماء وسدر، وكفنوه فى ثوبيه، ولا تخمروا رأسه ولا وجهه، فإنه يبعث يوم القيامة يلبى. فهو نص فى أن المحرم لا يغطى رأسه ولا وجهه، فمن فعل خلاف ذلك يكون مرتكبا لمحظور تجب به الفدية

وروى مالك عن ابن عمر رضى الله عنهما أن ما فوق الذقن من الرأس لا يخمره المحرم.

وقالوا: إن المرأة يحرم عليها تغطية وجهها فى إحرامها، فيحرم على الرجل تغطية رأسه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵ص۸۳ الى ۸۵ ،مادة ''كفارة'')

[۱] اجتناب محظورات الإحرام:

محظورات الإحرام للعمرة هى محظورات الإحرام للحج، منها:

أ) يحرم على الرجل :لبس المخيط وكل ما نسج محيطا بالجسم أو ببعض الأعضاء كالجوارب، ويحرم عليه وضع غطاء على الرأس وتغطية وجهه، ولبس حذاء يبلغ الكعبين.

ب) يحرم على المرأة المحرمة ستر الوجه بستر يلامس البشرة، ولبس قفازين، وتلبس سوى ذلك لباسها العادى.

ج) يحرم على الرجال والنساء الطيب وأى شىء فيه طيب، وإزالة الشعر من الرأس ومن أى موضع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آگے احرام کی ان جیسی ممنوع ومحظور چیزوں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

احرام میں لباس سے متعلق احکام

احرام کی حالت میں مرد کو سِلا ہوا لباس پہننا منع ہے، اور عورت کو سِلا ہوا لباس پہننا جائز ہے۔

اور مرد کو احرام کی حالت میں ایسا سِلا ہوا لباس پہننا منع ہے، جو عادتاً استعمال کیا جاتا ہو، اور جسم یا اس کے بعض حصہ کو چُھپا لے، اور وہ خود سے جسم یا اس کے کسی حصہ پر ٹھہرا رہے۔

لہٰذا مرد کو احرام کی حالت میں چادر یا ایسے کپڑے سے اپنے جسم کو چھپانا جائز ہے، کہ جو بدن کی وضع قطع اور ہیئت کے مطابق نہ سِیا گیا ہو۔ [1]

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ، وَلَا الْعَمَائِمَ، وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ، وَلَا الْبَرَانِسَ، وَلَا الْخِفَافَ، إِلَّا أَحَدٌ لَا يَجِدُ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فى الجسم، واستعمال الدهن الملين للشعر أو الجسم -ولو غير مطيب -وتقليم الأظفار، والصيد والجماع ودواعيه المهيئة له، والرفث "أى :المحادثة بشأنه "وليجتنب المحرمون الفسوق أى: مخالفة أحكام الشريعة، وكذا الجدال بالباطل.

ويجب فى ارتكاب شىء من محظورات الإحرام الجزاء، وفى الجماع خاصة فساد العمرة والكفارة والقضاء، عدا ما حرم من الرفث والفسوق والجدال ففيها الإثم والجزاء الأخروى فقط.

انظر مصطلح :(إحرام :ف ۱۴۵ ــ ۱۸۵)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰، ص ۳۲۰، ۳۲۱، مادة "عمرة")

[1] المحظورات من اللباس

يختلف تحريم الملبس فى حق الرجال عن تحريم الملبس فى حق النساء.

لبس ذلك الثوب، أو استعمله فى اللبس المعتاد له .ويستر جسمه بما سوى ذلك، فيلبس رداء يلفه على نصفه العلوى، وإزارا يلفه على باقى جسمه، أو ما أشبه ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۵۱، ۱۵۲، مادة "إحرام")

النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! احرام باندھنے والا مرد کونسے کپڑے پہن سکتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قمیصیں نہ پہنو، اور نہ عمامے پہنو، اور نہ پائجامے (وشلواریں) پہنو، اور نہ ٹوپیاں پہنو، اور نہ خفین (وموزے) پہنو، مگر یہ کہ کسی کو جوتے میسر نہ ہوں، تو وہ خفین (وموزے) پہن لے، اور انہیں ٹخنوں سے نیچے سے کاٹ لے (بخاری)

اب اس سلسلہ میں چند مسائل ملاحظہ فرمائیں:

مسئلہ نمبر ۱...... احرام کی حالت میں اگر کسی مرد نے کُرتہ، قمیص، جُبہ یا پائجامہ وغیرہ کو با قاعدہ پہنا نہیں، بلکہ اپنے کاندھے پر ویسے ہی ڈال لیا، تو حنفیہ کے نزدیک ایسا کرنے میں حرج نہیں، کیونکہ اس کو پہننا نہیں کہا جاتا۔ [2]

مسئلہ نمبر ۲...... اگر کسی مرد کو احرام کی حالت میں چادر میسر نہ آئے، اور اس کو شلوار یا پائجامہ میسر ہو، تو شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اس کو ایسی مجبوری کی حالت میں شلوار یا پائجامہ کا پہننا

---

[1] رقم الحديث ۵۸۰۳، باب البرانس.

[2] اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک کُرتہ وغیرہ کو با قاعدہ پہنے بغیر کاندھے پر ڈال لینا بھی احرام کے محظورات وممنوعات میں داخل ہے۔

تفصيل أحكام هذه المحظورات:

يشمل تحريم هذه الأصول المتفق عليها أمورا كثيرة نذكر منها ما يلي:

لبس القباء والسراويل ونحوهما:

أولا :لو وضع القباء ونحوه عليه من غير لبس أكمامه فهو محظور كاللبس، عند المالكية والشافعية، وهو المعتمد عند الحنابلة، لنهيه عليه الصلاة والسلام عن لبسه للمحرم .رواه ابن المنذر، ورواه النجاد عن علي، ولأنه عادة لبسه كالقميص .

وفصل الحنفية فقالوا :لو ألقى القباء أو العباء ونحوهما على منكبيه من غير إدخال يديه أو إحداهما في كميه ولم يزره جاز مع الكراهة، ولا فداء عليه، وهو قول الخرقي من الحنابلة فإن زره أو أدخل يديه أو إحداهما في كميه فهو محظور، حكمه حكم اللبس في الجزاء .

ووجهه :أن القباء لا يحيط بالبدن، فلم تلزمه الفدية بوضعه على كتفيه، إذا لم يدخل يديه كميه، كالقميص يتشح به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۵۲، مادة "إحرام")

جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اس کی سلائی کو اُدھیڑے بغیر پہننا جائز نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۳...... جس مرد کو احرام کی حالت میں جوتے میسر نہ ہوں، اور اس کو خفین و موزے میسر ہوں، تو ان کو ٹخنوں سے نیچے سے کاٹ کر پہننا جائز ہے۔ [۲]

---

[۱] البتہ حنفیہ کے نزدیک پائجامہ یا شلوار کی ازار بند والی جگہ یعنی نیفہ کی سلائی اُدھیڑنے کی ضرورت نہیں۔

ثانيا :من لم يجد الإزار يجوز له أن يلبس السراويل إلى أن يجد ما يتزر به، ولا فدية عليه عند الشافعية والحنابلة.

وفصل الحنفية :فأجازوا لبس السراويل إذا كان غير قابل لأن يشق ويؤتزر به، وإلا يفتق ما حول السراويل ما خلا موضع التكة ويتزر به .ولو لبسه كما هو فعليه دم، إلا إذا كان ضيقا غير قابل لذلك فيكون عليه فدية يتخير فيها .وعند المالكية قولان :قول بجواز لبس السراويل إذا عدم الإزار، ويفتدى، وقول :لا يجوز ولو عدم الإزار، وهو المعتمد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۵۳، مادة "إحرام")

[۲] اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مذکورہ مسئلہ میں ٹخنوں سے مراد وہی ہڈیاں ہیں، جن تک وضو کی حالت میں پیروں کا دھونا فرض ہے، اور مشائخِ حنفیہ کے نزدیک وسطِ قدم میں جوتے کا تسمہ باندھے جانے والی جگہ میں اُبھری ہوئی ہڈی مراد ہے، جس کی تفصیل ہم نے اپنے ایک مستقل رسالہ "بحالتِ احرام جوتے وموزے پہننے کا حکم" میں ذکر کردی ہے۔

لبس الخفين ونحوهما :ثالثا :من لم يجد النعلين يقطع الخفين أسفل من الكعبين ويلبسهما، كما نص الحديث. وهو قول المذاهب الثلاثة الحنفية والمالكية والشافعية ، وهو رواية عن أحمد، وقول عروة بن الزبير والثورى وإسحاق بن راهويه وابن المنذر، وهو مروى عن عمر بن الخطاب، وعبد الله بن عمر، والنخعى.

وقال الإمام أحمد :وهو المعتمد فى المذهب :لا يقطع الخفين، ويلبسهما كما هما .وهو قول عطاء وعكرمة وسعيد بن سالم القداح، بل قال الحنابلة " :حرم قطعهما "على المحرم .

استدل الجمهور بحديث ابن عمر السابق فى محظورات الإحرام .واستدل الحنابلة بحديث ابن عباس، وقالوا " :إن زيادة القطع -أى فى حديث ابن عمر -اختلف فيها، فإن صحت فهى بالمدينة، لرواية أحمد عنه " :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول على هذا المنبر "فذكره، وخبر ابن عباس بعرفات، فلو كان القطع واجبا لبينه للجمع العظيم الذى لم يحضر أكثرهم ذلك بالمدينة. وقد فسر الجمهور الكعب الذى يقطع الخف أسفل منه بأنهما العظمان الناتئان عند مفصل الساق والقدم .وفسره الحنفية بالمفصل الذى فى وسط القدم عند معقد الشراك .ووجهه أنه " :لما كان الكعب يطلق عليه وعلى الناتء حمل عليه احتياطا .

رابعا :ألحق المالكية والشافعية والحنابلة بالخفين كل ما ستر شيئا من القدمين ستر إحاطة، فلم يجيزوا لبس الخفين المقطوعين أسفل من الكعبين إلا عند فقد النعلين .ولو وجد النعلين لم يجز له لبسهما، ووجب عليه خلعهما إن كان قد لبسهما .وإن لبسهما لعذر كالمرض لم يأثم وعليه الفداء.

وأما الحنفية فإنهم قالوا :كل ما كان غير ساتر للكعبين، اللذين فى ظاهر القدمين فهو جائز للمحرم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۵۳، ۱۵۴، مادة "إحرام")

البتہ بعض لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ احرام کی حالت میں مرد یا عورت کسی کو بھی پیروں کا کسی بھی قسم کے کپڑے سے سوتے اور جاگتے ہوئے ڈھانکنا جائز نہیں۔

یہ سمجھنا غلط فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ پیروں میں ٹخنوں تک جوتے پہننا درحقیقت سِلا ہوا لباس پہننے کے مفہوم میں داخل ہونے کی وجہ سے مرد کے لئے جائز نہیں، جیسا کہ ہاتھوں، اور گلے میں سِلا ہوا لباس پہننا جائز نہیں، مگر ہاتھ اور گلے وغیرہ پر احرام وغیرہ کی چادر اوڑھنا جائز ہے۔

اسی طرح احرام کی حالت میں مرد وعورت کو چادر، لحاف، گدّے وغیرہ سے پیروں کو ڈھانکنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر ۴...... احرام کی حالت میں اپنے ساتھ اسلحہ رکھنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک جائز ہے، اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بغیر ضرورت کے ممنوع ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۵...... احرام کی حالت میں مرد کو اپنے پورے سَر یا سَر کے بعض حصہ کو عمامہ، ٹوپی یا کسی کپڑے سے چھپانا اور ڈھکنا منع ہے، اور عورت کو منع نہیں۔

اور حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک احرام کی حالت میں مرد کو سَر پر ہاتھ رکھنا منع نہیں ہے۔

اور حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک مرد کو سَر پر کوئی ایسا سامان اُٹھانا منع ہے، جس سے عادتاً سر کو ڈھانکا جاتا ہو، البتہ اگر اس سے عادتاً سَر کو نہ ڈھانکا جاتا ہو، تو پھر جائز ہے۔ [۲]

---

[۱] تقلد السلاح:

خامسا :حظر المالكية والحنابلة على المحرم تقلد السيف بدون حاجة، ومثله الأسلحة المعاصرة. وأوجب عليه المالكية الفداء إذا تقلده لغير حاجة، وقالوا :هذا إذا كانت علاقته غير عريضة، ولا متعددة، وإلا فالفدية لازمة على كل حال، لكن لا يأثم في حال العذر.

وأجاز الحنفية والشافعية تقلد السيف مطلقا، لم يقيدوه بالحاجة، وكأنهم لاحظوا أنه ليس من اللبس المعتاد المحظور على المحرم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۵۴، مادة "إحرام")

[۲] ستر الرأس والاستظلال:

سادسا :اتفق العلماء على تحريم ستر المحرم رأسه أو بعضه، أخذا من تحريم لبس العمائم والبرانس ثم اختلفوا في ضابط هذا الستر.

فعند الحنفية والحنابلة يحرم ستره بما يقصد به التغطية عادة .وعند المالكية يحرم ستر المحرم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶ ...... احرام کی حالت میں مرد کا چھتری، خیمہ، یا کسی اور ایسی چیز سے سایہ حاصل کرنا جائز ہے، جو کہ سَر کو لگی ہوئی نہ ہو، بلکہ سَر سے الگ ہو، جس میں آج کل رائج گاڑیوں، وغیرہ کی چھت سے سایہ حاصل کرنا بھی داخل ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رأسه بكل ما يعد ساترا مطلقا . وقريب منهم مذهب الشافعية، غير أنهم قالوا : يحرم ما يعد ساترا عرفا، فإن لم يكن ساترا عرفا فيحرم إن قصد به الستر.

يحرم ستر بعض الرأس كذلك بما يعد ساترا، أو يقصد به الستر، على الخلاف الذى ذكرناه . فلا يجوز له أن يعصب رأسه بعصابة، ولا سير، ولا يجعل عليه شيئا يلصق به . وقد ضبطه المالكية بما يبلغ مساحة درهم فأكثر . وجعل الحنفية فيما كان أقل من ربع الرأس الكراهة وصدقة بشرط الدوام الذى سيأتى.

واتفقوا على جواز نحو خيط، ويحرم عند المالكية وضع اليد على الرأس، لأنها ساتر مطلقا ، وكذا عند الشافعية إن قصد بها ستر الرأس، وإلا فلا . ولا يحرم عند الحنفية والحنابلة.

وأما وضع حمل على الرأس : فيحرم عند الحنفية والحنابلة إن كان مما يقصد به التغطية بحسب العادة، كما لو حمل على رأسه ثيابا، فإنه يكون تغطية، وإن كان مما لا يقصد به تغطية الرأس عادة لا يحرم، كحمل طبق أو قفة، أو طاسة قصد بها الستر؛ لأنها ليست مما يقصد به الستر غالبا، فصار كوضع اليد.

وهذا متفق مع الشافعية، لكن عند الشافعية إذا حمل ما لا يعتبر ساترا كالقفة وقصد به الستر حرم ولزمه الفداء . وأما المالكية فقالوا : يجوز للمحرم أن يحمل على رأسه ما لا بد منه من خرجه وجرابه، وغيره، والحال أنه لا يجد من يحمل خرجه مثلا لا بأجرة ولا بغيرها.

فإن حمل لغيره أو للتجارة، فالفدية، وقال أشهب : إلا أن يكون عيشه ذلك . أى إلا أن يكون ما ذكر من الحمل للغير أو التجارة لعيشه . وهو معتمد فى المذهب المالكى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۵۴، ۱۵۵، مادة "إحرام")

[۱] والتظلل بما لا يلامس الرأس، وهو ثابت فى أصل تابع له، جائز اتفاقا، كسقف الخيمة، والبيت، من داخلهما، أو التظلل بظلهما من الخارج، ومثل مظلة المحمل إذا كانت ثابتة عليه من الأصل.

وعلى ذلك يجوز ركوب السيارات المسقفة اتفاقا؛ لأن سقوفها من أصل صناعتها، فصارت كالبيت والخيمة.

وإن لم يكن المظل ثابتا فى أصل يتبعه فجائز كذلك مطلقا عند الحنفية والشافعية وقول عند الحنابلة . وقال المالكية: لا يجوز التظلل بما لا يثبت فى المحمل . ونحو هذا قول عند الحنابلة، واختاره الخرقى، وضبطه عندهم فى هذا القول "أنه ستر رأسه بما يستدام ويلازمه غالبا، فأشبه ما لو ستره بشىء يلاقيه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... احرام کی حالت میں حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرد کا اپنے چہرہ کو کپڑے سے اس طرح ڈھانکنا منع ہے کہ کپڑا چہرہ کو لگ جائے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک احرام کی حالت میں مرد کو چہرہ کو کپڑے سے ڈھانکنے کی ممانعت نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۸......احرام کی حالت میں خواتین کا اپنے چہرے پر ماسک پہننا درست نہیں، جبکہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک مرد کو ماسک پہننا جائز ہے، اور حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک مرد کو ناجائز ہے۔

البتہ اگر کوئی مرد یا عورت احرام کی حالت میں چہرہ یا سر سے تولیہ یا ٹشو پیپر سے پانی یا پسینہ وغیرہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وفي التظلل بنحو ثوب يجعل على عصا أو على أعواد (مظلة أو بشيء يرفعه على رأسه من الشمس أو الريح) ، أقوال ثلاثة أقربها الجواز، للحديث الآتي في دليل الجمهور .ويجوز الاتقاء بذلك من المطر .وأما البناء والخباء ونحوهما فيجوز الاتقاء به من الحر والبرد والمطر.

وأجاز التظلل بذلك الحنابلة، وكذا الحنفية والشافعية، لما عرفت من أصل مذهبهم .واستدلوا بحديث أم الحصين قالت :حججت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حجة الوداع، فرأيت أسامة وبلالا، وأحدهما آخذ بخطام ناقة النبي صلى الله عليه وسلم والآخر رافع ثوبه يستره من الحر، حتى رمى جمرة العقبة .أخرجه مسلم.

ولأن ما حل للحلال -كما في المغني - حل للمحرم إلا ما قام على تحريمه دليل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۵۵، مادة "إحرام")

[۱] ستر الوجه: سابعا: يحظر على المحرم ستر وجهه عند الحنفية والمالكية وليس بمحظور عند الشافعية والحنابلة وعزاه النووي في المجموع إلى الجمهور.

استدل الحنفية والمالكية بحديث ابن عباس رضي الله عنهما أن رجلا وقصته راحلته وهو محرم فمات، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :اغسلوه بماء وسدر، وكفنوه في ثوبيه، ولا تخمروا رأسه ولا وجهه، فإنه يبعث يوم القيامة ملبيا أخرجه مسلم.

وجه الاستدلال أنه " :أفاد أن للإحرام أثرا في عدم تغطية الوجه ."واستدلوا أيضا من المعقول بأن المرأة لا تغطي وجهها، مع أن في الكشف فتنة، فالرجل بطريق الأولى.

واستدل الشافعية والحنابلة بما ورد من الآثار عن بعض الصحابة بإباحة تغطية المحرم وجهه، من فعلهم أو قولهم .روى ذلك عن عثمان بن عفان، وعبد الرحمن بن عوف، وزيد بن ثابت، وابن الزبير، وسعد بن أبي وقاص، وجابر.وروى القاسم وطاوس والثوري من غير الصحابة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۵۵،۱۵۶، مادة "إحرام")

صاف کرے، تو اس میں حرج نہیں، کیونکہ اس سے مقصود چہرہ کو چھپانا نہیں ہوتا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۹...... احرام کی حالت میں مرد کو دستانوں کا پہننا جائز نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۰...... احرام کی حالت میں عورت کا اپنے چہرہ کو کپڑے سے اس طرح ڈھانکنا منع ہے کہ کپڑا چہرہ کو لگ جائے۔

اور عورت کو احرام کی حالت میں نامحرم لوگوں سے چہرہ کا پردہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے چہرے کے سامنے اس طرح کوئی کپڑا وغیرہ حائل کرلے کہ وہ اس کے چہرہ سے الگ رہے۔ البتہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت کو احرام کی حالت میں اجنبی لوگوں سے پردہ کرنے کی ضرورت اور مجبوری کی خاطر سَر کے اوپر سے کوئی کپڑا، حجاب، نقاب وغیرہ ڈال کر چہرہ پر لٹکانا جائز ہے، خواہ وہ چہرہ کی کھال سے ہی کیوں نہ لگے۔ [3]

---

[1] يحرم ستر بعض الرأس كذلك بما يعد ساترا، أو يقصد به الستر، على الخلاف الذى ذكرناه .فلا يجوز له أن يعصب رأسه بعصابة، ولا سير، ولا يجعل عليه شيئا يلصق به .وقد ضبطه المالكية بما يبلغ مساحة درهم فأكثر .وجعل الحنفية فيما كان أقل من ربع الرأس الكراهة وصدقة بشرط الدوام الذى سيأتى .واتفقوا على جواز نحو خيط، ويحرم عند المالكية وضع اليد على الرأس، لأنها ساتر مطلقا ، وكذا عند الشافعية إن قصد بها ستر الرأس، وإلا فلا .ولا يحرم عند الحنفية والحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۵۴، مادة "إحرام")

الثانى :أن يغطيه بما لا يقصد به التغطية والستر كحمل العفش ونحوه، فهذا لا بأس به؛ لأنه لا يقصد به الستر، ولا يستر بمثله غالبا (الشرح الممتع على زاد المستقنع، ج۷، ص ۲۹)

[2] لبس القفازين: ثامنا :يحرم على الرجل لبس القفازين، باتفاق العلماء ، كما نص على ذلك النووى، وهو كذلك فى مصادر المذاهب(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲، ص ۱۵۶، مادة "إحرام")

[3] عن نافع ,عن ابن عمر ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :ليس على المرأة حرم إلا فى وجهها "قال أبو أحمد بن عدى :لا أعلمه يرفعه عن عبيد الله غير أبى الجمل هذا قال الشيخ :وأيوب بن محمد أبو الجمل ضعيف عند أهل العلم بالحديث فقد ضعفه يحيى بن معين وغيره .وقد روى هذا الحديث من وجه آخر مجهول عن عبيد الله بن عمر مرفوعا ,والمحفوظ موقوف(سنن البيهقى، رقم الحديث ۹۰۴۹)

عن عائشة رضى الله عنها قالت:المحرمة تلبس من الثياب ما شاء ت إلا ثوبا مسه ورس أو زعفران ولا تتبرقع ,ولا تلثم وتسدل الثوب على وجهها إن شاء ت "(سنن البيهقى،رقم الحديث ۹۰۵۰)

عن فاطمة بنت المنذر؛ أنها قالت :كنا نخمر وجوهنا ونحن محرمات .ونحن مع أسماء بنت أبى بكر الصديق(مؤطا امام مالک، رقم الحديث ۱۱۷۶) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... احرام کی حالت میں عورت کو ہاتھوں میں دستانوں کا پہننا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اور نہ پہننا بہتر ہے۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر اکثر فقہائے کرام کے نزدیک احرام کی حالت میں عورت کو ہاتھوں میں دستانوں کا پہننا جائز نہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ب -محظورات الإحرام من الملبس فی حق النساء :ینحصر محظور الإحرام من الملبس فی حق النساء فی أمرین فقط، هما الوجه والیدان، نفصل بحثهما فیما یلی :ستر الوجه:

اتفق العلماء علی أنه یحرم علی المرأة فی الإحرام ستر وجهها، لا خلاف بینهم فی ذلک.

والدلیل علیه من النقل ما سبق فی الحدیث :ولا تنتقب المرأة المحرمة، ولا تلبس القفازین.

وضابط الساتر هنا عند المذاهب هو کما مر فی ستر الرأس للرجل.

وإذا أرادت أن تحتجب بستر وجهها عن الرجال جاز لها ذلک اتفاقا بین العلماء ، إلا إذا خشیت الفتنة أو ظنت فإنه یکون واجبا.

والدلیل علی هذا الاستثناء حدیث عائشة رضی الله عنها قالت :کان الرکبان یمرون بنا ونحن مع رسول الله صلی الله علیه وسلم محرمات، فإذا حاذوا بنا سدلت إحدانا جلبابها من رأسها علی وجهها، فإذا جاوزونا کشفناه أخرجه أبو داود.

وعن فاطمة بنت المنذر قالت :کنا نخمر وجوهنا ونحن محرمات، ونحن مع أسماء بنت أبی بکر الصدیق .أخرجه مالک والحاکم.ومرادها من هذا ستر الوجه بغیر النقاب علی معنی التستر.

وقد اشترط الحنفیة والشافعیة -وهو قول عند الحنابلة -ألا یلامس الساتر الوجه، کأن تضع علی رأسها تحت الساتر خشبة أو شیئا یبعد الساتر عن ملامسة وجهها "لأنه بمنزلة الاستظلال بالمحمل "کما فی الهدایة.

وأجاز لها المالکیة أن تستر وجهها إذا قصدت الستر عن أعین الناس، بثوب تسدله من فوق رأسها دون ربط، ولا غرز بإبرة أو نحوها مما یغرز به .ومثل ذلک عند الحنابلة، لکن عبروا بقولهم ": إن احتاجت إلی ستره "؛ لأن العلة فی الستر المحرم أنه مما یربط، وهذا لا یربط، کما تشیر عبارة المالکیة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲، ص۱۵۶،۱۵۷، مادة "إحرام")

۱؎ لبس القفازین:یحظر علی المرأة المحرمة لبس القفازین عند المالکیة والحنابلة، وهو المعتمد عند الشافعیة.وذهب الحنفیة، وهو روایة عند الشافعیة، إلی أنه یجوز لها اللبس بکفیها، کالقفاز وغیره، ویقتصر إحرامها علی وجهها فقط.

استدل الجمهور بحدیث ابن عمر بزیادة :ولا تنتقب المرأة المحرمة، ولا تلبس القفازین.

واستدل الحنفیة بحدیث ابن عمر قال :إحرام المرأة فی وجهها ، وبما ورد من آثار عن الصحابة.

وکان سعد بن أبی وقاص یلبس بناته القفازین وهن محرمات .ورخص فیه علی وعائشة .وهو قول عطاء وسفیان والثوری .یجوز للمحرمة تغطیة یدها فقط من غیر شد، وأن تدخل یدیها فی أکمامها وفی قمیصها (الموسوعة الفقهیة الکویتیة،ج۲، ص۱۵۷، مادة "إحرام")

احرام میں بدن سے متعلق احکام

احرام کی حالت میں کچھ پابندیاں جسم سے متعلق بھی ہیں، مثلاً سَر کے بال مونڈنا، کاٹنا اور جسم کے کسی بھی حصہ سے بال زائل کرنا، اور ناخن کاٹنا، اور تیل لگانا، اور خوشبو لگانا۔

یہ چیزیں احرام کی حالت میں ممنوع ومحظور ہیں۔ [1]

اس سلسلہ میں چند مسائل ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:

مسئلہ نمبر۱...... احرام کی حالت میں سَر کے بال دُور کرنا جائز نہیں، خواہ مونڈ کر ہو یا کاٹ کر یا اُکھاڑ کر یا کسی کریم وغیرہ سے صاف کر کے۔

اور یہ ممانعت اس وقت تک ہے، جب تک حج یا عمرہ جو بھی کیا جارہا ہے، اس کے احکام ومناسک سے فارغ ہو کر احرام سے نکلنے کا وقت نہیں آیا۔ [2]

---

[1] المحرمات المتعلقة ببدن المحرم: ضابط هذه المحظورات كل شيء يرجع إلى تطييب الجسم، أو إزالة الشعث، أو قضاء التفث .والدليل على تحريمها قوله تعالى (ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله فمن كان منكم مريضا أو به أذى من رأسه ففدية من صيام أو صدقة أو نسک)

ومن السنة قوله صلى الله عليه وسلم :ولا تلبسوا شيئا من الثياب مسه الزعفران ولا الورس. أخرجه الستة .فتحرم الأشياء الآتية:

أ -حلق الرأس.

ب -إزالة الشعر من أى موضع من الجسم.

ج -قص الظفر.

د -الادهان.

هـ -التطيب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص١٥٨، مادة "إحرام")

[2] تفصيل أحكام هذه المحظورات:

حلق الرأس :يحظر على المحرم حلق رأسه أو رأس محرم غيره .وكذا لو حلق له غيره حلالا أو محرما يحظر عليه تمكينه من ذلک .والتقصير كالحلق فى ذلک كله .وقليل الشعر كذلک يحظر حلقه أو قطعه.

وكذلک إزالة الشعر عن الرأس بأى شيء كالنتف، والحرق، أو استعمال النورة لإزالته .ومثلها أى علاج مزيل للشعر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... احرام کی حالت میں سَر کے علاوہ جسم کے کسی بھی حصہ کے بال دُور کرنا جائز نہیں، خواہ مونڈ کر ہو یا کاٹ کر یا اُکھاڑ کر یا کسی کریم وغیرہ سے صاف کر کے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... احرام کی حالت میں ہاتھ، پاؤں کی اُنگلیوں کے ناخن کاٹنا جائز نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۴...... احرام کی حالت میں حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک سَر اور ڈاڑھی سمیت بدن کے کسی بھی حصہ میں غیر خوشبودار تیل لگانا منع ہے، کیونکہ یہ زینت میں داخل ہے۔

جبکہ شافعیہ کے نزدیک مرد وعورت کو سَر کے بالوں اور مرد کو ڈاڑھی اور مونچھوں میں تو غیر خوشبودار تیل لگانا جائز نہیں، کیونکہ یہ زینت میں داخل ہے، اوراس کے علاوہ بدن کے دوسرے حصوں میں غیر خوشبودار تیل لگانا جائز ہے، کیونکہ یہ زینت میں داخل نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذلک کله ما لم يفرغ الحالق والمحلوق له من أداء نسكهما .فإذا فرغا لا يدخلان فى الحظر . ويسوغ لهما أن يحلق أحدهما للآخر، باتفاق المذاهب على ذلک كله.

والدليل هو ما سبق من نص الآية، وهى وإن ذكرت الحلق فإن غيره مما ذكرنا مثله فى الترفه، فيقاس عليه، ويأخذ حكمه.

واختلفوا فى حلق المحرم للحلال .فحظره الحنفية .وهو قول للمالكية .وأجازه المالكية فى قول آخر والشافعية والحنابلة.

استدل الثلاثة بأن المحرم حلق شعرا لا حرمة له من حيث الإحرام، فلا يمنع، ولا جزاء عليه.

واستدل الحنفية :بأن المحرم كما هو ممنوع من حلق رأس نفسه ممنوع من حلق رأس غيره، لقوله عز وجل :(ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله) . والإنسان لا يحلق رأس نفسه عادة، إلا أنه لما حرم عليه حلق رأس غيره يحرم عليه حلق رأس نفسه من طريق الأولى .وسواء كان المحلوق حلالا أو حراما، لما قلنا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۵۸، ۱۵۹، مادة "إحرام")

[1] إزالة الشعر من أى موضع من الجسم:

يحظر إزالة الشعر وذلک قياسا على شعر الرأس، بجامع الترفه فى كل منهما(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۵۹، مادة "إحرام")

[2] قص الظفر: يحظر على المحرم قص الظفر قياسا على حلق الشعر بجامع الترفه وإزالة الشعث فى كل منهما اتفاقا.

وأما قص ظفر المحرم لظفر حلال ففيه الخلاف الذى ذكرناه فى حلق الرأس(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۵۹، مادة "إحرام")

اور حنابلہ کے نزدیک معتمد یہ ہے کہ بدن کے سب حصوں میں غیر خوشبودار تیل لگانا جائز ہے۔ [1]

احرام میں خوشبو سے متعلق احکام

احرام کی حالت میں خوشبو (عطر، سینٹ وغیرہ) کا جسم اور لباس میں لگانا جائز نہیں (اور احرام شروع کرتے وقت خوشبو لگانے کا حکم الگ ہے، جس کا ذکر احرام کی سنتوں میں گزر چکا ہے) [2]

---

[1] الادهان: الدهن مادة دسمة من أصل حيواني أو نباتي .وقد اختلفوا في الدهن غير المطيب : فالجمهور -عدا الإمام أحمد -على تفصيل بينهم -ذهبوا إلى حظر استعمال الدهن ولو كان غير مطيب، كالزيت، لما فيه من الترفه والتزيين، وتحسين الشعر، وذلك ينافي الشأن الذي يجب أن يكون عليه المحرم من الشعث والغبار افتقارا وتذللا لله تعالى.

وقد أوردوا في الدهن وأشباهه الاستدلال بحديث ابن عمر، قال :قام رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال :من الحاج يا رسول الله؟ قال :الشعث التفل .أخرجه الترمذي وابن ماجه.

والشعث :بكسر العين الوصف، وبفتحها المصدر، ومعناه انتشار الشعر وتغبره لقلة التعهد.

والتفل :من التفل، وهو ترك الطيب حتى يوجد منه رائحة كريهة.فشمل بذلك ترك الدهن.

فقال الحنفية والمالكية يحظر على المحرم استعمال الدهن في رأسه ولحيته وعامة بدنه لما ذكرنا من عموم الاستدلال فيما سبق.

وقال الشافعية يحظر دهن شعر الرأس للرجل والمرأة واللحية وما ألحق بهما كالشارب والعنفقة فقط، حتى لو كان أصلع جاز دهن رأسه، أما إذا كانا محلوقين فيحظر دهنهما؛ لأنه يزينهما إذا نبتا.

ويباح له دهن ما عدا الرأس واللحية وما ألحق بهما، ولا يحظر، ظاهرا كان أو باطنا، ويباح سائر شعور بدنه، ويباح له أكل الدهن من غير أن يصيب اللحية أو الشارب أو العنفقة .واستدلوا بأنه ليس في الدهن طيب ولا تزيين، فلا يحرم إلا فيما ذكرنا؛ لأنه به يحصل التزيين.وإن الذي جاء به الشرع استعمال الطيب، وهذا ليس منه، فلا يثبت تحريمه. وقال الحنابلة -على المعتمد عندهم من إباحته في كل البدن " :إن وجوب الفدية يحتاج إلى دليل، ولا دليل فيه من نص ولا إجماع. ولا يصح قياسه على الطيب، فإن الطيب يوجب الفدية وإن لم يزل شيئا، ويستوي فيه الرأس وغيره، والدهن بخلافه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۵۹، ۱۶۰، مادة "إحرام")

[2] پھر حنفیہ کے نزدیک احرام میں ممنوع خوشبو وہ کہلاتی ہے کہ جس میں لذت آمیز خوشبو پائی جاتی ہو، اور اس سے خوشبو (عطر وغیرہ) تیار کی جاتی ہو، اور شافعیہ کے نزدیک وہ کہلاتی ہے کہ جس سے اکثر اور غالب درجہ میں خوشبو حاصل کرنے کا قصد کیا جاتا ہو، اور احرام کی حالت میں اہم مقصد اس سے خوشبو حاصل کرنا ہو، اور حنابلہ کے نزدیک وہ کہلاتی ہے کہ جس کی خوشبو سے سونگھنے کے لئے عطر وغیرہ تیار کیا جاتا ہو، اور مالکیہ کے نزدیک دو قسمیں ہیں، مذکر و مؤنث، اور دونوں کا حکم جدا ہے، جو مندرجہ ذیل عبارت میں مذکور ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سلسلہ میں چند مسائل ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:

مسئلہ نمبر۱...... احرام کی حالت میں لباس میں خوشبو لگانا منع ہے، خواہ لباس جسم کے ساتھ اس طرح سے لگا ہوا ہو کہ وہ پہن یا اوڑھ رکھا ہو، یا اس پر بیٹھا یا لیٹا ہوا ہو (اور احرام شروع کرتے وقت لباس میں خوشبو لگانے کا حکم الگ ہے، جس کا ذکر احرام کی سنتوں میں گزر چکا ہے) [۱]

مسئلہ نمبر۲...... احرام کی حالت میں بدن میں بھی خوشبو کا استعمال جائز نہیں، اور سَر اور ڈاڑھی وغیرہ پر مہندی وغیرہ کا خضاب لگانا اور جسم یا اس کے کسی حصہ کو خوشبودار صابن سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هـ -التطيب: الطيب عند الحنفية :ما له رائحة مستلذة ويتخذ منه الطيب.وعند الشافعية :ما يقصد منه رائحته غالبا، ولو مع غيره.ويشترط فى الطيب الذى يحكم بتحريمه أن يكون معظم الغرض منه الطيب، واتخاذ الطيب منه، أو يظهر فيه هذا الغرض .وعند الحنابلة :ما تطيب رائحته ويتخذ للشم.

وقسمه المالكية إلى قسمين :مذكر ومؤنث .فالمذكر :هو ما يخفى أثره أى تعلقه بما مسه من ثوب أو جسد ويظهر ريحه .والمراد به أنواع الرياحين :كالريحان، والورد، والياسمين .وأما المياه التى تعتصر مما ذكر فليس من قبيل المؤنث .والمؤنث :هو ما يظهر لونه وأثره، أى تعلقه بما مسه مسا شديدا، كالمسک، والكافور، والزعفران.فالمؤنث يكره شمه، واستصحابه، ومكث فى المكان الذى هو فيه، ويحرم منه .والمذكر يكره شمه، وأما مسه من غير شم واستصحابه ومكث بمكان هو فيه فهو جائز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۰، مادة "إحرام")

[۱] تفصيل أحكام التطيب للمحرم:

تطييب الثوب:

وهو أصل فى الباب، للتنصيص عليه فى الحديث السابق، ومن هنا قالوا :المحرم ممنوع من استعمال الطيب فى إزاره، أو ردائه، وجميع ثيابه، وفراشه، ونعله حتى لو علق بنعله طيب وجب أن يبادر لنزعه، ولا يضع عليه ثوبا مسه الورس أو الزعفران، أو نحوهما من صبغ له طيب.

كذلک لا يجوز له حمل طيب تفوح رائحته، أو شده بطرف ثوبه، كالمسک، بخلاف شد عود أو صندل.

أما الثوب الذى فيه طيب قبل الإحرام فلا يجوز عند الحنفية والمالكية لبسه .ويجوز عند الشافعية والحنابلة تطييب ثوب الإحرام عند إرادة الإحرام .ولا يضر بقاء الرائحة فى الثوب بعد الإحرام، كما لا يضر بقاء الرائحة الطيبة فى البدن اتفاقا، قياسا للثوب على البدن، لكن نصوا على أنه لو نزع ثوب الإحرام أو سقط عنه فلا يجوز له أن يعود إلى لبسه ما دامت الرائحة فيه، بل يزيل منه الرائحة ثم يلبسه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۰، ۱۶۱، مادة "إحرام")

دھونا یا خوشبودار پاؤڈر اور کریم وغیرہ لگانا بھی جائز نہیں۔

اور احرام کی حالت میں خالص خوشبو کا کھانا پینا بھی جائز نہیں۔

البتہ اگر کوئی خوشبو کھانے پینے کی چیز میں شامل ہو، تو اگر اس خوشبو کو کھانا پکانے سے پہلے شامل کیا گیا تھا، اور اس خوشبو کے ساتھ ہی کھانے کو پکایا گیا ہے، تو خواہ خوشبو تھوڑی ہو یا زیادہ، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسی چیز کے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں۔

بلکہ حنفیہ کے نزدیک اگر پکائے ہوئے کھانے میں کھانا پکانے کے بعد بھی خوشبو شامل کی گئی ہو، تو اس کا کھانا جائز ہے۔

اور اگر ایسے کھانے میں خوشبو شامل کی گئی ہو، جو کہ پکایا نہیں گیا، تو اگر کھانے کی مقدار خوشبو کی مقدار پر غالب ہے، اور اس سے خوشبو نہیں آتی، تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر خوشبو آتی ہے، تو اس کا کھانا مکروہ ہے، اور اگر خوشبو کی مقدار کھانے کی مقدار پر غالب ہے، تو پھر اس کا کھانا جائز نہیں، خواہ اس سے خوشبو آتی ہو یا نہ آتی ہو۔

اور مالکیہ کے نزدیک ہر ایسا کھانا جس میں خوشبو پکائے بغیر شامل کی گئی ہو، تو اس کا کھانا بہر حال احرام کی حالت میں ممنوع ہے۔

اور اگر خوشبو کو کسی مشروب میں شامل کیا جائے، جیسا کہ پانی میں شامل کیا ہوا عرقِ گلاب وغیرہ، تو احرام کی حالت میں حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کا پینا جائز نہیں، خواہ خوشبو کم ہو یا زیادہ۔

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جب خوشبو کو کسی بھی کھانے پینے کی چیز میں شامل کر دیا جائے، لیکن اس میں خوشبو کی مہک اور ذائقہ ظاہر نہ ہو، تو احرام کی حالت میں اس کا کھانا پینا جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ [1]

---

[1] تطییب البدن:
یحظر علی المحرم استعمال الطیب فی بدنہ، وعلیہ الفدیة، ولو للتداوی.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۳...... احرام کی حالت میں اگر خوشبو کو صرف سونگھا جائے، لیکن اس کو چھوا نہ جائے، تو ایسا کرنا مکروہ ہے، مگر اس میں کوئی کفارہ لازم نہیں۔ [۱]

احرام میں شکار سے متعلق احکام

احرام کی حالت میں خشکی کے شکار کی بھی ممانعت ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا (سورة المائدة، رقم الآية ۹۶)

ترجمہ: حلال کردیا گیا تمہارے لئے سمندر کا شکار، اور اس کا کھانا، تمہارے اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولا يخضب رأسه أو لحيته أو شيئا من جسمه، ولا يغسله بما فيه طيب، ومنه عند الحنفية الخطمي والحناء، على ما مر من الخلاف فيهما.

وأكل الطيب الخالص أو شربه لا يحل للمحرم اتفاقا بين الأئمة .أما إذا خلط الطيب بطعام قبل الطبخ، وطبخه معه، فلا شيء عليه، قليلا كان أو كثيرا، عند الحنفية والمالكية.وكذا عند الحنفية لو خلطه بطعام مطبوخ بعد طبخه فإنه يجوز للمحرم أكله.

أما إذا خلطه بطعام غير مطبوخ :فإن كان الطعام أكثر فلا شيء، ولا فدية إن لم توجد الرائحة، وإن وجدت معه الرائحة الطيبة يكره أكله عند الحنفية .وإن كان الطيب أكثر وجب في أكله الدم سواء ظهرت رائحته أو لم تظهر .وأما عند المالكية فكل طعام خلط بطيب من غير أن يطبخ الطيب معه فهو محظور في كل الصور، وفيه الفداء.

أما إن خلط الطيب بمشروب، كماء الورد وغيره، وجب فيه الجزاء، قليلا كان الطيب أو كثيرا، عند الحنفية والمالكية .وقال الشافعية والحنابلة :إذا خلط الطيب بغيره من طعام أو شراب، ولم يظهر له ريح ولا طعم، فلا حرمة ولا فدية، وإلا فهو حرام وفيه الفدية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۶۱، مادة "إحرام")

[۱] مذکورہ بالا حکم حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ہے، جبکہ حنابلہ کے نزدیک عمداً خوشبو کا سونگھنا حرام ہے، اور اس کا فدیہ واجب ہے۔

شم الطيب: شم الطيب دون مس يكره عند الحنفية والمالكية والشافعية، ولا جزاء فيه عندهم .

أما الحنابلة فقالوا :يحرم تعمد شم الطيب، ويجب فيه الفداء، كالمسك والكافور، ونحوهما مما يتطيب بشمه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۶۱،۱۶۲، مادة "إحرام")

مسافروں کے فائدہ کے لئے، اور حرام کردیا گیا تم پر خشکی کا شکار، جب تک کہ تم احرام کی حالت میں ہو (سورہ مائدہ)

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ (سورة المائدة، رقم الآية ۹۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! جس وقت تم احرام میں ہو تو شکار کو قتل نہ کرو اور جو کوئی تم میں سے اسے جان بوجھ کر قتل کرے، تو جو مویشی اس نے قتل کیا، اس کے برابر بدلہ ہے، جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں گے، کعبہ تک پہنچنے والی قربانی کے طور پر، یا (پھر اس کی قیمت کے برابر) کفارہ ہے، مسکینوں کو کھانا کھلانے کا، یا اس کے برابر روزے ہیں، تا کہ اپنے کرتوت کا وبال چکھے (سورہ مائدہ)

قرآن مجید کے علاوہ احادیث میں بھی احرام کی حالت میں خشکی کے شکار کی ممانعت آئی ہے [1]

---

[1] أدلة تحريم الصيد :وقد ثبت تحريم الصيد على المحرم بالكتاب والسنة والإجماع :أما الكتاب :فقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا لا تقتلوا الصيد وأنتم حرم)وقال عز من قائل :(وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرما) وكل منهما نص قاطع فى الموضوع .وأما السنة فمنها حديث أبى قتادة حين أحرم أصحابه ولم يحرم، ورأى حمار وحش .وفى الحديث فأسرجت فرسى، وأخذت رمحى، ثم ركبت، فسقط منى سوطى، فقلت لأصحابى -وكانوا محرمين -ناولونى السوط. فقالوا :والله لا نعينك عليه بشيء ، فنزلت، فتناولته ثم ركبت .وفى رواية أخرى :فنزلوا، فأكلوا من لحمها، وقالوا :أنأكل لحم صيد ونحن محرمون؟ فحملنا ما بقى من لحم الأتان، فلما أتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا :يا رسول الله إنا كنا أحرمنا، وقد كان أبو قتادة لم يحرم، فرأينا حمر وحش، فحمل عليها أبو قتادة فعقر منها أتانا، فنزلنا، فأكلنا من لحمها، ثم قلنا :أنأكل لحم صيد ونحن محرمون؟ فحملنا ما بقى من لحمها .قال :أمنكم أحد أمره أن يحمل عليها أو أشار إليها؟ قالوا :لا قال :فكلوا ما بقى من لحمها متفق عليه.أما الإجماع فقد حكاه النووى وابن قدامة كما ذكر ابن قدامة إجماع أهل العلم على وجوب الجزاء بقتله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۶۲ ، مادة "إحرام")

اب اس سلسلہ میں چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں:

مسئلہ نمبر۱...... احرام کی حالت میں جس شکاری جانور کی ممانعت ہے، اس سے مراد حنفیہ کے نزدیک ایسا خشکی کا جانور ہے، جو اپنے پیروں یا پَروں کے ذریعہ سے اپنے آپ کو پکڑے جانے سے روکنے کی قدرت رکھتا ہو، اور وہ اصل پیدائش کے اعتبار سے وحشی یعنی غیر مانوس وغیر پالتو جانور ہو۔

اور مالکیہ کے نزدیک ایسا خشکی کا جانور ہے، جو اپنی پیدائش کے اعتبار سے وحشی یعنی غیر مانوس وغیر پالتو ہو۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ ایسا خشکی کا جانور ہے، جو وحشی یعنی غیر مانوس وغیر پالتو ہو، اور اس کے گوشت کا کھانا بھی حلال ہو۔ [۱]

لہٰذا جو جانور شکار کے مفہوم میں داخل نہ ہو، بلکہ وہ مانوس اور پالتو جانور ہو، جیسا کہ مرغی، اونٹ، گائے، بھینس، بکری، دنبہ، بھیڑ وغیرہ، احرام کی حالت میں ان کو ذبح کرنے یا ان کا گوشت یا انڈے کھانے یا دودھ پینے وغیرہ کی ممانعت نہیں۔

مسئلہ نمبر۲...... احرام کی حالت میں سمندر اور پانی کا شکار مثلاً مچھلی حلال ہے۔ [۲]

اور پانی کا شکار ایسا جانور کہلاتا ہے کہ جس کا توالد وتناسل (یعنی پیدائش) پانی میں ہوتی ہے، اگرچہ وہ خشکی میں رہتا اور بودوباش کرتا ہو، کیونکہ پیدائش اصل چیز ہے، اور بودوباش اس

---

[۱] تعريف الصيد لغة :الصيد لغة :مصدر بمعنى، الاصطياد، والقنص، وبمعنى المصيد، وكل من المعنيين داخل فيما يحظر بالإحرام.

تعريف الصيد اصطلاحا :الصيد عند الحنفية هو الحيوان البرى الممتنع عن أخذه بقوائمه، أو جناحيه، المتوحش فى أصل الخلقة .وعند المالكية هو الحيوان البرى المتوحش فى أصل الخلقة . وعند الشافعية والحنابلة هو الحيوان البرى المتوحش المأكول اللحم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۲، مادة "إحرام" الصيد وما يتعلق به)

[۲] وأما صيد البحر :فحلال للحلال وللمحرم بالنص، والإجماع :أما النص فقوله تعالى :(أحل لكم صيد البحر وطعامه متاعا لكم وللسيارة وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرما)والإجماع حكاه النووى وأبو بكر الجصاص(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۳، مادة "إحرام"إباحة صيد البحر)

کے بعد عارضی چیز ہے۔

اور پانی کے شکار کے مقابلہ میں خشکی کا شکار ایسا جانور کہلاتا ہے کہ جس کا توالد وتناسل (یعنی پیدائش) خشکی میں ہوتی ہے، اگرچہ وہ پانی کو پسند کرتا ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... احرام کی حالت میں خشکی کے شکار کو مارنا، قتل اور ذبح کرنا جائز نہیں۔

اور اسی طرح احرام کی حالت میں خشکی کے شکار کے پیر یا پَر توڑنا یا اس کا انڈہ توڑنا، یا اس کے بال یا پَر اکھاڑنا، یا شکار کو بھگانا ڈرانا، یا اس کو پکڑنا، یا ان میں کسی چیز کا سبب بننا، یہ سب

---

[1] پھر حرم کی حدود کے جس شکار کی ممانعت احرام والے شخص کے لئے ہے، اسی طرح غیر احرام والے شخص کے لئے بھی ہے۔

صيد الحرم:

اتفق الفقهاء على أنه يحرم في الحرم صيد الحيوان البرى، وهو ما يكون توالده وتناسله في البر دون البحرى وهو ما يكون توالده في البحر.

والمراد بصيد الحيوان البرى أن يكون الحيوان متوحشا في أصل الخلقة، ولو صار مستأنسا، نحو الظبى المستأنس.

ويستوى عند الحنفية والمالكية أن يكون مأكول اللحم أو غير مأكول اللحم.

وقيده الشافعية والحنابلة بأن يكون مأكول اللحم، فلا يحرم صيد الحيوان البرى غير مأكول اللحم عندهم.

ودليل حرمة صيد الحرم قوله صلى الله عليه وسلم :إن هذا البلد حرمه الله تعالى يوم خلق السموات والأرض إلى قوله :لا يختلى خلاها ولا يعضد شوكها ولا ينفر صيدها.

وحرمة صيد الحرم تشمل المحرم والحلال، كما تشمل الحرمة إيذاء الصيد أو الاستيلاء عليه وتنفيره أو المساعدة على الصيد بأى وجه من الوجوه، مثل الدلالة عليه، أو الإشارة إليه أو الأمر بقتله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۷، ص ۱۹۳، ۱۹۴، مادة "حرم")

الصيد نوعان :برى وبحرى.

فالصيد البرى :ما يكون توالده في البر، ولا عبرة بالمكان الذى يعيش فيه.

أما الصيد البحرى :فهو ما يكون توالده فى الماء، ولو كان مثواه فى البر، لأن التوالد أصل، والكينونة بعده عارض.

فكلب الماء والضفدع، ومثله السرطان والتمساح والسلحفاة بحرى يحل اصطياده للمحرم، لقوله تعالى :(أحل لكم صيد البحر)

وأما البرى :فحرام عليه إلا ما يستثنى منه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۸، ص ۱۱۴، مادة "صيد")

چیزیں ممنوع ہیں۔ ۱

اوراحرام کی حالت میں مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز پر دوسرے کی اعانت ومدد کرنا بھی جائز نہیں، مثلاً کسی دوسرے شکار کرنے والے کو شکار کی نشاندہی یا اس کی طرف اشارہ کرنا یا اس کو قتل کرنے کے لئے چھُری یا کوئی آلہ دینا، یا شکار کو قتل کرنے اور مارنے کا کسی کو حکم دینا، یہ سب چیزیں منع ہیں۔ ۲

مسئلہ نمبر۴...... احرام کی حالت میں شکار کو اپنی ملکیت میں لینا جائز نہیں، خواہ دوسرے سے خرید کر ہو، یا ہبہ وہدیہ یا صدقہ کی شکل میں اس کو لے کر ہو۔ ۳

---

۱ يشمل تحريم الصيد على المحرم أمورا نصنفها فيما يلي:
تحريم قتل الصيد، لصريح النصوص الواردة فى ذلك .وتحريم إيذاء الصيد، أو الاستيلاء عليه. ومن ذلك :كسر قوائم الصيد، أو كسر جناحه، أو شى بيضه أو كسره، أو نتف ريشه، أو جز شعره، أو تنفير الصيد، أو أخذه، أو دوام إمساكه، أو التسبب فى ذلك كله أو فى شىء منه بدليل الآية :(وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرما) . والآية تفيد تحريم سائر أفعالنا فى الصيد فى حال الإحرام "والدليل من القياس " :أن ما منع من إتلافه لحق الغير منع من إتلاف أجزائه، كالآدمى، فإن أتلف جزء ا منه ضمنه بالجزاء ... .وللقياس على حظر تنفير صيد الحرم، لقوله صلى الله عليه وسلم فى مكة :إن هذا البلد حرمه الله، لا يعضد شوكه، ولا ينفر صيده، ولا تلتقط لقطته إلا من عرفها فإذا حرم تنفير صيد الحرم وجب أن يحرم فى الإحرام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۳، مادة "إحرام" أحكام تحريم الصيد على المحرم)

۲ وتحرم المساعدة على الصيد بأى وجه من الوجوه :مثل الدلالة عليه، أو الإشارة، أو إعارة سكين، أو مناولة سوط .وكذا يحرم الأمر بقتل الصيد اتفاقا فى ذلك.والدليل عليه حديث أبى قتادة السابق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۳، مادة "إحرام" أحكام تحريم الصيد على المحرم)

۳ يحرم تملك الصيد ابتداء ، بأى طريق من طرق التملك، فلا يجوز بيعه، أو شراؤه، أو قبوله هبة، أو وصية، أو صدقة، أو إقالة.والدليل على تحريم ذلك الآية :
(وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرما)
قال فى فتح القدير:أضاف التحريم إلى العين، فيكون ساقط التقوم فى حقه، كالخمر. وأنت علمت أن إضافة التحريم إلى العين تفيد منع سائر الانتفاعات ."ويستدل أيضا من السنة بحديث الصعب بن جثامة أنه أهدى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم حمار وحش، فرده عليه، فلما رأى ما فى وجهه قال :إنا لم نرده عليك إلا أنا حرم .متفق عليه ويستدل بإجماع العلماء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۳، ۱۶۴، مادة "إحرام"تحريم تملك الصيد)

مسئلہ نمبر۵...... احرام کی حالت میں شکار کا دودھ نکالنا، یا انڈہ توڑنا بھی جائز نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر کسی ایسے شخص نے شکار کیا، جو احرام کی حالت میں نہیں تھا، تو کیا ایسے شکار کے گوشت کا احرام کی حالت والے شخص کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اس کے گوشت کا کھانا حلال ہے، بشرطیکہ اس احرام والے شخص نے نہ تو اس کے شکار کا حکم دیا ہو، اور نہ اس کے شکار یا ذبح کرنے کی کسی طرح سے اعانت ومدد کی ہو۔

جبکہ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر وہ شکار احرام والے شخص کے لئے اور اس کی وجہ سے کیا گیا ہو، تو احرام والے شخص کو اس کا گوشت کھانا جائز نہیں، اور اگر اس دوسرے شخص نے اس کا شکار اپنے لئے کیا ہو، یا کسی دوسرے ایسے شخص کے لئے کیا ہو، جو احرام کی حالت میں نہیں تھا، تو اس کا گوشت احرام والے شخص کو کھانا جائز ہے۔ [2]

---

[1] الجزاء فی إتلاف بیض الصید: اختلف الفقهاء فی ضمان بیض الصید المحرم علی المحرم إذا کسره علی قولین:

القول الأول: وجوب الجزاء فیه. وإلیه ذهب الحنفیة، والمالکیة، والشافعیة، والحنابلة.

وقال الحنفیة والشافعیة والحنابلة إن الجزاء فی إتلاف المحرم بیض الصید هو القیمة واستدلوا بما روی من أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی بیض النعام یصیبه المحرم ثمنه، ولأن البیض لا مثل له فتجب قیمته، فإن لم تکن له قیمة لکونه مذرا فلا شیء فیه، إلا بیض النعام فإن لقشره قیمة فی الجملة.

وقال المالکیة: إن الجزاء الواجب فی إتلاف بیض الصید هو عشر قیمة أمه.

القول الثانی: لا جزاء فی إتلاف المحرم بیض الصید، وبه قال المزنی من الشافعیة واستدل بأنه لا روح فیه فلا جزاء علیه(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۵، ص۷۳، مادة "کفارة")

(وإن حلبه) أی الصید (فقیمة لبنه) ؛ لأن لبن الصید جزؤه فأخذ حکم کله وعند مالک وبعض الشافعیة: لا ضمان للبن(مجمع الانهر، ج۲ص ۲۹۹، باب الجنایات فی الحج)

[2] البتہ مالکیہ کے نزدیک احرام والے شخص کے لئے کیا گیا شکار میتہ میں داخل ہوتا ہے، جس کا کسی کو بھی کھانا جائز نہیں ہوتا۔ اور اہلِ علم کی ایک جماعت کے نزدیک احرام کی حالت والے شخص کو بہر حال شکار کا گوشت کھانا جائز نہیں ہوتا، خواہ اس نے اس شکار کا حکم نہ دیا ہو، اور اعانت نہ بھی کی ہو۔

إذا صاد الحلال صیدا فهل یحل للمحرم أکله؟

فی المسألة مذاهب: ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... حرم کی حدود میں موجود شکار، جس طرح احرام والے شخص پر حرام ہے، اسی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المذهب الأول :لا يحل للمحرم الصيد أصلا، سواء أمر به أم لا، وسواء أعان على صيده أم لا، وسواء أصاده الحلال له أم لم يصده له .وهذا قول طائفة من أهل العلم، منهم من الصحابة :على وابن عمر وابن عباس رضى الله عنهم.وكره ذلك طاوس وجابر بن زيد وسفيان الثورى.

المذهب الثانى :ما صاده الحلال للمحرم ومن أجله فلا يجوز للمحرم أكله، فأما ما لم يصده من أجل المحرم بل صاده لنفسه أو لحلال آخر فلا يحرم على المحرم أكله .وهذا مذهب الجمهور، المالكية والشافعية الحنابلة وهو قول إسحاق بن راهويه، وأبى ثور وقال ابن عبد البر :وهو الصحيح عن عثمان فى هذا الباب.

إلا أن المالكية قالوا :ما صيد للمحرم هو ميتة على كل أحد، المحرم المذبوح له وغيره، وعلى المحرم الجزاء إن علم أنه صيد لمحرم ولو غيره، وأكل .وإن لم يعلم وأكل منه فلا جزاء عليه .

ووافقهم الحنابلة فى لزوم الجزاء ، وفصلوا فأوجبوه كاملا إن أكله كله، وقسطه إن أكل بعضه، لكنهم لم يجعلوه حراما إلا على من ذبح له.

وقال الشافعية -على ما هو الأصح الجديد فى المذهب -لا جزاء فى الأكل .ولم يعمموا الحرمة على غير من صيد له الصيد.

المذهب الثالث :يحل للمحرم أكل ما صاده الحلال من الصيد، ما لم يأمر به، أو تكون منه إعانة عليه أو إشارة أو دلالة، وهو مذهب الحنفية.

وقال ابن المنذر " :كان عمر بن الخطاب وأبو هريرة ومجاهد وسعيد بن جبير يقولون :للمحرم أكل ما صاده الحلال، وروى ذلك عن الزبير بن العوام، وبه قال أصحاب الرأى .

استدل أصحاب المذهب الأول القائلون بتحريم أكل لحم الصيد على المحرم مطلقا بإطلاق الكتاب والسنة فيما سبق.

واستدل الجمهور أصحاب المذهب الثانى بأن ما صاده الحلال يحل أكله للمحرم بشرط ألا يكون صيد لأجله بأدلة من السنة منها:

حديث أبى قتادة السابق فقد أحل النبى صلى الله عليه وسلم للمحرمين أكل ما صاده الحلال.

واستدل الجمهور أيضا بحديث جابر رضى الله عنه قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :صيد البر لكم حلال، ما لم تصيدوه أو يصد لكم .أخرجه أبو داود والترمذى والنسائى وصححه الحاكم.وقد تكلم فى سنده، لكن رجح النووى صحته .

واستدل أصحاب المذهب الثالث الحنفية ومن معهم -القائلون :يحل للمحرم أن يأكل من صيد صاده الحلال، وذبحه، ما لم يكن من المحرم دلالة ولا أمر للحلال به، وإن صاده الحلال لأجل المحرم -بأدلة كثيرة من السنة والآثار.

منها حديث أبى قتادة السابق، فى صيده حمار وحش وهو حلال وأكل منه الصحابة وأقرهم النبى صلى الله عليه وسلم منه.وجه دلالة الحديث " :أنهم لما سألوه عليه الصلاة والسلام لم يجب بحله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

طرح ایسے شخص پر بھی حرام ہے، جو احرام کی حالت میں نہ ہو، اور اس کی وجہ حرم کی حدود کے خاص عظمت والے احکام کا ہونا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... بعض جانور ایسے ہیں کہ ان کو احرام کی حالت میں اور حرم کی حدود میں بھی قتل کرنا اور مارنا جائز ہے، مثلاً سانپ، بچھو، چوہا، کٹ کھنا یا ہڑک والا کتا، بھیڑیا، چیل، اور نجاست خور کوا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لهم حتى سألهم عن موانع الحل، أكانت موجودة أم لا؟ فقال صلى الله عليه وسلم :أمنكم أحد أمره أن يحمل عليها، أو أشار إليها؟ قالوا :لا .قال :فكلوا إذن ."فلو كان من الموانع أن يصاد لهم لنظمه فى سلک ما يسأل عنه منها فى التفحص عن الموانع، ليجيب بالحكم عند خلوه منها .وهذا المعنى كالصريح فى نفى كون الاصطياد للمحرم مانعا، فيعارض حديث جابر، ويقدم عليه، لقوة ثبوته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۴ الیٰ ۱۶۶، مادة "إحرام" إذا صاد الحلال صيدا فهل يحل للمحرم أكله؟)

[1] صيد الحرم: المراد بالحرم هنا مكة والمنطقة المحرمة المحيطة بها .وللحرم أحكام خاصة، منها تحريم صيده على الحلال كما يحرم على المحرم أيضا، وذلک باتفاق العلماء ، لقوله صلى الله عليه وسلم :إن هذا البلد حرمه الله، لا يعضد شوكه، ولا ينفر صيده، ولا تلتقط لقطته إلا من عرفها .متفق عليه فقرر العلماء من تحريم الصيد على الحلال فى الحرم أحكاما نحو تحريم الصيد على المحرم، وتفرعت لذلک فروع فى المذاهب لا نطيل ببسطها (ر :حرم)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۶، مادة "إحرام" صيد الحرم)

[2] البتہ حنفیہ کی ایک روایت کے مطابق درندہ کو اس وقت قتل کرنا جائز ہے، جبکہ وہ احرام والے شخص پر حملہ آور ہو۔

ما يستثنى من تحريم قتل الصيد:

أ -اتفق على جواز قتل الحيوانات التالية فى الحل والحرم، للمحرم وغيره، سواء ابتدأت بأذى أو لا، ولا جزاء على من قتلها -وهي :الغراب، والحدأة، والذئب، والحية، والعقرب، والفأرة، والكلب العقور، لما ورد من الأحاديث فى إباحة قتلها :روى مالک عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :خمس من الدواب ليس على المحرم فى قتلهن جناح :الغراب، والحدأة، والعقرب، والفأرة، والكلب العقور .متفق عليه.

وقد ورد ذكر الغراب فى الحديث مطلقا، ومقيدا، ففسروه بالغراب الأبقع الذى يأكل الجيف.

قال الحافظ ابن حجر فى فتح البارى:اتفق العلماء على إخراج الغراب الصغير الذى يأكل الحب من ذلک، ويقال له :غراب الزرع ."اهـ .يعنى أنه لا يدخل فى إباحة قتل الصيد، بل يحرم صيده .

إلا أن المالكية فصلوا فقالوا :يجوز قتل الفأرة والحية والعقرب مطلقا، صغيرة أو كبيرة، بدأت بالأذية أم لا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَلَّ مِنْ قَتْلِ الدَّوَابِّ وَالرَّجُلُ مُحْرِمٌ :أَنْ يُّقْتَلَ الْحَيَّةَ، وَالْعَقْرَبَ، وَالْكَلْبَ الْعَقُوْرَ، وَالْغُرَابَ الْأَبْقَعَ، وَالْحُدَيَّا، وَالْفَأْرَةَ "(مسند احمد رقم الحديث ٢٦١٣٢) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں ان جانوروں کو قتل کرنا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما الغراب والحدأة ففى قتل صغيرهما -وهو ما لم يصل لحد الإيذاء -خلاف عند المالكية :قول بالجواز نظرا للفظ "غراب "الواقع فى الحديث، فإنه مطلق يصدق على الكبير والصغير :وقول بالمنع نظرا للعلة فى جواز القتل، وهى الإيذاء ، وذلك منتف فى الصغير .وعلى القول بالمنع، فلا جزاء فيه، مراعاة للقول الآخر.

ثم قرر المالكية شرطا لجواز قتل ما يقبل التذكية، كالغراب، والحدأة، والفأرة، والذئب، وهو أن يكون قتلها بغير نية الذكاة، بل لدفع شرها، فإن قتل بقصد الذكاة، فلا يجوز، وفيه الجزاء.

ب -يجوز قتل كل مؤذ بطبعه مما لم تنص عليه الأحاديث، مثل الأسد، والنمر، والفهد، وسائر السباع .بل صرح الشافعية والحنابلة أنه مستحب بإطلاق دون اشتراط شىء .وكذا الحكم عندهم فيما سبق استحباب قتل تلك المؤذيات.

وأما المالكية فعندهم التفصيل السابق بالنسبة للكبار والصغار، واشتراط عدم قصد الذكاة بقتلها . واشترطوا فى الطير الذى لم ينص عليه أن يخاف منه على نفس أو مال، ولا يندفع إلا بقتله.

وأما الحنفية فقالوا :السباع ونحوها كالبازى والصقر، معلما وغير معلم، صيود لا يحل قتلها.إلا إذا صالت على المحرم، فإن صالت جاز له قتلها ولا جزاء عليه .وفى رواية عندهم جواز قتلها مطلقا.

استدل الجمهور على تعميم الحكم فى كل مؤذ بأدلة:

منها :حديث أبى سعيد الخدرى رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :يقتل المحرم السبع العادى، والكلب العقور، والفأرة، والعقرب، والحدأة والغراب . .أخرجه أبو داود والترمذى وابن ماجه.وقال الترمذى :هذا حديث حسن، والعمل على هذا عند أهل العلم، قالوا :المحرم يقتل السبع العادى.

واستدلوا بما ورد فى الأحاديث المتفق عليها من الأمر بقتل "الكلب العقور ."قال الإمام مالك: "إن كل ما عقر الناس وعدا عليهم وأخافهم مثل الأسد، والنمر، والفهد، والذئب، فهو الكلب العقور.

ج -ألحق الشافعية والحنابلة بما يقتل فى الحرم والإحرام كل ما لا يؤكل لحمه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص١٦٦ ،١٦٧، مادة "إحرام" ما يستثنى من تحريم قتل الصيد)

[۱] فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

جائز قرار دیا، سانپ کو قتل کرنا، بچھو کو قتل کرنا، کاٹنے والے کتے کو قتل کرنا، اورابقع کوے کو قتل کرنا، اور چیل کو قتل کرنا، اور چوہے کو قتل کرنا (مسند احمد)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ الْعَادِيَ وَالْكَلْبَ الْعَقُوْرَ وَالْفَأْرَةَ وَالْعَقْرَبَ وَالْحِدَأَةَ وَالْغُرَابَ (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احرام میں موجود شخص چیر پھاڑ کے عادی جانوروں کو، اور کٹکھنے کتے کو، اور چوہے کو، اور بچھو کو، اور چیل کو، اور کوے کو قتل کردے گا (ترمذی)

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں۔

مسئلہ نمبر۹ ...... احرام کی حالت میں موذی حشراتُ الارض اور کیڑے مکوڑے مثلاً چھپکلی، مکھی، مچھر وغیرہ کو مارنا جائز ہے، کیونکہ یہ شکاری جانور میں داخل نہیں، اور جُوں کا حکم آگے کفارہ کے بیان میں آتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٧٦٧، ابواب الحج، باب ما يقتل المحرم من الدواب.

[2] الهوام والحشرات:

د -لا تدخل الهوام والحشرات فى تحريم الصيد عند أصحاب المذاهب الثلاثة :الحنفية والشافعية والحنابلة.

أما عند الحنفية :فلأنها ليست ممتنعة، وقد ذكروا فى تعريف الصيد أنه الممتنع .

وعلى ذلک فلا جزاء فى قتلها عند الحنفية، لكن لا يحل عندهم قتل ما لا يؤذى، وإن لم يجب فيه الجزاء .

وأما عند الشافعية والحنابلة فلا تدخل فى الصيد، لكونهم اشترطوا فيه أن يكون مأكولا .وهذه غير مأكولة، وقد عرفت تفصيل حكمها عندهم فى المسألة السابقة.

وأما المالكية فقالوا :يحظر قتل ما لا يؤذى من الحشرات بالإحرام والحرم، وفيه الجزاء عندهم.

لكن قالوا فى الوزغ :لا يجوز للمحرم قتله، ويجوز للحلال قتله فى الحرم، "إذ لو تركها الحلال بالحرم لكثرت فى البيوت وحصل منها الضرر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص١٦٧، ١٦٨، مادة "إحرام")

(وراجع للتفصيل: الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٢٨٤، و٢٨٥، مادة "حشرات")

احرام میں جماع اور قضاءِ شہوت سے متعلق احکام

احرام کی حالت میں جماع اور اس کے متعلقات بھی حرام ہیں۔

اور جماع کرنے کی حرمت اور شدت زیادہ ہے۔ [1]

اس سلسلہ میں چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں:

مسئلہ نمبر۱...... احرام کی حالت میں اکثر فقہائے کرام کے نزدیک جماع خواہ جان بوجھ کر ہو، یا بھول کر، اور مسئلہ معلوم ہو، یا مسئلہ سے ناواقف ہو، بہرحال گناہ ہے، جس سے بعض صورتوں میں احرام فاسد ہوجاتا ہے، اور بعض صورتوں میں اس کا کفارہ لازم ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] الجماع ودواعيه:
يحرم على المحرم باتفاق العلماء وإجماع الأمة الجماع ودواعيه الفعلية أو القولية وقضاء الشهوة بأى طريق .والجماع أشد المحظورات حظرا؛ لأنه يؤدى إلى فساد النسک .والدليل على تحريم ذلک النص القرآنى :(فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج) . فسر الرفث بأنه ما قيل عند النساء من ذكر الجماع وقول الفحش .وثبت ذلک عن ابن عباس.فتكون الآية دليلا على تحريم الجماع على المحرم بطريق دلالة النص، أى من باب الأولى؛ لأنه إذا حرم ما دون الجماع، كان تحريمه معلوما بطريق الأولى .وفسر الرفث أيضا بذكر إتيان النساء ، الرجال والنساء إذا ذكروا ذلک بأفواههم .ونقل ذلک عن ابن عمر وبعض التابعين .فتدل الآية على حرمة الجماع لدخوله فى عمومها .كما فسر بالجماع أيضا، ونسب ذلک إلى جماعة من السلف منهم ابن عباس وابن عمر، فتكون الآية نصا فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۸، مادة "إحرام")

[2] اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھول کر اور جنون یا بیہوشی یا نیند یا زبردستی کی حالت میں جماع کرنے سے احرام فاسد نہیں ہوتا۔

المبحث الثالث: فى الجماع ودواعيه: اتفق العلماء على أن الجماع فى حالة الإحرام جناية يجب فيها الجزاء .والجمهور على أن العامد والجاهل والساهى والناسى والمكره فى ذلک سواء .وهو مذهب الحنفية والمالكية والحنابلة.

قال ابن قدامة " :لأنه معنى يتعلق به قضاء الحج، فاستوى عمده وسهوه كالفوات ."لكن استثنى الحنابلة من الفداء الموطوءة كرها، فقالوا :لا فداء عليها، بل يجب عليها القضاء فقط.

وقال الشافعية:الناسى والمجنون والمغمى عليه والنائم والمكره والجاهل لقرب عهده بالإسلام أو نشوئه ببادية بعيدة عن العلماء ، فلا يفسد الإحرام بالنسبة إليهم بالجماع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۹۰، مادة "إحرام")

مسئلہ نمبر۲...... جو شخص حج کے احرام کی حالت میں ہو، اور وہ جماع کرلے، تو اگر وہ وقوفِ عرفہ کرنے سے پہلے جماع کرے، تو اس کا حج فاسد ہوجاتا ہے، اور اس پر یہ بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ اس فاسد شدہ حج کو جاری رکھ کر پورا کرے، اور اس پر آئندہ اس فاسد شدہ حج کی قضا بھی واجب ہوتی ہے۔

اور قضا حج کے ساتھ اس پر دَم بھی واجب ہوتا ہے، جس میں حنفیہ کے نزدیک قربانی کے چھوٹے جانور (بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کا ذبح کرنا واجب ہوتا ہے، اور دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک بُدنہ یعنی قربانی کے بڑے جانور (اونٹ، گائے، بھینس) کا ذبح کرنا واجب ہوتا ہے۔ [1]

اور اگر کوئی شخص جماع، وقوفِ عرفہ کے بعد مگر تحلّلِ اول (یا تحللِ اصغر) سے پہلے کرے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا حج فاسد نہیں ہوتا۔

مگر مذکورہ صورت میں حنفیہ کے نزدیک اس پر بُدنہ یعنی قربانی کے بڑے جانور (اونٹ، گائے، بھینس) کا ذبح کرنا واجب ہوتا ہے۔

جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں بھی اس کا حج فاسد ہوجاتا ہے، اور اس پر

---

[1] أولا :الجماع فی إحرام الحج:

یکون الجماع فی إحرام الحج جنایة فی ثلاثة أحوال:

الأول -الجماع قبل الوقوف بعرفة .فمن جامع قبل الوقوف بعرفة فسد حجه بإجماع العلماء ، ووجب علیه ثلاثة أمور:

ا ۔ الاستمرار فی حجه الفاسد إلی نهایته لقوله تعالی :(وأتموا الحج والعمرة لله) وجه الاستدلال أنه "لم یفرق بین صحیح وفاسد.

۲ ۔ أداء حج جدید فی المستقبل قضاء للحجة الفاسدة، ولو کانت نافلة .ویستحب أن یفترقا فی حجة القضاء هذه عند الأئمة الثلاثة منذ الإحرام بحجة القضاء ، وأوجب المالکیة علیهما الافتراق.

۳ ۔ ذبح الهدی فی حجة القضاء .وهو عند الحنفیة شاة، وقال الأئمة الثلاثة :لا تجزء الشاة، بل یجب علیه بدنة.

استدل الحنفیة بما ورد أن رجلا جامع امرأته وهما محرمان، فسألا رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال لهما :اقضیا نسککما وأهدیا هدیا رواه أبو داود فی المراسیل والبیهقی، وبما روی من الآثار عن الصحابة أنه یجب علیه شاة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲،ص ۱۹۰،مادة " إحرام ")

فاسد شدہ حج والی چیزیں لازم ہوتی ہیں، جن کا پہلے ذکر گزرا۔ [1]

اور اگر کوئی شخص جماع، وقوفِ عرفہ اور تحلّلِ اول یا تحللِ اصغر کے بعد کرے، تو بالاتفاق حج فاسد نہیں ہوتا۔

البتہ اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس پر قربانی کے چھوٹے جانور (بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کا ذبح کرنا واجب ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] الثانی :الجماع بعد الوقوف قبل التحلل الأول .فمن جامع بعد الوقوف قبل التحلل يفسد حجه، وعليه بدنة -كما هو الحال قبل الوقوف -عند المالكية والشافعية والحنابلة.وذهب الحنفية إلى أنه لا يفسد حجه، ويجب عليه أن يهدى بدنة.

استدل الثلاثة :بما روى عن ابن عمر أن رجلا سأله فقال :إنى وقعت على امرأتى ونحن محرمان؟ فقال :أفسدت حجك .انطلق أنت وأهلك مع الناس، فاقضوا ما يقضون، وحل إذا حلوا .فإذا كان فى العام المقبل فاحجج أنت وامرأتك، وأهديا هديا، فإن لم تجدا فصوما ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجعتم.

وجه الاستدلال :أنه ونحوه مما روى عن الصحابة مطلق فى المحرم إذا جامع، لا تفصيل فيه بين ما قبل الوقوف وبين ما بعده، فيكون حكمهما واحدا، وهو الفساد ووجوب بدنة.

واستدل الحنفية بقوله صلى الله عليه وسلم:

الحج عرفة .أخرجه أحمد وأصحاب السنن والحاكم ، وبقوله صلى الله عليه وسلم فى حديث عروة بن مضرس الطائى :وقد وقف بعرفة قبل ذلك ليلا أو نهارا فقد تم حجه وقضى تفثه أخرجه أحمد وأصحاب السنن، وصححه الترمذى، وقال الحاكم " :صحيح على شرط كافة أئمة الحديث "

وجه الاستدلال :أن حقيقة تمام الحج المتبادرة من الحديثين غير مرادة؛ لبقاء طواف الزيارة، وهو ركن إجماعا، فتعين القول بأن الحج قد تم حكما، والتمام الحكمى يكون بالأمن من فساد الحج بعده، فأفاد الحديث أن الحج لا يفسد بعد عرفة مهما صنع المحرم.وإنما أوجبنا البدنة بما روى عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه سئل عن رجل وقع بأهله وهو بمنى قبل أن يفيض، فأمره أن ينحر بدنة .رواه مالک وابن أبى شيبة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲،ص ۱۹۱،مادة " إحرام ")

[2] حنفیہ کے متون کے مطابق تحللِ اول کے بعد جماع کی صورت میں اگرچہ طوافِ زیارت نہ کیا ہو، دَم میں شاۃ (یعنی قربانی کے چھوٹے جانور) کے وجوب کا حکم مذکور ہے، جبکہ بعض حضرات نے طوافِ زیارت سے قبل جماع کی صورت میں بدنہ (یعنی قربانی کے بڑے جانور) کا حکم بیان کیا ہے، اور علامہ ابنِ ہمام نے اس کو اظہر قرار دیا ہے، اور کئی اردو حج کی کتابوں میں بھی اسی قول کے مطابق حکم بیان کیا گیا ہے، مگر ہمارے نزدیک پہلا قول راجح ہے، کیونکہ تحللِ اصغر کے بعد جنایت میں تخفیف ہوجاتی ہے، اور متون میں مذکور ہونے نیز اس قول کے شافعیہ اور حنابلہ کے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور تحلل اول یا تحللِ اصغر اور اس کے مقابلہ میں تحللِ ثانی یا تحللِ اکبر کسے کہا جاتا ہے، اس کی تفصیل آگے احرام کی پابندیاں ختم ہونے کے بیان میں آتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

موافق ہونے کی وجہ سے بھی اس کو ترجیح حاصل ہے، برخلاف دوسرے قول کے، کہ اس میں ان چیزوں کی اور تحللِ اول کی بھی رعایت نہیں، جو کہ منصوص تحلل ہے۔

الثالث :الجماع بعد التحلل الأول :اتفقوا على أن الجماع بعد التحلل الأول لا يفسد الحج . وألحق المالكية به الجماع بعد طواف الإفاضة ولو قبل الرمي، والجماع بعد يوم النحر قبل الرمي والإفاضة .ووقع الخلاف في الجزاء الواجب :فذهب الحنفية والشافعية والحنابلة إلى أنه يجب عليه شاة .قالوا في الاستدلال " :لخفة الجناية، لوجود التحلل في حق غير النساء ."

وقال مالك، وهو قول عند الشافعية والحنابلة :يجب عليه بدنة .وعلله الباجي بأنه لعظم الجناية على الإحرام.

وأوجب مالك والحنابلة على من فعل هذه الجناية بعد التحلل الأول قبل الإفاضة أن يخرج إلى الحل، ويأتي بعمرة، لقول ابن عباس ذلك .قال الباجي في المنتقى " :وذلك لأنه لما أدخل النقص على طوافه للإفاضة بما أصاب من الوطء كان عليه أن يقضيه بطواف سالم إحرامه من ذلك النقص، ولا يصلح أن يكون الطواف في إحرام إلا في حج أو عمرة ."ولم يوجب الحنفية والشافعية ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲،ص ۱۹۲ ،مادة" إحرام")

قال -رحمه الله -(أو جامع بعد الحلق) يعني يجب عليه الشاة إذا جامع بعد الحلق قبل طواف الزيارة ، وهو معطوف على ما قبله مما تجب فيه الشاة لا على ما يليه مما تجب فيه البدنة ؛ لأن الجناية خفت لوجود الحل في حق غير النساء (تبيين الحقائق، ج۲، ص۵۸، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج)

(و) وطؤه (بعد وقوفه لم يفسد حجه، وتجب بدنة، وبعد الحلق) قبل الطواف (شاة) لخفة الجناية (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲، ص۵۶۰، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج)

(قوله لخفة الجناية) أي لوجود الحل الأول بالحلق في حق غير النساء، وما ذكره من التفصيل هو ما عليه المتون، ومشى في المبسوط والبدائع والإسبيجابي على وجوب البدنة قبل الحلق وبعده. وفي الفتح أنه الأوجه لإطلاق ظاهر الرواية وجوبها بعد الوقوف بلا تفصيل، وناقشه في البحر والنهر (ردالمحتار، ج۲، ص۵۶۰، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج)

(قوله:أو جامع بعد الحلق) معطوف على قوله أول الفصل قبل أي يجب شاة إن جامع بعد الحلق قبل الطواف لقصور الجناية لوجود الحل الأول بالحلق .ثم اعلم أن أصحاب المتون على ما ذكره المصنف من التفصيل فيما إذا جامع بعد الوقوف فإن كان قبل الحلق فالواجب بدنة، وإن كان بعده فالواجب شاة، ومشى جماعة من المشايخ كصاحب المبسوط والبدائع والإسبيجابي على وجوب البدنة مطلقا، وقال في فتح القدير :إنه الأوجه (البحرالرائق، ج۳، ص۱۸، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج)

مسئلہ نمبر۳۳...... اگر کوئی شخص حج کے بجائے عمرہ کے احرام میں جماع کرلے، تو حنفیہ کے نزدیک اگر وہ عمرہ کا مکمل طواف کرنے یا اس طواف کے کم از کم چار چکر ادا کرنے سے پہلے جماع کرے، تو اس کا عمرہ فاسد ہوجاتا ہے، اور اس کی قضاء بھی واجب ہوتی ہے، اور دَم بھی واجب ہوتا ہے، اور اس کے بعد مگر بال منڈانے یا کٹانے سے پہلے جماع کرے تو عمرہ فاسد نہیں ہوتا، لہٰذا اس پر قضاء واجب نہیں ہوتی، البتہ اس پر دَم واجب ہوتا ہے۔ [1]

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر طواف اور سعی کرنے اور سر کے بال منڈانے یا کٹانے سے پہلے جماع کرے، تو اس کا عمرہ فاسد ہوجاتا ہے۔

اور عمرہ کے فاسد ہونے کی صورت میں بھی اسی طرح کی چیزیں لازم ہوتی ہیں، جس طرح کی چیزیں حج فاسد ہونے کے نتیجے میں لازم ہوتی ہیں، چنانچہ ایک تو اس فاسد شدہ عمرہ کو جاری رکھ کر پورا کرنا ضروری ہوجاتا ہے، دوسرے اس عمرہ کی قضا بھی واجب ہوتی ہے، اور تیسرے قربانی بھی واجب ہوتی ہے، جو حنفیہ کے نزدیک قربانی کے چھوٹے جانور (بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کا ذبح کرنا ہے۔

اور دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں حج کی طرح بُدنہ یعنی قربانی کے بڑے جانور (اونٹ، گائے، بھینس) کا ذبح کرنا واجب ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] ومن جامع في العمرة قبل أن يطوف لها أربعة أشواط، أفسدها؛ لأن الطواف في العمرة بمنزلة الوقوف في الحج، ومضى فيها، وقضاها فوراً، ووجب عليه شاة؛ لأنها عند الحنفية سنة. وإن وطء بعد ما طاف لها أربعة أشواط، وقبل الحلق، فعليه شاة، ولا تفسد عمرته، ولا يلزمه قضاؤها(الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ،لوَهْبَة الزُّحَيْلِيّ، ج۳،ص ۲۲۳،البَابُ الخامسُ :الحجّ والعُمْرة،المبحث الحادى عشر۔ جزاء الجنايات،الجماع ومقدماته)

[2] اور جس جماع سے عمرہ فاسد نہیں ہوتا، اس میں حنفیہ کے نزدیک قربانی کے چھوٹے جانور کا ذبح کرنا، اور مالکیہ کے نزدیک بُدنہ یعنی بڑے جانور کا ذبح کرنا واجب ہوتا ہے۔

ثانيا :الجماع في إحرام العمرة:

ذهب الحنفية إلى أنه لو جامع قبل أن يؤدي ركن العمرة، وهو الطواف أربعة أشواط، تفسد عمرته، أما لو وقع المفسد بعد ذلك لا تفسد العمرة؛ لأنه بأداء الركن أمن الفساد .وذهب المالكية إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... اگر کوئی احرام کی حالت میں باقاعدہ جماع تو نہ کرے، البتہ شہوت سے دوسرے کے جسم کو چھوئے، یا بوس وکنار کرے یا شہوت کے ساتھ جسم کے ساتھ جسم ملائے، تو اس سے حج تو فاسد نہیں ہوتا۔

البتہ دَم واجب ہوتا ہے، خواہ انزال یعنی منی خارج ہو یا نہ ہو۔ [1]

اور اگر کوئی شہوت کے ساتھ بوس وکنار یا دوسرے کے جسم کو چھونے وغیرہ کا ارتکاب تو نہ کرے۔

البتہ کسی کو شہوت کے ساتھ دیکھے یا شہوت کی بات سوچے، تو اس میں کوئی فدیہ اور دَم وغیرہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أن المفسد إن حصل قبل تمام سعيها ولو بشرط فسدت، أما لو وقع بعد تمام السعي قبل الحلق فلا تفسد؛ لأنه بالسعي تتم أركانها، والحلق من شروط الكمال عندهم.

ومذهب الشافعية والحنابلة أنه إذا حصل المفسد قبل التحلل من العمرة فسدت .والتحلل بالحلق، وهو ركن عند الشافعية واجب عند الحنابلة.

يجب في إفساد العمرة ما يجب في إفساد الحج من الاستمرار فيها، والقضاء والفداء باتفاق العلماء .لكن اختلفوا في فداء إفساد العمرة.

فمذهب الحنفية والحنابلة وأحد القولين عند الشافعية أنه يلزمه شاة؛ لأن العمرة أقل رتبة من الحج، فخفت جنايتها، فوجبت شاة .ومذهب المالكية والشافعية أنه يلزمه بدنة قياسا على الحج. أما فداء الجماع الذي لا يفسد العمرة فشاة فقط عند الحنفية وبدنة عند المالكية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۹۲، مادة " إحرام ")

[1] اور مذکورہ صورت میں حج فاسد نہ ہونے میں حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ متفق ہیں، مگر حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں بدنہ واجب ہوتا ہے، اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مقدماتِ جماع (لمس بشہوۃ، تقبیل، مباشرت بغیرِ جماع وغیرہ) کے نتیجہ میں انزال ہوجائے، تو اس کا حکم حج فاسد ہونے کے معاملہ میں جماع کا ہے، اور اس پر وہی کچھ واجب ہے، جو جماع کرنے والے پر واجب ہوتا ہے، اور اگر انزال نہ ہو، تو مالکیہ کے نزدیک اس پر بدنہ واجب ہوتا ہے۔

ثالثا: مقدمات الجماع:

المقدمات المباشرة أو القريبة، كاللمس بشهوة، والتقبيل، والمباشرة بغير جماع :يجب على من فعل شيئا منها الدم سواء أنزل منيا أو لم ينزل .ولا يفسد حجه اتفاقا بين الحنفية والشافعية والحنابلة، إلا أن الحنابلة قالوا :إن أنزل وجب عليه بدنة .ومذهب المالكية :إن أنزل بمقدمات الجماع منيا فحكمه حكم الجماع في إفساد الحج، وعليه ما على المجامع مما ذكر سابقا، وإن لم ينزل فليهد بدنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲،ص ۱۹۲، ۱۹۳، مادة " إحرام ")

واجب نہیں، اگرچہ اس کے نتیجہ میں اس کو انزال یعنی منی خارج ہی کیوں نہ ہوجائے۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... اگر کوئی حجِ قِران کرنے والا جماع کرے، تو حنفیہ کے نزدیک اگر وہ وقوفِ عرفہ اور طوافِ عمرہ سے پہلے جماع کرے، تو اس کا حج اور عمرہ دونوں فاسد ہوجاتے ہیں، اور اس پر یہ بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ فاسد شدہ حج اور عمرہ کو جاری رکھ کر پورا کرے، اور اس پر آئندہ ایک حج اور ایک عمرہ کی قضا بھی واجب ہوتی ہے، اور اس پر دو دَم بھی واجب ہوتے ہیں، جو کہ دو قربانی کے چھوٹے جانوروں (بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کا ذبح کرنا ہے۔ [2]

اور اگر حجِ قِران کرنے والے نے عمرہ کا طواف کرلینے یا عمرہ کے طواف کے اکثر چکر ادا کرلینے کے بعد جماع کیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا صرف حج فاسد ہوگا، عمرہ فاسد نہیں ہوگا،

---

[1] اور مندرجہ بالا حکم حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک ہے، اور شہوت کے ساتھ سوچنے کے بارے میں حنابلہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شہوت کے ساتھ دیکھنے اور سوچنے کا عمل لذت کے قصد سے کرے، اور منی کے اخراج تک اس کا یہ قصد جاری رہے، تو یہ عمل حج فاسد ہونے کے سلسلہ میں جماع کی طرح ہے، اور اگر منی کے اخراج تک اس کا یہ قصد جاری نہ رہے، تو پھر حج تو فاسد نہیں ہوتا، البتہ اس میں بدنہ واجب ہوتا ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک اگر اس نے ایک مرتبہ نظر ڈال کر ہٹالی، پھر اس کی منی خارج ہوگئی، تو اس پر دَم واجب ہوتا ہے، اور اگر بار بار نظر ڈالی، اور پھر منی خارج ہوئی، تو اس پر بدنہ واجب ہوتا ہے۔

المقدمات البعيدة :كالنظر بشهوة والتفكر كذلك، صرح الحنفية والشافعية أنه لا يجب في شيء منهما الفداء ، ولو أدى إلى الإنزال .وهو مذهب الحنابلة في الفكر.

ومذهب المالكية :إذا فعل أي واحد منها بقصد اللذة، واستدامه حتى خرج المني، فهو كالجماع في إفساد الحج .وإن خرج المني بمجرد الفكر أو النظر من غير استدامة فلا يفسد، وإنما فيه الهدى (بدنة) . ومذهب الحنابلة :إن نظر فصرف بصره فأمنى فعليه دم، وإن كرر النظر حتى أمنى فعليه بدنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۹۳، مادة " إحرام ")

[2] اور مندرجہ بالا صورت میں اس کا فاسد شدہ حج، حجِ قِران نہیں بنتا، اس لئے اس پر دَمِ قِران بھی واجب نہیں ہوتا۔

رابعا: في جماع القارن:

قرر الحنفية في جماع القارن -بناء على مذهبهم أنه يطوف طوافين ويسعى سعيين -التفصيل الآتي:

۱ ــ إن جامع قبل الوقوف، وقبل طواف العمرة، فسد حجه وعمرته كلاهما، وعليه المضي فيهما، وعليه شاتان للجناية على إحرامهما، وعليه قضاؤهما، وسقط عنه دم القران(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۹۳، مادة " إحرام ")

البتہ اس سے دَمِ قِران ساقط ہوجائے گا، اور اس پر دو دَم واجب ہوں گے، ایک حج فاسد کرنے کا دَم، اور ایک عمرہ کے احرام میں جماع کرنے کا دَم، اور اس پر آئندہ صرف حج کی قضاء واجب ہوگی۔ [۱]

اور اگر حجِ قِران کرنے والے نے عمرہ کا طواف اور وقوفِ عرفہ کر لینے کے بعد مگر سر کے بال منڈانے یا کٹانے سے پہلے جماع کیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا نہ تو حج فاسد ہوگا، اور نہ عمرہ فاسد ہوگا، اور اس سے دَمِ قِران بھی ساقط نہیں ہوگا، لیکن اس پر حج کے احرام میں جماع کی وجہ سے ایک بدنہ یعنی قربانی کا بڑا جانور (اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ) واجب ہوگا، اور عمرہ کے احرام میں جماع کی وجہ سے ایک دَم اور واجب ہوگا، جو کہ قربانی کے چھوٹے جانور (یعنی بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کی شکل میں ہوگا۔ [۲]

اور اگر حجِ قِران کرنے والے نے عمرہ کا طواف نہیں کیا تھا، البتہ وقوفِ عرفہ کر لیا تھا، پھر اس نے جماع کیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر حج کے احرام میں جماع کی وجہ سے ایک بدنہ یعنی قربانی کا بڑا جانور (اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ) واجب ہوگا، اور عمرہ کے توڑنے کی وجہ سے ایک دَم اور واجب ہوگا، جو کہ قربانی کے چھوٹے جانور (یعنی بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کی شکل میں ہوگا، اور آئندہ اس پر عمرہ کی قضاء بھی واجب ہوگی۔ [۳]

اور اگر حجِ قِران کرنے والے نے طوافِ زیارت تو کر لیا تھا، مگر سر کے بال منڈانے

---

[۱] ۲۔ إن جامع بعدما طاف لعمرته كل أشواطه أو أكثرها فسد حجه دون عمرته لأنه أدى ركنها قبل الجماع، وسقط عنه دم القران، وعليه دمان لجنايته المتكررة حكما، دم لفساد الحج، ودم للجماع فى إحرام العمرة لعدم تحلله منها، وعليه قضاء الحج فقط، لصحة عمرته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۹۳، مادة " إحرام ")

[۲] ۳۔ إن جامع بعد طواف العمرة وبعد الوقوف قبل الحلق ولو بعرفة لم يفسد الحج ولا العمرة، لإدراكه ركنهما، ولا يسقط عنه دم القران؛ لصحة أداء الحج والعمرة، لكن عليه بدنة للحج وشاة للعمرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۹۳، مادة " إحرام ")

[۳] ۴۔ لو لم يطف لعمرته -ثم جامع بعد الوقوف -فعليه بدنة للحج، وشاة لرفض العمرة، وقضاؤها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۹۳، مادة " إحرام ")

یا کٹانے سے پہلے جماع کیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر عمرہ وحج کے دواحراموں پر جنایت واقع ہونے کی وجہ سے قربانی کے چھوٹے جانوروں کی شکل میں دودَم واجب ہوں گے۔ [1]

اور مذکورہ احکام حنفیہ کے نزدیک ہیں، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک حجِ قِران میں دہرے کفارے لازم نہیں ہوا کرتے، اوران کے نزدیک حجِ قِران میں عمرہ کے طواف اور سعی کا حج میں تداخل بھی ہوجاتا ہے، اس لئے ان کے نزدیک حجِ قِران کرنے والے کے جماع کا مسئلہ، حجِ افراد کرنے والے کے جماع کے مسئلہ سے مختلف نہیں ہوگا، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

مسئلہ نمبر ۲......جس شخص کا حج، جماع وغیرہ کرنے کی وجہ سے فاسد ہوجائے، تو اس حج کو ادا کرتے وقت اس میں قضا کی نیت بھی کی جائے گی، اوراس میں ان ہی شرائط کا لحاظ کیا جائے گا، جن کا ادا حج میں لحاظ کیا جاتا ہے۔

اوراس کو آئندہ یعنی آنے والے سال میں اوراگر آئندہ سال ممکن نہ ہو، تو اس کے بعد اس حج کی قضا کرنا ضروری ہوگا، خواہ فاسد شُدہ حج فرض تھا، یا نفلی۔

اور بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک حج کو قضا کرتے وقت یہ بھی ضروری ہوگا کہ جو حج فاسد ہوا، اس کا احرام جہاں سے باندھا تھا، وہیں سے قضا حج کا احرام بھی باندھا جائے۔ [2]

---

[1] ۵ ـ لو طاف القارن طواف الزيارة قبل الحلق، ثم جامع، فعليه شاتان بناء على وقوع الجناية على إحراميه؛ لعدم التحلل الأول المرتب عليه التحلل الثاني(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲، ص ۱۹۳، مادة " إحرام ")

[2] البتہ شافعیہ کے نزدیک اگر حج کی قضا میں کسی دوسرے راستہ کو اختیار کیا، تو اس صورت میں اتنی مسافت پر احرام باندھنے کا حکم ہوگا، جتنی مسافت پر پہلے حج کا احرام باندھا تھا، بشرطیکہ اس مسافت کے انتظار میں میقات سے بغیر احرام کے تجاوز نہ کرنا پایا جائے۔

المطلب الرابع: في القضاء ، وهو من واجب إفساد النسك بالجماع . ومن أحكامه ما يلي: أولا: يراعى في قضاء النسك أحكام الأداء العامة، مع تعيين القضاء في نية الإحرام به.

ثانيا : قال الحنفية وهو قول عند الشافعية : عليه القضاء من قابل أي من سنة آتية، ولم يجعلوه على الفور . ومذهب المالكية والشافعية والحنابلة أن القضاء واجب على الفور ولو كان النسك الفاسد تطوعا، فيأتي بالعمرة عقب التحلل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

احرام میں گناہ اور جھگڑے سے متعلق احکام

احرام کی حالت میں ہر قسم کا گناہ کرنا اور بطورِ خاص جھگڑا کرنا بھی حرام ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (سورة البقرة رقم الاية ۱۹۷)

ترجمہ: سو جو شخص ان (حج کے مہینوں) میں حج مقرر کرلے (کہ حج کا احرام باندھ لے) تو پھر (اس شخص کو) نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے اور نہ کوئی گناہ (درست) ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع (وجھگڑا) ہے (سورہ بقرہ)

البتہ جھگڑا کرنے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی دوسرے کو نیک بات بتلانا، نیکی کا حکم کرنا اور بری بات سے آگاہ کرنا اور اس سے روکنا داخل نہیں۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ من العمرة الفاسدة، ويحج في العام القادم. ثالثا: قرر المالكية والشافعية والحنابلة أن المفسد عندما يقضي نسكه الفاسد يحرم في القضاء حيث أحرم في النسك المفسد، فإن أحرم من الجحفة مثلا أحرم في القضاء منها. وعند الشافعية: إن سلك في القضاء طريقا آخر أحرم من مثل مسافة الميقات الأول ما لم يجعله ذلك يجاوز الميقات بغير إحرام، فإنه يحرم من الميقات. وإن أحرم في العام الأول قبل المواقيت لزمه كذلك عند الشافعية والحنابلة. وعند المالكية لا يجب الإحرام بالقضاء إلا من المواقيت. أما إن جاوز في العام الأول الميقات غير محرم فإنه في القضاء يحرم من الميقات ولا يجوز أن يجاوزه غير محرم. وقال المالكية: إن تعدى الميقات في عام الفساد لعذر مشروع "كأن يجاوز الميقات حلالا لعدم إرادته دخول مكة، ثم بعد ذلك أراد الدخول، وأحرم بالحج، ثم أفسده، فإنه في عام القضاء يحرم مما أحرم منه أولا" (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۹۵، مادة إحرام)

[۱] الفسوق: هو الخروج عن الطاعة. وهو حرام في كل حال، وفي حال الإحرام آكد وأغلظ، لذلك نص عليه في الكتاب الكريم: (ولا فسوق ولا جدال في الحج) وقد اختار جمهور المفسرين والمحققون أن المراد به في الآية إتيان معاصي الله تعالى. وهذا هو المراد والصواب، لما هو معلوم من استعمال القرآن والسنة والشرع لكلمة الفسق بمعنى الخروج عن الطاعة. والجدال: المخاصمة. وقد قال جمهور المفسرين المتقدمين: أن تماري صاحبك حتى تغضبه. وهذا يقتضي النهي عن كل مساوء الأخلاق والمعاملات. لكن ما يحتاج إليه من الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لا يدخل في حظر الجدال (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۶۹، مادة "إحرام"، الفسوق والجدال)

حدودِ حرم کے درخت اور گھاس کاٹنے کی ممانعت

احادیث میں حرم کی حدود میں خود سے اُگنے والے درخت کاٹنے کی بھی ممانعت آئی ہے، خواہ احرام کی حالت میں ہو، یا احرام کی حالت میں نہ ہو، اور خواہ کوئی حرم کی حدود سے باہر کا رہنے والا ہو، یا حرم کی حدود کے اندر کا رہنے والا ہو، یہ ممانعت سب کے لئے ہے۔

اور حرم کی حدود میں جو چارہ اور گھاس خود سے اُگتی ہے، اس کو بھی کاٹنے اور پھاڑنے کی ممانعت ہے، بشرطیکہ وہ درخت اور گھاس تازہ اور ہری ہو، خشک نہ ہو، اور وہ ایسی ہو کہ جس کو لوگ عادتاً اُگاتے اور بوتے نہیں، یعنی اس کی کاشت نہیں کرتے، بلکہ وہ خود سے اُگتی ہے، جس کو خودرَو گھاس اور خودرَو درخت کہا جاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱...... اذخر نامی خودرَو گھاس جسے فارسی زبان میں گور گیاہ اور انگریزی زبان میں **Camel grass** کہا جاتا ہے، حرم کی اس گھاس کو کاٹنے اور پھاڑنے کی ممانعت نہیں۔

اور کھمبی کو کاٹنے کی بھی ممانعت نہیں، اسی طرح جو درخت یا گھاس خشک ہو چکی ہو، اس کو کاٹنے کی بھی ممانعت نہیں۔

اور اسی طرح جو گھاس اور چارہ خودرَو قسم کا نہ ہو، بلکہ ایسا ہو کہ اس کی عام طور پر لوگ کاشت کرتے ہیں، جیسا کہ فصلیں سبزی وغیرہ، اس کو کاٹنا بھی جائز ہے، خواہ وہ خودرَو ہی کیوں نہ

---

[1] اتفق الفقهاء على تحريم قطع أو قلع نبات الحرم، شجرا كان أو غيره، إذا كان مما لا يستنبته الناس عادة وهو رطب .لقوله صلى الله عليه وسلم :لا يختلى خلاها ولا يعضد شجرها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۵، ص ۱۵۳، مادة "شجر")

قطع نبات الحرم : واتفق الفقهاء على تحريم قطع أو قلع نبات الحرم إذا كان مما لا يستنبته الناس عادة وهو رطب، كالطرفاء ، والسلم، والبقل، البرى، ونحوها، سواء أكان شجرا أم غيره، والأصل فيه قوله تعالى :(أولم يروا أنا جعلنا حرما آمنا)

ولما ورد فى الحديث أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :حرم الله مكة إلى قوله :لا يختلى خلاها ولا يعضد شجرها) ويستوى فى الحرمة المحرم وغيره، لأنه لا تفصيل فى النصوص المقتضية للأمن .ولأن حرمة التعرض لأجل الحرم، فيستوى فيه المحرم وغيره باتفاق الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۷، ص ۱۹۱، مادة "حرم")

ہو، اور جو درخت یا فصل وسبزی کسی نے کاشت کی ہو، اس کو کاٹنے کی بہرحال ممانعت نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... اگر حرم کی خودرَو گھاس کو کاٹا یا اُکھاڑا و پھاڑا نہ جائے، تو کھڑی حالت میں اس سے جانوروں کو چرانا جمہور فقہائے کرام اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے، مگر امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ [2]

---

[1] واستثنى من ذلك الإذخر، لما ورد أن النبى صلى الله عليه وسلم لما قال فى الحديث السابق :لا يعضد شجرها قال العباس رضى الله عنه إلا الإذخر يا رسول الله فإنه متاع لأهل مكة لحيهم وميتهم. فقال النبى صلى الله عليه وسلم :إلا الإذخر .والمعنى فيه ما أشار إليه العباس رضى الله عنه وهو حاجة أهل مكة إلى ذلك فى حياتهم ومماتهم.

وألحق بعض الفقهاء (المالكية) بالإذخر السنا والسواك والعصا وما أزيل من النبات بقصد السكنى بموضعه للضرورة .كما ألحق به جمهور الشافعية والقاضى وأبو الخطاب من الحنابلة الشوك كالعوسج وغيره من كل ما هو مؤذ.

وأطلق غيرهم القول بالحرمة ليشمل سائر الأشجار والحشيش إلا ما ورد النص باستثنائه وهو الإذخر، وذلك لما جاء فى حديث أبى هريرة :ولا يختلى شوكها أى مكة .ولأن الغالب فى شجر الحرم الشوك، فلما حرم النبى صلى الله عليه وسلم قطع شجره والشوك غالبه كان ظاهرا فى تحريمه. ولا بأس بأخذ الكمأة (الفقع) لأنهما لا أصل لهما فليسا بشجر ولا حشيش.

أما اليابس من شجر الحرم وحشيشه فلا يحرم الانتفاع به عند جمهور الفقهاء (الحنفية والشافعية والحنابلة) ، لأنه بمنزلة الميت لخروجه عن حد النمو.

وقال المالكية :لا فرق بين أخضره ويابسه.

ويجوز قطع وقلع ما يستنبته الناس عادة كخس، وبقل، وكرات، وحنطة، وبطيخ، وقثاء ونخل وعنب، وإن لم يعالج بأن نبت بنفسه، اعتبارا بأصله، فإن الناس من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا يزرعونه فى الحرم ويحصدونه من غير نكير من أحد.

ولا فرق فى الجواز بين الشجر وغيره عند جمهور الفقهاء .والمذهب عند الشافعية أن ما استنبته الآدمى من الشجر كغير المستنبت فى الحرمة والضمان، لعموم الحديث المانع من قطع الشجر.

والقول الثانى عندهم :قياسه بالزرع كالحنطة والشعير والخضراوات، فإنه يجوز قطعه ولا ضمان فيه بلا خلاف.وإذا كان أصل الشجرة فى الحرم وأغصانها فى الحل فهى من شجر الحرم، وإن كان أصلها فى الحل وأغصانها فى الحرم فهى من الحل اعتبارا للأصل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٧،ص ١٩١، ١٩٢، مادة "حرم")

[2] رعى حشيش الحرم والاحتشاش فيه: يجوز رعى حشيش الحرم عند جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية، وهو وجه عند الحنابلة، وقول أبى يوسف من الحنفية) لأن الهدى كان يدخل إلى الحرم فيكثر فيه فلم ينقل أنهم كانوا يكمون أفواهه، ولأن بهم حاجة إلى ذلك أشبه الإذخر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۳...... اگر کوئی حرم کے ممنوعہ درخت یا گھاس کو کاٹے یا پھاڑے، تو اس پر اس کے عوض میں صدقہ واجب ہوگا، جو حنفیہ کے نزدیک عرف ورواج میں اس کی بازاری قیمت کے اعتبار سے لازم ہوگا۔

اور حرم کی حدود کی تفصیل پیچھے احرام کی میقات کے بیان میں گزر چکی ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولا يجوز ذلک عند أبی حنيفة ومحمد، وفی رواية عند الحنابلة، لأنه لما منع من التعرض لحشيش الحرم استوى فيه التعرض بنفسه وبإرسال البهيمة عليه، لأن فعل البهيمة يضاف إلى صاحبها، كما فی الصيد فإنه لما حرم عليه التعرض استوى فيه اصطياده بنفسه، وبإرسال الكلب، كذا هذا.

أما الاحتشاش أی قطع نبات الحرم للبهائم، فمنعه الجمهور (الحنفية والمالكية والحنابلة وهو رواية عند الشافعية) لقوله صلى الله عليه وسلم لا يختلى خلاها.

وفی الأصح عند الشافعية حل أخذ نباته من حشيش أو نحوه بالقطع لا بالقلع لعلف البهائم للحاجة إليه كالإذخر. والخلاف فيما لا يستنبته الناس عادة :أما ما يستنبته الناس عادة فيجوز فيه الاحتشاش اتفاقا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۷، ص ۱۹۲، ۱۹۳، مادة "حرم")

[1] اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بڑے اور درمیانے درخت کے عوض میں گائے اور چھوٹے درخت کے عوض میں بکری واجب ہوگی، اور شاخ توڑنے پر اتنا تاوان واجب ہوگا، جتنا اس دخت میں سے کمی واقع ہوئی، اور اگر کسی نے حرم سے کوئی دخت اُکھاڑ کر اُسے حرم کی حدود سے باہر بودیا، تو اس کو واپس حرم میں لوٹانا واجب ہوگا، اور اگر اس کو لوٹانا متعذر ہوجائے، یا وہ خشک ہوجائے، تو پھر اس کا تاوان واجب ہوگا، لیکن حنفیہ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں عرفی وبازاری قیمت کے ذریعہ سے تاوان واجب ہوگا، جیسا کہ اوپر گزرا۔

ضمان قطع النبات فی الحرم : ذهب جمهور الفقهاء (الحنفية والشافعية والحنابلة) إلى أن من قطع ما يحرم من نبات الحرم فعليه ضمانه محرما كان أو حلالا .واستدلوا بفعل عمر، وعبد الله بن الزبير رضی الله عنهما فقد أمر عمر بشجر كان فی المسجد يضمر بأهل الطواف فقطع وفداه .

ويقول ابن عباس :فی الدوحة بقرة، وفی الجزلة شاة .والدوحة الشجرة العظيمة، والجزلة الصغيرة .ثم اختلفوا فی نوع الضمان :فقال الشافعية والحنابلة :تضمن الشجرة الكبيرة والمتوسطة عرفا ببقرة، والصغيرة بشاة، لما تقدم عن ابن عباس رضی الله عنهما.

ويضمن الغصن بما نقص .وإن قلع شجرا من الحرم فغرسه فی الحل لزمه رده، فإن تعذر أو يبست وجب الضمان .وقال الحنفية :الضمان فی جميع الصور بالقيمة.

واتفق الجمهور على أنه لا يكون للصوم فی جزاء قطع نبات الحرم مدخل، لأن حرمته بسبب الحرم لا بالإحرام، ولهذا يجب على المحرم والحلال على السواء .

أما المالكية فمع قولهم بحرمة قطع نبات الحرم الذی يحرم قطعه .قالوا :إن فعل فليستغفر الله، ولا جزاء عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۷، ص ۱۹۳، مادة "حرم")

(فصل نمبر۴)

احرام کی خلاف ورزی پر کفارہ کے احکام

احرام کی پابندیوں کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں جو سزا شریعت کی طرف سے مقرر کی گئی ہے، اس کو کفارہ کہا جاتا ہے۔

جس کی کئی قسمیں ہیں، یعنی یہ کفارہ مختلف شکلوں اور صورتوں کا ہے۔

اس کے متعلقہ احکام کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... کفارہ کی ایک صورت کو فدیہ کہا جاتا ہے، جس میں تین کاموں کے درمیان اختیار ہوتا ہے، یعنی یا تو جانور کو ذبح کرنے کی شکل میں دَم دینا یا تین روزے رکھنا، یا چھ مساکین کو صدقہ دینا، اس صورت کو فدیۂ اختیاری بھی کہا جاتا ہے۔

اور کفارہ کی دوسری صورت ہدی کی شکل میں مقرر کی گئی ہے، جس کو دَم بھی کہا جاتا ہے، اور دَم اکثر وبیشتر مقامات پر قربانی کے چھوٹے جانور کی شکل میں مقرر ہے۔

البتہ بعض مخصوص صورتوں میں قربانی کے بڑے جانور کی شکل میں بھی مقرر ہے، جس کو عربی زبان میں بدنہ کہا جاتا ہے۔

اور کفارہ کی تیسری صورت کو صدقہ کہا جاتا ہے، جس کی عموماً فقہائے کرام کے نزدیک مقدار ایک صدقۂ فطر کے برابر ہوتی ہے، اور بعض اوقات اس سے بھی کم مقدار ہوتی ہے۔

اور کفارہ کی چوتھی صورت روزوں کی شکل میں مقرر ہے۔

اور کفارہ کی پانچویں صورت تاوان کی شکل میں مقرر ہے، مثلاً کسی جانور کا شکار کیا، تو اس کا جزاء وتاوان اس جانور کے مثل قیمت وغیرہ کی شکل میں واجب ہے۔

پھر حج اور عمرہ کے احرام کے کفارات اکثر وبیشتر برابر ہیں۔

مگر بعض صورتوں میں فرق بھی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... جن صورتوں میں کفارہ، ہدی یعنی دَم کی صورت میں مقرر ہے، ان صورتوں میں قربانی کے وہی جانور اوران کی وہی شرائط ہیں، جو عام ذی الحجہ کی قربانی کے جانوروں میں مقرر ہیں۔ [2]

اور جہاں قربانی کے جانور کی صورت میں دَم مقرر و متعین ہے، وہاں اس کے عوض میں صدقہ کرنا جائز نہیں، بخلاف فدیہ کے کہ اس میں دَم اختیاری ہوتا ہے، اوراس کے بجائے صدقہ بھی جائز ہوتا ہے۔ [3]

اور جو کفارہ دَم کی صورت میں مقرر ہے، جس کو دمِ جنایت بھی کہا جاتا ہے، اس کو حرم کی حدود

---

[1] الفصل العاشر فی کفارات محظورات الإحرام:

تعریفها:

المراد بالكفارة هنا :الجزاء الذی یجب علی من ارتكب شیئا من محظورات الإحرام .وهذه الأجزیة أنواع:

۱ ۔ الفدیة :حیث أطلقت فالمراد الفدیة المخیرة التی نص علیها القرآن فی :قوله تعالی (ففدیة من صیام أو صدقة أو نسک)

۲ ۔ الهدی :وربما عبر عنه بالدم .وكل موضع أطلق فیه الدم أو الهدی تجزء فیه الشاة، إلا من جامع بعد الوقوف بعرفة فعلیه بدنة (أی من الإبل) اتفاقا .أما من جامع قبل الوقوف فإنه یفسد حجه اتفاقا وعلیه بدنة عند الثلاثة، وقال الحنفیة :علیه شاة، ویمضی فی حجه، ویقضیه.

۳۔ الصدقة :حیث أطلق وجوب "صدقة "عند الحنفیة من غیر بیان مقدارها فإنه یجب نصف صاع من بر (قمح) أو صاع من شعیر أو تمر.

۴ ۔ الصیام :یجب الصیام علی التخییر فی الفدیة، وهو ثلاثة أیام .ویجب فی مقابلة الإطعام.

۵ ۔ الضمان بالمثل :فی جزاء الصید، علی ما سیأتی.

یستوی إحرام العمرة مع إحرام الحج فی عقوبة الجنایة علیه .إلا من جامع فی العمرة قبل أداء ركنها، فتفسد اتفاقا كما ذكرنا، وعلیه شاة عند الحنفیة والحنابلة، وقال الشافعیة والمالكیة :علیه بدنة. (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۲، ص ۱۸۱، مادة "إحرام")

[2] المطلب الأول:الهدی .تراعی فی الهدی وذبحه وأنواعه الشروط والأحكام الموضحة فی مصطلح "هدی ."(الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۲،ص۱۹۳ ،مادة " إحرام ")

[3] وذلک أن الوجوب تعلق بإراقة الدم، والأصل أن الوجوب إذا تعلق بفعل معین لا یقوم غیره مقامه كالصلاة والصوم بخلاف الزكاة(الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۵ص۱۰۶ ، مادة " اضحیة")

میں ذبح کرنا ضروری ہے۔

اوراس دَم کا منیٰ کے اندر ذبح کرنا افضل ہے۔ [۱]

---

[۱] البتہ دمِ احصار، غیرحنفیہ کے نزدیک حرم کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اتفق الفقهاء على أن دماء الهدى -عدا الإحصار -يختص جواز إراقتها بالحرم، ولا يجوز ذبح شيء منها خارجه، لقوله تعالى فى جزاء الصيد :(هديا بالغ الكعبة) وقوله تعالى :(ثم محلها إلى البيت العتيق) ولقوله صلى الله عليه وسلم :نحرت هاهنا، ومنى كلها منحر، فانحروا فى رحالكم.
وقوله صلى الله عليه وسلم :كل فجاج مكة طريق ومنحر.
ونص الحنفية على أن مكان ذبح الهدايا بما فيها دم المحصر الحرم، فلا يجوز ذبح الهدايا إلا فى الحرم ....وعند المالكية أن ما وقفه بعرفة من الهدى فى جزء من الليل لا ينحره إلا فى منى أيام النحر على المعتمد، فإن فاتت تعينت مكة أو ما يليها من البيوت، فإن ذبحه بمكة أيام منى جاهلا أو متعمدا فروى سحنون عن ابن القاسم فى المدونة أنه يجزئه، وعندهم أن ما لم يوقف بعرفة أو وقف فى غير الليل فمحله مكة، ولو عطب قبل أن يبلغ مكة لم يجزئه لأنه لم يبلغ محله، وليست منى محله .
وأفضل بقاع الحرم للنحر عند الشافعية والحنابلة فى حق الحاج منى، وفى حق المعتمر مكة.
وفى المبسوط من كتب الحنفية :أن السنة فى الهدايا فى أيام النحر منى، وفى غير أيام النحر الأولى بمكة.
وعند المالكية :أن الأفضل فى حق الحاج منى عند الجمرة الأولى، وأن الأفضل فى حق المعتمر عند المروة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲،ص ۲۵۰ الیٰ ۲۵۲،ملخصاً، مادة " هدى ")
ولا يجزء دم الفدية إلا فى الحرم كدم الإحصار، ودم المتعة، والقران(بدائع الصنائع، ج۲، ص ۱۷۹، كتاب الحج، فصل حكم الإحصار)
زمان الفدية ومكانها :
قال الحنفية:النسك :أى ذبح الشاة أو البدنة يختص بالحرم بالاتفاق؛ لأن الإراقة لم تعرف قربة إلا فى زمان أو مكان، وهذا لم يختص بزمان، فتعين اختصاصه بالمكان.
وأما الصوم :فيجزء فى أى موضع شاء ؛ لأنه عبادة فى كل مكان، ولا يشترط تتابع الأيام .وكذا الصدقة تصح فى أى مكان شاء .
وقال المالكية:الفدية :وهى كفارة ما يفعله المحرم من الممنوعات إلا الصيد والوطء ، لا تختص بأنواعها الثلاثة (الصيام والصدقة والنسك) بمكان أو زمان، فيجوز تأخيرها لبلده أو غيره فى أى وقت شاء .أما الهدى الواجب جزاء للصيد أو الوطء فمحله منى أو مكة، فإن وقف بالهدى بعرفة بجزء من الليل ذبحه بمنى، وإلا فبمكة
وقال الشافعية:الدم الواجب بفعل حرام كالحلق لعذر أو ترك واجب عليه غير ركن كدم الجبرانات ودم التمتع والقرآن والحلق :لايختص بزمان ، ويختص ذبحه بالحرم فى الأظهر ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جمہور فقہائے کرام (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک کفارہ یا دمِ جنایت والے ذبح شدہ جانور کے گوشت کا خود کھانا جائز نہیں، بلکہ اس کو صدقہ کرنا ضروری ہے۔ [1]

اور جن صورتوں میں کفارہ صدقہ کی شکل میں مقرر ہے، ان میں صدقہ کے لئے وہی چیزیں مقرر ہیں، جو صدقۂ فطر کے لئے مقرر ہیں، جن میں ان چیزوں کی قیمت کی ادائیگی بھی جائز ہے، اور اس صدقہ کے مستحق بھی اس طرح کے مساکین ہیں، جو زکاۃ وغیرہ کے لئے مقرر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويجب صرف لحمه إلى مساكين الحرم وفقرائه :القاطنين منهم والغرباء ، فكل الدماء الواجبة وبدلها من الطعام تختص تفرقتها بالحرم على مساكينه ، وكذا يختص به الذبح ، إلا دم المحصر ، فيذبح حيث أحصر .ودم الفوات يجزء قبل دخول وقت الإحرام بالقضاء ، كالتمتع إذا فرغ من عمرته ، فإنه يجوز له أن يذبح قبل الإحرام بالحج على المعتمد .

وقال الحنابلة:ما وجب لترك واجب، أو بفعل محظور من هدى أو إطعام يكون فى الحرم .ويلزم ذبح هدى التمتع والقران والمنذور بالحرم، ويفرق لحمه على مساكينه.

والأفضل نحر ما وجب بحج بمنى، وما وجب بعمرة بالمروة، ومن عجز عن إيصال المذبوح للحرم حتى بوكيله، ينحره حيث قدر، ويفرقه بمنحره .وتجزء فدية أذى فى الرأس، ولبس المخيط، وتغطية الرأس، والطيب، وفدية فعل المحظور غير الصيد :خارج الحرم، ولو بلا عذر. ويدخل وقت ذبح الفدية من حين فعل الجناية، وقبله بعد وجود سببه المبيح ككفارة يمين، ويكون جزاء الصيد بعد جرحه، وفدية ترك الواجب عند تركه .ويجزء دم الإحصار حيث أحصر .ويصح الصوم فى كل مكان(الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ،لوَهْبَة الزُّحَيْلِيّ، ج٣،ص٢٢٨،وص ٢٢٩،البَابُ الخامسُ :الحجّ والعُمْرة،المبحث الحادى عشر۔ جزاء الجنايات)

[1] البتہ مالکیہ کے نزدیک ہر قسم کے کفارہ یا دمِ جنایت کا گوشت خود کھانا اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق شکار کے بدلہ والے جانور کے علاوہ ہر قسم کے کفارہ یا دمِ جنایت کا گوشت کھانا جائز ہے۔

اختلف الفقهاء فى الأكل من هدايا الكفارات والإحصار:

فذهب جمهور الفقهاء (الحنفية والشافعية والحنابلة) إلى أنه لا يجوز للمهدى أن يأكل من هدايا الكفارات والإحصار ويجب عليه التصدق بلحمها بعد الذبح، لأنه إذا لم يجز أكله للمهدى ولا يتصدق به فإنه يؤدى إلى إضاعة المال وهو منهى عنه شرعا.

ويرى المالكية أنه يجوز للمهدى الأكل من هذه الهدايا.

وعن أحمد أنه يجوز الأكل من هدى الإحصار وهدايا الكفارات عدا جزاء الصيد .وهو قول ابن عمر وعطاء والحسن وإسحاق واستدلوا على استثناء جزاء الصيد من جواز الأكل منه بأنه بدل.

وقال ابن أبى موسى بجواز الأكل من هدى الإحصار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٢ص ٢٤١، ٢٤٢، مادة " هدى ")

ہیں، البتہ بعض صورتوں میں صدقہ کی مقدار صدقۂ فطر کی مقدار سے کم ہے۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک اس صدقہ کا حرم کی حدود میں ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں بھی غرباء ومساکین کو دینا جائز ہے۔

البتہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اس صدقہ کے مستحق خاص حرم کے مساکین ہیں۔ [2]

اور جن صورتوں میں کفارہ روزوں کی شکل میں مقرر ہے، ان میں روزہ صحیح ہونے کے لئے وہی شرائط ہیں، جو عام روزہ کے صحیح ہونے کی شرائط ہیں، مثلاً روزہ کی نیت کرنا، اور نیت کی تعیین کرنا کہ وہ فلاں کفارہ کے روزے رکھتا ہے، وغیرہ۔

اوران روزوں کو رکھنے کے لئے کسی جگہ مثلاً حرم کی حدود وغیرہ کی شرط نہیں، اور نہ کسی مخصوص

---

[1] الصدقة: -يراعى فى المال الذى تخرج منه الصدقة أن يكون من الأصناف التى تخرج منها صدقة الفطر، كما تراعى أحكام الزكاة فى الفقير الذى تدفع إليه .ويراعى فى إخراج القيمة، ومقدار الصدقة لكل مسكين ما هو مقرر فى صدقة الفطر، وهذا فى الإطعام الواجب فى الفدية. وأما فى جزاء الصيد فالمالكية والشافعية لم يقيدوا الصدقة فيه بمقدار معين .وتفصيلات ذلك وآراء الفقهاء يرجع إليها فى مصطلح هدى وكفارة وصدقة الفطر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۹۴، مادة "احرام")

[2] وأما الصدقة والصوم :فإنهما يجزيان حيث شاء .

وقال الشافعى " :لا تجزء الصدقة إلا بمكة "وجه قوله أن الهدى يختص بمكة، فكذا الصدقة، والجامع بينهما: أن أهل الحرم ينتفعون بذلك ولنا قوله تعالى (ففدية من صيام أو صدقة أو نسك) مطلقا عن المكان، إلا أن النسك قيد بالمكان بدليل "فمن ادعى تقييد الصدقة فعليه الدليل.

وأما قوله :إن الهدى إنما اختص بالحرم لينتفع به أهل الحرم فكذا الصدقة فنقول :هذا الاعتبار فاسد؛ لأنه لا خلاف فى أنه لو ذبح الهدى فى غير الحرم وتصدق بلحمه فى الحرم؛ أنه لا يجوز. ولو ذبح فى الحرم وتصدق به على غير أهل الحرم يجوز.

والدليل على التفرقة بين الهدى والإطعام :أن من قال :لله على أن أهدى ليس له أن يذبح إلا بمكة (بدائع الصنائع، ج۲، ص۱۷۹، كتاب الحج، فصل حكم الإحصار)

لو كان يتصدق بالإطعام بدلا عن الذبح، وجب تخصيصه بمساكين الحرم، بخلاف الصوم، يأتى به حيث شاء، إذ لا غرض للمساكين فيه(روضة الطالبين وعمدة المفتين، ج۳ص۱۸۸، كتاب الحج)

وإنما اختلفوا فى الصدقة المعدولة عن الهدى فجمهور العلماء على أنها لمساكين مكة والحرم. لانها بدل من جزاء الصيد الذى هو لهم، وقال مالك :الاطعام كالصيام يجوز بغير مكة(بداية المجتهد، ج۱ ص۳۷۸، كتاب الحج، الجنس الثالث، القول فى الهدى)

زمانہ میں رکھنے کی شرط ہے۔

البتہ جو روزے حجِ تمتع یا حجِ قِران کی قربانی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں مقرر ہیں، ان کے مخصوص احکام ہیں، جن کی تفصیل آگے ''حج کی قربانی کے فضائل واحکام'' کے ذیل میں آتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳...... احرام کی حالت میں اگر کوئی کسی عذر یا بیماری یا تکلیف دُور کرنے کی وجہ سے سر یا ڈاڑھی یا کسی اور جگہ کے بال کاٹ لے، یا مرد سَر ڈھانپ لے، یا عورت چہرہ ڈھانپ لے، یا حنفیہ کے نزدیک مرد چہرہ ڈھانپ لے، یا مرد وعورت کوئی بھی ناخن کاٹ لے، یا خوشبو لگالے یا اسی طرح کی کوئی احرام کی خلاف ورزی کرلے، تو اس پر فدیہ واجب ہے، جس میں اسے اختیار ہے کہ وہ یا تو قربانی کا چھوٹا جانور (بکری، بھیڑ، دُنبہ وغیرہ) ذبح کرے، یا چھ مسکینوں کو کھانا (یا چھ فطرانوں کے برابر رقم) صدقہ کرے، یا تین دن روزے رکھے۔ [2]

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُ وْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ

(سورة البقرة، رقم الآية ۱۹۶)

---

[1] المطلب الثالث: الصيام: أولا: من كفر بالصيام يراعى فيه أحكام الصيام ولا سيما تبييت النية بالنسبة للواجب غير المعين (ر: صوم). ثانيا: الصيام المقرر جزاء عن المحظور لا يتقيد بزمان ولا مكان ولا تتابع اتفاقا، إلا الصيام لمن عجز عن هدى القران والتمتع، فإنه يصوم ثلاثة أيام فى الحج، وسبعة إذا رجع إلى أهله. فلا يصح صيام الأيام الثلاثة قبل أشهر الحج، ولا قبل إحرام الحج والعمرة فى حق القارن، ولا قبل إحرام العمرة فى حق المتمتع اتفاقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۹۴، مادة " إحرام ")

[2] المبحث الأول فى كفارة محظورات الترفه. يتناول هذا البحث كفارة محظورات اللبس، وتغطية الرأس، والادهان، والتطيب، وحلق الشعر أو إزالته أو قطعة من الرأس أو غيره، وقلم الظفر. أصل كفارة محظورات الترفه: اتفقوا على أن من فعل من المحظورات شيئا لعذر مرض أو دفع أذى فإن عليه الفدية، يتخير فيها: إما أن يذبح هديا، أو يتصدق بإطعام ستة مساكين، أو يصوم ثلاثة أيام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۸۱، مادة "إحرام")

ترجمہ: اور تم اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اسے سر میں تکلیف ہو تو روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی سے فدیہ دے (سورہ بقرہ)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَذَاهُ الْقَمْلُ فِيْ رَأْسِهِ، فَأَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّحْلِقَ رَأْسَهُ، وَقَالَ: صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ، مُدَّيْنِ مُدَّيْنِ لِكُلِّ إِنْسَانٍ، أَوْ انْسُكْ بِشَاةٍ، أَيَّ ذٰلِكَ فَعَلْتَ أَجْزَأَكَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: وہ (احرام کی حالت میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، تو انہیں سَر میں جوؤں نے تکلیف پہنچائی، تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ وہ اپنا سَر منڈالیں، اور فرمایا کہ تین دن روزے رکھ لیں، یا چھ مسکینوں وغریبوں کو کھانا فراہم کردیں، ہر ایک انسان کو دو دو مُد (یعنی آدھا صاع) دیں یا ایک بکری کی قربانی کردیں، ان میں سے جو بھی آپ کرلیں گے، تو آپ کے لئے کافی ہوجائے گا (مسند احمد)

مذکورہ حکم اس کے لئے ہے جو احرام کے کسی حکم کی خلاف ورزی، معذوری، یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے کرے، کہ اُسے فدیہ دینے میں مندرجہ بالا تین قسم کے اختیارات ہیں۔

اور اسی وجہ سے اگر کوئی شخص بیماری وغیرہ کی وجہ سے زخم پر خوشبودار دوا یا مرہم وغیرہ لگائے، تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٨١٠٦.

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] (قوله ولو على وجه التداوي) لكنه يتخير بين الدم والصوم والإطعام على ما سيأتي نهر (ردالمحتار، ج٢ ص ٥٤٦، باب الجنايات في الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... احرام کی حالت میں اگر جان بوجھ کر کوئی مرد بلاعذر سَر ڈھانپ لے، یا عورت ومرد خوشبو لگالے، یا بال یا ناخن کاٹ لے، یا عورت چہرہ ڈھانپ لے، یا حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک مرد چہرہ ڈھانپ لے، یا اسی طرح کی کوئی احرام کی خلاف ورزی کرلے، تو جمہور فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کو بھی مذکورہ تین چیزوں کی صورت میں فدیہ دینے کا اختیار ہوگا، کہ یا تو وہ قربانی کا چھوٹا جانور (بکری، بھیڑ، دُنبہ وغیرہ) ذبح کرے، یا چھ مسکینوں کو کھانا (یا چھ فطرانوں کے برابر رقم) صدقہ کرے، یا تین دن روزے رکھے، البتہ وہ شخص جان بوجھ کر بلاعذر ایسا کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، کیونکہ اس پر فدیہ کا حکم قرآن مجید میں مذکور ہے، اور جان بوجھ کر بلاعذر کرنے کی وجہ سے صرف گناہ گار ہونے کا فرق پڑتا ہے۔ "وھو الراجح عندی فیما بینی وبین اللہ"

مگر حنفیہ کے نزدیک اس کو ان تین چیزوں کے اندر اختیار نہیں، بلکہ حسبِ جرم وجنایت بعض صورتوں میں متعین طریقہ پر دَم واجب ہے، اور بعض صورتوں میں صدقہ واجب ہے، اب یہ کہ کن صورتوں میں دَم واجب ہوگا، اور کن صورتوں میں صدقہ؟ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اور حنفیہ کے نزدیک فدیہ کا حکم اس صورت میں بھی ہے، جبکہ عذر کی وجہ سے پورے عضو یا چوتھائی عضو کے بال کاٹے ہوں یا اس سے کم، پورے سر یا چہرہ کو کپڑے سے ڈھانپا ہو یا اس سے کم، یا مکمل ہاتھ یا پاؤں کے ناخن کاٹے ہوں یا کم کے، اور مکمل عضو پر خوشبو لگائی ہو یا کم پر، خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک جن صورتوں میں بلاعذر دَم متعین ہے، یا صدقہ، عذر کی وجہ سے ان صورتوں میں فدیہ اختیاری ہوجاتا ہے، واللہ اعلم۔

(وإن طيب عضوا) كـامـلا، أو قـص أظـفـاره، أو لبس المخيط قدر يوم (أو حلق بعذر، ذبح شاة في الحرم) فيـه إشـارة إلى أن الواجب عليه الذبح في الحرم لا غير......(أو تصدق) في أي موضع شاء (بثلاثة أصوع طعام) بإضافة أصوع، وهو بفتح الهمزة وضم الصاد وسكون الواو، جمع صاع (على ستة مسـاكين) كـل مسـكيـن نـصف صاع من بر، أو دقيق .ويستـحـب أن يتـصـدق على مساكين الـحرم(أو صام) ولـو كـان مـوسـرا، لـكن بتبييت النية وتعيينها (ثلاثة أيام) في أي موضع شاء ولو متفرقة(شرح النقاية، ج۲ص ۳۸۲، ۳۸۳، كتاب الحج)

[۱] وأمـا الـعـامـد الذي لا عذر له فقد اختلفوا فيه :فـذهـب الـمـالكية والشافعية والحنابلة إلى أنه يتـخير، كالمعذور، وعليه إثم ما فعله .واستدلوا بالآية .وذهـب الحنفية إلى أن العامد لا يتخير، بل يجب عليه الدم عينا أو الصدقة عينا، حسب جنايته .واستدلوا على ذلک بالأدلة السابقة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جو شخص مذکورہ کسی چیز کا ارتکاب جان بوجھ کر تو نہ کرے، اور اس کو مرض اور تکلیف وغیرہ بھی نہ ہو، بلکہ بھول جانے یا اس بارے میں شریعت کا حکم ومسئلہ معلوم نہ ہونے یا کسی کی طرف سے زبردستی وہ کام کرادینے کی وجہ سے یا کوئی نیند یا بیہوشی میں اس طرح احرام کی کسی پابندی کی خلاف ورزی کرلے، تو حنفیہ کے نزدیک ایسا شخص بھی جان بوجھ کر بلاعذر جرم وجنایت کرنے والے کی طرح ہے، جس کو فدیہ دینے میں مذکورہ چیزوں کا اختیار نہیں، بلکہ دَم واجب ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ وہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر اس نے احرام کی کوئی ایسی خلاف ورزی کی ہو، جس میں کسی چیز کو تلف کرنا پایا جاتا ہے، مثلاً بال منڈانا، یا کٹانا، یا ناخن کٹانا، تو اس میں فدیہ واجب ہوگا، جس میں اُسے مذکورہ تینوں چیزوں کا اختیار ہوگا، اور اگر اُس میں کسی چیز کو تلف کرنا نہیں پایا جاتا، مثلاً سَر ڈھانکنا، تیل اور خوشبو وغیرہ لگانا، تو اس سے بہر حال کفارہ ساقط ہوجائے گا، اور کسی قسم کا دَم وفدیہ وغیرہ واجب نہیں ہوگا۔ ''وھو الراجح عندی'' [1]

مسئلہ نمبر ۵...... احرام کی حالت میں جو احرام کی پابندیوں کی خلاف ورزیاں ہیں، وہ سب کی سب یکساں اور ایک درجہ کی نہیں ہیں۔

لہٰذا جس طرح کی پابندی کی خلاف ورزی جس درجہ میں کی ہوگی، اسی طرح کا اس پر کفارہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجه الاستدلال :أن التخيير شرع فيها عند العذر من مرض أو أذى، وغير المعذور جنايته أغلظ، فتتغلظ عقوبته، وذلك بنفي التخيير فى حقه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۸۱ وص ۱۸۲، مادة "إحرام")

[1] وأما المعذور بغير الأذى والمرض :كالناسي والجاهل بالحكم والمكره والنائم والمغمى عليه، فحكمه عند الحنفية والمالكية حكم العامد، على ما سبق.

ووجه حكمه هذا :أن الارتفاق حصل له، وعدم الاختيار أسقط الإثم عنه، كما وجهه الحنفية.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى التمييز بين جناية فيها إتلاف، وهى هنا الحلق أو قص الشعر أو قلم الظفر، وجناية ليس فيها إتلاف، وهى :اللبس وتغطية الرأس، والادهان والتطيب .فأوجبوا الفدية فى الإتلاف؛ لأنه يستوى عمده وسهوه، ولم يوجبوا فدية فى غير الإتلاف، بل أسقطوا الكفارة عن صاحب أى عذر من هذه الأعذار (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۸۲، مادة "إحرام")

وفدیہ وغیرہ واجب ہوگا۔ ؎۱

مسئلہ نمبر۶...... احرام کی حالت میں جس نے ممنوع لباس پہنا، یا سَر ڈھانپا، یا چہرہ ڈھانپا، تو حنفیہ کے نزدیک اگر یہ خلاف ورزی مکمل ایک دن یا ایک رات تک جاری رہی، اور پورے عضو یا کم از کم چوتھائی عضو کو ڈھانپا تھا، تو اس پر قربانی کے چھوٹے جانور کے ذبح کی شکل میں دَم واجب ہوگا، اور اگر ایک دن یا ایک رات سے کم وقت تک جاری رہی، تو اس پر (صدقۂ فطر کے برابر) صدقہ واجب ہوگا، اور اگر ایک گھنٹہ سے کم جاری رہی، تو تقریباً ایک مٹھی کی مقدار گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہوگا۔

اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک بہر حال ایک دن رات، یا اس سے کم وبیش مدت کی قید وشرط کے بغیر فدیہ واجب ہوگا۔ "وھو الراجح عندی" ؎۲

؎۱ تفصيل كفارة محظورات الترفه: الأصل في هذا التفصيل هو القياس على الأصل السابق المنصوص عليه في الكتاب والسنة بخصوص الحلق، فقاس الفقهاء عليه سائر مسائل الفصل بجامع اشتراك الجميع في العلة وهي الترفه، أو الارتفاق.

وقد اختلفوا في بعض التفاصيل، في القدر الذي يوجب الفدية من المحظور، وفي تفاوت الجزاء بتفاوت الجناية، وذلك بسبب اختلاف أنظارهم في المقدار الذي يحصل به الترفه والارتفاق الذي هو علة وجوب الفدية، فالحنفية اشترطوا كمال الجناية، فلم يوجبوا الدم أو الفداء إلا لمقادير تحقق ذلك في نظرهم، وغيرهم مال إلى اعتبار الفعل نفسه جناية.

وتفصيل المذاهب في كل محظور من محظورات الترفه فيما يلي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۸۲، مادة "إحرام")

؎۲ جبکہ مالکیہ کے نزدیک فدیہ واجب ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس نے اس عمل کے ذریعہ سے سردی یا گرمی وغیرہ کی شکل میں کوئی فائدہ اُٹھایا ہو، پس جب اس کا یہ فائدہ اُٹھانا ایک دن یا اس سے زیادہ دیر تک جاری رہے، تو فدیہ واجب ہوگا، ورنہ نہیں۔

أولا: اللباس: من لبس شيئا من محظور اللبس، أو ارتكب تغطية الرأس، أو غير ذلك، فقال فقهاء الحنفية: إن استدام ذلك نهارا كاملا أو ليلة وجب عليه الدم. وكذا إذا غطت المرأة وجهها بساتر يلامس بشرتها على ما سبق من التفصيل فيه (ف ٦٧) وإن كان أقل من يوم أو أقل من ليلة فعليه صدقة عند الحنفية. وفي أقل من ساعة عرفية قبضة من بر، وهي مقدار ما يحمل الكف.

ومذهب الشافعي وأحمد أنه يجب الفداء بمجرد اللبس، ولو لم يستمر زمنا؛ لأن الارتفاق يحصل بالاشتمال على الثوب، ويحصل محظور الإحرام، فلا يتقيد وجوب الفدية بالزمن.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... احرام کی حالت میں اگر کسی نے ایسی خوشبو استعمال کی، جس کا احرام میں استعمال کرنا منع تھا، تو جمہور فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر فدیہ واجب ہوگا، خواہ اس نے جسم کے کسی پورے عضو پر خوشبو لگائی ہو، یا پورے عضو سے کم پر خوشبو لگائی ہو، اور پورے لباس پر خوشبو لگائی ہو، یا لباس کے تھوڑے حصہ پر خوشبو لگائی ہو۔

"وھو الراجح عندی"

جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے جسم کے کسی بڑے مکمل عضو مثلاً مکمل سَر، مکمل ہاتھ، مکمل ران، مکمل پنڈلی پر خوشبو لگائی، تو اس پر قربانی کے چھوٹے جانور کے ذبح کی شکل میں متعین طور پر دَم واجب ہوگا، اور اگر کسی بڑے عضو پورے پر خوشبو نہیں لگائی یا چھوٹے عضو مثلاً کان، ناک، آنکھ، مونچھ، انگلی پر خوشبو لگائی ہو، تو صدقہ لازم ہوگا، اگرچہ سارے عضو پر خوشبو لگائے، بشرطیکہ خوشبو تھوڑی مقدار میں ہو، ورنہ دَم لازم ہوگا۔

اور اگر کسی نے ایک مجلس میں مختلف اعضاء پر خوشبو لگائی، تو یہ ایک ہی عضو پر خوشبو لگانے کی طرح ہے، جس پر ایک ہی دَم واجب ہے، اور اگر مجلس بدل گئی تو اس کا حکم جدا ہے۔

اور دَم دینے کے بعد اس خوشبو کو زائل کرنا بھی ضروری ہے، اگر دَم دینے کے بعد خوشبو برقرار رہی، تو اگلا دَم واجب ہو جائے گا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعند المالكية يشترط لوجوب الفدية من لبس الثوب أو الخف أو غيرهما من محظورات اللبس أن ينتفع به من حر أو برد، فإن لم ينتفع به من حر أو برد بأن لبس قميصا رقيقا لا يقي حرا ولا بردا يجب الفداء إن امتد لبسه مدة كاليوم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۸۲ وص ۱۸۳، مادة "إحرام")

[1] ثانيا :التطيب: يجب الفداء عند الثلاثة المالكية والشافعية والحنابلة لأي تطيب مما سبق بيان حظره، دون تقييد بأن يطيب عضوا كاملا، أو مقدارا من الثوب معينا.
وفرق الحنفية بين تطيب وتطيب، وفصلوا :أما في البدن فقالوا :تجب شاة إن طيب المحرم عضوا كاملا مثل الرأس واليد والساق، أو ما يبلغ عضوا كاملا .والبدن كله كعضو واحد إن اتحد مجلس التطيب، وإن تفرق المجلس فلكل طيب كفارة، وتجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں تک لباس کو خوشبو لگانے کا مسئلہ ہے، تو حنفیہ کے نزدیک لباس کو خوشبو لگانے پر دَم واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ اتنی مقدار ہو، کہ وہ ایک مربع بالشت سے زائد ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ ایسی خوشبو لگا ہوا لباس احرام کی حالت میں کم از کم ایک دن یا ایک رات پہنے رکھا ہو، اور اس سے کم کی صورت میں صدقہ واجب ہوگا۔ [1]

اور مہندی کا حکم بھی خوشبو کی طرح ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۸...... اگر کسی نے احرام کی حالت میں کسی دوسرے احرام والے شخص کو یا احرام کے بغیر کسی اور عام شخص کو خوشبو لگائی، تو حنفیہ کے نزدیک خوشبو لگانے والے شخص پر کچھ واجب نہیں ہوگا، جب تک کہ اس کے اپنے جسم پر خوشبو نہ لگے، لیکن جس کو خوشبو لگائی ہے، اگر وہ احرام کی حالت میں ہو تو اس دوسرے شخص پر (گزشتہ مسئلہ میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق) دَم یا صدقہ واجب ہوگا، اگرچہ اس کو زبردستی خوشبو کیوں نہ لگائی گئی ہو۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کا قول اس سلسلہ میں وہی ہے، جو آگے دوسرے کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ إزالة الطيب، فلو ذبح ولم يزله لزمه دم آخر. ووجه وجوب الشاة :أن الجناية تتكامل بتكامل الارتفاق، وذلك في العضو الكامل، فيترتب كمال الموجب .وإن طيب أقل من عضو فعليه الصدقة لقصور الجناية، إلا أن يكون الطيب كثيرا فعليه دم .ولم يشترط الحنفية استمرار الطيب لوجوب الجزاء ، بل يجب بمجرد التطيب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۸۳ ، مادة "إحرام")

[1] وأما تطييب الثوب :فيجب فيه الدم عند الحنفية بشرطين:
أولهما :أن يكون كثيرا، وهو ما يصلح أن يغطي مساحة تزيد على شبر في شبر .والثاني :أن يستمر نهارا، أو ليلة .فإن اختل أحد الشرطين وجبت الصدقة، وإن اختل الشرطان معا وجب التصدق بقبضة من قمح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۸۳ ، مادة "إحرام")

[2] وإن خضب رأسه أو يده أو لحيته بحناء وجب دم (الفقه الإسلامي وأدلته،لوهبة الزحيلي،ج۳،ص ۶۲۰،الباب الخامس :الحجّ والعُمْرة،المبحث الحادي عشر ـ جزاء الجنايات)

فإن خضب رأسه ولحيته بالحناء فعليه دم؛ لأن الحناء طيب لما روى أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم -نهى المعتدة أن تختضب بالحناء وقال :الحناء طيب.ولأن الطيب ما له رائحة طيبة وللحناء رائحة طيبة فكان طيبا (بدائع الصنائع، ج۲ ص ۱۹۱، ۱۹۲، كتاب الحج، فصل تطيب المحرم)

بال مونڈنے کے بارے میں آتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۹...... احرام کی حالت میں اگر جسم کے کسی عضو کے بال کاٹے یا مونڈے، تو امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک اگر کسی نے ایک وقت اور ایک جگہ میں کم از کم تین یا اس سے زیادہ کتنی بھی مقدار میں سَر یا جسم کے کسی بھی حصہ کے بال کاٹے یا مونڈے، تو اس پر فدیہ واجب ہوگا۔

اور اگر تین سے کم یعنی ایک یا دو بال کاٹے یا مونڈے، تو ایک بال کے عوض میں ایک مُد (یعنی چوتھائی صاع یا فطرانہ کی نصف مقدار گندم کا) صدقہ واجب ہوگا۔ [2]

---

[1] لو طيب محرم محرما أو حلالا فلا شيء على الفاعل ما لم يمس الطيب، عند الحنفية وعلى الطرف الآخر الدم إن كان محرما وإن كان مكرها. وعند الثلاثة التفصيل الآتي في مسألة الحلق (ف ١٥٧) لكن عليه في حال لا تلزمه فيه الفدية ألا يستديمه، بل يبادر بإزالته. فإن تراخى لزمه الفداء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ١٨٤، مادة "إحرام")

[2] اور مالکیہ کے نزدیک احرام کی حالت میں بال کاٹنے یا مونڈنے کے سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر دس یا اس سے کم مقدار میں بال کاٹے، جس سے اس کا مقصود کسی تکلیف وایذاء کا دُور کرنا نہیں تھا، تو اس پر ایک مٹھی گندم کا صدقہ واجب ہوگا، اور اگر اس کا مقصود کسی تکلیف وایذاء کو دُور کرنا تھا، تو فدیہ واجب ہوگا، اگرچہ ایک ہی بال کیوں نہ کاٹا یا مونڈا ہو، اور اگر اس نے دس بالوں سے زیادہ کسی بھی سبب سے کاٹے یا مونڈے، تو اس پر فدیہ واجب ہوگا۔

اور مالکیہ کے نزدیک شافعیہ وحنابلہ کی طرح بدن کے تمام بالوں کا حکم برابر ہے۔

وإن تطيب أو حلق أو لبس ثوباً لعذر فهو مخير: إن شاء ذبح شاة، وإن شاء تصدق على ستة مساكين بثلاثة أصوع من طعام لكل مسكين نصف صاع، وإن شاء صام ثلاثة أيام، لقوله تعالى: (فمن كان منكم مريضاً أو به أذى من رأسه ففدية من صيام أو صدقة أو نُسُك)

وقال الجمهور غير الحنفية: من لبس أو حلق شعره أو قلم أظفاره أو تطيب أو ادهن أو أزال ثلاث شعرات متوالية عند الشافعية أو أزال أكثر من شعرتين أو ظفرين عند الحنابلة: يخير في الفدية بين ذبح شاة يتصدق بها، أو صيام ثلاثة أيام، أو إطعام ستة مساكين، لكل مسكين نصف صاع، وذبح الشاة يسمى نسكاً، فالنسك أحد خصال الفدية، سواء فعل المحظور عمداً أو خطأً أو جهلاً، والتخيير ثابت مع العسر واليسر في أي مكان شاء، ودليل التخيير الآية السابقة: (ففدية من صيام أو صدقة أو نسك) وقوله صلّى الله عليه وسلم لكعب بن عُجرة: أيؤذيك هوامّ رأسك؟ قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے نزدیک اگر اس نے کسی پورے عضو یا کم از کم چوتھائی عضو کے بال کاٹے یا مونڈے، مثلاً کم از کم چوتھائی سَر یا کم از کم چوتھائی ڈاڑھی کے بال کاٹے یا مونڈے، تو اس پر دَم واجب ہوگا، یعنی حنفیہ کے نزدیک چوتھائی عضو کا حکم پورے عضو کی طرح ہے۔

اور اگر چوتھائی عضو سے کم حصہ کے بال کاٹے یا مونڈے، تو پھر اس پر صدقہ واجب ہوگا۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک مونچھ اور ڈاڑھی ملا کر دونوں ایک عضو کا حکم رکھتے ہیں، پس اگر کسی نے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نعم، قال :انسک شاة، أو صم ثلاثة أيام، أو أطعم فَرقاً من الطعام على ستة مساكين وقيس بالحلق وبالمعذور غيرهما .فهذه الفدية عند الجمهور عامة للمعذور وغيره، وخاصة عند الحنفية بالمعذور .وشعر الرأس وغيره سواء فى وجوب الفدية؛ لأن الشعر كله جنس واحد فى البدن، ويجزء البر والشعير والزبيب فى الفدية، كما فى الفطرة وكفارة اليمين .والواجب عند الحنابلة فدية واحدة مالم يكفر عن الأول، فإن كفر عن الأول ثم حلق ثانياً، فعليه كفارة ثانية (الفقه الإسلامى وأدلته،لوهبة الزحيلى، ج٣،ص ٦٢٢،البَابُ الخامسُ :الحجّ والعُمْرة،المبحث الحادى عشر ـ جزاء الجنايات)

[1] البتہ حنفیہ میں سے امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اگر کسی نے حجامہ یعنی سینگی لگوانے کے لئے کسی عضو کے بال مونڈے یا کاٹے، تو وہ خواہ کتنی ہی مقدار میں ہوں، دَم واجب نہیں ہوتا، البتہ صدقہ واجب ہوتا ہے، کیونکہ حجامہ یا سینگی کے لئے بال مونڈوانے میں قضائے تفث یا اس کا قصد نہیں پایا جاتا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں بھی دَم واجب ہے۔

قال محمد رحمة الله عليه فى الجامع الصغير :محرم حلق موضع المحاجم، فعليه دم، وقال أبو يوسف ومحمد :عليه صدقة، فهما يقولان إن موضع المحاجم لا يحلق لقضاء التفث ولا يقصد به ذلک، وإنما يقصد به الحجامة فمن حيث إنه حصل به قضاء التفث حقيقة أوجبنا الصدقة، ومن حيث إنه لا يقصد به قضاء التفث لم يوجب الدم، وأبو حنيفة رحمه الله يقول :حلق هذا الموضع قضاء التفث حقيقة، وإنه مقصود لمن يقصد الحجامة، وقضاء التفث حقيقة (من) محظورات الإحرام، وإنما يسقط اعتباره إذا لم يكن مقصوداً أصلاً، وإنه ليس بهذه الصفة، فلا يسقط اعتباره (المحيط البرهانى، ج٢ ص ٤٥٠، كتاب المناسک، الفصل الخامس)

(وإن حلق أقل من ربع رأسه تصدق بنصف صاع بر) لأن الربع مقصود معتاد عند بعض الناس كالسواد والبادية، فكان ارتفاقا كاملا، وما دونه ليس فى معناه، فتجب الصدقة(الاختيار لتعليل المختار، ج١ ص١٦٣، كتاب الحج، باب الجنايات)

اپنی مکمل مونچھ یا اس کے کچھ بال مونڈے تو صدقہ واجب ہوگا۔ [1]

اور اگر اس نے اپنے مختلف اعضاء کے بال ایک مجلس میں کاٹے یا مونڈے، تو اس پر ایک ہی دَم واجب ہوگا، اور اگر اس نے مختلف مجلسوں میں مختلف اعضاء کے بال کاٹے یا مونڈے، تو اس پر مختلف مجلسوں کے اعتبار سے متعدد دَم واجب ہوں گے۔

اور اگر کسی نے چوتھائی عضو سے کم حصہ کے بال کاٹے یا مونڈے، تو اس پر صدقہ واجب ہوگا۔

اور اگر وضو یا خارش کرنے کی وجہ سے سَر یا ڈاڑھی وغیرہ کے کم از کم تین بال گر گئے، تو ہر بال کے عوض میں تقریباً ایک مٹھی کی مقدار گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہوگا۔

اور حنفیہ کے نزدیک پوری گردن یا مکمل دونوں بغلوں یا ایک بغل کے بال کاٹنے پر تو دَم واجب ہوگا، لیکن کم مقدار کے کاٹنے پر دَم کے بجائے صدقہ واجب ہوگا۔

اور اگر احرام کی حالت میں کسی فعل کا ارتکاب کیے بغیر خود بخود بال گر یا جھڑ جائیں، تو کسی کے نزدیک بھی کچھ واجب نہیں۔ [2]

---

[1] وإن حلق شاربه فعليه صدقة؛ لأن الشارب تبع للحية، ألا ترى أنه ينبت تبعا للحية ويؤخذ تبعا للحية أيضا، ولأنه قليل، فلا يتكامل معنى الجناية الخ(بدائع الصنائع، ج۲ص۱۹۳، كتاب الحج،فصل ما يجوز للمحرم أن يفعله في إحرامه)

وإن حلق شاربه أو قصه فعليه صدقة لأنه قليل وهو تبع للحية وروى عن أبي حنيفة أن فيه الدم(الجوهرة النيرة، ج ا ص ۱۶۹، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج)

[2] فقہائے کرام کے مندرجہ بالا اقوال کی روشنی میں عوام بلکہ بہت سے اہلِ علم کے لئے حنفیہ کی بیان کردہ تفصیل کو سمجھنا انتہائی دُشوار ہوتا ہے، جبکہ مذکورہ تفصیل زیادہ تر نصوص کے بجائے مختلف قیاسات پر مبنی ہے، اور بندہ کا ذاتی رُجحان اس سلسلہ میں فيما بيني وبين الله حنابلہ وشافعیہ کے قول کی طرف ہے، جس میں عوام اور اہلِ علم کے لئے یُسر بھی ہے، اور مختلف قیاسوں کے بجائے نَص کے مطابق بھی ہے۔

ثالثا: الحلق أو التقصير: مذهب الحنفية أن من حلق ربع رأسه أو ربع لحيته يجب عليه دم؛ لأن الربع يقوم مقام الكل، فيجب فيه الفداء الذى دلت عليه الآية الكريمة .ولو حلق رأسه ولحيته وإبطيه وكل بدنه في مجلس واحد فعليه دم واحد، وإن اختلفت المجالس فلكل مجلس موجبه .وإن حلق خصلة من شعره أقل من الربع يجب عليه الصدقة، أما إن سقط من رأسه أو لحيته عند الوضوء أو الحك ثلاث شعرات فعليه بكل شعرة صدقة (كف من طعام) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... اگر کسی نے احرام کی حالت میں کسی دوسرے کے بال مونڈے، یا کسی دوسرے شخص نے اس احرام والے شخص کے بال مونڈے، اور یہ بال مونڈنا احرام سے نکلنے یعنی حلال ہونے کی غرض سے نہیں تھا، تو حنفیہ کے نزدیک جس احرام والے شخص کے بال مونڈے گئے، اس پر دَم واجب ہوگا، اگرچہ دوسرے کی طرف سے اس پر زبردستی کیوں نہ کی گئی ہو۔ [۱]

اور دیگر فقہائے کرام کے اقوال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ کی مجموعی طور پر تین صورتیں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وإن حلق رقبته كلها، أو إبطيه، أو أحدهما، يجب الدم .أما إن حلق بعض واحد منهما، وإن كثر. فتجب الصدقة؛ لأن حلق جزء عضو من هذه الأشياء ليس ارتفاقا كاملا، لعدم جريان العادة بحلق البعض فيها، فلا يجب إلا الصدقة .

وقرر الحنفية أن في حلق الشارب حكومة عدل، بأن ينظر إلى هذا المأخوذ كم يكون من ربع اللحية، فيجب عليه بحسابه من الطعام.

وذهب المالكية إلى أنه إن أخذ عشر شعرات فأقل، ولم يقصد إزالة الأذى، يجب عليه أن يتصدق بحفنة قمح، وإن أزالها بقصد إماطة الأذى تجب الفدية، ولو كانت شعرة واحدة .وتجب الفدية أيضا إذا أزال أكثر من عشر شعرات لأي سبب كان .وشعر البدن كله سواء .

وذهب الشافعي وأحمد إلى أنه تجب الفدية لو حلق ثلاث شعرات فأكثر، كما تجب لو حلق جميع الرأس، بل جميع البدن، بشرط اتحاد المجلس، أي الزمان والمكان .ولو حلق شعرة أو شعرتين ففي شعرة مد، وفي شعرتين مدان من القمح، وسواء في ذلك كله شعر الرأس وشعر البدن.

أما إذا سقط شعر المحرم بنفسه من غير صنع آدمي فلا فدية باتفاق المذاهب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۸۴ مادة "إحرام")

واللحية مع الشارب عضو واحد فتح(ردالمحتار، ج۲ص ۵۴۹، باب الجنايات في الحج)

وإن حلق شاربه فعليه صدقة؛ لأن الشارب تبع للحية، ألا ترى أنه ينبت تبعا للحية ويؤخذ تبعا للحية أيضا، ولأنه قليل، فلا يتكامل معنى الجناية، وذكر في الجامع الصغير :محرم أخذ من شاربه فعليه حكومة عدل، وهي أن ينظر كم تكون مقادير أدنى ما يجب في اللحية من الدم؟ وهو الربع، فتجب الصدقة بقدره حتى لو كان مثل ربع اللحية، يجب ربع قيمة الشاة؛ لأنه تبع للحية(بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۹۳، كتاب الحج، فصل ما يجوز للمحرم أن يفعله في إحرامه)

[۱] إذا حلق محرم رأس غيره، أو حلق غيره رأسه -ومحل المسألة إذا كان الحلق لغير التحلل - فعلى المحرم المحلوق الدم عند الحنفية، ولو كان كارها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۸۴ ، مادة "إحرام")

بنتی ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ دونوں شخص احرام کی حالت میں ہوں، اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تو احرام کی حالت میں موجود دوسرے کے بال مونڈنے والے پر جرمانہ واجب ہوگا، خواہ اس نے بال منڈائے جانے والے کے حکم سے اس کے بال مونڈے ہوں، یا اس کے حکم کے بغیر مونڈے ہوں، اور خوشی سے مونڈے ہوں یا زبردستی۔

اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر اس کی رضامندی کے بغیر بال مونڈے ہوں، تو بال مونڈنے والے پر فدیہ واجب ہوگا، اور اگر اس کی رضامندی کے ساتھ بال مونڈے ہوں، تو جس کے بال مونڈے گئے، اس پر بھی فدیہ واجب ہوگا، اور بال مونڈنے والے پر بھی فدیہ واجب ہوگا۔ [1]

دوسری صورت یہ ہے کہ بال مونڈنے والا تو احرام کی حالت میں ہو، مگر جس کے بال مونڈے گئے، وہ احرام کی حالت میں نہ ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں بال مونڈنے والے پر جرمانہ واجب ہوگا۔

اور مالکیہ کے نزدیک بال مونڈنے والے پر فدیہ واجب ہوگا۔

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بال مونڈنے والے پر کچھ واجب نہیں ہوگا، اگرچہ احرام والے شخص نے اس کے بال اس کی اجازت کے بغیر مونڈے ہوں، کیونکہ جس کے بال مونڈے گئے ہیں، اس کے حق میں بال مونڈے جانے کی احرام کی وجہ سے کوئی

---

[1] وأما غيرهم فعندهم تفصيل فى حق الحالق والمحلوق .ولهذه المسألة ثلاث صور تقتضيها القسمة العقلية نبين حكمها فيما يلى:

الصورة الأولى :

أن يكونا محرمين، فعلى المحرم الحالق صدقة عند الحنفية، سواء حلق بأمر المحلوق أو بغير أمره طائعا أو مكرها، ما لم يكن حلقه فى أوان الحلق .فإن كان فيه، فلا شىء عليه.

وقال المالكية والشافعية والحنابلة :إن حلق له بغير رضاه فالفدية على الحالق، وإن كان برضاه فعلى المحلوق فدية، وعلى الحالق فدية، وقيل حفنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ١٨٤ ، و١٨٥، مادة "إحرام")

ممانعت نہیں۔ [1]

تیسری صورت یہ ہے کہ بال مونڈنے والا تو احرام کی حالت میں نہ ہو، مگر جس کے بال مونڈے گئے، وہ احرام کی حالت میں ہو، تو حنفیہ کے نزدیک ایسی صورت میں بال مونڈنے والے پر جرمانہ واجب ہوگا، اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر احرام والے شخص کی اجازت سے یا اس کی ممانعت کے بغیر اس کے بال مونڈے گئے، تو احرام والے شخص پر فدیہ واجب ہوگا، اور اگر احرام والے شخص کی اجازت کے بغیر اس کے بال مونڈے گئے، تو بال مونڈنے والے پر فدیہ واجب ہوگا۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کسی نے احرام کی حالت میں اپنی انگلیوں کے ناخن کاٹے، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ناخنوں کے کاٹنے کا حکم بالوں کے کاٹنے کی طرح ہے، یعنی تین ناخن یا اس سے زیادہ تعداد میں ایک مجلس میں کاٹنے سے تو فدیہ واجب ہوگا، اور اگر تین سے کم یعنی ایک یا دو ناخن کاٹے، تو ایک ناخن کے عوض میں ایک مُد (یعنی چوتھائی صاع یا فطرانہ کی نصف مقدار گندم کا) صدقہ واجب ہوگا۔

اور حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے یا کم از کم ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے ایک ہی مجلس میں ناخن کاٹے، تو ان کے نزدیک اس پر قربانی کے ایک چھوٹے جانور (یعنی بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کی شکل میں ایک دَم واجب ہوگا، اور

---

[1] الصورة الثانية :أن يكون الحالق محرما والمحلوق حلالا، فكذلك على الحالق المحرم صدقة عند الحنفية .وقال المالكية :يفتدى الحالق .وعندهم فى تفسيره قولان :قول أنه يطعم قدر حفنة، أى ملء يد واحدة من طعام، وقول أن عليه الفدية.

وقال الشافعية والحنابلة :لا فدية على الحالق، ولو حلق له المحرم بغير إذنه، إذ لا حرمة لشعره فى حق الإحرام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۸۵، مادة "إحرام")

[2] الصورة الثالثة :أن يكون الحالق حلالا والمحلوق محرما، فعلى الحالق صدقة عند الحنفية .

وقال المالكية والشافعية والحنابلة :إن كان بإذن المحرم أو عدم ممانعته فعلى المحرم الفدية .وإن كان الحلق بغير إذن المحرم فعلى الحلال الفدية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۸۵، مادة "إحرام")

اگراس نے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے پانچ ناخنوں سے کم کاٹے یا مختلف ہاتھ پاؤں کے پانچ سے کم ناخن کاٹے، تو اس پر ہر ناخن کے بدلہ میں ایک صدقہ واجب ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۲...... احرام کی حالت میں سر، بدن یا کپڑوں میں پائی جانے والی جوں مارنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ شافعیہ کے نزدیک، اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق جُوں کے مارنے میں کوئی فدیہ واجب نہیں، کیونکہ یہ موذی جانور ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی موذی جانوروں مثلاً سانپ، بچھو وغیرہ کو حِل اور حرم میں مارنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس حکم میں ہر موذی جانور داخل ہے، اور جُوں بھی موذی جانور ہے۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک بطورِ خاص سر اور ڈاڑھی کی جُوں کو مارنا مکروہ تنزیہی ہے، اور اس پر کوئی چیز اگرچہ واجب تو نہیں، لیکن تھوڑا بہت کچھ صدقہ کردینا مستحب ہے، اگرچہ ایک لقمہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔

---

[1] اور مالکیہ کے نزدیک اگر کسی نے ایک ناخن ویسے ہی کاٹا، کوئی تکلیف دور کرنے کے لئے نہیں کاٹا، اور نہ ہی اس کے ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے کاٹا، تو اس پر ایک مٹھی کھانے (گندم وغیرہ) کا صدقہ واجب ہوگا، اور اگر تکلیف یا میل کچیل دور کرنے کے لئے کاٹا، تو اس پر فدیہ واجب ہوگا، اور اگر اس نے اُس ناخن کے ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے کاٹا، تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا، اور اگر اس نے دو ناخن ایک مجلس میں کاٹے، تو اس پر فدیہ واجب ہوگا، اگرچہ اس نے تکلیف دور کرنے کے قصد سے نہ کاٹے ہوں، اور اگر اس نے یکے بعد دیگرے ناخن کاٹے، تو اگر دونوں ناخن فوراً کاٹے، تو اس پر فدیہ واجب ہوگا، ورنہ ہر ناخن کے عوض میں ایک مٹھی کھانے (گندم وغیرہ) کا صدقہ واجب ہوگا۔

رابعا :تقليم الأظفار:

قال الحنفية:إذا قص أظفار يديه ورجليه جميعها فى مجلس واحد تجب عليه شاة .وكذا إذا قص أظفار يد واحدة، أو رجل واحدة، تجب شاة .وإن قص أقل من خمسة أظفار من يد واحدة، أو خمسة متفرقة من أظفاره، تجب عليه صدقة لكل ظفر.

ومذهب المالكية أنه إن قلم ظفرا واحدا عبثا أو ترفها، لا لإماطة أذى، ولا لكسره، يجب عليه صدقة :حفنة من طعام .فإن فعل ذلك لإماطة الأذى أو الوسخ ففيه فدية .وإن قلمه لكسره فلا شىء عليه إذا تأذى منه .ويقتصر على ما كسر منه .وإن قلم ظفرين فى مجلس واحد ففدية، ولو لم يقصد إماطة الأذى، وإن قطع واحدا بعد آخر فإن كانا فى فور ففدية، وإلا ففى كل ظفر حفنة.

وعند الشافعية والحنابلة:يجب الفداء فى تقليم ثلاثة أظفار فصاعدا فى مجلس واحد، ويجب فى الظفر والظفرين ما يجب فى الشعرتين(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲، ص۱۸۵، مادة "إحرام")

جبکہ امام احمد سے مروی ایک روایت کے مطابق جُوں کو مارنا ناجائز ہے، مگر اس میں کوئی کفارہ وفدیہ واجب نہیں، کیونکہ اس کی نہ تو کوئی قیمت ہے، اور نہ یہ شکار میں داخل ہے۔ [1]

اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جُوں کے مارنے میں صدقہ واجب ہوتا ہے۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک جُوں مارنے کے نتیجہ میں صدقہ واجب ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے ایک، دو یا تین جُووں کو مارا، تو جتنا چاہے صدقہ کردے، اگرچہ ایک مٹھی یا ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو، اور اگر تین سے زیادہ جووں کو مارا، تو اس پر ایک فطرانہ کے برابر صدقہ واجب ہے۔ [2]

---

[1] خامسا :قتل القمل:

وهو ملحق بهذا المبحث؛ لأن فيه إزالة الأذى، لذا يختص البحث بما على بدن المحرم أو ثيابه . فقد ذهب الشافعية إلى ندب قتل المحرم لقمل بدنه وثيابه لأنه من الحيوانات المؤذية، وقد صح أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتل الفواسق الخمس فى الحل والحرم، وألحقوا بها كل حيوان مؤذ.

أما قمل شعر الرأس واللحية خاصة فيكره تنزيها تعرضه له لئلا ينتتف الشعر .ومقتضى تعليلهم الكراهة بالخوف من انتتاف الشعر زوال هذه الكراهة فيما لو قتله بوسيلة لا يخشى معها الانتتاف كما إذا رشه بدواء مطهر مثلا .وعلى أية حال فإذا قتل قمل شعر رأسه ولحيته لم يلزمه شىء لكن يستحب له أن يفدى الواحدة منه ولو بلقمة.

وفى رواية عن أحمد إباحة قتل القمل مطلقا دون تفريق بين قمل الرأس وغيره لأنه من أكثر الهوام أذى فأبيح قتله كالبراغيث، وسائر ما يؤذى .وقول النبى صلى الله عليه وسلم :خمس فواسق يقتلن فى الحل والحرم يدل بمعناه على إباحة قتل كل ما يؤذى بنى آدم فى أنفسهم وأموالهم .وفى رواية أخرى عنه حرمة قتله، إلا أنه لا جزاء فيه إذ لا قيمة له وليس بصيد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۸۵،۱۸۶، مادة "إحرام")

[2] وذهب الحنفية والمالكية إلى وجوب الصدقة ولا ريب أنه إذا آذاه بالفعل، ولم يمكنه التخلص منه إلا بقتله، جاز له قتله طبقا لقاعدة " :الضرر يزال "، وقاعدة " :الضرورات تبيح المحظورات "(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۸۶، مادة "إحرام")

أما القملة فلأنها متولدة من بدنه، فيكون قتلها من قضاء التفث، وفى إزالتها ارتفاق، والقملتان والثلاث كالواحد .ولو قتل قملا كثيرا وهو ما زاد على الثلاث ـ بالغا ما بلغ ـ أطعم نصف صاع من بر .وإلقاؤها على الأرض كقتلها .ولو وضع ثوبه فى الشمس ليقتل قملة فماتت فعليه الجزاء .ولو وضع ثوبه فى الشمس ولم يقصد قتل القمل لا شىء عليه، كما لو غسل ثوبه فمات القمل(شرح النقاية، ج۲ص۴۰۵، كتاب الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر حنفیہ کے نزدیک جو حکم جُوں کو مارنے کا ہے، وہی حکم جُوں کو کپڑے یا بدن سے الگ کرنے کا، یا جُوں مارنے کے لئے کپڑے کو دھوپ میں ڈالنے یا کسی کو جُوں مارنے پر دلالت کرنے کا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۳۳...... احرام کی حالت میں خشکی کا شکار کرنا منع ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(قوله :وبقتل قملة وجرادة تصدق بما شاء) أما وجوب الصدقة بقتل القملة فلأنها متولدة من التفث الذى على البدن والمحرم ممنوع من إزالته بمنزلة إزالة الشعر حتى لو قتل ما على الأرض من القمل فإنه لا شيء عليه أو قتلها من بدن غيره فكذلك كما فى الظهيرية وغيرها، وفى المحيط ويكره قتل القملة، وما تصدق به فهو خير منها أطلق فى قتل القملة فشمل ما إذا كان مباشرة أو تسببا لكن يشترط فى الثانى القصد كما قدمناه فعليه الجزاء لو وضع ثيابه فى الشمس ليقتل حر الشمس القمل كالصيد، ولا شيء عليه لو لم يقصد ذلك كما لو غسل ثوبه فمات القمل كذا فى غاية البيان، وقد علم من كلامه أن القمل كالصيد فأفاد أن الدلالة موجبة فيها فلو أشار المحرم إلى قملة على بدنه فقتلها الحلال وجب الجزاء ، وعلم من التعليل أن إلقاء القملة كالقتل؛ لأن الموجب إزالتها عن البدن لا خصوص القتل كما صرح به الإسبيجابى وغيره. وأراد بالقملة القليل منه؛ لأن الكثير منه جزاء قتله صدقة معينة، وهى نصف صاع لا التصدق بما شاء .وظاهر كلام الإسبيجابى أن ما زاد على الثلاث كثير، وكلام قاضى خان أن العشرة فما فوقها كثير واقتصر شراح الهداية على الأول فكان هو المذهب(البحر الرائق، ج۳ص۳۷، كتاب الحج،باب الجنايات فى الحج)

[1] البتہ جو جُوں پہلے سے جسم یا کپڑے کے علاوہ زمین وغیرہ پر ہو، تو اس کو مارنے پر کوئی صدقہ وغیرہ واجب نہیں۔

خامساً۔ ما يوجب أقل من نصف صاع :وهو التصدق بما شاء :

قال الحنفية :إن قتل جرادة، أو قملة أو اثنتين أوثلاثاً أو ألقاها من بدنه أو ثوبه، أو ألقى ثوبه بالشمس لتموت، أو دل عليها غيره، يتصدق بما شاء ككف طعام؛ لأن القملة متولدة من التفث الذى على البدن .ولو قتل قملة وجدها على الأرض لم يكن عليه شيء .والجراد من صيد البر(الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ،لوَهْبَة الزُّحَيْلِيّ، ج۳،ص۲۲۸،البَابُ الخامسُ :الحجّ والعُمْرة،المبحث الحادى عشر ۔ جزاء الجنايات)

[2] المبحث الثانى فى قتل الصيد وما يتعلق به:

أجمع العلماء على وجوب الجزاء فى قتل الصيد، استدلالا بقوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا لا تقتلوا الصيد وأنتم حرم ومن قتله منكم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم يحكم به ذوا عدل منكم هديا بالغ الكعبة أو كفارة طعام مساكين أو عدل ذلك صياما ليذوق وبال أمره عفا الله عما سلف ومن عاد فينتقم الله منه والله عزيز ذو انتقام) (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲، ص۱۸٦، مادة "إحرام")

پھر احرام کی حالت میں شکار کو جان بوجھ کر قتل کرنے اور غلطی سے یا بھول کر یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے قتل کرنے کی سب صورتوں میں جزاوبدلہ واجب ہوتا ہے۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک جو شکار بھی قتل کیا ہو، اس میں دو تجربہ کار لوگوں سے اس شکار کی قیمت اس جگہ کے اعتبار سے لگوائی جائے گی، جس جگہ اس شکار کو قتل کیا گیا ہے، خواہ وہ جانور کسی بھی قسم کا ہو، اور پھر اس کے بعد مندرجہ ذیل تین قسم کے اختیارات ہوں گے۔

پہلا اختیار یہ ہے کہ اگر اس کی قیمت قربانی کے کسی بھی جانور کو پہنچتی ہے، تو اس قیمت سے کوئی بھی ایسا جانور خرید لے، جس کی قربانی جائز ہوتی ہے، اور اس کو حرم میں ذبح کردے، لیکن اگر وہ شکار ایسا ہو، جس کا گوشت کھانا حلال نہ ہو مثلاً ہاتھی، تو اس کی قیمت اگرچہ قربانی کے ایک چھوٹے جانور سے زیادہ کیوں نہ ہوجائے، تب بھی قربانی کا ایک چھوٹا جانور ہی ذبح کرنا واجب ہوگا۔

دوسرا اختیار یہ ہے کہ وہ اس شکار کی لگائی ہوئی قیمت سے کھانا خرید لے، اور اس کو حرم یا غیرحرم کے مساکین پر اس ترتیب سے صدقہ کردے کہ ہر ایک مسکین کو یا تو ایک فطرانہ کے برابر گندم دے یا ایک فطرانہ کے برابر جَو یا کھجور دے، یعنی کہ جو چیز بھی دے، وہ ایک صدقۂ فطر کے برابر دے، اس سے کم نہ دے۔

تیسرا اختیار یہ ہے کہ ہر مسکین کے کھانے یعنی ایک فطرانہ کی مقدار کے برابر ایک روزہ رکھے، اور وہ کھانا جتنے فطرانوں کے برابر ہو، اتنے ہی روزے رکھے۔ [2]

---

[1] أولا :قتل الصيد :وجوب الجزاء فى قتل الصيد عمدا متفق عليه عملا بنص الآية الكريمة السابقة . إن غير العمد فى هذا الباب كالعمد، يجب فيه الجزاء باتفاق المذاهب الأربعة؛ لأن العقوبة هنا شرعت ضمانا للمتلف، وذلک يستوى فيه العمد والخطأ والجهل والسهو والنسيان.
إن هذا الجزاء هو كما نصت الآية :(مثل ما قتل من النعم) . ويخير فيه بين الخصال الثلاث(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ١٨٦، مادة "إحرام")

[2] البتہ دوسرے اختیار یعنی مساکین کو صدقہ کرنے کی صورت میں جب سب کو فطرانہ کے برابر دیتے دیتے آخر میں ایک فطرانہ سے کم بچ جائے، تو وہ آخری مقدار فطرانہ سے کم دینا بھی جائز ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل تو حنفیہ کے نزدیک تھی، اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شکار کیے جانے والے جانوروں کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ایسے جانوروں کی ہے کہ وہ، اونٹ، گائے، بھینس اور بکری، بھیڑ، دنبہ میں سے کسی جانور کے مثل ہوں، ایسے جانوروں کو مثلی کہا جاتا ہے۔

اور دوسری قسم ان جانوروں کی ہے کہ وہ مذکورہ جانوروں کے مثل نہ ہوں، ایسے جانوروں کو غیر مثلی کہا جاتا ہے۔

پس اگر کسی نے مثلی جانور قتل کیا ہو، تو اس کو مندرجہ ذیل تین چیزوں کا اختیار ہوگا۔

ایک اختیار تو یہ ہے کہ وہ اس کی طرح کا چوپایہ حرم کی حدود میں ذبح کرے، اور اس کا گوشت حرم کے مساکین پر صدقہ کرے، مثلاً کسی نے ہرن کو قتل کیا، تو اس کے بدلہ میں بکری کو ذبح کرے، اور اگر نیل گائے کو قتل کیا، تو گائے کو ذبح کرے، اور اگر شتر مرغ کو قتل کیا، تو وہ اونٹ یا بھینس کو ذبح کرے۔

دوسرا اختیار یہ ہے کہ وہ اس طرح کے چوپائے کی قیمت لگا کر اس سے کھانا خرید دے، اور حرم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اوراسی طرح تیسرے اختیار یعنی روزے رکھنے کی صورت میں جب ایک فطرانہ کے برابر تمام روزوں کی مقدار پوری ہونے کے بعد اگر آخر میں ایک فطرانہ کی مقدار سے کم رہ جائے، تو اس کے عوض میں ایک ہی روزہ رکھا جائے گا، کیونکہ روزہ میں تجزی نہیں ہوتی۔

لكن اختلفوا بعد هذا في تفسير هذين الأمرين :

ذهب الحنفية :إلى أنه تقدر قيمة الصيد بتقويم رجلين عدلين، سواء أكان للصيد المقتول نظير من النعم أم لم يكن له نظير .وتعتبر القيمة في موضع قتله، ثم يخير الجاني بين ثلاثة أمور:

الأول -أن يشترى هديا ويذبحه في الحرم إن بلغت القيمة هديا .ويزاد على الهدى في مأكول اللحم إلى اثنين أو أكثر إن زادت قيمته، لكنه لا يتجاوز هديا واحدا في غير مأكول اللحم، حتى لو قتل فيلا لا يجب عليه أكثر من شاة.

الثاني -أن يشترى بالقيمة طعاما ويتصدق به على المساكين، لكل مسكين نصف صاع من بر، أو صاع من شعير أو تمر كما في صدقة الفطر .ولا يجوز أن يعطى المسكين أقل مما ذكر، إلا إن فضل من الطعام أقل منه، فيجوز أن يتصدق به .ولا يختص التصدق بمساكين الحرم.

الثالث -أن يصوم عن طعام كل مسكين يوما، وعن أقل من نصف صاع -إذا فضل -يوما أيضا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۸۶، و۱۸۷، مادة "إحرام")

کے مساکین پر صدقہ کردے۔

تیسرا اختیار یہ ہے کہ اس جانور کی قیمت سے جتنا کھانا (گندم وغیرہ) خریدا جاسکتا ہو، اس سب کو جمع کرکے اس میں سے ہر ایک مُد (یعنی چوتھائی صاع یا فطرانہ کی نصف مقدار) کے عوض میں ایک روزہ رکھے، اور اس حساب سے جتنے مُد بنتے ہوں، اتنے روزے رکھے۔

اور روزے رکھنے میں اختیار ہے کہ وہ حرم کی حدود میں رکھے یا حرم سے باہر کسی بھی جگہ جا کر رکھے۔ [۱]

پھر ان حضرات (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک مثلی ہونے میں اعتبار صورت اور پیدائش میں مشابہت کا ہوتا ہے، اور جن جانوروں کے بارے میں سلف سے کوئی بات منقول ہو، ان میں اس کی اتباع کی جائے گی، اور جن میں سلف سے کچھ منقول نہیں، ان میں دو معتبر تجربہ کار افراد کی رائے پر عمل کیا جائے گا۔ [۲]

---

[۱] اور مالکیہ کے نزدیک دوسرے اختیار یعنی اس جانور کی قیمت لگانے کی صورت میں اس شکار کی رقم کے بجائے، براہِ راست کھانے سے بھی قیمت لگائی جاسکتی ہے، اور ان کے نزدیک حرم کے بجائے شکار والی جگہ پر مساکین کو صدقہ کیا جائے گا، اور اگر وہاں مساکین نہ ہوں، تو اس سے قریب ترین جگہ پر مساکین کو صدقہ کیا جائے گا۔

وذهب الأئمة الثلاثة المالكية والشافعية والحنابلة إلى التفصيل فقالوا :الصيد ضربان :مثلي :وهو ما له مثل من النعم، أى مشابه فى الخلقة من النعم، وهى الإبل والبقر والغنم .وغير مثلي، وهو ما لا يشبه شيئا من النعم.

أما المثلي :فجزاؤه على التخيير والتعديل، أى أن القاتل يخير بين ثلاثة أشياء على الوجه التالي:

الأول -أن يذبح المثل المشابه من النعم فى الحرم، ويتصدق به على مساكين الحرم.

الثاني -أن يقوم المثل دراهم ثم يشترى بها طعاما، ويتصدق به على مساكين الحرم .ولا يجوز تفرقة الدراهم عليهم .وقال مالك بل يقوم الصيد نفسه ويشترى به طعاما يتصدق به على مساكين موضع الصيد، فإن لم يكن فيه مساكين فعلى مساكين أقرب المواضع فيه.

الثالث -إن شاء صام عن كل مد يوما .وفى أقل من مد يجب صيام يوم .ويجوز الصيام فى الحرم وفى جميع البلاد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۸۷، مادة "إحرام")

[۲] اور ان حضرات (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک چوپاؤں اور پرندوں میں حکم مختلف ہے، چنانچہ چوپاؤں کے اندر تو مثلاً شتر مرغ میں اونٹ یا بھینس واجب ہوگی، اور جنگلی گائے یعنی نیل گائے میں اور جنگلی گدھے یعنی زیبرے میں قربانی والی یعنی پالتو گائے واجب ہوگی، اور ہرن میں بکری واجب ہوگی، اور خرگوش میں بھیڑ واجب ہوگی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کسی نے غیر مثلی جانور کو قتل کیا ہو، تو ان حضرات (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی، جس میں اسے مندرجہ ذیل دو چیزوں کا اختیار ہوگا۔

ایک اختیار تو یہ ہوگا کہ وہ اس کی قیمت سے کھانا خرید کر اس کو حرم کے مساکین پر صدقہ کردے، اور مالکیہ کے نزدیک شکار کئے جانے والی جگہ کے مساکین پر صدقہ کیا جائے گا۔

دوسرا اختیار یہ ہوگا کہ وہ اس کی قیمت کے حساب سے کھانے کو جمع کرے، اور ہر ایک مُد (یعنی چوتھائی صاع یا فطرانہ کی نصف مقدار) کے عوض میں ایک روزہ رکھے، اور اس حساب سے جتنے مُد بنتے ہوں، اتنے روزے رکھے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور پرندوں کے اندر مختلف قسمیں ہیں، چنانچہ کبوتر میں بکری واجب ہوگی۔

اور اس میں مزید تفصیل بھی ہے، جو مندرجہ ذیل عبارت میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ثم قالوا فی بیان المثلی :المعتبر فیه التشابه فی الصورة والخلقة .وکل ما ورد فیه نقل عن السلف فیتبع؛ لقوله تعالی :(یحکم به ذوا عدل منکم) ، وما لا نقل فیه یحکم بمثله عدلان فطنان بهذا الأمر، عملا بالآیة.ویختلف الحکم فیه بین الدواب والطیور :أما الدواب ففی النعامة بدنة، وفی بقر الوحش وحمار الوحش بقرة إنسیة، وفی الغزال عنز، وفی الأرنب عناق، وفی الیربوع جفرة.

وعند مالک فی الأرنب والیربوع والضب القیمة.

وأما الطیور :ففی أنواع الحمام شاة .والمراد بالحمام کل ما عب فی الماء ، وهو أن یشربه جرعا، فیدخل فیه الیمام اللواتی یألفن البیوت، والقمری، والقطا .والعرب تسمی کل مطوق حماما .وإن کان الطائر أصغر من الحمام جثة ففیه القیمة .وإن کان أکبر من الحمام، کالبطة والإوزة، فالأصح أنه یجب فیه القیمة، إذ لا مثل له.

وقال مالک :تجب شاة فی حمام مکة والحرم ویمامهما، وفی حمام ویمام غیرهما تجب القیمة، وکذا فی سائر الطیور.

وعند الشافعیة والحنابلة :الواجب فی الکبیر والصغیر والسمین والهزیل والمریض من الصید المثلی مثله من النعم؛ لقوله تعالی (فجزاء مثل ما قتل) وهذا مثلی فیجزء .وقال مالک :یجب فیه کبیر؛ لقوله تعالی (هدیا بالغ الکعبة)؟والصغیر لا یکون هدیا، وإنما یجزء فی الهدی ما یجزء فی الأضحیة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة،ج۲، ص۱۸۷ ،وص ۱۸۸ ، مادة "إحرام")

[1] وأما غیر المثلی :فیجب فیه قیمته ویتخیر فیها بین أمرین:

الأول -أن یشتری بها طعاما یتصدق به علی مساکین الحرم، وعند مالک :علی المساکین فی موضع الصید. الثانی -أن یصوم عن کل مد یوما کما ذکر سابقا(الموسوعة الفقهیة الکویتیة،ج۲، ص۱۸۷ ، مادة "إحرام")

مسئلہ نمبر ۱۴...... احرام کی حالت میں اگر کسی شکار کو قتل تو نہیں کیا، البتہ اسے کوئی تکلیف پہنچائی، تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جس قدر تکلیف پہنچائی، اس کے مطابق جزا وبدلہ واجب ہوگا، پس اگر شکار کو زخمی کیا، یا اس کے بال اکھاڑے یا کاٹے، تو اس عمل کے نتیجہ میں اس شکار کی قیمت میں جس قدر کمی واقع ہوئی، اتنی مقدار میں صدقہ واجب ہوگا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۵...... احرام کی حالت میں اگر کسی شکار کا دودھ نکالا، یا اس کا انڈہ توڑا یا اس کے جسم سے اون کاٹی، تو اس شکار کی قیمت میں جتنی کمی واقع ہوئی، اتنی مقدار کا صدقہ واجب ہوگا۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۱۶...... احرام کی حالت میں اگر کسی شکار کو قتل کرنے کا سبب بنا ہو، مثلاً چیخ وپکار وغیرہ کے ذریعہ سے شکار کو ڈرایا ہو، جس سے اس کی موت واقع ہوگئی، یا کوئی جال نصب کیا، یا شکاری کتا شکار پر چھوڑا، جس کے نتیجہ میں شکار کی موت واقع ہوگئی، یا شکار کو قتل وذبح کرنے میں دوسرے کے ساتھ شرکت کی، مثلاً احرام والے شخص نے شکار کو پکڑ کر رکھا، اور دوسرے نے ذبح کیا، یا دوسرے شکار کرنے والے کو اس شکار کی اطلاع دی، یا اس کی طرف اشارہ کیا،

---

[۱] ثانيا :إصابة الصيد :إذا أصاب الصيد بضرر، ولم يقتله، يجب عليه الجزاء بحسب تلك الإصابة عند الثلاثة :الحنفية والشافعية والحنابلة.فإن جرح المحرم صيدا، أو نتف شعره .ضمن قيمة ما نقص منه، اعتبارا للجزء بالكل، فكما تجب القيمة بالكل تجب بالجزء .وهذا الجزاء يجب إذا برء الحيوان وظهر أثر الجناية عليه، أما إذا لم يبق لها أثر فلا يضمن عند الحنفية، لزوال الموجب.وعند الشافعية والحنابلة إن جرح صيدا يجب عليه قدر النقص من مثله من النعم إن كان مثليا، وإلا بقدر ما نقص من قيمته، وإذا أحدث به عاهة مستديمة فوجهان عندهم، أصحهما يلزمه جزاء كامل .أما إذا أصابه إصابة أزالت امتناعه عمن يريد أخذه وجب الجزاء كاملا عند الحنفية والحنابلة، وهو أحد القولين عند الشافعية؛ لأنه فوت عليه الأمن بهذا .وفي قول عند الشافعية : يضمن النقص فقط .أما المالكية فعندهم لا يضمن ما غلب على ظنه سلامته من الصيد بإصابته بنقص، ولا جزاء عليه، ولا يلزمه فرق ما بين قيمته سليما وقيمته بعد إصابته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۸۸، مادة "إحرام")

[۲] ثالثا :حلب الصيد أو كسر بيضه أو جز صوفه:يجب فيه قيمة كل من اللبن والبيض والصوف عند الحنفية والشافعية والحنابلة ويضمن أيضا قيمة ما يلحق الصيد نفسه من نقص بسبب من ذلك.ونص المالكية على البيض أن فيه عشر دية الأم ما لم يخرج منه فرخ ويستهل ثم يموت، فإنه حينئذ يلزمه الدية كاملة .وهذا الأخير متفق عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۸۹، مادة "إحرام")

اور دوسرے نے اس کو قتل کر دیا، تو اس طرح کا سبب بننے کے نتیجہ میں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی جزاء اسی حیثیت سے واجب ہوگی، جس حیثیت سے براہِ راست خود قتل کرنے میں واجب ہوتی ہے، جبکہ مذکورہ صورتوں میں مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک جزاء واجب نہیں ہوگی، اگرچہ وہ گناہگار ہوگا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۷...... احرام کی حالت میں اگر کسی شکار کو پکڑا، جس سے اس کی موت واقع ہوگئی، تو اس کی وجہ سے بھی اس پر وہی جزاء واجب ہوگی، جو قتل کرنے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ [۲]

احرام کی حالت میں جماع اور بوس وکنار وغیرہ پر لازم آنے والے کفارہ کا حکم پہلے ''احرام کی حالت میں جماع اور قضاءِ شہوت سے متعلق احکام'' کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

---

[۱] رابعا :التسبب فی قتل الصید:یجب فی التسبب بقتل الصید الجزاء ، وذلک:
۱ ۔ بأن یصیح به وینفره، فیتسبب ذلک بموته.
۲ ۔ بنصب شبکة وقع بها صید فمات، أو إرسال کلب.
۳ ۔ المشارکة بقتل الصید، کأن یمسکه لیقتله آخر، أو یذبحه.
۴ ۔ الدلالة علی الصید، أو الإشارة، أو الإعانة بغیر المشارکة فی الید، کمناولة آلة أو سلاح، یضمن فاعلها عند الحنفیة والحنابلة ، ولا یضمن عند المالکیة والشافعیة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲، ص ۱۸۹ ، مادة "إحرام")

[۲] خامسا :التعدی بوضع الید علی الصید:إذا مات الصید فی یده فعلیه الجزاء ؛ لأنه تعدی بوضع الید علیه فیضمنه ولو کان ودیعة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲، ص ۱۸۹ ، مادة "إحرام")

اگر کوئی حِل سے شکار و پرندے کو لے کر حرم میں داخل ہو تو اس شکار و پرندے کو چھوڑنا واجب ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اسے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہو، اور پنجرے میں لے کر داخل ہونے والے پر حنفیہ کے نزدیک اس کا چھوڑنا واجب نہیں۔

(لا) یجب (إن کان) الصید (فی بیته) لجریان العادة الفاشیة بذلک ، وهی من إحدی الحجج (أو قفصه) ولو القفص فی یده بدلیل أخذ المحدث المصحف بغلافه .(درمختار، کتاب الحج، باب الجنایات فی الحج)

فشمل ما إذا کان القفص فی یده ؛ لأنه فی القفص لا فی یده بدلیل جواز أخذ المصحف بغلافه للمحدث ، وقیل یلزمه إرساله علی وجه لا یضیع بأن یرسله فی بیت أو یودعه عند إنسان بناء علی کونه فی یده بدلیل أنه یصیر غاصبا له بغصب القفص (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الجنایات فی الحج)

(قوله :وقیل یلزمه إرساله إلخ) أشار إلی ضعفه قال فی النهر ، وعبارة فخر الإسلام تؤذن بترجیح الأول حیث قال :ویستوی إن کان القفص فی یده أو فی رحله ، وقال بعض مشایخنا :إن فی یده یلزمه إرساله .ا هـ .(منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ، کتاب الحج، باب الجنایات فی الحج)

(فصل نمبر۵)

تحلُّل یا احرام کی پابندیوں کے ختم ہونے سے متعلق احکام

احرام کی پابندیوں کے ختم ہونے یا احرام سے نکلنے کو عربی میں ''تحلل'' کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ احرام کی وجہ سے جو پابندیاں لازم ہوگئی تھیں، یا جو کام ناجائز وگناہ ہوگئے تھے، ان پابندیوں کا ختم ہوجانا اور ان کاموں کا جائز ہوجانا۔

مسئلہ نمبر۱...... حج کے احرام کی پابندیوں سے نکلنے یعنی تحلل کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم کو تحللِ اول یا تحللِ اصغر کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم کو تحللِ اکبر یا تحللِ ثانی کہا جاتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲...... جب کوئی حج کرنے والا شخص دس ذی الحجہ کی رمی کر چکے، اور سر کے بال بھی کٹا یا منڈا چکے، لیکن ابھی طوافِ زیارت نہ کیا ہو، تو حنفیہ سمیت دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک میاں بیوی کے خصوصی تعلقات کے علاوہ احرام کی دوسری تمام پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، جس کو فقہائے کرام نے تحللِ اول سے تعبیر کیا ہے۔

اور اگر ابھی تک سر کے بال نہ منڈائے یا کٹائے ہوں، البتہ دس ذی الحجہ کی رَمی کر چکا ہو، تو حنفیہ کے مشہور مذہب کے مطابق تو احرام کی مذکورہ پابندیاں ختم نہیں ہوتیں، البتہ حنفیہ کے غیر مشہور مذہب اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق اور بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک احرام کی مذکورہ پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ [۲]

---

[۱] الفصل الثامن التحلل من الإحرام:
المراد بالتحلل هنا الخروج من الإحرام وحل ما كان محظورا عليه وهو محرم .وهو قسمان :تحلل أصغر، وتحلل أكبر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۷۵، مادة "إحرام")

[۲] البتہ صرف مالکیہ کے نزدیک تحللِ اول سے جس طرح زوجین کے خصوصی تعلقات حلال نہیں ہوتے، اسی طرح ایک روایت کے مطابق شکار اور ایک روایت کے مطابق خوشبو کا استعمال بھی حلال نہیں ہوتا، البتہ اس کے علاوہ باقی چیزیں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳......حج کے احرام کا تحللِ اکبر یا تحللِ ثانی وہ کہلاتا ہے، جس میں کسی چیز کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حلال ہوجاتی ہیں، جس کی مزید تفصیل آگے دس ذی الحجہ کی رمی کے بیان میں آتی ہے۔

(قوله وحل له كل شيء) أى من محظورات الإحرام كلبس المخيط وقص الأظفار ط وأفاد أنه لا يحل له بالرمى قبل الحلق شيء وهو المذهب عندنا كما فى شرح اللباب للقارى عن الفارسى، وفى شرحه على النقاية والرمى غير محلل من الإحرام عندنا فى المشهور، ومحلل عند مالك والشافعى وفى غير المشهور عندنا فقد نص على التحلل بالرمى عندنا فى شرح المبسوط لخواهر زاده .وفى شرح الجامع الصغير لقاضى خان بقوله :وبعد الرمى قبل الحلق حل له كل شيء إلا النساء والطيب .وعن أبى يوسف أنه يحل له الطيب أيضا اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج ۲،ص۵۱۷، كتاب الحج،مطلب فى رمى جمرة العقبة)

ولا خلاف بينهم أن التحلل الاصغر الذى هو رمى الجمرة يوم النحر أنه يحل به الحاج من كل شيئ حرم عليه بالحج إلا النساء والطيب والصيد، فإنهم اختلفوا فيه، والمشهور عن مالك أنه يحل له كل شيئ إلا النساء والطيب، وقيل عنه :إلا النساء والطيب والصيد، لان الظاهر من قوله * :(وإذا حللتم فاصطادوا) * أنه التحلل الاكبر(بداية المجتهد، ج ۱،ص۲۹۷)

وعن أحمد :إذا رمى الجمرة، فقد حل، وإذا وطء بعد جمرة العقبة، فعليه دم .ولم يذكر الحلق. وهذا يدل على أن الحل بدون الحلق .وهذا قول عطاء، ومالك، وأبى ثور .وهو الصحيح، إن شاء الله تعالى؛ لقوله فى حديث أم سلمة :إذا رميتم الجمرة، فقد حل لكم كل شيء، إلا النساء . وكذلك قال ابن عباس .قال بعض أصحابنا :هذا يبنى على الخلاف فى الحلق، هل هو نسك أو لا؟ فإن قلنا :نسك .حصل الحل به، وإلا فلا(المغنى لابن قدامة، ج۳،ص۳۹۰، كتاب الحج)

(فيحصل) التحلل (الأول) من تحللى الحج (باثنين من ثلاثة :الرمى) أى رمى يوم النحر (والحلق) أو التقصير (والطواف) واحتجوا له بخبر إذا رميتم وحلقتم فقد حل لكم الطيب والثياب وكل شيء إلا النساء رواه البيهقى وغيره وضعفوه والذى صح فى ذلك ما رواه النسائى بإسناد جيد كما فى المجموع أنه -صلى الله عليه وسلم- قال :إذا رميتم الجمرة فقد حل لكم كل شيء إلا النساء وقضية حصول التحلل الأول بالرمى وحده (فإن بقى السعى فهو كالجزء منه) أى من الطواف فيتوقف عليه التحلل (ويحل به) أى بالتحلل الأول (ما سوى الجماع، وكذا مقدماته وعقده) أى يحل به ما سوى هذه الثلاثة من لبس وقلم وصيد وطيب ودهن وستر رأس الرجل ووجه المرأة كما سيأتى بيانها (أسنى المطالب فى شرح روض الطالب، ج ۱،ص۴۹۳، كتاب الحج والعمرة)

والحاصل أن المذهب الذى يفتى به أن التحلل يحصل باثنين من الثلاثة والثانى بالثالث والله أعلم(المجموع شرح المهذب ، ج۸،ص ۲۳۱،باب صفة الحج)

يترتب على رمى جمرة العقبة يوم النحر التحلل الأول من إحرام الحج عند المالكية، وهو قول عند الحنابلة، خلافا للحنفية الذين قالوا :إن التحلل الأول يكون بالحلق، وعلى تفصيل عند الشافعية والحنابلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ص۱۶۵ ،مادة "رمى")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

استثناء کے بغیر احرام کی تمام پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ زوجین کے خصوصی تعلقات بھی جائز وحلال ہوجاتے ہیں۔

اگر کسی نے دس ذی الحجہ کی رمی کرلی (اور قارن و متمتع ہونے کی صورت میں قربانی کرلی) اور سر کے بال کٹا یا منڈا لئے، اور طوافِ زیارت بھی کرلیا، تو بالاتفاق تمام فقہائے کرام کے نزدیک اس سے تحللِ اکبر حاصل ہوجاتا ہے۔

اور اگر یہ تمام کام نہ کئے ہوں، بلکہ ان میں سے بعض کئے ہوں، تو اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں تحلُّلِ اکبر طوافِ زیارت کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بشرطیکہ اس سے پہلے سر کے بال کٹایا منڈا چکا ہو۔

اور اس تحللِ اکبر کے افعال کا وقت حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کے دن کا طلوعِ فجر ہونے پر شروع ہوجاتا ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس تحلل کا وقت دس ذی الحجہ کے طلوعِ فجر سے پہلے آدھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أ -التحلل الأصغر، ويسمى أيضا :التحلل الأول:

ويكون عند الشافعية والحنابلة بفعل أمرين من ثلاثة :رمي جمرة العقبة، والنحر، والحلق أو التقصير .

ويباح بهذا التحلل لبس الثياب وكل شيء ما عدا النساء (بالإجماع) والطيب عند البعض، والصيد عند المالكية.

أما الحنفية فيحصل التحلل الأصغر عندهم برمي الجمرة والحلق والتقصير، فإذا فعل ذلك حل له كل شيء إلا النساء .

وما ورد في بعض كتب الحنفية من استثناء الطيب والصيد أيضا ضعيف.

هذا، ويجب الذبح بين الرمي والحلق للمتمتع والقارن لمن قدر على ذلك؛ لأن الترتيب واجب بين هذه النسك عند الحنفية.

والأصل في هذا الخلاف ما ورد عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت :

كنت أطيب النبي صلى الله عليه وسلم قبل أن يحرم، ويوم النحر قبل أن يطوف بالبيت بطيب فيه مسك.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رات کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد جاء في بعض الأحاديث أنه إذا رمى جمرة العقبة فقد حل له كل شيء إلا النساء والطيب، لما أخرجه مالك في الموطأ عن عمر رضي الله عنه أنه خطب الناس بعرفة، وعلمهم أمر الحج، وقال لهم فيما قال :إذا جئتم منى فمن رمى الجمرة فقد حل له ما حرم على الحاج إلا النساء والطيب.
وأما ما ذهب إليه مالك من تحريم الصيد أيضا :فإنه أخذ بعموم قوله تعالى :(لا تقتلوا الصيد وأنتم حرم)ووجه الاستدلال بالآية أن الحاج يعتبر محرما ما لم يطف طواف الإفاضة.
وأما دليل إباحة لبس الثياب وكل شيء بعد رمي جمرة العقبة، فهو حديث :إذا رميتم الجمرة فقد حل كل شيء إلا النساء، وحديث عائشة السابق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠ ص٢٤٨، مادة "تحلل")

ل ب -التحلل الأكبر -ويسمى أيضا التحلل الثاني:
هذا التحلل هو الذي يباح به جميع محظورات الإحرام دون استثناء .
ويبدأ الوقت الذي تصح أفعال التحلل الأكبر فيه عند الحنفية والمالكية من طلوع فجر يوم النحر، ويحصل عندهما بطواف الإفاضة -بشرط الحلق أو التقصير -هنا باتفاقهما، فلو أفاض ولم يحلق لم يتحلل حتى يحلق عند الحنفية والمالكية.
وزاد المالكية أن يكون الطواف مسبوقا بالسعي، وإلا لا يحل به حتى يسعى؛ لأن السعي ركن عند المالكية، وقال الحنفية :لا مدخل للسعي في التحلل، لأنه واجب مستقل، ونهاية وقت التحلل الأكبر بحسب ما يتحلل به عندهما، وهو الطواف، وهو لا يفوت.
وعند الشافعية والحنابلة يبدأ وقت التحلل الأكبر من منتصف ليلة النحر، ويحصل التحلل الأكبر عندهما باستكمال أفعال التحلل التي ذكرت، وهي :ثلاثة على القول بأن الحلق نسك، واثنان على القول الآخر غير المشهور أنه ليس بنسك، ونهاية التحلل الأكبر عند الشافعية والحنابلة بحسب ما يتحلل به عندهما إن توقف التحلل الأكبر على الطواف أو الحلق أو السعي، أما الرمي فإنه مؤقت بغروب شمس آخر أيام التشريق، فإذا توقف عليه التحلل ولم يرم حتى آخر أيام التشريق فات وقت الرمي بالكلية، فيحل عند الحنابلة بمجرد فوات الوقت، وإن بقي عليه الفداء مقابل ذلك، وهذا قول عند الشافعية، لكن الأصح عندهم أنه بفوات وقت الرمي ينتقل التحلل إلى كفارته، فلا يحل حتى يؤديها.
وحصول التحلل الأكبر باستكمال الأفعال الثلاثة :رمي جمرة العقبة، والحلق، وطواف الإفاضة المسبوق بالسعي محل اتفاق الفقهاء ، وبه تباح جميع محظورات الإحرام بالإجماع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠ ص ٢٤٩،مادة "تحلل")
التحلل الأكبر:هو التحلل الذي تحل به جميع محظورات الإحرام دون استثناء .
ويبدأ الوقت الذي تصح أفعال التحلل الأكبر فيه عند الحنفية والمالكية من طلوع فجر يوم النحر، وعند الشافعية والحنابلة من منتصف ليلة النحر، وذلك تابع لاختلافهم فيما يحصل به التحلل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴......عمرہ کا ایک ہی تحلل کہلاتا ہے، کیونکہ عمرہ میں رمی اور قربانی نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کوئی صرف عمرہ کررہا ہے، یعنی اس نے صرف عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہے، تو اس کے عمرہ کے احرام کی تمام پابندیاں سر کے بال منڈانے یا کٹانے پر ختم ہوجاتی ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأكبر .أما نهاية وقته فبحسب ما يتحلل به، فهو لا ينتهي إلا بفعل ما يتحلل به عند الحنفية والمالكية؛ لأنه لا يفوت، كما ستعلم، وهو الطواف .وأما عند الشافعية والحنابلة فكذلك إن توقف التحلل الأكبر على الطواف أو الحلق، أو السعي .أما الرمي فإنه مؤقت بغروب شمس آخر أيام التشريق، فإذا توقف عليه التحلل، ولم يرم حتى آخر أيام التشريق، فات وقت الرمي بالكلية، فيحل عند الحنابلة بمجرد فوات الوقت، وإن بقي عليه الفداء مقابل ذلك .وهذا قول عند الشافعية، لكن الأصح عندهم أنه بفوات وقت الرمي ينتقل التحلل إلى كفارته، فلا يحل حتى يؤ ديها.

ما يحصل به التحلل الأكبر:

يحصل التحلل الأكبر عند الحنفية والمالكية بطواف الإفاضة، بشرط الحلق هنا باتفاق الطرفين .

فلو أفاض ولم يحلق لم يتحلل حتى يحلق عند المذهبين .زاد المالكية :أن يكون الطواف مسبوقا بالسعي، وإلا لا يحل به حتى يسعى، لأن السعي ركن عند المالكية .وقال الحنفية :لا مدخل للسعي في التحلل؛ لأنه واجب مستقل.

وعند الشافعية والحنابلة يحصل التحلل الأكبر باستكمال أفعال التحلل التي ذكرناها :ثلاثة على القول بأن الحلق نسك، واثنان على القول الآخر غير المشهور أنه ليس بنسك.

وحصول التحلل الأكبر باستكمال الأفعال الثلاثة :رمي جمرة العقبة، والحلق، وطواف الإفاضة المسبوق بالسعي، محل اتفاق العلماء ، وبه تحل جميع محظورات الإحرام بالإجماع.

ثم إذا حصل التحلل الأكبر في اليوم الأول لجوازه مثلا فلا يعني انتهاء كل أعمال الحج، بل يجب عليه الإتيان بها، وإن كان حلالا، وقد ضربوا لهذا مثلا لطيفا يبين حسن موقع هذه الأعمال بعد التحللين، نحو قول الرملي " :ويجب عليه الإتيان بما بقي من أعمال الحج، وهو الرمي والمبيت، مع أنه غير محرم، كما يخرج بالتسليمة الأولى من صلاته، ويطلب منه الثانية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ١٧٥، وص ١٧٦، مادة "إحرام" التحلل الأكبر)

[1] پھر حنفیہ کے نزدیک عمرہ میں طواف کے اکثر چکر رکن ہیں، اور باقی چکر اور اسی طرح سعی واجب ہے، لہٰذا اگر کسی نے عمرہ کا مکمل طواف یا طواف کے اکثر چکر ادا کرنے کے بعد سر کے بال بھی منڈا یا کٹا دیئے، تو وہ حنفیہ کے نزدیک عمرہ کے احرام سے نکل جائے گا، مگر اس پر دَم واجب ہوگا، اور بغیر احرام کے سعی کرنا واجب ہوگا، اور اگر طواف کے باقی ماندہ چکر رہ گئے ہوں، تو وہ بھی ادا کرنے ہوں گے، لیکن اس کو دوبارہ سر کے بال منڈانے یا کٹانے کی ضرورت نہیں ہوگی، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک طواف یا اکثر چکر اداء کرنے کے بعد بال کٹانا عمرہ کے احرام سے تحلل کہلاتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... جب کوئی مرد یا عورت حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد حج یا عمرہ (جس کا بھی احرام باندھا ہے، اس کی ادائیگی سے قاصر و عاجز ہو جائے، مثلاً دشمن کی طرف سے رُکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے اس کو بیت اللہ تک رسائی یا حج وعمرہ کے بنیادی ارکان کی ادائیگی ممکن نہ رہے) تو اس کو شریعت کی زبان میں ''مُحصَر'' اور اس عمل کو ''احصار'' کہا جاتا ہے۔[۱]

محصَر کو احرام سے نکلنے کے لئے شریعت نے ''تحلُّل'' یعنی احرام کی پابندیوں سے حلال ہونے اور چھٹکارا پانے کا یہ طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ ہدی یعنی ایسا جانور ذبح کرے، جس کی قربانی جائز ہے، مثلاً اونٹ، گائے، بکری، دُنبہ وغیرہ۔[۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک طواف کے تمام چکر اور سعی، عمرہ کے ارکان میں داخل ہیں، اس لئے ان کے نزدیک سعی سے پہلے سر کے بال منڈانا تحلل کے بجائے احرام کی جنایت کہلاتا ہے۔

التحلل من إحرام العمرة :اتفق جمهور الفقهاء على أن للعمرة بعد أدائها تحللا واحدا تباح به للمحرم جميع محظورات الإحرام، ويحصل هذا التحلل بالحلق أو التقصير باتفاق المذاهب، والتفصيل فى مصطلح (عمرة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۰ ص ۲۴۹،وص۲۵۰،مادة " تحلل ")

التحلل من إحرام العمرة :اتفقوا على أن للعمرة تحللا واحدا يحل به للمحرم جميع محظورات الإحرام .ويحصل هذا التحلل بالحلق أو التقصير باتفاق المذاهب على اختلافهم فى حكمه فى مناسك العمرة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۷۶، مادة "إحرام")

وتقديم طوافها على السعى شرط لصحة السعى ، وتقديم سعيها على الحلق واجب (غنية المناسك، ص۱۹۷)

[۱] إذا تحقق للمحرم وصف الإحصار فإنه يجوز له التحلل.

وهذا الحكم متفق عليه بين العلماء ، كل حسب الأسباب التى يعتبرها موجبة لتحقق الإحصار الشرعي.والأصل فى الإحرام وجوب المضى على المحرم فى النسك الذى أحرم به، وألا يخرج من إحرامه إلا بتمام موجب هذا الإحرام، لقوله تعالى (وأتموا الحج والعمرة لله)

لكن جاز التحلل للمحصر قبل إتمام موجب إحرامه استثناء من هذا الأصل، لما دل عليه الدليل الشرعي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ ص۲۰۵،مادة"احصار"، أحكام الإحصار)

[۲] پھر اگر وہ عمرۂ مفردہ سے محصر ہوا ہو (جس میں حجِ تمتع کے عمرہ والا احرام بھی داخل ہے) یا حجِ مفرد سے مُحصَر ہوا ہو، تو باتفاقِ فقہاء ایک ہی ہدی یا دَم کا ذبح کرنا کافی ہے، اور اگر حجِ قِران کرنے والا ہو، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تو اس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶...... امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق جس جگہ حج یا عمرہ سے احصار واقع ہوا اور رُکاوٹ پیدا ہو، اُسی جگہ ہدی کا ذبح کرنا کافی ہے؛ لہٰذا اگر کوئی حرم کی حدود سے باہر محصَر بنے، تو اس کو ہدی کا وہیں ذبح کرنا کافی ہے (اگر چہ اُس کو اپنی ہدی کا حرم کی حدود میں ذبح کرانا ممکن ہو) اور اگر حرم کی حدود میں محصَر بنے، تو حرم کی حدود میں ہدی کا ذبح کرنا معتبر ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق محصَر کی ہدی کے ذبح ہونے کے لئے حرم کی حدود کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا جب تک محصَر کی طرف سے حرم کی حدود میں ہدی ذبح نہیں کی جائے گی، اُس وقت تک محصَر کو احرام سے تحلُّل اختیار کرنا اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہونا جائز نہیں ہوگا، پس ان کے نزدیک اگر کوئی شخص حرم کی حدود سے باہر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صورت میں بھی ایک ہی ہدی یا دَم کا ذبح کرنا کافی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک دو ہدی یا دو دَم ذبح کرنا ضروری ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے حنفیہ کے نزدیک حجِ قِران کرنے والا دو احراموں کو جمع کرنے والا ہوتا ہے، اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایک احرام ہی دو احراموں کے قائم مقام ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے ان کے نزدیک حجِ قِران کرنے والے پر ایک طواف اور ایک سعی واجب ہوتی ہے، جس کی تفصیل پہلے کئی مرتبہ گزر چکی۔

اتفق الفقهاء على أن المحرم بالعمرة مفردة، أو الحج مفردا، إذا أحصر يلزمه ذبح هدى واحد للتحلل من إحرامه.

أما القارن فقد اختلفوا فيما يجب عليه من الهدى للتحلل بالإحصار :فذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه يحل بدم واحد، حيث أطلقوا وجوب هدى على المحصر دون تفصيل، والمسألة مشهورة.

وذهب الحنفية إلى أنه لا يحل إلا بدمين يذبحهما فى الحرم.

ومنشأ الخلاف هو اختلاف الفريقين فى حقيقة إحرام القارن .(انظر مصطلح إحرام).

فالشافعية ومن معهم :القارن عندهم محرم بإحرام واحد يجزء عن الإحرامين :إحرام الحج وإحرام العمرة، لذلک قالوا :يكفيه طواف واحد وسعى واحد للحج والعمرة مقرونين، فألزموه إذا أحصر بهدى واحد.

وأما الحنفية فالقارن عندهم محرم بإحرامين :إحرام الحج وإحرام العمرة، لذلک ألزموه بطوافين وسعيين، فألزموه إذا أحصر بهديين .وقالوا :الأفضل أن يكونا معينين مبينين، هذا لإحصار الحج، وهذا لإحصار العمرة، كما ألزموه فى جنايات الإحرام على القران التى يلزم فيها المفرد دم ألزموا القارن بدمين، وكذا الصدقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢ص ٢١٠، مادة"احصار"، تعريف الهدى)

محصر ہوا، اور اُس کو حرم کی حدود میں پہنچنا ممکن نہیں، تو اس کو کسی دوسرے کے واسطے سے حرم کی حدود میں اپنی ہدی ذبح کرانا ضروری ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷...... محصَر کی طرف سے ہدی ذبح کر کے حلال ہونے کے لئے ہدی کے ذبح کا کوئی زمانہ اور وقت مقرر نہیں، بلکہ جس وقت بھی اُس کی ہدی ذبح ہو جائے، جائز ہے۔ [2]

---

[1] مكان ذبح هدى الإحصار:
ذهب الشافعية والحنابلة في رواية إلى أن المحصر يذبح الهدى حيث أحصر، فإن كان في الحرم ذبحه في الحرم، وإن كان في غيره ذبحه في مكانه .حتى لو كان في غير الحرم وأمكنه الوصول إلى الحرم فذبحه في موضعه أجزأه على الأصح في المذهبين.
وذهب الحنفية -وهو رواية عن الإمام أحمد -إلى أن ذبح هدى الإحصار مؤقت بالمكان، وهو الحرم، فإذا أراد المحصر أن يتحلل يجب عليه أن يبعث الهدى إلى الحرم فيذبح بتوكيله نيابة عنه في الحرم، أو يبعث ثمن الهدى ليشترى به الهدى ويذبح عنه في الحرم .ثم لا يحل ببعث الهدى ولا بوصوله إلى الحرم، حتى يذبح في الحرم، ولو ذبح في غير الحرم لم يتحلل من الإحرام، بل هو محرم على حاله .ويتواعد مع من يبعث معه الهدى على وقت يذبح فيه ليتحلل بعده .وإذا تبين للمحصر أن الهدى ذبح في غير الحرم فلا يجزى ،وفي رواية أخرى عن أحمد أنه إن قدر على الذبح في أطراف الحرم ففيه وجهان .استدل الشافعية والحنابلة بفعل النبي صلى الله عليه وسلم فإنه نحر هديه في الحديبية حين أحصر، وهي من الحل .بدليل قوله تعالى :(والهدى معكوفا أن يبلغ محله) واستدلوا كذلك من جهة العقل بما يرجع إلى حكمة تشريع التحلل من التسهيل ورفع الحرج، كما قال في المغني " .لأن ذلك يفضي إلى تعذر الحل، لتعذر وصول الهدى إلى الحرم "أي وإذا كان كذلك دل على ضعف هذا الاشتراط.
واستدل الحنفية على توقيت ذبح الهدى بالحرم بقوله تعالى :(ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله)
وتوجيه الاستدلال بالآية عندهم من وجهين :الأول :التعبير ب "الهدى ."الثاني :الغاية في قوله (حتى يبلغ الهدى محله) وتفسير قوله "محله "بأنه الحرم.
واستدلوا بالقياس على دماء القربات، لأن الإحصار دم قربة، والإراقة لم تعرف قربة إلا في زمان، أو مكان، فلا يقع قربة دونه .أي دون توقيت بزمان ولا مكان، والزمان غير مطلوب، فتعين التوقيت بالمكان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢ص ٢١٠ وص ٢١١، مادة"احصار"، مكان ذبح هدى الإحصار)

[2] البتہ حنفیہ میں سے صاحبین کے نزدیک محصَر عن الحج (نہ کہ محصر عن العمرہ) کی ہدی کے ذبح ہونے کے لئے ایامِ نحر خاص ہیں۔
زمان ذبح هدى الإحصار: ذهب أبو حنيفة والشافعي وأحمد -على المعتمد في مذهبه -إلى أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸...... اگر کوئی محصَر ہدی کے ذبح کرنے پر قادر نہ ہو، تو فقہائے احناف کے نزدیک اس کے لئے حلال ہونے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں؛ لہٰذا جب تک وہ ہدی ذبح نہیں کرے گا، تو اُس پر احرام کی پابندیاں لازم رہیں گی۔

اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جو محصَر ہدی کے ذبح کرنے سے عاجز وقاصر ہو، تو اُس کا بدل وہی ہے جو حجِ تمتع وقِران کی ہدی کا بدل ہے، یعنی دس روزے رکھنا۔

لہٰذا ایسا شخص جب احرام کی پابندیوں سے نکلنے کے لئے دس روزے رکھ لے گا، تو ایسا سمجھا جائے گا، جیسا کہ اس نے ہدی ذبح کردی ہے۔ [1]

(محصَر یا احصار کے مزید تفصیلی مسائل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''ماہ ذی قعدہ اور حج کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ زمان ذبح الهدى هو مطلق الوقت، لا يتوقت بيوم النحر، بل أى وقت شاء المحصر ذبح هديه، سواء كان الإحصار عن الحج أو عن العمرة.

وقال أبو يوسف ومحمد -وهو رواية عن الإمام أحمد- لا يجوز الذبح للمحصر بالحج إلا فى أيام النحر الثلاثة، ويجوز للمحصر بالعمرة متى شاء.

استدل الجمهور بقوله تعالى: (فإن أحصرتم فما استيسر من الهدى). فقد ذكر الهدى فى الآية مطلقا عن التوقيت بزمان، وتقييده بالزمان نسخ أو تخصيص لنص الكتاب القطعى فلا يجوز إلا بدليل قاطع ولا دليل.

واستدل أبو يوسف ومحمد بأن هذا دم يتحلل به من إحرام الحج، فيختص بيوم النحر فى الحج. وربما يعتبرانه بدم التمتع والقران فيقيسانه عليه، حيث إنه يجب أن يذبح فى أيام النحر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢ ص ٢١١، مادة"احصار"، زمان ذبح هدى الإحصار)

فأما عندهما دم الإحصار فى الحج مؤقت بيوم النحر، ولا حاجة إلى المواعدة عندهما فى المحصر بالعمرة؛ لأن دم الإحصار فيها غير مؤقت بيوم النحر عندهما كدم الإحصار فى الحج عند أبى حنيفة (المحيط البرهانى، ج٢ص٤٧٢، كتاب المناسک، الفصل الحادى عشر فى الاحصار)

[1] ويتفرع على هذا الخلاف أن المحصر يستطيع على مذهب الجمهور أن يتحلل متى تحقق إحصاره بذبح التمتع.

وقال أبو حنيفة ومحمد، وهو قول عند الشافعية وهو المعتمد فى المذهب الحنفى لا بدل للهدى.

فإن عجز المحصر عن الهدى بأن لم يجده، أو لم يجد ثمنه، أو لم يجد من يبعث معه الهدى إلى الحرم بقى محرما أبدا، لا يحل بالصوم، ولا بالصدقة، وليسا ببدل عن هدى المحصر.

وأما المالكية فلا يجب الهدى من أصله على المحصر عندهم، فلا بحث فى بدله عندهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢ص ٢١١، مادة"احصار")

(باب نمبر۳)

آٹھ ذی الحجہ اور منیٰ میں قیام کے فضائل واحکام

یومِ ترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ کو باقاعدہ حج کے اعمال کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اور حج کرنے والا اگر پہلے سے حج کا احرام باندھے ہوئے نہ ہو، تو اس دن حج کا احرام باندھ کر اور پہلے سے احرام میں ہو، تو اسی حالت میں منیٰ روانہ ہوتا ہے، جہاں آٹھ ذی الحجہ کی ظہر سے لے کر نو ذی الحجہ کی فجر تک پانچ نمازیں ادا کی جاتی ہیں، اور آٹھ و نو ذی الحجہ کی درمیانی شب منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے۔

آٹھ ذی الحجہ اور منیٰ میں قیام سے متعلق احادیث

پہلے آٹھ ذی الحجہ اور منیٰ میں قیام کے سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ احکام ذکر کیئے جائیں گے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَحْلَلْنَا، أَنْ نُحْرِمَ إِذَا تَوَجَّهْنَا إِلٰى مِنًى (مسلم) [1]

ترجمہ: ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم جب حلال ہو جائیں (یعنی عمرہ کے احرام سے نکل جائیں) تو منیٰ کی طرف جانے کے وقت (حج کا) احرام باندھیں (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ حجِ تمتع اور اسی طرح حجِ افراد کرنے والے کو حج کا احرام باندھ کر پہلے منیٰ جانا سنت ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۱۲۱۴ "۱۳۹"، باب بيان وجوه الإحرام، وأنه يجوز إفراد الحج والتمتع والقران، وجواز إدخال الحج على العمرة، ومتى يحل القارن من نسكه)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ: مَنْزِلُنَا غَدًا، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، بِالْخَيْفِ الْأَيْمَنِ، حَيْثُ اِسْتَقْسَمَ الْمُشْرِكُوْنَ عَلَى الْكُفْرِ (المعجم الاوسط، رقم الحديث ۷۷۹) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یومُ الترویہ (یعنی آٹھ ذی الحجہ) سے ایک دن پہلے فرمایا کہ کل ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری منزل (منیٰ میں) مسجدِ خیف کے دائیں جانب ہوگی، جہاں مشرکین کفر کی حالت میں اپنے (جوے وغیرہ کے) تیر تقسیم کیا کرتے تھے (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ حج کرنے والے کو آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ جانا سنت ہے۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ وَالْفَجْرَ يَوْمَ عَرَفَةَ بِمِنًى (سنن أبي داود، رقم الحديث ۱۹۱۱، باب الخروج إلى منى)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ ذی الحجہ کی ظہر کی نماز کو (بمع عصر، مغرب، عشاء کے) اور نو ذی الحجہ کی فجر کی نماز کو منیٰ میں پڑھا (ابوداؤد)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قُلْتُ: أَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ؟ قَالَ: بِمِنًى (بخاری، ۱۶۵۳، باب اين يصلى الظهر يوم التروية)

ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مجھے بتلائیے اگر آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یاد ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير والأوسط، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۵۳۷، باب الخروج إلى منى وعرفة)

یومِ ترویہ (یعنی آٹھ ذی الحجہ) میں ظہر اور عصر کی نماز کہاں پڑھی؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ منیٰ میں (بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوْا إِلٰى مِنًى، فَأَهَلُّوْا بِالْحَجِّ، وَرَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلّٰى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ، ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، وَأَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعَرٍ تُضْرَبُ لَهٗ بِنَمِرَةَ، فَسَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسلم) [1]

ترجمہ: پھر جب ترویہ (یعنی آٹھ ذی الحجہ) کا دن ہوا تو وہ سب (حج کا ارادہ رکھنے والے) منیٰ کی طرف متوجہ (یعنی روانہ) ہوئے، اور انہوں نے حج کا احرام باندھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے، پھر (آٹھ ذی الحجہ کی دوپہر کو) منیٰ میں (پہنچ کر) ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھیں، پھر (نو ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد) تھوڑی دیر (منیٰ میں) ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوگیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں سے بُنے ہوئے ایک خیمہ کو اپنے لئے (میدانِ عرفات میں) نمرہ کے مقام پر لگانے کا حکم فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عرفات کی طرف) چلے (مسلم)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مِنْ سُنَّةِ الْحَجِّ أَنْ يُّصَلِّيَ الْإِمَامُ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الْآخِرَةَ وَالصُّبْحَ بِمِنًى، ثُمَّ يَغْدُوْ إِلٰى عَرَفَةَ (صحيح ابن خزيمة) [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۲۱۸ "۱۴۷"، باب حجة النبی صلی الله عليه وسلم.

[2] رقم الحديث ۲۸۰۰، كتاب المناسک، باب وقت الغدو من منى إلى عرفة، مستدرک حاكم، رقم الحديث ۱۶۹۵. قال الحاكم: هذا حديث على شرط الشيخين، ولم يخرجاه. وقال الاعظمی فی تعليق ابنِ خزيمة: اسناده صحيح.

ترجمہ: حج کی سنت یہ ہے کہ امام (آٹھ ذی الحجہ کے دن) ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اور فجر منیٰ میں پڑھے، پھر اگلے دن عرفات چلا جائے (ابنِ خزیمہ، حاکم)

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُحِبُّ إِذَا اسْتَطَاعَ أَنْ يُّصَلِّيَ الظُّهْرَ بِمِنًى مِنْ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ ، وَذٰلِكَ:أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:صَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى (مسند أحمد، رقم الحديث ٦١٣١) [۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ اگر قدرت ہوتو یومِ ترویہ (یعنی آٹھ ذی الحجہ) کی ظہر کی نماز منٰی میں پہنچ کر پڑھے، کیونکہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ظہر کی نماز منٰی میں پڑھی تھی (مسند احمد)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ حج کا ارادہ رکھنے والے کو آٹھ ذی الحجہ کے دن منٰی پہنچنا اور وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور اگلے دن فجر کی نماز ادا کرنا اور رات کو منٰی میں قیام کرنا سنت عمل ہے، مگر فرض یا واجب عمل نہیں۔ [۲]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ

---

[۱] في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[۲] عن القاسم بن محمد، قال :سمعت عبدالله بن الزبير يقول :من سنة الحاج أن يصلي يوم التروية الظهر والعصر والمغرب والعشاء الآخرة والصبح بمنى، ثم يغدو فيقيل حيث كتب الله له، ثم يروح إذا زالت الشمس فيخطب الناس، ثم ينزل فيجمع بين الصلاتين الظهر والعصر، ثم يقف بعرفة فيدفع إذا غربت الشمس، ثم يصلي المغرب حيث قدر الله له أن يصلي، ثم يقف بالمزدلفة، فإذا طلع الفجر صلى الصبح، ثم يدفع إذا أصبح، فإذا رمى الجمرة فقد حل له ما حرم عليه إلا النساء ، حتى يطوف بالبيت (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ١٤٨٥٠)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، وفيه عبد الله بن صالح كاتب الليث قال عبد الملك بن شعيب بن الليث :ثقة مأمون، وضعفه الأئمة أحمد وغيره (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٥٣٨، باب الخروج إلى منى وعرفة)

سَبْعُوْنَ نَبِيًّا مِنْهُمْ مُوْسٰى (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۲۲۸۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (منیٰ کی) مسجدِ خیف میں ستر نبیوں نے نماز پڑھی ہے، جن میں موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بھی داخل ہیں (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ منیٰ میں واقع مسجدِ خیف انتہائی مبارک مسجد ہے، اگر اس مسجد میں نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوجائے، تو بہت فضیلت کی بات ہے۔

آٹھ ذی الحجہ اور منیٰ میں قیام سے متعلق مسائل

احادیث وروایات کے بعد اب آٹھ ذی الحجہ اور منیٰ میں قیام کے سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر۱...... سات ذی الحجہ کے دن حکومت کی طرف سے مقرر امام کو مکہ میں ایک خطبہ دینا یا وعظ کرنا سنت ہے، جس میں حجاجِ کرام کو حج کے احکام ومناسک بتائے جائیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۲...... حج کرنے والے کو احرام باندھ کر آٹھ ذی الحجہ کو ظہر کی نماز سے پہلے منیٰ پہنچنا

---

[1] قال المنذری: رواه الطبرانی فی الأوسط وإسناده حسن. (الترغيب والترهيب للمنذری، الترغيب فی التواضع فی الحج والتبذل ولبس الدون من الثياب اقتداء بالأنبياء عليهم الصلاة والسلام)

[2] ثانيا: خطب الإمام:

وهی سنة فی ثلاثة مواضع عند الحنفية والمالكية.

وأربعة عند الشافعية والحنابلة، وتؤدى الخطب كل واحدة خطبة واحدة بعد صلاة الظهر، إلا خطبة يوم عرفة، فإنها خطبتان بعد الزوال قبل الصلاة.

ويفتتح الخطبة بالتلبية إن كان محرما، وبالتكبير إن لم يكن محرما.

الخطبة الأولى:

تسن هذه الخطبة فی مكة يوم السابع من ذی الحجة قبل يوم التروية بيوم، عند الحنفية والشافعية والمالكية.

والغرض منها أن يعلمهم المناسک. عن ابن عمر رضی الله عنه قال:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا كان قبل التروية بيوم خطب الناس فأخبرهم بمناسكهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۵، ۶۶، مادة "حج")

اور وہاں جا کر اگلے دن کی فجر تک پانچ نمازیں پڑھنا اور یہ رات منیٰ میں گزارنا سنت ہے۔ [1]
پھر آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ کی طرف فجر کی نماز کے بعد یا سورج طلوع ہونے کے بعد فوراً یا اس کے کچھ بعد نکلنا سب جائز ہے، کیونکہ اصل مقصود منیٰ میں ظہر کی نماز جا کر پڑھنا ہے۔
آج کل انتظامی وجوہات کی بناء پر معلّمین حجاجِ کرام کو آٹھ ذی الحجہ کے دن سے پہلے منیٰ لے جاتے ہیں، اُس میں بھی کوئی گناہ نہیں، لیکن اس کو سنت یا ثواب نہیں سمجھنا چاہئے، کیونکہ یہ انتظامی چیز ہے، کوئی شرعی چیز نہیں۔ [2]

---

[1] ثالثا :المبيت بمنى ليلة يوم عرفة :يسن للحاج أن يخرج من مكة إلى منى يوم التروية، بعد طلوع الشمس، فيصلي بمنى خمس صلوات هي :الظهر، والعصر، والمغرب، والعشاء ، والفجر، وذلك سنة باتفاق الأئمة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٦٦، مادة "حج")
يوم التروية:وهو يوم الثامن من ذي الحجة، وينطلق فيه الحجاج إلى منى، ويحرم المتمتع بالحج، أما المفرد والقارن فهما على إحرامهما، ويبيتون بمنى اتباعا للسنة، ويصلون فيها خمس صلوات: الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر .وهذا فجر يوم عرفة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧ ص٤٦، مادة "حج")

[2] ثم المصنف -رحمه الله -لم يبين الوقت الذي يخرج فيه إلى منى من يوم التروية وكذا في المبسوط والبدائع لم يقيداه بوقت وقال في المحيط والمفيد يستحب أن يتوجه بعد الزوال ، وهو أحد قولي الشافعي وذكر المرغيناني أنه يخرج إلى منى بعدما طلعت الشمس ، وهو الصحيح لما روينا واتفقت الرواة أنه -عليه الصلاة والسلام - صلى الظهر بمنى(تبيين الحقائق، ج٢، ص٢٢، كتاب الحج، باب الاحرام)
(قوله فإذا صلى بمكة الفجر إلخ) كذا في الهداية وقال الكمال ظاهر هذا الترتيب إعقاب صلاة الفجر بالخروج إلى منى وهو خلاف السنة واستحسن في المحيط كونه بعد الزوال، وليس بشيء وقال المرغيناني بعد طلوع الشمس وهو الصحيح (قوله يوم التروية) سمي به لأنهم كانوا يروون إبلهم فيه استعدادا للوقوف يوم عرفة إذ لم يكن في عرفات ماء جار كزماننا شرح اللباب(ردالمحتار، ج٢ ص٥٠٣، فصل في الاحرام وصفة المفرد)
فأفاد أنه يجوز التوجه إليها في أي وقت شاء من اليوم، واختلف في المستحب على ثلاثة أقوال أصحها أنه يخرج إليها بعدما طلعت الشمس لما ثبت من فعله -عليه السلام -كذلك في حديث جابر الطويل وابن عمر مع اتفاق الرواة أنه صلى الظهر بمنى فالبيتوتة بها سنة والإقامة بها مندوبة كذا في المحيط، ولو لم يخرج من مكة إلا يوم عرفة أجزأه أيضا، ولكنه أساء لترك السنة(البحر الرائق، ج٢ ص٣٦١، كتاب الحج، باب الاحرام)
قال الشافعي والأصحاب ويكون خروجهم بعد صلاة الصبح بمكة بحيث يصلون الظهر في أول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳..... آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھنے کے بعد منیٰ جاتے وقت اور منیٰ پہنچ کر کثرت سے تلبیہ پڑھنا اور حسبِ منشاء دعاء کی کثرت کرنا مستحب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴..... اگر کوئی منیٰ میں آٹھ ذی الحجہ کے دن نہ پہنچے، یا آٹھ اور نو ذی الحجہ کی درمیانی رات منیٰ کے میدان کے بجائے کسی اور جگہ گزارے، یا منیٰ میں یہ پانچ یا ان میں سے کچھ نمازیں نہ پڑھے، یا وہ حج کا احرام باندھ کر نو ذی الحجہ کو سیدھا عرفات چلا جائے، تو تب بھی اُس پر کوئی دَم واجب نہیں ہوتا، لیکن بلا عذر ایسا کرنا خلافِ سنت ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقتها بمنى هذا هو الصحيح المشهور من نصوص الشافعي والأصحاب وفيه قول ضعيف أنهم يصلون الظهر بمكة ثم يخرجون. وقال الشيخ أبو حامد في تعليقه قال الشافعي يأمرهم بالغدو إلى منى وقال الشافعي في موضع آخر يأمرهم بالرواح. قال أبو حنيفة وكل هذا قريب إلا أنهم يصلون الظهر بمنى. وذكر صاحب البيان هذين النصين للشافعي ثم قال وليست على قولين بل هم مخيرون بين أن يغدوا بكرة وبين أن يروحوا بعد الزوال قال وهذا الثاني أولى. هذا كلامه وليس كما قال. وقال صاحب الحاوي إذا زالت الشمس في اليوم الثامن خرج إلى منى ولم يصل الظهر بمكة وإن خرج قبل الزوال جاز فحصل خلاف في وقت استحباب الخروج (المذهب) أنه بعد الصبح(المجموع شرح المهذب، ج۸ص۸۳،۸۴، باب صفة الحج)

[1] ويلبي عند الخروج إلى منى ويدعوا بما شاء (البحر الرائق، ج۲ص ۳۶۱، كتاب الحج، باب الاحرام)

(أما) الأحكام فاتفق العلماء على استحباب التلبية ويستحب الإكثار منها في دوام الإحرام ويستحب قائما وقاعدا وراكبا وماشيا وجنبا وحائضا ويتأكد استحبابها في كل صعود وهبوط وحدوث أمر من ركوب أو نزول أو اجتماع رفقة أو فراغ من صلاة وعند إقبال الليل والنهار ووقت السحر وغير ذلك من تغاير الأحوال نص على هذا كله الشافعي واتفق عليه الأصحاب واتفقت نصوص الشافعي والأصحاب على استحبابها في المسجد ومسجد الخيف بمنى ومسجد إبراهيم صلى الله عليه وسلم بعرفات لأنها مواضع نسك وفي سائر المساجد قولان (الأصح) الجديد يستحب التلبية (والقديم) لا يلبي لئلا يهوش على المصلين والمتعبدين(المجموع شرح المهذب، ج۷ص۲۴۵، كتاب الحج)

[2] مسألة المبيت بمنى:مسألة :قال :(ومضى إلى منى، فصلى بها الظهر إن أمكنه؛ لأنه روى عن النبي -صلى الله عليه وسلم -، أنه صلى بمنى خمس صلوات) وجملة ذلك، أن المستحب أن يخرج محرما من مكة يوم التروية، فيصلي الظهر بمنى، ثم يقيم حتى يصلي بها الصلوات الخمس، ويبيت بها؛ لأن النبي -صلى الله عليه وسلم -فعل ذلك .كما جاء في حديث جابر، وهذا قول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵...... بعض لوگ منیٰ میں گرمی اور آرام نہ ہونے کا عذر بنا کر مکہ کی آبادی میں یا منیٰ سے باہر جہاں اپنی قیام گاہ ہوتی ہے، وہاں یہ رات گزارتے ہیں، اور منیٰ میں نہیں گزارتے، حالانکہ صرف آرام طلبی کی خاطر منیٰ میں رات گزارنے کی سنت کو ترک کرنا مناسب نہیں۔

البتہ اگر کوئی معتبر عذر ہو تو الگ بات ہے، مگر صرف راحت وآرام نہ ہونے اور منیٰ میں مشقت پیش آنے اور گرمی وغیرہ لگنے کو عذر سمجھنا درست نہیں، ورنہ یوں تو سارا حج ہی مشقت سے بھرا ہوا ہے، کیا اِن سب کاموں کو بھی یہ بہانہ بنا کر چھوڑنا درست ہوسکتا ہے؟

مسئلہ نمبر ۶...... وادیِ مُحَسَّر سے لے کر جمرۂ عقبہ تک دو طرفہ پہاڑوں کے درمیان کا حصہ منیٰ ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سفيان، ومالك، والشافعي، وإسحاق، وأصحاب الرأى، ولا نعلم فيه مخالفا .وليس ذلك واجبا في قولهم جميعا.

قال ابن المنذر :ولا أحفظ عن غيرهم خلافهم .وتخلفت عائشة ليلة التروية حتى ذهب ثلثا الليل، وصلى ابن الزبير بمكة(المغنى لابنِ قدامة، ج۳ص ۳٦۵، كتاب الحج،باب صفة الحج)

ولو بات بمكة وصلى بها الفجر من يوم عرفة ثم توجه إلى عرفات ومر بمنى أجزأه ؛ لأنه لا يتعلق بمنى في هذا اليوم إقامة نسك .ولكنه أساء بتركه الاقتداء برسول الله -صلى الله عليه وسلم (تبيين الحقائق، ج۲، ص ۲۲، كتاب الحج، باب الاحرام)

[۱] پھر وادیٔ محسر اور جمرۂ عقبہ، منیٰ کی حدود میں داخل نہیں، اور دو طرفہ پہاڑوں کے منیٰ کی طرف والے اگلے حصے تو منیٰ میں داخل ہیں، مگر ان پہاڑوں کے پیچھے والے حصے منیٰ میں داخل نہیں۔

منى بالكسر والتنوين :بليدة على فرسخ من مكة المكرمة، سميت بذلك لما يمنى بها من الدماء ، أى :يراق، وحدها :ما بين وادى محسر وجمرة العقبة وهى شعب طوله نحو ميلين، وعرضه يسير، والجبال محيطة به :ما أقبل منها عليه فهو من منى، وما أدبر منها فليس من منى.

ويرى الحنفية والشافعية والحنابلة أن وادى محسر وجمرة العقبة ليسا من منى، وقال المالكية :إن جمرة العقبة من منى، وباقى العقبة ليس منها، وقيل :إن العقبة كلها من منى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹ص۵۷، مادة ” منى “)

وحد منى :ما بين وادى مُحَسِّر وجمرة العقبة، ومنى :شِعْب طوله نحو ميلين، وعرضه يسير، أما الجبال المحيطة به فما أقبل منها عليه فهو من منى، وما أدبر منها فليس من منى.

والجمرات ثلاث :الأولى (أو الصغرى)، والوسطى، وجمرة العقبة (أو الكبرى أو الأخيرة)، والأولى تلى مسجد الخَيْف، ومسجد الخيف أو مسجد إبراهيم عليه السلام على أقل من ميل عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کل حجاج کرام کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے بعض حجاجِ کرام کے خیمے حکومتِ سعودیہ کی طرف سے منیٰ کے بجائے مزدلفہ کی حدود میں لگائے جاتے ہیں۔

اگر حجاجِ کرام کی کثرت کی وجہ سے حکومت کی طرف سے منیٰ کی حدود سے باہر، مزدلفہ وغیرہ میں قیام کی جگہ مقرر کی جائے، تو اس جگہ قیام پذیر ہونے میں بھی کوئی گناہ نہیں، کیونکہ آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرنا فرض یا واجب عمل نہیں، بلکہ سنت عمل ہے۔

البتہ اگر اس صورت میں بھی بآسانی پانچ نمازیں منیٰ کی حدود میں آکر پڑھنا ممکن ہو، تو یہ پانچ نمازیں منیٰ کی حدود میں پڑھ لینا زیادہ فضیلت کا باعث ہوگا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مكة .وجمرة العقبة :في آخر منى من جهة مكة، وليست العقبة التي تنسب إليها هذه الجمرة من منى، وهي الجمرة التي بايع رسول الله صلّى الله عليه وسلم الأنصار عندها قبل الهجرة وهي صخرة عظيمة في أول منى بالنسبة للآتي من مكة، وهي كلها تقع في وسط الشارع .وتبعد الأخيرة عن الوسطى نحو ١٥٥ متراً، ويبدأ الحاج بالأولى، ويختم بالثالثة(الفقه الاسلامي وادلته، ج٣ص٢٢٥٣، الباب الخامس، الفصل الاول،المبحث السادس، المطلب الثاني)

وفي البحر :وادي محسر موضع فاصل بين منى ومزدلفة ليس من واحدة منهما قال الأزرقي وهو خمسمائة ذراع وخمس وأربعون ذراعا .اهـ .(قوله لأنه موقف النصارى) هم أصحاب الفيل ح عن الشرنبلالية.

(مطلب في رمي جمرة العقبة)(قوله ورمي جمرة العقبة) هي ثالث الجمرات على حد منى من جهة مكة وليست من منى، ويقال لها الجمرة الكبرى والجمرة الأخيرة قهستاني((ردالمحتار، ج٢ص٥١٢، كتاب الحج)

[۱] اوراس کی وجہ یہ ہے کہ آٹھ اور نو ذی الحجہ کی درمیان شب کا منیٰ میں گزارنا اور منیٰ میں آٹھ ذی الحجہ کی ظہر سے لے کر نو ذی الحجہ کی فجر تک پانچ نمازیں پڑھنا یہ دونوں عمل سنت ہیں۔

لہٰذا اگر ایک مسنون عمل کو ادا کرنا مشکل ہو، اور دوسرے کو ادا کرنا مشکل نہ ہو، تو اس کو ادا کر لینا چاہئے۔

اگر کسی حاجی کو منیٰ کی حدود میں قیام کی جگہ نہ ملے، بلکہ مزدلفہ کی حدود میں ملے، اور اسے منیٰ میں نمازیں پڑھنے کے لئے جانا بھی مشکل ہو تو اس کے لئے مزدلفہ اور حرم وغیرہ کی کسی اور حد میں قیام کرنا برابر ہوگا یا نہیں؟

اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، بعض معاصرین نے دونوں کا درجہ برابر کہا ہے، مگر ہمارے نزدیک مزدلفہ میں قیام افضل ہے، ایک تو حجاج اور منیٰ میں مقیم حضرات کی مشابہت کی وجہ سے، دوسرے ایک رات مزدلفہ میں حجاج کے قیام کا منیٰ میں قیام سے من وجہٍ زیادہ تعلق ہونے کی وجہ سے نیز منیٰ سے ملحق ومتصل ہونے کی وجہ سے۔ واللہ اعلم۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... اگر بسہولت ممکن ہو، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک منیٰ میں پہنچ کر مسجدِ خیف کے قریب قیام کرنا مستحب ہے۔ [۱]

آج کل حجاجِ کرام کے لئے منیٰ میں قیام کی جگہوں کی تعیین حکومت کی طرف سے کی جاتی ہے، اور اس میں ہر شخص کو خود سے جگہ کا انتخاب کرنے بلکہ اس جگہ میں داخل ہونے کا اختیار نہیں ہوتا، اس لئے منیٰ میں جس جگہ بھی قیام کرلیا جائے، تو جائز ہے۔

مسئلہ نمبر ۸...... نو ذی الحجہ کو منیٰ میں فجر کی نماز ادا کرنا اور پھر سورج طلوع ہونے کے بعد میدانِ عرفات کی طرف جانا سنت ہے۔

اگر وہاں معلمین وحکومت کے انتظامات کے پیشِ نظر اس سے پہلے عرفات جانا پڑ جائے، تو بھی کوئی گناہ نہیں، لیکن اس کو سنت یا ثواب نہیں سمجھنا چاہئے، کیونکہ یہ انتظامی چیز ہے، کوئی شرعی چیز نہیں۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(فيبيت بها حتى يصلي الفجر يوم عرفة) فيصلي بمنى الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر، هكذا فعل جبريل بإبراهيم ومحمد -عليهم الصلاة والسلام- وهو المنقول من نسك رسول الله -صلى الله عليه وسلم- وهذه البيتوتة سنة، ولو بات بمكة وصلى هذه الصلوات بها جاز؛ لأنه لا نسك بمنى هذا اليوم، وقد أساء لمخالفته السنة(الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ۱۴۹، فصل دخول مكة)

[۱] ويستحب أن ينزل بالقرب من مسجد الخيف(البحر الرائق، ج۲ ص ۳۶۱، كتاب الحج، باب الاحرام)

[۲] المبيت بمنى ليلة يوم عرفة:يسن للحاج أن يخرج من مكة إلى منى يوم التروية (الثامن من ذى الحجة) بعد طلوع الشمس فيصلي خمس صلوات وهي :الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر، ثم يخرج إلى عرفة بعد طلوع الشمس، وكل ذلك سنة اتفاقا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹ص ۵۸، مادة "منىٰ")

دخول عرفات قبل وقت الوقوف :قال الإمام مالك :أكره للحجاج أن يتقدموا إلى عرفة قبل عرفة هم أنفسهم أو يقدموا أبنيتهم.

وصرح الشافعية بأن دخول الحجاج أرض عرفات قبل وقت الوقوف خطأ وبدعة ومنابذة للسنة، وتفوتهم بسببه سنن كثيرة.

وقال الحنفية :يدفع الحاج إلى عرفات بعد صلاة الفجر يوم عرفة، وقالوا :هذا بيان الأولوية حتى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۹...... اگر کوئی شخص حج کا احرام باندھنے کے بعد منیٰ جانے سے پہلے حرم شریف میں جا کر ایک نفلی طواف کرلے، یا طوافِ قدوم کرے، تو اس کے بعد اسے طوافِ زیارت کے بعد والی حج کی سعی کر لینا جائز ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص حج کا احرام باندھ کر نفلی یا طوافِ قدوم کرے، اور اس کے بعد حج کی سعی بھی کرنا چاہے، تو اس کو ایسا کر لینا جائز ہے، اور ایسی صورت میں اگر وہ مرد ہو، تو اس کو اس طواف میں اضطباع اور رَمل کرنا بھی سنت ہوگا، اور طواف سے فارغ ہو کر وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر کے پھر منیٰ چلا جائے، تو اس کو بعد میں طوافِ زیارت کر کے حج کی سعی کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لو ذهب قبل طلوع الفجر إليها جاز.

ونص الحنابلة على أنه يستحب للحاج أن يخرج إلى منى يوم التروية ويبيت بها، فإذا طلعت الشمس سار إلى عرفة، فأقام بنمرة ندبا حتى تزول الشمس، فمن خرج من منى إلى عرفة قبل طلوع الشمس لم يأت بالمستحب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ص ۳۳۱، مادة "يوم عرفة")

فإن دفع منها قبل طلوع الشمس جاز، والأول أفضل(بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۵۱، كتاب الحج، فصل بيان سنن الحج وبيان الترتيب في أفعاله)

وهذا بيان الأفضل حتى لو ذهب قبل طلوع الفجر إليها جاز كما يفعله الحجاج في زماننا فإن أكثرهم لا يبيت بمنى لتوهم الضرر من السراق(البحرالرائق، ج۲ص ۳۶۱، كتاب الحج، باب الاحرام)

[1] وروى عن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى -أنه إذا أحرم بالحج يوم التروية أو قبله فإن طاف وسعى قبل أن يأتي منى فهو أفضل إلا أن يكون أهل بعد الزوال يوم التروية كذا في محيط السرخسي (الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص۲۲۷، كتاب المناسك، الباب الخامس)

وروى الحسن عن أبي حنيفة أن المتمتع إذا أحرم بالحج يوم التروية أو قبله، فإن شاء طاف وسعى قبل أن يأتي إلى منى، وهو أفضل، وروى هشام عن محمد أنه إن طاف وسعى لا بأس به، ووجه ذلك أن هذا الطواف ليس بواجب بل هو سنة(بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۵۰، كتاب الحج، فصل بيان سنن الحج وبيان الترتيب في أفعاله)

قال في العناية قوله ولو كان هذا المتمتع بعدما أحرم بالحج طاف يعني طواف القدوم وسعى قبل أن يخرج إلى منى لم يرمل في طواف الزيارة ولا يسعى بعده؛ لأنه أتى بذلك مرة ولا تكرار فيه وفي هذا الكلام دلالة على أن طواف التحية مشروع للمتمتع حيث اعتبر رمله وسعيه فيه اهـ

قال في الفتح ولا يخلو من شيء فإن الظاهر أن المراد أنه إذا طاف ثم سعى أجزأه عن السعي لا أنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... پہلے زمانہ میں منیٰ کی حدود مکہ مکرمہ شہر کی آبادی سے غیر معمولی فاصلہ پر تھیں، اوراس لئے مکہ مکرمہ شہر میں قیام کرنے والے اور منیٰ میں قیام کرنے والے الگ الگ مقامات پر قیام کرنے والے شمار ہوتے تھے، اوراسی وجہ سے اگر کوئی باہر سے آیا ہوا مسافر شخص کچھ دن مکہ مکرمہ شہر میں قیام کا ارادہ کرتا، اور کچھ دن منیٰ میں قیام کا ارادہ کرتا، اوران دونوں مقامات میں سے کسی ایک مقام پراس کے قیام کا زمانہ شرعی اقامت والی مدت پر مشتمل نہیں ہوتا تھا، اگرچہ دونوں جگہ کے قیام کا زمانہ مجموعی طور پراتنی مدت پر مشتمل ہوجاتا ہوکہ ان دونوں کو جمع کیا جائے، تو شرعی اقامت (جس کا ذکر آگے آتا ہے) کا زمانہ بن جاتا ہو، تو وہ شخص مقیم نہیں سمجھا جاتا تھا، بلکہ وہ شخص ان دونوں مقامات پر مسافر سمجھا جاتا تھا، اور اسی اصول کی بناء پر ایسے مسافر حجاجِ کرام کو منیٰ وعرفات اور مزدلفہ میں نماز کے قصر کرنے کا حکم ہوتا تھا۔

مگراب جب کہ مکہ مکرمہ شہر کی آبادی کا منیٰ کی حدود سے سابقہ فاصلہ ختم ہوچکا ہے، اور مکہ شہر کی آبادی منیٰ کے ساتھ متصل ہوچکی ہے، تو اب موجودہ کیفیت کے پیشِ نظر دلائل کے لحاظ سے راجح یہ ہے کہ جن حجاجِ کرام کا مکہ معظّمہ میں (مسافتِ سفر پر واقع اپنے وطن، یا مدینہ منورہ وغیرہ سے) آمد سے لے کر منیٰ ومزدلفہ میں قیام اوراس کے بعد مکہ معظّمہ میں قیام کا عرصہ ملا کر وہاں سے سفر کرنے تک شرعی اقامت والی مدت کا زمانہ بن رہا ہو، تو وہ ان سب مقامات پر نماز پوری پڑھیں گے، اور قصر نہیں کریں گے، کیونکہ ان کا منیٰ ومزدلفہ میں قیام کرنا اوررات گذارنا مکہ میں ہی قیام کرنے اوررات گزارنے کے حکم میں ہوگا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

يشترط لـلإجزاء اعتباره طواف تحية بل المقصود أن السعي لا بد أن يترتب شرعا على طواف فإذا فرضنا أن المتمتع بعد إحرام الحج تنفل بطواف ثم سعى بعده سقط عنه سعي الحج ومن قيد إجزائه بكون الطواف المقدم طواف تحية فعليه البيان اهـ.

وحاصله أن منشأ توهمه حمله الطواف على طواف القدوم كما صرح به ولا شيء يفيد تقييده به.

(منحة الخالق على البحرالرائق، ج۲ص ۳۹۰، ۳۹۱، كتاب الحج، باب التمتع)

پھر حنفیہ کے نزدیک شرعی اقامت کی مدت کم از کم پندرہ راتیں ہے، جبکہ دیگر جمہور فقہائے کرام (مالکیہ اور شافعیہ وحنابلہ) کے نزدیک چار دن ہے، البتہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک چار دن سے زیادہ ہے۔

لہٰذا حنفیہ کے نزدیک منیٰ اور مکہ میں مجموعی طور پر کم از کم پندرہ رات قیام کی وجہ سے، جبکہ حنابلہ کے نزدیک چار دن سے زیادہ اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک صرف چار دن قیام کی وجہ سے وہ شخص مقیم ہوجائے گا، اور پوری نماز پڑھے گا، اور اس کو قصر کرنا جائز نہیں ہوگا۔ [1]

(تفصیل اور دلائل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ: حج میں قصر واتمام کی تحقیق، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

---

[1] ثانیا :السفر:یشترط فی السفر المرخص فی الفطر ما یلی:

أ -أن یکون السفر طویلا مما تقصر فیه الصلاة قال ابن رشد :وأما المعنی المعقول من إجازة الفطر فی السفر فهو المشقة، ولما کانت لا توجد فی کل سفر، وجب أن یجوز الفطر فی السفر الذی فیه المشقة، ولما کان الصحابة کأنهم مجمعون علی الحد فی ذلک، وجب أن یقاس ذلک علی الحد فی تقصیر الصلاة .

ب -أن لا یعزم المسافر الإقامة خلال سفره مدة أربعة أیام بلیالیها عند المالکیة والشافعیة، وأکثر من أربعة أیام عند الحنابلة، وهی نصف شهر أو خمسة عشر یوما عند الحنفیة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۸،ص۴۷)

مسألة :قال :(وإذا نوی المسافر الإقامة فی بلد أکثر من إحدی وعشرین صلاة، أتم) المشهور عن أحمد -رحمه الله -أن المدة التی تلزم المسافر الإتمام بنیة الإقامة فیها، هی ما کان أکثر من إحدی وعشرین صلاة .رواه الأثرم، والمروذی، وغیرهما، وعنه أنه إذا نوی إقامة أربعة أیام أتم، وإن نوی دونها قصر.وهذا قول مالک، والشافعی، وأبی ثور؛ لأن الثلاث حد القلة، بدلیل قول النبی -صلی الله علیه وسلم :-یقیم المهاجر بعد قضاء منسکه ثلاثا .ولما أخلی عمر -رضی الله عنه -أهل الذمة، ضرب لمن قدم منهم تاجرا ثلاثا، فدل علی أن الثلاث فی حکم السفر، وما زاد فی حکم الإقامة .ویروی هذا القول عن عثمان -رضی الله عنه .-وقال الثوری، وأصحاب الرأی :إن أقام خمسة عشر یوما مع الیوم الذی یخرج فیه أتم، وإن نوی دون ذلک قصر(المغنی لابن قدامة، ج۲،ص۲۱۲)

الذی یجوز للمسافر إذا أقام فیه فی بلد أن یقصر فاختلاف کثیر حکی فیه أبو عمر نحوا من أحد عشر قولا . إلا أن الاشهر منها هو ما علیه فقهاء الامصار، ولهم فی ذلک ثلاثة أقوال :أحدها: مذهب مالک والشافعی أنه إذا أزمع المسافر علی إقامة أربعة أیام أتم، والثانی :مذهب أبی حنیفة وسفیان الثوری أنه إذا أزمع علی إقامة خمسة عشر یوما أتم، والثالث :مذهب أحمد وداود أنه إذا أزمع علی أکثر من أربعة أیام أتم(بدایة المجتهد، ج۱،ص۱۳۷)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبرا۱...... اگر آٹھ ذی الحجہ کو جمعہ کا دن واقع ہو، اور حج کا ارادہ رکھنے والا اس دن شرعی مسافر ہو، تو اس پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، لہٰذا اس کو ظہر کی نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن اگر وہ مقیم ہو، اور اُسے جمعہ پڑھنے میں کوئی عذر نہ ہو، تو اُسے جمعہ کی نماز پڑھنی چاہئے۔ [1]

پھر خواہ وہ مکہ کی آبادی میں پڑھے، یا منیٰ میں واقع مسجدِ خیف میں، یا پھر منیٰ میں موجود اپنے خیمہ میں، کیونکہ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ منیٰ، اب نماز کے قصر یا پورا پڑھنے کے اعتبار سے مکہ شہر کا حصہ بن چکا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ملحوظ رہے کہ حنفیہ اور شافعیہ بلکہ حنابلہ سمیت جمہور واکثر فقہاء کے نزدیک حج میں قصر کی علت وسبب بھی شرعی سفر ہی ہے، جس طرح سے کہ دوسرے حالات میں قصر کی علت وسبب شرعی سفر ہے۔

لہٰذا حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک جو حجاجِ کرام ایامِ حج میں شرعاً مسافر ہوں گے وہ تو قصر کریں گے اور جو مقیم ہوں گے وہ اتمام کریں گے۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک منیٰ، عرفات ومزدلفہ میں شرعی مسافر وغیر شرعی مسافر ہر دو قسم کے مسافر حجاج نماز قصر ادا کریں گے چنانچہ جو حجاج مکہ یا اس کے قرب وجوار کے باشندے ومقیم ہوں گے وہ بھی قصر کریں گے، مگر یہ کہ جو شخص منیٰ ہی کا باشندہ ہو وہ منیٰ میں اور جو عرفات کا باشندہ ہو وہ عرفات میں اور جو مزدلفہ کا باشندہ ہو وہ مزدلفہ میں قصر نہیں کرے گا، کیونکہ ان کے حق میں مطلق سفر کا وجود نہیں۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک قصر کی علت وسبب نسک ہے، لیکن سفرِ مطلق کی شرط کے ساتھ۔

فصل :فأما قصر الصلاة، فلا يجوز لأهل مكة .وبهذا قال عطاء، ومجاهد، والزهري، وابن جريج والثوري، ويحيى القطان، والشافعي، وأصحاب الرأي، وابن المنذر .وقال القاسم بن محمد، وسالم، ومالك، والأوزاعي :لهم القصر؛ لأن لهم الجمع، فكان لهم القصر كغيرهم.

ولنا، أنهم في غير سفر بعيد، فلم يجز لهم القصر كغير من في عرفة ومزدلفة، قيل لأبي عبد الله: فرجل أقام بمكة، ثم خرج إلى الحج؟ قال :إن كان لا يريد أن يقيم بمكة إذا رجع صلى ثم ركعتين. وذكر فعل ابن عمر .قال :لأن خروجه إلى منى وعرفة ابتداء سفر، فإن عزم على أن يرجع، فيقيم بمكة، أتم بمنى وعرفة(المغني لابن قدامة، ج۳ص۳۶۷،فصل قصر الصلاة لا يجوز لأهل مكة)

(ماخوذ از: حج میں قصر واتمام کی تحقیق، صفحہ۹، طباعتِ چہارم، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

[1] ولو وافق يوم التروية الجمعة له أن يخرج إلى منى قبل الزوال لعدم وجوب الجمعة عليه في ذلك الوقت وبعده لا يخرج ما لم يصلها لوجوبها عليه(تبيين الحقائق، ج۲ص۲۲، باب الاحرام)

(قوله :وعدم التعييد بمنى) أي عدم إقامة العيد بها لا لكونها ليست بمصر بل للتخفيف على الحاج لاشتغالهم بأمور الحج من الرمي والحلق والذبح في ذلك اليوم بخلاف الجمعة لأنه لا يتفق في كل سنة هجوم الجمعة في أيام الرمي أما العيد فإنه في كل سنة سراج، وأيضا فإن الجمعة تبقى إلى آخر وقت الظهر والغالب فراغ الحاج من أعمال الحج قبل ذلك بخلاف وقت العيد؛ ومقتضى هذا أن الجمعة إذا أقيمت بمنى أن يجب على المقيمين من أهل مكة إذا خرجوا للحج خلافا لما بحثه في شرح المنية بل الظاهر وجوب إقامتها عليهم تأمل(ردالمحتار، ج۲ص۱۴۴، باب الجمعة)

لیکن جمعہ کی نماز کے لئے جماعت کی نماز کا ہونا شرط ہے، اگر کوئی حاجی ایسا ہو کہ اسے جمعہ کی نماز باجماعت میسر نہ آئے، تو پھر جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنے میں بھی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر۱۲...... بعض لوگ منیٰ میں جگہ کی خاطر اور اسی طرح وضو اور استنجاء کے لئے لڑائی جھگڑا کرتے ہیں اور صبر سے کام نہیں لیتے، یہ غلط عمل ہے۔

اسی طرح منیٰ میں عموماً عورتیں اور مرد حضرات اکھٹے خیموں میں ہوتے ہیں اور عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے محابا اٹھتی بیٹھتی کھاتی پیتی رہتی ہیں، اور مرد بھی بدنظری میں مبتلا رہتے ہیں، یہ گناہ کی بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ الْفَضْلُ رَدِيْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَاءَ تِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ، فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ (بخاری، رقم الحديث ۱۸۵۵، كتاب جزاء الصيد، باب حج المرأة عن الرجل)

ترجمہ: فضل بن عباس (حج کے دوران، دس ذی الحجہ کے دن) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے کہ خثعم قبیلہ کی ایک عورت (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ معلوم کرنے کے لئے) آئی، تو فضل بن عباس اس عورت کی طرف دیکھنے لگے، اور وہ عورت بھی فضل بن عباس کی طرف دیکھنے لگی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباس کے چہرہ کو دوسری طرف پھیر دیا (تاکہ بدنظری سے حفاظت ہو جائے) (بخاری)

بعض لوگوں کو منیٰ میں ہر وقت کھانے پینے کی فکر سوار رہتی ہے اور پھر استنجاء، وضو وغیرہ کی بھی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے، جس سے کافی وقت ضائع ہوتا ہے اور تنگی بھی ہوتی ہے۔

بعض لوگ منیٰ میں تلاوت وذکر وتسبیح کے بجائے فضول گوئی میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے اوقات ضائع کر دیتے ہیں، جو کہ بہت محرومی کی بات ہے۔

(باب نمبر۴)

نو ذی الحجہ اور وقوفِ عرفہ کے فضائل واحکام

پہلے گزر چکا ہے کہ نو ذی الحجہ کی صبح کو سورج طلوع ہونے کے بعد منیٰ سے میدانِ عرفات کی طرف جانا چاہئے، جہاں وقوفِ عرفہ کیا جاتا ہے، جو حج کا بڑا فریضہ ہے۔ [1]

نو ذی الحجہ اور وقوفِ عرفہ سے متعلق احادیث وروایات

پہلے نو ذی الحجہ اور وقوفِ عرفہ کے سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ احکام ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

غَدَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مِنٰى إِلٰى عَرَفَاتٍ، مِنَّا الْمُلَبِّىْ وَمِنَّا الْمُكَبِّرُ (مسلم) [2]

ترجمہ: ہم (اگلے دن یعنی نو ذی الحجہ کی) صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ سے عرفات کی طرف گئے تو ہم میں سے کوئی تلبیہ پڑھ رہا تھا اور کوئی تکبیر پڑھ رہا تھا (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ نو ذی الحجہ کو صبح منیٰ سے عرفات کی طرف تلبیہ اور تکبیر پڑھتے ہوئے جانا سنت ہے۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أُنَاسًا مِّنَ الْيَهُوْدِ قَالُوْا: لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِيْنَا لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ

---

[1] السیر من منی إلی عرفة صباحا بعد طلوع شمس یوم عرفة سنة عند الجمهور وهو مندوب عند الحنابلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۷، مادة "حج")

[2] رقم الحديث ۳۲۸۴ ۱ "۲۷۲"باب التلبية والتكبير فى الذهاب من منى إلى عرفات فى يوم عرفة.

اَلْيَوْمَ عِيْدًا، فَقَالَ عُمَرُ: أَيَّةُ آيَةٍ؟ فَقَالُوْا: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا . فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَيَّ مَكَانٍ أُنْزِلَتْ، أُنْزِلَتْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفٌ بِعَرَفَةَ (بخاری، رقم الحديث ۴۴۰۷، کتاب المغازی، باب حجة الوداع)

ترجمہ: کچھ یہودیوں نے کہا کہ اگر (سورہ مائدہ کی) یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کون سی آیت؟ تو یہودیوں نے کہا یہ آیت کہ:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا.

یعنی ”آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور میں راضی ہو گیا تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے جہاں یہ آیت نازل ہوئی تھی یہ عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں وقوف فرما رہے تھے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ عرفات کا دن انتہائی فضیلت والا دن ہے، جہاں دین کی تکمیل کی آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْيَوْمُ الْمَوْعُوْدُ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، وَالْيَوْمُ الْمَشْهُوْدُ يَوْمُ عَرَفَةَ، وَالشَّاهِدُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ (سنن الترمذی) [1]

---

[1] رقم الحديث ۳۳۳۹، ابواب التفسير، باب ومن سورة البروج.
قال الترمذي: هذا حديث لا نعرفه إلا من حديث موسى بن عبيدة، وموسى بن عبيدة يضعف في الحديث؛ ضعفه يحيى بن سعيد وغيره من قبل حفظه .وقد روى شعبة، وسفيان الثوري، وغير واحد من الأئمة عن موسى بن عبيدة .حدثنا علي بن حجر قال :حدثنا قران بن تمام الأسدي، عن موسى بن عبيدة، بهذا الإسناد نحوه .وموسى بن عبيدة الربذي يكنى أبا عبد العزيز، وقد تكلم فيه يحيى بن سعيد القطان وغيره من قبل حفظه.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قرآن مجید کی سورہ بروج کی آیت میں مذکور) ''یومِ موعود'' (یعنی وعدہ کیا ہوا دن) قیامت کا دن ہے، اور ''یومِ مشہود'' (یعنی جس دن میں حاضر کئے جاتے ہیں) عرفہ کا دن ہے، اور ''شاہد'' (یعنی جس دن میں حاضر ہوتے ہیں) جمعہ کا دن ہے (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ قرآن کی سورہ بروج میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ:

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ. وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ (سورہ بروج، رقم الآیۃ ۲،۳)

یعنی ''قسم ہے وعدہ کئے ہوئے دن کی، اور حاضر کئے ہوئے دن کی، اور جس دن حاضر ہوتا ہے'' (سورہ بروج)

اس آیت میں وعدہ کئے ہوئے دن سے مراد قیامت کا دن ہے، جس کا انسانوں سے اللہ نے وعدہ کیا ہے، اور عرفہ کے دن سب لوگ میدانِ عرفات میں حاضر کئے جاتے ہیں، اور جمعہ کا دن لوگوں کے پاس خود حاضر ہوتا ہے، اور یہ سب دن فضیلت والے ہیں، جس سے عرفات کے دن اور وقوفِ عرفہ کی فضیلت معلوم ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ، مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّهُ لَيَدْنُوْ، ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمِ الْمَلَائِكَةَ، فَيَقُوْلُ: مَا أَرَادَ هٰؤُلَاءِ؟ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (عرفہ کے دن کے مقابلہ میں) کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ بندوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں، اللہ تعالیٰ (عرفات میں وقوف کرنے والوں سے خصوصی

---

[1] رقم الحدیث ۱۳۴۸ ''۴۳۶'' باب فی فضل الحج والعمرۃ، ویوم عرفۃ، واللفظ لہٗ، سنن نسائی، رقم الحدیث ۳۰۰۳، سنن ابنِ ماجہ، رقم الحدیث ۳۰۱۴، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۷۰۵۔

رحمت کے ساتھ) قریب ہوتے ہیں پھر ان بندوں کی وجہ سے فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟ (مسلم، نسائی، وغیرہ)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مروی ہیں کہ:

مَا مِنْ یومٍ أَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنْ یَّوْمِ عَرَفَةَ یَنْزِلُ اللّٰہُ إِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیُبَاھِیْ بِأَھْلِ الْأَرْضِ أَھْلَ السَّمَاءِ، فَیَقُوْلُ: اُنْظُرُوْا إِلٰی عِبَادِیْ شَعْثًا غَبَرًا ضَاحِیْنَ جَآؤُوْا مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یَرْجُوْنَ رَحْمَتِیْ، وَلَمْ یَرَوْا عَذَابِیْ، فَلَمْ یُرَ یَوْمٌ أَکْثَرُ عِتْقًا مِّنَ النَّارِ مِنْ یَّوْمِ عَرَفَةَ (ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: کوئی دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عرفہ کے دن سے زیادہ افضل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں، پھر زمین والوں کی وجہ سے آسمان والوں کے سامنے فخر فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو دیکھو، جو پراگندہ حال، غبار آلود، دھوپ میں حج کرنے آئے ہیں، دور دراز کے علاقوں سے، میری رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور انہوں نے میرے عذاب کو نہیں دیکھا (پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) پس عرفہ کے دن کے مقابلہ میں جہنم سے زیادہ آزاد کئے جانے والا اور کوئی دن نہیں دیکھا گیا (ابنِ حبان)

ان احادیث سے حاجیوں کے وقوفِ عرفہ کرنے کی عظیم الشان فضیلت معلوم ہوئی۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۳۸۵۳، کتاب الحج، باب الوقوف بعرفة والمزدلفة والدفع منهما.
قال شعیب الانؤوط: حدیث صحیح، إسناده قوی لولا عنعنة أبی الزبیر، رجاله ثقات رجال الصحیح غیر محمد بن مروان العقیلی، فقد روی له ابن ماجه، وهو مختلف فیه (حاشیة ابنِ حبان)

[2] (وعن عائشة رضی الله -تعالی -عنها قالت :إن رسول الله -صلی الله علیه وسلم -قال ": ما من یوم أکثر) بـالنصب وقیل بالرفع (من أن یعتق الله) أی :یـخلص وینجی (الله عبدا من النار من یوم عرفة) أی :بعرفات .قال الطیبی -رحمه الله :(ما) بـمعنی (لیس) واسمه یوم، و (من) زائدة أیضا اهـ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کریز اور مطلب سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَفْضَلُ الدُّعَاءِ یَوْمَ عَرَفَةَ (فضائل الأوقات للبیهقی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل دعاء عرفہ کے دن کی دعاء ہے (بیہقی)

اس حدیث سے عرفہ کے دن دعاء کی قبولیت کی فضیلت معلوم ہوئی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: خَیْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ یَوْمِ عَرَفَةَ، وَخَیْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ قَبْلِیْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین دعاء، عرفہ کے دن کی دعاء ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فتقدیره :ما من یوم أکثر إعتاقا فیه الله عبدا من النار من یوم عرفة .(وإنه) أی :سبحانه (لیدنو) أی: یقرب منهم بفضله ورحمته (ثم یباهی بهم) أی :بالحجاج (الملائکة) : قال بعضهم :أی یظهر علی الملائکة فضل الحجاج، وشرفهم، أو یحلهم من قربه، وکرامته محل الشیء المباهی به، والمباهاة المفاخرة (فیقول :ما أراد هؤلاء) أی :أی شیء أراد هؤلاء حیث ترکوا أهلهم، وأوطانهم، وصرفوا أموالهم، وأتعبوا أبدانهم، أی :ما أرادوا إلا المغفرة، والرضا، والقرب، واللقاء ، ومن جاء هذا الباب لا یخشی الرد، أو التقدیر :ما أراد هؤلاء فهو حاصل لهم، ودرجاتهم علی قدر مراداتهم، ونیاتهم، أو أی شیء أراد هؤلاء أی :شیئا سهلا یسیرا عندنا إذا مغفرة کف من التراب لا یتعاظم عند رب الأرباب (مرقاة المفاتیح، ج۵ص ۱۸۰۰، باب الوقوف بعرفة)

[1] رقم الحدیث ۱۹۰ الدعاء للمحاملی رقم الحدیث ۶۱،حدیث اسماعیل بن جعفر رقم الحدیث ۳۶۸.

قال البیهقی: :هذا مرسل حسن ، وقد روی من حدیث مالک موصولا بإسناد آخر فوصله ضعیف، وروی من وجه آخر.

[2] رقم الحدیث ۳۵۸۵،ابواب الدعوات.

قال الترمذی:هذا حدیث غریب من هذا الوجه وحماد بن أبی حمید هو :محمد بن أبی حمید، وهو أبو إبراهیم الأنصاری المدینی ولیس هو بالقوی عند أهل الحدیث.

اور بہترین دعاء جو میں نے کی، اور میرے سے پہلے نبیوں نے کی، وہ یہ ہے کہ:

لَا إِلٰــهَ إِلَّا الـلّٰـهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَـهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. (ترمذی)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كَـانَ أَكْثَـرُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ: لَا إِلٰـهَ إِلَّا الـلّٰـهُ وَحْدَهُ لَا شَـرِيْكَ لَــهُ، لَــهُ الْـمُلْكُ وَلَـهُ الْحَمْدُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے دن اکثر یہ دعاء پڑھتے تھے کہ:

لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَـهُ، لَـهُ الْمُلْكُ وَلَـهُ الْحَمْدُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (مسند احمد، رقم الحديث ٢٩٦١) [1]

اسی قسم کی حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

[2] عن أبی بكر بن عبد الرحمن، عن المسور بن مخرمة، رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: خير الدعاء يوم عرفة، وخير ما جاء به النبيون قبلی لا إله إلا الله (ثلاثة مجالس من امالی ابن مردويه، رقم الحديث ٣)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں میدانِ عرفات کی اس دعاء میں "وهو على كل شیء قدير" کے بعد "اللهم اجعل فی قلبی نورا" وغیرہ الفاظ کا اضافہ ہے، جس کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے۔

قلت: أما قوله: له الملك إلى قوله: قدير فقد أسلفناه فی عدة أحاديث، وأما قوله: اللهم اجعل فی قلبی نورا ... إلى آخره فرواه البيهقی من حديث موسى بن عبيدة، عن أخيه (عبد الله) بن عبيدة، عن علی رضی الله عنه قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: أكثر دعائی ودعاء الأنبياء قبلی (بعرفة): لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شیء قدير، اللهم اجعل فی قلبی نورا، وفی سمعی نورا، وفی بصری نورا، اللهم اشرح لی صدری ويسر لی أمری، وأعوذ بك من وسواس الصدر، وشتات الأمر، وفتنة القبر، اللهم إنی أعوذ بك من شر ما يلج فی الليل، (وشر ما يلج فی النهار)، وشر ما تهب به الرياح، ومن شر بوائق الدهر. قال البيهقی: تفرد به موسى بن عبيدة الربذی، وهو ضعيف ولم يدرك أخوه عليا.

قلت: فصار الحديث ضعيفا بوجهين، وعبد الله أخو موسى: ضعيف أيضا (و) قال ابن حبان: منكر الحديث جدا، ليس (له) راو غير أخيه موسى، وموسى ليس بشیء فی الحديث، ولا أدری البلاء من أيهما (البدر المنير، ج٦ ص ٢٢٦، وص ٢٢٧، باب دخول مكة وما يتعلق به، الحديث الخمسون)

مذکورہ حدیث سے وقوفِ عرفہ کے دوران دعاء کی قبولیت کی اہمیت وفضیلت اوراسی کے ساتھ مذکورہ کلمات کی فضیلت بھی معلوم ہوئی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَاهُ نَاسٌ، فَسَأَلُوْهُ عَنِ الْحَجِّ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْحَجُّ عَرَفَةُ، فَمَنْ أَدْرَكَ لَيْلَةَ عَرَفَةَ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ لَيْلَةِ جَمْعٍ، فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ (سنن النسائی، رقم الحدیث ۳۰۱۶، کتاب المناسک، فرض الوقوف بعرفة)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (میدانِ عرفات میں) حاضر تھا کہ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے، اوران لوگوں نے آپ سے حج کے متعلق سوال کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج (وقوف) عرفہ ہے، جو شخص عرفہ کی رات کو مزدلفہ کی رات میں (یعنی نو ذی الحجہ کا دن گزرنے کے بعد کی مزدلفہ میں وقوف کئے جانے والی رات میں) طلوعِ فجر سے پہلے (وقوفِ عرفہ) پالے، تو اس کا حج مکمل ہوگیا (نسائی)

حج مکمل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حج کا ایسا فریضہ ادا ہوگیا کہ جو بعد میں ادا نہیں ہوسکتا تھا۔

رہا طوافِ زیارت وغیرہ، تو وہ بعد میں بھی کیا جاسکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وقوفِ عرفہ کے فرض کی ادائیگی کا وقت نو ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے کے بعد پوری رات، طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔

حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا بِالْمُزْدَلِفَةِ، فَقَالَ: مَنْ صَلّٰى مَعَنَا صَلَاتَنَا هٰذِهِ هَا هُنَا، ثُمَّ أَقَامَ مَعَنَا وَقَدْ وَقَفَ قَبْلَ ذٰلِكَ

بِعَرَفَةَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا، فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ (سنن نسائی) [۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزدلفہ میں وقوف کیے ہوئے دیکھا، آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے ہمارے ساتھ اس نماز کو یہاں پڑھ لیا، پھر وہ ہمارے ساتھ ٹھہرا رہا، اور وہ اس سے پہلے رات یا دن میں عرفہ کا وقوف کر چکا ہے تو اس کا حج پورا ہوگیا (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقوفِ عرفہ دن میں یا رات میں کرنے سے وقوفِ عرفہ کا فریضہ ادا ہوجاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ (نسائی) [۲]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ (کا میدان) پورا کا پورا موقف (یعنی وقوف کی جگہ) ہے (نسائی)

اس طرح کا مضمون اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ [۳]

اس سے معلوم ہوا کہ وقوفِ عرفہ کا فریضہ ادا کرنے کے لئے میدانِ عرفات کا کوئی مخصوص حصہ ضروری نہیں، بلکہ میدانِ عرفات میں کسی بھی جگہ وقوف کرنا کافی ہے۔

---

[۱] رقم الحديث ۳۰۳۹، كتاب المناسک، باب فيمن لم يدرک صلاة الصبح مع الإمام بالمزدلفة، واللفظ لهٔ، ورقم الحديث ۳۰۴۳ سنن الترمذى، رقم الحديث ۸۹۱، مسند أحمد، رقم الحديث ۱۸۳۰۱، حديث عروة بن مضرس الطائى)

قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح .قوله تفثه، يعنى :نسكه، قوله ما تركت من حبل إلا وقفت عليه :إذا كان من رمل يقال له حبل، وإذا كان من حجارة يقال له :جبل.

وفى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أن صحابيه لم يرو له سوى أصحاب السنن.

[۲] رقم الحديث ۳۰۱۵، كتاب المناسک، باب رفع اليدين فى الدعاء بعرفة.

[۳] عن أبى هريرة، ذكر النبى صلى الله عليه وسلم فيه قال :وفطركم يوم تفطرون، وأضحاكم يوم تضحون، وكل عرفة موقف، وكل منى منحر، وكل فجاج مكة منحر، وكل جمع موقف (ابوداؤد، رقم الحديث ۲۳۲۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ، فَقَالَ:هٰذِهٖ عَرَفَةُ، وَهُوَ الْمَوْقِفُ، وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ، ثُمَّ أَفَاضَ حِيْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ

(سنن الترمذی، رقم الحدیث ۸۸۵،ابواب الحج، باب ماجاء ان عرفة کلها موقف)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں ٹھہرے اور فرمایا کہ یہ عرفات وقوف کی جگہ ہے،اور عرفات سارے کا سارا وقوف کی جگہ ہے، پھر جب سورج غروب ہوگیا،تو آپ عرفات سے نکلے (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ وقوفِ عرفات سے نکلنے کا مسنون وقت نو ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے کے بعد ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ، وَارْتَفِعُوْا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ، وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ، وَارْتَفِعُوْا عَنْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۳۰۱۲،کتاب المناسک، باب الموقف بعرفة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ پورا کا پورا وقوف کرنے کی جگہ ہے،اور تم بطنِ عرنہ سے الگ رہو،اور مزدلفہ پورا کا پورا وقوف کرنے کی جگہ ہے، اور تم بطنِ محسر (یعنی وادیٔ محسر) سے الگ رہو(ابن ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ بطنِ عرنہ نام کی جگہ میں وقوفِ عرفہ نہیں کرنا چاہیے، جس کی تفصیل آگے مسائل کے ضمن میں آتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَتٰى عَرَفَةَ، فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا، حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ

بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ، حَتّٰى إِذَا انْتَهٰى إِلٰى بَطْنِ الْوَادِي خَطَبَ النَّاسَ، ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے، یہاں تک کہ عرفہ کے میدان میں پہنچ گئے، آپ نے ایک خیمہ پایا جو مسجدِ نمرہ میں لگا دیا گیا تھا، آپ اس میں تشریف لے گئے، یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا، تو آپ نے قصواء اونٹنی کا حکم فرمایا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کجاوہ کَس دیا گیا۔

یہاں تک کہ آپ وادی کے درمیان میں تشریف لائے، لوگوں کو خطبہ دیا، پھر حضرت بلال نے اذان دی، پھر اقامت کہی، پھر ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اقامت کہی، پھر عصر کی نماز پڑھائی، اور دونوں نمازوں کے درمیان کوئی (نفل وسنت) نماز نہیں پڑھی (سنن نسائی)

اس سے معلوم ہوا کہ نو ذی الحجہ کو زوال سے پہلے عرفات کے میدان میں خیمہ وغیرہ میں آرام کر لینا چاہئے، اور زوال کے بعد امامِ وقت کو خطبہ دینا چاہئے، اور ظہر وعصر کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ اکٹھی پڑھانی چاہئے، اور اکٹھی پڑھنے کی صورت میں دونوں نمازوں کے درمیان سنت ونفل نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

ثُمَّ أَذَّنَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا.

ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى أَتَى الْمَوْقِفَ، فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ إِلَى الصَّخَرَاتِ، وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ

---

[1] رقم الحديث ۶۰۴، كتاب المواقيت، باب الجمع بين الظهر والعصر بعرفة.

يَدَيْهِ، وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيْلًا، حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ، وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ خَلْفَهٗ، وَدَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسلم) [1]

ترجمہ: پھر (میدانِ عرفات میں خطبہ کے بعد) اذان اور اقامت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی۔

پھر اقامت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان اور کوئی (نفل وسنت وغیرہ) نہیں پڑھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوکر وقوف کرنے کی جگہ میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصویٰ کا پیٹ پتھروں کی طرف کر دیا (جو کہ جبل رحمت کے دامن میں بچھے ہوئے تھے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حبلُ المشاہ کو اپنے سامنے لے کر قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوگئے اور آپ دیر تک کھڑے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا اور کچھ زردی جاتی رہی یہاں تک کہ سورج کی ٹکیہ غروب ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے اونٹنی پر سوار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل پڑے (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ میدانِ عرفات میں سورج غروب ہونے تک وقوف جاری رکھنا چاہئے، اور اس کے بعد وہاں سے چلنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مِنْ سُنَّةِ الْحَجِّ أَنْ يُّصَلِّيَ الْإِمَامُ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الْآخِرَةَ وَالصُّبْحَ بِمِنًى.

ثُمَّ يَغْدُوْ إِلٰى عَرَفَةَ فَيَقِيْلُ حَيْثُ قَضٰى لَهٗ حَتّٰى إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ

---

[1] رقم الحديث ١٢١٨ "١٤٧" كتاب الحج، باب حجة النبى صلى الله عليه وسلم.

خَطَبَ النَّاسَ، ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا، ثُمَّ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ، ثُمَّ يَفِيْضَ (صحيح ابن خزيمة) [1]

ترجمہ: حج کی سنت یہ ہے کہ امام (آٹھ ذی الحجہ کے دن) ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اور فجر کی نمازیں منیٰ میں پڑھے، پھر عرفات چلا جائے، پھر کچھ آرام کرے، جہاں اس کی ضرورت پوری ہو۔

پھر جب سورج کا زوال ہوجائے، تو لوگوں کو خطبہ دے، پھر ظہر اور عصر اکٹھی پڑھائے، پھر عرفات میں وقوف کرے، یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے، پھر وہاں سے چلے (ابنِ خزیمہ، حاکم)

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ لَّمْ يَقِفْ بِعَرَفَةَ، مِنْ لَيْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ، مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ، فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ.

وَمَنْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ، مِنْ لَيْلَةِ الْمُزْدَلِفَةِ قَبْلَ أَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ، فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ (الموطاامام مالک) [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے مزدلفہ کی رات میں بھی فجر کے طلوع ہونے سے پہلے وقوفِ عرفہ نہیں کیا تو اس کا حج فوت ہوگیا، اور جس نے مزدلفہ کی رات میں فجر طلوع ہونے سے پہلے وقوفِ عرفہ کرلیا تو اس نے حج کو پالیا (موطاامام مالک)

معلوم ہوا کہ وقوفِ عرفہ حج کا بڑا فریضہ ہے، جو مزدلفہ کی رات میں کرلینے سے بھی ادا ہوجاتا ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۲۸۰۰، كتاب المناسك، باب وقت الغدو من منى إلى عرفة، مستدرك حاكم، رقم الحديث ۱۶۹۵. قال الحاكم: هذا حديث على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.
وقال الاعظمى فى تعليق ابنِ خزيمة: اسناده صحيح.

[2] رقم الحديث ۱۴۵۵، كتاب الحج، باب وقوف من فاته الحج بعرفة.

نو ذی الحجہ اور وقوفِ عرفہ سے متعلق مسائل

احادیث وروایات کے بعد اب نو ذی الحجہ اور وقوفِ عرفہ کے سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر۱...... نو ذی الحجہ کو فجر کی نماز منیٰ میں پڑھ کر سورج طلوع ہونے کے بعد عرفات جانا سنت ہے، اگر کوئی اس سے پہلے جائے تب بھی گناہ نہیں، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔[1]

مسئلہ نمبر۲...... میدانِ عرفات کی طرف جاتے ہوئے سکون اور وقار کو اختیار کرنا اور تلبیہ اور تہلیل وتکبیر اور دیگر اذکار کرتے ہوئے جانا افضل ہے۔[2]

---

[1] عام حالات میں حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک عرفات میں قبل از وقت پہنچنا جائز مگر خلافِ اولیٰ ہے، اور مالکیہ نے وقوفِ عرفہ سے پہلے عرفات میں پہنچنے کو مکروہ اور شافعیہ نے خطاء اور سنت کے خلاف قرار دیا ہے۔

مگر آج کل ہجوم اور انتظامی مشکلات کی وجہ سے عرفات میں حجاجِ کرام کو پہلے پہنچا دیا جاتا ہے، تو چونکہ یہ عمل ضرورت ومجبوری کے تحت ہے، اس لئے مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

ز -دخول عرفات قبل وقت الوقوف :قال الإمام مالک :أكره للحجاج أن يتقدموا إلى عرفة قبل عرفة هم أنفسهم أو يقدموا أبنيتهم .وصرح الشافعية بأن دخول الحجاج أرض عرفات قبل وقت الوقوف خطأ وبدعة ومنابذة للسنة، وتفوتهم بسببه سنن كثيرة.

وقال الحنفية :يدفع الحاج إلى عرفات بعد صلاة الفجر يوم عرفة، وقالوا :هذا بيان الأولوية حتى لو ذهب قبل طلوع الفجر إليها جاز.

ونص الحنابلة على أنه يستحب للحاج أن يخرج إلى منى يوم التروية ويبيت بها، فإذا طلعت الشمس سار إلى عرفة، فأقام بنمرة ندبا حتى تزول الشمس، فمن خرج من منى إلى عرفة قبل طلوع الشمس لم يأت بالمستحب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص ۳۳۱، مادة ”يوم عرفة“مكروهات يوم عرفة)

أخبرنا مالک أخبرنا نافع :أن ابن عمر كان يصلى الظهر والعصر والمغرب والعشاء والصبح بمنى ثم يغدو إذا طلعت الشمس إلى عرفة

قال محمد :هكذا السنة فإن عجل أو تأخر فلا بأس إن شاء الله تعالى .وهو قول أبی حنيفة رحمه الله (موطا للمحمد،باب الحج عن الميت أو عن الشيخ الكبير)

[2] التوجه إلى عرفة وكيفية الوقوف بها :إذا كان صباح يوم التاسع من ذی الحجة يصلی الحاج صلاة الفجر فی منى، ثم يمكث إلى أن تطلع الشمس وتشرق على جبل ثبير، فإذا طلعت الشمس توجه إلى عرفات مع السكينة والوقار، ملبيا مهللا مكبرا، وهكذا من سائر الأذكار(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص ۳۳۲، مادة ”يوم عرفة“)

مسئلہ نمبر۳...... وقوفِ عرفہ، حج کا رکنِ اعظم اور سب سے بڑا فریضہ ہے، جس کے بغیر حج کسی طرح ادا نہیں ہوتا، اور اس کے فوت ہونے سے حج فوت ہو جاتا ہے۔

اور وقوفِ عرفہ سے مراد مخصوص زمانہ میں عرفات کے میدان میں موجود ہونا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... وقوفِ عرفہ صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یہ وقوف عرفات کی زمین یا عرفات کی حدود میں کیا جائے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وقوفِ عرفہ اپنے مقررہ وقت میں کیا جائے۔ [2]

مسئلہ نمبر۵...... حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک وقوفِ عرفہ کی ادائیگی اور اس کے صحیح ہونے کے لئے وقوفِ عرفہ کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک وقوفِ عرفہ کی نیت کر لینا مستحب ہے۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی حج کرنے والا شخص وقوفِ عرفہ کے وقت میں

---

[1] الركن الثانى :الوقوف بعرفة:

المراد من الوقوف بعرفة :وجود الحاج فى أرض (عرفة) بالشروط والأحكام المقررة.

والوقوف بعرفة ركن أساسى من أركان الحج، يختص بأنه من فاته فقد فاته الحج.

وقد ثبتت ركنية الوقوف بعرفة بالأدلة القاطعة من الكتاب والسنة والإجماع :أما القرآن فقوله تعالى :(ثم أفيضوا من حيث أفاض الناس) . فقد ثبت أنها نزلت تأمر بالوقوف بعرفة.

وأما السنة :فعدة أحاديث، أشهرها حديث :الحج عرفة.

وأما الإجماع :فقد صرح به عدد من العلماء ، وقال ابن رشد :أجمعوا على أنه ركن من أركان الحج، وأنه من فاته فعليه حج قابل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٤٩، مادة "حج")

[2] اور شافعیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ احرام والا شخص عبادت کا اہل ہو۔

شروط الوقوف بعرفة:للوقوف بعرفة باعتباره ركنا من أركان الحج شرطان متفق عليهما:

أحدهما :كون الوقوف فى أرض عرفات.

وللتفصيل فى معرفة حدود عرفة ينظر مصطلح (عرفات ف ٢).

الثانى :أن يكون الوقوف فى زمان الوقوف وهو اليوم التاسع من ذى الحجة وهو يوم عرفة، وليلة العاشر من ذى الحجة إلى طلوع الفجر، فمن طلع الفجر ولم يقف فى شىء من عرفة فقد فاته الحج.

وزاد الشافعية فى شروط الوقوف بعرفة أن يكون محرما أهلا للعبادة، فلا يكفى حضور غير الأهل لها كالمجنون والمغمى عليه والسكران إذا استغرق حالهم جميع وقت الوقوف .وقالوا :لكن يقع حج المجنون نفلا كالصبى الذى لا يميز فيبنى وليه بقية الأعمال(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٥ص٣١٧،وص٣١٨،مادة "يوم عرفة ")

بے ہوش ہو، تو اس کو بے ہوشی کی حالت میں وقوفِ عرفہ کرا دینے سے بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک اس کے وقوفِ عرفہ کی فرضیت ادا ہو جاتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۶ ...... وقوفِ عرفہ کی ادائیگی کی ابتداء حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک نو ذی الحجہ کے دن سورج کا زوال ہونے پر ہوتی ہے۔

جبکہ حنابلہ کے نزدیک وقوفِ عرفہ کی ابتداء نو ذی الحجہ کی طلوعِ فجر پر ہو جاتی ہے۔

اور وقوفِ عرفہ کی ادائیگی کا وقت تمام فقہائے کرام کے نزدیک دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر

---

[1] جو حج کرنے والا وقوفِ عرفہ کے وقت میں بیمار یا بے ہوش ہو، اور ہسپتال وغیرہ میں داخل ہو، وہاں کی انتظامیہ وقوفِ عرفہ کے وقت میں اس کو میدانِ عرفات میں لے جائے، تو اس طرح سے بھی وقوفِ عرفہ کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔

نية الوقوف بعرفة:

اختلف الفقهاء فى اشتراط النية للوقوف بعرفة:

فذهب الحنفية والمالكية والحنابلة والشافعية فى أصح الوجهين فى الجملة إلى أنه لا تشترط النية لصحة الوقوف بعرفة.

وصرح الكاسانى بصحة الوقوف، سواء نوى الوقوف عند الوقوف أو لم ينو، بخلاف الطواف.

وصرح الحنفية باستحباب النية للوقوف بعرفة .

ونص الحنابلة على أنه كيفما حصل الواقف بعرفة وهو عاقل أجزأه، قائما أو جالسا أو راكبا أو نائما، وإن مر بها مجتازا فلم يعلم أنها عرفة أجزأه أيضا.

وقالوا :لا يصح الوقوف من المجنون.

ولا يصح على الصحيح من المذهب وقوف السكران والمغمى عليه، وقيل :يصح، ويصح الوقوف مع نوم وجهل فى الأصح، وقيل :لا يصح منهما.

ونقل النووى عن الإمام الشافعي والأصحاب أن المعتبر فى الوقوف بعرفة الحضور فى جزء من عرفات ولو فى لحظة لطيفة بشرط كونه أهلا للعبادة، سواء حضرها عمدا أو وقف مع الغفلة والبيع والشراء والتحدث واللهو وفى حالة النوم، أو اجتاز فيها فى وقت الوقوف وهو لا يعلم أنها عرفات، فيصح وقوفه فى جميع هذه الصور ونحوها.

واستثنى المالكية من أصل عدم اشتراط النية لصحة الوقوف بعرفة المار بها بعد دفع الإمام، حيث يشترطون لصحة وقوفه أن ينوى الوقوف ويعلم بأنه مار على عرفة.

ويرى الشافعية فى وجه وجوب إفراد الوقوف بعرفة بالنية.

وقال أبو ثور:

لا يجزئه إلا إذا كان واقفا بإرادة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ص ۳۲۲، وص ۳۲۳،مادة "يوم عرفة")

پر ختم ہوتا ہے۔ [۱]

یعنی وقوفِ عرفہ کے فریضہ کی ادائیگی کا وقت پوری رات جاری رہتا ہے، اور دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر ہونے پر ختم ہوتا ہے۔ [۲]

---

[۱] وقت الوقوف بعرفة: الوقوف بعرفة ركن من أركان الحج، وقد اتفق الفقهاء على أن آخر وقت للوقوف بعرفة هو طلوع فجر يوم النحر (العاشر من ذى الحجة)
واختلفوا فى ابتداء وقت الوقوف بعرفة.
فذهب الحنفية والشافعية إلى أن أوله زوال شمس يوم عرفة.
وذهب مالك إلى أن وقت الوقوف هو الليل.
وذهب الحنابلة إلى أنه من طلوع فجر يوم عرفة إلى طلوع فجر يوم النحر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ص۳۱۸، مادة "يوم عرفة")

[۲] اور مالکیہ کے نزدیک وقوفِ عرفہ کی فرضیت کا وقت نو اور دس ذی الحجہ کی درمیانی رات ہے، جس نے اس رات کے کسی ایک جزو میں بھی وقوف نہ کیا، تو اس کا وقوف معتبر نہیں، البتہ نو ذی الحجہ کے دن میں وقوف واجب ہے، اس لئے عمداً بغیر عذر کے ترک کرنے سے دَم واجب ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک وقوفِ عرفہ کی فرضیت کا دورانیہ دیگر فقہائے کرام سے زیادہ طویل ہے، کہ ان کے نزدیک وقوفِ عرفہ کی فرضیت کا وقت نو ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے لے کر مکمل دن اور مکمل رات جاری رہ کر دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر پر ختم ہوتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باضابطہ وقوف زوال کے بعد فرمایا تھا، لہٰذا وقوف کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے۔

جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی حدیث ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ "وَقَفَ قَبْلَ ذٰلِکَ بِعَرَفَةَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا" اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیل ونہار دونوں میں وقوف کو معتبر قرار دیا، اور دیگر قولی احادیث میں بھی طلوعِ فجر سے قبل وقوف کرنے پر اتمامِ حج کو معلق فرمایا، اور قولی حدیث کو فعلی پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زوال کے بعد باضابطہ وقوف کا ذکر ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وقوف کا وقت اس سے پہلے شروع نہ ہوا ہو، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ زوال کے بعد وقوف کا افضل ومسنون وقت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقال ابن بطال: اختلفوا إذا دفع من عرفة قبل غروب الشمس ولم يقف بها ليلا، فذهب مالك إلى أن الاعتماد فى الوقوف بعرفة على الليل من ليلة النحر، والنهار من يوم عرفة تبع، فإن وقف جزأ من الليل أى جزء كان قبل طلوع الفجر من يوم النحر أجزأه، وقال أبو حنيفة والثورى والشافعى: الاعتماد على النهار من يوم عرفة من وقت الزوال والليل كله تبع، فإن وقف جزأ من النهار أجزأه، وإن وقف جزأ من الليل أجزأه، إلا أنهم يقولون: إن وقف جزأ من النهار بعد الزوال دون الليل كان عليه دم، وإن وقف جزأ من الليل دون النهار لم يجب عليه دم، وذهب أحمد بن حنبل إلى أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض لوگ زوال ہونے کے بعد آرام کرنے، کھانے پینے، استنجاء، وضو، غسل اور نماز وغیرہ سے فارغ ہوتے ہوتے کافی وقت اسی طرح نکال دیتے ہیں، اور آجکل عرفات میں ہجوم زیادہ ہونے کی وجہ سے استنجاء، وضو وغیرہ میں کافی وقت صرف ہوجاتا ہے، اور وقوفِ عرفہ کا کافی وقت اسی ادھیڑ بن میں خرچ ہوجاتا ہے، پھر بچے کھچے وقت میں وقوف کرتے ہیں، اس طریقے سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا اس قسم کے کاموں سے زوال سے پہلے فارغ ہوجانا چاہئے، تاکہ وقوف کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت میسر آسکے۔

مسئلہ نمبر ۷...... حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک وقوفِ عرفہ کا زمانہ دو قسموں پر مشتمل ہے۔

ایک قسم وہ ہے، جو وقوفِ عرفہ کے فرض کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ وقوفِ عرفہ کا وقت شروع ہونے سے لے کر ختم ہونے کے درمیان کے وقت میں کسی بھی ایک ساعت کے لئے وقوف کرلیا جائے، اس سے وقوفِ عرفہ کی فرضیت ادا ہوجاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الوقوف من حين طلوع الفجر من يوم عرفة إلى طلوع الفجر من ليلة النحر، فسوى بين أجزاء الليل وأجزاء النهار(عمدة القارى، ج۱۰ ص۵، كتاب الحج، باب الوقوف بعرفة)

وقت الوقوف بعرفة: يبدأ وقت الوقوف بعرفة من زوال الشمس يوم عرفة -وهو تاسع ذى الحجة- ويمتد إلى طلوع الفجر الصادق يوم عيد النحر حتى لو وقف بعرفة فى غير هذا الوقت كان وقوفه باطلا اتفاقا فى الجملة.

وقد أجمعوا على أن آخر وقت وقوف عرفة هو طلوع الفجر يوم النحر.

أما ابتداء وقت الوقوف بعرفة فقد وقع فيه اختلاف:

ذهب الجمهور (الحنفية والشافعية) على أن أوله زوال شمس يوم عرفة.

وذهب مالك: إلى أن وقت الوقوف هو الليل، فمن لم يقف جزءا من الليل لم يجزء وقوفه وعليه الحج من قابل، وأما الوقوف نهارا فواجب ينجبر بالدم بتركه عمدا بغير عذر.

وعند الحنابلة: وقت الوقوف من طلوع الفجر يوم عرفة إلى طلوع الفجر من يوم النحر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۴۹، مادة "حج")

[1] اور حنابلہ کے نزدیک دوسرے فقہائے کرام کے مقابلہ میں یہ سہولت بھی ہے کہ اگر کوئی حج کرنے والا شخص نو ذی الحجہ کو طلوعِ فجر کے بعد اور زوال سے پہلے کسی بھی وقت عرفات کے میدان میں پہنچ جائے، اور زوال سے پہلے ہی عرفات سے نکل جائے، اور پھر واپس بھی لوٹ کر نہ آئے، تو اس کے وقوفِ عرفہ کا فریضہ ادا ہوجاتا ہے، اگرچہ اس پر دَم واجب کیوں نہ ہوجاتا ہو۔

اور حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک وقوفِ عرفہ کی دوسری قسم وہ ہے، جو کہ وقوفِ عرفہ کی ادائیگی کے لئے واجب ہے، اور وہ دن اور رات کے کچھ حصہ کو جمع کرنا ہے، یعنی وقوفِ عرفہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے شروع کر کے سورج غروب ہونے تک جاری رکھنا وقوفِ عرفہ کے واجبات میں سے ہے، اور عرفات میں سورج غروب ہونے کے بعد ایک لمحہ کے لئے ٹھہرنا واجب ہے، جس کی خلاف ورزی پر ان حضرات کے نزدیک دَم واجب ہے۔ [1]

---

[1] حنفیہ کے نزدیک سورج غروب ہونے تک وقوف کا یہ امتداد، واجباتِ غیر اصلیہ میں داخل ہے، یعنی یہ بذاتِ خود حج کے واجبات میں سے نہیں، بلکہ وقوفِ عرفہ کے واجبات میں سے ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک وقوفِ عرفہ کی رکنیت کا زمانہ رات ہے، اور دن کا وقت وجوب میں داخل ہے۔

جبکہ شافعیہ کے نزدیک معتمَد یہ ہے کہ رات اور دن کو عرفہ میں جمع کرنا سنت ہے، واجب نہیں، اور نو ذی الحجہ کے زوال سے لے کر دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر کے درمیان جس وقت میں بھی وقوفِ عرفہ کر لیا جائے تو وقوفِ عرفہ کا فرض وواجب ادا ہو جاتا ہے، اور دَم واجب نہیں ہوتا، وهو الراجح عندي۔

واجب الوقوف بعرفة: هو الجمع بين الليل والنهار لمن وقف بها نهارا، بأن يستمر إلى أن تغرب الشمس عند الحنفية والحنابلة على الصحيح من المذهب ومقابل الصحيح عند الشافعية.

ويرى الشافعية في الصحيح والإمام أحمد في رواية عنه أنه سنة.

ويرى المالكية أنه يجب الوقوف بعرفة نهارا، أما الوقوف بعرفة ليلا ولو لحظة فهو ركن.

وقال الشافعية: من لم يواف عرفة إلا ليلا فيجزئه الوقوف ولو لحظة في بعض جوانبها، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: من جاء ليلة جمع قبل طلوع الفجر فقد أدرك الحج. ولا دم عليه، لأن النبي صلى الله عليه وسلم ذكر أنه يدرك الحج وأنه قد تم حجه وقضى تفثه، ولم يذكر أن عليه دما، وتأخير البيان عن وقت الحاجة لا يجوز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ص۳۱۸، مادة "يوم عرفة")

الزمن الذي يستغرقه الوقوف: أما الزمن الذي يستغرقه الوقوف ففيه تفصيل:

قسم الحنفية والحنابلة زمان الوقوف إلى قسمين:

أ - زمان الركن: الذي تتأدى به فريضة الوقوف بعرفة: وهو أن يوجد في عرفة خلال المدة التي عرفناها عند كل، ولو زمانا قليلا جدا.

ب - زمان الواجب: وهو أن يستمر من وقف بعد الزوال إلى أن تغرب الشمس، فلا يجاوز حد عرفة إلا بعد الغروب، ولو بلحظة. وهو المقصود بقولهم: أن يجمع بين الليل والنهار بعرفة. فلو فارق عرفة قبل الغروب وجب عليه دم عند الجمهور، أما إذا لم يقف بعرفة إلا بعد المغرب فلا شيء عليه.

وأما المالكية فزمان الركن عندهم هو الوقوف ليلا، أما نهارا فواجب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... اگر کسی نے دن کے وقت یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے وقوفِ عرفہ کیا، پھر وہ شخص میدانِ عرفات سے سورج غروب ہونے سے پہلے نکل گیا، اور واپس لوٹ کر نہیں آیا، تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کے وقوفِ عرفہ کا رکن وفرض تو ادا ہو گیا، لیکن دن کے حصہ کے ساتھ رات کے حصہ کو شامل نہ کرنے یا دوسرے لفظوں میں سورج غروب ہونے کے بعد کے کچھ وقت کا وقوف ترک ہو جانے کی وجہ سے اس پر دَم واجب ہوگا۔

لیکن شافعیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس پر دَم واجب نہیں ہوگا، البتہ اختلاف سے بچنے کے لئے دَم ادا کر دینا مستحب ہے، کیونکہ شافعیہ کے نزدیک رات یعنی سورج غروب ہونے کے بعد کا کچھ وقت وقوف میں شامل کر لینا صرف سنت ہے، کیونکہ شافعیہ کے بقول اس کے فرض یا واجب ہونے کی کوئی معقول دلیل نہیں۔

اور مالکیہ کے نزدیک اس کا حج فوت ہو جاتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک غروب کے بعد ایک ساعت کے لئے وقوف کرنا فرض اور رکن درجہ رکھتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما الشافعية :فالمعتمد عندهم أن الجمع بين الليل والنهار بعرفة سنة ليس واجبا، لكن يستحب له بتركه الفداء استحبابا، وفى أى وقت وقف بعرفة من بعد الزوال إلى فجر يوم النحر أجزأه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٤٩، وص ٥٠، مادة "حج")

ثانيا :واجبات الوقوف بعرفة :هى امتداد الوقوف إلى ما بعد المغرب على تفصيل المذاهب، سوى الشافعية فإنه سنة عندهم .وقال المالكية :الوقوف بعد المغرب هو الركن، وقبله واجب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٥٩، مادة "حج")

[1] وهنا مسائل أبرزها الفقهاء وبينوا حكمها:

المسألة الأولى :إذا جاوز عرفة قبل غروب الشمس ولم يعد إليها، فقد اختلف الفقهاء فى حكمه ولهم ثلاثة آراء :

الرأى الأول :يرى الحنفية والحنابلة والشافعية فى قول أنه يجب عليه دم لتركه الواجب، كما لو ترك غيره من الواجبات، إذ أنه ترك نسكا فعله النبى صلى الله عليه وسلم وهو الجمع بين الليل والنهار، والأصل فى ترك النسك إيجاب الدم إلا ما خرج بدليل.

الرأى الثانى :يرى الشافعية فى المذهب أنه يستحب له أن يريق دما استحبابا خروجا من خلاف من أوجبه. الرأى الثالث :يرى المالكية أنه قد فاته الحج، لأن الوقوف بعرفة ساعة بعد الغروب ركن لا ينجبر بالدم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٥ص٣١٨،وص٣١٩،مادة "يوم عرفة")

مسئلہ نمبر۹...... اگر کسی نے دن کے وقت یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے وقوفِ عرفہ کیا، لیکن وہ شخص میدانِ عرفات سے سورج غروب ہونے سے پہلے نکل گیا، اور پھر سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات کے میدان میں لوٹ کر آ گیا، اور سورج غروب ہونے کے بعد تک میدانِ عرفات میں رہا، اور سورج غروب ہونے کے بعد حسبِ معمول میدانِ عرفات سے نکلا۔

تو حنفیہ کے صحیح تر قول کے مطابق اور دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں اس کا دَم ساقط ہوجاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۰...... اگر کسی نے دن کے وقت یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے وقوفِ عرفہ کیا، لیکن وہ شخص میدانِ عرفات سے سورج غروب ہونے سے پہلے نکل گیا، اور پھر سورج غروب ہونے کے بعد عرفات کے میدان میں لوٹ کر آیا، تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر واجب شُدہ دَم ساقط نہیں ہوگا۔

---

[1] المسألة الثانية:

إذا جاوز عرفة، ثم عاد إليها قبل غروب الشمس، فقد اختلف الفقهاء في حكمه:

فيرى الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة أنه إذا عاد إلى عرفة قبل الغروب فلا دم عليه، لأنه جمع بين الليل والنهار، غير أن الحنفية قالوا :إنه إذا عاد إليها قبل الغروب قبل أن يدفع الإمام سقط عنه الدم، لأنه استدرك المتروك، إذ جمع بين الليل والنهار، وعند زفر لا يسقط.

أما إن عاد إلى عرفة قبل غروب الشمس بعدما خرج الإمام من عرفة فقد ذكر الكرخي أنه يسقط عنه الدم أيضا، وكذا روى ابن شجاع عن أبي حنيفة أن الدم يسقط عنه أيضا.

وذكر في الأصل أنه لا يسقط عنه الدم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۱۸، وص۳۱۹،مادة "يوم عرفة")

وإن عاد إلى عرفة قبل الغروب ثم دفع الإمام والقوم بعد الغروب سقط عنه الدم وقال زفر لا يسقط كما في مجاوزة الميقات.وإن عاد إلى عرفة بعد الغروب لا يسقط الدم بالإجماع(تحفة الفقهاء، ج۱ ص۴۰۶، باب الاحرام)

فإن عاد قبل الغروب سقط عنه الدم على الصحيح وإن عاد بعد الغروب لا في ظاهر الرواية كما في الجوهرة(مجمع الانهر، ج۱ ص۲۹۴، باب الجنايات في الحج)

وأفاد أنه لو عاد قبل الغروب يسقط الدم على الأصح بالأولى كما في البحر فافهم(ردالمحتار، ج۲ ص۵۵۲، باب الجنايات في الحج)

اور مالکیہ کے نزدیک اور شافعیہ کے اصح قول کے مطابق اس پر دَم واجب نہیں ہوگا۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۱...... اگر کسی نے غلطی سے میدانِ عرفات کے علاوہ کسی اور جگہ کو میدانِ عرفات کا حصہ سمجھ کر وقوف کرلیا، تو اس سے، اس کے وقوفِ عرفہ کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔ [2]

---

[1] کیونکہ شافعیہ کے نزدیک رات اور دن کے کسی بھی وقت میں وقوف کرنے سے واجب ادا ہوجاتا ہے، جو مذکورہ صورت میں پایا جارہا ہے، اور مالکیہ کے نزدیک رات کے ایک جزو میں وقوف فرض ہے، جو کہ مذکورہ صورت میں پایا جارہا ہے۔

اوراوپر متن میں جو حنفیہ کا قول ذکر کیا گیا، وہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ہے، جبکہ ابنِ شجاع کی امام ابوحنیفہ سے غیر ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں اس کا دَم ساقط ہوجاتا ہے، قدوری نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، جس کی وجہ سے اگر کوئی حنفی معذوری میں ایسا کرے، اور دَم ادا کرنا متعذر ہو تو اس کو اس روایت پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔

المسألة الثالثة :إذا جاوز عرفة ثم عاد إليها بعد غروب الشمس:

فيرى الحنفية والحنابلة والشافعية في مقابل الأصح أنه لا يسقط عنه الدم، لأنه لما غربت الشمس عليه قبل العود، فقد تقرر عليه الدم الواجب، فلا يحتمل السقوط بالعود؛ لأن النسك الوارد هو الجمع بين آخر النهار وأول الليل وقد فاته.

ويرى المالكية والشافعية في الأصح أنه لا دم عليه؛ لأنه جمع بين الليل والنهار، وصحح في المجموع القطع به(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ص ۳۱۹،مادة "يوم عرفة ")

(وإن عاد إلى عرفة بعد غروب الشمس لا يسقط عنه الدم في ظاهر الرواية) وروى ابن شجاع عن أبي حنيفة أنه يسقط عنه الدم لأنه استدرك ما فاته؛ لأن الواجب عليه الإفاضة بعد الغروب وقد أتى به، فكان كمن جاوز الميقات حلالا ثم عاد إلى الميقات وأحرم .وجه الظاهر ما ذكره في الكتاب أن المتروك لا يصير مستدركا؛ معناه أن المتروك سنة الدفع مع الإمام وذلك ليس بمستدرك بعوده وحده لا محالة(العناية شرح الهداية،باب الجنايات في الحج)

إذا عاد بعده فظاهر الرواية عدم السقوط .وصحح القدوري رواية ابن شجاع عن الإمام أنه يسقط (ردالمحتار، ج۲ص ۵۵۲، باب الجنايات في الحج)

[2] اور اگر مکان کے بجائے زمان میں خطا ہوئی، تو اگر خطا تاخیر میں ہوئی، بایں طور کہ لوگوں نے جس دن وقوف کیا، وہ نو ذی الحجہ کے بجائے دس ذی الحجہ ثابت ہوئی، تو حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک وقوفِ عرفہ درست ہوجائے گا، کیونکہ اب تلافی ناممکن ہے، اس لئے دفعِ حرج کی بناء پر وقوفِ عرفہ درست قرار دیا جائے گا۔

اور اگر خطا تقدیم میں ہوئی، بایں طور کہ لوگوں نے جس دن وقوف کیا، وہ نو ذی الحجہ کے بجائے آٹھ ذی الحجہ ثابت ہوئی، تو حنفیہ، مالکیہ کے نزدیک اور شافعیہ کے اصح قول کے مطابق وقوفِ عرفہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ ابھی تلافی کی صورت ممکن ہے، جبکہ حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے غیر اصح قول کے مطابق اور بعض مالکیہ کے مطابق وقوفِ عرفہ درست ہوجائے گا، کیونکہ دوبارہ وقوف کا مکلّف کرنے میں حرج پایا جاتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر کسی نے حج کا احرام باندھ لیا تھا، مگر وہ وقوفِ عرفہ نہیں کرسکا، خواہ جان بوجھ کر ایسا کیا ہو، یا بھول کر یا مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے، یا کسی اور عذر سے، اور اب وقوفِ عرفہ کا وقت بھی ختم ہو چکا ہے، یعنی دس ذی الحجہ کے دن کی طلوعِ فجر ہو چکی ہے، تو اس کا حج فوت ہوگیا، اب اس کو احرام سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ عمرہ کرکے احرام سے نکل جائے، اور آئندہ سالوں میں اس حج کو قضاء کرے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الخطأ فی الوقوف بعرفة لا یخلو :إما أن یکون فی المکان وإما أن یکون فی الزمان.
فإن کان الخطأ فی المکان بحیث وقف الحجیج بغیر أرض عرفة فإن وقوفهم لا یجزء باتفاق الفقهاء ، فیلزمهم القضاء سواء کانوا جمعا کثیرا أو قلیلا.
وأما إن کان الخطأ فی الزمان فإنه لا یخلو إما أن یکون فی التقدیم وإما أن یکون فی التأخیر .فإن کان الخطأ فی التأخیر بأن أخطأ الناس جمیعا فوقفوا فی العاشر "یوم النحر، ففیه رأیان:
الأول :ذهب جمهور الفقهاء الحنفیة فی الاستحسان والمالکیة والشافعیة والحنابلة إلی أن وقوفهم صحیح لقول النبی صلی الله علیه وسلم الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والأضحی یوم تضحون،وقوله :عرفة یوم تعرفون،وقوله وحجکم یوم تحجون.
فقد جعل النبی صلی الله علیه وسلم وقت الوقوف أو الحج هو وقت تقف أو تحج فیه الناس.
الرأی الثانی :وهو مقتضی القیاس عند الحنفیة عدم إجزاء الوقوف فی هذه الحالة لأن الناس وقفوا فی غیر وقت الوقوف فلا یجوز، کما لو تبین أنهم وقفوا یوم الترویة، وأی فرق بین التقدیم والتأخیر.
أما إذا کان الخطأ فی التقدیم بأن أخطأ الناس جمیعا فوقفوا یوم الثامن (یوم الترویة) فقد اختلف الفقهاء فی إجزاء وقوفهم:
فذهب الحنفیة والمالکیة فی المذهب والشافعیة فی الأصح إلی عدم إجزاء الوقوف فی هذا الیوم، لأنه خطأ غیر مبنی علی دلیل رأسا فلم یعذروا فیه .ولأن الغلط بالتقدیم یمکن الاحتراز عنه.
وذهب الحنابلة والشافعیة فی مقابل الأصح -قال فی البیان :وعلیه الأکثرون -وبعض المالکیة إلی إجزاء وقوفهم لحدیث یوم عرفة الیوم الذی یعرف الناس فیه ،ولحدیث الفطر یوم تفطرون، والأضحی یوم تضحون.
واستدلوا کذلک بقیاس التقدیم والتأخیر(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۵ص ۳۱۹ الیٰ ۳۲۱،مادة "یوم عرفة")

[۱] هـ -التدارک فی وقوف عرفة :لو ترک الحاج الوقوف بعرفة عمدا أو نسیانا أو جهلا حتی طلع فجر یوم النحر لم یصح حجه، فلا یمکن التدارک بعد ذلک، وعلیه أن یحل بعمرة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة،ج ۱۱ ،ص۱۰۷ ، مادة "تدارک")

مسئلہ نمبر۱۳۱...... وقوفِ عرفہ کی ادائیگی کے لئے میدانِ عرفات کی کوئی خاص جگہ متعین نہیں، بلکہ میدانِ عرفات کی حدود میں جس جگہ بھی وقوف کرلیا جائے، تو وہ بغیر کسی کراہت کے درست ہوجاتا ہے، جبکہ کسی کو ایذاء و تکلیف نہ پہنچائی جائے، مثلاً لوگوں کے گزرنے والی جگہ میں پڑاؤ نہ ڈالا جائے۔ [1]

البتہ بطنِ عرنہ جسے وادیٔ عرنہ بھی کہا جاتا ہے، میں وقوف کرنا معتبر نہیں، کیونکہ یہ جگہ عرفات کی حدود سے باہر ہے۔ [2]

بعض لوگ عرفات کے میدان میں راستہ کے درمیان وقوف کے لئے اپنا ٹھکانا بنالیتے ہیں جس سے آنے جانے والے حضرات کو دِقّت اور تکلیف پیش آتی ہے، اور کسی کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں، لہٰذا راستہ سے ہٹ کر وقوف کرنا چاہئے۔

اسی طرح وقوفِ عرفات کے لئے مسجدِ نمرہ میں وقوف کرنا یا وہاں جاکر نماز ادا کرنا ضروری نہیں، جیسا کہ بعض لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہیں، اور اس کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ اپنے مخصوص و متعین خیمہ سے نکل کر مسجدِ نمرہ تک پہنچنے اور وہاں سے واپس اپنے خیمہ میں آنے میں بہت سا وقت خرچ ہوجاتا ہے، اور پیدل آنے جانے میں کافی تکان

---

[1] وينـزل مـع الـنـاس حيث شـاء ،إلا الطريق، وقرب الجبل أفضل، هذا عند الحنفية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص ۳۳۲، مادة "يوم عرفة")

[2] شنید ہے کہ مسجدِ نمرہ سے متصل قبلہ کی طرف بطنِ عرنہ ہے، اور آج کل توسیع کے بعد مسجدِ نمرہ کا کچھ حصہ بھی بطنِ عرنہ میں داخل ہے، جہاں مخصوص نشان وعلامت قائم ہے۔

ذهـب جمهور الفقهاء :إلى أن عرنة، ويقال :بـطـن عرنة ليس من عرفة ولا يجزء الوقوف فيه، قال ابن عبد البر :أجـمـع العلماء على أن من وقف فيه لا يصح وقوفه ولا يجزء .وجـاء في المجموع: وادى عـرنة ليس من عرفات، لا خلاف فيه .نـص عـليه الشافعي، واتفق عليه الأصحاب، واستدلوا بـقـولـه صـلى الله عليه وسلم كل عرفات موقف، وارفعوا عن بطن عرنة ؛ ولأن الواقف فيه لم يقضه بعرفة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰، ص ۶۵، مادة " عرنة ")

وعرفات كلها موقف إلا بطن عرنة (هداية، ج ۱، ص ۱۴۲، كتاب الحج، باب الاحرام)

(قـولـه إلا بطن عرنة) فـلا يـصـح الـوقـوف بـهـا على المشهور (ردالمحتار، ج۲، ص۵۰۳، كتاب الحج، فصل فى الإحرام وصفة المفرد، مطلب فى الرواح إلى عرفات)

بھی ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے وقوف اور حج کے دوسرے اعمال میں کمزوری کا خدشہ ہے) نیز بعض لوگ راستہ بھول جانے کی وجہ سے اپنے خیموں تک نہیں پہنچ پاتے، جس میں ساتھیوں اور اپنے آپ کے پریشان ہونے اور سامان وغیرہ کے گم ہو جانے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، اور عام طور پر یکسوئی ودلجمعی نہیں رہتی کہ دل اپنے سامان یا ساتھیوں کی طرف اٹکا رہتا ہے، پس ان تمام پریشانیوں اور خرابیوں سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ اپنے اپنے خیموں میں رہ کر یکسوئی ودلجمعی کے ساتھ وقوف کیا جائے۔

مسئلہ نمبر ۱۴۲...... اگر بسہولت ممکن ہو، اور دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے، تو عرفات کے میدان میں جبلِ رحمت (نامی پہاڑ) کے قریب میں وقوف کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، اور یہ فضیلت جبلِ رحمت کے صرف قریب وقوف کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے، جبلِ رحمت کے اوپر چڑھنے کی ضرورت نہیں، جیسا کہ بعض ناواقف لوگ ایسا کرتے ہیں، اور وہ جبلِ رحمت پہاڑ کے اوپر چڑھنے کو ثواب سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کی کچھ اصل نہیں۔

آج کل ہجوم نیز حکومت کی طرف سے انتظامی معاملات کی وجہ سے جبلِ رحمت کے قریب وقوف کرنا مشکل ہوتا ہے، اور حجاجِ کرام کے لئے اپنے اپنے خیمے مختص کئے جاتے ہیں، اس لئے جبلِ رحمت کے قریب پہنچنے کے لئے زیادہ جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں۔ [1]

---

[1] والأفضل أن ينزل قرب جبل الرحمة، ويحاول أن يكون فى موقف النبى صلى الله عليه وسلم. وهذا إن تيسر من غير ضرر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص ۳۳۲، مادة "يوم عرفة")

ز -مكان الوقوف :يسن عند الحنفية والشافعية ويستحب عند المالكية والحنابلة أن يقف قرب جبل الرحمة عند الصخرات الكبار السود المفروشة عند أسفل الجبل، فذلك وصف مكان وقوفه صلى الله عليه وسلم، وإن تعذر أن يقرب منه فبحسب الإمكان.

ولا يشرع صعود الجبل إجماعا، قاله تقى الدين ابن تيمية.

قال النووى :وأما ما اشتهر عند العوام من الاعتناء بالوقوف على جبل الرحمة الذى بوسط عرفات، وترجيحهم له على غيره من أرض عرفات، حتى ربما توهم كثير من جهلتهم أنه لا يصح الوقوف إلا به -فخطأ مخالف للسنة، ولم يذكر أحد ممن يعتمد عليه فى صعود الجبل فضيلة، إلا أبو جعفر محمد بن جرير الطبرى، فإنه قال :يستحب الوقوف عليه، وكذا قال أبو الحسن الماوردى البصرى صاحب الحاوى من أصحابنا :يستحب أن يقصد هذا الجبل الذى يقال له جبل الدعاء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص ۳۲۶، وص۳۲۷، مادة "يوم عرفة")

مسئلہ نمبر ۱۵...... وقوفِ عرفہ کا وقت نو ذی الحجہ کے دن زوال کے بعد شروع ہو جاتا ہے، اور زوال کے بعد جلد ظہر کی نماز پڑھ کر ذکر واذکار وغیرہ میں مشغول ہو جانا بہتر ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۶...... میدانِ عرفات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی دونوں نمازوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر کی نماز کے وقت میں اکٹھا بغیر کسی فاصلہ کے ادا فرمایا تھا، اور دونوں نمازوں کے درمیان میں کوئی سنت ونفل نماز نہیں پڑھی تھی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر میدانِ عرفات میں جماعت سے نماز پڑھی جائے، اور امامت کے فرائض امیرِ حکومت انجام دے، تب تو دونوں نمازوں کو ظہر کی نماز کے وقت میں اکٹھا پڑھا جانا سنت ہے، ضروری پھر بھی نہیں، اور ان میں سے کوئی شرط موجود نہ ہو، تو ظہر اور عصر کو اپنے اپنے وقتوں میں الگ الگ پڑھنا ضروری ہے۔ [2]

---

[1] جبکہ حنابلہ کے نزدیک وقوفِ عرفہ کی ادائیگی کا وقت نو ذی الحجہ کی طلوعِ فجر پر ہو جاتا ہے، جیسا کہ تفصیلاً پہلے گزر چکا۔

التعجيل في الوقوف :اتفق الفقهاء على أنه إذا فرغ الناس من صلاتي الظهر والعصر، فإن السنة أن يسيروا في الحال إلى الموقف ويعجلوا المسير .قال النووي :هذا التعجيل مستحب بالإجماع. لحديث سالم بن عبد الله بن عمر رضي الله عنهم قال " :كتب عبد الملك بن مروان إلى الحجاج :أن لا يخالف ابن عمر في الحج .فجاء ابن عمر رضي الله عنهما وأنا معه يوم عرفة حين زالت الشمس، فصاح عند سرادق الحجاج، فخرج وعليه ملحفة معصفرة، فقال :ما لك يا أبا عبد الرحمن؟ فقال :الرواح إن كنت تريد السنة .قال :هذه الساعة؟ قال :نعم، قال :فأنظرني حتى أفيض على رأسي ثم أخرج .فنزل حتى خرج الحجاج، فسار بيني وبين أبي، فقلت :إن كنت تريد السنة فاقصر الخطبة وعجل الوقوف .فجعل ينظر إلى عبد الله، فلما رأى ذلك عبد الله قال: صدق "(الموسوعة الفقهية الكويتية ،ج۴۵، ص۳۲۵، وص ۳۲۶،مادة "يوم عرفة")

[2] اتفقوا على مشروعية الجمع بين صلاتي الظهر والعصر في عرفة جمع تقديم، بأن يصليهما في وقت الظهر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷ ص ۱۱۳، مادة "صلاة")

واشترط الحنفية للجمع بين صلاتي الظهر والعصر بعرفة -أي تقديم العصر على وقتها وأدائها في وقت الظهر -شرائط:

منها :أن تكون مرتبة على ظهر جائز استحسانا، فلو صلى الظهر قبل الزوال على ظن أن الشمس نزلت، والعصر بعده، أعاد الخطبة والصلاتين استحسانا.

ومنها :الوقت، وهو أن يكون يوم عرفة، والمكان، وهو عرفات.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ امام ابو یوسف ،امام محمد ،امام مالک ، امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک امیرِ حکومت کی اقتداء میں یا امیرِ حکومت کے علاوہ کسی اور کی اقتداء میں یا تنہاء نماز پڑھنے کی صورت میں بہرصورت حج کرنے والے کو میدانِ عرفات میں دونوں نمازوں کو جمع کرکے پڑھنا سنت ہے۔

اور اگر کوئی دونوں نمازوں کو اپنے اپنے وقتوں میں پڑھے، تو بھی اداء ہوجاتی ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومنها :إحرام الحج .قالوا :ينبغي أن يكون محرما بالحج عند أداء الصلاتين، حتى لو كان محرما بالعمرة عند أداء الظهر ومحرما بالحج عند أداء العصر لا يجوز له الجمع، كذا في فتاوى قاضي خان .ثم لا بد من الإحرام بالحج قبل الزوال في رواية، تقديما للإحرام على وقت الجمع، وفي رواية أخرى يكتفي بالتقديم على الصلاة، لأن المقصود هو الصلاة .وهو الصحيح.

ومنها :الجماعة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وعند الصاحبين ليست بشرط، فمن صلى الظهر وحده في رحله صلى العصر في وقته عند أبي حنيفة .وقالا :يجمع بينهما المنفرد .وفي الفتاوى الهندية :والصحيح قول أبي حنيفة .ولو فاتتاه مع الإمام أو فاتته واحدة منهما صلى العصر لوقته، ولا يجوز له تقديم العصر على قول أبي حنيفة.

ومنها :أن يكون الإمام هو الإمام الأعظم أو نائبه، وهو شرط عند أبي حنيفة .فلو صلى الظهر بجماعة لا مع الإمام، والعصر مع الإمام، لم يجز العصر عند أبي حنيفة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵،ص ۳۲۵،مادة "يوم عرفة")

[1] البتہ عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرنے یعنی اس جمع بین الصلاتین کا سبب اس کا نُسُکِ حج ہونا ہے، یا سفر ہونا ہے؟

اس میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔

حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے مشہور قول کے مطابق عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرنے کا سبب حج کا نسک ہونا ہے، اور شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ اس جمع بین الصلاتین کا سبب سفر ہے۔

لہٰذا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو جمع بین الصلاتین کی یہ اجازت صرف ایسے حجاجِ کرام کو ہوگی، جو نو ذی الحجہ کے دن مسافر ہوں، جبکہ دیگر فقہائے کرام نزدیک مسافر اور غیر مسافر دونوں قسم کے حاجیوں کو ہوگی، مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مندرجہ بالا شرائط بھی ہوں گی۔

يسن أن يجمع الحاج بين صلاتي الظهر والعصر تقديما، في وقت الظهر، بأذان وإقامتين، اتباعا للسنة التي فعلها النبي صلى الله عليه وسلم .والمشهور عند المالكية أن الجمع بأذانين :أذان للظهر وأذان للعصر .وذهب الجمهور :الحنفية في المذهب والمالكية والشافعية في وجه والحنابلة في المذهب أن هذا الجمع من مناسک الحج المسنونة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگرچہ حنفیہ کا فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر ہے، لیکن امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ بھی حنفیہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کا قول جمہور فقہائے کرام کے مطابق ہے، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ اور جلیل القدر تابعین حضرت عطاء اور حضرت طاووس کا بھی یہی قول ہے۔

اس لئے ہماری ذاتی دیانت دارانہ رائے کے مطابق اگر جمہور فقہائے کرام کے قول پر عمل کرتے ہوئے کچھ حجاجِ کرام اپنے خیموں میں نماز باجماعت، یا تنہاء نماز پڑھنے کی صورت میں جمع بین الصلاتین کریں، تو ان کی نماز کو بھی درست قرار دیا جائے گا، اور ان کی نماز کو باطل قرار دینا درست نہیں ہوگا، جیسا کہ آج کل اس مسئلہ میں غلو کیا جاتا ہے، اور میدانِ عرفات میں ایک دوسرے پر فتوے بازی اور بحث مباحثہ کا بازار گرم نظر آتا ہے، مجتہَد فیہ فروعی مسائل میں اتنا تشدُّد ہمارے نزدیک مناسب نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفي الأصح عند الشافعية أن هذا الجمع ليس من مناسك الحج المسنونة، بل هو من قبيل رخصة الجمع بين الصلاتين في السفر، لذلك اشترطوا فيه شروط السفر . وبهذا يقول بعض الحنابلة، منهم القاضي وأبو الخطاب وابن عقيل.

وذهب الشافعية في وجه ثالث إلى أن سبب الجمع هو أصل السفر، فيجوز للمكي ولا يجوز لأهل عرفة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵، ص۳۲۴، مادة "يوم عرفة"، الجمع بين الصلاتين يوم عرفة)

[1] عن نافع ، عن ابن عمر ، أنه كان إذا فاتته الصلاة مع الإمام بعرفة ، جمع بين الظهر والعصر في رحله (مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث، ۱۴۲۳۴، كتاب المناسك، في الرجل يصلي بعرفة في رحله، ولا يشهد الصلاة مع الإمام)

عن عطاء ، قال :إذا صليت في رحلك ، فإن شئت فاجمع بينهما ، وإن شئت فصل كل واحدة منهما لوقتها(ايضاً، رقم الحديث ۱۴۲۳۶)

عن ابن طاووس ، عن أبيه ، قال :ما صلى أبي قط مع الإمام بعرفة ، وكان يجمع بينهما ، وكان يتطوع بينهما ، وكان يفعل ذلك من الجند حتى يأتي مكة(ايضاً، رقم الحديث ۱۴۲۳۷)

(فإن صلى مع الإمام صلى الظهر والعصر بأذان وإقامتين في وقت الظهر) فقد تواتر النقل عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بالجمع بينهما .وروى جابر بأذان وإقامتين...... فلا يشرعون مع الإمام، ولا يتطوع بين الصلاتين لأن العصر إنما قدمت ليتفرغ إلى الوقوف، فالتطوع بينهما يخل به.قال: (وإن صلى وحده صلى كل واحدة في وقتها) وقال أبو يوسف ومحمد :يجمع بينهما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۷...... عرفات کے میدان میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنے کی صورت میں جمہور فقہائے کرام کے نزدیک ظہر اور عصر کی نمازوں کے درمیان سنت و نفل نماز پڑھنا یا کوئی اور عمل مثلاً کھانا پینا مکروہ ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المنفرد؛ لأن جوازه ليتفرغ للوقوف ويمتد وقته والكل فى ذلك سواء .
ولأبى حنيفة أن تقديم العصر على خلاف الأصل؛ لأن الأصل أداء كل صلاة فى وقتها، لكن خالفناه فيما ورد به الشرع، وهو الإمام فى الصلاتين، والإحرام بالحج قبل الزوال، وفيما عداه بقى على الأصل(الاختيار لتعليل المختار، كتاب الحج،فصل دخول مكة)
(وقالا :يجمع بينهما المنفرد) ش :كما يجمع بينهما الإمام، وبه قال مالك والشافعي وأحمد وهو مروى عن ابن عمر وعائشة -رحمهما الله -، وإليه ذهب عطاء وإسحاق وأبو ثور، وقال ابن حزم لو فاتته مع الإمام يفرض عليه أن يجمع بينهما واحد م :(لأن جواز الجمع للحاجة إلى امتداد الوقوف والمنفرد محتاج إليه) ش :لأن حال الوقوف حال تضرع واشتغال بالدعاء (البناية شرح الهداية، ج۴ص۲۱۷، كتاب الحج، باب الدفع من منى الى عرفة)
وقال النخعي، والثوري، وأبو حنيفة :لا يجمع إلا مع الإمام؛ لأن لكل صلاة وقتا محدودا، وإنما ترك ذلك فى الجمع مع الإمام، فإذا لم يكن إمام، رجعنا إلى الأصل .ولنا، أن ابن عمر كان إذا فاته الجمع بين الظهر والعصر، مع الإمام بعرفة، جمع بينهما منفردا .ولأن كل جمع جاز مع الإمام جاز منفردا، كالجمع بين العشاء ين بجمع .وقولهم :إنما جاز الجمع فى الجماعة .لا يصح؛ لأنهم قد سلموا أن الإمام يجمع وإن كان منفردا (المغنى لابن قدامة، ج۳، ص۳۶۶، مسألة الوقوف بعرفة)
۱؎ وذهب جمهور الفقهاء :الحنفية فى ظاهر الرواية وهو المذهب عندهم، والمالكية والشافعية والحنابلة إلى أنه يكره التطوع بين صلاتى الظهر والعصر بعرفة، لحديث جابر رضى الله عنه :ثم أذن ثم أقام فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر، ولم يصل بينهما شيئا .
وذهب الحنفية فى غير ظاهر الرواية إلى أنه لا يتطوع بين الصلاتين غير سنة الظهر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵،ص۳۲۵،مادة " يوم عرفة ")
الوقت الثامن :بين الصلاتين المجموعتين فى كل من عرفة ومزدلفة:
ذهب الفقهاء إلى كراهة التنفل بين الصلاتين المجموعتين جمع تقديم فى عرفة، والمجموعتين جمع تأخير فى مزدلفة، فإذا جمع الإمام بين الظهر والعصر بعرفة، يصلى الظهر والعصر فى وقت الظهر، ويترك سنة الظهر البعدية، ومثل ذلك المغرب والعشاء .فيصلى المغرب والعشاء فى وقت العشاء ، ويترك سنة المغرب البعدية؛ لأنه صلى الله عليه وسلم لم يتطوع بينهما.
قال القرطبى :فأما الفصل بين الصلاتين بعمل غير الصلاة، فقد ثبت عن أسامة بن زيد أن النبى صلى الله عليه وسلم لما جاء المزدلفة نزل فتوضأ، فأسبغ الوضوء ، ثم أقيمت الصلاة فصلى المغرب، ثم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸......عرفات کے میدان میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر کے باجماعت پڑھنے کی صورت میں ظہر اور عصر دونوں نمازوں کے لئے الگ الگ اقامت کہنا فرض یا واجب تو نہیں، البتہ مستحب ہے، اور اس اقامت کے ذریعہ نفل پڑھنے کا شبہ بھی دور ہوجاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۹......اگر کوئی عرفات میں مسافر ہو، تو وہ ظہر اور عصر کی نماز قصر ادا کرے گا، اور اگر مقیم ہو، تو وہ پوری نماز پڑھے گا، اور مقیم ومسافر ہونے کی تفصیل پہلے منیٰ کے آٹھ ذی الحجہ کے بیان میں گزر چکی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۲۰......میدانِ عرفات میں وقوف کے دوران کوئی خاص دعاء یا ذکر ضروری نہیں کہ اس کے بغیر وقوفِ عرفہ درست نہ ہوتا ہو۔

اس لئے اگر کوئی خاموشی سے وقوفِ عرفہ کرلے، یا کوئی بیماری یا کمزوری یا تھکن وغیرہ کی وجہ سے وقوفِ عرفہ کے دوران لیٹ یا سو جائے، تب بھی وقوفِ عرفہ کی ادائیگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أناخ كل إنسان بعيره فى منزله، ثم أقيمت العشاء فصلى، ولم يصل بينهما، وقال ابن المنذر :لا أعلم خلافا فى أن السنة ألا يتطوع بين الصلاتين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص۱۸۵، ۱۸۶، مادة " اوقات الصلاة ")

ولا يشتغل بين الصلاتين بالسنن أو التطوع أو بشىء غيرهما من أكل أو شرب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص ۳۳۲، مادة "يوم عرفة")

[1] وهو أن يؤذن ويقيم للظهر ثم يقيم للعصر لأنها تؤدى فى غير وقتها فيقيم إعلاما لهم؛ لأنه لو لم يقم ربما ظنوا أنه يتطوع(الاختيار لتعليل المختار، كتاب الحج، فصل دخول مكة)

أ -ترک الإقامة بين الصلاتين المجموعتين بعرفة :اتفق الفقهاء على استحباب الإقامة لكل صلاة من الصلاتين المجموعتين بعرفة، وصرح الحنفية بكراهة ترک الإقامة بين الصلاتين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص ۳۲۹، مادة "يوم عرفة" مكروهات يوم عرفة)

[2] شنید ہے کہ آج کل عرفات میں حکومت کی طرف سے مقررہ امام مقیم ہونے کے باوجود نماز قصر پڑھاتا ہے، اگر یہ بات درست ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہوگی، اور اگر مسافر ہونے کی وجہ سے قصر کرتا ہو، تو پھر اس کی اقتداء میں نماز درست ہوجاتی ہے، البتہ ایسی صورت میں اگر کوئی حنفی مقتدی مقیم ہو، تو اس کو امام کا سلام پھیرنے کے بعد اپنی دو رکعتیں مزید پڑھنا ضروری ہوگا۔

البتہ خاموش رہنے یا فضولیات میں مشغول ہونے کے بجائے وقوفِ عرفہ کے دوران عبادات، نفل نماز، ذکرواذکار، اپنے اور دوسروں کے لئے دعاء، استغفار، تلبیہ، تکبیر وتہلیل، درود شریف اور تلاوت وغیرہ میں مشغول ہونا بلکہ حسبِ توفیق ان چیزوں کی کثرت کرنا بہتر ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوفِ عرفات کے دوران درجِ ذیل کلمات کا پڑھنا بھی ثابت ہے کہ:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، إِنَّمَا الْخَیْرُ خَیْرُ الْآخِرَۃِ . [2]

نیز احادیث میں وقوفِ عرفہ کے دوران مندرجہ ذیل دعاء پڑھنے کا بھی ذکر آیا ہے:

لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَـهٗ، لَـهُ الْمُلْکُ وَلَـهُ الْحَمْدُ ، بِیَدِہِ الْخَیْرُ، وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. [3]

---

[1] ح -الإكثار من عمل الخير يوم عرفة:
يستحب في يوم عرفة الإكثار من أعمال الخيرات بأنواعها من العبادات والأذكار وقراءة القرآن وغير ذلک.
لحديث ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :ما العمل في أيام العشر أفضل من العمل في هذه .يعني أيام العشر، قالوا :ولا الجهاد؟ قال :ولا الجهاد، إلا رجل خرج يخاطر بنفسه وماله فلم يرجع بشيء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۲۷، مادة ”يوم عرفة“)

[2] عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقف بعرفات، فلما قال: لبيک اللهم لبيک قال :إنما الخير خير الآخرة (صحيح ابنِ خزيمة،رقم الحديث ۲۸۳۱، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۵۴۱۹)
قال الهيثمي:رواه الطبراني في الأوسط، وإسناده حسن(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۳۶۸)
وقال الأعظمي :إسناده حسن(تعليق ابنِ خزيمة)
وقال الالبانی:قلت :وهذا إسناد حسن، رجاله رجال "الصحيح "،
وفي محبوب -وهذا لقبه، واسمه محمد بن الحسن بن هلال -خلاف، والراجح أنه حسن الحديث.
وقد روى له البخاری حديثا واحدا(سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۱۴۶)

[3] مسند احمد،رقم الحديث ۶۹۶۱.
في حاشية مسند احمد:حسن لغيره.

اس کے علاوہ اپنی زبان میں بھی مختلف قسم کی دعائیں کرسکتا ہے۔ [1]

اور جو مسنون دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مواقع پر ثابت ہیں، ان کو بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

مگر ان دعاؤں کو خاص میدانِ عرفات کی مسنون دعاؤں کا درجہ نہیں دینا چاہئے۔

آج کل عام طور پر یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ میدانِ عرفات میں بہت سے لوگ طوطے کی طرح دعائیں پڑھنے کا اہتمام تو بہت زیادہ کرتے ہیں، لیکن خشوع اور دل کی گہرائی سے دعائیں مانگنے کا اہتمام بہت کم ہوتا ہے۔

حالانکہ دعاء کا پڑھنا مقصود نہیں بلکہ دعا مانگنا مقصود اصلی ہے، اور حقیقی معنیٰ میں دعاء

---

[1] اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے عرفات میں درجِ ذیل دعاء کرنا بھی ثابت ہے۔

عن عبد الله بن الحارث، أن ابن عمر، رضى الله عنه كان عشية عرفة يرفع صوته :لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شىء قدير، اللهم اهدنا بالهدى، وزينا بالتقوى، واغفر لنا فى الآخرة والأولى ، ثم يخفض صوته ثم يقول: اللهم إنى أسألك من فضلك وعطائك رزقا طيبا مباركا، اللهم إنك أمرت بالدعاء ، وقضيت على نفسك بالاستجابة، وأنت لا تخلف وعدك، ولا تكذب عهدك، اللهم ما أحببت من خير فحببه إلينا ويسره لنا، وما كرهت من شىء فكرهه إلينا وجنبناه، ولا تنزع عنا الإسلام بعد إذ أعطيتنا(الدعاء للطبرانى،رقم الحديث ۸۷۸)

ط -الإكثار من الدعاء والذكر يوم عرفة :السنة أن يكثر من الدعاء بالمأثور وغيره والتهليل والتلبية والاستغفار والتوبة والتضرع وقراء ة القرآن والصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم، فهذه وظيفة هذا اليوم، ولا يقصر فى ذلك، وهو معظم الحج ومطلوبه، وفى الحديث الصحيح أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :الحج عرفة ،فينبغى أن لا يقصر فى الاهتمام بذلك واستفراغ الوسع فيه، ويكثر من هذا الذكر والدعاء قائما وقاعدا ويرفع يديه فى الدعاء .

وينبغى أن يأتى بهذه الأذكار كلها، فتارة يهلل، وتارة يكبر، وتارة يسبح، وتارة يقرأ القرآن، وتارة يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم، وتارة يدعو، وتارة يستغفر .ويدعو مفردا وفى جماعة . وليدع لنفسه ولوالديه ومشايخه وأقاربه وأصحابه وأصدقائه وأحبائه وسائر من أحسن إليه وسائر المسلمين، وينبغى أن يكرر الاستغفار والتلفظ بالتوبة من جميع المخالفات، مع الندم بالقلب، وأن يكثر البكاء مع الذكر والدعاء ، فهناك تسكب العبرات وتستقال العثرات وترتجى الطلبات، وإنه لمجمع عظيم وموقف جسيم، يجتمع فيه خيار عباد الله الصالحين وأوليائه المخلصين والخواص المقربين، وهو أعظم مجامع الدنيا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۲۷، مادة "يوم عرفة")

وہی ہے جو دل سے نکلے خواہ کسی زبان میں ہو، جس کی تفصیل ہم نے آگے ضمیمہ میں ذکر کردی ہے۔

مسئلہ نمبر۲۲...... وقوفِ عرفہ کے دوران کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر قبلہ کی طرف رُخ کر کے اور ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا افضل ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲۳...... وقوفِ عرفہ کے دوران مرد حضرات کو وقتاً فوقتاً تلبیہ کچھ معتدل آواز کے ساتھ اور خواتین کو آہستہ آواز کے ساتھ پڑھنے کے علاوہ باقی ذکرواذکار اور دعاء کا آہستہ آواز میں کرنا افضل ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۲۴...... دعاء کے شروع میں اللہ کی حمد وثناء اور درود شریف پڑھ لینا، اور دعاء کے اخیر میں آمین کہہ لینا، بہتر ہے۔ [۳]

مسئلہ نمبر۲۵...... وقوفِ عرفہ کے دوران خیمہ وغیرہ کا سایہ حاصل کرنا جائز اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

لہٰذا آج کل جو میدانِ عرفات میں حجاجِ کرام کے لئے خیمے نصب کئے جاتے ہیں، ان

---

[۱] وإذا نزل فی عرفات یمکث فیها ویقف للدعاء مستقبلا القبلة رافعا یدیه باسطهما، کالمستطعم المسکین، کما ورد فی صفة دعاء رسول الله صلی الله علیه وسلم بعرفة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۵ ص ۳۳۲، مادة "یوم عرفة")

[۲] ویجهر فی التلبیة من غیر مبالغة، ویأتی بصیغتها المعروفة " :لبیک اللهم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، إن الحمد والنعمة لک والملک، لا شریک لک "ومما ورد فی التلبیة بعرفة خاصة أنه صلی الله علیه وسلم لما وقف بعرفات قال " :لبیک اللهم لبیک "ثم قال ": إنما الخیر خیر الآخرة ."وفی روایة " :لبیک إن العیش عیش الآخرة.

واما الادعیة والاذکار فاخفاؤها اولی الا ان احتاج ان یسمع من یقتدی به فیها(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۵، ص۳۳۳، مادة "یوم عرفة")

[۳] ویکرر کل دعاء یدعو به ثلاثا، ویستفتح الدعاء بالتحمید والتمجید والتسبیح والصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم، ویختمه بذلک، وبآمین، ویستمر هکذا إلی غروب الشمس، ویلبی فی أثناء ذلک ساعة فساعة، ولیحافظ علی طهارة ظاهره وباطنه، ولیتباعد عن الحرام فی أکله وشربه ولبسه ورکوبه ونظره وکلامه، وکل أمره، ولیحذر من ذلک کل الحذر، فقد قال صلی الله علیه وسلم فی یوم عرفة " :إن هذا یوم من ملک فیه سمعه وبصره ولسانه غفر له "(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۵ ص۳۳۳، مادة "یوم عرفة")

خیموں کے اندر وقوف کرنے میں حرج نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۶...... میدانِ عرفات میں وقوف کے دوران طہارت اور پاکی کی حالت میں ہونا شرط اور ضروری نہیں، لہٰذا اگر کوئی ناپاکی کی حالت میں وقوفِ عرفہ کرے، تو اس کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔

اسی وجہ سے اگر کوئی خاتون وقوفِ عرفہ کے وقت ناپاکی (حیض ونفاس) کی حالت میں ہو، یا اس دوران مذکورہ ناپاکی شروع وجاری ہو جائے، تو اس کے وقوفِ عرفہ میں کوئی خلل وخرابی نہیں آتی۔

اور حیض ونفاس کی حالت میں عورت کو نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا، البتہ قرآن مجید کی تلاوت کے علاوہ باقی ذکر واذکار کی اجازت ہوتی ہے، اس لئے اگر کوئی خاتون عرفات کے میدان میں ناپاکی کی حالت میں ہو، تو وہ نماز نہیں پڑھے گی، البتہ قرآن مجید کے علاوہ باقی ذکر

---

[1] لا خلاف بين الفقهاء فى جواز استظلال المحرم بما لا يلامس الوجه، كبناء من حائط وسقف وقبو وخيمة ونحوها كالمحمل فيجوز الاستظلال بظله الخارج، كما يستظل بالحائط، نازلا أو سائرا، سواء بجانبه أو تحته عند الجمهور.

وجواز الاستظلال بما إذا كان ما يتظلل به ثابتا فى أصل تابع له متفق عليه بين الفقهاء ، ودليل الجواز هو ما ورد فى حديث جابر رضى الله عنه حيث قال فى حديث حجة النبى صلى الله عليه وسلم :وأمر بقبة من شعر فضربت له بنمرة، حتى أتى عرفة فوجد القبة قد ضربت له بنمرة فنزل بها، حتى إذا زاغت الشمس.

أما إذا لم يكن المظل ثابتا فى أصل يتبعه ففيه خلاف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹ ص۱۶۸، مادة "ظل")

فصل :ولا بأس أن يستظل بالسقف والحائط والشجرة والخباء ، وإن نزل تحت شجرة، فلا بأس أن يطرح عليها ثوبا يستظل به، عند جميع أهل العلم.

وقد صح به النقل، فإن جابرا قال فى حديث حجة النبى -صلى الله عليه وسلم :-وأمر بقبة من شعر، فضربت له بنمرة، فأتى عرفة، فوجد القبة قد ضربت له بنمرة، فنزل بها، حتى إذا زاغت الشمس .رواه مسلم، وابن ماجه، وغيرهما .ولا بأس أيضا أن ينصب حياله ثوبا يقيه الشمس والبرد، إما أن يمسكه إنسان، أو يرفعه على عود،على نحو ما روى فى حديث أم الحصين، أن بلالا أو أسامة كان رافعا ثوبا يستر به النبى -صلى الله عليه وسلم -من الحر .ولأن ذلك لا يقصد به الاستدامة، فلم يكن به بأس، كالاستظلال بحائط(المغنى لابنِ قدامة، ج۳ص۲۸۷، وص۲۸۸، فصل لا بأس أن يستظل بالسقف والحائط والشجرة والخباء)

واذکار کرسکتی ہے۔ [۱]

اور اگر کسی کو عذر نہ ہو، تو حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک وقوفِ عرفہ پاکی کی حالت میں کرنا سنت ہے، اور حنابلہ کے نزدیک اور مالکیہ کے معتمد قول کے مطابق وقوفِ عرفہ پاکی کی حالت میں کرنا مستحب ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۲۷...... میدانِ عرفات میں وقوف کرنے کے لئے غسل کرلینا حنفیہ کے نزدیک اور مالکیہ کے معتمد قول کے مطابق مستحب ہے، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور مالکیہ کے ایک قول کے مطابق سنت ہے۔ [۳]

---

[۱] الطهارة ليست بشرط لجواز الوقوف؛ لأن حديث الوقوف مطلق عن شرط الطهارة، ولما روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه قال لعائشة -رضى الله عنها -حين حاضت :افعلى ما يفعله الحاج غير أنك لا تطوفى بالبيت ، ولأنه نسك غير متعلق بالبيت فلا تشترط له الطهارة كرمى الجمار، وسواء كان قد صلى الصلاتين أو لم يصل لإطلاق الحديث، ولأن الصلاتين، وهما: الظهر، والعصر لا تعلق لهما بالوقوف فلا يكون تركهما مانعا من الوقوف، والله أعلم(بدائع الصنائع، ج۲ص۱۲۷، فصل طواف الزيارة)

[۲] و الطهارة :يكون الحاج طاهرا مدة الوقوف، وهو سنة عند الحنفية والشافعية والمالكية فى قول، ومستحب عند الحنابلة والمالكية فى المعتمد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۲۶، مادة "يوم عرفة")

[۳] اور بعض حضرات نے میدانِ عرفات میں غسل کرنے کو سنتِ مؤکدہ قرار دیا ہے، مگر اس کے سنتِ مؤکدہ ہونے کی دلیل کمزور معلوم ہوتی ہے۔

ذهب الشافعية والحنابلة والمالكية فى قول إلى أنه يسن الاغتسال للوقوف بعرفة لما روى عن على وابن مسعود وابن عمر رضى الله عنهم أنهم كانوا يغتسلون إذا راحوا لعرفة.فعن على رضى الله عنه لما سئل عن الغسل قال :يوم الجمعة، ويوم عرفة، ويوم النحر، ويوم الفطر.

ولما روى نافع أن ابن عمر رضى الله عنهما كان يغتسل لوقوفه عشية عرفة.

ولأنه قربة يجتمع لها الخلق فى موضع واحد فشرع لها الغسل كصلاة الجمعة والعيدين.

وذهب الحنفية والمعتمد عند المالكية إلى أن الاغتسال ليوم عرفة مستحب فإن عجز عن الغسل فقد قال الشافعية :إنه يتيمم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵،ص۳۲۳،مادة "يوم عرفة" سنن الوقوف بعرفة)

أخبرنا مالك أخبرنا نافع :أن ابن عمر كان يغتسل بعرفة يوم عرفة حين يريد أن يروح. قال محمد: هذاحسن وليس بواجب (موطأ امام محمد، رقم الحديث ۴۸۴، باب الغسل بعرفه يوم عرفة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر کوئی وقوفِ عرفہ کے لئے غسل نہ کرے، بلکہ وضو کرلے، تو بھی جائز ہے، اور کوئی گناہ نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۸...... نو ذی الحجہ کو میدانِ عرفات میں حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک زوال کے بعد نماز سے پہلے حکومت کی طرف سے مقررہ امام کو دو خطبے دینا اور ان دو خطبوں کے درمیان مختصر وقفہ کرنا، جیسا کہ جمعہ کے خطبوں میں کیا جاتا ہے، مسنون ہے، اور ان خطبوں میں امام حج کے احکام کی تعلیم کے علاوہ حجاجِ کرام کو کثرت سے دعاء اور تضرع کرنے کی ترغیب دے گا۔ [2]

اور حنابلہ کے نزدیک امام یا اس کے نائب کے لئے مستحب ہے کہ وہ دو خطبوں کے بجائے ایک مختصر خطبہ دے۔ [3]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(ثم يتوجه إلى عرفات) اقتداء -بفعله -عليه الصلاة والسلام -ولأنه يحتاج إلى أداء فرض الوقوف بها فى هذا اليوم وينزل بها حيث شاء (فإن زالت الشمس توضأ واغتسل) لأنه يوم جمع فيستحب له الغسل، وقيل :هو سنة(الاختيار لتعليل المختار، كتاب الحج،فصل دخول مكة)

عن عبد الرحمن بن عقبة بن الفاكه بن سعد، عن جده الفاكه بن سعد، وكانت له صحبة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغتسل يوم الفطر ويوم النحر ويوم عرفة ، وكان الفاكه يأمر أهله بالغسل فى هذه الأيام(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۳۱۶)

هذا إسناد ضعيف لضعف يوسف بن خالد قال فيه ابن معين كذاب خبيث زنديق قلت وكذبه غير واحد وقال ابن حبان كان يضع الحديث (مصباح الزجاجة، ج ۱ ، ص ۱۵۶ ، باب غسل العيدين)

[1] ويسن أن يغتسل للوقوف، وإلا فليتوضأ(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص ۳۳۲، مادة "يوم عرفة")

[2] الخطبة الثانية:وتسن هذه الخطبة يوم عرفة بعرفات، قبل الصلاة اتفاقا، كما ثبت فى حديث جابر وغيره.

وهذه الخطبة خطبتان يفصل بينهما بجلسة كما فى خطبة الجمعة، يبين لهم فى أولاهما ما أمامهم من المناسك ويحرضهم على إكثار الدعاء والابتهال، ويبين لهم ما يهمهم من الأمور الضرورية لشؤون دينهم، واستقامة أحوالهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ، ص ۶۵،۶۶، مادة "حج")

[3] اگر امام بالکل خطبہ نہ دے، یا زوال سے پہلے عرفہ کا خطبہ دے، تو مکروہ ہے، مگر زوال سے پہلے کا یہ خطبہ حنفیہ کے نزدیک معتبر ہو جاتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۹...... وقوفِ عرفہ کے دوران مسجدِ نمرہ میں امام جوخطبہ دیتا ہے، حجاجِ کرام کا اس خطبہ کوسننا اوراس میں شرکت کرنا، ضروری نہیں ہے، البتہ اگرکوئی سنے تو گناہ بھی نہیں، مگراس کی خاطرحج کرنے والے کا اپنے آپ کو بے جا مشقت میں ڈالنا بھی مناسب نہیں۔ [1]

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ عرفات میں مسجد نمرہ میں جوخطبہ دیا جاتا ہے اس کو جا کر سننا ضروری ہے، اوراگر یہ خطبہ نہ سنا جائے تو وقوفِ عرفہ صحیح نہیں ہوتا یا ناقص ہوتا ہے، یہ سوچ غلط ہے، میدانِ عرفات میں اپنے مقام پر رہتے ہوئے وقوف کر لینا کافی ہے، خواہ خطبہ کی آواز بھی سنائی نہ دے اور مسجدِ نمرہ جانے آنے میں آجکل بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں، اس لئے خطبہ سننے کے لئے مسجد نمرہ جانے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر ۳۰...... میدانِ عرفات میں وقوف کرنے والوں کوسورج غروب ہونے کے بعد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور مالکیہ کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔

خطبة عرفة وكونها بعد الزوال :وهى خطبتان بعد الزوال قبل الصلاة، يفصل بينهما بجلسة خفيفة كما فى الجمعة للاتباع، وهذا عند الحنفية والمالكية والشافعية.

وقال الحنابلة :استحب للإمام أو نائبه أن يخطب خطبة واحدة يقصرها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵، ص ۳۲۳، وص ۳۲۴، مادة "يوم عرفة")

ترك خطبة عرفة، أو إيقاعها قبل الزوال :نص الحنفية على أن ترك خطبة عرفة أو إيقاعها قبل الزوال مكروه، فقد جاء فى الجوهرة النيرة :إن ترك الخطبة أو خطب قبل الزوال أجزأه وقد أساء ونقل ابن عابدين قول الزيلعى " :جاز "معلقا عليه :أى صح مع الكراهة.

ويرى ابن حبيب من المالكية جواز الإتيان بخطبة عرفة قبل الزوال، ويمنع أشهب من ذلك، ويرى إعادتها لمن فعل ذلك إلا أن يفوت بفعل الصلاة، والصلاة لا تكون إلا بعد الزوال على كل حال.

واحتج الباجى لما ذهب إليه ابن حبيب من جواز إيقاع الخطبة قبل الزوال بأن الخطبة ليست للصلاة، وإنما هى تعليم للحاج، ولذلك لم يغير حكم الصلاة فى الجهر، ولم يتقدم الأذان عليها، فلم يكن من شرطها أن يكون وقتها وقت الصلاة، وإنما من حكمها ذلك لما شرع من اتصالها بالصلاة .وقال الدسوقى :لو خطب قبل الزوال وصلى بعده، أو صلى بغير خطبة أجزأه إجماعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵، ص ۳۳۱، مادة "يوم عرفة")

[1] قوله أجزاه لأن الخطبة لم تشرع خلفا عن شىء من الأركان وإنما الخطبة إعلام ما يفعله الحاج بخلاف الخطبة يوم الجمعة لأنها شرعت خلفا عن الركعتين (النافع الكبير شرح الجامع الصغير، ج ۱، ص ۱۱۴، باب فى صلاة الجمعة)

جلدی کوچ کرنا فرض یا واجب تو نہیں، البتہ سنت ہے، بشرطیکہ دوسروں کو ایذاء وتکلیف نہ پہنچائی جائے۔

اور اگر رَش یا ہجوم کی وجہ سے یا کسی بیمار، کمزور کو سواری یا اپنے ساتھیوں وغیرہ کے انتظار کی وجہ سے میدانِ عرفات سے نکلنے میں کچھ تاخیر ہو جائے، تو بھی گناہ نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳۱...... وقوفِ عرفہ سے فارغ ہو کر، مغرب کی نماز پڑھے بغیر، مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے، اور مغرب کی نماز مزدلفہ میں جا کر پڑھنی چاہئے، جس کی مزید تفصیل آگے مزدلفہ کے بیان میں آتی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۳۲...... میدانِ عرفات کی طرف جاتے ہوئے، یا میدانِ عرفات سے نکلتے ہوئے اتنی جلد بازی مکروہ ہے، جس سے دوسروں کو ایذاء وتکلیف پہنچے۔ [3]

مسئلہ نمبر ۳۳...... میدانِ عرفات سے مزدلفہ کی طرف جاتے ہوئے کوئی خاص ذکر واذکار لازم نہیں ہے۔

البتہ راستہ میں تلبیہ، تہلیل، تکبیر، استغفار اور درود شریف اور دیگر ذکر واذکار اور دعا میں

---

[1] الإفاضة بعد الغروب يوم عرفة : إذا غربت الشمس يوم عرفة أفاض الإمام والناس وعليهم السكينة والوقار، فمن وجد فرجة أسرع فيها، لحديث أسامة رضى الله عنه :كان النبى صلى الله عليه وسلم يسير العنق، فإذا وجد فجوة نص .أى أسرع، والعنق :انبساط السير، والنص فوق العنق. فإن مكث الحاج بعدما أفاض الإمام مكوثا طويلا بلا عذر حتى ظهر الليل أساء ، ولو أبطأ الإمام ولم يفض أفاضوا لأن الإمام أخطأ السنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۲۶، مادة "يوم عرفة")

وإذا غربت الشمس أفاض الإمام -أى سار -من عرفة وسار الناس معه من غير تأخر، وعليهم السكينة فى باطن نفوسهم، والوقار؛ أى الرزانة فى الظاهر، فإن وجد سعة فى الطريق أسرع بلا إيذاء، ماشيا أو راكبا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۳۳، مادة "يوم عرفة")

[2] ولا يصلى المغرب ولا العشاء حتى يدخل المزدلفة، فيكون بذلك أدى ركن الوقوف تاما بفضل الله تعالى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۳۳، مادة "يوم عرفة")

[3] ج -الإسراع فى السير راكبا أو ماشيا إسراعا يؤدى إلى الإيذاء :يكره الإسراع فى السير إسراعا يؤدى إلى الإيذاء لقوله صلى الله عليه وسلم " :عليكم بالسكينة ."وقال الزيلعى :ترك الإيذاء واجب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۳۰، مادة "يوم عرفة"مكروهات يوم عرفة)

مصروف ہونا، مستحب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳۴...... وقوفِ عرفات سے فارغ ہوکر جس راستہ سے بھی نکلے، جائز ہے، البتہ اگر بآسانی ''مازمین'' کے راستہ سے ممکن ہو، تو اس سے نکلنا افضل ہے، اور مازمین کے راستہ سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان والا راستہ ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۳۵...... یومِ عرفہ یعنی نو ذی الحجہ کے دن عام مسلمانوں کو نفلی روزہ رکھنے کی احادیث میں عظیم فضیلت آئی ہے، لیکن حج کرنے والے کو اس دن حج کے اہم اعمال میں مشغولیت ہوتی ہے، اور نفلی روزہ رکھنے کی وجہ سے حج کے اہم اعمال کی انجام دہی میں مشکل پیش آتی ہے، اس لئے اس کو نو ذی الحجہ کا نفلی روزہ رکھنے کے بجائے اپنے حج کے اعمال میں مشغول ہونا زیادہ مناسب ہے، اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جلیل القدر صحابۂ کرام کا حج کے موقع پر عرفہ کے دن روزہ نہ رکھنا ثابت ہے۔ [3]

---

[1] ويستحب أن يكون فى سيره ملبيا مكبرا مهللا مستغفرا داعيا مصليا على النبى صلى الله عليه وسلم، ذاكرا كثيرا، باكيا أو متباكيا، ويدعو الله ألا يجعله آخر العهد بعرفة .ويظل على الذكر والخشوع حتى يصل إلى المزدلفة، ولا يلتفت إلى شيء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۳۳، مادة "يوم عرفة")

[2] ويستحب أن يمضى على طريق المأزمين، لأنه يروى أن النبى صلى الله عليه وسلم سلكها، وإن سلك الطريق الأخرى جاز(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۳۳، مادة "يوم عرفة")

(قوله على طريق المأزمين) أى لا على طريق ضب والمأزم بهمزة بعد الميم الأولى ويجوز تركها كما فى رأس وزاى مكسورة، وأصله المضيق بين جبلين ومراد الفقهاء الطريق الذى بين الجبلين، وهما جبلان بين عرفات ومزدلفة إسماعيل .وعزاه بعضهم إلى العز بن جماعة وأنه نقله عن المحب الطبرى، ورد به قول النووى إن المراد به ما بين العلمين اللذين هما حد الحرم وقال إنه غريب، ويحمل العوام على الزحمة بين العلمين وليس لذلك أصل (ردالمحتار، ج۲، ص۵۰۸، كتاب الحج، فصل فى الإحرام وصفة المفرد)

(قوله ويعود على طريق المأزمين) والمأزمان الطريق بين الجبلين بفتح الميم والهمزة الساكنة وكسر الزاى .ا هـ (حاشية الشلبى على التبيين الحقائق، ج۲، ص۲۳، كتاب الحج)

[3] عن ابن عباس، أن النبى صلى الله عليه وسلم أفطر بعرفة، وأرسلت إليه أم الفضل بلبن فشرب (سنن الترمذى،رقم الحديث ۷۵۰)

قال الترمذى: وفى الباب عن أبى هريرة، وابن عمر، وأم الفضل :.حديث ابن عباس حديث حسن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر کسی حج کرنے والے کو یہ غالب گمان ہو کہ اس کو نو ذی الحجہ کا روزہ رکھنے کی وجہ سے وقوفِ عرفہ اور دعائیں وغیرہ مانگنے اور سورج غروب ہونے کے فوراً بعد مزدلفہ روانگی اور حج کے دیگر اعمال میں کمزوری واقع نہیں ہوگی، تو حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کو نو ذی الحجہ کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔

جبکہ جمہور فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حج کرنے والا اگرچہ قوی و طاقت ور کیوں نہ ہو، اس کو نو ذی الحجہ کا روزہ رکھنا مستحب نہیں ہے، بلکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کو روزہ رکھنا مکروہ ہے، اور شافعیہ کے نزدیک خلافِ اولیٰ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صحيح وقد روى عن ابن عمر قال :حججت مع النبى صلى الله عليه وسلم فلم يصمه -يعنى يوم عرفة -ومع أبى بكر فلم يصمه، ومع عمر فلم يصمه، ومع عثمان فلم يصمه والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم :يستحبون الإفطار بعرفة ليتقوى به الرجل على الدعاء ، وقد صام بعض أهل العلم يوم عرفة بعرفة ".

عن ابن أبى نجيح، عن أبيه، قال :سئل ابن عمر عن صوم يوم عرفة بعرفة، فقال: حججت مع النبى صلى الله عليه وسلم فلم يصمه، ومع أبى بكر فلم يصمه، ومع عمر فلم يصمه، ومع عثمان فلم يصمه، وأنا لا أصومه، ولا آمر به، ولا أنهى عنه(سنن الترمذى، رقم الحديث ٧٥١)

قال الترمذى:هذا حديث حسن، وقد روى هذا الحديث أيضا عن ابن أبى نجيح، عن أبيه، عن رجل، عن ابن عمر، "وأبو نجيح :اسمه يسار قد سمع من ابن عمر ".

حدثنا عكرمة، قال :كنا عند أبى هريرة، فى بيته فحدثنا، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن صوم يوم عرفة بعرفة(ابوداؤد، رقم الحديث ٢٤٤٠)

[1] هـ -صوم يوم عرفة :ذهب جمهور الفقهاء المالكية والشافعية والحنابلة إلى كراهة صوم يوم عرفة للحاج.وذهب الحنفية إلى استحبابه للحاج إذا لم يضعفه عن الوقوف بعرفات ولا يخل بالدعوات، أما غير الحاج فإن الفقهاء متفقون على استحباب صوم يوم عرفة فى حقه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٥ ص ٣٣٠، ٣٣١، مادة "يوم عرفة"مكروهات يوم عرفة)

ج -صوم يوم عرفة:اتفق الفقهاء على استحباب صوم يوم عرفة لغير الحاج -وهو :اليوم التاسع من ذى الحجة -وصومه يكفر سنتين :سنة ماضية، وسنة مستقبلة، روى أبو قتادة -رضى الله تعالى عنه -أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :صيام يوم عرفة، أحتسب على الله أن يكفر السنة التى قبله، والسنة التى بعده.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۶ ...... میدانِ عرفات میں موجود حجاجِ کرام کے علاوہ کسی اور مقام یا علاقہ میں نو ذی الحجہ کو عصر کے بعد لوگوں کا جمع ہونا، تا کہ وہ میدانِ عرفات میں موجود حجاجِ کرام کی مشابہت اختیار کریں، جس کو "تعریف" کا نام دیا جاتا ہے، جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مکروہ ہے۔[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الشربينى الخطيب :وهو أفضل الأيام لحديث مسلم :ما من يوم أكثر من أن يعتق الله فيه عبدا من النار من يوم عرفة.

وذهب جمهور الفقهاء -المالكية والشافعية والحنابلة -إلى عدم استحبابه للحاج، ولو كان قويا، وصومه مكروه له عند المالكية والحنابلة، وخلاف الأولى عند الشافعية، لما روت أم الفضل بنت الحارث رضى الله عنهما أنها أرسلت إلى النبى صلى الله عليه وسلم بقدح لبن، وهو واقف على بعيره بعرفة، فشرب،وعن ابن عمر رضى الله عنهما :أنه حج مع النبى صلى الله عليه وسلم ثم أبى بكر، ثم عمر، ثم عثمان، فلم يصمه أحد منهم، لأنه يضعفه عن الوقوف والدعاء ، فكان تركه أفضل، وقيل :لأنهم أضياف الله وزواره.

وقال الشافعية :ويسن فطره للمسافر والمريض مطلقا، وقالوا :يسن صومه لحاج لم يصل عرفة إلا ليلا؛ لفقد العلة.

وذهب الحنفية إلى استحبابه للحاج -أيضا -إذا لم يضعفه عن الوقوف بعرفات ولا يخل بالدعوات، فلو أضعفه كره له الصوم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸ ص۹۰، وص ۹۱، مادة "صوم")

[1] جبکہ بعض حضرات کے نزدیک "تعریف" کا مندرجہ بالا عمل جائز ہے۔

التعريف عشية عرفة بالأمصار:

التعريف هو اجتماع الناس فى البلدان والأمصار بعد عصر يوم عرفة، والأخذ فى الدعاء والذكر والضراعة إلى الله تعالى إلى غروب الشمس كما يفعل أهل عرفة.

وقال الطحطاوى :التعريف هو تشبيه الناس أنفسهم بالواقفين بعرفات واختلف الفقهاء فى حكم التعريف:

الرأى الأول :ذهب جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية ونافع مولى ابن عمر رضى الله عنهما وإبراهيم النخعى والحكم وحماد) إلى أن التعريف مكروه.

قال الطحطاوى :وظاهر كلام الحنفية أنها كراهة تحريمية، لأن الوقوف عهد قربة بمكان مخصوص .فلم يجز فعله فى غيره كالطواف ونحوه، ألا ترى أنه لا يجوز الطواف حول مسجد أو بيت سوى الكعبة تشبها.

وقال الإمام مالک :إن التعريف ليس من أمر الناس، إنما مفاتيح هذه الأشياء من البدعة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۷...... نوذی الحجہ کا دن اگر جمعہ کے دن واقع ہو، تو عورتوں، معذوروں اور مسافروں پر تو جمعہ کی نماز واجب نہیں، اور جو ایسے نہ ہوں، تو جن حضرات کے نزدیک عرفات کا میدان مکہ کی حدود میں داخل ہو چکا، اُن کے نزدیک جمعہ کی نماز واجب ہے، پھر خواہ وہ عرفات میں پڑھیں، یا اس سے باہر پڑھ کر جلدی واپس آ جائیں، یا مسجدِ نمرہ میں پڑھیں، یا پھر اپنے خیموں میں باجماعت پڑھیں، اور ہمارے نزدیک موجودہ دور میں یہی راجح ہے۔

اور جن کے نزدیک عرفات، مکہ کی حدود میں داخل نہیں ہوا، ان کے نزدیک میدانِ عرفات میں موجود حجاج پر جمعہ کی نماز واجب نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعن شعبة قال :سألت الحكم وحمادا عن اجتماع الناس يوم عرفة فى المساجد فقالا :هو محدث.
وعن إبراهيم النخعى :هو محدث.
وقال ابن مفلح وتبعه المرداوى :لم ير الشيخ تقى الدين التعريف بغير عرفة، وأنه لا نزاع فيه بين العلماء ، وأنه منكر، وفاعله ضال.
الرأى الثانى :رخص فى التعريف الإمام أحمد، وهو ما يؤخذ من عبارات الشافعية .قال أحمد :لا بأس بالتعريف بالأمصار عشية عرفة.
وقال الأثرم :سألت أبا عبد الله عن التعريف فى الأمصار يجتمعون فى المساجد يوم عرفة، قال: أرجو أن لا يكون به بأس، قد فعله غير واحد،وقال :الحسن وبكر وثابت ومحمد بن واسع كانوا يشهدون المسجد يوم عرفة.
قال ابن تيمية :فعله ابن عباس وعمرو بن حريث رضى الله عنهم من الصحابة، وطائفة من البصريين والمدنيين.
قال الونائى من الشافعية :ولا كراهية فى التعريف بغير عرفة، بل هو بدعة حسنة، وهو جمع الناس بعد العصر يوم عرفة للدعاء والذكر والضراعة إلى الله تعالى إلى غروب الشمس كما يفعل أهل عرفة.
قال الشروانى :وكذا اعتمد العشماوى عدم الكراهة.
الرأى الثالث :قال أحمد فى رواية ذكرها الشيخ تقى الدين ابن تيمية، وهى من المفردات : يستحب التعريف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵ ص۳۳۵، وص ۳۳۶، مادة "يوم عرفة")

[1] بخلاف عرفات فإنها مفازة فلا تتمصر باجتماع الناس وحضرة السلطان (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۶۰، كتاب الصلاة، فصل بيان شرائط الجمعة)
وتقرير الجواب :إنما لا يعيد فيها يعني لا يصلى صلاة العيد لأجل التخفيف على الناس، لأنهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴۸۔۔۔۔۔۔ نو ذی الحجہ سے لے کر تیرہ ذی الحجہ تک ہر فرض نماز کے بعد مرد، عورت، مقیم، ومسافر، اور حاجی اور غیر حاجی سب کو ایک مرتبہ تکبیرِ تشریق پڑھنے کا حکم ہے۔

اور حنفیہ وحنابلہ کے نزدیک تکبیرِ تشریق کا آغاز نو ذی الحجہ کی فجر سے ہوجاتا ہے، اور اس کا اختتام تیرہ ذی الحجہ کی عصر پر ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مشتغلون بأمور المناسک، ولأن منى من أفنية مكة وتوابعها، لأنها فى الحرم وتوابع الشىء يقوم مقام ذلک الشىء .وأما عرفات فإنها من الحل وليست من فناء مكة، وبينها وبين مكة أربعة فراسخ.

م :(ولا جمعة بعرفات فى قولهم جميعا) ش :أى فى قول أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد وبه قال مالک والشافعى وأحمد وإسحاق، وهو قول الزهرى (البناية شرح الهداية، ج۳، ص۴۸، باب صلاة الجمعة، الجمعة بمنى وعرفات)

[1] اور مالکیہ وغیرہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کی ظہر سے آغاز ہوتا ہے، اور اختتام کے وقت میں اختلاف ہے۔

اور مندرجہ بالا دنوں میں تکبیرِ تشریق کا پڑھنا حنفیہ کے راجح قول کے مطابق واجب ہے، اور حنابلہ اور شافعیہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، اور مالکیہ کے نزدیک مندوب ہے۔

ومع اتفاق الفقهاء على مشروعية التكبير فى أيام التشريق، فإنهم يختلفون فى حكمه، فعند الحنابلة والشافعية وبعض الحنفية هو سنة لمواظبة النبى صلى الله عليه وسلم على ذلک.

وهو مندوب عند المالكية، والصحيح عند الحنفية أنه واجب؛ للأمر به فى قوله تعالى :(واذكروا الله فى أيام معدودات).

كذلک اختلف الفقهاء فى وقت التكبير، فبالنسبة للبدء فإنه باتفاق الفقهاء يكون قبل بداية أيام التشريق، مع اختلافهم فى كونه من ظهر يوم النحر كما يقول المالكية وبعض الشافعية، أو من فجر يوم عرفة كما يقول الحنابلة وعلماء الحنفية فى ظاهر الرواية وفى قول للشافعية.

وأما بالنسبة للختم فعند الحنابلة وأبى يوسف ومحمد من الحنفية، وفى قول للشافعية والمالكية يكون إلى عصر آخر أيام التشريق .والمعتمد عند المالكية، وفى قول للشافعية يكون إلى صبح آخر أيام التشريق .وقال ابن بشير من المالكية :يكون إلى ظهر آخر أيام التشريق.

والتكبير فى هذه الأيام يكون عقيب الصلوات المفروضة، ولا يكون بعد النافلة، إلا فى قول للشافعية وما فات من الصلوات فى أيام التشريق فقضى فيها فإنه يكبر خلفها، وهذا عند الحنابلة والحنفية وفى وجه عند الشافعية.

أما إن قضى فى غيرها فلا يكبر خلفها باتفاق.

وما فات من الصلوات فى غير أيام التشريق فقضى فيها، فعند الحنابلة يكبر خلفها.

ولا تكبير خلف مقضية مطلقا عند المالكية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷، ص۳۲۵، مادة "ايام التشريق")

اور تکبیرِ تشریق یہ ہے کہ:

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" [1]

مسئلہ نمبر ۳۹...... آج کل عرفات میں بعض متمول و مالدار حضرات کی طرف سے کھانے پینے کی مختلف چیزیں مفت تقسیم کرنے کا انتظام ہوتا ہے۔

بعض لوگ ان چیزوں کے حاصل کرنے میں اتنے منہمک ومصروف ہوجاتے ہیں کہ وقوف کا بہت سا قیمتی وقت اسی کی نظر ہوجاتا ہے، ان چیزوں کے حاصل کرنے میں چھینا جھپٹی کی نوبت آتی ہے، ایک دوسرے پر گر پڑتے ہیں اور لڑائی جھگڑے، زبان درازی تک سے گریز نہیں کرتے، اور پھر بہت سا وقت ان چیزوں کے کھانے پینے میں مشغول ہوکر گزار دیا جاتا ہے، بعض لوگ وقفہ وقفہ سے کھانے کی محفل سجاتے ہیں، خوب کھانے پینے کا دور چلتا ہے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اتنا مال خرچ کرکے، ہر قسم کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرکے

---

[1] حدثنا محمد بن الصباح ، قال :ثنا عبد الرزاق ، عن ابن التيمى ، عن الحجاج بن أرطأة ، عن عطاء بن أبى رباح ، عن عبيد بن عمير ، أن عمر : كان يكبر من صلاة الغداة يوم عرفة إلى صلاة الظهر من آخر أيام التشريق يكبر فى العصر يقول :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله ، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد (الاوسط لابن المنذر، رقم الحديث ۲۲۰۷)

عن أبى الأحوص ، عن عبد الله ؛ أنه كان يكبر أيام التشريق :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله ، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد(مُصنف ابن أبى شيبة،رقم الحديث ۵۶۹۷،كتاب الصلاة، باب كيف يكبر يوم عرفة ؟)

حدثنا يزيد بن هارون ، قال :حدثنا شريك ، قال :قلت لأبى إسحاق :كيف كان تكبير على ، وعبد الله ؟ فقال :كانا يقولان :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله ، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد (ايضاً،رقم الحديث ۵۶۹۹)

عن إبراهيم ، قال :كانوا يكبرون يوم عرفة وأحدهم مستقبل القبلة فى دبر الصلاة :الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله ، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد(ايضاً،رقم الحديث ۵۶۹۶)

وصفة التكبير هو أن يقول :الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر، الله أكبر، ولله الحمد. وهذا عند الحنفية والحنابلة.

وعند المالكية والشافعية يكبر ثلاثا فى الأول.

وفى موضوع التكبير تفصيلات أخرى تنظر فى :(تكبير -عيد) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷، ص۳۲۵، مادة "ايام التشريق")

اور وطن سے دور لمبا سفر کر کے یہاں تک رسائی حاصل ہوئی اور حج کے اس مقدس اور عظیم رکن کے قیمتی لمحات کو ایسی چیزوں کی نظر کر دیا کہ جو چیزیں ساری زندگی ہر جگہ میسر آسکتی ہیں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان چیزوں کو مفت حاصل کرنا اور عرفات میں کھانا پینا جائز نہیں بلکہ ان لوگوں کی غلطی کی نشاندہی مقصود ہے جو حدود سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور اس میں غلو کرتے ہیں، یہاں تک کہ اصل عبادت ثانوی درجہ اختیار کر لیتی ہے اور یہ کام پہلے درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔

پس بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت کھانے پینے سے فراغت حاصل کر کے وقوفِ عرفات کی برکات سے مستفید ہونا چاہیے۔

اسی طرح بعض لوگ عرفات میں ادھر ادھر کی باتوں اور قصے کہانیوں میں مصروف رہتے ہیں اور کسی بھی طرح وقت گزارنے کی فکر ان پر سوار رہتی ہے جو کہ بہت خسارے کی بات ہے۔

وقوفِ عرفات کے دوران بعض عورتیں اور مرد بلا کسی حجاب کے بیٹھے اور کھڑے رہتے ہیں، عورتیں پردہ کا اہتمام نہیں کرتیں۔

خواتین کو چاہیے کہ اجنبی لوگوں سے بچ اور ہٹ کر وقوف کریں، یا درمیان میں کوئی پردہ وغیرہ لٹکا لیں، یا کم از کم اپنے جسم کا کسی کپڑے کو حائل کر کے پردہ کر لیں، مگر چہرہ کی جلد پر کپڑا لگنے سے پرہیز کریں۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(باب نمبر ۵)

وقوفِ مزدلفہ کے فضائل واحکام

نو ذی الحجہ کو عرفات میں وقوف سے فارغ ہوکر سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ میں جانے اور رات کو مزدلفہ میں قیام کرنے کا حکم ہے۔

اور اس مزدلفہ کی رات کو احادیث میں جمع کی رات کہا گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس رات میں مغرب اور عشاء کی دو نمازوں کو جمع کیا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس مقام پر حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام جنت سے اترنے کے بعد جمع ہوئے تھے۔ [1]

وقوفِ مزدلفہ سے متعلق احادیث وروایات

پہلے وقوفِ مزدلفہ کے سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے احکام ذکر کئے جائیں گے۔

سب سے پہلے قرآن مجید کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے مزدلفہ کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ وَاذۡكُرُوۡهُ

---

[1] قوله بجمع بفتح الجيم وسكون الميم أى المزدلفة وسميت جمعا لأن آدم اجتمع فيها مع حواء وازدلف إليها أى دنا منها وروى عن قتادة أنها سميت جمعا لأنها يجمع فيها بين الصلاتين وقيل وصفت بفعل أهلها لأنهم يجتمعون بها ويزدلفون إلى الله أى يتقربون إليه بالوقوف فيها وسميت المزدلفة إما لاجتماع الناس بها أو لاقترابهم إلى منى أو لازدلاف الناس منها جميعا أو للنزول بها فى كل زلفة من الليل أو لأنها منزلة وقربة إلى الله أو لازدلاف آدم إلى حواء بها(فتح البارى لابنِ حجر، ج۳ص ۵۲۳، قوله باب من جمع بينهما)

(من جاء قبل طلوع الفجر من ليلة الجمع) أى ليلة المزدلفة وهى ليلة العيد سميت ليلة جمع لأنه يجمع صلواتها (فيض القدير شرح الجامع الصغير،تحت رقم الحديث ۳۷۹۴)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 0092515507530

كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّالِّيْنَ (سورة البقرة،رقم الآيات، ۱۹۸، ۱۹۹)

ترجمہ: اور جب تم عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعرِ حرام کے قریب (یعنی مزدلفہ میں) اللہ کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو سکھایا اور اس سے پہلے تم ناواقف لوگوں میں سے تھے (سورہ بقرہ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے میدانِ عرفات سے نکل کر مزدلفہ میں ذکرُ اللہ کا حکم فرمایا ہے۔ [۱]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ، وَأُسَامَةُ رِدْفُهٗ قَالَ أُسَامَةُ: فَمَا زَالَ يَسِيْرُ عَلٰى هَيْئَتِهٖ حَتّٰى أَتٰى جَمْعًا (مسلم) [۲]

---

[۱] (فإذا أفضتم من عرفات فاذكروا الله عند المشعر الحرام) فظاهره يقتضي الوجوب. ويحتجون أيضا بحديث مطرف بن طريف عن الشعبي عن عروة بن مضرس، عن النبي عليه السلام قال" :من أدرك جمعا، والإمام واقف فوقف مع الإمام ثم أفاض مع الناس فقد أدرك الحج، ومن لم يدرك فلا حج له "، وبما روى يعلى بن عبيد قال :حدثنا سفيان عن بكير بن عطاء عن عبد الرحمن بن يعمر الديلي قال :رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم واقفا بعرفات، فأقبل ناس من أهل نجد فسألوه عن الحج، فقال" :الحج يوم عرفة ومن أدرك جمعا قبل الصبح فقد أدرك الحج."

فأما قوله :(فاذكروا الله عند المشعر الحرام) فلا دلالة فيه على ما ذكروا وذلك لأنه أمر بالذكر، وقد اتفق الجميع على أن الذكر هناك غير مفروض، فإن تركه لا يوجب نقصا في الحج، وليس للوقوف ذكر في الآية، فسقط الاحتجاج به، ومع ذلك فقد بينا أن المراد بهذا الذكر هو فعل صلاة المغرب هناك .وأما حديث مطرف بن طريف عن الشعبي، فإنه قد رواه خمسة من الرواة غير مطرف، منهم زكريا بن أبي زائدة وعبد الله بن أبي السفر وسيار وغيرهم عن الشعبي عن عروة عن النبي عليه السلام ذكروا فيه أنه عليه السلام قال" :من صلى معنا هذه الصلاة ووقف معنا هذا الموقف وأفاض قبل ذلك من عرفة ليلا، أو نهارا فقد تم حجه وقضى تفثه "ولم يذكر منهم أحد أنه قال فلا حج له .ومع ذلك فقد اتفقوا أن ترك الصلاة هناك لا يفسد الحج، وقد ذكرها النبي صلى الله عليه وسلم فكذلك الوقوف (أحكام القرآن للجصاص،سورة البقرة،باب الوقوف بجمع)

[۲] رقم الحديث ۱۲۸٦ "۲۸۲"كتاب الحج، باب الإفاضة من عرفات إلى المزدلفة واستحباب صلاتي المغرب والعشاء جميعا بالمزدلفة في هذه الليلة.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ سے واپس لوٹے تو حضرت اسامہ سواری پر آپ کے پیچھے سوار ہوئے، حضرت اسامہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حالت پر چلتے رہے یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچ گئے (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نو ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ جانا چاہئے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ راستہ سواری پر طے کرنا بھی جائز ہے۔

اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰی إِذَا کَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ یُسْبِغِ الْوُضُوْءَ، فَقُلْتُ لَہٗ: اَلصَّلَاةَ، قَالَ: اَلصَّلَاةُ أَمَامَکَ فَرَکِبَ، فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ، فَأَسْبَغَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ أُقِیْمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّی الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَنَاخَ کُلُّ إِنْسَانٍ بَعِیْرَہٗ فِیْ مَنْزِلِہٖ، ثُمَّ أُقِیْمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلَّاھَا، وَلَمْ یُصَلِّ بَیْنَھُمَا شَیْئًا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ سے واپس ہوئے یہاں تک کہ جب آپ ایک گھاٹی میں اُترے تو آپ نے پیشاب کیا، پھر وضو فرمایا اور وضو میں آپ نے پانی زیادہ استعمال نہیں کیا، میں نے عرض کیا کہ (مغرب کی) نماز (کا وقت ہوگیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز آپ کے آگے ہے (یعنی آگے چل کر پڑھیں گے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے پھر جب مزدلفہ تشریف لے آئے تو آپ سواری سے اترے اور خوب اہتمام کے ساتھ وضو کیا، پھر اقامت کہی گئی پھر آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی پھر ہر انسان نے اپنے اونٹ کو اپنی جگہ میں بٹھا دیا پھر عشاء کی اقامت کہی گئی پھر آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۸۰ ''۲۷۶'' کتاب الحج، باب الإفاضة من عرفات إلی المزدلفة واستحباب صلاتی المغرب والعشاء جمیعا بالمزدلفة فی هذه اللیلة.

اور مغرب اور عشاء کے درمیان آپ نے کوئی (سنت ونفل) نماز نہیں پڑھی (مسلم)
اس سے معلوم ہوا کہ عرفات سے روانہ ہوکر مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں پہنچ کر اکٹھی پڑھنی چاہئے، اور دونوں نمازوں کے دوران معمولی وقفہ میں گناہ نہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ بِعَرَفَةَ وَهُوَ مُرْدِفٌ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ ، فَقَالَ: هٰذَا الْمَوْقِفُ ، وَكُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ، ثُمَّ دَفَعَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ ، وَجَعَلَ النَّاسُ يَضْرِبُوْنَ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا ، وَهُوَ يَلْتَفِتُ وَيَقُوْلُ: اَلسَّكِيْنَةَ أَيُّهَا النَّاسُ ، اَلسَّكِيْنَةَ أَيُّهَا النَّاسُ، حَتّٰى جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ ، وَجَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ ، ثُمَّ وَقَفَ بِالْمُزْدَلِفَةِ ، فَوَقَفَ عَلٰى قُزَحَ ، وَأَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ الْعَبَّاسِ ، وَقَالَ: هٰذَا الْمَوْقِفُ ، وَكُلُّ مُزْدَلِفَةَ مَوْقِفٌ، ثُمَّ دَفَعَ وَجَعَلَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ ، وَالنَّاسُ يَضْرِبُوْنَ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا، وَهُوَ يَلْتَفِتُ وَيَقُوْلُ: اَلسَّكِيْنَةَ أَيُّهَا النَّاسُ ، اَلسَّكِيْنَةَ (مسند احمد، رقم الحديث ۵۲۵) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفات میں وقوف کیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا، اور فرمایا کہ یہ وقوف کی جگہ ہے اور پورا (میدان) عرفات وقوف کی جگہ ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ سے کوچ کیا اور سواری کی رفتار تیز کردی، لوگ دائیں بائیں بھاگنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ لوگو! سکینہ اختیار کرو، لوگو! سکینہ اختیار کرو، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ آ پہنچے، اور مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی

[1] فی حاشیة مسند احمد: إسناده حسن.

پڑھیں، پھر مزدلفہ میں وقوف فرمایا، پس مزدلفہ کا وقوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جبل) قزح پر فرمایا (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو بٹھا رکھا تھا، اور فرمایا کہ یہ وقوف کی جگہ ہے اور پورا مزدلفہ ہی وقوف کی جگہ ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ سے کوچ کیا اور سواری کی رفتار تیز کردی، لوگ پھر دائیں بائیں بھاگنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ لوگو! سکینہ اختیار کرو (لوگو!) سکینہ (اختیار کرو) (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ عرفات سے مزدلفہ وقار اور سکون کے ساتھ روانہ ہونا چاہیے، اور مزدلفہ میں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھنی چاہئیں، اور رات کو مزدلفہ میں قیام کرنا چاہیے، اور مزدلفہ میں کسی بھی جگہ وقوف کرنا جائز ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

حَتّٰی أَتَی الْمُزْدَلِفَةَ، فَصَلّٰی بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَّاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ، وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا، ثُمَّ اضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی طَلَعَ الْفَجْرُ، وَصَلَّى الْفَجْرَ، حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ، بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ، ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ، حَتّٰی أَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهُ وَهَلَّلَهُ وَوَحَّدَهُ، فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰی أَسْفَرَ جِدًّا، فَدَفَعَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَأَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ (مسلم) [1]

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ مزدلفہ پہنچ گئے، تو یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھائیں اور ان

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۱۸ "۱۴۷"، باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفل وغیرہ نہیں پڑھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی اور جس وقت کہ صبح ظاہر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان اور اقامت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصویٰ اونٹنی پر سوار ہو کر مشعرِ حرام (یعنی مزدلفہ میں واقع مخصوص مسجد) آئے اور قبلے کی طرف رخ کر کے دعاء، تکبیر اور تہلیل وتوحید میں مصروف رہے، دیر تک وہاں کھڑے رہے، جب خوب روشنی واُجالا ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کیا اور سورج طلوع ہونے سے پہلے وہاں سے چل پڑے (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں مغرب وعشاء اکٹھی پڑھ کر رات کو آرام کرنے کے بعد جلد فجر کی نماز پڑھ کر پھر دعاء وذکر وغیرہ میں مصروف رہنا چاہئے، اور سورج طلوع ہونے سے کچھ پہلے جب خوب روشنی ہوجائے، وہاں سے روانہ ہونا چاہئے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلَّـى اللّٰـهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَلْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا (بخاری)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَـمَعَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ كُلُّ وَاحِـدَـةٍ مِـنْهُـمَا بِإِقَامَةٍ، وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا، وَلَا عَلٰى إِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا (بخاری) [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۶۷۴، كتاب الحج، باب من جمع بينهما ولم يتطوع.

[2] رقم الحديث ۱۶۷۳، كتاب الحج، باب من جمع بينهما ولم يتطوع.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کر کے پڑھا، ان میں سے ہر ایک کو اقامت کے ساتھ اور ان کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی، اور نہ ان میں سے کسی نماز کے بعد (کوئی نماز پڑھی) (بخاری)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِالْمُزْدَلِفَةِ جَمِيْعًا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی (مسلم)

اور حضرت عبداللہ بن مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، صَلّٰى بِجَمْعٍ فَجَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِإِقَامَةٍ، وَقَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ مِثْلَ هٰذَا فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے مزدلفہ میں دونوں (یعنی مغرب وعشاء کی) نمازوں کو ایک اقامت کے ساتھ جمع کر کے پڑھا، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ اسی طرح عمل کرتے ہوئے دیکھا (ترمذی)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ لَيْسَ بَيْنَهُمَا سَجْدَةٌ (مسلم) [3]

---

[1] رقم الحديث ۲۸۶"۷۰۳" كتاب الحج، باب الإفاضة من عرفات إلى المزدلفة واستحباب صلاتي المغرب والعشاء جميعا بالمزدلفة في هذه الليلة.

[2] رقم الحديث ۸۸۷، ابواب الحج، باب ما جاء في الجمع بين المغرب والعشاء بالمزدلفة.

[3] رقم الحديث ۱۲۸۸"۲۸۷" كتاب الحج، باب الإفاضة من عرفات إلى المزدلفة واستحباب صلاتي المغرب والعشاء جميعا بالمزدلفة في هذه الليلة.

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع فرمایا، جن کے درمیان کوئی سجدہ (یعنی نماز کا عمل) نہیں تھا (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلَاةً إِلَّا لِمِيْقَاتِهَا إِلَّا صَلَاتَيْنِ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا (مسلم) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ نماز کو اس کے وقت پر پڑھتے ہوئے ہی دیکھا ہے، مگر (حج کے موقع پر) مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور اس دن آپ نے فجر کی نماز (اور دِنوں کے معمول کے برعکس) جلدی پڑھی (مسلم، مسند احمد)

ان احادیث وروایات سے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا اور فجر کی نماز فجر طلوع ہونے کے بعد جلدی پڑھنا معلوم ہوا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

حَجَّ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَأَتَيْنَا الْمُزْدَلِفَةَ حِيْنَ الْأَذَانِ بِالْعَتَمَةِ أَوْ قَرِيْبًا مِّنْ ذٰلِكَ، فَأَمَرَ رَجُلًا فَأَذَّنَ وَأَقَامَ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ، وَصَلّٰى بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ دَعَا بِعَشَائِهٖ فَتَعَشّٰى، ثُمَّ أَمَرَ أُرٰى فَأَذَّنَ وَأَقَامَ، قَالَ عَمْرٌو: لَا أَعْلَمُ الشَّكَّ إِلَّا مِنْ زُهَيْرٍ، ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا طَلَعَ الْفَجْرُ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُصَلِّيْ هٰذِهٖ

---

[1] رقم الحديث ١٢٨٩ "٢٩٢"، كتاب الصلاة، باب استحباب زيادة التغليس بصلاة الصبح يوم النحر بالمزدلفة والمبالغة فيه بعد تحقق طلوع الفجر، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ٣٦٣٧.

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

السَّاعَةَ إِلَّا هٰذِهِ الصَّلَاةَ، فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ هٰذَا الْيَوْمِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: هُمَا صَلَاتَانِ تُحَوَّلَانِ عَنْ وَقْتِهِمَا، صَلَاةُ الْمَغْرِبِ بَعْدَ مَا يَأْتِي النَّاسُ الْمُزْدَلِفَةَ، وَالْفَجْرُ حِيْنَ يَبْزُغُ الْفَجْرُ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (ہمارے ساتھ) حج کیا، تو ہم لوگ عشاء کی اذان کے وقت یا اس کے قریب مزدلفہ پہنچے، انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا اور اس نے اذان کہی اور تکبیر کہی پھر مغرب کی نماز پڑھی اور مغرب کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، پھر رات کا کھانا منگوایا اور کھایا پھر میں خیال کرتا ہوں کہ اذان واقامت کہنے کا حکم دیا، چنانچہ اذان واقامت کہی گئی، عمرو راوی کہتے ہیں کہ اس بات میں شک غالباً زہیر راوی کو ہوا ہے، پھر عشاء کی نماز (مسافر ہونے کی وجہ سے) دو رکعتیں پڑھیں، پھر جب فجر طلوع ہوئی تو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس (مزدلفہ کی) جگہ میں آج کے دن کے علاوہ کسی دن اس وقت (یعنی اتنی جلدی فجر کی) یہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ دو نمازیں (حج کے موقع پر مزدلفہ میں) اپنے وقت سے ہٹادی گئی ہیں، مغرب کی نماز تو لوگوں کے مزدلفہ میں آنے کے بعد (عشاء کے وقت میں پڑھی جائے گی) اور فجر کی نماز فجر طلوع ہوتے ہی پڑھی جائے گی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مغرب کی نماز کے بعد کچھ معمولی وقفہ ہوجائے، اور پھر عشاء کی نماز پڑھی جائے، تو بھی گناہ نہیں۔

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۷۵، کتاب الحج، باب من اذن واقام لکل واحدة منهما.

اور حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

حَجَجْنَا مَعَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، فِیْ خِلَافَةِ عُثْمَانَ، قَالَ: فَلَمَّا وَقَفْنَا بِعَرَفَةَ، قَالَ: فَلَمَّا غَابَتِ الشَّمْسُ، قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: لَوْ أَنَّ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَفَاضَ الْآنَ، كَانَ قَدْ أَصَابَ ، قَالَ: فَلَا أَدْرِیْ كَلِمَةُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَتْ أَسْرَعَ، أَوْ إِفَاضَةُ عُثْمَانَ، قَالَ: فَأَوْضَعَ النَّاسُ، وَلَمْ يَزِدِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ عَلَى الْعَنَقِ ، حَتّٰى أَتَيْنَا جَمْعًا، فَصَلّٰى بِنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ دَعَا بِعَشَائِهِ، ثُمَّ تَعَشّٰى، ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ، ثُمَّ رَقَدَ، حَتّٰى إِذَا طَلَعَ أَوَّلُ الْفَجْرِ، قَامَ فَصَلَّى الْغَدَاةَ، قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: مَا كُنْتَ تُصَلِّیْ الصَّلَاةَ هٰذِهِ السَّاعَةَ، قَالَ: وَكَانَ يُسْفِرُ بِالصَّلَاةِ، قَالَ: إِنِّیْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ هٰذَا الْيَوْمِ، وَهٰذَا الْمَكَانِ، يُصَلِّیْ هٰذِهِ السَّاعَةَ(مسند احمد ،رقم الحديث ۳۸۹۳) [1]

ترجمہ: ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا، تو جب ہم نے عرفات میں وقوف کیا، تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے سورج غروب ہونے پر فرمایا کہ اگر امیر المومنین اس وقت روانہ ہوجاتے تو بہت اچھا اور صحیح ہوتا، میں نہیں سمجھتا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا جملہ پہلے پورا ہوا یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روانگی پہلے شروع ہوئی، لوگوں نے تیز رفتاری سے جانوروں کو دوڑانا شروع کردیا لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری کو صرف تیز چلانے پر اکتفاء کیا (دوڑایا نہیں) یہاں تک کہ ہم مزدلفہ پہنچ گئے، پھر ہمیں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز پڑھائی، پھر اپنا رات کا کھانا منگوایا، پھر کھانا کھایا،

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح، رجالُه ثقات رجال الشيخين.

پھر کھڑے ہوئے، پھر عشاء کی نماز پڑھی، پھر لیٹ گئے، پھر جب اولِ فجر طلوع ہوئی، تو کھڑے ہوئے، پھر فجر کی نماز پڑھائی، میں نے اُن سے عرض کیا کہ آپ یہ (فجر کی) نماز اس وقت (یعنی اتنی جلدی) تو نہیں پڑھا کرتے، اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فجر کی نماز روشنی میں پڑھا کرتے تھے، تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن اور اس جگہ (مزدلفہ) میں اسی وقت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا (مسند احمد)

اس سے بھی مزدلفہ میں فجر کی نماز جلدی پڑھنا معلوم ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَتْ سَوْدَةُ امْرَأَةً ضَخْمَةً ثَبِطَةً، فَاسْتَأْذَنَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُفِيْضَ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ، فَأَذِنَ لَهَا (مسلم) [1]

ترجمہ: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھاری بھرکم خاتون تھیں، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اجازت چاہی کہ وہ مزدلفہ سے رات کو (منیٰ) چلی جائیں، تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (منیٰ جانے کی) اجازت دے دی (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں اور ضعیفوں کو رش اور ہجوم کی وجہ سے رات کے وقت ہی فجر طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہونا جائز ہے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

أَرْسَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ضَعَفَةِ أَهْلِهِ، فَصَلَّيْنَا الصُّبْحَ بِمِنًى، وَرَمَيْنَا الْجَمْرَةَ (سنن النسائی) [2]

---

[1] رقم الحديث ١٢٩٠ "٢٩٤" كتاب الحج، باب استحباب تقديم دفع الضعفة من النساء وغيرهن من مزدلفة إلى منى في أواخر الليل قبل زحمة الناس، واستحباب المكث لغيرهم حتى يصلوا الصبح بمزدلفة.

[2] رقم الحديث ٣٠٤٨، كتاب مناسك الحج، باب :الرخصة للضعفة أن يصلوا يوم النحر الصبح بمنى.

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں کے پاس بھیجا (تا کہ ہم جلدی منیٰ چلے جائیں) ہم نے صبح کی نماز منیٰ میں پڑھی اور جمرہ کی رمی کی (نسائی)

اس سے معلوم ہوا کہ کمزور لوگوں کو فجر طلوع ہونے سے پہلے منیٰ پہنچا دینا، تا کہ وہاں پہنچ کر وہ پہلے وقت میں رمی کرلیں، جائز ہے۔

اور حضرت مقسم سے روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهٖ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ بِلَيْلٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۳۰۰۶، واللفظ لهٗ، ترمذی، رقم الحديث ۸۹۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو مزدلفہ سے رات کو ہی آگے (یعنی منیٰ) بھیج دیا (مسند احمد، ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں، ضعیفوں اور کمزور لوگوں کو طلوعِ فجر سے پہلے ہی مزدلفہ سے روانہ ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ [2]

حضرت عمر بن میمون رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

حَجَجْنَا مَعَ عُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ فَلَمَّا أَرَدْنَا أَنْ نُفِيْضَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ، قَالَ: إِنَّ الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ: أَشْرِقْ ثَبِيْرُ، كَيْمَا نُغِيْرُ، وَكَانُوْا لَا يُفِيْضُوْنَ، حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، فَخَالَفَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَفَاضَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ (سنن ابنِ ماجه) [3]

---

[1] قال الترمذی: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح. والعمل على هذا الحديث عند أهل العلم لم يروا بأسا أن يتقدم الضعفة من المزدلفة بليل يصيرون إلى منى.
وفي حاشية مسند احمد: صحيح، وهذا إسناد حسن، المسعودی متابع، وباقی رجاله ثقات.

[2] قال محمد: لا بأس بأن يقدم الضعفة (المؤطا للامام محمد، باب من قدم الضعفة من المزدلفة)

[3] رقم الحديث ۳۰۲۲، كتاب المناسك، باب الوقوف بجمع.

ترجمہ: ہم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا، پس جب ہم نے مزدلفہ سے لوٹنے کا ارادہ کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ ثبیر (پہاڑ) چمک اٹھ تا کہ ہم لوٹیں اور وہ مزدلفہ سے نہیں لوٹتے تھے جب تک سورج نہ نکلتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کی اور آپ (مزدلفہ سے) سورج طلوع ہونے سے پہلے نکلے (ابن ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ سے غیر معذور حضرات کے روانہ ہونے کا مسنون وافضل وقت سورج طلوع ہونے سے کچھ وقت پہلے ہے۔

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ بِجَمْعٍ، فَلَمَّا أَضَاءَ كُلُّ شَيْءٍ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ، أَفَاضَ (مسند أحمد، رقم الحديث ۳۰۲۰) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں وقوف فرمایا، پھر جب سورج طلوع ہونے سے پہلے ہر چیز روشن ہوگئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مزدلفہ سے منیٰ کی طرف) روانہ ہوئے (مسند احمد)

اس حدیث کا مطلب پہلے کی طرح ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ قَالَ: وَفِطْرُكُمْ يَوْمَ تُفْطِرُوْنَ، وَأَضْحَاكُمْ يَوْمَ تُضَحُّوْنَ، وَكُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ، وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ، وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ مَنْحَرٌ، وَكُلُّ جَمْعٍ مَوْقِفٌ (ابو داؤد) [2]

ترجمہ: نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عید الفطر اس دن ہے، جس دن تم افطار کرو اور عید الاضحیٰ اس دن ہے جس دن تم قربانی کرو، اور سارا عرفات وقوف

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: حديث صحيح.

[2] رقم الحديث ۲۳۲۴، كتاب الصوم، باب إذا أخطأ القوم الهلال.

کرنے کی جگہ ہے اور سارا منیٰ قربان گاہ ہے، اور مکہ کے تمام راستے قربانی کی جگہ ہیں اور سارا مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں کسی بھی جگہ وقوف وقیام کرنا جائز ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: نَحَرْتُ هَاهُنَا، وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ، فَانْحَرُوْا فِيْ رِحَالِكُمْ، وَوَقَفْتُ هَاهُنَا، وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ، وَوَقَفْتُ هَاهُنَا، وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے یہاں قربانی کی اور منیٰ ساری کی ساری قربانی کی جگہ ہے، تو تم جہاں اُترو، وہیں قربانی کرلو، اور میں نے یہاں وقوف کیا، اور سارا میدان عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے اور میں نے یہیں وقوف کیا، اور مزدلفہ ساری کی ساری ٹھہرنے کی جگہ ہے (مسلم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ، وَارْتَفِعُوْا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ، وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ، وَارْتَفِعُوْا عَنْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ پورا کا پورا وقوف کرنے کی جگہ ہے، اور تم بطنِ عرنہ سے الگ رہو، اور مزدلفہ پورا کا پورا وقوف کرنے کی جگہ ہے، اور تم بطنِ محسر (یعنی وادی محسر) سے الگ رہو (ابن ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ بطنِ محسر یا وادیٔ محسر میں قیام یا وقوف نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۱۲۱۸ "۱۴۹" كتاب الحج، باب حجة النبی صلی الله عليه وسلم .

[2] رقم الحديث ۳۰۱۲، كتاب المناسك، باب الموقف بعرفة.

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِجَمْعٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، جِئْتُكَ مِنْ جَبَلَيْ طَيِّءٍ أَتْعَبْتُ نَفْسِيْ، وَأَنْضَيْتُ رَاحِلَتِيْ ، وَاللّٰهِ مَا تَرَكْتُ مِنْ حَبلٍ إِلَّا وَقَفْتُ عَلَيْهِ، فَهَلْ لِّيْ مِنْ حَجٍّ ؟ فَقَالَ: مَنْ شَهِدَ مَعَنَا هٰذِهِ الصَّلَاةَ، يَعْنِيْ صَلَاةَ الْفَجْرِ، بِجَمْعٍ، وَوَقَفَ مَعَنَا حَتّٰى نُفِيْضَ مِنْهُ، وَقَدْ أَفَاضَ قَبْلَ ذٰلِكَ مِنْ عَرَفَاتٍ لَيْلًا، أَوْ نَهَارًا، فَقَدْ تَمَّ حَجُّهُ وَقَضٰى تَفَثَهُ (مسند احمد، رقم الحديث ١٦٢٠٨) [1]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ حاضر ہوا، اس وقت آپ مزدلفہ میں تھے میں نے عرض کیا کہ:

اے اللہ کے رسول! میں بنوطی کے دو پہاڑوں کے درمیان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، میں نے اس مقصد کے لیے اپنے آپ کو تھکا دیا اور اپنی سواری کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔

واللہ میں نے ریت کا کوئی ایسا لمبا ٹکڑا نہیں چھوڑا جہاں میں ٹھہرا نہ ہوں، کیا میرا حج قبول ہوگیا؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ہمارے ساتھ آج یہاں مزدلفہ میں فجر کی نماز میں شرکت کی اور ہمارے ساتھ وقوف کرلیا یہاں تک کہ وہ واپس (منیٰ کی طرف) چلا گیا اور اس سے پہلے وہ رات یا دن میں وقوف عرفات کر چکا تھا تو اس کا حج مکمل ہوگیا اور اس کی محنت وصول ہوگئی (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو مزدلفہ میں فجر کے وقت کچھ دیر وقوف ضرور کرنا چاہئے، خواہ فجر کی نماز پڑھنے کی حد تک ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

غَدَاۃَ الْعَقَبَۃِ وَھُوَ عَلٰی نَاقَتِہٖ اُلْقُطْ لِیْ حَصًی فَلَقَطْتُ لَہٗ سَبْعَ حَصَیَاتٍ، ھُنَّ حَصَی الْخَذْفِ، فَجَعَلَ یَنْفُضُھُنَّ فِیْ کَفِّہٖ وَیَقُوْلُ أَمْثَالَ ھٰؤُلَاءِ، فَارْمُوْا ثُمَّ قَالَ:

یَا أَیُّھَا النَّاسُ إِیَّاکُمْ وَالْغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ، فَإِنَّہٗ أَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمُ الْغُلُوُّ فِی الدِّیْنِ (ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ (یعنی دس ذی الحجہ) کی صبح میں اپنی اونٹنی پر بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں فرمایا کہ میرے لئے کنکریاں اُٹھالو، تو میں نے آپ کے لئے سات کنکریاں گٹھلی اور لوبیہ کے برابر اُٹھالیں، آپ ان کو اپنی ہتھیلی میں مسلنے لگے، اور فرمانے لگے کہ بس! ایسی ہی کنکریوں سے رمی کرو، پھر آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم دین میں غلو کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو نے ہی ہلاک کیا (ابنِ ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بسہولت ممکن ہو تو مزدلفہ سے سات کنکریاں اُٹھالینا مناسب ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مِنْ سُنَّۃِ الْحَجِّ أَنْ یُّصَلِّیَ الْإِمَامُ الظُّھْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الْآخِرَۃَ وَالصُّبْحَ بِمِنًی.

ثُمَّ یَغْدُوْ إِلٰی عَرَفَۃَ فَیَقِیْلُ حَیْثُ قَضٰی لَہٗ حَتّٰی إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَطَبَ النَّاسَ.

ثُمَّ صَلَّی الظُّھْرَ وَالْعَصْرَ جَمِیْعًا.

ثُمَّ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ حَتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ.

---

[1] رقم الحدیث ۳۰۲۹، کتاب المناسک، باب قدر حصی الرمی، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۵۱. فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحیح علی شرط مسلم

ثُمَّ يَفِيضَ فَيُصَلِّيَ بِالْمُزْدَلِفَةِ أَوْ حَيْثُ قَضَى اللّٰهُ.

ثُمَّ يَقِفَ بِجَمْعٍ حَتّٰى إِذَا أَسْفَرَ دَفَعَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ.

فَإِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ الْكُبْرٰى حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ حُرِّمَ عَلَيْهِ إِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ حَتّٰى يَزُوْرَ الْبَيْتَ (صحيح ابن خزيمة) [1]

ترجمہ: حج کی سنت یہ ہے کہ امام (آٹھ ذی الحجہ کے دن) ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اور فجر منیٰ میں پڑھے۔

پھر عرفات چلا جائے، پھر کچھ آرام کرے، جہاں اس کی ضرورت پوری ہو۔

پھر جب (نو ذی الحجہ کو) سورج کا زوال ہوجائے، تو لوگوں کو خطبہ دے۔

پھر ظہر اور عصر اکٹھی پڑھائے، پھر عرفات میں وقوف کرے، یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے۔

پھر وہاں سے چلے، پھر مزدلفہ میں نماز پڑھے، یا جہاں اللہ چاہے۔

پھر مزدلفہ میں وقوف کرے، یہاں تک کہ جب روشنی ہوجائے، تو سورج طلوع ہونے سے پہلے چلا جائے۔

پھر جب (دس ذی الحجہ کے دن) جمرۂ کبریٰ (یعنی بڑے جمرہ یا شیطان) کی رَمی کرلے، تو اس کے لئے ہر چیز حلال ہوجائے گی، جو اس پر (احرام کی وجہ سے) حرام تھی، سوائے عورتوں اور خوشبو کے، یہاں تک کہ طوافِ زیارت کرلے (اور طوافِ زیارت کے بعد یہ چیزیں بھی حلال ہوجائیں گی) (ابنِ خزیمہ، حاکم)

اس حدیث سے فی الجملہ مغرب کی نماز مزدلفہ کے علاوہ دوسری جگہ پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوئی۔

---

[1] رقم الحديث ۲۸۰۰ كتاب المناسک، باب وقت الغدو من منى إلى عرفة، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۶۹۵ . قال الحاكم: هذا حديث على شرط الشيخين، ولم يخرجاه .
وقال الاعظمى فى تعليق ابنِ خزيمة: اسناده صحيح.

وقوفِ مزدلفہ سے متعلق مسائل

احادیث وروایات کے بعداب وقوفِ مزدلفہ کے سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبرا...... حج کے واجباتِ اصلیہ میں سے ایک واجب مزدلفہ میں وقوف کرنا یا رات گزارنا ہے۔

البتہ معذور حضرات پر یہ عمل واجب نہیں، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... عرفات اور منیٰ کے درمیان مزدلفہ واقع ہے، جس کے ایک حصہ میں مشعرِ حرام کے نام سے مسجد واقع ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۳...... غیر معذور حضرات کو مزدلفہ میں قیام یا وقوف کرنا واجب ہے۔

اوراس واجب کی ادائیگی کا وقت حنفیہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کے طلوعِ فجر سے لے کر سورج طلوع ہونے کے درمیان ہے، اگر کوئی اس وقت میں تھوڑے سے وقت کے لئے بھی مزدلفہ میں وقوف کرلے، تو اس کا واجب ادا ہو جاتا ہے، اور اگر اس پورے عرصہ میں تھوڑے سے وقت کے لئے بھی کوئی وقوف نہ کرے، خواہ طلوعِ فجر سے پہلے کا وقت مزدلفہ میں گزار لے، مگر طلوعِ فجر سے پہلے وہاں سے نکل جائے، تو اس پر دَم واجب ہوتا ہے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے اس کو ترک کیا جائے، مثلاً رَش اور ہجوم کی وجہ سے، تو دَم واجب نہیں ہوتا، اور

---

[1] أولا :واجبات الحج الأصلية :المبيت بمزدلفة: المزدلفة تسمى "جمعا" أيضا، لاجتماع الناس بها ليلة النحر، واتفق الفقهاء على أن المبيت بالمزدلفة واجب ليس بركن (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۴، مادة "حج")

[2] المشعر الحرام: المشعر، بفتح الميم في المشهور وحكى كسرها :جبل صغير آخر مزدلفة، اسمه قزح بضم القاف وبالزاى.

وسمى مشعرا :لما فيه من الشعائر وهى معالم الدين وطاعة الله تعالى، ووصف بالحرام لأنه يحرم فيه الصيد وغيره، ويجوز أن يكون معناه ذو الحرمة .

والصلة بينه وبين مزدلفة أنه جزء منها، أو جميع المزدلفة وعلى هذا فهو مرادف للمزدلفة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷ص۹۴، مادة "مزدلفة")

حنفیہ کے نزدیک طلوعِ فجر سے پہلے رات کا وقت مزدلفہ میں گزارنا سنت ہے۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مزدلفہ میں طلوعِ فجر سے پہلے کا کچھ وقت گزارنا واجب ہے، جس کو ان حضرات نے ''مبیتِ مزدلفہ'' سے تعبیر فرمایا ہے، اوران حضرات کے نزدیک طلوعِ فجر کے بعد وقوف واجب نہیں، بلکہ سنت ہے، لہٰذا ان حضرات کے نزدیک اگرکوئی شخص دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے پہلے کچھ وقت مزدلفہ میں گزار کر، طلوعِ فجر ہونے سے پہلے نکل جائے، تواس پر دَم واجب نہیں ہوتا، اوراگراس کے برعکس طلوعِ فجر سے پہلے کا وقت مزدلفہ میں نہ گزارے، خواہ طلوعِ فجر کے بعد کا کچھ وقت گزارے، تو دَم واجب ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ تمام فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ معذور حضرات کومزدلفہ میں ٹھہرنا اور وقوف کرنا واجب نہیں، اور غیرمعذور حضرات کے لئے وقوف کرنے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ حنفیہ کے نزدیک طلوعِ فجر سے پہلے رات مزدلفہ میں گزارنا سنت اور اور طلوعِ فجر کے بعد کا کچھ وقت مزدلفہ میں گزارنا واجب ہے، اور سورج طلوع ہونے سے کچھ دیر پہلے مزدلفہ سے کوچ کرنا سنت ہے۔

حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے ثلاثہ کے نزدیک وقوفِ مزدلفہ کا واجب زمانہ رات کا ہے۔

پھر مالکیہ کے نزدیک مزدلفہ میں رات کے وقت کجاوے کھولنے کی مقدار کے برابر ٹھہرنا واجب ہے، اور پوری رات ٹھہرنا سنت ہے۔

اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک مزدلفہ میں آدھی رات کے بعد کم ازکم ایک لمحہ کے لئے ٹھہرنا واجب ہے، خواہ کوئی آدھی رات سے پہلے بالکل بھی مزدلفہ میں نہ آئے، یا آ کر چلا جائے، مگر طلوعِ فجر سے پہلے واپس لوٹ آئے، تو اس پر کچھ واجب نہیں۔

اورحنفیہ کے علاوہ جمہور فقہائے ثلاثہ کے نزدیک اگرکوئی مزدلفہ سے آدھی رات کے بعد مگر طلوعِ فجر سے پہلے نکل جائے، تو اس پر کوئی دَم واجب نہیں، اگرچہ وہ کسی عذر کی وجہ سے نکلے، یا بغیر عذر کے۔

ثم اختلفوا فی مقداره ووقته. فذهب الأئمة الثلاثة إلى أن زمن الوقوف الواجب هو المكث بالمزدلفة من الليل، ثم اختلف أصحاب هذا الرأى.

فذهب المالكية إلى أن النزول بالمزدلفة قدر حط الرحال فی ليلة النحر واجب، والمبيت بها سنة.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه يجب الوجود بمزدلفة بعد نصف الليل، ولو ساعة لطيفة :أى فترة ما من الزمن ولو قصيرة. وذهب الحنفية إلى أنه ما بين طلوع الفجر يوم النحر وطلوع الشمس، فمن حصل بمزدلفة فی هذا الوقت فترة من الزمن فقد أدرک الوقوف، سواء بات بها أو لا، ومن لم يحصل بها فيه فقد فاته الوقوف الواجب بالمزدلفة .وعليه دم إلا إن تركه لعذر كزحمة فلا شیء عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٥٤، مادة "حج")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴۔۔۔۔۔۔ مزدلفہ کے وقوف کو بغیر عذر ترک کرنے پر دَم لازم ہوتا ہے۔

اور عذر کی وجہ سے مزدلفہ کے وقوف کو ترک کرنے پر دَم لازم نہیں ہوتا۔

مثلاً بوڑھے اور کمزور اور بیمار لوگ، ضعیف عورتیں اور بچے، رَش اور ہجوم کی وجہ سے مزدلفہ کا وقوف ترک کردیں، اور وہ عرفات سے سیدھے منیٰ، یا حرم میں کسی اور جگہ، یا مزدلفہ سے طلوعِ فجر ہونے سے پہلے منیٰ یا حرم میں کسی اور جگہ چلے جائیں، یا کسی عورت کو حیض یا نفاس جاری ہونے کا خوف ہو، جس کی وجہ سے وہ وقوفِ مزدلفہ ترک کر کے جلدی حرم پہنچ کر دس ذی الحجہ کی صبح سویرے طوافِ زیارت کرنا چاہے، تو ایسے اعذار کی صورت میں دَم لازم نہیں ہوتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويمكث بها حتى يطلع الفجر، ثم يقف للدعاء ويمكث فيها حتى يسفر جدا، ثم يدفع إلى منى فهذا سنة عند الحنفية والشافعية، مندوب عند المالكية، مستحب عند الحنابلة .إنما الواجب الوقوف الذى سبق ذكره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷،ص۶۷، مادة "حج")

كما أن هذا المبيت يحصل عند الشافعية والحنابلة بالحضور فى مزدلفة فى ساعة من النصف الثانى من ليلة النحر، وأنه لو دفع من مزدلفة بعد نصف الليل أجزأه وحصل المبيت ولا دم عليه، سواء كان هذا الدفع لعذر أو لغير عذر، وأنه لو دفع من مزدلفة قبل نصف الليل ولو بيسير ولم يعد إليها فقد ترك المبيت، فإن عاد قبل طلوع الفجر أجزأه المبيت ولا شىء عليه، ومن لم يوافق مزدلفة إلا فى النصف الأخير من الليل فلا شىء عليه.

ووجوب الدم بترك المبيت خاص فيمن تركه بلا عذر......وقال المالكية :يندب المبيت بمزدلفة بقدر حط الرحال، سواء حطت بالفعل أم لا، وإن لم ينزل فيها بهذا القدر حتى طلع الفجر بلا عذر وجب عليه دم، أما إن تركه بعذر فلا شىء عليه. وعند الحنفية :المبيت فى مزدلفة ليلة النحر سنة مؤكدة إلى الفجر، لا واجبة. قال الكاسانى :والسنة أن يبيت ليلة النحر بمزدلفة والبيتوتة ليست بواجبة إنما الواجب هو الوقوف، والأفضل أن يكون وقوفه بعد الصلاة، فيصلى صلاة الفجر بغلس، ثم يقف عند المشعر الحرام فيدعو الله تعالى ويسأله حوائجه إلى أن يسفر، ثم يفيض منها قبل طلوع الشمس إلى منى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص۹۵، مادة: مزدلفة)

[1] اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عورتوں اور ضعیف لوگوں کو مزدلفہ سے آدھی رات کے بعد طلوعِ فجر سے قبل منیٰ پہنچا دینا سنت ومستحب ہے، تاکہ وہ لوگوں کا رَش اور ہجوم ہونے سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رَمی کرلیں، اور ان حضرات کے نزدیک اس کے سنت ومستحب ہونے کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک آدھی رات کے بعد مزدلفہ کے وقوف کا واجب ادا ہوجاتا ہے، لہٰذا ان کے نزدیک طلوعِ فجر سے قبل آدھی رات کے بعد روانہ کرنا وجوب کی ادائیگی کے بعد ہوا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... مزدلفہ کے میدان میں جس جگہ بھی رات گزاری جائے، یا وقوف کیا جائے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اور حنفیہ کے نزدیک وقوفِ مزدلفہ کا واجب وقت طلوعِ فجر کے بعد شروع ہوتا ہے، اور احادیث میں خواتین اور کمزور لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طلوعِ فجر سے پہلے رات ہی میں مزدلفہ سے روانہ کرنا یا اس کی اجازت دینا ثابت ہے، جس سے حنفیہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ ان حضرات کو بالکلیہ وقوفِ مزدلفہ کے وجوب کا ترک کرنا جائز ہے، اس لئے حنفیہ کے نزدیک طلوعِ فجر سے قبل روانہ کرنے کے سنت واستحباب ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں، البتہ ضعفاء کو ہجوم کی وجہ سے جس طرح طلوعِ فجر سے پہلے روانہ ہونا جائز ہے، اسی طرح مزدلفہ میں پہنچے بغیر سیدھا عرفات سے ہی منیٰ یا مکہ روانہ ہونا بھی جائز ہے۔ نیز اگر کسی نے بلا عذر وقوفِ مزدلفہ ترک کیا، لیکن وقوفِ مزدلفہ کے واجب وقت میں مزدلفہ لوٹ آیا، تو دَم ساقط ہونا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ووجوب الدم بترك المبيت خاص فيمن تركه بلا عذر، أما من تركه لعذر كمن انتهى إلى عرفات ليلة النحر واشتغل بالوقوف بعرفة عن المبيت بالمزدلفة فلا شيء عليه، وكالمرأة لو خافت طروء الحيض أو النفاس، فبادرت إلى مكة بالطواف، وكمن أفاض من عرفات إلى مكة وطاف للركن ولم يمكنه الدفع إلى المزدلفة بلا مشقة ففاته المبيت وكالرعاة والسقاة فلا دم عليهم لترك المبيت، لأن النبى صلى الله عليه وسلم :رخص للرعاة فى ترك المبيت لحديث عدى رضى الله عنه :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أرخص لرعاء الإبل فى البيتوتة خارجين عن منى ، وأن العباس بن عبد المطلب استأذن رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يبيت بمكة ليالى منى من أجل سقايته فأذن له (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص۹۵، مادة: مزدلفة)

أما عند الحنفية :فيجب الوقوف بمزدلفة بعد طلوع الفجر إلى طلوع الشمس، وعليه أن يقف فى ذلك الوقت ولو لحظة، فإن ترك الوقوف لعذر فلا شىء عليه، والعذر كأن يكون به ضعف أو علة أو كانت امرأة تخاف الزحام، وإن أفاض من مزدلفة قبل ذلك لا لعذر فعليه دم .وظاهر أنه إن تدارك الوقوف بالرجوع إلى مزدلفة قبل طلوع الشمس سقط عنه الدم.

وعند المالكية :النزول بمزدلفة بقدر حط الرحال -وإن لم تحط بالفعل -واجب، فإن لم ينزل بها بقدر حط الرحال حتى طلع الفجر فالدم واجب عليه إلا لعذر، فإن ترك النزول لعذر فلا شىء عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۱، ص۱۰۸، مادة "تدارك")

(ضعفة أهله) بفتحتين جمع ضعيف، أى :من النساء، والصبيان .قال الطيبى -رحمه الله :يستحب تقدم الضعفة ليلا لئلا يتأذوا بالزحام اهـ.والظاهر أنه رخصة بالعذر(مرقاة المفاتيح، ج۵ص۱۸۰۸، باب الدفع من عرفة والمزدلفة)

قدم ضعفة أهله) بفتح الضاد المعجمة والعين المهملة جمع ضعيف النساء والصبيان والمشايخ العاجزين وأصحاب الأمراض ليرموا قبل الزحمة(ارشاد السارى لشرح صحيح البخارى للقسطلانى، ج۳ص۲۰۶،باب من قدم ضعفة اهله)

ومن ترك الوقوف بالمزدلفة فعليه دم) لأنه من الواجبات يعنى إذا كان قادرا أما إذا كان به ضعف أو علة أو امرأة تخاف الزحام فلا شيئ عليه(الجوهرة النيرة، ج۱ص۱۷۲،۱۷۳، باب الجنايات فى الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تو اس سے وقوفِ مزدلفہ کا حکم پورا ہوجاتا ہے، مزدلفہ کے کسی خاص حصہ میں ٹھہرنا یا پہنچنا ضروری نہیں، البتہ بطنِ محسّر یا وادئ محسر نام کی جگہ میں وقوفِ مزدلفہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ یہاں اصحابِ فیل کو بیتُ اللہ پر چڑھائی کی کوشش کرتے وقت عذاب دیا گیا تھا۔

اور اکثر فقہائے کرام کی تحقیق کے مطابق وادئ محسر مزدلفہ کا حصہ نہیں، اس لئے اس حصہ میں وقوف کرنا درست ومعتبر نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لو ترک الوقوف بمزدلفة خوف الزحام لا شیء علیه(ردالمحتار، ج۲ص۵۹۳، کتاب الحج، باب الاحصار)

فالأولی تقیید خوف الزحمة بالمرأة، ویحمل إطلاق المحیط علیه لکون ذلک عذرا ظاهرا فی حقها یسقط به الواجب بخلاف الرجل، أو یحمل علی ما إذا خاف الزحمة لنحو مرض، ولذا قال فی السراج إلا إذا کانت به علة أو مرض أو ضعف فخاف الزحام فدفع لیلا فلا شیء علیه(ردالمحتار، ج۲ص۵۱۲، کتاب الحج، مطلب فی رمی الجمرة العقبة)

تقدیم النساء والضعفة إلی منی :ذهب الفقهاء إلی أنه من السنة تقدیم الضعفاء من النساء وغیرهن من مزدلفة إلی منی قبل طلوع الفجر بعد نصف اللیل لیرموا جمرة العقبة قبل زحمة الناس، لحدیث عائشة رضی الله عنها قالت :استأذنت سودة رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة المزدلفة تدفع قبله، وقبل حطمة الناس، وکانت امرأة ثبطة فأذن لها، وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال :(أنا ممن قدم النبی صلی الله علیه وسلم لیلة المزدلفة فی ضعفة أهله)(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۷ص۹۶،مادة "مزدلفة")

[1] ویحصل المبیت بالمزدلفة بالحضور فی أیة بقعة کانت من مزدلفة، لحدیث :مزدلفة کلها موقف، وارتفعوا عن بطن محسر (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۷، ص۹۵، مادة: مزدلفة)

الوقوف بوادی محسر :ذهب جمهور الفقهاء الحنفیة والمالکیة والشافعیة والحنابلة إلی أن وادی محسر لیس من منی ولا من مزدلفة، ونص الحنفیة علی أن بطن محسر لیس مکان الوقوف کبطن عرفة فی عرفات، فلو وقف فیهما فقط لا یجزئه، کما لو وقف فی منی، سواء قلنا :إن عرنة ومحسرا من عرفة ومزدلفة أو لا؟ لقوله صلی الله علیه وسلم :عرفة کلها موقف، وارفعوا عن بطن عرنة، والمزدلفة کلها موقف، وارفعوا عن بطن محسر .

إلا أنه نص فی البدائع علی أنه یکره النزول فیه، ولو وقف فیه أجزأ.

قال الکمال بن الهمام :وما ذکره غیر مشهور من کلام الأصحاب، بل الذی یقتضیه کلامهم عدم الإجزاء . وقال الشروانی من الشافعیة :إن وادی محسر لیس من منی، ثم ذکر عن بعض علماء الشافعیة أنه من منی؛ ولهذا قال المحب الطبری :إن فی حدیث الفضل بن عباس -رضی الله عنه - ما یدل علی أن وادی محسر من منی ، ونقل صاحب المطالع ما یدل علی أن بعضه من منی وبعضه من مزدلفة، وصوب ذلک (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۴۲، ص۳۴۴، مادة: وادی محسر)

اور اسی طرح راستوں میں اور لوگوں کی گزرگاہوں میں بھی پڑاؤ ڈالنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

بعض لوگ مزدلفہ میں راستوں اور گزرگاہوں کے درمیان پڑاؤ ڈال لیتے ہیں جس کی وجہ سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، جو کہ گناہ ہے۔

آج کل رَش اور ہجوم کی وجہ سے بعض حجاجِ کرام کے خیمے انتظامیہ کی طرف سے منیٰ کے بجائے مزدلفہ کی حدود میں لگادیئے جاتے ہیں، ایسی صورت میں اگر کوئی شخص عرفات سے واپس آکر مزدلفہ کی حدود میں اپنے خیمہ میں رات کو قیام اور وقوف کرے، تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر۶ ...... مزدلفہ کی رات انتہائی مبارک رات ہے، جس کی قدر کرنی چاہئے، لیکن بعض بدنصیب لوگ یہاں قصہ گوئیوں میں کافی وقت ضائع کردیتے ہیں یا آپس میں لڑائی جھگڑے کرنا شروع کردیتے ہیں، جو کہ بہت بری حرکت ہے۔

مسئلہ نمبر۷ ...... صحیح طریقہ یہ ہے کہ مغرب اور عشاء کی نماز میدانِ عرفات سے نکل کر اور مزدلفہ میں پہنچ کر اکٹھی پڑھی جائے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مزدلفہ میں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز کو عشاء کے وقت میں اکٹھی پڑھنا واجب ہے، اگرچہ اس کی خلاف ورزی پر دَم واجب نہیں، خواہ جماعت کے ساتھ پڑھے، یا بغیر جماعت کے، البتہ جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، مگر عشاء کا وقت داخل ہونے سے پہلے اگر کسی نے عرفات میں یہ دونوں نمازیں پڑھ لیں، تو اگر عشاء کے وقت میں وہ مزدلفہ پہنچ گیا، تو اس مغرب اور عشاء کو دوبارہ پڑھے گا، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کرکے پڑھنا واجب کے بجائے سنت درجہ کا عمل ہے۔ [1]

---

[1] واتفقوا على أن الحاج يجمع فى المزدلفة بين صلاتى المغرب والعشاء جمع تأخير، وهذا الجمع سنة عند الجمهور، واجب عند الحنفية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٤، مادة "حج")

واجب الوقوف بالمزدلفة: أوجب الحنفية جمع صلاتى المغرب والعشاء تأخيرا فى المزدلفة، وهو سنة عند الجمهور(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٦٠، مادة "حج")

مسئلہ نمبر۸......اگر کوئی شخص مزدلفہ میں پہنچنے سے پہلے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ لے، تو جمہور فقہائے کرام (یعنی شافعیہ، حنابلہ، مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہم اللہ) کے نزدیک اس کی نماز ادا ہو جاتی ہے، اگرچہ یہ عمل سنت کے خلاف کہلاتا ہے۔

کیونکہ جن دو نمازوں کو جمع کرنا شریعت سے ثابت ہے، اُن کو الگ الگ پڑھنا بھی جائز ہے، جیسا کہ میدانِ عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز۔ [1]

---

[1] البتہ شافعیہ کے نزدیک مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز کو جمع کرنے یعنی اس جمع بین الصلاتین کا سبب سفر کا ہونا ہے، نہ کہ نُسک کا ہونا، لہٰذا ان کے نزدیک مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین ایسے حجاجِ کرام ہی کریں گے کہ جو اس وقت شرعاً مسافر ہوں، اور جو مسافر نہ ہوں، ان کو مغرب اپنے وقت پر اور عشاء اپنے وقت پر جہاں بھی وقت ہو جائے، پڑھنی ہوں گی، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کرنے کا سبب نُسک ہے۔

واتفقوا على أن الحاج يجمع فى المزدلفة بين صلاتى المغرب والعشاء جمع تأخير، وهذا الجمع سنة عند الجمهور، واجب عند الحنفية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٤، مادة "حج")

واجب الوقوف بالمزدلفة :أوجب الحنفية جمع صلاتى المغرب والعشاء تأخيرا فى المزدلفة، وهو سنة عند الجمهور(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٦٠، مادة "حج")

ى -الجمع بين المغرب والعشاء بمزدلفة بعد الخروج من عرفة:

السنة أن يجمع الحاج بين المغرب والعشاء بمزدلفة، وهذا باتفاق الفقهاء ، ثم اختلفوا فى حكم صلاة من صلى المغرب قبل أن يأتى مزدلفة.

فذهب جمهور الفقهاء (المالكية فى المذهب والشافعية والحنابلة وأبو يوسف وإسحاق وأبو ثور وابن المنذر) إلى أن من صلى المغرب بالطريق ترك السنة وأجزأه، لأن كل صلاتين جاز الجمع بينهما جاز التفريق بينهما كالظهر والعصر بعرفة.وبه قال عطاء وعروة والقاسم بن محمد وسعيد بن جبير .وقيد المالكية سنية أو مندوبية الجمع بين صلاتى المغرب والعشاء بمزدلفة بأن يكون الحاج قد وقف بعرفة مع الإمام، وسار مع الناس أو تخلف عنهم اختيارا، فمن لم يقف مع الإمام يصلى كلا من الصلاتين فى وقتها.

وقالوا :إن وقف مع الإمام ثم عجز عن لحاق الناس فى سيرهم لمزدلفة فبعد الشفق يجمع فى أى محل كان. وإذا قدمتا على النزول بمزدلفة والحال أنه مطالب بالجمع لكونه وقف مع الإمام وسار مع الناس .فقال ابن القاسم :يعيد، لأن النبى صلى الله عليه وسلم ضرب لها ميقاتا.

وقال أشهب :يعيد العشاء وحدها إن صلاها قبل مغيب الشفق، والتأخير عنده رخصة لا عزيمة. والإعادة على هذين القولين على وجه الندب

وقيد الشافعية مخالفة السنة بعدم خشية فوات وقت الاختيار لصلاة العشاء وهو ثلث الليل فى أصح الوجهين، ونصف الليل فى الوجه الآخر، فمن خاف فوات هذا الوقت فإنه لا يؤخر المغرب والعشاء بغية أدائها فى مزدلفة، بل يجمع فى الطريق. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک مغرب کی نماز کو مزدلفہ میں ادا کرنے کے لئے مؤخر کرنا واجب ہے، لہٰذا جس شخص نے سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ پہنچنے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھ لی، تو ان دونوں مذکورہ حضرات کے نزدیک اسے مزدلفہ پہنچ کر مغرب کی نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہے، بشرطیکہ مزدلفہ پہنچنے میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ طلوعِ فجر ہو جائے۔

اور یہی حکم عشاء کی نماز کا بھی ہے، کہ اگر کسی نے عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد مزدلفہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں عشاء کی نماز پڑھ لی، تو اس کو بھی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک مزدلفہ میں پہنچ کر عشاء کی نماز کو لوٹانا واجب ہوگا، بشرطیکہ مزدلفہ پہنچنے میں اتنی تاخیر نہ ہو کہ طلوعِ فجر ہو جائے۔

البتہ اگر کسی شخص کا کسی عذر کی وجہ سے عرفات سے نکل کر مزدلفہ کے میدان میں جانے کا ارادہ نہ ہو، بلکہ کسی اور جگہ جانے کا ارادہ ہو، تو اسے ان دونوں حضرات کے نزدیک مغرب کا وقت داخل ہونے کے بعد راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ويشترط الشافعية للجمع بين الصلاتين في عرفة ومزدلفة توافر شروط السفر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵، ص ۳۲۹، ماده يوم عرفة)

أجمع العلماء على جواز الجمع بينهما بمزدلفة في وقت العشاء للمسافر فلو جمع بينهما في وقت المغرب أو في غير المزدلفة جاز هذا مذهبنا وبه قال عطاء وعروة بن الزبير والقاسم بن محمد وسعيد بن جبير ومالك واحمد واسحق وأبو يوسف وأبو ثور وابن المنذر وقال سفيان الثوري وأبو حنيفة ومحمد وداود وبعض أصحاب مالك لا يجوز أن يصليهما قبل المزدلفة ولا قبل وقت العشاء والخلاف مبني على أن جمعهم بالنسك أم بالسفر فعندنا بالسفر وعند أبي حنيفة بالنسك (المجموع شرح المهذب، ج۲ ص ۱۴۸، باب صفة الحج، في مذاهب العلماء في الجمع بين المغرب والعشاء بالمزدلفة)

[1] امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اگر کسی نے سورج غروب ہونے کے بعد عرفات میں یا مزدلفہ پہنچنے سے پہلے راستے میں مغرب کی نماز پڑھ لی، تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی، جبکہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہو جائے گی، اگرچہ اسے ایسا کرنا مکروہ اور برا ہوگا۔

البتہ اگر کوئی مزدلفہ جانا ہی نہ چاہتا ہو، یا مزدلفہ پہنچنے میں اتنی تاخیر ہونے کا ڈر ہو، کہ وہاں پہنچتے پہنچتے طلوعِ فجر ہو جائے گی، تو پھر امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک بھی مزدلفہ پہنچنے سے پہلے مغرب اور عشاء کی نماز کو پڑھنا جائز ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک کیونکہ مزدلفہ میں دونوں نمازوں کو جمع کرنا سنت درجہ کا عمل ہے، بشرطیکہ حج کرنے والا شرعی مسافر ہو،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۹...... مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کو جمع کرکے پڑھنے کے لئے باجماعت یا تنہاء کسی ایک شکل میں نماز پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں بھی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اس لئے اس کی خلاف ورزی بھی جائز ہے، چنانچہ ان کے نزدیک اگر کوئی حاجی، مسافر مزدلفہ میں عشاء کا وقت داخل ہونے سے پہلے پہنچ جائے، اور مغرب کو اپنے وقت میں اور عشاء کو اپنے وقت میں پڑھے، یا ان دونوں کو مغرب کے وقت میں جمع کرے، یا دونوں نمازوں کو تنہا بغیر جماعت کے جمع کرکے پڑھے، یا ان دونوں میں سے ایک نماز کو امام کے ساتھ اور دوسری کو تنہا ایک وقت میں جمع کرکے پڑھے، اور یہ دونوں نمازیں عرفات میں پڑھے، یا مزدلفہ پہنچنے سے پہلے راستے میں پڑھے، بہر صورت جائز ہے، البتہ سنت کی فضیلت فوت ہوجاتی ہے۔

وذهب الحنفية -عدا أبي يوسف -والثوري وابن حبيب من المالكية إلى أن تأخير صلاة المغرب لأجل أدائها في مزدلفة واجب، فمن صلى المغرب بعد غروب الشمس قبل أن يأتي مزدلفة فعليه أن يعيدها إذا أتى مزدلفة ما لم يطلع الفجر.

وكذا الحكم لو صلى العشاء في الطريق بعد دخول وقتها.

ولو صلى الفجر قبل أن يعيد صلاتي المغرب والعشاء بمزدلفة عادتا إلى الجواز باتفاق الحنفية .

وشرائط هذا الجمع بمزدلفة عند الحنفية:

الإحرام بالحج تقديم الوقوف بعرفة عليه.

والزمان، وهو ليلة النحر. والمكان، وهو مزدلفة.

والوقت، وهو وقت العشاء ما لم يطلع الفجر

ونص الحنفية على أن من ذهب إلى مكة من غير طريق المزدلفة جاز له أن يصلي المغرب في الطريق بلا توقف في ذلك، وأنه لو لم يمر على المزدلفة لزمه صلاة المغرب في الطريق في وقتها لعدم الشرط (وهو المكان) وكذا لو بات في عرفات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۵، ص ۳۲۹، مادة" يوم عرفة ")

(ولم تجز المغرب في الطريق) أي ولو صلى المغرب في طريق المزدلفة لم تجز وكذا لو صلاها في عرفات وقال أبو يوسف :تجوز ؛ لأنه صلاها في وقتها المعهود(تبيين الحقائق، ج۲ص۲۸، باب الاحرام)

(وإذا أدى المغرب) في عرفات أو في الطريق (أعاد ما لم يطلع الفجر) حتى لو طلع الفجر قبل الإعادة عاد إلى الجواز اتفاقا، فهو فساد موقوف، وذلك لأن الفجر إذا طلع فات وقت الجمع، وبه قال الثوري .وقال أبو يوسف :يجزئه المغرب مع الإساء ة، لأنه أداها في وقتها المعهود، وبه قال مالك والشافعي(شرح النقاية، ج۲ ص ۳۲۴، كتاب الحج)

قال الشافعي :ولو ترك الجمع بينهما وصلى كل واحد في وقتها أو جمع بينهما في وقت المغرب أو جمع وحده لا مع الإمام، أو صلى إحداهما مع الإمام والأخرى وحده جامعا بينهما، أو صلاهما في عرفات، أو في الطريق قبل المزدلفة جاز، وفاتته الفضيلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷ص۹۸، مادة " مزدلفة ")

دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جائے گا، اور اگر کوئی بغیر جماعت کے پڑھے تب بھی جمع کر کے پڑھا جائے گا، اور کوئی عذر نہ ہو تو جماعت سے پڑھنا سنت ہے۔

مگر اسے باجماعت نماز پڑھنے کے لئے مزدلفہ میں واقع مسجد میں جانا ضروری نہیں، بلکہ مزدلفہ میں اپنے مقام پر رہتے ہوئے چند لوگوں کے ساتھ مل کر جماعت کرنا بھی جائز ہے۔[1]

مسئلہ نمبر ۱۰...... مزدلفہ میں مغرب وعشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کی صورت میں شروع میں ایک اذان اور ایک اقامت کہی جائے گی۔ [2]

اور اگر مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان کچھ فاصلہ ہو گیا، تو پھر عشاء کی نماز کے لئے الگ اقامت کہنا سنت ہوگا۔ [3]

---

[1] الجمع بين صلاتي المغرب والعشاء في المزدلفة: ذهب الفقهاء إلى مشروعية الجمع بين المغرب والعشاء للحاج في مزدلفة ليلة النحر إلا أنهم اختلفوا في بعض التفاصيل.
فذهب الحنفية إلى أن الحاج يصلي المغرب والعشاء في مزدلفة جمعا بأذان وإقامة، لأن العشاء في وقتها فلا تحتاج للإعلام فيقتصر على إقامة واحدة، ولا يشترط لهذا الجمع عندهم جماعة، فلو صلاهما منفردا جاز ولكن الجماعة فيه سنة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ۳۷ص ۹۶، مادة " مزدلفة ")

[2] عن أبي أيوب الأنصاري، قال :صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم المغرب، والعشاء بالمزدلفة جميعا في حجة الوداع ، قال محمد :وبهذا نأخذ، لا يصلي الرجل المغرب حتى يأتي المزدلفة، وإن ذهب نصف الليل، فإذا أتاها أذن وأقام، فيصلي المغرب والعشاء بأذان وإقامة واحدة، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله، والعامة من فقهائنا(المؤطا للامام محمد، تحت رقم الحديث ۴۹۰، باب الصلاة بالمزدلفة)

[3] ولا يتطوع بينهما لأنه يقطع الجمع، فإن تطوع أو اشتغل بشيء آخر أعاد الإقامة؛ لأنه انقطع حكم الإقامة الأولى(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱،ص ۱۵۱)
وأشار إلى أنه لا تطوع بين الصلاتين ولو سنة مؤكدة على الصحيح، ولو تطوع بينهما أعاد الإقامة كما لو اشتغل بينهما بعمل آخر وفي الهداية، وكان ينبغي أن يعاد الأذان كما في الجمع الأول إلا أنا اكتفينا بإعادة الإقامة لما روى أن النبي -صلى الله عليه وسلم -صلى المغرب بمزدلفة ثم تعشى ثم أفرد الإقامة بالعشاء وإلى أن هذا الجمع لا يختص بالمسافر؛ لأنه جمع بسبب النسك فيجوز لأهل مكة ومزدلفة ومنى وغيرهم وإلى أن هذا الجمع لا يشترط فيه الإمام كما شرط في الجمع المتقدم؛ لأن العشاء تقع أداء في وقتها، والمغرب قضاء ، والأفضل أن يصليهما مع الإمام بجماعة وينبغي أن يصلي الفرض قبل حط رحله بل ينيخ جماله ويعقلها، وهذه ليلة جمعت شرف المكان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ امام زفر اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں اکٹھی پڑھنے کی صورت میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھنی چاہئیں، کیونکہ بعض احادیث میں ایسا ہی ہے، اور بعض حنفیہ نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والزمان فينبغي أن يجتهد في إحيائها بالصلاة والتلاوة والذكر والتضرع(البحر الرائق ج۲ ص۳۶۶، كتاب الحج، باب الاحرام)

ولا يصلي المغرب في طريق المزدلفة قال عليه السلام مزدلفة كلها موقف إلا وادي محسر ، ثم إذا أتى المزدلفة ينزل حيث شاء مع القوم إلا في وادي محسر، ولا ينزل على الطريق أيضاً كيلا يضر بالمارة، ثم يؤذن المؤذن، ويقيم، ويصلي الإمام المغرب بالناس، ثم يتبعها العشاء ولا يعيد الأذان والإقامة للعشاء ، بخلاف القصر بعرفات، والفرق أن العصر بعرفات مقدمة على وقتها، فلا بد من تجديد الإقامة لها إعلاماً للناس، أما العشاء ههنا مؤداة في وقتها، فلا يحتاج إلى تجديد الإقامة لها، ولا يتطوع بين المغرب والعشاء ، فإن تطوع بينهما أعاد الإقامة للعشاء ، وإن صلى المغرب والعشاء وحده جاز بلا خلاف .فرق أبو حنيفة رحمه الله بين هذا وبين الجمع بعرفات(المحيط البرهاني، كتاب المناسك،الفصل الثالث :في تعليم أعمال الحج)

۱؎ والعمل على هذا عند أهل العلم لأنه لا تصلى صلاة المغرب دون جمع، فإذا أتى جمعا وهو المزدلفة جمع بين الصلاتين بإقامة واحدة، ولم يتطوع فيما بينهما، وهو الذي اختاره بعض أهل العلم، وذهب إليه، وهو قول سفيان الثوري "قال سفيان :وإن شاء صلى المغرب، ثم تعشى ووضع ثيابه، ثم أقام فصلى العشاء وقال بعض أهل العلم :يجمع بين المغرب والعشاء بالمزدلفة بأذان وإقامتين، يؤذن لصلاة المغرب ويقيم، ويصلي المغرب ثم يقيم ويصلي العشاء ، وهو قول الشافعي(سنن الترمذي، تحت رقم الحديث ۸۸۸)

(بأذان واحد وإقامتين) وبه قالت الأئمة الثلاثة، وزفر -رحمه الله -لما سيأتي(مرقاة المفاتيح، ج۵، ص۱۷۷۴، كتاب المناسك،باب قصة حجة الوداع)

وفيه :للعلماء ستة أقوال :أحدها :أنه يقيم لكل منهما ولا يؤذن لواحدة منهما، وهو قول القاسم ومحمد وسالم وهو إحدى الروايات عن ابن عمر، وبه قال إسحاق بن راهويه وأحمد بن حنبل في أحد القولين عنه .وهو قول الشافعي وأصحابه فيما حكاه الخطابي والبغوي وغير واحد، وقال النووي في (شرح مسلم) : الصحيح عند أصحابنا أنه يصليهما بأذان للأولى وإقامتين لكل واحدة إقامة .وقال في الإيضاح إنه الأصح .الثاني :أن يصليهما بإقامة واحدة للأولى وهو إحدى الروايات عن ابن عمر، وهو قول سفيان الثوري فيما حكاه الترمذي والخطابي وابن عبد البر وغيرهم . الثالث :أنه يؤذن للأولى ويقيم لكل واحدة منهما، وهو قول أحمد بن حنبل في أصح قوليه، وبه قال أبو ثور وعبد الملك بن الماجشون من المالكية، والطحاوي، وقال الخطابي هو قول أهل الرأي، وذكر ابن عبد البر أن الجوزجاني حكاه عن محمد بن الحسن عن أبي يوسف عن أبي حنيفة. الرابع :أنه يؤذن للأولى ويقيم لها ولا يؤذن للثانية ولا يقيم لها ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... مزدلفہ کی رات میں کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وهو قول أبي حنيفة وأبي يوسف، حكاه النووي وغيره .قلت :هذا هو مذهب أصحابنا، وعند زفر :بأذان وإقامتين .الخامس :أنه يؤذن لكل منهما ويقيم، وبه قال عمر بن الخطاب وعبد الله بن مسعود، رضي الله تعالى عنهما، وهو قول مالك وأصحابه إلا ابن الماجشون، وليس لهم في ذلك حديث مرفوع، قاله ابن عبد البر .السادس :أنه لا يؤذن لواحدة منهما ولا يقيم، حكاه المحب الطبري عن بعض السلف، وهذا كله في جمع التأخير(عمدة القاري ج۱۰ ص ۱۱، كتاب الحج، باب من جمع بينهما ولم يتطوع)

والذي رويناه عن جابر رضي الله عنه من هذا أحب إلينا،لما شهد له من النظر (شرح معاني الآثار، ج۲، ص۲۱۴، تا ۲۱۵، كتاب مناسك الحج، باب الجمع بين الصلاتين بجمع كيف هو ؟)

(وقال زفر :بأذان وإقامتين اعتبارا بالجمع بعرفة) ش :أي قياساً عليه، واختاره الطحاوي وبه قال الشافعي في قول وأبو ثور وابن الماجشون المالكي، وفي قول الشافعي -رَحِمَهُ اللَّهُ- بإقامتين دون الأذان.................. (ثم أفرد الإقامة بالعشاء) ش :أي بصلاة العشاء ، وهذا الحديث غريب، وتمثيله بفعل النبي -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- مشكل لأنه قد ذكر أولاً قبل هذا أن النبي -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- جمع بأذان وإقامة واحدة، واحتج به على زفر -رَحِمَهُ اللَّهُ- في إفراد الإقامة، وكان ذلك هو الثابت الصحيح عنده ضرورة، وبعد ثبوته لا يمكنه التمثيل بما ذكره بعد، لأنه لم يصح ولم يثبت، لأنه -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- لم يحج إلا مرة واحدة، فكيف يستدل به؟!

فإن قلت :هذه صورة التعارض فيحمل كل واحد على حالته.

قلت :لا يمكن هذا هاهنا لأنا ننفي صحة الحديث الذي ذكره، فمن أين يأتي التعارض حتى يوفق بينهما بذلك .وقال الكاكي -رَحِمَهُ اللَّهُ- إذا ترجحت، أعني الرواية المروية في "الصحيح" انتفت الأخرى، وحملت على سهو الراوي فلا يصح التمسك به انتهى.

قلت :فلأجل ذلك اختار الطحاوي -رَحِمَهُ اللَّهُ- مذهب زفر -رَحِمَهُ اللَّهُ- لصحة دليله وترك الرواية الأخرى (البناية شرح الهداية، ج۴، ص ۲۲۹، و ص ۲۳۰، المبيت بالمزدلفة، جمع المغرب والعشاء بمزدلفة)

وجمع العشائين بأذان وإقامة، وروى عن زفر إقامتان في العشائين أيضاً، واختاره الطحاوي وابن الهمام وهو مذهب الشافعي رحمه الله(العرف الشذى شرح سنن الترمذي، ج۲،ص ۲۶۹)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے ایک اذان اور دو اقامتوں کے قول کو صاحبین کا قول قرار دے کر راجح فرمایا ہے، مگر ہمیں عام کتبِ احناف میں یہ صرف امام زفر کا قول ملا ہے نہ کہ صاحبین کا۔

قوله :بأذانٍ وإقامة؛ أي واحدة، أمّا توحّد الأذانِ فظاهر؛ لأنّه لإعلامِ دخولِ الوقت، فيكفي الواحد، كما في الجمعِ بعرفة، وأمّا توحّد الإقامة، وهي في الأولى؛ فلأنّ العشاءَ في وقته فلا يحتاجُ إلى الإعلام بوقته، بخلافِ الصلاة الثانية في عرفة، فإنّها مقدّمة على وقتها، وهذا عند أبي حنيفة، ويشهدَ له ما وردَ في مصنّف ابن أبي شيبة أنّ النبيّ جمعَ بمزدلفةَ بأذانٍ وإقامة، والذي ثبتَ في الصحاحِ عنه تعدّد الإقامة، وبه قال أبو يوسف ومحمّد، وهو الأرجح (عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، للكنوي، ج۳، ص ۳۵۴، كتاب الحج)

عنہ سے مزدلفہ میں عشاء کے بعد اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مغرب اور عشاء کے درمیان کھانا کھانا ثابت ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... مزدلفہ میں فجر کی نماز طلوعِ فجر کے بعد جلدی پڑھنا سنت و مستحب ہے۔ اور فجر کی نماز پڑھنے کے بعد ذکر ودعاء وغیرہ کی کثرت کرنی چاہئے، اور اس ذکر میں تلبیہ بھی پڑھنا چاہئے۔ [2]

---

[1] حدثنا أشعث بن سليم، عن أبيه، قال :أقبلت مع ابن عمر من عرفات إلى المزدلفة فلم يكن يفتر، من التكبير والتهليل، حتى أتينا المزدلفة فأذن وأقام، أو أمر إنسانا فأذن وأقام فصلى بنا المغرب ثلاث ركعات، ثم التفت إلينا، فقال :الصلاة فصلى بنا العشاء ركعتين ، ثم دعا بعشائه(سنن أبي داود، رقم الحديث ۱۹۳۳)

حدثنا أبو إسحاق قال :سمعت عبد الرحمن بن يزيد يقول :حج عبد الله رضى الله عنه، فأتينا المزدلفة حين الأذان بالعتمة أو قريبا من ذلك، فأمر رجلا فأذن وأقام، ثم صلى المغرب، وصلى بعدها ركعتين، ثم دعا بعشائه فتعشى، ثم أمر أرى فأذن وأقام -قال عمرو :لا أعلم الشك إلا من زهير ، ثم صلى العشاء ركعتين (بخاری، رقم الحديث ۱۶۷۵ ،باب من اذن واقام لكل واحدة منهما)

[2] اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک وقوفِ مزدلفہ کا واجب وقت طلوعِ فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب کے درمیان دائر ہے، اس کے کسی بھی جزء وحصہ میں وقوف کر لینے سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔

جبکہ رات مزدلفہ میں گزارنا سنت ہے، اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک طلوعِ فجر کے بعد وقوف سنت ہے، اور اس سے پہلے وجوب کا درجہ ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

يرى جمهور الفقهاء أنه يستحب للحاج بعد بياته بمزدلفة في ليلة النحر أن يصلي صلاة الفجر مغلسا في أول وقتها، لحديث جابر رضى الله عنه في صفة حج النبي صلى الله عليه وسلم وفيه : حتى أتى المزدلفة فصلى بها المغرب والعشاء بأذان واحد وإقامتين ولم يسبح بينهما شيئا، ثم اضطجع حتى طلع الفجر، وصلى الفجر حين تبين له الصبح بأذان وإقامة، ثم ركب حتى أتى المشعر الحرام، فاستقبل القبلة، فدعا الله تعالى وكبره وهلله فلم يزل واقفا حتى أسفر جدا، فدفع قبل أن تطلع الشمس . ثم يأتي الحاج المشعر الحرام (جبل قزح) ويقف عنده فيدعو الله سبحانه وتعالى ويحمده ويكبره ويهلله، ويوحده، ويكثر من التلبية، ومن الذكر، لما رواه جابر رضى الله عنه :أن النبي صلى الله عليه وسلم أتى المشعر الحرام فرقى عليه فدعا الله وهلله وكبره ووحده.
ويدعو الله بما أحب، ويختار الدعوات الجامعة والأمور المبهمة ويكرر دعواته، ويستحب أن يكون من دعائه :اللهم كما وقفتنا فيه وأريتنا إياه فوفقنا بذكرك كما هديتنا واغفر لنا وارحمنا كما وعدتنا بقولك وقولك الحق (فإذا أفضتم من عرفات فاذكروا الله عند المشعر الحرام واذكروه كما هداكم وإن كنتم من قبله لمن الضالين ثم أفيضوا من حيث أفاض الناس واستغفروا الله إن الله غفور رحيم)ويكثر من قوله " :اللهم آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار "، ثم لا يزال يدعو مستقبلا القبلة رافعا يديه إلى السماء إلى أن يسفر جدا ، لحديث جابر رضى الله عنه : فلم يزل واقفا حتى أسفر جدا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص ۹۹، مادة: مزدلفة)

بعض لوگ جلدی کی خاطر طلوعِ فجر ہونے سے پہلے ہی فجر کی نماز پڑھ کر ذکر ودعاء میں مصروف ہوجاتے ہیں، ظاہر ہے کہ طلوعِ فجر سے پہلے فجر کی نماز کا وقت شروع نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے پہلے اگر فجر کی نماز پڑھی جائے، تو وہ ضائع ہوجاتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۳...... اگر آسانی ممکن ہو تو فجر کے بعد مزدلفہ میں واقع مشعرِ حرام نامی مسجد کے قریب ذکر ودعاء میں مشغول رہنا سنت ومستحب ہے، لیکن اس کی خلاف ورزی یعنی کسی اور جگہ یہ عمل کرنے پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۴...... جب مزدلفہ میں خوب روشنی پھیل جائے اور سورج طلوع ہونے والا ہوجائے، تو اس وقت یہاں سے منیٰ کی طرف جانا سنت ومستحب ہے، اور بلاعذر اس میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ [۲]

آج کل ہجوم اور رَش کے پیشِ نظر بعض حجاجِ کرام کے خیمے منیٰ کے بجائے مزدلفہ کی حدود میں لگا دیئے جاتے ہیں، اور حجاجِ کرام کو اپنی مرضی سے منیٰ میں قیام اور بود وباش کی اجازت نہیں ہوتی۔

ایسی صورت میں کوئی ایسا شخص کہ جس کا خیمہ منیٰ کے بجائے مزدلفہ میں لگا ہوا ہے، وہ اگر ابھی

---

[۱] ولو فاتت سنة الوقوف عند المشعر الحرام لم تجبر بدم عند الجمهور كسائر الهيئات والسنن، ولا إثم على الحاج بهذا الترک، وإنما فاتته الفضيلة.
ولا تحصل هذه الفضيلة بالوقوف فيه قبل صلاة الصبح، لأنه خلاف السنة. (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص ۱۰۰، مادة: مزدلفة)

[۲] والسنة الدفع من المشعر الحرام إلى منى قبل طلوع الشمس ويكره تأخير السير منه حتى تطلع الشمس ، لحديث جابر رضى الله عنه :أن النبى صلى الله عليه وسلم لم يزل واقفا حتى أسفر جدا فدفع قبل أن تطلع الشمس.
قال عمر رضى الله عنه :إن المشركين كانوا لا يفيضون حتى تطلع الشمس ويقولون :أشرق ثبير كيما نغير، وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم خالفهم فأفاض قبل أن تطلع الشمس وعن نافع أن عبد الله بن الزبير رضى الله عنهما أخر فى الوقت حتى كادت الشمس تطلع، فقال ابن عمر رضى الله عنهما :إنى أراه يريد أن يصنع كما صنع أهل الجاهلية فدفع ودفع الناس معه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص ۱۰۰، مادة مزدلفة)

دس ذی الحجہ کی رَمی یا طوافِ زیارت نہیں کرنا چاہتا، تو اسے مزدلفہ میں اپنے خیمہ میں ٹھہرے رہنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۵......مزدلفہ سے جمرات پر رمی کرنے کے لئے کھجور کی گٹھلی یا لوبیہ کے دانے کے برابر کنکریوں کا چُن لینا مستحب ہے۔

اور اگر کسی اور جگہ سے کنکریاں چُنی جائیں، مثلاً منیٰ سے یا راستہ میں سے، تو بھی جائز ہے، البتہ جمرہ کے قریب سے کنکریاں چُننا مناسب نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۶......مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوتے وقت مستحب یہ ہے کہ سکون، وقار اور اطمینان کے ساتھ روانہ ہوں، اور اللہ کے ذکر اور تلبیہ میں مشغول ہوں۔

اور جب وادیٔ محسر کے نزدیک پہنچیں، تو کچھ تیز چلیں، کیونکہ اس مقام پر اصحابِ فیل پر

---

[1] لقط حصيات الرجم من مزدلفة:
ذهب الفقهاء فى الجملة إلى أنه يستحب للحاج أخذ حصى الجمار من مزدلفة ، لحديث ابن عباس رضى الله عنهما قال :
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم غداة العقبة وهو على ناقته :القط لى حصى فلقطت له سبع حصيات هن حصى الخذف " الحديث.
وفى رواية :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر ابن عباس رضى الله عنهما :أن يأخذ الحصى من مزدلفة.
ولأن بالمزدلفة جبلا فى أحجاره رخاوة، ولأن من السنة إذا أتى الحاج إلى منى أن لا يعرج على غير الرمى، فسن له أن يأخذ الحصى من مزدلفة حتى لا يشغله عنه، لأن الرمية تحية له كما أن الطواف تحية المسجد الحرام.
قال الكاسانى :وعليه فعل المسلمين وهو أحد نوعى الإجماع، وإن رمى بحصاة أخذها من الطريق، أو من الجمرة أجزأه وقد أساء .
والإساء ة مقيدة بالأخذ من الجمرة، أما الأخذ من الطريق أو من منى فليس فيها إساء ة .
وقال المالكية :يندب لقط الحصيات بنفسه أو بغيره من أى محل إلا العقبة فمن المزدلفة .
وأجاز الشافعية لقطها من الطريق أو من أى مكان كان وقالوا :يكره لقطها من الحل لعدوله عن الحرم المحترم، ولقطها من كل مكان نجس ومما رمى به .
وقال أحمد :خذ الحصى من حيث شئت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٧، ص ١٠١ و ١٠٢، مادة: مزدلفة)

عذاب نازل ہوا تھا، جو بیتُ اللہ پر چڑھائی کی کوشش کررہے تھے، اس لئے یہاں سے تیز گزرنا مناسب ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۷...... اگر کوئی مزدلفہ میں مسافر ہو، تو وہ عشاء کی نماز قصر ادا کرے گا، اور اگر مقیم ہو، تو وہ پوری نماز پڑھے گا، اور مقیم ومسافر ہونے کی تفصیل پہلے آٹھ ذی الحجہ اور منیٰ میں قیام کے بیان میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۸...... مزدلفہ میں وقوف کرنے والے حاجی کو بسہولت ممکن ہو، تو بعض فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق آدھی رات کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے۔ [2]

وَاللہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] أ -إسراع الحاج فی سیره عند بلوغه وادی محسر:
ذهب الفقهاء إلى أنه يستحب للحجاج إذا دفعوا من مزدلفة أن يقفوا عند المشعر الحرام إلى الإسفار يذكرون الله ويدعونه سبحانه وتعالى، ثم يسيرون قبل طلوع الشمس إلى منى بسكينة ووقار، فإذا بلغوا وادى محسر يستحب لهم الإسراع راكبين أو ماشين قدر رمية حجر، فإن كان ماشيا أسرع، وإن كان راكبا حرك دابته قليلا حتى يقطعوا عرض الوادى للاتباع فى الراكب وقياسا عليه فى الماشي؛ لأن جابرا -رضى الله عنه -قال فى صفة حج النبى صلى الله عليه وسلم، حتى أتى بطن محسر فحرك ناقته قليلا .
كما قال بعض الفقهاء :لنزول العذاب على أصحاب الفيل فيه القاصدين هدم الكعبة؛ ولأن النصارى كانت تقف فيه فأمرنا بمخالفتهم، ولأن رجلا اصطاد فيه فنزلت نار أحرقته فهو لكونه محل نزول عذاب كديار ثمود التى صح أمره صلى الله عليه وسلم للمارين بها أن يسرعوا لئلا يصيبهم ما أصاب أهلها، ومن ثم ينبغي الإسراع فيها لغير الحاج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۳۴۳،وص ۳۴۴، مادة "وادى محسر")

[2] رابعا :الغسل للوقوف بالمزدلفة بعد نصف الليل :صرح به الحنفية والشافعية، حتى جعل الشافعية التيمم بديلا عنه عند العجز عن الماء
قال النووى :يستحب أن يغتسل بالمزدلفة بعد نصف الليل، للوقوف بالمشعر الحرام، وللعيد، ولما فيها من الاجتماع، فإن عجز عن الماء تيمم كما سبق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۸، مادة "حج"، مستحبات الحج)
"و "ندب الغسل "لدخول مدينة النبى صلى الله عليه وسلم "تعظيما لحرمتها وقدومه على حضرة المصطفى صلى الله عليه وسلم "و "ندب "للوقوف بمزدلفة "لأنه ثانى الجمعين ومحل إجابة دعاء سيد الكونين بغفران الدماء والمظالم لأمته "غداة يوم الفجر "بعد طلوع فجره لأن به يدخل وقت الوقوف بالمزدلفة ويخرج قبيل طلوع الشمس(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ج۱ ص۴۸، كتاب الطهارة، باب الغسل)

(باب نمبر ۶)

دس ذی الحجہ کی رَمی کے فضائل واحکام

دس ذی الحجہ کو منیٰ میں جمرۂ عقبہ یعنی آخری یا بڑے جمرہ کی رَمی کرنا یا کنکریاں مارنا بھی حج کے واجبات میں سے ہے، اور یہ رمی بھی حج کے واجباتِ اصلیہ میں سے ہے۔

اور اگرچہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رَمی بھی واجب ہے، لیکن دس ذی الحجہ کی رَمی صرف جمرۂ عقبہ (یعنی بڑے شیطان) کی ہوتی ہے، اور باقی دنوں کی رَمی تینوں جمرات کی ہوتی ہے، نیز دس ذی الحجہ کی رَمی کے کچھ مخصوص احکام ہیں، جن کی وجہ سے دس ذی الحجہ کی رَمی کے احکام الگ سے ذکر کئے جاتے ہیں، اور باقی دِنوں کی رَمی کے احکام بعد میں ان شاءاللہ تعالیٰ الگ ذکر کئے جائیں گے۔

رَمی سے متعلق احادیث وروایات

پہلے رَمی کے سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاءاللہ تعالیٰ اس کے احکام ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

حَتّٰی أَتٰی بَطْنَ مُحَسِّرٍ، فَحَرَّکَ قَلِیْلًا، ثُمَّ سَلَکَ الطَّرِیْقَ الْوُسْطٰی الَّتِیْ تَخْرُجُ عَلَی الْجَمْرَةِ الْکُبْرٰی، حَتّٰی أَتَی الْجَمْرَةَ الَّتِیْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ، فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ، یُکَبِّرُ مَعَ کُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا، مِثْلِ حَصَی الْخَذْفِ، رَمٰی مِنْ بَطْنِ الْوَادِیْ (مسلم) [1]

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۱۸ "۱۴۷" کتاب الحج، باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم.

ترجمہ: یہاں تک کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے) وادیٔ محسر تک پہنچ گئے (یہاں) آپ نے اونٹنی کو ذرا تیز چلایا اور اس درمیانی راستہ سے چلنا شروع کیا کہ جو جمرۂ کبریٰ کی طرف جانکلتا ہے، یہاں تک کہ درخت کے پاس جو جمرہ ہے (یعنی بڑا اور آخری جمرہ) اس کے پاس پہنچ گئے اور اسے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر اللہ اکبر پڑھا اور آپ نے ہر کنکری گٹھلی کے دانہ کے برابر وادی کے اندر ماری (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ دس ذی الحجہ کو صرف جمرۂ عقبہ یعنی بڑے اور آخری جمرہ کو سات کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

لَمَّا أَتٰی إِبْرَاهِيمُ خَلِيلُ اللّٰهِ الْمَنَاسِکَ عَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتّٰى سَاخَ فِي الْأَرْضِ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۷۱۳، کتاب المناسک) [1]

ترجمہ: جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ مناسک (یعنی قربان گاہ) آئے تو آپ کے سامنے جمرۂ عقبہ (یعنی آخری جمرہ) کے قریب شیطان آ گیا، جس کو آپ نے سات کنکریاں ماریں، جس سے وہ زمین میں دھنس گیا (حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ جمرہ کو رمی کرنا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت اور یادگار ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

إِنَّمَا جُعِلَ رَمْيُ الْجِمَارِ، وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

---

[1] قال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاه "

لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمرات کی رَمی اور صفا ومروہ کے درمیان سعی کو، اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے (ترمذی، حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ جمرات کی رمی اللہ کے ذکر اور یاد کو قائم کرنے کے لئے ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَمَيْتَ الْجِمَارَ، كَانَ لَكَ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ (کشف الاستار عن زوائد البزار) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آپ رمی جمار کریں گے تو وہ آپ کے لیے قیامت کے دن نور ہوگی (بزار)

اس حدیث سے جمرات کی رمی کرنے کی یہ فضیلت معلوم ہوئی کہ وہ قیامت کے دن نور اور روشنی ہوگی۔

بعض روایات میں یہ مضمون آیا ہے کہ جمرات کی جو رمی قبول کر لی جاتی ہے، اُس کنکری کو

---

[1] رقم الحديث ۹۰۲، كتاب الحج، باب ما جاء كيف ترمى الجمار، مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۶۸۵، ابن خزيمة، رقم الحديث ۲۷۳۸.

قال الترمذی: وهذا حديث حسن صحيح.

وقال الحاکم: هذا حديث صحيح الاسناد، ولم يخرجاه.

وقال الأعظمی فی حاشية ابن خزيمة: إسناده صحيح.

[2] رقم الحديث ۱۱۴۰، باب فضل رمی الجمار.

قال الحافظ: عقبه " :قلت :إسناده حسن، لأن سماع موسى من صالح قبل الاختلاط قلت: وهذه فائدة هامة لا توجد هكذا فی كتب الرجال، فقد ذكروا فيها أن صالحا كان اختلط، وأن ابن أبی ذئب وابن جريج وزياد بن سعد سمعوا منه قبل الاختلاط، ولم يذكروا معهم موسى بن عقبة هذا، وهو حری بذلک، فقد كانت وفاته سنة(۱۴۱)فهو متقدم الوفاة عليهم بنحو عشر سنين، وأكثر من ذلک بالنسبة لبعضهم .وقدغفل عن هذه الفائدة الحافظ المنذری فأشار فی " الترغيب(۲/۱۳۱) "إلى إعلاله بصالح مولى التوأمة، وصرح بذلک الهيثمی، فقال فی "مجمع الزوائد (۳/۲۶۰) "رواه البزار، وفيه صالح مولى التوأمة، وهو ضعيف (سلسلة الأحاديث الصحيحة وشیء من فقهها وفوائدها، تحت رقم الحديث ۲۵۱۵)

اُٹھالیا جاتا ہے، اور جو قبول نہیں کی جاتی، وہ وہیں باقی رہتی ہے۔ [1]

ان روایات کی سندوں پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ [2]

حضرت مقسم سے روایت ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ بِلَيْلٍ، فَجَعَلَ يُوصِيهِمْ أَنْ لَّا يَرْمُوا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ

(مسند احمد، رقم الحديث ۳۰۰۶، واللفظ لهٗ، سنن الترمذی، رقم الحديث ۸۹۳) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو مزدلفہ سے رات کو ہی آگے (یعنی منیٰ) بھیج دیا اور انہیں تاکید فرمائی کہ وہ جمرہ عقبہ کی رمی نہ کریں یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے (مسند احمد، ترمذی)

اگر چہ دس ذی الحجہ کی رمی طلوعِ فجر کے بعد بھی جائز ہے، مگر سورج طلوع ہونے کے بعد افضل ہے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل پر عمل کرنے کی ہدایت وتاکید فرمائی۔

---

[1] عن عبد الرحمن بن أبی سعيد الخدری، عن أبيه أبی سعيد، قال :قلنا يا رسول الله، هذه الأحجار التی ترمى بها تحمل، فتحسب أنها تنقعر، قال :إنه ما يقبل منها يرفع، ولولا ذلک لرأيتها مثل الجبال(مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۷۵۲، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۱۷۵۰)

[2] قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه ،يزيد بن سنان ليس بالمتروک.
وقال الطبرانی: لم يرو هذا الحديث عن عمرو إلا زيد، تفرد به :يزيد بن سنان.
وقال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفيه يزيد بن سنان التميمی، وهو ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۵۸۹، باب رمی الجمار)
وقال المنذری: رواه الطبرانی فی الأوسط والحاكم وقال صحيح الإسناد قال المملی رحمه الله وفی إسنادهما يزيد بن سنان التميلی مختلف فی توثيقه(الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۸۰۹، الترغيب فی رمی الجمار وما جاء فی رفعها)

[3] قال الترمذی:حديث ابن عباس حديث حسن صحيح .والعمل على هذا الحديث عند أهل العلم لم يروا بأسا أن يتقدم الضعفة من المزدلفة بليل يصيرون إلى منى .وقال أكثر أهل العلم بحديث النبی صلى الله عليه وسلم أنهم لا يرمون حتى تطلع الشمس، ورخص بعض أهل العلم فی أن يرموا بليل.
فی حاشية مسند احمد:صحيح، وهذا إسناد حسن، المسعودی متابع، وباقی رجاله ثقات.

حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يُقَدِّمُ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ، فَيَقِفُوْنَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِلَيْلٍ فَيَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مَا بَدَا لَهُمْ، ثُمَّ يَرْجِعُوْنَ قَبْلَ أَنْ يَّقِفَ الْإِمَامُ وَقَبْلَ أَنْ يَّدْفَعَ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَّقْدَمُ مِنًى لِصَلَاةِ الْفَجْرِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَّقْدَمُ بَعْدَ ذٰلِكَ، فَإِذَا قَدِمُوْا رَمَوُا الْجَمْرَةَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ: أَرْخَصَ فِيْ أُولٰئِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر کے کمزور لوگوں کو آگے بھیج دیتے تھے۔

پھر وہ مزدلفہ میں مشعرِ حرام کے قریب رات میں ٹھہر جاتے تھے، اور جتنا چاہتے تھے اللہ کا ذکر کرتے تھے، پھر وہ امام کے وقوف کرنے (یعنی طلوعِ فجر ہونے) اور لوگوں کے چلنے سے پہلے (منیٰ) لوٹ جاتے تھے، پھر بعض تو نمازِ فجر کے لیے منیٰ آجاتے تھے اور بعض اس کے بعد آتے تھے، پس جب وہ منیٰ پہنچ جاتے تھے تو (بڑے) جمرہ کی رمی کیا کرتے تھے، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما یہ فرمایا کرتے تھے کہ اِن (کمزور) لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس آگے بھیج دینے کی) گنجائش دی ہے (بخاری، مسلم)

مطلب یہ ہے کہ کمزور لوگوں (بوڑھوں، ضعیفوں، عورتوں اور بچوں) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوعِ فجر سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ جانے کی اجازت دی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ

---

[1] رقم الحديث ١٦٧٦، كتاب الحج، باب من قدم ضعفة اهله بليل، فيقفون بالمزدلفة، ويدعون، ويقدم اذا غاب القمر، مسلم، رقم الحديث ١٢٩٥ "٣٠٤"

ضُحًى، وَرَمَى فِيْ سَائِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ بَعْدَ مَا زَالَتِ الشَّمْسُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۲۹۱) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر (یعنی دس ذی الحجہ) کو جمرۂ عقبہ کی رمی چاشت کے وقت (یعنی طلوع ہونے کے بعد سورج روشن ہوچکنے پر) کی، اور باقی تمام ایامِ تشریق میں سورج کے زوال کے بعد کی (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے دن کی رمی کا افضل وقت سورج طلوع ہونے کے بعد ہے، اور باقی دنوں کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔

حضرت اُمِ سلیمان بن عمرو بن احوص رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِيْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ يَوْمَ النَّحْرِ ، وَهُوَ يَقُوْلُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، لَا يَقْتُلْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا يُصِيْبُ بَعْضُكُمْ، وَإِذَا رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ فَارْمُوْهَا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ ، فَرَمَى بِسَبْعٍ، وَلَمْ يَقِفْ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۶۰۸۷) [2]

ترجمہ: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یومُ النحر (یعنی دس ذی الحجہ کے دن) بطنِ وادی سے جمرۂ عقبہ (یعنی بڑے شیطان) کو رمی کرتے دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ:

اے لوگو! تم ایک دوسرے کو ہلاک مت کرو (یعنی ہجوم کی وجہ سے ایک دوسرے کو کچل نہ ڈالو) اور تم میں سے کوئی (دوسرے کو) تکلیف نہ پہنچائے، اور جب تم جمرہ کی رمی کرو (یعنی کنکریاں مارو) تو گٹھلی (یا لوبیہ کے دانے) کے برابر کنکریاں مارو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کنکریاں ماریں، اور آپ وہاں نہیں ٹھہرے (مسند احمد)

اور ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر کنکری مارتے وقت تکبیر یعنی اللہ

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[2] فی حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

اکبر کہتے تھے۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ رمی کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ دھکم پیل کرنے اور ایک دوسرے کو ایذاء وتکلیف پہنچانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَدَاۃَ جَمْعٍ: ھَلُمَّ اُلْقُطْ لِیْ، فَلَقَطْتُ لَہٗ حَصَیَاتٍ ھُنَّ حَصَی الْخَذْفِ ، فَلَمَّا وَضَعَھُنَّ فِیْ یَدِہٖ، قَالَ: نَعَمْ بِأَمْثَالِ ھٰؤُلَاءِ ، وَإِیَّاکُمْ وَالْغُلُوَّ فِی الدِّیْنِ، فَإِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِالْغُلُوِّ فِی الدِّیْنِ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات کے بعد صبح کو فرمایا کہ میرے لئے کنکریاں چُن لو، تو میں نے آپ کے لئے کنکریاں گٹھلی (یا لوبیہ) کے برابر اُٹھالیں، پھر جب میں نے ان کنکریوں کو آپ کے ہاتھ پر رکھا تو آپ نے فرمایا کہ جی ہاں ایسی ہی کنکریاں ہونی چاہئیں، اور تم دین میں غلو کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ دین میں اسی غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے (مسند احمد، ابن ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ کنکریاں کھجور کی گٹھلی یا لوبیہ کے دانہ کے برابر کی مارنا افضل ہے، اور بڑی

---

[1] أخبرنا سليمان بن عمرو بن الأحوص، عن أمه، قالت :رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يرمى الجمرة من بطن الوادى، وهو راكب يكبر مع كل حصاة ورجل من خلفه يستره، فسألت عن الرجل، فقالوا :الفضل بن العباس، وازدحم الناس، فقال النبى صلى الله عليه وسلم :يا أيها الناس، لا يقتل بعضكم بعضا، وإذا رميتم الجمرة فارموا بمثل حصى الخذف(سنن أبى داود،رقم الحديث ١٩٦٦)

اورحضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کا پڑھنا ثابت ہے۔

عن عبد الرحمن بن يزيد، قال :رمى عبد الله بن مسعود جمرة العقبة من بطن الوادى بسبع حصيات، يكبر مع كل حصاة .قال فقيل له :إن أناسا يرمونها من فوقها، فقال عبد الله بن مسعود :هذا، والذى لا إله غيره، مقام الذى أنزلت عليه سورة البقرة(مسلم، رقم الحديث ١٢٩٦"٣٠٥")

[2] رقم الحديث ١٨٥١، ابن ماجه، رقم الحديث ٣٠٢٩، باب قدر، حصى الرمى.
فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط مسلم.

کنکریوں کا انتخاب کرنا دین میں غلو کرنا ہے، جو کہ پسندیدہ نہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ مَضٰى، وَلَمْ يَقِفْ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (دس ذی الحجہ کو) جمرہ عقبہ کی رمی کرتے تو آگے بڑھ جاتے اور ٹھہرتے نہیں تھے (ابنِ ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ دس ذی الحجہ کو بڑے یا آخری جمرہ کو کنکری مارنے کے بعد دعاء کے لئے ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّهُ اِنْتَهٰى إِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى جَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَّسَارِهٖ وَمِنًى عَنْ يَّمِيْنِهٖ، وَرَمٰى بِسَبْعٍ وَقَالَ: هٰكَذَا رَمَى الَّذِىْ أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری) [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے اور کعبہ کو اپنے بائیں طرف اور منیٰ کو اپنے دائیں طرف کیا اور سات کنکریاں ماریں اور فرمایا کہ اسی طرح انہوں نے رمی کی ہے جن پر سورہ بقرہ نازل ہوئی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے) (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ جمرہ کو رمی اس طرح کرنا افضل ہے کہ کعبہ اپنے بائیں طرف ہو۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: رَمَيْتُ بَعْدَ مَا أَمْسَيْتُ فَقَالَ: لَا حَرَجَ (بخاری، رقم الحديث ۱۷۲۳، كتاب الحج، باب الذبح قبل الحلق)

---

[1] رقم الحديث ۳۰۳۳، كتاب المناسك، باب إذا رمى جمرة العقبة، لم يقف عندها.

[2] رقم الحديث ۱۷۴۸، كتاب الحج، باب رمى الجمار بسبع حصيات.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ میں نے شام ہونے کے بعد (یعنی رات کے وقت) رمی کی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں (بخاری)

اور حضرت ابنِ ابی رباح رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ أَنْ يَّرْمُوْا الْجِمَارَ بِاللَّيْلِ (السنن الکبری للبیهقی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے چرواہوں کو یہ گنجائش دی کہ وہ جمرات کی رمی رات کے وقت کرلیں (سنن کبریٰ بیہقی)

اس طرح کا مضمون اور روایات میں بھی آیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٩٦٧٦، كتاب الحج، ابواب دخول مكة، باب الرخصة فى أن يرعوا نهارا ويرموا ليلا إن شاء وا.

قال الالبانی: أخرجه البيهقي .وهذا إسناد صحيح مرسل إن كان ابن جريج سمعه من عطاء -كما هو الظن الراجح.-وقال أيضاً :أخبرني يحيى بن أيوب عن عمارة بن غزيّة عن محمد بن إبراهيم عن أبى سلمة بن عبد الرحمن عن النبى -صلى الله عليه وسلم -مثله.أخرجه البيهقى أيضاً.وهذا إسناد صحيح مرسل رجاله رجال "الصحيح ."ويشهد له مسند مسلم بن خالد :ثنا عبيد الله بن عمرعن نافع عن ابن عمر؛مثل حديث ابن جريج.أخرجه البزار فى "مسنده(١١٣٩/٣٢/٢) "والبيهقى أيضاً.قلت :وهذا إسناد جيد عندى فى الشواهد، رجاله كلهم رجال مسلم؛ غير مسلم بن خالد وهو الزنجي، وهو فقيه صدوق كثير الأوهام؛ كما قال الحافظ، ونحوه قول الذهبى: "صدوق يهم " (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ٣٠٤٦)

[2] عن ابن عمر "أن النبى صلى الله عليه وسلم رخص للرعاء أن يرموا بالليل (السنن الكبرى للبيهقى، رقم الحديث ٩٦٧٩، مسند البزار ، رقم الحديث ٥٧٤٨)

قال الهيثمي:رواه البزار، وفيه مسلم بن خالد الزنجي، وهو ضعيف، وقد وثق(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٥٩١،باب رمى الرعاء بالليل)

عن عطاء ؛ أن النبى صلى الله عليه وسلم رخص للرعاء أن يرموا ليلا(مصنف ابن ابى شيبة، رقم الحديث ١٤٣١٠،فى الراعاء، كيف يرمون؟)

عن عطاء ؛ أن عمر رخص للرعاء أن يبيتوا عن منى ، قال :فذكرت ذلک للزهرى ؟ فقال :الرعاء يرمون ليلا ، ولا يبيتون(ايضاً، رقم الحديث ١٤٣١١)

عن عمرو بن شعيب ,عن أبيه ,عن جده ,أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص للرعاء أن يرموا بالليل وأى ساعة من النهار شاء وا(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ٢٦٨٥)

اس سے معلوم ہوا کہ عذر کی صورت میں رات کے وقت رمی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَّرْمُوْا يَوْمًا، وَيَدَعُوْا يَوْمًا (ابو داؤد)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو اس بات کی گنجائش دی کہ وہ ایک دن رَمی کریں، اور ایک دن چھوڑ دیں (اور اس دن کی رمی اگلے دن کریں) (ابوداؤد، ابنِ ماجہ، مسند احمد)

اور مسند احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْخَصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَّتَعَاقَبُوْا فَيَرْمُوْا يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ يَدَعُوْا يَوْمًا وَّلَيْلَةً، ثُمَّ يَرْمُوْا الْغَدَ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۳۷۷۷)[2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو اس بات کی گنجائش دی کہ وہ آگے پیچھے آئیں اور وہ یوم النحر (یعنی دسویں تاریخ) کی رمی کریں پھر ایک دن اور ایک رات چھوڑ دیں، پھر اگلے دن (آ کر دونوں دِنوں کی اکٹھی) رمی کریں (مسند احمد)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوْتَةِ عَنْ مِنًى يَرْمُوْنَ يَوْمَ النَّحْرِ، ثُمَّ يَرْمُوْنَ الْغَدَ، أَوْ مِنْ بَعْدِ الْغَدِ الْيَوْمَيْنِ، ثُمَّ يَرْمُوْنَ يَوْمَ النَّفْرِ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۳۷۷۵)[3]

---

[1] رقم الحديث ۱۹۷۶، كتاب المناسك، باب في رمي الجمار، سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۳۰۳۶، مسند أحمد، رقم الحديث ۲۳۷۷۴.

في حاشية مسند احمد: اسناده صحيح.

[2] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

[3] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو منیٰ میں رات کو نہ ٹھہرنے کی گنجائش دی (اور اس بات کی بھی گنجائش دی کہ) وہ یوم النحر (یعنی دسویں تاریخ) کی رمی کریں، پھر اگلے دن رمی کریں یا اگلے دن کے بعد دونوں دنوں کی رمی کریں، پھر وہ آخری دن کی رمی کریں (مسند احمد)

اور ابنِ خزیمہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَّرْمُوْا بِاللَّيْلِ وَأَنْ يَّجْمَعُوْا الرَّمْىَ (صحيح ابن خزيمة) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو اس بات کی گنجائش دی کہ وہ رات میں رَمی کریں (اور اس بات کی بھی گنجائش دی کہ) وہ (ایک سے زیادہ دنوں کی) رَمی کو جمع کریں (ابنِ خزیمہ)

اس سے ملتے جلتے الفاظ کی اور روایات بھی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہوں کو باری باری آ کر رمی کرنے اور ایک دن نہ آنے والوں کو اگلے دن کی رمی کے ساتھ دونوں دنوں کی رمی جمع کرنے کی اجازت دی تھی، اور ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عذر سے کسی دن رمی نہ کر سکے، تو اسے اس دن کی رمی اگلے دن کر لینی چاہئے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۹۷۵، كتاب المناسک، باب الرخصة للرعاء فى رمى الجمار بالليل.
قال الأعظمى :إسناده صحيح(حاشية ابنِ خزيمة)

[2] عن أبى البداح بن عاصم بن عدى، عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رخص للرعاء فى البيتوتة يرمون يوم النحر، واليومين اللذين بعده يجمعونهما فى أحدهما (السنن الكبرىٰ للنسائى، رقم الحديث ۴۰۶۱)

عن أبى البداح ,عن عاصم بن عدى "أن النبى صلى الله عليه وسلم رخص للرعاء أن يتعاقبوا ,فكانوا يرمون غدوة يوم النحر ويدعون ليلة ويوما ,ثم يرمون من الغد "ففى هذا الحديث أنهم كانوا يرمون غدوة يوم النحر ثم يدعون يوما وليلة ,ثم يرمون الغد .
فقد كانوا يرمون رمى اليوم الثانى فى اليوم الثالث ,ولم يكن ذلک بموجب عليهم دما (شرح معانى الآثار، رقم الحديث ۴۰۰۰)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَجَعْنَا فِي الْحَجَّةِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَعْضُنَا يَقُوْلُ: رَمَيْتُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، وَبَعْضُنَا يَقُوْلُ: رَمَيْتُ بِسِتٍّ، فَلَمْ يَعِبْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں لوٹے اور ہم میں سے بعض یہ کہہ رہے تھے کہ میں نے سات کنکریوں سے رمی کی اور بعض کہہ رہے تھے کہ میں نے چھ کنکریوں سے رمی کی، تو لوگوں نے کسی پر عیب نہیں لگایا (نسائی)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک آدھ کنکری کم ماری جائے، یا وہ جمرہ کو نہ لگے، تب بھی رَمی ادا ہوجاتی ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ، فَقَدْ حَلَّ لَكُمْ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ، فَقَالَ رَجُلٌ: وَالطِّيْبُ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَمَّا أَنَا فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُضَمِّخُ رَأْسَهٗ بِالْمِسْكِ: أَفَطِيْبٌ ذَاكَ أَمْ لَا؟ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۰۹۰) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم (دس ذی الحجہ کو) جمرہ کی رَمی کرچکو، تو تمہارے لئے سب چیزیں حلال ہوجاتی ہیں، سوائے خواتین کے، ایک آدمی نے عرض کیا کہ اور خوشبو بھی حلال ہوجاتی ہے؟ تو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ (دس ذی الحجہ کی رَمی کے بعد) اپنے سر کو مُشک لگایا کرتے تھے، تو کیا یہ خوشبو ہے یا نہیں ہے؟ (یعنی مشک، خوشبو کی قسم ہے) (مسند احمد)

---

[1] رقم الحديث ۳۰۷۷، كتاب مناسك الحج، باب :عدد الحصى التي يرمى بها الجمار.

[2] في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ بِذَرِيْرَةٍ لِحَجَّةِ الْوَدَاعِ لِلْحِلِّ وَالْإِحْرَامِ: حِيْنَ أَحْرَمَ، وَحِيْنَ رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ أَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۶۰۷۸) [1]

ترجمہ: میں نے اپنے ہاتھوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر احرام سے نکلنے کے لئے، اور احرام میں داخل ہونے کے لئے ''ذریرہ'' خوشبو لگائی ہے، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا (یعنی ایک تو احرام باندھنے کے وقت احرام میں داخل ہونے سے پہلے خوشبو لگائی) اور جب آپ نے یوم النحر (یعنی دس ذی الحجہ) کو جمرۂ عقبہ کی رَمی کرلی، بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے (یعنی اس وقت بھی خوشبو لگائی) (مسند احمد)

حضرت سالم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

كُنْتُ أُطَيِّبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا يَرْمِي الْجَمْرَةَ، قَبْلَ أَنْ يُّفِيْضَ إِلَى الْبَيْتِ، قَالَ سَالِمٌ: فَسُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ أَنْ نَّأْخُذَ بِهَا مِنْ قَوْلِ عُمَرَ (مسند أحمد، رقم الحديث ۲۴۷۵۰) [2]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (دس ذی الحجہ کی) جمرہ کی رَمی کے بعد بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے خوشبو لگائی، حضرت سالم نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ ہم اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے مقابلہ میں لیں (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، طوافِ زیارت کرنے سے پہلے زوجین کے خصوصی

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

تعلقات کے علاوہ خوشبو کے استعمال کو بھی ناجائز کہتے تھے، اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے پیشِ نظر خوشبو کو جائز سمجھتے ہیں۔

حضرت سالم رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

سَمِعْتُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ: إِذَا رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، وَذَبَحْتُمْ وَحَلَقْتُمْ فَقَدْ حَلَّ لَكُمْ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ، قَالَ سَالِمٌ وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ، قَالَ: وَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَا طَيَّبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَعْنِيْ لِحِلِّهٖ (سنن البیهقی) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم (دس ذی الحجہ کے دن) جمرہ کو سات کنکریاں مارلو، اور تم (حج کی قربانی کا جانور) بھی ذبح کرلو، اور بال بھی منڈوالو، تو تمہارے لئے عورتوں اور خوشبو کے علاوہ ہر چیز حلال ہوجاتی ہے، حضرت سالم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عورتوں کے علاوہ ہر چیز حلال ہوجاتی ہے (جس میں خوشبو کا حلال ہونا بھی داخل ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال ہونے کے وقت (طوافِ زیارت سے پہلے) خوشبو لگائی ہے (بیہقی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِذَا رَمٰى حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ (مصنف ابن ابی شیبة) [2]

ترجمہ: جب (دس ذی الحجہ کی) رمی کرلے، تو اس کے لئے عورتوں کے علاوہ ہر

---

[1] رقم الحدیث ۹۵۹۱، کتاب الحج، ابواب دخول مکة، باب ما یحل بالتحلل الأول من محظورات الإحرام.

[2] رقم الحدیث ۱۳۹۹۱، کتاب المناسک، باب فی الرجل إذا رمی الجمرة، ما یحل علیه.

چیز حلال ہوجاتی ہے (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مِنْ سُنَّةِ الْحَجِّ أَنْ يُّصَلِّيَ الْإِمَامُ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الْآخِرَةَ وَالصُّبْحَ بِمِنًى، ثُمَّ يَغْدُوْ إِلٰى عَرَفَةَ فَيَقِيْلُ حَيْثُ قَضٰى لَهُ حَتّٰى إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَطَبَ النَّاسَ، ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا، ثُمَّ وَقَفَ بِعَرَفَاتٍ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ، ثُمَّ يُفِيْضَ فَيُصَلِّيْ بِالْمُزْدَلِفَةِ أَوْ حَيْثُ قَضَى اللّٰهُ، ثُمَّ يَقِفَ بِجَمْعٍ حَتّٰى إِذَا أَسْفَرَ دَفَعَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ، فَإِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ الْكُبْرٰى حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ حُرِّمَ عَلَيْهِ إِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيْبَ حَتّٰى يَزُوْرَ الْبَيْتَ (صحيح ابن خزيمة) [1]

ترجمہ: حج کی سنت یہ ہے کہ امام (آٹھ ذی الحجہ کے دن) ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اور فجر منیٰ میں پڑھے، پھر عرفات چلا جائے، پھر کچھ آرام کرے، جہاں اس کی ضرورت پوری ہو، پھر جب سورج کا زوال ہوجائے، تو لوگوں کو خطبہ دے، پھر ظہر اور عصر کو اکٹھی پڑھائے، پھر عرفات میں وقوف کرے، یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے، پھر وہاں سے چلے، پھر مزدلفہ میں نماز پڑھے، یا جہاں اللہ چاہے، پھر مزدلفہ میں وقوف کرے، یہاں تک کہ جب روشنی ہوجائے، تو سورج طلوع ہونے سے پہلے چلا جائے، پھر جب (دس ذی الحجہ کے دن) جمرۂ کبریٰ (یعنی بڑے جمرہ یا شیطان) کی رَمی کرلے، تو اس کے لئے ہر چیز حلال ہوجائے گی، جو اس پر (احرام کی وجہ سے) حرام تھی، سوائے عورتوں اور خوشبو کے،

[1] رقم الحديث ۲۸۰۰، كتاب المناسك، باب وقت الغدو من منى إلى عرفة، مستدرك حاكم، رقم الحديث ۱۶۹۵.
قال الحاكم: هذا حديث على شرط الشيخين، ولم يخرجاه .
وقال الاعظمى فى تعليق ابنِ خزيمة: اسناده صحيح.

یہاں تک کہ طوافِ زیارت کرلے (اور طوافِ زیارت کے بعد باقی چیزیں بھی حلال ہوجائیں گی) (ابنِ خزیمہ، حاکم)

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعَ ابْنَ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ: إِذَا رَمَيْتَ الْجَمْرَةَ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ ، فَقَدْ حَلَّ لَكَ مَا وَرَاءَ النِّسَآءِ (مصنف ابن ابی شیبة) [1]

ترجمہ: انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ جب آپ یوم النحر (یعنی دس ذی الحجہ کے دن) کی جمرہ کی رَمی کرلو گے، تو آپ کے لئے عورتوں کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہوجائیں گی (ابنِ ابی شیبہ، الحجہ)

اور حضرت قاسم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ ، قَالَ: إِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ ، إِلَّا النِّسَآءَ (مصنف ابن ابی شیبة) [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آپ یوم النحر کو (یعنی دس ذی الحجہ کے دن) جمرہ کی رَمی کرلو گے، تو آپ کے لئے عورتوں کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہوجائیں گی (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ رُخِّصَ لَكُمْ إِذَا أَنْتُمْ رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ أَنْ تَحِلُّوْا، يَعْنِيْ مِنْ كُلِّ مَا حُرِمْتُمْ مِنْهُ إِلَّا النِّسَاءَ (سنن أبی داود) [3]

ترجمہ: یہ دن ایسا ہے کہ اللہ نے تمہیں اس چیز کی گنجائش دے دی کہ جب تم جمرہ

---

[1] رقم الحديث ۱۳۹۹۰، كتاب المناسك، باب فى الرجل إذا رمى الجمرة ، ما يحل عليه، الحجة على اهل المدينة، ج۲ ص ۴۰۰، باب الذى يصيد الصيد أو يرميه بعد ما رمى جمرة العقبة وحلاقة رأسه.

[2] رقم الحديث ۱۳۹۹۹، كتاب المناسك، باب فى الرجل إذا رمى الجمرة ، ما يحل عليه.

[3] رقم الحديث ۱۹۹۹ ، كتاب المناسك، باب الإفاضة فى الحج.

کی رَمی کرلو گے، تو حلال ہوجاؤ گے، یعنی وہ تمام چیزیں جو تم پر (احرام کی وجہ سے) حرام ہوئی تھیں، وہ حلال ہوجاتی ہیں، سوائے عورتوں کے (ابوداؤد)

ملحوظ رہے کہ اس روایت کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اگر تم نے اس دن شام تک طواف نہیں کیا، تو پھر تم اسی طرح حرام ہوجاؤ گے، جس طرح تم جمرہ کی رمی کرنے سے پہلے حرام تھے۔ [1]

مگر ان الفاظ کو محدثین نے اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ قرار دیا ہے۔ [2]

اس طرح کی روایات مختلف صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام سے بھی مروی ہیں۔ [3]

---

[1] چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں کہ:

فاذا امسيتم قبل ان تطوفوا هذا البيت صرتم حرما كهيئتكم قبل ان ترموا الجمرة حتى تطوفوا به.

[2] ففي هذا الحديث إن من أخر طواف الإفاضة حتى أمسى عاد محرما كما كان قبل رمي الجمرة، يحرم عليه لبس المخيط وغيره من محرمات الإحرام .

قلت :حديث أم سلمة هذا شاذ، أجمعوا على ترك العمل به .

وقال المحب الطبرى :وهذا حكم لا أعلم أحدا قال به.

وإذا كان كذلك فهو منسوخ والإجماع.

وإن كان لا ينسخ، فهو يدل على وجود ناسخ وإن لم يظهر، والله أعلم (عمدة القارى، ج١٠ ص ٦٩، باب الزيارة يوم النحر)

[3] اخبرنا محمد قال اخبرنا ابراهيم بن محمد المدنى قال اخبرنا جعفر بن محمد عن على بن أبى طالب رضى الله عنه قال :

إذا رميت جمره حل لک كل شيء الا النساء (الحجة على اهل المدينة، ج٢ص ٤٠٥، باب الذى يصيد الصيد أو يرميه بعد ما رمى جمرة العقبة وحلاقة رأسه)

عن عطاء ؛ أن النبى صلى الله عليه وسلم ، قال :

إذا رمى الجمرة وذبح وحلق ، حل له كل شيء إلا النساء (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ١٣٩٨٨ ، باب فى الرجل إذا رمى الجمرة ، ما يحل عليه)

عن نافع ، عن ابن عمر ، وعمر ؛ أنهما قالا :

إذا نحر الرجل وحلق ، حل له كل شيء إلا النساء والطيب(ايضاً، رقم الحديث ١٣٩٩٤)

حدثنا مغيرة ، عن إبراهيم ، قال :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور احادیث وروایات میں تھوڑا بہت اختلاف پائے جانے کی وجہ سے فقہائے کرام کا بھی اس بارے میں اختلاف ہے کہ احرام کی کس قسم کی پابندیاں کون سے عمل سے ختم ہوتی ہیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إذا حلق المحرم حل له كل شيء إلا النساء ، حتى يطوف بالبيت ، فإذا طاف بالبيت حل له النساء (ايضاً، رقم الحديث ١٣٩٩٢)

عن الأعمش ، عن إبراهيم ، عن علقمة ، قال :إذا رمى الجمرة حل له كل شيء ، إلا النساء (ايضاً، رقم الحديث ١٣٩٩٣)

عن نافع بن عمر ، عن عطاء ، قال :إذا رمى الجمرة حل له كل شيء ، إلا النساء (ايضاً، رقم الحديث ١٣٩٩٥)

عن عطاء ، قال :إذا قضيتم المناسک كلها فقد حل لكم كل شيء ، إلا النساء ، والصيد(ايضاً، رقم الحديث ١٣٩٩٧)

عن أشعث ، عن الحسن ، قال :إذا رمى جمرة العقبة حل له كل شيء ، إلا الطيب ، والنساء ، والصيد(ايضاً، رقم الحديث ١٣٩٩٦)

وأما ابن الزبير ,فحدثنا محمد بن خزيمة وفهد قالا :ثنا عبد الله بن صالح ,قال: حدثني الليث قال :حدثني ابن الهاد ,عن يحيى بن سعيد ,عن القاسم بن محمد قال: سمعت عبد الله بن الزبير يقول :إذا رمى الجمرة الكبرى فقد حل له ما حرم عليه إلا النساء ,حتى يطوف بالبيت ,وقد روى عن ابن عمر ,ما يدل على هذا أيضا.

حدثنا ابن مرزوق ,قال :ثنا أبو حذيفة ,قال :ثنا سفيان ,قال :ثنا عمرو بن دينار ,عن طاوس ,عن ابن عمر ,قال :

قال عمر رضي الله عنه فذكر مثل الذى رويناه عنه فى الفصل الذى قبل هذا :قال ": فقالت عائشة رضي الله عنها :كنت أطيب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رمى جمرة العقبة قبل أن يفيض .

فسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ,أحق أن يؤخذ بها من سنة عمر .والنظر بعد ذلک فى هذا ,يدل على ذلک أيضا لأن حكم الطيب بحكم اللباس أشبه من حكمه بحكم الجماع ,لما قد فسرنا مما تقدم فى هذا الباب .وهذا قول أبى حنيفة ,وأبى يوسف ,ومحمد رضي الله عنهم ,وقد روى ذلک أيضا عن جماعة من التابعين(شرح معانى الآثار، ج٢ص ٢٣١، كتاب مناسک الحج، باب اللباس والطيب متى يحلان للمحرم ؟)

دس ذی الحجہ کی رَمی سے متعلق مسائل

احادیث وروایات کے بعداب دس ذی الحجہ کی رَمی کے سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ا......شریعت کی طرف سے حج کا ایک واجب عمل مخصوص مقامات پر رَمی کرنا ہے، جس کو عربی میں ''رمیِ جمار'' یا ''رمیِ جمرات'' کہا جاتا ہے۔ [۱]

رمی کے لغت میں معنیٰ ''پھینکنے اور مارنے'' کے آتے ہیں، اور جمار کے معنیٰ چھوٹے پتھروں یا کنکریوں کے آتے ہیں، تو عربی میں رمیِ جمرات کے معنیٰ پتھروں یا کنکریوں کے پھینکنے اور مارنے کے ہوئے، اور اس عمل کو مختصر لفظوں میں رَمی کرنا بھی کہا جاتا ہے۔ [۲]

---

[۱] الحكم التكليفى لرمى الجمار:
اتفق الفقهاء على أن رمى الجمار واجب من واجبات الحج .(ر :حج ف۱۵۳ ـ ۱۶۵)
واستدلوا على ذلك بالسنة والإجماع.
أما السنة فالأحاديث كثيرة منها:
حديث عبد الله بن عمرو بن العاص أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقف فى حجة الوداع بمنى للناس يسألونه، فجاء ه رجل فقال :لم أشعر، فحلقت قبل أن أذبح؟ قال :اذبح ولا حرج فجاء آخر فقال :لم أشعر فنحرت قبل أن أرمى؟ قال :ارم ولا حرج الحديث، فقد أمر بالرمى، والأمر للوجوب.
وكذلك فعله صلى الله عليه وسلم وقد ثبت عنه فى الأحاديث الكثيرة الصحيحة ، وقد قال: خذوا عنى مناسككم .
وأما الإجماع :فقول الكاسانى :إن الأمة أجمعت على وجوبه، فيكون واجبا .
وما روى عن الزهرى من أنه ركن من أركان الحج فهو قول شاذ مخالف لإجماع من قبله، وقد بين العلماء بطلانه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۵۱ ، مادة "رمى")

[۲] ملحوظ رہے کہ شرعاً ''جمرۃ'' مخصوص جگہ کا نام ہے، اور جب مخصوص زمانہ میں، اور مخصوص تعداد میں اس جگہ پر کنکریاں ماری جاتی ہیں، تو یہ عمل حج کا ایک نُسک کہلاتا ہے۔
ثانيا :رمى الجمار:الرمى لغة :القذف.
والجمار :الأحجار الصغيرة، جمع جمرة، وهى الحصاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۵۴ ، مادة "حج")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... جن مقامات پر حج کے دوران کنکریاں ماری جاتی ہیں، وہ مجموعی طور پر تین ہیں، جن میں سے ایک پہلا یا چھوٹا جمرہ ہے، جس کو عربی زبان میں ''جمرۂ اولیٰ'' یا ''جمرۂ صغریٰ'' یا ''جمرۂ دنیا'' کہا جاتا ہے، یہ جمرہ منیٰ میں واقع مسجدِ خیف کے زیادہ قریب اور بیت اللہ سے دُور ہے، اس لئے اس کو قریبی جمرہ کہا جاتا ہے، اور مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے سب سے پہلے واقع ہے، اس لئے اسے پہلا جمرہ بھی کہا جاتا ہے۔

اور دوسرا درمیانی جمرہ ہے، جس کو عربی زبان میں ''جمرۂ ثانیہ'' یا ''جمرۂ وسطیٰ'' کہا جاتا ہے، یہ جمرہ پہلے جمرہ کے بعد ہے، اور تیسرے جمرہ سے پہلے ہے، اور اس طرح سے یہ دونوں جمروں کے درمیان میں واقع ہے، اس وجہ سے اس کو درمیانی یا دوسرا جمرہ بھی کہا جاتا ہے۔

اور تیسرا جمرہ آخری یا بڑا جمرہ ہے، جس کو عربی زبان میں ''جمرۂ ثالثہ'' یا ''جمرۂ عقبہ'' یا ''جمرۂ کبریٰ'' کہا جاتا ہے، یہ منیٰ میں سب سے آخر میں بیت اللہ کی طرف واقع ہے، اس لئے اسے آخری جمرہ کہا جاتا ہے، اور ہماری زبان میں جمرہ کو شیطان بھی کہا جاتا ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

رمی الجمار، هو رمی الحصیات المعینة العدد فی الأماکن الخاصة بالرمی فی منی (الجمرات) ولیست الجمرة هی الشاخص (العمود) الذی یوجد فی منتصف المرمی، بل الجمرة هی المرمی المحیط بذلک الشاخص، فلیتنبه لذلک (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص ۱۵۰، مادة "رمی")

وأما تفسیر رمی الجمار فرمی الجمار فی اللغة هو القذف بالأحجار الصغار، وهی الحصی إذ الجمار جمع جمرة، والجمرة هی الحجر الصغیر، وهی الحصاة، وفی عرف الشرع هو القذف بالحصی فی زمان مخصوص، ومکان مخصوص، وعدد مخصوص علی ما نبین إن شاء الله تعالی (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲، ص۱۳۷، کتاب الحج، فصل تفسیر رمی الجمار)

[1] والجمرات التی ترمی ثلاثة، هی:

أ -الجمرة الأولی :وتسمی الصغری، أو الدنیا، وهی أول جمرة بعد مسجد الخیف بمنی، سمیت "دنیا "من الدنو؛ لأنها أقرب الجمرات إلی مسجد الخیف.

ب -الجمرة الثانیة :وتسمی الوسطی، بعد الجمرة الأولی، وقبل جمرة العقبة.

ج -جمرة العقبة :وهی الثالثة، وتسمی أیضا "الجمرة الکبری "وتقع فی آخر منی تجاه مکة، ولیست من منی .(ر :منی). ترمی هذه الجمرات کلها من جمیع الجهات (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص ۱۵۰، مادة "رمی")

مسئلہ نمبر۳...... رمی کرنے کے مجموعی طور پر چار دن ہیں، جو دس ذی الحجہ سے شروع ہو کر تیرہ ذی الحجہ تک جاری رہتے ہیں۔

البتہ دس ذی الحجہ سے لے کر بارہ ذی الحجہ تک تین دن رمی کرنا تو واجب ہے، جن میں سے پہلے دن صرف ایک جمرہ کی رَمی کی جاتی ہے، اور باقی دنوں میں تینوں جمروں کی رَمی کی جاتی ہے، اور چوتھے دن کی رمی کرنا فی نفسہٖ واجب نہیں، تاہم بعض صورتوں میں اس دن کی رمی بھی واجب ہو جایا کرتی ہے۔

اس لئے تین دن کی رمی حج کے تین واجبات کے قائم مقام ہوئی۔ [1]

اور ہر جمرہ پر سات کنکریاں ماری جاتی ہیں، اس طرح سے تین دنوں کی کنکریوں کی تعداد انچاس ہوئی، اور چوتھے دن کی رَمی بھی کی جائے، تو چار دنوں کی کنکریوں کی مجموعی تعداد ستر ہو جاتی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۴...... دس ذی الحجہ کے دن صرف ایک آخری جمرہ (یعنی جمرۂ عقبہ) کی رَمی کرنا واجب ہے۔ [3]

بعض ناواقف دسویں تاریخ میں آخری جمرہ کی رمی کے علاوہ پہلے اور درمیانی جمرہ کی بھی رَمی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے کوئی کمی تو نہیں کی بلکہ عمل میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی کیا ہے حالانکہ دسویں تاریخ میں صرف بڑے جمرہ کی رَمی کرنا ثابت ہے اور اس پر زیادتی کرنا مکروہ وبدعت ہے۔

لٰہذا دسویں تاریخ میں پہلے اور درمیانی جمرہ یعنی جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی ہرگز نہ کی جائے

---

[1] توقیت الرمی وعددہ :أیام الرمی أربعة :یوم النحر العاشر من ذی الحجة، وثلاثة أیام بعدہ وتسمی "أیام التشریق " (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۷، ص۵۴ ، مادة "حج")

[2] وعدد الجمار سبعون :سبعة لرمی جمرة العقبة یوم النحر والباقی لثلاثة أیام منی کل یوم ثلاث جمرات بإحدی وعشرین، وذلک لمن لم یتعجل،أما للمتعجل فتسعة وأربعون(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۵ ص۲۷۷ ،مادة "جمار")

[3] الرمی یوم النحر :واجب الرمی فی هذا الیوم هو رمی جمرة العقبة وحدها فقط، یرمیها بسبع حصیات(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۷ ، ص۵۵، مادة "حج")

بلکہ صرف آخری جمرہ عقبہ یعنی بڑے شیطان کی رمی پر اکتفاء کیا جائے۔

مسئلہ نمبر۵...... دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس دن کی طلوعِ فجر پر شروع ہوجاتا ہے، اس لئے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک طلوعِ فجر سے پہلے اس دن کی رمی کرنا جائز نہیں ہوتا، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس دن کی رمی کا وقت دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے بھی پہلے آدھی رات کے بعد شروع ہوجاتا ہے، بشرطیکہ رمی کرنے والا وقوفِ عرفہ کرچکا ہو، اس لئے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کے طلوعِ فجر سے پہلے مگر آدھی رات کے بعد اس دن کی رمی کرنا جائز ہوجاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۶...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دس ذی الحجہ بلکہ ہر دن کی رمی کا وقت پوری رات گزرنے کے بعد اگلے دن کی طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگلے دن کی طلوعِ فجر سے پہلے پہلے رَمی کرلینا واجب ہے، اور اگر کسی نے طلوعِ فجر تک رمی نہیں کی، تو اس پر اس دن کی رَمی کی قضاء اور دَم دونوں واجب ہوتے ہیں، اور کسی بھی دن کی رَمی کے قضاء ہونے کا وقت تیرہ ذی الحجہ کے غروب تک جاری رہتا ہے۔

جبکہ دیگر جمہور فقہاء یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، امام محمد اور امام ابویوسف، نیز امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک دس ذی الحجہ اور اس کے بعد دوسرے دِنوں کی رَمی کا وقت تیرہ ذی الحجہ کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔

---

[1] اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احادیث میں رات کے وقت طلوعِ فجر سے پہلے کمزور لوگوں کو منیٰ پہنچ کر رمی کرنے کی اجازت مذکور ہے، جس سے شوافع وحنابلہ نے یہ استدلال کیا کہ آدھی رات کے بعد رمی جائز ہوئی، مگر حنفیہ ومالکیہ نے مزدلفہ سے جلدی کوچ کرنے کی گنجائش تک اس قضیہ کو محدود رکھا۔

ووقت الرمي هذا يبدأ من طلوع فجر يوم النحر عند الحنفية والمالكية. ومن منتصف ليلة يوم النحر لمن وقف بعرفة قبله عند الشافعية والحنابلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۵، مادة "حج")

وأما وقت الجواز، فأوله من نصف الليل من ليلة النحر. وبهذا قال الشافعي. وقال أبو حنيفة: أوله طلوع الفجر من يوم النحر، وآخره آخر أيام النحر (المغني لابن قدامة، ج۳، ص۳۹۱، فصل لطواف الزيارة وقتان وقت فضيلة ووقت إجزاء)

لہٰذا اگر کسی نے دس ذی الحجہ یا اس کے بعد کسی دن کی رَمی نہیں کی، اور طلوعِ فجر ہو گیا، تو اس پر دَم واجب نہیں ہوتا، بشرطیکہ وہ تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے رات دن میں کسی بھی وقت اس کی قضاء کرلے، اگرچہ کسی دن زوال سے پہلے ہی کیوں نہ ہو۔ [1]

حنفیہ میں سے امام طحاوی رحمہ اللہ نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔

اور ہمارے نزدیک بھی یہی موقف راجح ہے، کیونکہ صحیح احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے چرواہوں کو دو دن کی رَمی اکٹھی کرنے کی اجازت دی ہے، اور ان پر دَم واجب ہونے کا حکم نہیں لگایا۔ اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی مرد یا عورت دس ذی الحجہ یا اس کے بعد کسی دن کی رمی اس دن بروقت نہ کرسکے، لیکن وہ اگلے دن یا تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اس کی قضاء

---

[1] اور مالکیہ کے نزدیک دس ذی الحجہ بلکہ کسی بھی دن کی رَمی کا وقت اس دن کا سورج غروب ہونے پر ختم ہو جاتا ہے۔

وآخر وقت الرمی عند الحنفية إلى فجر اليوم التالی، وعند المالكية إلى المغرب .حتی يجب الدم فی المذهبين بتأخير رمی يوم عن الوقت المذكور.

وآخر وقت الرمی عند الشافعية والحنابلة .يمتد إلى آخر أيام التشريق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۵، مادة "حج")

(قوله :يجوز لذوی الأعذار تأخير يوم) أی فيؤدونه فی الثانی قبل رميه ولو قبل الزوال ونائی وبصری(تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، ج۴،ص۱۲۶، كتاب الحج،فصل فی مبيت ليالی أيام التشريق الثلاثة بمنی)

عن أبيه عاصم بن عدی، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أنه رخص لرعاء الإبل فی البيتوتة يرمون يوم النحر، ثم يرمون من الغد، أو من بعد الغد ليومين، ثم يرمون يوم النفر ، قال محمد :من جمع رمی يومين فی يوم من علة أو غير علة، فلا كفارة عليه إلا أنه يكره له أن يدع ذلک من غير علة حتی الغد، وقال أبو حنيفة :إذا ترک ذلک حتی الغد فعليه دم(الموطا للامام محمد ،رقم الحديث ۴۹۵، كتاب الحج،باب :تأخير رمی الحجارة من علة أو من غير علة وما يكره من ذلک)

وإن لم يرمها حتی يصبح من الغد رماها وعليه دم فی قول أبی حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد يرميها ولا دم عليه(الأصل المعروف بالمبسوط، ج۲ ص۴۲۴، كتاب المناسک،باب رمی الجمار)

وإن لم يرم يوم النحر جمرة العقبة حتی جاء الليل رماها ولا شیء عليه، وإن لم يرمها حتی أصبح من الغد رماها، وعليه للتأخير دم عند أبی حنيفة خلافاً لهما(المحيط البرهانی،كتاب المناسک،الفصل الثالث :فی تعليم أعمال الحج)

کرلے، تو ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس پر دَم واجب نہ ہوگا، البتہ اگر اس نے بلاعذر ایسا کیا، تو مکروہ اور گناہ ہوگا، ورنہ مکروہ یا گناہ بھی نہ ہوگا۔ [1]

اور جوکوئی بیماری وغیرہ جیسے عذر کی وجہ سے رمی کرنے پر قادر نہ ہوتو اس کو دوسرے سے رمی کرانا جائز ہوتا ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

---

[1] جہاں تک حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اَثر کا تعلق ہے، جس کی رو سے حج کے کسی نُسک کی تقدیم وتاخیر پر دَم واجب ہے، تو اس کا جواب ترتیب کے مسئلہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

اور اس اَثر کے علاوہ دَم کے وجوب کی اور کوئی معقول دلیل ہے نہیں۔

حدثنا يونس بن عبد الأعلى قال :ثنا ابن وهب قال :حدثني عمر بن قيس ,عن عطاء ,عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :الراعي يرعى بالنهار ويرمي بالليل "قال أبو جعفر :فذهب أبو حنيفة رحمه الله إلى أن في هذا الحديث دلالة على أن الليل والنهار ,وقت واحد للرمي فقال إن ترك رجل رمي جمرة العقبة في يوم النحر ,ثم رماها بعد ذلك في الليلة التي بعده ,فلا شيء عليه ,وإن لم يرمها ,حتى أصبح من غده ,رماها ,وعليه دم , لتأخيره إياها إلى خروج وقتها ,وهو طلوع الفجر من يومئذ .وخالفه في ذلك ,أبو يوسف , ومحمد رحمهما الله فقالا :إذا ذكرها في شيء من أيام الرمي ,رماها ولا شيء عليه غير ذلك , من دم ولا غيره ,وإن لم يذكرها حتى مضت أيام الرمي فذكرها ,ولم يرمها كان عليه في تركها دم .واحتج محمد بن الحسن في ذلك على أبي حنيفة رحمه الله.

بما حدثنا ابن مرزوق قال :ثنا أبو عاصم ,عن ابن جريج قال :أخبرني محمد بن أبي بكر ,عن أبيه , عن أبي البداح ,عن عاصم بن عدي "أن النبي صلى الله عليه وسلم رخص للرعاء أن يتعاقبوا , فكانوا يرمون غدوة يوم النحر ويدعون ليلة ويوما ,ثم يرمون من الغد "ففي هذا الحديث أنهم كانوا يرمون غدوة يوم النحر ثم يدعون يوما وليلة ,ثم يرمون الغد .فقد كانوا يرمون رمي اليوم الثاني في اليوم الثالث ,ولم يكن ذلك بموجب عليهم دما ,ولا بموجب أن حكم اليوم الثالث في الرمي لليوم الثاني ,خلاف حكم اليوم الرابع .ففي ذلك دليل أن من ترك رمي جمرة العقبة في يوم النحر ,فذكرها في شيء من أيام التشريق أنه رمى ولا شيء عليه .ثم النظر في ذلك يشهد لهذا قول أيضا ,وذلك أنا رأينا أشياء تفعل في الحج ,الدهر كله وقت لها ,منها السعي بين الصفا والمروة ,وطواف الصدر ,ومنها أشياء تفعل في وقت خاص ,هو وقتها خاصة ,منها رمي الجمار .فكان ما الدهر وقت له من هذه الأشياء متى فعل ,فلا شيء على فاعله مع فعله إياه ,من دم ولا غيره .وما كان منها له وقت خاص من الدهر إذا لم يفعل في وقته ,وجب على تاركه الدم .فكان ما كان منها يفعل لبقاء وقته ,فلا شيء على فاعله غير فعله إياه ,وما كان منها لا يفعل لعدم وقته , وجب مكانه الدم .وكانت جمرة العقبة إذا رميت من غد يوم النحر قضاء عن رمي يوم النحر ,فقد رميت في يوم هو من وقتها ,ولولا ذلك لما أمر برميها كما لا يؤمر تاركها إلا بعد انقضاء أيام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۷...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رَمی دسویں تاریخ کو فجر طلوع ہونے کے بعد اور سورج طلوع ہونے سے پہلے کوئی کرے تب بھی ادا ہوجاتی ہے اور کوئی دَم وغیرہ لازم نہیں ہوتا، مگر بلا عذر اس وقت میں کرنا اچھا نہیں ہے۔

اور اس دن کی رَمی سورج طلوع ہونے کے بعد سے لے کر زوال تک کرنا زیادہ فضیلت کا باعث اور مسنون ہے اور زوال کے بعد سے لے کر سورج غروب ہونے تک اس دن کی رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے اور سورج غروب ہونے کے بعد سے لے کر فجر کے طلوع ہونے تک بلا عذر رَمی کرنا مکروہ ہے، اور عذر کی صورت میں مکروہ نہیں۔

لیکن اگر کوئی کرے تو ادا ہوجاتی ہے اور کوئی دَم لازم نہیں آتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التشريق برميها بعد ذلک . فلما كان اليوم الثانی من أيام النحر ,هو وقت لها ,وقد ذكرنا مما قد أجمعوا عليه أن ما فعل فی وقته من أمور الحج ,فلا شیء علی فاعله ,وكان كذلک هذا الرامی لها ,لما رماها فی وقتها ,فلا شیء عليه . فإن قال قائل :إنما أوجبنا عليه الدم بتركه رميها يوم النحر وفی الليلة التی بعده للإساء ة التی كانت منه فی ذلک . قيل له :فقد رأينا تارک طواف الصدر حتی يرجع إلی أهله ,وتارک السعی بين الصفا والمروة ,حتی يرجع إلی أهله مسيئين، وأنت تقول :إنهما إذا رجعا ففعلا ما كانا تركا من ذلک أن إساء تهما لا توجب عليهما دما ,لأنهما قد فعلا ما فعلا من ذلک فی وقته . فكذلک الرامی اليوم الثانی من أيام منی جمرة العقبة ,لما كان وجب عليه فی يوم النحر راميا لها فی وقتها فلا شیء عليه فی ذلک غير رميها . فهذا هو النظر فی هذا الباب ,وهو قول أبی يوسف ,ومحمد ,رحمهما الله تعالی(شرح معانی الآثار، ج۲ص ۲۲۱، ۲۲۲،كتاب مناسک الحج، باب الرجل يدع رمی جمرة العقبة يوم النحر ثم يرميها بعد ذلک)

[1] وأول وقت الرمی ليوم النحر يبدأ من طلوع فجر يوم النحر عند الحنفية والمالكية وفی رواية عن أحمد .

وهذا الوقت عندهم أقسام:

ما بعد طلوع الفجر من يوم النحر إلی طلوع الشمس وقت الجواز مع الإساء ة، وما بعد طلوع الشمس إلی الزوال وقت مسنون، وما بعد الزوال إلی الغروب وقت الجواز بلا إساء ة، والليل وقت الجواز مع الإساء ة عند الحنفية فقط ولا جزاء فيه.

أما عند المالكية فينتهی الوقت بغروب الشمس، وما بعده قضاء يلزم فيه الدم.

وتحديد الوقت المسنون مأخوذ من فعل النبی صلی الله عليه وسلم فإنه رمی فی ذلک الوقت(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ص ۱۵۶،مادة "رمی")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رَمی طلوعِ فجر سے پہلے اور آدھی رات کے بعد سے کرنا جائز ہے، لیکن مسنون اور افضل وقت سورج طلوع ہونے سے لے کر زوال تک ہے، اور زوال کے بعد سے لے کر غروب تک بھی پسندیدہ وقت ہے، اور اس کو کرنے کا جائز وقت تیرہ ذی الحجہ کی غروب تک ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وله أوقات أربعة:

الأول -الجواز وهو من طلوع الفجر يوم النحر إلى طلوع الفجر من اليوم الثانى حتى لو أخره لزمه دم عند الإمام خلافا لهما.

والثانى -الاستحباب وهو من طلوع الشمس إلى الزوال.

والثالث -الإباحة وهو من الزوال إلى الغروب.

والرابع -الكراهة وهو قبل طلوع الشمس من يوم النحر وبعد غروبها كما فى المحيط(مجمع الانهر، ج ا ص ٢٨٠، كتاب الحج،فصل دخل المحرم مكة ليلا أو نهارا)

[1] اور مالکیہ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ اُن کے نزدیک کسی بھی دن کی رَمی اس دن کا سورج غروب ہونے پر قضاء ہوجاتی ہے۔

وقت رمى جمرة العقبة يبدأ وقت السنية فيه من بعد طلوع الشمس من يوم العاشر من ذى الحجة إلى وقت الزوال وما بعد الزوال إلى الغروب فعلى الجواز وهذا لا خلاف فيه بين أهل العلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣٩ص ٢٣٦، مادة "مواقيت"وقت الرمى)

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن أول وقت جواز الرمى يوم النحر إذا انتصفت ليلة يوم النحر لمن وقف بعرفة قبله.

وهذا الوقت ثلاثة أقسام :وقت فضيلة إلى الزوال، ووقت اختيار إلى الغروب، ووقت جواز إلى آخر أيام التشريق.

استدل الحنفية بحديث ابن عباس أن النبى صلى الله عليه وسلم بعثه فى الثقل وقال :لا ترموا الجمرة حتى تصبحوا.

فأثبتوا جواز الرمى ابتداء من الفجر بهذا الحديث.

وعن ابن عباس رضى الله عنهما قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقدم ضعفاء أهله بغلس، ويأمرهم يعنى لا يرمون الجمرة حتى تطلع الشمس .

فأثبتوا بهذا الحديث الوقت المسنون.

واستدل الشافعية والحنابلة بحديث عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم أرسل بأم سلمة ليلة النحر، فرمت قبل الفجر، ثم مضت فأفاضت.

وجه الاستدلال أنه علق الرمى بما قبل الفجر، وهو تعبير صالح لجميع الليل، فجعل النصف ضابطا له؛ لأنه أقرب إلى الحقيقة مما قبل النصف.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۸......رَمی صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس سے پہلے حج کا احرام شروع کیا جاچکا ہو، اگر کوئی حج کے احرام میں داخل ہوئے بغیر رَمی کرے، تو اس رَمی کا اعتبار نہیں ہوتا، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ رَمی سے پہلے وقوفِ عرفہ کیا جاچکا ہو، کیونکہ وقوفِ عرفہ حج کا رکن ہے، اور وقوفِ عرفہ فوت ہونے سے حج فوت ہوجاتا ہے، لہٰذا رَمی صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس سے پہلے احرام شروع کیا جاچکا ہو، اور وقوفِ عرفہ کا فریضہ بھی ادا کیا جاچکا ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر۹......رَمی صحیح ہونے کے لئے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ رَمی جس چیز سے کی جائے، وہ پتھر کی جنس سے ہو، مثلاً وہ کنکری پتھر کی ہو، اور ان کے نزدیک مٹی کے ڈھیلے سے رَمی کرنا جائز نہیں۔

اور حنفیہ کے نزدیک جس چیز سے رمی کی جائے، اس کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ زمین کی جنس سے ہو، لہٰذا حنفیہ کے نزدیک پتھر کی کنکری کے علاوہ مٹی یا چونے کے ڈھیلے، وغیرہ سے بھی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أما آخر وقت الرمي يوم النحر فهو عند الحنفية إلى فجر اليوم التالي، فإذا أخره عنه بلا عذر لزمه القضاء في اليوم التالي، وعليه دم للتأخير، ويمتد وقت القضاء إلى آخر أيام التشريق.

وعند المالكية :آخر وقت الرمي إلى المغرب، وما بعده قضاء ، ويجب الدم إن أخره إلى المغرب على المشهور عندهم . وآخر وقت الرمي أداء عند الشافعية والحنابلة يمتد إلى آخر أيام التشريق؛ لأنها كلها أيام رمي . واستدل أبو حنيفة بحديث ابن عباس :أنه صلى الله عليه وسلم سأله رجل قال :رميت بعدما أمسيت؟ فقال :لا حرج.

وحديث ابن عباس أيضا أن النبي صلى الله عليه وسلم رخص للرعاة أن يرموا ليلا .

وهو يدل على أن وقت الرمي في الليل جائز، وفائدة الرخصة زوال الإساءة عنهم تيسيرا عليهم، ولو كان الرمي واجبا قبل المغرب لألزمهم به؛ لأنهم يستطيعون إنابة بعضهم على الرعي(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ ص ۱۵۶، ۱۵۷،مادة "رمى")

[1] يشترط لصحة رمي الجمار شروط هي:

أ -سبق الإحرام بالحج:لأنه شرط لصحة كل أعمال الحج.

ب -سبق الوقوف بعرفة:

لأنه ركن إذا فات فات الحج، والرمي مرتب عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۵۱، مادة "رمى" شروط صحة رمي الجمار)

رَمی کرنا جائز ہے، البتہ پتھر کی کنکری سے رَمی کرنا افضل ہے، اور سونے، چاندی وغیرہ کی دھاتوں سے رَمی کرنا جائز نہیں۔

لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ رَمی کسی پتھر کی جنس سے کی جائے۔ [1]

---

[1] بعض حنفیہ کے نزدیک زمین کی جنس میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس چیز سے رَمی کرنے میں اہانت وذلالت کرنے کا عنصر بھی پایا جاتا ہو، لہٰذا ان حضرات کے نزدیک یاقوت اور اس کے علاوہ دوسرے قیمتی پتھروں اور ہیروں سے رَمی کرنا جائز نہیں، اگرچہ یہ زمین کی جنس سے ہیں، کیونکہ قیمتی پتھروں سے اہانت وتذلیل کرنا نہیں پایا جاتا۔

صفة جمار الرمي: يشترط في الجمار أن تكون من حجر، وذلك عند جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية والحنابلة)، فلا يجوز بذهب، وفضة، وحديد، ورصاص، وخشب، وطين، وبذر، وتراب، ولؤلؤ، وإثمد، وجص عندهم، لأن النبي صلى الله عليه وسلم رمى بالحصى وأمر بالرمي بمثل حصى الخذف، فلا يتناول غيره.

وأجاز الشافعية أن تكون الجمار من كل أنواع الحجر.

أما الحنفية فقد ذهبوا إلى أنه يجوز أن تكون الجمار من كل ما كان من جنس الأرض، كالحجر والمدر والطين، وكل ما يجوز التيمم به.

ولا يجوز بخشب وعنبر ولؤلؤ وجواهر لأنها ليست من جنس الأرض.

واشترط بعض الحنفية في الجمار أن يكون رميها باستهانة، فلا يجوز عندهم بالفيروزج والياقوت مع أنهما من جنس الأرض لعدم حصول الاستهانة بهما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۲۷۷، ۲۷۸، مادة "جمار")

ج -أن يكون المرمي حجرا:

فلا يصح الرمي بالطين، والمعادن، والتراب عند الجمهور (المالكية والشافعية والحنابلة) ويصح بالمرمر، وحجر النورة أي الجص قبل طبخه، ويجزء حجر الحديد على الصحيح عند الشافعية لأنه حجر في هذه الحال، إلا أن فيه حديدا كامنا يستخرج بالعلاج، وفيما يتخذ منه الفصوص كالفيروزج، والياقوت، والعقيق، والزمرد، والبلور، والزبرجد وجهان عند الشافعية أصحهما الإجزاء لأنها أحجار .

وذهب الحنفية إلى أن الشرط في المرمي أن يكون من جنس الأرض، فيصح عندهم الرمي بالتراب، والطين، والجص، والكحل، والكبريت، والزبرجد، والزمرد، والبلور، والعقيق، ولا يصح بالمعادن، والذهب، والفضة، واختلفوا في جواز الرمي بالفيروزج والياقوت : منعه الشارحون وغيرهم، بناء على أنه يشترط كون الرمي بالرمي به استهانة.

وأجازه غيرهم بناء على نفي ذلك الاشتراط.

استدل الجمهور بما ثبت من فعل النبي صلى الله عليه وسلم كما في حديث جابر يصف رمي جمرة العقبة :فرماها بسبع حصيات -يكبر مع كل حصاة منها -مثل حصى الخذف

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰...... بعض لوگ جمرات پر جوتے، چپل، لکڑی وغیرہ جو کچھ ہاتھ لگتا ہے، غصہ کے عالَم میں مارے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب موقع ہے خوب جی بھر کر شیطان کی پٹائی کر لینی چاہئے، روز روز یہ موقع ہاتھ نہیں آئے گا، اولاً تو ان چیزوں سے رمی ہوتی ہی نہیں اور اگر رمی کر کے اضافی طور پر یہ چیزیں ماری جائیں تب بھی مہمل کام ہے، اس سے شیطان کو کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ وہ تو اس قسم کی نامعقول حرکتوں سے ہنستا ہوگا، اور بعض جہلاء حج کے علاوہ دوسرے اوقات میں منیٰ جا کر جمرات کو کنکریاں مارتے اور اس کو ثواب خیال کرتے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وبقوله صلى الله عليه وسلم فى أحاديث كثيرة :ارموا الجمار بمثل حصى الخذف وفى عدد منها أنه قال ذلک وهو واضع أصبعيه إحداهما على الأخرى.

قال النووى :فأمر صلى الله عليه وسلم بالحصى، فلا يجوز العدول عنه، والأحاديث المطلقة محمولة على هذا المعنى .

واستدل الحنفية بالأحاديث الواردة فى الأمر بالرمى مطلقة عن صفة مقيدة، كقوله صلى الله عليه وسلم :ارم ولا حرج متفق عليه .

قال الكاسانى :والرمى بالحصى من النبى صلى الله عليه وسلم وأصحابه رضى الله عنهم محمول على الأفضلية، توفيقا بين الدلائل، لما صح من مذهب أصحابنا أن المطلق لا يحمل على المقيد، بل يجرى المطلق على إطلاقه، والمقيد على تقييده ما أمكن، وهاهنا أمكن بأن يحمل المطلق على الجواز، والمقيد على الأفضلية .

وقال الحنفية أيضا :إن المقصود فعل الرمى، وذلک يحصل بالطين، كما يحصل بالحجر، بخلاف ما إذا رمى بالذهب أو الفضة؛ لأنه يسمى نثرا لا رميا.

ولا يخفى أن الأحوط فى ذلک مذهب الجمهور، قال الكمال بن الهمام :إن أكثر المحققين على أنها أمور تعبدية، لا يشتغل بالمعنى فيها -أى بالعلة -والحاصل أنه إما أن يلاحظ مجرد الرمى، أو مع الاستهانة، أو خصوص ما وقع منه عليه الصلاة والسلام، والأول يستلزم الجواز بالجواهر، والثانى بالبعرة والخشبة التى لا قيمة لها، والثالث بالحجر خصوصا، فليكن هذا أولى، لكونه أسلم، ولكونه الأصل فى أعمال هذه المواطن، إلا ما قام دليل على عدم تعيينه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۵۲، ۱۵۳ مادة "رمى")

(الثانى) أنه يجوز الرمى بكل ما كان من جنس الأرض بشرط وجود الاستهانة حتى لا يجوز بالفيروزج والياقوت كذا فى السراج الوهاج وهكذا فى النهاية والعناية ومعراج الدراية ويجوز بالحجر والمدر والطين والمغرة والنورة والزرنيخ والملح الجبلى والكحل وقبضة من تراب بخلاف الخشب والعنبر واللؤلؤ والذهب والفضة، هكذا فى غاية السروجى شرح الهداية(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۳۳، كتاب المناسک، الباب الخامس)

ہیں، یہ طریقہ بھی جہالت پر مبنی ہے، حج کے علاوہ خالی اوقات میں رمی کرنا ثابت نہیں، لہٰذا اس جاہلانہ حرکت سے بھی بچنا چاہیے۔

مسئلہ نمبر ۱۱...... جمرہ کی رمی میں سات کنکریوں کی تعداد معتبر ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ساتوں کنکریاں الگ الگ ماری جائیں۔

اگر کسی نے سات یا ایک سے زیادہ کنکریاں ایک ساتھ ہی جمرہ پر ماردیں، تو وہ ایک ہی کنکری مارنے میں شمار کی جائے گی۔ [۱]

بعض لوگ مٹھی بھر کر ایک ساتھ کافی ساری کنکریاں مار کر چل دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کم از کم سات کنکریاں تو بہرصورت جمرے کو لگ ہی گئی ہوں گی۔

حالانکہ مٹھی بھر کر جتنی کنکریاں ماری جائیں وہ ایک ہی کنکری شمار ہوگی اور باقی کنکریاں مارنے کا حکم برقرار رہے گا، کیونکہ ساتوں کنکریوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ مارنے کا حکم ہے، لہٰذا ہر جمرہ پر سات کنکریاں علیٰحدہ علیٰحدہ مارنی چاہئیں۔

مسئلہ نمبر ۱۲...... رَمی صحیح ہونے کے لئے مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ جمرہ کو ماری ہوئی کنکری براہِ راست جاکر جمرہ پر لگے۔

لہٰذا اگر کنکری تھوڑی دور گر کر جمرہ کی جڑ میں لڑھکتی ہوئی چلی گئی، تو ان حضرات کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اور حنفیہ کے نزدیک اگر کنکری جمرہ پر جاکر لگ جائے، یا جمرہ کے قریب گر جائے، تو دونوں صورتوں میں معتبر ہوجاتی ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک اگر کنکری کسی اور چیز کو جاکر لگی، اور خود لڑھکتی ہوئی خاص جمرہ کی جگہ میں

---

[۱] د -أن یرمی الجمرة بالحصیات السبع متفرقات:واحدة فواحدة.
فلو رمی حصاتین معا أو السبع جملة، فهی حصاة واحدة، ویلزمه أن یرمی بست سواها وهو المعتمد فی المذاهب.
والدلیل علیه :أن المنصوص علیه تفریق الأفعال فیتقید بالتفریق الوارد فی السنة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص ۱۵۳ مادة "رمی" شروط صحة رمی الجمار)

یا اس کے قریب پہنچ گئی، تب بھی معتبر ہو جاتی ہے۔ [1]

[1] پھر بعض حنفیہ کے نزدیک جمرہ کے ہر طرف سے تین تین ذراع یعنی تین تین ہاتھ (اور آج کل کی زبان میں ساڑھے چار فٹ) تک کا فاصلہ قریب اور اس سے زیادہ کا فاصلہ دُور سمجھا جاتا ہے، جبکہ بعض حنفیہ کے نزدیک ایک ذراع یعنی ایک ہاتھ (یا ڈیڑھ فٹ) کا فاصلہ قریب، اور اس سے زیادہ کا دور سمجھا جاتا ہے، اور بعض حنفیہ کے نزدیک قریب اور دور کا دارومدار عرف پر ہے۔

اگر کسی نے رَمی کی، اور وہ کسی انسان کے اوپر جا کر گر گئی، اور پھر اس نے اس کنکری کو لے کر جمرہ پر مار دیا، یا اس کے قریب پھینک دیا، تو حنفیہ کے نزدیک وہ معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ وہ خود بخود جانے کے بجائے دوسرے کے فعل سے وہاں پہنچی ہے۔

هـ -وقوع الحصى في الجمرة التي يجتمع فيها الحصى:

وذلك عند الجمهور (المالكية والشافعية والحنابلة) قال الشافعي :الجمرة مجتمع الحصى، لا ما سال من الحصى، فمن أصاب مجتمعه أجزأه، ومن أصاب سائله لم يجزه.

وتوسع الحنفية فقالوا :لو رماها فوقعت قريبا من الجمرة يكفيه؛ لأن هذا القدر مما لا يمكن الاحتراز عنه، ولو وقعت بعيدا منها لا يجزيه؛ لأنه لم يعرف قربه إلا في مكان مخصوص .قال الكاساني :لأن ما يقرب من ذلك المكان كان في حكمه، لكونه تبعا له.

وأما مقدار المسافة القريبة، فقيل :ثلاثة أذرع فما دون، وقيل :ذراع فأقل، وهو الذي فسره به المحقق كمال الدين بن الهمام، وهو أحوط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۵۴، مادة "رمي" شروط صحة رمي الجمار)

ويشترط حصول الجمار في المرمى عند جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية والحنابلة) وإن لم يبق فيه .ولا يشترط ذلك عند الحنفية، فلو وقعت على ظهر رجل أو جمل إن وقعت بنفسها بقرب الجمرة أجزأ، وإلا لم يجزء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص ۲۷۹، مادة "جمار")

وينبغي أن يقع الحصى عند الجمرة أو قريبا منها حتى لو وقع بعيدا لم يجز وحد القرب والبعد أن يكون ثلاثة أذرع في حد البعيد وما دونه قريب............ولو رمى فوقعت الحصاة على رأس رجل أو على ظهر بعير ثم وقعت هي بنفسها على الجمرة أجزأه وإن أخذها الرجل ووضعها لم يجز (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص۱۵۸، كتاب الحج)

فلو، وقعت الحصاة قريباً من الجمرة جاز، ولو وقَعت بعيداً لا .وقَدْرُ القريبِ ثلاثةُ أذرع، والبعيد ما فوقها(شرح النقاية، ج۲ ص۳۲۷، كتاب الحج)

(قوله وإلا) أي وإن لم تقع من على ظهره بنفسها، بل بتحرك الرجل أو الجمل أو وقعت بنفسها لكن بعيدا من الجمرة ح (قوله لا) قال في الهداية لأنه لم يعرف قربة إلا في مكان مخصوص اهـ وفي اللباب ولو وقعت على الشاخص أي أطراف الميل الذي هو علامة للجمرة أجزأه ولو على قبة الشاخص ولم تنزل عنه أنه لا يجزيه للبعد، وإن لم يدر أنها وقعت في المرمى بنفسها أو بنقض من وقعت عليه وتحريكه ففيه اختلاف والاحتياط أن يعيده وكذا لو رمى وشك في وقوعها موقعها فالاحتياط أن يعيد (قوله وثلاثة أذرع إلخ) أي بين الحصاة والجمرة، وهذا بيان لما أجمله بقوله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کل حجاج کی کثرت اور ہجوم کے باعث حکومتِ سعودیہ کی طرف سے جمرات کو اوپر کی طرف مینار کے انداز میں بلند تر کر کے رمی کرنے کے لئے کئی منزلیں قائم کردی گئی ہیں، اوراس کے تمام اطراف میں کشتی نما حلقہ بنادیا گیا ہے، جس کی حدود میں گرنے والی تمام کنکریاں لڑھک کر جمرہ کے اصل مقام کے قریب میں پہنچ جاتی ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک اس طرح کی کنکریوں سے بھی رَمی معتبر ہوجاتی ہے، اور پہلی منزل کے علاوہ دوسری اور تیسری منزل سے بھی رمی کرنا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بقرب الجمرة لكن قدر القرب فى الفتح بذراع ونحوه قال :ومنهم من لم يقدره اعتمادا على اعتبار القرب عرفا وضده البعد(ردالمحتار، ج۲ص۵۱۳، كتاب الحج)

ولو رماها فوقعت قريبا من الجمرة يكفيه لعدم الاحتراز عنه، ولو وقعت بعيدا منها لا يجزئه؛ لأنه لم يعرف قربه إلا فى مكان مخصوص والقرب قدر ذراع، ونحوه ومنهم من لم يقدره كأنه اعتمد على اعتبار القرب، وضده البعد فى العرف، وهذا بناء على أنه لا واسطة بين القرب والبعد اهـ.

وقال فى الجوهرة الثلاثة الأذرع فى حد البعيد وما دونه قريب اهـ.

ولو وقعت الحصاة على ظهر رجل أو على محمل وثبتت عليه أعادها، وإن سقطت على سننها ذلك أجزأه(حاشية الشرنبلالى على دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج۱ص۲۲۸، كتاب الحج، مواقيت الاحرام)

[1] جمرہ کا اصل مقام ''کھڑے ہوئے ستون'' نہیں ہیں، بلکہ ان کی جڑ ہے، اوراس مخصوص جگہ میں کئی منزلہ جمرہ نصب کردینے سے ظاہر ہے کہ جمرہ کی وہ مخصوص جگہ اس ستون کے نیچے چھپ گئی ہے، البتہ اس ستون کے قرب وجوار میں خلا چھوڑا گیا ہے، اوراس خلا کے اطراف میں ہر منزل میں کشتی نما غیر معمولی وسیع حلقہ بنادیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اوپر کسی بھی منزل سے اس ستون پر لگنے والی اوراس حلقہ کے اندر گرنے والی کنکری عام طور پر اس حلقہ کے اندر ہی رہتی ہے، اور وہ خود بخود پھسل کر جمرہ کے قریب لڑھکتی ہوئی نیچے پہنچ جاتی ہے۔

اوراگر بالفرض کوئی کنکری ستون کولگ کر دور جاگری، تو اگرچہ بعض معاصرین نے اس کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے، مگر ہمارا رجحان اس کے معتبر ہونے پر ہے، کیونکہ عربی کتبِ فقہ وفتاویٰ میں جب قریب میں گرنے والی کنکری کو بھی معتبر قرار دیا گیا ہے، اگرچہ وہ خود بخود پھسل کر وہاں پہنچے، تو ستون پر لگنے والی کنکری بدرجہ اولیٰ معتبر ہونی چاہئے، کیونکہ اس کے اپنے اصل مقام پر پہنچ جانے کی وجہ سے رمی کا حکم پورا ہوچکا ہے، اس کے بعد اس کنکری کے دائیں بائیں چلے جانے سے وہ حکم مرتفع نہیں ہوگا، اور نہ بعد تک برقرار رکھنے کے مکلّف کرنے کے کوئی معنیٰ ہیں، کیونکہ وہ چیز انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے، اور بعض معاصرین کے اشتباہ کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کتبِ فقہ میں شافعیہ وغیرہ کے نزدیک جمرہ کو لگے بغیر جمرہ والی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۳۲...... رَمی صحیح ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ رَمی کرنے والا جمرہ پر مارنے کی نیت سے رَمی کرے۔

پس اگر کسی اور چیز کو مارنے کی نیت سے کنکری پھینکے، اور پھر وہ اتفاق سے جمرہ پر پہنچ جائے، تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جگہ کسی طرح لڑھک کر گرنا اور پہنچنا کافی نہیں، بلکہ براہِ راست وہاں لگنا ضروری ہے، اور حنفیہ کے نزدیک وہاں پہنچنا کافی ہے، خواہ خود بخود لڑھک کر ہی ہو، اس سے یہ سمجھا گیا کہ شاید حنفیہ کے نزدیک اس جگہ باقی رہنا بھی ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔
رہا یہ شبہ کہ ستون تو جمرہ کا اصل مقام نہیں ہے، لہٰذا اس ستون پر لگ کر باہر گرنے والی کنکری کا جمرہ یا اس کے قریب مقام پر نہ پہنچنا لازم آتا ہے۔
اس کے جواب میں عرض ہے کہ شریعت اتنی باریکیوں اور دِقّتوں کا مکلّف نہیں کرتی کہ بیک وقت رَمی کرنے والے لاکھوں افراد اپنی اپنی کنکریوں کی بعد تک نگرانی کرتے رہیں کہ وہ کون کون سے مقام پر جا کر گری ہیں، اور ان کی کنکریاں کون کون سی ہیں؟
اور طواف اور سعی پر قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمرہ کی جگہ پر نصب شدہ ستون کے بلند ہونے کے بعد ستون کے اوپر والے حصہ کو نیچے والے حصہ کا حکم حاصل ہونا چاہئے، کیونکہ یہ بغیر کسی تسلسل اور خلاء کے نیچے والی جڑ کے ساتھ ملحق و متصل ہے، جیسا کہ مطاف کے وسیع ہونے اور مطاف پر دوسری، تیسری منزل تعمیر ہونے کے بعد ان منزلوں میں طواف کرنے کا حکم اصل مطاف میں طواف کرنے کی طرح ہے، اور اسی طرح اصل مسعیٰ کے اوپر دوسری، تیسری منزل بننے کے بعد اس کے اوپر سعی کرنے کا حکم ایسا ہی ہے، جیسا کہ اصل مسعیٰ میں سعی کرنے کا ہے، جبکہ مطاف اور مسعیٰ کی اوپر والی منزلیں اصل مطاف اور اصل مسعیٰ سے جمرہ کے ستون کے مثل پوری طرح متصل نہیں ہیں، بلکہ ان کے درمیان خلا ہے۔
حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ مطاف اور مسعیٰ کی اوپر والی منزلیں حقیقی مطاف اور حقیقی مسعی نہیں ہیں، اور اوپر والی منزلوں میں چلنے والا شخص درحقیقت حقیقی مطاف اور مسعیٰ میں چلنے والا نہیں ہوتا، مگر اس کے باوجود اس کو حقیقی مطاف اور حقیقی مسعیٰ میں چلنے والوں کا حکم دے دیا جاتا ہے۔
اور عرفِ عام میں بھی اس ستون پر کنکری مارنے والا جمرہ پر ہی رَمی کرنے والا سمجھا جاتا ہے، بلکہ اکثر عوام اور بہت سے اہلِ علم حضرات اس ستون کو ہی جمرہ قرار دیتے ہیں، اور جمرہ کی جڑ ان کی نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔

۱؎ و أن يقصد المرمى ويقع الحصى فيه بفعله اتفاقا فى ذلک:
فلو ضرب شخص يده فطارت الحصاة إلى المرمى وأصابته لم يصح . كذلک لو رمى فى الهواء فوقع الحجر فى المرمى لم يصح.
ونصوا على أنه لو رمى الحصاة فانصدمت بالأرض خارج الجمرة، أو بمحمل فى الطريق أو ثوب إنسان مثلا ثم ارتدت فوقعت فى المرمى اعتد بها لوقوعها فى المرمى بفعله من غير معاونة .ولو حرک صاحب المحمل أو الثوب فنفضها فوقعت فى المرمى لم يعتد بها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴......رَمی معتبر ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کنکری پھینک کر ماری جائے۔ اور اگر کوئی ہاتھ اوپر کئے بغیر اپنا ہاتھ آگے کر کے جمرہ پر کنکری پھینک کر ڈال دے، تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس طرح سے بھی رَمی کرنا معتبر ہوجاتا ہے، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی جمرہ کی طرف کنکری پھینکے نہیں، بلکہ اس پر لے جاکر رکھ دے، یا ہاتھ وہاں تک پہنچا کر جمرہ پر کنکری کو لگادے، تو اس طرح سے رَمی کرنا معتبر نہیں ہوتا۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۵......کنکری مارنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ کنکری اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی سے پکڑی جائے، اور پھینک کر ماری جائے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وما قاله بعض المتأخرين من الشافعية: ليس لها إلا وجه واحد، ورمى كثيرين من أعلاها باطل، هو خلاف كلام الشافعي نفسه، ونصه في الأم: ويرمي جمرة العقبة من بطن الوادي، ومن حيث رماها أجزأه. والدليل على ذلك أنه ثبت رمي خلق كثير في زمن الصحابة من أعلاها، ولم يأمروهم بالإعادة، ولا أعلنوا بالنداء بذلك في الناس، وكأن وجه اختياره عليه الصلاة والسلام للرمي من الوادي أنه يتوقع الأذى لمن في أسفلها إذا رموا من أعلاها، فإنه لا يخلو من الناس، فيصيبهم الحصى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص ١٥٤ مادة "رمى" شروط صحة رمي الجمار)

[۱] م -يشترط لصحة رمي الجمار ما يلي:

أ -أن يكون هناك قذف للحصاة ولو خفيفا.

فكيفما حصل أجزأه، حتى قال النووي: ولا يشترط وقوف الرامي خارج المرمى، فلو وقف في طرف المرمى ورمى إلى طرفه الآخر أجزأه."

ولو طرح الحصيات طرحا أجزأه عند الحنفية والحنابلة؛ لأن الرمي قد وجد بهذا الطرح، إلا أنه رمي خفيف، فيجزء مع الإساءة. وذهب المالكية والشافعية إلى أنه لا يجزئه الطرح بتاتا.

أما لو وضعها وضعا فلا يصح اتفاقا؛ لأنه ليس برمي(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص ١٦٠ مادة "رمى" شروط الرمي)

[۲] اور حنفیہ کے نزدیک رَمی کی افضل کیفیت بھی یہی ہے، جس پر عمل کرنا آسان بھی ہے، اور معتاد طریقہ بھی یہی ہے، اگرچہ مشائخِ حنفیہ کے اس میں اور بھی اقوال ہیں، جو تکلف سے خالی نہیں۔

أما بالنسبة لبيان الكيفية فقد ذهب الفقهاء في الجملة إلى أن الرمي يصح بطريقة الخذف لكن الأصح والأيسر أن يضع الحصاة بين طرفي السبابة والإبهام من اليد اليمنى ويرمي.

وأورد الحنفية الكيفيات التالية: أ -أن يضع الإنسان طرف إبهامه اليمنى على وسط السبابة، ويضع الحصاة على ظهر الإبهام كأنه عاقد سبعين فيرمي الجمرة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۶...... رَمی کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ جمرہ سے کم از کم پانچ ہاتھ (یعنی ساڑھے سات فٹ) یا اس سے زیادہ کے فاصلہ پر کھڑے ہوکر کنکریاں مارے، اور اگر اس سے کم فاصلہ پر کھڑے ہوکر کنکریاں مارے، تو تب بھی رَمی کرنا معتبر ہوجاتا ہے۔

اسی طرح ایک جمرہ پر سات کنکریوں کا لگا تار مارنا اور ایک کنکری سے دوسری کنکری کے درمیان غیر معمولی فاصلہ نہ کرنا بھی افضل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ب -أن يحلق سبابته ويضعها على مفصل إبهامه كأنه عاقد عشرة.

قال فى فتح القدير إن هذه الصورة :وهذا فى التمكن من الرمى به مع الزحمة عسر.

ج -أن يأخذ الحصاة بطرفى إبهامه وسبابته.

قال الحنفية عن هذه الصورة الأخيرة :هذا هو الأصل والأصح والأيسر المعتاد، قالوا :ولم يقم دليل على أولوية تلك الكيفية (أى التى فيها خذف) سوى قوله عليه الصلاة والسلام :ارموا الجمرة بمثل حصى الخذف وهذا لا يدل ولا يستلزم كون كيفية الرمى المطلوبة كيفية الخذف، وإنما الحديث يدل على تعيين ضابط مقدار الحصاة إذ كان مقدار ما يخذف به معلوما لهم، وأما ما زاد فى رواية صحيح مسلم بعد قوله :عليكم بحصى الخذف من قوله :ويشير بيده كما يخذف الإنسان، يعنى عندما نطق بقوله :عليكم بحصى الخذف أشار بصورة الخذف بيده، فليس يستلزم طلب كون الرمى بصورة الخذف، لجواز كونه يؤكد كون المطلوب حصى الخذف، كأنه قال: خذوا حصى الخذف الذى هو هكذا، ليشير أنه لا تجوز فى كونه حصى الخذف، وهذا لأنه لا يعقل فى خصوص وضع الحصاة فى اليد على هذه الهيئة وجه قربة، فالظاهر أنه لا يتعلق به غرض شرعى، بل بمجرد صغر الحصاة، ولو أمكن أن يقال :فيه إشارة إلى كون الرمى خذفا، عارضه كونه وضعا غير متمكن، واليوم يوم زحمة يوجب نفى غير المتمكن .أما المالكية فقد ذكروا التعريف اللغوى للخذف، وهو كما قالوا :كانت العرب ترمى بالحصى فى الصغر على وجه اللعب تجعلها بين السبابة والإبهام من اليسرى ثم تقذفها بسبابة اليمنى أو تجعلها بين سبابتيها.

ثم قال الصاوى :وليست هذه الهيئة مطلوبة فى الرمى، وإنما المطلوب أخذ الحصاة بسبابته وإبهامه من اليد اليمنى ورميها .وهم بذلك يوافقون الحنفية فى الكيفية.

واختلفت الأقوال عند الشافعية، فقد ذكروا هيئة الخذف وهى :وضع الحصى على بطن الإبهام ورميه برأس السبابة، ثم قالوا :إنها مكروهة وهذا ما جاء فى نهاية المحتاج، وحاشية الجمل، وحواشى تحفة المحتاج، ومغنى المحتاج، واستدلوا للكراهة بالنهى الصحيح عن الخذف، وهذا يشمل الحج وغيره، قالوا :والأصح كما فى الروضة والمجموع أن يرمى الحصى على غير هيئة الخذف .لكن يظهر أن مقابل الأصح هو ما ذكروه عن الرافعى، فقد قالوا :وصحح الرافعى ندب هيئة الخذف .أما الحنابلة فلم يذكروا للرمى كيفية خاصة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص ۴۹، ۵۰،مادة "خذف")

اور اسی طرح افضل یہ ہے کہ کسی پتھر وغیرہ کو توڑ کر کنکریاں نہ بنائی جائیں، بلکہ قدرتی کنکریوں سے رَمی کی جائے۔

اور جن کنکریوں سے رَمی کی جائے، ان کا پاک ہونا سنت ہے، ناپاک کنکریوں سے رَمی کرنا مکروہ ہے، اور اگر کوئی ناپاک کنکریوں سے رَمی کرلے، تو دوبارہ پاک کنکریوں سے رَمی کرنا افضل ہے۔

اور سنت یہ ہے کہ رَمی ان کنکریوں سے نہ کی جائے، جن سے پہلے رَمی کی جاچکی ہے، اور اسی وجہ سے رَمی والی جگہ سے کنکریاں اٹھانا مکروہ ہے، تاہم اگر کوئی رَمی کی ہوئی کنکریوں سے دوبارہ رَمی کرے، تو اس کی رَمی معتبر ہوجاتی ہے۔

اور دس ذی الحجہ کی رَمی شروع کرتے وقت تلبیہ پڑھنے کے سلسلہ کو ختم کردینا سنت ہے۔

اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر یعنی اللہ اکبر پڑھنا سنت ہے، اور اگر کوئی تکبیر کے بجائے سبحان اللہ یا کوئی اور ذکر کرے، تب بھی حرج نہیں۔

اور دس ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رَمی سے فارغ ہوکر دعاء وغیرہ کے لئے ٹھہرنا سنت نہیں ہے۔ [1]

---

[1] يسن في الرمي ما يلي:

أ -أن يكون بين الرامي وبين الجمرة خمسة أذرع فأكثر، كما نص الحنفية؛ لأن ما دون ذلك يكون طرحا، ولو طرحها طرحا أجزأه إلا أنه مخالف للسنة.

ب -الموالاة بين الرميات السبع، بحيث لا يزيد الفصل بينها عن الذكر الوارد.

ج -لقط الحصيات دون كسرها، وله أخذها من منزله بمنى.

د -طهارة الحصيات، فيكره الرمي بحصى نجس، ويندب إعادته بطاهر، وفي وجه اختاره بعض الحنابلة :لا يجزء الرمي بنجس، ويجب إعادته بطاهر، لكن الصحيح في مذهبهم الإجزاء مع الكراهة.

هـ -ألا يكون الحصى مما رمي به، فلو خالف ورمى بها كره، سواء كان مما رمى به هو أو غيره، وهو مذهب الجمهور.

وقال بعض المالكية: لا يجزء، ومذهب الحنابلة :إن رمى بحجر أخذه من المرمى لم يجزه .

استدل الجمهور بعموم لفظ الحصى الوارد في الأحاديث الواردة في تعليم النبي صلى الله عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جو کنکریاں رَمی کرنے کے لئے اٹھائی جائیں، ان کو رَمی کرنے سے پہلے دھولینا ضروری تونہیں، البتہ مستحب ہے، اور رَمی کرتے وقت باوضو یا پاک ہونا ضروری نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۷...... بعض لوگ رمی سے فارغ ہوکر جمرات پر ویسے ہی خوامخواہ کھڑے ہوکر نظارہ، آپس میں تبصرے اور تبادلۂ خیال کرتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے دوسرے رمی کرنے والوں کو تنگی اور دِقت ہوتی ہے، یہ طریقہ صحیح نہیں، رمی کرنے کے بعد اس طرح خواہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وسلم الرمی، وذلک یفید صحة الرمی بما رمی به ولو أخذ من المرمی.
واستدل الحنابلة بأن النبی صلی الله علیه وسلم أخذ من غیر المرمی، وقال :خذوا عنی مناسککم ولأنه لو جاز الرمی بما رمی به، لما احتاج أحد إلی أخذ الحصی من غیر مکانه ولا تکسیره، والإجماع علی خلافه.
و التکبیر مع کل حصاة، ویقطع التلبیة مع أول حصاة یرمی بها جمرة العقبة یوم النحر عند الجمهور.
وینظر الخلاف والتفصیل فی بحث :(تلبیة)
ز -الوقوف للدعاء :وذلک إثر کل رمی بعده رمی آخر، فیقف بین الرمیین مدة ویطیل الوقوف یدعو، وقدر ذلک بمدة ثلاثة أرباع الجزء من القرآن، وأدناه قدر عشرین آیة .فیسن أن یقف بعد رمی الجمرة الصغری وبعد الوسطی لأنه فی وسط العبادة، فیأتی بالدعاء فیه، وکل رمی لیس بعده رمی لا یقف فیه للدعاء ؛ لأن العبادة قد انتهت، فلا یقف بعد رمی جمرة العقبة یوم النحر، ولا بعد رمیها أیام التشریق أیضا.
ودلیل هذه السنة فعل النبی صلی الله علیه وسلم کما ثبت عنه فی حدیث ابن عمر السابق(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص ۱۶۱ مادة ”رمی“)
(قوله یکبر مع کل حصاة) ولو سبح مکان التکبیر أجزأه لحصول الذکر(الجوهرة النیرة، ج۱ ص۱۵۸، کتاب الحج)

[1] صفة الرمی المستحبة :یستعد الحاج لرمی الجمرات فیرفع الحصی قبل الوصول إلی الجمرة، ویستحب أن یرفع من المزدلفة سبع حصیات مثل حصی الخذف، فوق الحمصة ودون البندقة لیرمی بها جمرة العقبة فی الیوم الأول من أیام الرمی، وهو یوم عید النحر، وإن رفع سبعین حصاة من المزدلفة أو من طریق مزدلفة فهو جائز، وقیل :مستحب، وهذا هو عدد الحصی الذی یرمی فی کل أیام الرمی، ویجوز أخذ الحصیات من کل موضع بلا کراهة، إلا من عند الجمرة، فإنه مکروه، ویکره أخذها من مسجد الخیف، لأن حصی المسجد تابع له فیصیر محترما، ویندب غسل الحصی مطلقا، ولو لم تکن نجسة عند الحنفیة، وروایة عند الحنابلة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص ۱۶۲ مادة ”رمی“)

مخواہ کھڑے رہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

مسئلہ نمبر ۱۸...... جمرات پر رَمی کرنے کے لئے کنکریوں کا کسی خاص مقام سے اٹھانا ضروری نہیں۔

البتہ دس ذی الحجہ کی رَمی کرنے کے لئے کنکریوں کا مزدلفہ یا راستہ سے اٹھالینا مستحب ہے، اور باقی دنوں کی کنکریوں کو مزدلفہ یا راستہ سے اٹھانے کے مستحب ہونے کی تخصیص نہیں، بلکہ کسی بھی جگہ سے اٹھا لینا چاہیئے، اور اگر کوئی تمام دنوں کی کنکریاں مزدلفہ یا راستہ سے اٹھالے، تب بھی جائز ہے۔

مگر مسجدِ خیف کے اندر سے، یا جمرات کے قریب سے یا ناپاک جگہ سے، یا ناپاک کنکریوں کو اٹھانا مکروہ ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [۱]

---

[۱] مكان التقاط الجمار :يستحب التقاط الجمار السبعة لرمي جمرة العقبة من مزدلفة، أو من الطريق، وما عدا السبعة ليس له مكان مخصوص .وقيل :يؤخذ سبعون حصاة من مزدلفة.
ولا خلاف في جواز أخذها من حيث كان، لكنه يكره أخذها من عند الجمرة، وصرح الحنابلة بأنه إن رمى بحجر أخذه من المرمى لم يجزه.
ويكره كذلك التقاطها من مكان نجس، أو أن تكون متنجسة .ويكره أيضا أن يلتقط حجرا فيكسره سبعين حجرا صغيرا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۲۷۸،مادة "جمار")
يكره في الرمي ما يلي: أ -الرمي بعد المغرب في يوم النحر عند الحنفية، وبعد زواله عند المالكية، قال السرخسي :ففي ظاهر المذهب وقته إلى غروب الشمس، ولكنه لو رمى بالليل لا يلزمه شيء .
ب -الرمي بالحجر الكبير، سواء رمى به كبيرا، أو رمى به مكسورا.
ج -الرمي بحصى المسجد، فلا يأخذه من مسجد الخيف؛ لأن الحصى تابع للمسجد، فلا يخرج منه.
د -الرمي بالحصى النجس عند الجمهور، وقيل :لا يجزء الرمي بالحصى النجس(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۶۲ مادة "رمي" مكروهات الرمي)
عن جابر ، قال :لما بلغنا وادي محسر ، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :خذوا حصى الجمار من وادي محسر(مصنف ابنِ ابي شيبة، رقم الحديث ۱۳۶۲۲ ، باب في تزود الحصى من جمع)
عن مجاهد ، قال :كان يحمل الحصى من المزدلفة لرمي الجمار(ايضاً ، رقم الحديث ۱۳۶۲۳)
عن إسماعيل بن عبد الملك ، قال :قال لنا سعيد بن جبير :خذوا الحصى من حيث شئتم(ايضاً ، رقم الحديث ۱۳۶۲۴)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۹...... رمی کرنے کے لئے مستحب یہ ہے کہ بیر کی مقدار سے چھوٹی اور لوبیہ کے دانے یا کھجور کی گٹھلی کے برابر یا اس سے کچھ چھوٹی مثلاً چنے کے دانہ کے برابر کنکریاں ماری جائیں، اور اگر کوئی لوبیہ کے دانہ یا کھجور کی گٹھلی سے کچھ بڑی کنکریاں مارے، تو بھی جائز ہے، لیکن مستحب کے خلاف ہے۔

اور بیر یا اس سے بڑے پتھر سے رَمی کرنا نامعقول حرکت ہونے کے علاوہ مکروہ ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن أشعث ، عن محمد ، قال :الذی یرمی یأخذ الحصی من جمع(ایضاً ، رقم الحدیث ۱۳۶۲۵)
عن ابن جریج ، عن عطاء ، قال :خذہ من حیث شئت(ایضاً ، رقم الحدیث ۱۳۶۲۸)
عن جابر ، عن عبد الرحمن بن الأسود ، قال :کنا نلتقط للأسود حصی ونحن منطلقون إلی عرفات (ایضاً ، رقم الحدیث ۱۳۶۳۰)
عن محمد بن عبد الرحمن بن یزید ، عن أبیہ ، قال :أفضت مع عبد اللہ ، فلما انتہینا إلی الجمرۃ ، قال :القط لی ، فناولتہ سبع حصیات(ایضاً ، رقم الحدیث ۱۳۶۳۱)
عن جابر ، عن الشعبی ، قال :خذ حصی الجمار من حیث شئت(ایضاً ، رقم الحدیث ۱۳۶۳۲)

[۱] اور حنابلہ کے نزدیک رَمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کنکری چنے کی مقدار سے بڑی اور بیر کی مقدار سے چھوٹی ہو، نہ تو چنے کی مقدار سے چھوٹی ہو، اور نہ بیر کی مقدار سے بڑی ہو۔

حجم الجمار :ذہب المالکیۃ والشافعیۃ وہو المختار عند الحنفیۃ إلی أن الجمرۃ تکون مقدار الباقلا، أی قدر الفولۃ، وقیل :قدر الحمصۃ، أو النواۃ، أو الأنملۃ.
وہذا بیان المندوب، ویجوز الرمی بالأکبر مع الکراہۃ.
وقال الحنابلۃ :تکون حصی الجمار أکبر من الحمص ودون البندق، کحصی الخذف، فلا یجزء صغیر جدا ولا کبیر .والأصل فیہ حدیث مسلم :علیکم بحصی الخذف (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ج۵ ا ص ۲۷۸، مادۃ "جمار")
والثالث :فی مقدار ما یرمی، فنقول :یرمی بالصغار مثل حصی الخذف، قال علیہ السلام علیکم بحصی الخذف لا یؤذی بعضکم بعضاً ، قال الحسن فی مناسکہ :حصی الخذف تکون مثل النواۃ وأقصر، ولو رمی بحصاً أکبر من حصی الخذف یجزئہ، ولکن لا یستحب ذلک(المحیط البرہانی ج ۲ ص ۴۳۰)
أما صفۃ المرمی بہ، فقد ورد فی الأحادیث أنہ مثل حصی الخذف وحصی الخذف ہی التی یخذف بہا، أی ترمی بہا الطیور والعصافیر، بوضع الحصاۃ بین أصبعی السبابۃ والإبہام وقذفہا.
وقد اتفقوا علی أن السنۃ فی الرمی أن یکون بمثل حصی الخذف، فوق الحمصۃ، ودون البندقۃ، وکرہوا الرمی بالحجر الکبیر، وأجاز الشافعیۃ -وہو روایۃ عن أحمد -

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ چھوٹی کنکریوں سے شیطان کا کچھ نہیں بگڑتا اس لئے بڑے پتھر اور بڑے مارنے چاہئیں اوراس خیال سے وہ لوگ بڑے پتھر جمرات پر مارتے ہیں، یہ طریقہ بھی مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر رمی کی جائے گی تو شیطان کو تکلیف پہنچے گی اور شریعت کے خلاف من گھڑت طریقہ سے تو شیطان کو خوشی ہوگی نہ کہ تکلیف۔

مسئلہ نمبر۲۰...... جمرات کی رَمی پیدل چل کر کرنا بھی جائز ہے، اور کسی سواری یا گاڑی وغیرہ پر سوار ہوکر کرنا بھی جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۱...... رَمی کرتے وقت کوئی خاص ذکر کرنا یا دعاء پڑھنا ضروری نہیں، البتہ ہر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الرمی بالحجر الصغیر الذی کالحمصة، مع مخالفته السنة؛ لأنه رمی بالحجر فیجزئه .ولم یجز ذلک المالکیة، بل لا بد عندهم أن یکون أکبر من ذلک.

وقیل :لا یجزء الرمی إلا بحصی کحصی الخذف، لا أصغر ولا أکبر .وهو مروی عن أحمد، ووجهه أن النبی صلی الله علیه وسلم أمر بهذا القدر، ونهی عن تجاوزه، والأمر یقتضی الوجوب، والنهی یقتضی الفساد(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ۱۵۳ مادة "رمی")

والمختار أنها مقدار الباقلاء لباب أی قدر الفولة وقیل قدر الحمصة أو النواة أو الأنملة قال فی النهر وهذا بیان المندوب .وأما الجواز فیکون ولو بالأکبر مع الکراهة(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲،ص۵۱۳،کتاب الحج،مطلب فی رمی جمرة العقبة)

[1] اوران میں سے کون سا طریقہ افضل ہے؟ اس میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔

وقد بحثوا فی أفضلیة الرکوب أو المشی فی رمی الجمار، واختلفوا فی ذلک وکانوا یرکبون الدواب فکان الرمی للراکب ممکنا.

فذهب أبو یوسف وهو المختار عند الحنفیة إلی أنه یرمی جمرة العقبة راکبا وغیرها ماشیا فی جمیع أیام الرمی، وقال أبو حنیفة ومحمد :الرمی کله راکبا أفضل.

وعند المالکیة یرمی جمرة العقبة یوم النحر کیفما کان وغیرها ماشیا.

وقال الشافعی :یرمی جمرة العقبة یوم النحر راکبا، وکذلک یرمیها یوم النفر راکبا، ویمشی فی الیومین الآخرین أحب إلی "، واختار صاحب الفتاوی الظهیریة الحنفی استحباب المشی إلی الجمار مطلقا، وهو الأکثر عند الحنابلة .

عن ابن عمر رضی الله عنهما أنه کان یأتی الجمار فی الأیام الثلاثة بعد یوم النحر ماشیا ذاهبا وراجعا، ویخبر أن النبی صلی الله علیه وسلم کان یفعل ذلک(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص ۱۶۴ مادة "رمی")

کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہنا سنت ہے۔ [1]

اور جمرہ کی رَمی سے فارغ ہوکر کوئی مخصوص دعاء پڑھنا ضروری نہیں، البتہ بعض علماء نے کچھ دعاؤں کے پڑھ لینے کو مستحب لکھا ہے ۔

مسئلہ نمبر۲۲...... بعض لوگ رمی کے لئے جمرات پر جانے کے بعد ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا شروع کردیتے ہیں اور گالی گلوچ تک سے گریز نہیں کرتے، بجائے شیطان کو سزا دینے کے خود شیطانی حرکات میں مبتلا ہوجاتے ہیں ،اور عین شیطان کو رجم کرتے وقت شیطان ان پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے، یہ بہت نامعقول حرکت ہے۔

اور بعض لوگ کنکریاں مارتے وقت زبان سے بھی شیطان کے متعلق جو منہ میں آتا ہے، بکنا شروع کردیتے ہیں، کوئی گالیاں دیتا ہے، کوئی لعن طعن کرتا ہے۔

یہ طریقہ غلط اور خلافِ سنت ہے۔

زبان کو اس قسم کی لغو گوئی سے پاک رکھنا چاہئے، اور ہوسکے تو اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر۲۳...... ہر جمرہ پر سات کنکریوں کے مارنے کا حکم ہے، اگر کسی نے ایک جمرہ پر سات کنکریوں سے کم تعداد کے ساتھ رَمی کی، لیکن اکثر (یعنی کم از کم چار کی) تعداد پوری کرلی، تو اس کی اس جمرہ پر رَمی کا واجب ادا ہوجائے گا۔

---

[1] صحیح احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر کنکری کے مارنے کے وقت تکبیر پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

أما صيغة التكبير فقد جاء ت فى الحديث مطلقة يكبر مع كل حصاة فيجوز بأى صيغة من صيغ التكبير (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۶۳ مادة "رمى")

عن الأعمش ، عن إبراهيم قال :ليس على الوقوف عند الجمرتين دعاء موقت ، فادع بما شئت (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۱۴۲۱۵ ، باب ما يقول اذا رمى الجمرة)

عن ابن جريج ، قال :قلت لعطاء :فى الجمرة شىء موقت لا يزاد عليه ؟ قال :لا ، إلا قول جابر (ايضاً، رقم الحديث ۱۴۲۱۸)

عن أشعث ، قال :كان الحسن يقول :يدعو عند الجمار كلها ، ولا يوقت شيئا(ايضاً، رقم الحديث ۱۴۲۱۶)

اور ایک جمرہ پر سات کنکریوں سے زیادہ مارنا مکروہ ہے۔ [1]

پھر اگر کسی نے سات کنکریوں کی تعدادی پوری نہیں کی، لیکن اکثر تعداد ادا کرلی، یعنی کم از کم چار یا اس سے زیادہ کنکریاں ماریں، اور تین یا اس سے کم کنکریاں رہ گئیں، تو حنفیہ کے نزدیک اس کا واجب تو ادا ہوجائے گا، اور اس پر دَم واجب نہیں ہوگا، لیکن ہر کنکری کے بدلہ میں ایک فطرانہ کے برابر صدقہ واجب ہوگا، جو کہ حرم کی حدود میں یا اس سے باہر کسی بھی وقت غریبوں کو دے کر ادا کیا جائے گا۔ [2]

---

[1] ب -العدد المخصوص :وهو سبع حصيات لكل جمرة، حتى لو ترك رمى حصاة واحدة كان كمن ترك السبع عند المالكية، وعند الجمهور تيسير بقبول صدقة فى ترك القليل من الحصيات، اختلفت فيه اجتهاداتهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص ١٦٠ مادة "رمى" شروط الرمى)

هـ -الزيادة على العدد، أى السبع، فى رمى كل جمرة من الجمرات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص ١٦٢ مادة "رمى" مكروهات الرمى)

[2] اور مالکیہ کے نزدیک ایک کنکری کے ترک کرنے پر بھی دَم واجب ہوجاتا ہے، جیسا کہ تمام کنکریوں کے ترک کرنے پر دَم واجب ہوتا ہے۔

اور شافعیہ وحنابلہ کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔

ثالثا :ترك الرمى :مذهب الشافعية والحنابلة أنه يجب الدم على من ترك الرمى كله أو ترك رمى يوم أو يومين أو ترك ثلاث حصيات من رمى أى جمرة.

وعند الشافعية فى الحصاة يجب مد واحد، وفى الحصاتين ضعف ذلك .

وعند الحنابلة فى الحصاة أو الحصاتين روايات .قال فى المغنى :الظاهر عن أحمد أنه لا شىء عليه فى حصاة ولا حصاتين .

وذهب الحنفية إلى أنه يجب الدم إن ترك الحاج رمى الجمار كلها فى الأيام الأربعة، أو ترك رمى يوم كامل، ويلحق به ترك رمى أكثر حصيات يوم أيضا، لأن للأكثر حكم الكل، فيلزم فيه الدم، أما ان ترك الأقل من حصيات يوم فعليه صدقة، لكل حصاة نصف صاع من بر، أو صاع من تمر أو شعير.

ومذهب المالكية :يلزمه دم فى ترك حصاة أو فى ترك الجميع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧ ص٨٠، ٨١، مادة "حج")

حكم ترك الرمى :يلزم من ترك الرمى بغير عذر الإثم ووجوب الدم، وإن تركه بعذر لا يأثم، لكن لا يسقط الدم عنه، ولو ترك حصاة واحدة عند المالكية، ويجزئه شاة عن ترك الرمى كله، أو عن ترك رمى يوم .وتسامح الشافعية والحنابلة فى حصاة وحصاتين فجعلوا فى ذلك صدقة، وأنزل الحنفية الأكثر منزلة الكل مع وجوب جزاء عن الناقص (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص ١٦٥، ١٦٦، مادة "رمى")

مسئلہ نمبر۲۴...... اگر کسی نے دس ذی الحجہ کی رَمی بالکل نہیں کی، تو اس پر دَم واجب ہوگا، البتہ اگر اس نے تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے رات دن میں کسی بھی وقت اس کی قضاء کرلی، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ، حنابلہ، شافعیہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک دَم واجب نہیں ہوگا، اور ہمارا رجحان اسی موقف کی طرف ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۵...... اگر کسی شخص نے دس ذی الحجہ کی رَمی نہیں کی، تو وہ اگلے دن یا اس کے بعد

---

[1] قال :(ولو ترک رمی الجمار کلها أو یوم واحد، أو جمرة العقبة یوم النحر فعلیه شاة) معناه أنه ترکها حتی غربت الشمس من آخر أیام التشریق؛ لأنه ترک واجبا من جنس واحد، وإن لم تغرب الشمس یرمیها علی الترتیب، لکن یجب الدم لتأخیرها عنده، خلافا لهما علی ما بینا، وترک رمی یوم واحد عبادة مقصودة، وکذا جمرة العقبة یوم النحر فتجب شاة(الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱ ،ص ۱۶۳)

(قوله :یجوز لذوی الأعذار تأخیر یوم) أی فیؤدونه فی الثانی قبل رمیه ولو قبل الزوال ونائی وبصری(تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، ج۴،ص ۱۲۶ ،کتاب الحج،فصل فی مبیت لیالی أیام التشریق الثلاثة بمنی)

وأما نهایة وقت الرمی فی الیوم الأول والثانی من أیام التشریق:

فقد ذهب الشافعیة والحنابلة إلی أن آخر الوقت بغروب شمس الیوم الرابع من أیام النحر، وهو آخر أیام التشریق الثلاث، فمن ترک رمی یوم أو یومین تدارکه فیما یلیه من الزمن، والمتدارک أداء علی القول الأصح الذی اختاره النووی واقتضاه نص الشافعیة

وهکذا لو ترک رمی جمرة العقبة یوم العید فالأصح أنه یتدارکه فی اللیل وفی أیام التشریق.

ویشترط فیه الترتیب فیقدمه علی رمی أیام التشریق .کذلک أوجب المالکیة والحنابلة الترتیب فی القضاء .وصرح الحنابلة بوجوب ترتیبه فی القضاء بالنیة.

وإن لم یتدارک الرمی حتی غربت شمس الیوم الرابع فقد فاته الرمی وعلیه الفداء

ودلیلهم :أن أیام التشریق وقت للرمی، فإذا أخره من أول وقته إلی آخره لم یلزمه شیء.

وأما الحنفیة والمالکیة فقیدوا رمی کل یوم بیومه، ثم فصلوا :فذهب الحنفیة إلی أنه ینتهی رمی الیوم الثانی من أیام النحر بطلوع فجر الیوم الثالث، ورمی الیوم الثالث بطلوع الفجر من الیوم الرابع .فمن أخر الرمی إلی ما بعد وقته فعلیه قضاؤه، وعلیه دم عندهم

والدلیل علی جواز الرمی بعد مغرب نهار الرمی حدیث الإذن للرعاء بالرمی لیلا.

وذهب المالکیة إلی أنه ینتهی الأداء إلی غروب کل یوم، وما بعده قضاء له، ویفوت الرمی بغروب الرابع، ویلزمه دم فی ترک حصاة أو فی ترک الجمیع، وکذا یلزمه دم إذا أخر شیئا منها إلی اللیل(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص ۱۵۹ مادة "رمی")

تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے جب بھی قضاء کرے گا، تو اس میں قضاء کی نیت کرے گا، اور اگر وہ اگلے دن کی ادا رَمی کے ساتھ گزشتہ دن کی چھوٹی ہوئی رَمی کی قضاء کرے، تو وہ پہلے چھوٹی ہوئی قضاء کو ادا کرے، اور اس کے بعد ادا رَمی کرے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۶...... بعض لوگ افضلیت حاصل کرنے یا کراہت سے بچنے کے لئے، یا دسویں تاریخ کو احرام سے جلدی نکلنے کے خیال سے سخت ہجوم میں گھس کر کسی نہ کسی طرح دھکم پیل کر کے اول وقت میں یا دن کے وقت میں کنکریاں مارنے کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں ہر سال رمی کے دوران متعدد موتیں واقع ہوجاتی ہیں، اس طرح ہجوم کے اندر گھس کر رمی کرنے میں کئی خرابیاں اور گناہ لازم آجاتے ہیں مثلاً:

(۱)...... سخت ہجوم میں جان جانے یا سخت تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے، جبکہ جان بچانا فرض ہے، اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں۔

(۲)...... سخت ہجوم میں اپنے آپ سے دوسروں کو تکلیف پہنچنے یا جان جانے کا خطرہ ہے، جبکہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا یا اس کی موت کا سبب بننا گناہ ہے۔

(۳)...... سخت ہجوم میں اطمینان وسکون کے ساتھ کنکریاں مارنے کا موقع میسر نہیں آتا جس سے کنکریاں صحیح جگہ نہیں لگتیں۔

(۴)...... سخت ہجوم میں رمی کرنے کی تمام سنتوں کا لحاظ نہیں ہو پاتا اور الٹ سلٹ کسی نہ کسی طرح مار کر بلکہ جان بچا کر نکلنے کی فکر سوار رہتی ہے، لہٰذا سخت ہجوم میں کنکریاں مارنے سے پرہیز کرنا چاہئے، اگر طاقت ور خاص کر نوجوانوں کو اپنی طاقت وقوت پر ناز واعتماد ہے تو کم از کم دوسروں کا ہی خیال کر لینا چاہئے۔

---

[1] فإن ترک الرمی کله فی سائر الأیام إلی آخر أیام الرمی، وهو الیوم الرابع فإنه یرمیها فیه علی الترتیب، وعلیه دم عنده، وعندهما لا دم علیه لما بینا أن الرمی مؤقت عنده، وعندهما لیس بمؤقت ثم علی قوله لا یلزمه إلا دم واحد(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۲، ص ۱۳۹، کتاب الحج، فصل بیان حکم رمی الجمار إذا تأخر عن وقته)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 0092515507530

پس جب ہجوم کم یا ختم ہوجائے تو اس وقت کنکریاں مارنے جائیں، عام طور پر شام کے وقت سورج غروب ہونے سے پہلے ہجوم نہیں ہوتا، اس وقت بھی زیادہ ہجوم ہو تو انتظار کریں، جب ہجوم نہ رہے اس وقت ماریں خواہ مغرب یا عشاء کے بعد۔

اور رات میں کنکریاں مارنا اس صورت میں مکروہ ہے جب بغیر عذر کے ایسا کیا جائے اور عذر کی صورت میں کوئی کراہت نہیں۔

اور مندرجہ بالا خرابیوں سے بچنے کی وجہ سے رات میں رمی کرنا عذر میں داخل ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ مندرجہ بالا خرابیوں کا ارتکاب کرکے مطلوبہ فضیلت ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی، جہاں تک پہلے دن دسویں تاریخ کی رمی کرکے احرام سے جلد فراغت کا تعلق ہے، تو اس بارے میں سمجھ لیجئے کہ اولاً تو حج جیسی مقدس و معظم عبادت کی زندگی میں بار بار توفیق نہیں ہوتی اور یہ پابندیاں زندگی میں بار بار نہیں آتیں، دوسرے جب حج کی خاطر دور دراز کے سفر کی مشقتیں برداشت کی ہیں اور اس سے پہلے بھی احرام وغیرہ کی پابندیاں نبھائی ہیں تو اب صرف چند گھنٹوں کے لئے احرام کی پابندیاں نباہنا کونسا مشکل ہے؟ اور جب احرام بھی نہ ہو (جیسا کہ عام طور پر گیارہویں اور بارہویں تاریخ کی رمی کرتے وقت احرام نہیں ہوتا) پھر تو احرام والا عذر بھی موجود نہیں۔

مسئلہ نمبر ۲۷...... عام حالات میں حج کرنے والے کو اپنی رمی خود کرنا ضروری ہے، کسی دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں۔

البتہ اگر کوئی معذور و مریض ہو، جو خود سے اپنی رمی کرنے کی استطاعت وقدرت نہیں رکھتا، تو اُسے اپنی رمی کرنے کے لئے کسی دوسرے کو وکیل و نائب مقرر کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ واجب ہے۔

پھر جو شخص کسی کا نائب بن کر اس کی طرف سے رمی کرے، تو اس کے لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے اپنی طرف سے نیت کرکے تمام کنکریاں مارے، اور اس کے بعد اس دوسرے

کی طرف سے نیت کرکے رَمی کرے، جس نے اس کو نائب بنایا ہے۔

اور اگر ایک کنکری اپنی طرف سے نیت کرکے مارے، اور دوسری کنکری دوسرے کی طرف سے نیت کرکے مارے، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر ایسا کیا جائے، تو بھی رمی ادا ہوجاتی ہے۔ [1]

---

[1] اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رمی صرف اس معذور ومریض یا محبوس ومقید شخص کی طرف سے دوسرے کو نائب بن کر کرنا جائز ہے، جس معذور ومریض کا ایامِ تشریق کے آخری دن (یعنی تیرہ تاریخ) تک عذر ومرض یا حبس وقید کا عذر دُور ہونے کی امید نہ ہو، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک آئندہ عذر زائل ہونے کی امید ضروری نہیں۔

اور مالکیہ کے نزدیک موکل کے دوسرے سے اپنی رَمی کرانے کے بعد اس موکل پر دَم بھی واجب ہوتا ہے، البتہ وکیل بنانے کا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ اس پر ترکِ رَمی کا گناہ نہیں ہوتا۔

النيابة في الرمى :(الرمى عن الغير)المعذور الذى لا يستطيع الرمى بنفسه كالمريض يجب أن يستنيب من يرمى عنه.وينبغى أن يكون النائب قد رمى عن نفسه، فإن لم يكن رمى عن نفسه فليرم عن نفسه الرمى كله ليومه أولا، ثم ليرم عمن استنابه، ويجزء هذا الرمى عن الأصيل عند الحنفية والشافعية والحنابلة .إلا أن الحنفية قالوا :لو رمى حصاة لنفسه وأخرى للآخر جاز ولكره.

وقال الشافعية :إن الإنابة خاصة بمريض لا يرجي شفاؤه قبل انتهاء أيام التشريق، وعند الشافعية قول :إنه يرمى حصيات الجمرة عن نفسه أولا، ثم يرميها عن نائبه إلى أن ينتهى من الرمى .وهو مخلص حسن لمن خشى خطر الزحام.

ومن عجز عن الاستنابة كالصبى، والمغمى عليه، فيرمى عن الصبى وليه، وعن المغمى عليه رفاقه، ولا فدية عليه، وإن لم يرم عند الحنفية.

وقال المالكية :فائدة الاستنابة أن يسقط الإثم عنه إن استناب وقت الأداء.

"وإلا فالدم عليه استناب أم لا، وإنما وجب عليه الدم دون الصغير ومن ألحق به لأنه المخاطب بسائر الأركان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۵۴ الیٰ ۵۶، مادة "حج")

النيابة فى الرمى:وهى رخصة خاصة بالمعذور، تفصيل حكمها فيما يلى:

أ -المعذور الذى لا يستطيع الرمى بنفسه، كالمريض، يجب أن يستنيب من يرمى عنه، وينبغى أن يكون النائب قد رمى عن نفسه، فإن لم يكن رمى عن نفسه فليرم عن نفسه أولا الرمى كله، ثم يرمى عمن استنابه، ويجزء هذا الرمى عن الأصيل عند الحنفية والشافعية والحنابلة، إلا أن الحنفية والمالكية قالوا :لو رمى حصاة عن نفسه وأخرى عن الآخر جاز ويكره.

وقال الشافعية :إن الإنابة خاصة بمن به علة لا يرجى زوالها قبل انتهاء أيام التشريق كمريض أو محبوس. وعند الشافعية قول :أنه يرمى حصيات كل جمرة عن نفسه أولا، ثم يرميها عن المريض الذى أنابه إلى أن ينتهى من الرمى، وهو مخلص حسن لمن خشى خطر الزحام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۶۶ ،مادة "رمى")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۸...... جب کوئی خود اپنی رَمی کرنے سے معذور ہو، اور وہ کسی دوسرے کو اپنی رَمی کا نائب بنائے، تو ہر عاقل، بالغ مسلمان کو نائب بنانا درست ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وتجوز الإنابة فی الرمی لمن عجز عن الرمی بنفسه لمرض أو حبس، أو كبر سن أو حمل المرأة، فيصح للمريض بعلة لا يرجى زوالها قبل انتهاء وقت الرمی، وللمحبوس وكبير السن والحامل أن يوكل عنه من يرمی عنه الجمرات كلها، ويجوز التوكل عن عدة أشخاص، على أن يرمی الوكيل عن نفسه أولاً كل جمرة من الجمرات الثلاث، ويستحب أن يناول النائب الحصى إن قدر، ويكبر هو، فيقول :(الله أكبر ـ ثلاثاً ـ لا إله إلا الله، والله أكبر، الله أكبر، ولله الحمد) كما نقل عن الشافعی رحمه الله.

ولكن يجب عند المالكية على الموكل دم، وفائدة الاستنابة :سقوط الإثم عن الموكل، ويبقى ملزماً بإراقة دم .وتوكيل المرأة غيرها فی حال الزحمة الشديدة أولى من المرض فی تقديری (الفقه الاسلامی وادلته للزحيلی، ج۳، ص ۲۲۵۴، ثانياً ـ وجوب الرمی والإنابة فيه)

[1] اس لئے کہ رمی کرنا حج کے ارکان یا واجبات میں سے ہے، اور حج بدل میں مرد اور عورت کا ایک دوسرے کا نائب بننا درست ہے، تو حج کے ایک رکن یا واجب میں نائب بننا بطریقِ اولیٰ درست ہوگا۔

نيابة المرأة فی الحج :تجوز النيابة فی الحج بالشروط السابقة، سواء كان النائب رجلا أو امرأة، وهذا فی قول عامة أهل العلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۲، ص۳۵، نيابة المرأة فی الحج،مادة "نيابة")

وجوب النية فی الرمی مع الترتيب وجواز التوكيل فيه:

(ويرتبه بنيته) ويرتب الرمی بالنية؛ لأن الرمی عبادة، وقد قال عليه الصلاة والسلام :(إنما الأعمال بالنيات)؛ والرمی عمل تعبدی ولا يصح إلا بنية؛ لقوله عليه الصلاة والسلام :(إنما الأعمال بالنيات)، فلابد وأن ينويه، وإذا كان وكيلاً عن الغير فی الرمی كأن يكون مريضاً، ويكون الإنسان مثلاً عاجزاً كالمشلول، أو يكون مريض القلب الذی لا يمكنه أن يدخل فی زحام ليرمی، أو مجروح اليد على وجهٍ لا يمكنه الرمی، فإن هؤلاء يوكلون، وهكذا الحطمة من الناس، الذين يغلب على الظن أنهم لو دخلوا فی الزحام لماتوا، أو لتضرروا ضرراً لا يمكن الصبر عليه، أو تلحق بهم مشقة فادحة بحيث لا يكلفون بمثلها، فهؤلاء إذا وكلوا الغير فإنه يشترط فی الوكيل أن يكون حاجاً، فلا يصح الرمی وكالة ممن لم يحج، فلو أخذ الحصى وقال لرجل :ارم عنی، وكان هذا الرجل غير حاج فإنه لا يجزيه؛ لأن هذه العبادات لا تصح إلا من الحاج، بل لابد وأن يكون متلبساً بالنسك، فإذا كان متلبساً بالنسك وأراد أن يرمی يبدأ رمی الثلاث الجمرات عن نفسه أولاً؛ حتى تبرأ ذمته عن الرمی كاملاً، ثم يرجع ويرمی عن موكله الجمرات الثلاث، سواء كان واحداً أو أكثر من واحد، فلا بأس أن يتوكل عن واحد فأكثر، ولا بأس أن يتوكل الرجل عن المرأة والمرأة عن الرجل، على الأصل الذی ذكرناه فی باب الوكالة فی الحج (شرح زاد المستقنع للشنقيطی الحنبلی، وجوب النية فی الرمی مع الترتيب وجواز التوكيل فيه)

البتہ معذور شخص کی طرف سے رَمی کرنے کے لئے کیا ایسے شخص کو نائب بنانا درست ہے، جو اس سال حج نہ کررہا ہو؟

فقہائے کرام سے اس کی تصریح نہیں مل سکی، احتیاط تو اسی میں ہے کہ رَمی ایسے شخص سے کرائی جائے، جو اس سال حج کررہا ہو۔

لیکن اگر کسی نے دوسرے مسلمان، عاقل، بالغ شخص سے رَمی کرائی، تو قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رَمی ادا ہو جائے گی، اگرچہ ایسا کرنا مناسب نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲۹...... نابالغ وناسمجھ بچے کی طرف سے اس کے ولی وسرپرست کو رمی کرنا جائز ہے۔ اور جو شخص رمی کے اوقات میں بیہوش ہو، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی طرف سے اس کے ساتھیوں اور رفیقوں کو رمی کرنا جائز ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۳۰...... اگر کوئی شخص خود سے رَمی کرنے پر قادر نہ ہو، لیکن جمرات تک پہنچنے پر قادر

---

[۱] کیونکہ مسلمان، عاقل، بالغ شخص میں نیابت کی اہلیت پائی جاتی ہے، اور فقہائے کرام نے معذور کی طرف سے مطلق رَمی میں نیابت کا جواز بیان فرمایا ہے، جس میں تینوں دنوں کی رَمی داخل ہے، اور اس بات کا امکان موجود ہے کہ دوسرے کی طرف سے نیابۃً رَمی کرنے والا شخص اپنی رَمی اور حج کے دوسرے اعمال سے فارغ ہو چکا ہو، اور احرام سے نکل چکا ہو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ احرام سے نکلنے کے وقت اس کا حکم عام شخص کی طرح ہو جاتا ہے۔

اور رہا یہ شبہ کہ فقہائے کرام نے نائب کو پہلے اپنی طرف سے رَمی کا حکم لگایا ہے، اور اس کے بعد دوسرے کی رَمی کرنے کا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو نائب بنایا جائے، وہ ایسا شخص ہونا چاہئے کہ جو اپنی رَمی بھی کرے، تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ فقہائے کرام نے مذکورہ حکم اس لئے بیان کیا ہے کہ اپنا واجب چھوڑ کر دوسرے کے واجب میں مشغول ہونا مناسب نہیں، اس لئے پہلے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا مناسب ہے، اور جب کوئی حج نہ کررہا ہو، تو اس پر سرے سے رمی کرنا واجب ہی نہیں، لہٰذا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی اپنی رمی کا واجب ادا کر چکا ہے، البتہ حجِ بدل پر قیاس کرتے ہوئے حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص سے رَمی کرانا خلافِ اولیٰ معلوم ہوتا ہے، جس کے ذمہ حج فرض نہ ہو، اور اگر حج فرض ہو، تو پھر کراہتِ تحریمی کا حکم لگایا جا سکتا ہے، مگر ادائیگی بہرحال معتبر ہو جاتی ہے، اور اس وقت زیرِ بحث یہی ادائیگی معتبر ہونے کا پہلو ہے۔

[۲] ب -من عجز عن الاستنابة كالصبي الصغير، والمغمى عليه، فيرمى عن الصبي وليه اتفاقا، وعن المغمى عليه رفاقه عند الحنفية، ولا فدية عليه وإن لم يرم عند الحنفية.

وقال المالكية :فائدة الاستنابة أن يسقط الإثم عنه إن استناب وقت الأداء وإلا فالدم عليه، استناب، أم لا، إلا الصغير ومن ألحق به، وإنما وجب عليه الدم دون الصغير ومن ألحق به كالمغمى عليه؛ لأنه المخاطب بسائر الأركان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۶۶ ،مادة "رمى")

ہو، تو اسے جمرات تک پہنچنا افضل ہے، اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ اُس مریض ومعذور کے ہاتھ پر کنکری رکھے، اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر رمی کرائے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ مریض ومعذور شخص خود سے اپنے نائب کو رمی کرنے کے لئے کنکریاں فراہم کرے، اور اگر وہ خود سے تکبیر کہہ سکتا ہو، تو تکبیر بھی کہے، اور نائب اس کی طرف سے کنکریاں مارے۔

لیکن اگر وہ یہ عمل نہ کرے، بلکہ کسی دوسرے کو اپنی رمی کرنے کا صرف نائب بنادے، اور وہ خود جمرات پر حاضر نہ ہو، تو اس کی طرف سے نائب کو جمرات پر جاکر رمی کرنا بھی جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۳۱...... بعض حضرات نے فرمایا کہ بے ہوش اور ناسمجھ بچے کے علاوہ جو شخص کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکتا ہو، اور جمرات تک پیدل یا سوار ہوکر آنے میں سخت تکلیف ہوتی ہو، تو وہ معذور ہے، اگر اس کو آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ یا تکلیف ہوتی ہو، تو وہ معذور ہے، لیکن اگر اس کو آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ یا تکلیف نہ ہو، تو پھر اس کو

---

[1] ومن كان مريضا أو مغمى عليه توضع الحصاة في يده ويرمى بها، وإن رمى عنه غيره بأمره أجزأه والأول أفضل وفي اللباب ولو رمى بحصاتين إحداهما عن نفسه والأخرى عن غيره جاز ويكره، والأولى أن يرمى أولا عن نفسه ثم عن غيره (منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲، ۳۶۹، كتاب الحج، باب الاحرام)

قال الشافعي والأصحاب ويستحب أن يناول النائب الحصى إن قدر ويكبر العاجز ويرمى النائب ولو ترك المناولة مع قدرته صحت الاستنابة وأجزأه رمى النائب لوجود العجز عن الرمى (المجموع شرح المهذب، ج۸، ص۲۴۴، باب صفة الحج)

قال الإمام أحمد :يرمى عن الصبى أبواه أو وليه .قال القاضى :إن أمكنه أن يناول النائب الحصى ناوله، وإن لم يمكنه استحب أن يوضع الحصى في يده فيرمى عنه.

وإن وضعها في يد الصغير، ورمى بها، فجعل يده كالآلة، فحسن (المغنى لابن قدامة، ج۳، ص۲۴۲، كتاب الحج، الفصل الثانى كل ما أمكن الصبى في الحج فعله بنفسه لزمه فعله)

فصل :إذا كان الرجل مريضا، أو محبوسا، أو له عذر، جاز أن يستنيب من يرمى عنه .قال الأثرم: قلت لأبي عبد الله :إذا رمى عنه الجمار، يشهد هو ذاك أو يكون في رحله؟ قال :يعجبنى أن يشهد ذاك إن قدر حين يرمى عنه. قلت :فإن ضعف عن ذلك، أيكون في رحله ويرمى عنه؟ قال :نعم. قال القاضى :المستحب أن يضع الحصى في يد النائب، ليكون له عمل في الرمى (المغنى لابن قدامة، ج۳، ص۴۲۸، باب صفة الحج، فصل يستنيب من يرمى عنه)

خود آ کر رَمی کرنی ضروری ہے، اور دوسرے سے رَمی کرانا جائز نہیں، نیز سواری کے ذریعہ قادر کو اگر سواری یا اٹھانے والا دستیاب نہ ہو، تو معذور ہے، اور معذور دوسرے سے رَمی کراسکتا ہے (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک، ص۱۸۶) [1]

بعض حضرات عرفات ومزدلفہ وغیرہ کے معمولات کی وجہ سے تھکے ماندے ہوتے ہیں، وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اب اتنی طاقت نہیں کہ خود جا کر رمی کریں، اس لئے اپنی رمی دوسرے سے کراتے ہیں۔

خوب سمجھ لیجئے کہ صرف تھکے ہوئے ہونا شرعی عذر میں داخل نہیں، جب تک کہ واقعی درجہ کی معذوری نہ پیدا ہو، لہٰذا تھکے ہوئے ہونے کو عام حالات میں عذر خیال کر کے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، جب ایک شخص اپنے وطن سے دور دراز کا سفر کر کے مکہ/مدینہ، منیٰ اور وہاں سے عرفات پھر مزدلفہ اور وہاں سے منیٰ میں پہنچ سکتا ہے، اور اپنے ملک بھی واپس آنا ہے، تو اب منیٰ میں رہتے ہوئے جمرات تک پہنچنا ان تمام مراحل کے مقابلہ میں کوئی مشکل کام نہیں، خصوصاً آج کے دور میں جبکہ ہر قسم کی سہولیات اور سواریاں (ویل چیئر وغیرہ) بآسانی مہیا ہوجاتی ہیں، کوئی بھی مشکل کام نہیں، لیکن اگر کوئی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں۔

پس اس قسم کے نفسانی حیلوں کو بنیاد بنا کر حج کی عظیم سعادت سے محرومی بہت بڑی نادانی و ناعاقبت اندیشی ہے۔

---

[1] ثم المریض لیس علی اطلاقه، ففی الحاوی عن المنتقیٰ عن محمد اذا کان المریض بحیث یصلی جالسا رمی عنه، ولاشئ علیه انتهی، ولعل وجهه انه اذا کان یصلی قائما، فله القدرة علی حضور المرمی راکبا او محمولا، فلایجوز النیابة عنه، فتعبیر المصنف عن هذا القول بقوله: (قیل فی حد المریض ان یصیر بحیث یصلی جالسا) لیس فی محله، لانه مشعر بان هذا ضعیف، وان الصحیح هو اطلاق المریض، والحال انه لیس کذلک، ویؤیده ماذکرناه فی المبسوط والمریض الذی لایستطیع رمی الجمار توضع الحصاة فی کفه حتی یرمی بها، وان رمی عنه اجزأه بمنزلة المغمی علیه، انتهی.

ولاشبهة ان کل مریض لایتصور ان یجعل کالمغمی علیه (مناسک ملاعلی القاری، صفحه ۲۴۸، باب رمی الجمار واحکامه)

مسئلہ نمبر ۳۴۲...... بعض اہلِ علم حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ مرد یا کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ صرف ہجوم اور ازدحام کی وجہ سے، اپنی طرف سے نیابۃً رَمی کرائے (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک، ص۱۸۴) [1]

یہ بات دوبارہ سمجھ لینی چاہئے کہ حج کرنے والے کو جمرات کی رمی کرنا واجب ہے، اس کے چھوڑ دینے پر دم لازم ہے، مرد، عورت، بیمار وضعیف سب کو خود جا کر اپنے ہاتھ سے رمی کرنی چاہئے، کسی دوسرے کو اپنا نائب بنا کر رمی کرانا بلا شرعی عذر کے جائز نہیں۔

آجکل اس مسئلہ میں بہت غفلت ہو رہی ہے، معمولی، معمولی باتوں کی وجہ سے دوسروں کے ذریعہ سے رمی کرالی جاتی ہے، خاص طور پر خواتین تو اس معاملہ میں بہت ہی غفلت ولا پرواہی کا شکار ہیں اور عام طور پر مردوں کے واسطہ سے اپنی رمی کروا کر، مطمئن اور بے فکر ہو جاتی ہیں، ایسا کرنا بالکل جائز نہیں، اس سے دَم واجب ہو جاتا ہے، اس لئے خواتین وحضرات یہ سنگین غلطی ہرگز نہ کریں، وہاں کسی کی باتوں میں بھی نہ آئیں اور نہ ہی دیکھا دیکھی دوسروں کے اس غلط طرزِ عمل سے متأثر ہوں، بلا شرعی عذر کے اپنا واجب چھوڑ کر گناہ گار نہ ہوں اور اپنے حج کو ناقص نہ کریں، البتہ شرعی عذر ہو تو دوسرے کو کہہ کر اور اس کو اپنا نائب بنا کر رمی کرانا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۴۳...... یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو بے ہوش یا ناسمجھ بچہ نہ ہو، اور وہ خود رَمی

---

[1] قد تبين مما قدمنا انهم جعلوا خوف الزحام عذرا للمرأة ولمن به علة او ضعف فى تقديم الرمى قبل طلوع الشمس او تاخيره الى الليل لا فى جواز النيابة عنهم لعدم الضرورة ، فلو لم يرموا بانفسهم لخوف الزحام تلزمهم الفدية ، والله سبحانهٗ وتعالىٰ اعلم(غنية، ص ١٦١)

آج کل بعض حضرات اور خاص کر خواتین ہجوم کو عذر بنا کر کسی دوسرے کے ذریعہ سے اپنی رمی کرا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہجوم میں ہم جیسے کمزور کس طرح رمی کر سکتے ہیں؟ حالانکہ شرعی عذر کے بغیر دوسرے سے رمی کرانے کی اجازت نہیں، اور مذکورہ عبارت کے مطابق ہجوم کا ہونا شرعی عذر میں داخل نہیں، اس طرح ہجوم اور رش کو اگر عذر سمجھا جائے تو پھر تو طاقتور لوگ بھی قادر نہیں سمجھے جائیں گے، کیونکہ زیادہ ہجوم اور رش کے وقت طاقتور لوگوں کو بھی دقت پیش آتی ہے۔

رہا ہجوم کے ڈر کا مسئلہ تو اولاً تو خوامخواہ کا وہم کافی نہیں اگر ہمت اور حوصلہ کو استعمال نہ کیا جائے تو سہل سے سہل کام بھی دشوار معلوم ہوتا ہے اور اگر واقعی سخت ہجوم ہو تو ایسی صورت میں ہجوم ختم ہونے پر شام یا رات وغیرہ کو رمی کی جائے۔

کرنے پر قادر ہو، اس کو خود ہی رَمی کرنا ضروری ہے، اس کا کسی دوسرے کو رَمی کرنے کے لئے نائب بنانا معتبر نہیں۔

اسی طرح جو شخص رَمی کرنے پر قادر نہ ہو، مگر وہ ہوش وحواس میں ہو، تو اس کی طرف سے رَمی معتبر ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسرے شخص کو اپنی رَمی کرنے کا نائب ونمائندہ بنائے، اس کے کہے بغیر کسی دوسرے کا خود سے اس کی طرف سے رَمی کر دینا معتبر نہیں، خواہ وہ رَمی کرنے کے بعد دوسرے کو آ کر اطلاع بھی کیوں نہ دے دے۔ [1]

بعض لوگ ہوش وحواس میں تو ہوتے ہیں، لیکن شرعی معذور ہونے کی وجہ سے خود رمی کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، ان کی طرف سے آج کل دوسرے لوگ رمی کر دیتے ہیں، لیکن اس رمی کرنے کا معذور کی طرف سے حکم نہیں ہوتا، اس طرح کی رمی معتبر نہیں، لہٰذا جو مرد یا عورت خود رمی کرنے سے شرعاً معذور ہو، اس کا کسی دوسرے سے اپنی رمی کرانا اس وقت معتبر ہے جب کہ وہ خود کسی دوسرے کو اپنی کنکری مارنے کا حکم دے (یعنی اپنی رمی کرنے کا نمائندہ اور وکیل بنائے مثلاً یہ کہے کہ آپ میری طرف سے بھی کنکری ماردیں) اگر اس معذور نے کسی کو اپنا نمائندہ نہیں بنایا اور کسی ہمراہی یا شوہر، یا محرم ورشتہ دار وغیرہ نے اس معذور کے حکم کے بغیر خود اس کی طرف سے کنکریاں ماردیں تو وہ معتبر نہ ہوں گی، خواہ کنکریاں مارنے کے بعد معذور کو بتلا بھی دیا ہو اور وہ اس پر راضی بھی ہو گیا ہو، پس اگر وقت باقی ہو تو کہہ کر اپنی رمی دوبارہ کرائیں ورنہ دم لازم ہوگا، البتہ اگر کوئی بے ہوش یا مجنون ہو تو بغیر اس کے کہے بھی اس کے ساتھیوں کا اس کی طرف سے رَمی کرنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۴۴...... احرام کی پابندیاں ختم ہونے کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ کہ جس میں مرد وعورت کے خصوصی تعلقات کے علاوہ احرام کی باقی تمام یا اکثر پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، اس

---

[1] الخامس: ان یرمی بنفسه ، فلاتجوز النیابة عند القدرة ، وتجوز عندالعذر، فلو رمی عن مریض ای لایستطیع الرمی بامره او مغمی علیه ولو بغیر امره، او صبی غیر ممیز ، او مجنون جاز (مناسک ملاعلی القاری، صفحه ۲۴۷، باب رمی الجمار واحکامه)

کو فقہائے کرام نے تحللِ اول یا تحللِ اصغر کا نام دیا ہے، اور دوسریؔ وہ کہ جس میں احرام کی تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، جس میں مرد وعورت کے خصوصی تعلقات بھی داخل ہیں، اس کو فقہائے کرام تحللِ ثانی یا تحللِ اکبر کا نام دیا ہے۔

تحللِ اول یا تحللِ اصغر یعنی احرام کی پہلی یا چھوٹی پابندیاں ختم ہونے کے بارے میں احادیث وروایات کے الفاظ میں کچھ اختلاف پائے جانے کی وجہ سے فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔

اگر کوئی دس ذی الحجہ کی رمی کر چکا ہے، اور سر کے بال بھی کٹا یا منڈا چکا ہے، تو تمام فقہائے کرام کے نزدیک احرام کی یہ چھوٹی یا پہلی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، یعنی تحللِ اول یا تحللِ اصغر حاصل ہو جاتا ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جس طرح مرد وعورت کے خصوصی تعلقات حلال نہیں ہوتے، اسی طرح خوشبو کا استعمال یا شکار کرنا بھی حلال نہیں ہوتا۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک احرام کی یہ چھوٹی یا پہلی پابندیاں سر کے بال منڈانے یا کٹانے سے پہلے ختم نہیں ہوتیں، اس کے علاوہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے دس ذی الحجہ کی رمی اور اس کے بعد حجِ تمتع یا حجِ قران کرنے والے پر حج کی قربانی، اور اس کے بعد سر کے بال کٹانا یا منڈانا بھی بالترتیب واجب ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک احرام کی چھوٹی یا پہلی پابندیاں ختم ہونے کے لئے جب سر کے بال کٹانا یا منڈانا ضروری ہے، تو ترتیب واجب ہونے کی وجہ سے اس سے پہلے دس ذی الحجہ کی رَمی اور حجِ تمتع یا حجِ قران کی قربانی بھی ضروری ہے۔

اس لئے اگر کسی نے دس ذی الحجہ کی رَمی تو کر لی ہے، لیکن بال منڈانے یا کٹانے سے پہلے سلے ہوئے کپڑے پہن لئے، یا خوشبو وغیرہ استعمال کر لی، یا اسی طرح کی کوئی احرام کی خلاف ورزی کر لی، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک احرام کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے اس پر دَم یا کفارہ وغیرہ واجب ہوگا۔

جبکہ مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی راجح روایت اور حنفیہ کے غیر مشہور مذہب اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق جب دس ذی الحجہ کو آخری جمرہ (جمرۂ عقبہ) کی رمی کر لی جائے، تو اس سے احرام کی یہ چھوٹی یا پہلی پابندی ختم ہوجاتی ہے، خواہ ابھی تک قربانی بھی نہ کی ہو، اور سر کے بال بھی نہ منڈائے یا کٹائے ہوں۔

لہٰذا ان حضرات کے نزدیک اگر کسی نے دس ذی الحجہ کی رَمی تو کر لی ہے، مگر ابھی تک سر کے بال نہیں منڈائے یا کٹائے، اور اس نے سِلے ہوئے کپڑے پہن لئے، یا ناخن وغیرہ کاٹ لئے، یا جسم کے کسی حصہ کے بال کاٹ لئے، یا اسی طرح کی کوئی احرام کی خلاف ورزی کر لی، تو اس پر کوئی دَم یا کفارہ وغیرہ واجب نہیں ہوگا، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق خوشبو استعمال کرنے، اور ایک روایت کے مطابق شکار کرنے پر دَم یا کفارہ وغیرہ واجب ہوگا۔

اور شافعیہ کے نزیک اگر تین اعمال میں سے کوئی سے بھی دو اعمال ادا کر لئے جائیں، تو اس سے احرام کی یہ چھوٹی یا پہلی پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، اور وہ تین اعمال یہ ہیں، ایک دس ذی الحجہ کی رمی، دوسرے حلق یا قصر اور تیسرے طوافِ زیارت۔ [1]

---

[1] اور حنابلہ وشافعیہ کی مرجوح روایت کے مطابق رَمی اور حلق دونوں سے تحللِ اول حاصل ہوتا ہے۔
اور مفرِد، قارِن اور متمتع اس سلسلہ میں سب کے نزدیک برابر ہیں، اور متمتع وقارِن کی قربانی کو حلال ہونے میں دخل نہیں۔
جہاں تک تحلل ثانی کا تعلق ہے، جس میں احرام کی تمام پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ زوجین کے خصوصی تعلقات بھی جائز ہوجاتے ہیں، تو اس کی تفصیل آگے طوافِ زیارت کے بیان میں آتی ہے۔

يترتب على رمي جمرة العقبة يوم النحر التحلل الأول من إحرام الحج عند المالكية، وهو قول عند الحنابلة، خلافا للحنفية الذين قالوا :إن التحلل الأول يكون بالحلق، وعلى تفصيل عند الشافعية والحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٣، ص ١٦٥ ،مادة "رمى")

(قوله وحل له كل شيء) أي من محظورات الإحرام كلبس المخيط وقص الأظفار ط وأفاد أنه لا يحل له بالرمي قبل الحلق شيء وهو المذهب عندنا كما في شرح اللباب للقاري عن الفارسي، وفي شرحه على النقاية والرمي غير محلل من الإحرام عندنا في المشهور، ومحلل عند مالك والشافعي وفي غير المشهور عندنا فقد نص على التحلل بالرمي عندنا في شرح المبسوط لخواهر زاده .وفي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۵...... حجاج کرام پر حج کے مناسک واعمال میں مشغولی کی وجہ سے عیدُ الاضحیٰ کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شرح الجامع الصغير لقاضي خان بقوله :وبعد الرمي قبل الحلق حل له كل شيء إلا النساء والطيب .

وعن أبي يوسف أنه يحل له الطيب أيضا اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۵۱۷، كتاب الحج،مطلب في رمي جمرة العقبة)

وبرمي جمرة العقبة يحل من كل شيئ ما عدا النساء والصيد .ويسمى التحلل الاصغر وبطواف الافاضة يحل له كل شيئ حتى النساء والصيد .ويسمى التحلل الاكبر(الثمر الداني في تقريب المعاني ،ج۱،ص۳۷۶)

التحلل الأصغر برمي العقبة أو مضي وقتها إلا من لذة نساء و تعرض صيد فيحرمان عليه لأنهما لا يحلان إلا بالتحلل الأكبر وهو طواف الإفاضة والسعي(منح الجليل شرح على مختصر سيد خليل، ج۲،ص۲۵۳)

ولا خلاف بينهم أن التحلل الاصغر الذي هو رمي الجمرة يوم النحر أنه يحل به الحاج من كل شيئ حرم عليه بالحج إلا النساء والطيب والصيد، فإنهم اختلفوا فيه.

والمشهور عن مالك أنه يحل له كل شيئ إلا النساء والطيب، وقيل عنه :إلا النساء والطيب والصيد، لان الظاهر من قوله * :(وإذا حللتم فاصطادوا) * أنه التحلل الاكبر.

واتفقوا أيضا على أن المعتمر يحل من عمرته إذا طاف بالبيت وسعى بين الصفا والمروة وإن لم يكن حلق ولا قصر لثبوت الآثار في ذلك إلا خلافا شاذا(بداية المجتهد، ج۱،ص۲۹۷)

وعن أحمد :إذا رمى الجمرة، فقد حل، وإذا وطء بعد جمرة العقبة، فعليه دم .ولم يذكر الحلق . وهذا يدل على أن الحل بدون الحلق .وهذا قول عطاء ، ومالك، وأبي ثور .وهو الصحيح، إن شاء الله تعالى(المغني لابن قدامة، ج۳،ص۳۹۰، كتاب الحج)

(فيحصل) التحلل (الأول) من تحللي الحج (باثنين من ثلاثة :الرمي) أي رمي يوم النحر (والحلق) أو التقصير (والطواف) واحتجوا له بخبر إذا رميتم وحلقتم فقد حل لكم الطيب والثياب وكل شيء إلا النساء رواه البيهقي وغيره وضعفوه.

والذي صح في ذلك ما رواه النسائي بإسناد جيد كما في المجموع أنه -صلى الله عليه وسلم - قال :إذا رميتم الجمرة فقد حل لكم كل شيء إلا النساء وقضية حصول التحلل الأول بالرمي وحده (فإن بقي السعي فهو كالجزء منه) أي من الطواف فيتوقف عليه التحلل (ويحل به) أي بالتحلل الأول (ما سوى الجماع، وكذا مقدماته وعقده) أي يحل به ما سوى هذه الثلاثة من لبس وقلم وصيد وطيب ودهن وستر رأس الرجل ووجه المرأة كما سيأتي بيانها (أسنى المطالب في شرح روض الطالب، ج۱،ص۴۹۳، كتاب الحج والعمرة)

والحاصل أن المذهب الذي يفتى به أن التحلل يحصل باثنين من الثلاثة والثاني بالثالث والله أعلم (المجموع شرح المهذب ،ج۸،ص۲۳۱،باب صفة الحج)

اس سلسلہ میں مزید اور تفصیلی عبارات آگے طوافِ زیارت کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

نماز معاف کردی گئی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳۶......آٹھ اور نو ذی الحجہ کی درمیانی شب کا منیٰ میں گزارنا تو سنت ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے، جبکہ وقوفِ عرفہ اور مزدلفہ سے فارغ ہو کر منیٰ میں آ کر دس ذی الحجہ کے دن کے بعد آنے والی گیارہ اور اس کے بعد بارہ ذی الحجہ کی راتوں کا منیٰ میں گزارنا اور اگر تیرہویں تاریخ میں رَمی کا ارادہ ہو، تو بارہ ذی الحجہ کے بعد آنے والی تیرہ ذی الحجہ کی رات کا بھی منیٰ میں گزارنا حنفیہ اور بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سنت ہے، جس کی خلاف ورزی پر دَم واجب نہیں ہوتا، اور اگر کسی عذر سے اس سنت کو ترک کیا جائے، تو کوئی خرابی بھی لازم نہیں آتی۔

---

[1] لا يصلى بمنى صلاة العيد بالاتفاق، لا لعدم المصرية بل لاشتغال الحاج بأعمال المناسك في ذلك اليوم، فوضع عنهم صلاة العيد بخلاف الجمعة؛ لأنه لا يتفق كل سنة هجوم الجمعة في ايام الرمي بمنى بخلاف صلاة العيد؛ لأنها لو شرعت كانت في كل سنة، وإنما تجوز الجمعة بمنى عندهما إذا كان ثمه أمير مكة أو أمير الحجاز أو الخليفة، اما أمير الموسم ليس له حق اقامة الجمعة، انما فوض اليه رعاية الحاج وسياستهم، فإن استعمل على مكة يقيم الجمعة بمنى عندهما أيضاً، وإن لم يستعمل على مكة واستعمل على الموسم لا غير، فإن كان من أهل مكة يقيم الجمعة بمنى عندهما أيضاً، وإن لم يكن من أهل مكة لا يقيم الجمعة عندهما أيضاً(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج۲ص ۴۴۲، كتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة)

(وليس على أهل منى يوم النحر صلاة العيد) ؛ لأنهم في وقت صلاة العيد مشغولون بأداء المناسك فلا يلزمهم صلاة العيد(المبسوط للسرخسي، ج۱۲ص ۱۹،باب الأضحية)

وإنما لا تقام صلاة العيد بمنى اتفاقا للتخفيف لا لكونها ليست مصرا(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۲ص ۱۵۳،باب صلاة الجمعة)

وكذا لا يصلى بمنى صلاة العيد اتفاقا لاشتغال الناس بأعمال المناسك في ذلك اليوم(شرح النقاية، ج۱ص ۴۸۴)

لا يصلى صلاة العيد لأجل التخفيف على الناس، لأنهم مشتغلون بأمور المناسك(البناية شرح الهداية، ج۳ص۴۸،باب صلاة الجمعة،الجمعة بمنى وعرفات)

وفي شرح الأشباه للبيري من كتاب الصيد أن منى موضع تجوز فيه صلاة العيد إلا أنها سقطت عن الحاج، ولم نر في ذلك نقلا مع كثرة المراجعة (رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص ۵۲۰،كتاب الحج)

قال في مبسوط السرخسي :ليس على أهل منى يوم النحر صلاة العيد لأنهم في وقتها مشغولون بأداء المناسك (رد المحتار على الدر المختار، ج۶ص۳۱۸، كتاب الأضحية)

جبکہ دوسرے بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک ان راتوں کا منیٰ میں گزارنا واجب ہے، اوراس واجب کی کم ازکم مقداررات کا اکثر حصہ ہے، اور بغیر عذر کے اس کی خلاف ورزی پر فدیہ یا دَم واجب ہے۔ [1]

---

[1] اور منیٰ میں مبیت کے ترک کرنے پر دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جزاء وفدیہ کے وجوب کی تفصیل میں اختلاف ہے۔

رابعا :المبيت بمنى ليالى أيام التشريق:

منى :بالكسر والتنوين شعيب بين جبال، طوله ميلان وعرضه يسير

والمبيت بها ليالى أيام التشريق واجب عند جمهور الفقهاء ، يلزم الدم لمن تركه بغير عذر.

وذهب الحنفية إلى أن المبيت بها سنة، والقدر الواجب للمبيت عند الجمهور هو مكث أكثر الليل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۷، مادة "حج")

المبيت بمنى ليالى أيام التشريق واجب عند جمهور الفقهاء ؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم فعل ذلك، قالت السيدة عائشة رضى الله عنها :أفاض رسول الله من آخر يومه حين صلى الظهر، ثم رجع إلى منى فمكث بها ليالى أيام التشريق،وقال ابن عباس رضى الله تعالى عنهما :لم يرخص النبى صلى الله عليه وسلم لأحد أن يبيت بمكة إلا للعباس من أجل سقايته، وروى الأثرم عن ابن عمر قال :لا يبيتن أحد من الحاج إلا بمنى، وكان يبعث رجالا لا يدعون أحدا يبيت وراء العقبة.

وعند الحنفية، وفى قول للشافعية، ورواية عن الإمام أحمد :أن المبيت بمنى ليالى أيام التشريق سنة وليس بواجب؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم "رخص للعباس أن يبيت بمكة من أجل سقايته" ولو كان ذلك واجبا لم يكن للعباس أن يترك الواجب لأجل السقاية، ولا كان النبى صلى الله عليه وسلم يرخص له فى ذلك، وفعل النبى صلى الله عليه وسلم محمول على السنة توفيقا بين الدليلين.

ومن ترك المبيت بمنى ليلة أو أكثر من ليالى أيام التشريق فعند الجمهور عليه دم لتركه الواجب، وعند القائلين بأن المبيت سنة فقد أساء لتركه السنة ولا شيء عليه.

والمبيت بمنى ليالى أيام التشريق كلها إنما هو بالنسبة لغير المتعجل، أما من تعجل فليس عليه سوى مبيت ليلتين فقط، ولا إثم عليه فى ترك مبيت الليلة الثالثة للآية الكريمة.

ويرخص فى ترك المبيت بمنى للسقاة والرعاة؛ لحديث ابن عمر أن العباس استأذن النبى صلى الله عليه وسلم أن يبيت بمكة ليالى منى من أجل سقايته فأذن له ولحديث مالك :رخص النبى صلى الله عليه وسلم لرعاء الإبل فى البيتوتة أن يرموا يوم النحر، ثم يجمعوا رمى يومين بعد يوم النحر، فيرمونه فى أحدهما قال مالك :ظننت أنه قال :فى يوم منهما، ثم يرمون يوم النفر. والمريض، ومن له مال يخاف عليه ونحوه، كغيره من السقاة والرعاة، وفى رواية ابن نافع عن الإمام مالك :أن من ترك المبيت بمنى لضرورة، كخوفه على متاعه عليه هدى، وإن لم يأثم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص ۳۲۴، ۳۲۵، مادة " ايام التشريق ")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۳۷...... اگر دس ذی الحجہ کو جمعہ کا دن واقع ہو، تو منیٰ میں جمعہ کا حکم وہی ہوگا، جو آٹھ ذی الحجہ کے بیان میں گزرا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المبیت بمنی لیالی أیام التشریق:ذھب جمھور الفقھاء ، ومنھم المالکیة والشافعیة والحنابلة وعروة وإبراھیم وعطاء إلی وجوب المبیت بمنی لیالی أیام التشریق.

ویلزم الفداء لمن ترکه بغیر عذر، وھو دم لترک جل لیلة فأکثر عند المالکیة، ولترکه کله عند الشافعیة والحنابلة، ولترک لیلة مد، ولترک لیلتین مدان عند الشافعیة والحنابلة.

وذھب الحنفیة إلی أن المبیت بمنی سنة، وروی ذلک عن ابن عباس رضی اللہ عنھما والحسن.

وقد استدل الجمھور بحدیث ابن عمر رضی اللہ عنھما أن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنه استأذن النبی صلی اللہ علیه وسلم أن یبیت بمکة لیالی منی من أجل سقایته، فأذن له ولولا أنه واجب لما احتاج إلی إذن.

وبحدیث عائشة رضی اللہ عنھا :أفاض رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من آخر یومه حین صلی الظھر، ثم رجع إلی منی، فمکث بھا لیالی أیام التشریق ،وفعله صلی اللہ علیه وسلم یدل بظاھره علی الوجوب ھنا .وجعل الحنفیة ھذه دلالة علی السنیة(الموسوعة الفقھیة الکویتیة، ج۳۹ص۵۸، ۵۹، مادة ”منٰی“)

(باب نمبر ۷)

حج کی قربانی کے فضائل واحکام

حج کرنے والے کو حج کے شکرانہ میں قربانی کا بھی حکم ہے، البتہ بعض صورتوں میں حج کی قربانی واجب ہے، اور بعض صورتوں میں واجب نہیں، اور بعض صورتوں میں حج کی قربانی کے بدلہ میں روزے رکھنے کا حکم ہے۔

حج کی قربانی سے متعلق احادیث وروایات

پہلے حج کی قربانی کے سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے احکام ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَمَى الْجَمْرَةَ الَّتِيْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا، حَصَى الْخَذْفِ، رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دس ذی الحجہ کو) درخت کے پاس والے جمرہ (یعنی جمرۂ عقبہ) کو وادی کے درمیان سے سات کنکریاں ماریں اور ہر ایک کنکری مارتے وقت تکبیر پڑھی، پھر آپ قربانی کی جگہ (یعنی منیٰ) تشریف لے گئے اور قربانی کی (نسائی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج کی قربانی کا صحیح وقت دس ذی الحجہ کی رَمی کرنے کے بعد ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۳۰۷۶، كتاب مناسك الحج، باب :عدد الحصى التي يرمى بها الجمار.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

حَتّٰى أَتٰى بَطْنَ مُحَسِّرٍ، فَحَرَّكَ قَلِيْلًا، ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطٰى الَّتِيْ تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى، حَتّٰى أَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِيْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ، فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا، مِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ، رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمَنْحَرِ، فَنَحَرَ ثَلَاثًا وَّسِتِّيْنَ بِيَدِهٖ، ثُمَّ أَعْطٰى عَلِيًّا، فَنَحَرَ مَا غَبَرَ، وَأَشْرَكَهٗ فِيْ هَدْيِهٖ، ثُمَّ أَمَرَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ، فَجُعِلَتْ فِيْ قِدْرٍ، فَطُبِخَتْ، فَأَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا، ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَفَاضَ إِلَى الْبَيْتِ (مسلم) [1]

ترجمہ: یہاں تک کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے چل کر) وادیٔ محسر میں پہنچ گئے آپ نے اونٹنی کو ذرا تیز چلایا اور اس درمیانی راستہ سے چلنا شروع کیا کہ جو جمرہ کبریٰ کی طرف جانکلتا ہے، یہاں تک کہ درخت کے پاس جو (آخری) جمرہ ہے اس کے پاس پہنچ گئے اور اسے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر اللہ اکبر پڑھا اور آپ نے ہر کنکری وادی کے اندر سے (شہادت والی انگلی کے اشارہ سے) ماری (جیسے چٹکی سے پکڑ کر کوئی چیز پھینکی جاتی ہے) پھر آپ قربان گاہ کی طرف آئے اور آپ نے اپنے ہاتھوں سے تریسٹھ اونٹ قربان (وذبح) کیے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برچھا عطا فرمایا اور انہوں نے باقی قربانیاں ذبح کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شریک کرلیا تھا، پھر آپ نے فرمایا کہ قربانی کے ہر جانور میں سے ایک ایک بوٹی کٹوا کر ہانڈی میں پکوائی جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس گوشت میں سے کچھ کھایا اور شوربہ بھی پیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوکر

[1] رقم الحدیث ۱۲۱۸ "۱۴۷" کتاب الحج، باب حجة النبی صلی اللہ علیہ وسلم .

بیت اللہ کی طرف آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طوافِ افاضہ (یعنی طوافِ زیارت) فرمایا (مسلم)

اس حدیث سے حج کی قربانی کے ثبوت کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی قربانی کے لئے کسی دوسرے کو بھی نمائندہ یا وکیل مقرر کرنا جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حج کے نتیجہ میں جو قربانی کی جائے، اس کا گوشت عام قربانی کے گوشت کی طرح خود کھانا بھی جائز ہے۔

حضرت ابو جمرہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ الْمُتْعَةِ، فَأَمَرَنِي بِهَا، وَسَأَلْتُهُ عَنِ الْهَدْيِ، فَقَالَ: فِيْهَا جَزُوْرٌ أَوْ بَقَرَةٌ أَوْ شَاةٌ أَوْ شِرْكٌ فِي دَمٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے حجِ تمتع کی قربانی کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے مجھے اس کو کرنے کا حکم فرمایا، اور میں نے قربانی کے جانور کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایا کہ اونٹ ہے، یا گائے ہے، یا بکری ہے، یا قربانی کے (بڑے) جانور (یعنی اونٹ یا گائے) میں شرکت کرنا ہے (بخاری)

مطلب یہ ہے کہ ان مذکورہ جانوروں کی حجِ تمتع میں قربانی جائز ہے، اور دنبہ و بھیڑ کا حکم بکری کی طرح ہے، اور قربانی کے بڑے جانور یعنی اونٹ، گائے میں شرکت بھی جائز ہے، جو سات افراد تک کی شرکت ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٦٨٨، كتاب الحج، باب فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] روى عن ابن عمر وأنس أنه يجزء فى المتعة والقران شرك فى دم. وروى عن عطاء وطاوس والحسن مثله، وهو قول أبى حنيفة، والثورى، والأوزاعى، والشافعى، وأحمد، وإسحاق، وأبى ثور، ولا تجزء عندهم البدنة أو البقرة عن أكثر من سبعة على حديث جابر، ولا تجزء عندهم الشاة عن أكثر من واحد(شرح صحيح البخارى۔ لابن بطال، ج۴ص ۳۷۲، كتاب الحج، باب فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى فمن)

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

اِشْتَرَكْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؛ كُلُّ سَبْعَةٍ فِيْ بَدَنَةٍ.

فَقَالَ لَهٗ إِنْسَانٌ: أَرَأَيْتَ الْبَقَرَةَ يَشْتَرِكُ فِيْهَا مَنْ يَّشْتَرِكُ فِي الْجَزُوْرِ؟ قَالَ: مَا هِيَ إِلَّا مِنَ الْبُدْنِ (مستخرج أبي عوانة) [1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج اور عمرہ میں سات افراد ایک بڑے جانور میں شریک ہوئے۔

ایک آدمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ کیا گائے میں اتنے ہی لوگ شریک ہوں گے، جتنے اونٹ میں شریک ہوتے ہیں؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گائے بھی (اونٹ کی طرح) بڑے جانوروں میں شامل ہے (ابوعوانہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج کی قربانی میں اگر بڑا جانور ہو، مثلاً اونٹ، گائے، تو اس میں سات افراد شریک ہو کر قربانی کر سکتے ہیں، جیسا کہ عام قربانی کے بڑے جانور میں بھی شرکت کا یہی حکم ہے۔

حج کی قربانی سے متعلق مسائل

احادیث وروایات کے بعد اب حج کی قربانی کے سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... حجِ تمتع یا حجِ قِران کرنے والے کو حج کے نتیجہ میں مخصوص قربانی (یعنی ھدی کا ذبح) کرنا واجب ہے، اور جس نے حجِ افراد کیا ہو، اس پر واجب نہیں۔

البتہ اگر کوئی حج کرنے والا شخص غربت اور مال کی کمی کی وجہ سے حج کی اس قربانی کو کرنے پر

---

[1] رقم الحديث، ۳۲۶۹، كتاب الحج، باب ذكر الخبر الموجب على المنفسخ حجه الهدى، وإجازته البدنة فيه عن سبعة الخ ، دار المعرفة، بيروت، واللفظ لهٗ، مسلم، رقم الحديث ۱۳۱۸.

قادر نہ ہو، تو اس کے حق میں قربانی کے بدلہ میں دس روزوں کا رکھنا مقرر کیا گیا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲......حجِ افراد کرنے والے پر حجِ تمتع اور حجِ قِران کی طرح قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔

البتہ اگر حیثیت اور وسعت ہو، تو نفلی درجہ میں قربانی کرنا مستحب اور باعثِ ثواب ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۳......حجِ تمتع یا حجِ قِران صحیح ہونے کے لئے حنفیہ کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ حج کرنے والا حرم یا حِل یعنی میقات سے اندر کا رہنے والا نہ ہو، بلکہ میقات سے باہر کا رہنے والا ہو، اور جو شخص حرم کا رہنے والا ہو، یا حِل یعنی حرم سے باہر مگر میقات سے اندر کا رہنے والا ہو، تو اس کو حجِ تمتع اور حجِ قِران کرنا درست نہیں، اور اگر کرے، تو اس پر جرمانہ کا دَم واجب ہے۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک میقات سے باہر کے رہنے والوں کی طرح میقات سے اندر یعنی حل اور حرم کے رہنے والوں کو بھی حجِ تمتع اور حجِ قران کرنا جائز ہے، اور ان حضرات کے نزدیک ایسے لوگوں کو حجِ تمتع اور حجِ

---

[1] هدى القران :يجب باتفاق الفقهاء على القارن هدى يذبحه أيام النحر ، لقوله تعالى :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى) لأن القارن فى حكم المتمتع .... ومن عجز عن الهدى فعليه بالإجماع صيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجع إلى أهله، لقوله تعالى :(فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۸۶،۸۷،مادة " قران ")

[2] یہاں تک کہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک عمرہ کرنے والے کو بھی فراغت کے بعد قربانی کرنا مستحب ہے۔

لا يجب على المفرد هدى لإحرامه بالحج مفردا بخلاف القارن والمتمتع فإن عليهما الهدى، لقوله تعالى : (فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى) والقارن كالمتمتع، لإحرامه بالنسكين.إلا أنه يستحب للمفرد أن يهدى ويكون تطوعا.

والقارن والمتمتع سواء عند الجمهور (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص ۲۸۵،۲۸۶، مادة " افراد ")

ثانيا :الثج:وهو ذبح الهدى تطوعا، لما مر فى الحديث، وقد أكثر النبى صلى الله عليه وسلم من هدى التطوع جدا، حتى بلغ مجموع هديه فى حجته مائة من الإبل.

قال الإمام النووى :اتفقوا على أنه يستحب لمن قصد مكة بحج أو عمرة أن يهدى هديا من الأنعام، ونحره هناك، ويفرقه على المساكين الموجودين فى الحرم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۸، مادة "حج"مستحبات الحج)

قران کرنے کے نتیجے میں قربانی کرنا بھی لازم نہیں ہے۔ [1]

اوراس اختلاف کی وجہ قرآن مجید کی آیت میں حجِ تمتع کا بیان کرتے ہوئے ایک اسمِ اشارہ کے مشارٌ الیہ کا اختلاف ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۹۶)

ترجمہ: پس جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے، تو اسے جو قربانی میسر ہو، اُسے کر ڈالے، پھر جو شخص قربانی نہ پائے، تو اسے تین دن حج میں روزے رکھنا ہے، اور سات اس وقت جب تم (حج کر کے) لوٹ جاؤ، یہ پورے دس ہیں، یہ

[1] الشرط السادس :أن لا يكون من حاضرى المسجد الحرام:
ذهب الجمهور إلى صحة القران من المكى ومن فى حكمه وهو حاضر المسجد الحرام، إلا أنه لا يلزمه دم القران، فجعلوا هذا شرطا للزوم دم القران، لا للمشروعية .
وقالوا :إن اسم الإشارة فى قوله تعالى :(ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)يرجع إلى قوله :(فما استيسر من الهدى) ، والمعنى :ذلك الحكم وهو وجوب الهدى على من تمتع - وهو يشمل القران -إذا لم يكن من حاضرى المسجد الحرام، فإن كان من حاضرى المسجد الحرام، فلا هدى عليه، وقرانه وتمتعه صحيحان .
وذهب الحنفية إلى أنه يشترط للقران أن لا يكون القارن من حاضرى المسجد الحرام على الراجح.وقالوا :المراد ب (ذلك) الواردة فى الآية السابقة :التمتع بالعمرة إلى الحج، وهو يشمل القران والتمتع لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام، فدلت على أنه لا قران ولا تمتع له، ولو كان المراد الهدى لقال :ذلك على من لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام.
ويدل للحنفية ما ورد عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه سئل عن متعة الحج فقال :أهل المهاجرون والأنصار وأزواج النبى صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع . . .إلى أن قال " :فجمعوا نسكين فى عام بين الحج والعمرة، فإن الله تعالى أنزله فى كتابه، وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم وأباحه للناس غير أهل مكة، قال الله :(ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص۸۴،۸۵،مادة " قران " شروط القران)

حکم اس کے لئے ہے کہ جس کے گھر والے مسجدالحرام کے پاس نہ رہتے ہوں

(سورہ بقرہ)

مذکورہ آیت کے آخر میں جو یہ فرمایا گیا کہ ''یہ حکم اس کے لئے ہے الخ'' حنفیہ کے نزدیک اس حکم سے مرادِ حجِ تمتع کرنا ہے، اور حجِ قران کا حکم حجِ تمتع کی طرح ہے۔

جبکہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس حکم سے مرادِ حجِ تمتع کرنے والے پر قربانی یا روزوں کالازم ہونا ہے۔ [1]

---

[1] جمہور فقہائے کرام کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں حج تمتع کے جواز وعدم جواز کا حکم بیان کرنا مقصود نہیں، بلکہ حجِ تمتع کرنے کے نتیجہ میں قربانی کے حکم کو بیان کرنا مقصود ہے، لہٰذا ''ذلک'' کا مرجع بھی یہی حکم ہوگا، اور قریبی مرجع بھی یہی ہے، وھو الراجح عندی۔ اور حنفیہ کا استدلال حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے۔

ذهب الجمهور إلى صحة القران من المكي ومن في حكمه وهو حاضر المسجد الحرام، إلا أنه لا يلزمه دم القران، فجعلوا هذا شرطا للزوم دم القران، لا للمشروعية.

وقالوا :إن اسم الإشارة في قوله تعالى(ذلک لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)يرجع إلى قوله :(فما استيسر من الهدى) ، والمعنى :ذلک الحكم وهو وجوب الهدى على من تمتع -وهو يشمل القران -إذا لم يكن من حاضرى المسجد الحرام، فإن كان من حاضرى المسجد الحرام، فلا هدى عليه، وقرانه وتمتعه صحيحان.

وذهب الحنفية إلى أنه يشترط للقران أن لا يكون القارن من حاضرى المسجد الحرام على الراجح.

وقالوا :المراد ب (ذلک) الواردة فى الآية السابقة :التمتع بالعمرة إلى الحج، وهو يشمل القران والتمتع لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام، فدلت على أنه لا قران ولا تمتع له، ولو كان المراد الهدى لقال :ذلک على من لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام.

ويدل للحنفية ما ورد عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه سئل عن متعة الحج فقال :أهل المهاجرون والأنصار وأزواج النبى صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع . . .إلى أن قال " :فجمعوا نسكين فى عام بين الحج والعمرة، فإن الله تعالى أنزله فى كتابه، وسنة نبيه صلى الله عليه وسلم وأباحه للناس غير أهل مكة، قال الله :(ذلک لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۸۴، ۸۵، مادة "قِران ")

(ذلک) الحكم المذكور من وجوب الهدى أو الصيام على من تمتع (لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)(تفسير الجلالين، تحت سورة البقرة، رقم الآية ١٩٦)

(قال الله) عز وجل(ذلک) إشارة إلى الحكم المذكور عندنا والتمتع عند أبى حنيفة إذ لا تمتع ولا قران لحاضرى المسجد الحرام عنده تقليدا لابن عباس -رضى الله عنهما .-وأجاب الشافعية بأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مذکورہ آیت میں مسجدِ حرام کے حاضرین شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں، جو حرم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قول الصحابي ليس حجة عند الشافعي إذ المجتهد لا يقلد مجتهدا قاله الكرماني وغيره، وأما قول العيني أن هذا جواب واه مع إساءة الأدب، فإن مثل ابن عباس كيف لا يحتج بقوله وأى مجتهد بعد الصحابة يلحق ابن عباس أو يقرب منه حتى لا يقلده فلا يخفى ما فيه فلا يحتاج إلى الاشتغال برده(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى، ج٣،ص١٣٧،باب قول الله تعالى ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام)

مذهبنا أن المكى لا يكره له التمتع والقران وإن تمتع لم يلزمه دم وبه قال مالك وأحمد وداود وقال أبو حنيفة يكره له التمتع والقران وإن تمتع أو قرن فعليه دم.

واحتج له بقوله تعالى (فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام) فأباح التمتع لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام خاصه ولان المتمتع شرع له أن لا يلم بأهله والمكى ملم بأهله فلم يكن له ذلك قالوا ولأن الغريب إذا تمتع لزمه دم وقلتم إذا تمتع مكى فلا دم وهذا يدل على أن نكسه ناقص عن نسك الغريب فكره له فعله.

واحتج أصحابنا بأن ما كان من النسك قربة وطاعة فى حق غير المكى كان قربة وطاعة فى حق المكى كالإفراد (والجواب) عن الآية أن معناها فمن تمتع فعليه الهدى إذا لم يكن من حاضرى المسجد فإن كان فلا دم فهذا ظاهر الآية فلا يعدل عنه (فإن قيل) فقوله تعالى (ذلك لمن لم يكن أهله) ولم يقيل على من لم يكن أهله (قلنا) اللام بمعنى على كما فى قوله تعالى إن أحسنتم أحسنتم لأنفسكم وإن أسأتم فلها) أى فعليها وقوله تعالى (أولئك لهم اللعنة) أى عليهم قال القاضى أبو الطيب وجواب آخر وهو أن قوله تعالى (فمن تمتع) شرط وقوله تعالى (فما استيسر من الهدى) جزاء الشرط وقوله تعالى (ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد) بمنزلة الاستثناء وهو عائد إلى الجزاء دون الشرط كما لو قال من دخل الدار فله درهم إلا بنى تميم أو قال ذلك لمن يكن من نبى تميم فإن الاستثناء يعود إلى الجزاء دون الشرط الذى هو دخول الدار كذا ههنا (وأما) قولهم المتمتع شرع له أن لا يلم بأهله فقال أصحابنا لا نسلم ذلك ولا تأثير للإلمام بأهله فى التمتع ولهذا لو تمتع غريب عن أهله فألم بأهله يصح تمتعه وكذا لو تمتع من غير إلمام بأهله فتمتعه عندهم مكروه (وأما) قوله إن نسكه ناقص لوجوب الدم على الغريب فقال أصحابنا إنما لزم الغريب الدم لأنه ترفه بالتمتع فيلزمه الدم والمكى أحرم بحجة وعمرة من ميقاته الأصلى فلم يلزمه دم لعدم الترفه والله أعلم(المجموع شرح المهذب، ج٧ص ١٦٩،١٧٠، كتاب الحج)

قال مالك وإذا أحرم مكى بالعمرة من مكة ثم أردف الحج صار قارنا وليس عليه دم قران قال مالك فى الموازية أكره القران للمكى فإن فعل فلا هدى عليه وبالصحة قال ش وقال ح لا يصح منهم تمتع ولا قران فإن تمتع فعليه دم خلافا لنا وإن قرن ارتفضت عمرته أحرم بهما معا أو متعاقبين لقوله تعالى (ذلك لمن لم يكن أهله حاضرى المسجد الحرام) البقرة ١٩٦ والإشارة بذلك إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے رہنے والے ہوں، یا مکہ کے اتنے قریب رہنے والے ہوں کہ ان کے اور مکہ کے درمیان مسافتِ قصر سے کم کا فاصلہ ہو، ان حضرات کے نزدیک ایسے لوگوں کو بھی حجِ تمتع اور حجِ قِران کرنا تو جائز ہے، مگر ان لوگوں پر حجِ تمتع وحجِ قِران کرنے کے نتیجہ میں قربانی واجب نہیں ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التمتع فلذلک أضافه باللام ولو أراد الهدی لأضافه بعلی لأن اللام لما یرغب وعلی لما یرهب ولذلک تقول وشهد له علیه والقران مثل التمتع لأنه فیه إسقاط أحد العملین کما أنه فی التمتع إسقاط أحد السفرین وجوابه أن الإشارة بذلک إلی الهدی لأن الإشارة کالضمیر یجب عودها إلی أقرب مذکور وهو أقرب ولما کان حکما شرعیا حسن إضافته باللام تقدیره ذلک مشروع لمن لم یکن أهله حاضری المسجد الحرام الآیة فیسقط عن المکی(الذخیرة للقرافی، جج۳ص ۲۹۱، کتاب الحج، الباب السادس فی اللواحق)

قال الشافعی :إن المشار إلیه بذلک هو الدم، وقال أبو حنیفة :إن المشار إلیه القران والتمتع(العرف الشذی للکشمیری، ج۲ص ۲۲۲، کتاب الحج، باب ما جاء فی إفراد الحج)

[1] اور مالکیہ کے نزدیک مکہ یا اس کے قرب وجوار میں مقیم ہونے والے لوگ مسجدِ حرام کے حاضرین میں داخل ہیں، ان پر دمِ تمتع لازم نہیں ہے، اگرچہ حجِ تمتع ان لوگوں کا بھی ادا کرنا درست ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک میقات سے اندر کے رہنے والے مسجدِ حرام کے حاضرین میں داخل ہیں، اور ان کو سرے سے حجِ تمتع وقِران کرنا ہی جائز نہیں، اور اگر کوئی کرے تو اس پر دمِ تمتع ودمِ قِران یعنی دمِ شکر کے بجائے دمِ جبر یا دمِ جنایت لازم ہے۔

و۔ أن لا یکون من حاضری المسجد الحرام:

لا خلاف بین الفقهاء أن دم التمتع لا یجب علی حاضری المسجد الحرام فلا تمتع لهم، إذ قد نص الله تعالی فی کتابه بقوله سبحانه :(ذلک لمن لم یکن أهله حاضری المسجد الحرام)

ولأن حاضری المسجد الحرام میقاتهم مکة فلا یحصل لهم الترفه بترک أحد السفرین؛ ولأن المتمتع من تکون عمرته میقاتیة وحجته مکیة ولا کذلک حاضرو المسجد الحرام .

المراد بحاضری المسجد الحرام

صرح الشافعیة والحنابلة بأن حاضری المسجد الحرام أهل الحرم ومن بینه وبین مکة، (وفی قول عند الشافعیة من بینه وبین الحرم) دون مسافة قصر.

وقال الحنفیة :المراد بحاضری المسجد الحرام أهل مکة ومن فی حکمهم من أهل داخل المواقیت.

وقال المالکیة :هم مقیمو مکة ومقیمو ذی طوی.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... حجِ تمتع یا حجِ قِران کی قربانی کا حکم عیدالاضحیٰ کی قربانی کی طرح ایک بکری، دنبہ یا گائے یا اونٹ ہے، یا بڑے جانور (یعنی گائے یا اونٹ) کا ساتواں حصہ ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... حجِ تمتع یا حجِ قِران کی قربانی کے جانور کے لئے بھی وہی شرائط ہیں، جو عام قربانی (واضحیہ) کے لئے شرائط ہیں، جس میں بکری، دنبہ، گائے اور اونٹ وغیرہ میں سے کسی جانور کی قربانی بھی جائز ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والعبرة بالتوطن، فلو استوطن المكى المدينة مثلا فهو آفاقى، وبالعكس مكى .فإن كان للمتمتع مسكنان أحدهما بعيد، والآخر قريب اعتبر فى كونه من الحاضرين أو غيرهم كثرة إقامته بأحدهما عند الحنفية والشافعية، وهو قول القاضى من الحنابلة .فإن استوت إقامته بهما فليس بمتمتع عند الحنفية، واعتبر الأهل والمال عند الشافعية والحنابلة باعتبار الأكثرية.

وقال المالكية :لو كان للمتمتع أهلان أهل بمكة وأهل بغيرها، فالمذهب استحباب الهدى ولو غلبت إقامته فى أحدهما.

هذا وإذا دخل الآفاقى مكة متمتعا ناويا الإقامة بها بعد تمتعه فعليه دم اتفاقا بين الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۰، ۱۱ ،مادة "تمتع")

اختلف الفقهاء بالنسبة للمكى ومن فى حكمه هل له تمتع وقران، أم ليس له إلا الإفراد خاصة؟

فيرى الجمهور أن لأهل مكة المتعة والقران مثل الآفاقى، ولأن التمتع الذى ورد فى الآية أحد الأنساك الثلاثة، فصح من المكى كالنسكين الآخرين، ولأن حقيقة التمتع هو أن يعتمر فى أشهر الحج ثم يحج من عامه، وهذا موجود فى المكى .

ويرى الحنفية أن أهل مكة ليس لهم تمتع ولا قران، وإنما لهم الإفراد خاصة، لأن شرعهما للترفه بإسقاط إحدى السفرتين وهذا فى حق الآفاقى.

واختلف الفقهاء أيضا فى حاضرى المسجد الحرام.

فذهب الشافعية والحنابلة إلى أنهم أهل الحرم ومن بينه وبين مكة دون مسافة القصر.

فإن كانوا على مسافة القصر فليسوا من الحاضرين.

وذهب الحنفية إلى أنهم أهل المواقيت فمن دونها إلى مكة.

وذهب المالكية إلى أنهم أهل مكة وأهل ذى طوى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص ۲۸۴، مادة "افراد")

[1] وجوب الهدى فى التمتع :اتفق الفقهاء على أنه يجب الهدى على المتمتع وذلك بنص القرآن الكريم ،قال تعالى :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى)

والهدى الواجب شاة أو بقرة أو بعير أو سبع البقرة أو البعير عند جمهور الفقهاء .وقال مالك هو بدنة ولا يصح سبع بعير أو بقرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۲ ،مادة "تمتع")

اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس حجِ قران کی قربانی کے گوشت کا حکم عام قربانی کی طرح ہے، جس سے خود کھانا اور امیر وغریب کو کھلانا اور صدقہ وعطیہ وغیرہ کرنا سب جائز ہے۔ [1]

آج کل حکومتِ سعودیہ کی طرف سے بڑے پیمانہ پر حجاجِ کرام کی قربانیوں کا وکیل ونمائندہ بن کر منیٰ میں قربانیاں کرنے کا انتظام ہوتا ہے، اور پھر ان قربانیوں کا گوشت مختلف علاقوں اور ملکوں کے ضرورت مندوں کو ارسال کردیا جاتا ہے، فقہی اعتبار سے اس گوشت کو ضرورت

---

[1] البتہ شافعیہ کے نزدیک دَمِ تمتع یا دَمِ قران کا حکم دمِ جبر کی طرح ہے، لہٰذا اُن کے نزدیک دَمِ تمتع ودَمِ قران کا گوشت خود کھانا جائز نہیں، بلکہ پورے کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

اور اگر اس میں سے کچھ خود کھالیا، تو واضح یہ ہے کہ گوشت کی اتنی مقدار کا تاوان واجب ہوگا، جیسا کہ دوسرے کا گوشت تلف کرنے پر تاوان واجب ہوا کرتا ہے، اور دوبارہ دَم دینا واجب نہیں ہوگا۔

هدى القران :يجب باتفاق الفقهاء على القارن هدى يذبحه أيام النحر ، لقوله تعالى :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى)

لأن القارن فى حكم المتمتع،قال القرطبى " :وإنما جعل القران من باب التمتع؛ لأن القارن يتمتع بترك النصب فى السفر إلى العمرة مرة وإلى الحج أخرى، ويتمتع بجمعهما ولم يحرم لكل واحدة من ميقاته، وضم الحج إلى العمرة، فدخل تحت قول الله عز وجل :(فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى) ، وقد روى ذلك عن ابن مسعود وابن عمر رضى الله عنهم؛ ولأنه إذا وجب على المتمتع لأنه جمع بين نسكين فى وقت أحدهما فلأن يجب على القارن وقد جمع بينهما فى الإحرام أولى.

وأدنى ما يجزء فيه شاة، والبقرة أفضل، والبدنة أفضل منهما(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۸۶،۸۷،مادة " قران ")

واختلفوا فى موجب هذا الهدى، فقال الجمهور ومنهم الحنفية والمالكية والحنابلة :هو دم شكر، وجب شكرا لله لما وفقه إليه من أداء النسكين فى سفر واحد، فيأكل منه ويطعم من شاء ولو غنيا، ويتصدق.وقال الشافعية :هو دم جبر على الصحيح فى مذهبهم، فلا يجوز له الأكل منه، بل يجب التصدق بجميعه.والتفصيل فى (هدى)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص ۸۶،۸۷،مادة " قران")

الأول :فى الأكل من الواجب، فكل هدى وجب ابتداء من غير التزام، كدم التمتع والقران وجبرانات الحج، لا يجوز الأكل منه .فلو أكل منه، غرم، ولا تجب إراقة الدم ثانيا .وفيما يغرمه، أوجه :أصحها وهو نصه فى القديم :يغرم قيمة اللحم كما لو أتلفه غيره(روضة الطالبين وعمدة المفتين، ج۳،ص ۲۲۱،النوع الرابع :فى الأكل من الأضحية والهدى)

مندوں تک پہنچانے میں کوئی حرج نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۶...... حجِ تمتع اور حجِ قِران کی قربانی ذبح کرنے میں وہی چیزیں سنت ومستحب ہیں، جو عام قربانی میں سنت ومستحب ہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۷...... حجِ تمتع یا حجِ قِران کی قربانی کے وجوب کا وقت حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک حج کے احرام کا وقت ہے، اور اس قربانی کے ذبح اور اس کی ادائیگی کا وقت کئی فقہائے کرام کے نزدیک عیدُ الاضحیٰ کا دن ہے۔ [3]

مسئلہ نمبر۸...... حجِ تمتع اور حجِ قِران کی قربانی کو حرم کی حدود میں ذبح کرنا ضروری ہے، خواہ منیٰ میں کرے، کیونکہ منیٰ حرم کی حدود میں واقع ہے، یا منیٰ کے علاوہ حرم کی حدود میں کسی اور

---

[1] (الشرط الرابع) : أن تكون مملوكة للذابح، أو مأذونا له فيها صراحة أو دلالة، فإن لم تكن كذلك لم تجزء التضحية بها عن الذابح، لأنه ليس مالكا لها ولا نائبا عن مالكها، لأنه لم يأذن له في ذبحها عنه، والأصل فيما يعمله الإنسان أن يقع للعامل، ولا يقع لغيره إلا بإذنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص۸۸، مادة " اضحية ")

[2] السنة فی ذبح الهدى :يستحب في ذبح الهدى ما يستحب في ذبح الأضحية وهو أن يذبح بنفسه، وأن يراعى فى الإبل النحر، وفى غيرها الذبح، والدعاء بالقبول، وأن يتصدق بجلالها وخطامها، ولا يباع شيء من لحمها ولا يعطى الجزار منها أجرة.وللتفصيل ينظر (مصطلح أضحية ف ۱۵وما بعدها)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲،ص ۲۵۲، مادة " هدى ")

[3] اور شافعیہ کے اصح قول کے مطابق حجِ قران کا احرام باندھنے کے بعد اور تمتع میں حج کا احرام باندھنے کے بعد اور اسی طرح تمتع میں عمرہ سے حلال ہونے کے بعد اور حج کا احرام باندھنے سے پہلے بھی اس کو ذبح کرنا جائز ہے۔

ووقت وجوبه إحرامه بالحج عند جمهور الفقهاء من الحنفية والشافعية والحنابلة وهو المشهور عند المالكية.

وفي رواية عندهم وقت وجوبه الوقت الذي يتعين فيه نحره.ووقت ذبحه وإخراجه يوم النحر عند الجمهور، ويجوز ذبحه بعد أعمال العمرة ولو قبل الإحرام بالحج في الأصح عند الشافعية، وهو الصحيح عند المالكية.

وفي رواية عن أحمد أنه إن قدم المتمتع الهدى قبل العشر طاف وسعى ونحر هديه، وإن قدم في العشر لم ينحر إلا يوم النحر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص۱۲ ،مادة "تمتع ")

وذهب الشافعية إلى أنها لا تختص بزمان، بل يجوز أن يذبحها بعد الإحرام بالقران، وبعد الإحرام بالحج في التمتع، ويجوز قبل الإحرام بالحج بعد التحلل من العمرة في الأظهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲ ص ۲۵۰، مادة " هدى ")

جگہ ذبح کرے، اورحرم کی حدودِ اربعہ کا ذکر پیچھے احرام کی میقات کے بیان کے آخر میں گزر چکا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۹...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک حجِ تمتع اور حجِ قِران کی قربانی کے عام ذی الحجہ کی قربانی کی طرح تین دن ہیں، اور حجِ تمتع اور حجِ قِران کی قربانی کو بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے ذبح کر لینے کا حکم ہے۔ [2]

---

[1] اتفق الفقهاء على أن دماء الهدى -عدا الإحصار -يختص جواز إراقتها بالحرم، ولا يجوز ذبح شيء منها خارجه، لقوله تعالى فى جزاء الصيد :(هديا بالغ الكعبة) وقوله تعالى :(ثم محلها إلى البيت العتيق) ولقوله صلى الله عليه وسلم :نحرت هاهنا، ومنى كلها منحر، فانحروا فى رحالكم.
وقوله صلى الله عليه وسلم :كل فجاج مكة طريق ومنحر.
ونص الحنفية على أن مكان ذبح الهدايا بما فيها دم المحصر الحرم، فلا يجوز ذبح الهدايا إلا فى الحرم واحتجوا بقول الله تعالى :(ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله) ولو كان كل موضع محلا للذبح لم يكن لذكر المحل فائدة.
واستدلوا على وجوب إراقة دم المحصر فى الحرم أيضا بما روى عن ابن مسعود "أمر المحصر بأن يبعث هديا ويواعد أصحابه موعدا، فإذا نحر عنه حل "
ولأنه دم تحلل فوجب أن يتوقت بالحرم قياسا على دم المتعة؛ ودم المجامع قبل الوقوف، وهذا لأن الدم لا يخلو عن الإراقة على سبيل القربة، والقربة فى الإراقة لا تعقل قياسا، وإنما عقلت شرعا مؤقتة بزمان بعينه أو بمكان بعينه والزمان غير مراعى فيما نحن فيه، فثبت أنه متوقت بالمكان، وما هو إلا الحرم؛ لأن سائر دماء الحج كلها قربة كانت أو كفارة لا تصح إلا فى الحرم فكذلك هذا.
وعند المالكية أن ما وقفه بعرفة من الهدى فى جزء من الليل لا ينحره إلا فى منى أيام النحر على المعتمد، فإن فاتت تعينت مكة أو ما يليها من البيوت، فإن ذبحه بمكة أيام منى جاهلا أو متعمدا فروى سحنون عن ابن القاسم فى المدونة أنه يجزئه، وعندهم أن ما لم يوقف بعرفة أو وقف فى غير الليل فمحله مكة، ولو عطب قبل أن يبلغ مكة لم يجزئه لأنه لم يبلغ محله، وليست منى محله .
وأفضل بقاع الحرم للنحر عند الشافعية والحنابلة فى حق الحاج منى، وفى حق المعتمر مكة.
وفى المبسوط من كتب الحنفية :أن السنة فى الهدايا فى أيام النحر منى، وفى غير أيام النحر الأولى بمكة.
وعند المالكية :أن الأفضل فى حق الحاج منى عند الجمرة الأولى، وأن الأفضل فى حق المعتمر عند المروة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲،ص ۲۵۰ الیٰ ۲۵۲، مادة " هدى ")

[2] سابعا :واجبات ذبح الهدى:
أ -أن يكون الذبح فى أيام النحر.
ب -أن يكون فى الحرم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۶۰، مادة "حج")

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عیدُ الاضحیٰ کی قربانی کی طرح حجِ تمتع اور حجِ قِران کی قربانی کے چار دن ہیں، جن میں تیرہ ذی الحجہ کا دن بھی شامل ہے۔ [۱]

اور اگر کسی نے حج کی قربانی کرنے میں اتنی تاخیر کی کہ بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہو گیا، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر تاخیر کی وجہ سے دَم واجب ہوگا۔ [۲]

---

[۱] فصل :ووقت نحر الأضحية والهدى ثلاثة أيام :يوم النحر، ويومان بعده، نص عليه أحمد، وقال :هو عن غير واحد من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم .-ورواه الأثرم، عن ابن عمر، وابن عباس.

وبه قال مالك، والثورى .ويروى عن على -رضى الله عنه -أنه قال :أيام النحر يوم الضحى، وثلاثة أيام بعده .وبه قال الحسن، وعطاء ، والأوزاعي، والشافعي، وابن المنذر .وقال ابن سيرين : يوم واحد .وعن سعيد بن جبير، وجابر بن زيد :في الأمصار يوم واحد، وبمنى ثلاثة.

ولنا ، أن النبى -صلى الله عليه وسلم -نهى عن الأكل من النسك فوق ثلاث ، وغير جائز أن يكون الذبح مشروعا فى وقت يحرم فيه الأكل، ثم نسخ تحريم الأكل، وبقى وقت الذبح بحاله. ولأن اليوم الرابع لا يجب فيه الرمى، فلم يجز فيه الذبح، كالذى بعده (المغنى لابن قدامة، ج۳، ص ۳۸۴، و ۳۸۵، فصل وقت نحر الأضحية والهدى)

[۲] رہا اس سلسلہ میں صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک دَم واجب ہونے نہ ہونے کا مسئلہ، تو مشائخ حنفیہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کے نزدیک دمِ تمتع یا دمِ قِران کو بارہ ذی الحجہ سے مؤخر کرنے پر دَم واجب نہیں ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک ترتیب سنت ہے، لہٰذا اگر کسی نے بال منڈانے کے بعد ذبح کیا، تو ان کے نزدیک دَم واجب نہیں ہوتا، اور بال منڈانے کے بعد کا وقت عام ہے، ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل عبارات۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتأخير النسك عندهما لا يوجب الدم بحال (المحيط البرهانى، ج۲ص ۴۶۳، الفصل الثامن :فى الطواف والسعى)

وأراد بالاختصاص الاختصاص من حيث الوجوب على قول أبى حنيفة، وإلا لو ذبح بعد أيام النحر أجزأ إلا أنه تارك للواجب، وقبلها لا يجزء بالإجماع، وعلى قولهما كذلك فى القبلية، وكونه فيها هو السنة عندهما حتى لو ذبح بعد التحلل بالحلق لا شىء عليه، وعنده عليه دم (البحر الرائق، ج۳ص۷۷، باب الهدى)

وأما وجه الاختصاص فطريقه أن ينفى الجواز قبلها وبعدها بالإجماع، وما ذكرناه يفيد كونه فيها فيلزم من مجموع ذلك الاختصاص بأيام النحر، والمراد الاختصاص من حيث الوجوب على قول أبى حنيفة، وإلا لو ذبح بعدها أجزأ إلا أنه تارك للواجب وقبلها لا يجزء بالإجماع، وعلى قولهما كذلك فى القبلية وكونه فيها هو السنة، حتى لو ذبح بعد التحلل بالحلق لا شىء عليه عندهما، وعنده عليه دم، وتقدم تفصيل ذلك .وإذا عرفت هذا فإطلاق عدم الجواز فى قوله ولا يجوز ذبح هدى المتعة والقران إلا فى يوم النحر فيه نوع إيهام(فتح القدير، ج۳ص ۱۶۳، باب الهدى)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عیدُ الاضحیٰ کی قربانی ہر صاحبِ نصاب عاقل، بالغ مسلمان پر جو قربانی کے دنوں میں صاحبِ نصاب ہو، واجب ہے، لیکن فقہائے احناف کی تصریح کے مطابق عیدُ الاضحیٰ کی قربانی کا واجب ہونا دیگر عام فقہی واجبات مثلاً صدقۂ فطر اور سجدۂ تلاوت وغیرہ سے کمزور ہے۔ [1]

جبکہ جمہور فقہائے کرام (شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ) اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف کی روایت اور بعض حضرات کے بقول امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک عیدُ الاضحیٰ کی قربانی تاکیدی سنت ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وخصا) أى هدى المتعة والقران (بيوم النحر) أى بأيامه، لقوله تعالى :(فكلوا منها وأطعموا البائس الفقير ثم ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطوفوا بالبيت العتيق)، وقضاء التفث والطواف مختصان بيـوم النحر، فيكون الأكل كذلك، ولأنهما دما نسك فيختصان بيوم النحر كالأضحية .والمراد بـالاختصاص من حيث الوجوب على قول أبى حنيفة، وإلا لو ذبح بعد أيام النحر أجزأ إلا أنه تارك للـواجب، وقبلها لا يجزىء بالإجماع .وعـلـى قـولـهـمـا كذلك فى القبلى، وكونه فيها هو السنة السنية(شرح النقاية، ج۲ص ۴۴۱، كتاب الحج)

(ولـو اخـر الـقـارن او الـمتمع) اى بخلاف المفرد (الذبح عن ايام النحر فعليه دم) عند ابى حنيفة ، لانـه واجب عنده، وسنة عندهما،وكذ الترتيب بين الحلق والذبح والرمى واجب عنده على القارن والـمتـمتـع ، وسـنة عندهما ، واما الترتيب المذكور فى حق المفرد، فسنة اتفاقا(مناسک ملا على قارى، ص۳۵۷،باب الجنايات، فصل الذبح والحلق)

[1] وصدقة الفطر مقدمة على الأضحية، وإن كانت الأضحية أيضا واجبة عندنا لكن صدقة الفطر متـفـق عـلى وجوبها، والأضحية وجوبها محل الاجتهاد فالمتفق على الوجوب أقوى(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع،ج۷ص ۳۷۲،كتاب الوصايا)

[2] ذهـب جـمـهـور الفقهاء ، ومنهم الشافعية والحنابلة، وهو أرجح القولين عند مالک، وإحدى روايتين عن أبى يوسف إلى أن الأضحية سنة مؤكدة .وهذا قول أبى بكر وعمر وبلال وأبى مسعود البـدرى وسـويـد بـن غـفـلة وسـعيـد بـن المسيب وعطاء وعلقمة والأسود وإسحاق وأبى ثور وابن الـمـنـذر .... وذهب أبو حنيفة إلى أنها واجبة .وهـذا الـمـذهـب هـو المروى عن محمد وزفر وإحدى الروايتين عن أبى يوسف .وبـه قـال ربيعة والليث بن سعد والأوزاعى والثورى ومالک فى أحد قوليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ۷۶، و۷۷، مادة "اضحية"، حكم الاضحية)

واختلف هل هى سنة أو واجبة؟ فقال مالک، والشافعى، وأحمد، وصاحبا أبى حنيفة :هى سنة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر جو شخص حج کر رہا ہو، اور وہ قربانی کے دنوں میں شرعاً مسافر ہو، تو اس پر حجِ قِران یا حجِ تمتع کی قربانی تو لازم ہے، لیکن وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسافر ہونے کی وجہ سے عیدالاضحیٰ کی قربانی کا مکلّف نہیں۔

البتہ اگر وہ قربانی کے دنوں میں شرعاً مقیم ہو، اور قربانی کے نصاب کا مالک بھی ہو، یعنی اس کے پاس وہاں حج کے اخراجات کے بعد اتنا مال ہو کہ وہ قربانی کے نصاب کے برابر ہو جاتا ہے، تو کیا وہ عیدُ الاضحیٰ کی قربانی کا بھی مکلّف ہے، یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بعض حنفی مشائخ کا کہنا یہ ہے کہ حجاجِ کرام کے حج کے اعمال میں مشغول ہونے کی وجہ سے جس طرح ان سے عید کی نماز معاف کی گئی ہے، اسی طرح ان سے عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی معاف ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مؤكدة .وقال أبو حنيفة :هى واجبة على المقيمين من أهل الأمصار، واعتبر فى وجوبها النصاب(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣ص١٠٧٧،باب فى الأضحية)

أما الوجوب فقول أبى حنيفة ومحمد وزفر والحسن وإحدى الروايتين عن أبى يوسف وعن أبى يوسف، إنها سنة وذكر الطحاوى إنها على قول أبى حنيفة واجبة، وعلى قول أبى يوسف ومحمد سنة مؤكدة(عمدة القارى،ج٢١ص١٤٤،كتاب الأضاحى،باب سنة الأضحية)

(الأضحية واجبة على كل حر مسلم مقيم موسر فى يوم الأضحى عن نفسه وعن ولده الصغار) أما الوجوب فقول أبى حنيفة ومحمد وزفر والحسن وإحدى الروايتين عن أبى يوسف رحمهم الله .

وعنه أنها سنة ، ذكره فى الجوامع وهو قول الشافعى .

وذكر الطحاوى أن على قول أبى حنيفة واجبة ، وعلى قول أبى يوسف ومحمد سنة مؤكدة ، وهكذا ذكر بعض المشايخ الاختلاف(الهداية شرح البداية ، ج٤ص٣٥٥،كتاب الأضحية)

[1] عن منصور ، عن إبراهيم ، قال :كان عمر يحج فلا يذبح شيئا حتى يرجع(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ١٤٣٩٤ ، كتاب المناسك، باب من رخص للحاج ان لا يضحى وماجاء فى ذلك)

عن منصور ، عن إبراهيم ، قال :كان أصحابنا يحجون ومعهم الأوراق والذهب ، فما يذبحون شيئا، وكانوا يتركونه مخافة أن يشغلهم عن شيء من المناسك(ايضاً ،رقم الحديث ١٤٣٩٦)

عن حماد بن أبى الدرداء ، عن مجاهد ، قال :ما نصلى هاهنا ، وما يضحى يوم النحر(ايضاً، رقم الحديث ١٤٣٩٨)

عن وبرة ؛ أن الأسود ، وعبد الرحمن بن يزيد كانا يحجان ، ولا يضحيان(ايضاً، رقم الحديث ١٤٣٩٩)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اکثر مشائخِ حنفیہ کے نزدیک اگر حج کرنے والا قربانی کے دنوں میں مقیم اور قربانی کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن بيان ؛ أن علقمة كان يحج ، ولا يضحى(ايضاً ،رقم الحديث ١٤٤٠٠)

عن أبى الزعراء ، عن أبى الأحوص ؛ أنه لم يكن يضحى فى الحج ، فلما كان أيام التشريق ، قال : اشتروا بقرة فقددوها نتزودها فى سفرنا(ايضاً ،رقم الحديث ١٤٤٠١)

عن وبرة بن عبد الرحمن ، عن شيخ من التيم ، قال :كنا مع سعد بمنى فلم يضح ، ثم أرسل إلى جيران له :أطعمونا من أضحيتكم(ايضاً ،رقم الحديث ١٤٤٠٢)

عن كليب بن وائل ، عن عمه قيس ، عن سعد ، بنحوه(ايضاً ،رقم الحديث ١٤٤٠٣)

عن الشعبى ، قال :حججت ثلاث حجج ، ما أهرقت دما(ايضاً،رقم الحديث ١٤٤٠٤)

حدثنا معن بن عيسى ، عن خالد ؛ أنه كان يكون مع سالم فى الحج ، فلا يضحى بمنى(ايضاً ،رقم الحديث ١٤٤٠٥)

عن أبى إسحاق ، عن عطاء ، ومجاهد قالا :قال ابن عباس :من حج فأهدى هديا ، رجع إلى أهله بحجة وعمرة(ايضاً، رقم الحديث ١٤٤٠٦)

(تنبيه)قال فى مبسوط السرخسى :ليس على أهل منى يوم النحر صلاة العيد لأنهم فى وقتها مشغولون بأداء المناسك، وتجوز لهم التضحية بعد انشقاق الفجر كما يجوز لأهل القرى اهـ.

ومن الظاهر أن أهل منى هم من بها من الحجاج وأهل مكة شرنبلالية أى أهل مكة المحرمين، ثم إن هذا صريح فى خلاف ما ذكره البيرى حيث قال :إن منى لا تجوز فيها الأضحية إلا بعد الزوال لأنها موضع تجوز فيه صلاة العيد إلا أنها سقطت عن الحاج ولم نر فى ذلك نقلا مع كثرة المراجعة، ولا صلاة العيد بمكة يوم النحر لأنا ومن أدركناه من المشايخ لم يصلها بمكة، والله أعلم ما السبب فى ذلك اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص٣١٨، كتاب الأضحية)

الأضحية غير واجبة على الحاج لا سيما المسافرين عندنا(مرقاة المفاتيح، ج٥ص١٨١٩،باب الهدى)

ولا على الحاج اذا كان محرماً وان كان من اهل مكة كذا فى الخزانة ولعل وجهه انه يجب على الحاج دم قران او متمتع ويستحب لهم دم افراد فيسقط عنهم دم الاضحية تخفيفا عليهم كما سقط عنهم صلاة العيد اجماعاً وكذا صلاة الجمعة بمنىٰ عند بعضهم .قال السنجارى فى منسكه: ولاتجب الاضحية على المسافر والحاج ،لان فيه الحاق المشقة بالمشقة ، وتجب على اهل مكة لعدم المشقة فيهم، ولعله اراد باهل مكة من لم يحج منهم ولايبعد انه اذا اراد عمومهم فقد قال الحدادى: واما اهل مكة فتجب عليهم وان كانوا حجوا، كذافى الكرخى،وذكر فى الخجندى : انها لاتجب على الحاج اذا كان محرما وان كان من اهل مكة (مناسكِ ملاعلى قارى، ص ٣٩٦، ٣٩٧، فصل فى احكام الدماء وشرائط جوازها)

قوله: كذافى "الخزانة" انه يوافقه ظاهر مافى "الاصل" للامام محمد رحمه الله ،نصه: قال ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم انه قال: الاضحى واجب على اهل الامصار ماخلا الحاج اهـ، وقال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نصاب کا مالک ہو، تو اس پر عیدُ الاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے (اور یہ قربانی حج تمتع یا قران کی قربانی سے علیحدہ ہے، جیسا کہ گزرا) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الاسبیجابی فی شرحہ علی "مختصر الطحاوی" والاضحیة انما تجب علی البالغین العاقلین الاحرار المقیمین ، ولاتجب علی المسافرین ، ولا علی الحاج اذا کان محرما من اهل مکة اهـ حباب (ارشاد الساری علی مناسک ملا علی القاری، حواله بالا)

(مسألة)إذا ثبت ذلک فإن الأضحیة علی أهل الآفاق وجمیع الناس قال ابن حبیب :صغیرهم وکبیرهم ذکورهم وإناثهم قال ابن المواز :الأحرار من أهل منی وغیرها والمقیم والمسافر فی ذلک سواء إلا الحاج خاصة فی ذلک بمنی فإنهم لا أضحیة علیهم ووجه ذلک أنه قربة فی المال من غیر الزکاة المفروضة فکانت عامة علی من وجدها کزکاة الفطر وأما الحاج بمنی فلیس علیهم أضاح قال ابن حبیب :وذبیحة الحاج هدی ولیست بأضحیة ولیس وجوبه کوجوب الضحایا ووجه ذلک أن الحاج لما کان نسکه شعارا وهو التلبیة کان نسکه بالذبح شعارا وهو التقلید والإشعار والأصل فی ذلک أن النبی -صلی الله علیه وسلم -قلد وأشعر ما ساقه فی حجه وعمرته وجعله هدیا ولم یضح بشیء منه (المنتقیٰ شرح المؤطا، ج۳ص ۱۰۰، کتاب الضحایا)

[1] وذکر فی الأصل وقال :ولا تجب الأضحیة علی الحاج؛ وأراد بالحاج المسافر فأما أهل مکة فتجب علیهم الأضحیة وإن حجوا؛ لما روی نافع عن ابن سیدنا عمر -رضی الله عنهما -أنه کان یخلف لمن لم یحج من أهله أثمان الضحایا لیضحوا عنه تطوعا ویحتمل أنه لیضحوا عن أنفسهم لا عنه فلا یثبت الوجوب مع الاحتمال(بدائع الصنائع، ج۵ص ۶۳، کتاب التضحیة، فصل فی شرائط وجوب فی الأضحیة)

ولا تجب علی الحاج المسافر فأما أهل مکة فإنها تجب علیهم وإن حجوا، وفی الخجندی لا تجب علی الحاج إذا کان محرما وإن کان من أهل مکة (الجوهرة النیرة، ج۲ص ۱۸۶،حکم الاضحیة)

وذکر فی الأصل أنه لا تجب الأضحیة علی الحاج وأراد بالحاج المسافر، وأما أهل مکة فیجب علیهم الأضحیة وإن حجوا کذا فی البدائع، وقال فی مبسوط السرخسی.

وفی الأصل قال هی واجبة علی أهل الأمصار ما خلا الحاج وأراد بأهل الأمصار المقیمین وبالحاج المسافرین فأما أهل مکة فعلیهم الأضحیة وإن حجوا اهـ قلت فما نقله فی الجوهرة عن الخجندی أنه لا تجب علی الحاج إذا کان محرما وإن کان من أهل مکة اهـ یحمل علی إطلاق الأصل ویحمل کما حمله علی المسافر اهـ(حاشیة الشرنبلالی علی درر الحکام شرح غرر الأحکام، ج۱ص ۲۶۵، کتاب الاضحیة))

وفی الأصل ذکر عن إبراهیم قال هی واجبة علی أهل الأمصار ما خلا الحاج وأراد بأهل الأمصار المقیمین وبالحاج المسافرین فأما أهل مکة فعلیهم الأضحیة وإن حجوا(المبسوط للسرخسی، ج۱۲ص۱۸، کتاب الذبائح، باب الاضحیة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور شافعیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کی قربانی حجاج کے حق میں بھی سنت ہے، اور حج کی قربانی، عیدالاضحیٰ کی قربانی سے الگ ہے۔

جبکہ مالکیہ کے نزدیک حاجی پر بہرحال قربانی نہیں ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فلا تجب على حاج مسافر :فأما أهل مكة فتلزمهم وإن حجوا، وقيل لا تلزم المحرم.(الدر المختار) (قوله فتلزمهم وإن حجوا) اقتصر عليه في البدائع وذلك لأنهم مقيمون (قوله وقيل لا تلزم المحرم) وإن كان من أهل مكة جوهرة عن الخجندي، وحمله في الشرنبلالية على المسافر وفيه نظر ظاهر (ردالمحتار، ج٦ص ٣١٥، كتاب الاضحية)

ويجب على القارن والمتمتع ط، وأما الأضحية فإن كان مسافرا فلا يجب عليه وإلا كالمكي فتجب كما في البحر (ردالمحتار، ج٢ص ٥١٥، كتاب الحج)

وإنما يجب على القارن والمتمتع، وأما الأضحية فإن كان مسافرا فلا أضحية عليه، وإلا فعليه كالمكي وقد ثبت في حديث جابر الطويل أنه -عليه السلام -ذبح بيده ثلاثا وستين بدنة وأمر عليا فذبح ما بقي وأشركه في هديه ثم أمر من كل بدنة ببضعة فجعلت في قدر فطبخت فأكلا من لحمها وشربا من مرقها ثم ركب إلى البيت فصلى بمكة الظهر قال ابن حبان والحكمة في أنه -صلى الله عليه وسلم -نحر ثلاثا وستين بدنة أنه كان له يومئذ ثلاث وستون سنة فنحر لكل سنة بدنة (البحرالرائق، ج٢ص ٣٧١، ٣٧٢، كتاب الحج، باب الاحرام)

ولا تجب على المسافرين ولا على الحاج إذا كان محرما، وإن كان من أهل مكة، كذا في شرح الطحاوي(الفتاوىٰ الهندية، ج٥ص ٢٩٣، كتاب الاضحية، الباب الاول)

ثم اعلم إن الدماء على أربعة أوجه منه ما يختص بالزمان والمكان وهو دم المتعة والقران ودم التطوع في رواية القدوري ودم الإحصار عندهما ، ومنه ما يختص بالمكان دون الزمان ، وهو دم الجنايات ، ودم الإحصار عنده ، والتطوع في رواية الأصل ومنه ما يختص بالزمان دون المكان ، وهو الأضحية ، ومنه ما لا يختص بالزمان ، ولا بالمكان ، وهو دم النذور عندهما وعند أبي يوسف دم النذور يتعين بالمكان (تبيين الحقائق، ج٢ص ٩٠، كتاب الحج، باب الهدى)

لأن الواجب دم التمتع وإلا الأضحية فليست بواجبة عليه؛ لأنه مسافر(البحر الرائق، ج٢ص٣٩٧، كتاب الحج، باب التمتع)

[1] وقد انفرد المالكية بذكر شرط لسنية التضحية، وهو ألا يكون الشخص حاجا، فالحاج لا يطالب بالتضحية شرعا، سواء ، أكان بمنى أم بغيرها، وغير الحاج هو المطالب بها، وإن كان معتمرا أو كان بمنى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٥ص ٨١، مادة "اضحية")

قال الشافعي رحمه الله في كتاب الضحايا من البويطي الأضحية سنة على كل من وجد السبيل من المسلمين من أهل المدائن والقرى وأهل السفر والحضر والحاج بمنى وغيرهم من كان معه هدى ومن لم يكن معه هدى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر کوئی حاجی عیدالاضحیٰ کی قربانی کرے، تو اسے عیدالاضحیٰ کی قربانی کا حرم کی حدود میں کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرم کی حدود سے باہر اور اس سے بڑھ کر اپنے وطن میں کرانا بھی جائز ہے، اور اگر کوئی حرم کی حدود میں کرے، تو بھی جائز ہے، کوئی گناہ نہیں۔

اور عیدالاضحیٰ اور حج کی قربانی میں فرق نیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ [1]

اور قربانی کی تعیین کی وجہ سے قربانی کی نیت کا ہونا بھی ضروری ہے، تا کہ اس نیت کے ذریعہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

هذا نصه بحروفه نقلته من نفس البويطى وهذا هو الصواب أن التضحية سنة للحاج بمنى كما هى سنة فى حق غيره (وأما) قول العبدرى الأضحية سنة مؤكدة على كل من قدر عليها من المسلمين من أهل الأمصار والقرى والمسافرين الا الحاج بمنى فإنه لا أضحية فى حقه لأن ما ينحر بمنى يكون هديا لا أضحية.

كما لا يخاطب بصلاة العيد بمنى من أجل حجه فهذا الذى استثناه العبدرى شاذ باطل مردود مخالف لنص الشافعى الذى ذكرناه بل مخالف لظاهر الأحاديث وقد صرح القاضى أبو حامد فى جامعه وغيره من أصحابنا بأن أهل منى كغيرهم فى الأضحية كما نص عليه الشافعى وثبت فى صحيح البخارى ومسلم أن النبى صلى الله عليه وسلم (ضحى فى منى عن نسائه بالبقر) والله أعلم(المجموع شرح المهذب، ج٨،ص ٣٨٣،باب الأضحية)

[1] الهدى :ما يذكى من الأنعام فى الحرم فى أيام النحر لتمتع أو قران، أو ترك واجب من واجبات النسك، أو فعل محظور من محظورات النسك، حجا كان أو عمرة، أو لمحض التقرب إلى الله تعالى تطوعا .ويشترك الهدى مع الأضحية فى أن كلا منهما ذبيحة، ومن الأنعام، وتذبح فى أيام النحر، ويقصد بها التقرب إلى الله تعالى .ويفترق الهدى ذو السبب عن الأضحية افتراقا ظاهرا، فإن الأضحية لا تقع عن تمتع ولا قران، ولا تكون كفارة لفعل محظور أو ترك واجب .وأما الهدى الذى قصد به التقرب المحض فإنه يشتبه بالأضحية اشتباها عظيما، لا سيما أضحية المقيمين بمنى من أهلها ومن الحجاج، فإنها ذبيحة من الأنعام ذبحت فى الحرم فى أيام النحر تقربا إلى الله تعالى، وكل هذه الصفات صفات للهدى فلا يفرق بينهما إلا بالنية، فما نوى به الهدى كان هديا، وما نوى به التضحية كان أضحية .فإن قيل :إن النية ليست نية ألفاظ، وإنما هى معان، فما هو المعنى الذى يخطر ببال الناوى، حين ينوى الهدى، وحين ينوى الأضحية حتى تكون النية فارقة بينهما؟ فالجواب :أن ناوى الهدى يخطر بباله الإهداء إلى الحرم وتكريمه، وناوى الأضحية يخطر بباله الذبح المختص بالأيام الفاضلة من غير ملاحظة الإهداء إلى الحرم .هذا.

والمالكية يرون أن الحاج لا يضحى كما سيأتى، فيكون الفرق عندهم بين هدى التطوع والأضحية ظاهرا، فإن ما يقوم به الحاج يكون هديا، وما يقوم به غير الحاج يكون أضحية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٥،ص ٧٤، وص ٧٥،مادة،أضحية)

سے یہ بات متعین ہوجائے کہ وہ کونسی قربانی کرنا چاہتا ہے، آیا کہ حج کی قربانی، یا عیدالاضحیٰ کی قربانی، یا اور کوئی دَم وغیرہ دینا چاہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان سب جانوروں کے ذبح کرنے میں فرق بنیادی طور پر نیت کا ہی ہوتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۱...... اگر کسی حجِ تمتع یا حجِ قِران کرنے والے نے حج کی قربانی کو عیدالاضحیٰ والی قربانی سمجھ کر ادا کیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی حج کی قربانی ادا نہیں ہوگی، کیونکہ عیدالاضحیٰ کی قربانی اور حج کی قربانی الگ الگ حیثیتوں کی حامل ہیں۔ [2]

---

[1] يشترط في المضحي لصحة التضحية ثلاثة شروط:
(الشرط الأول) : نية التضحية :لأن الذبح قد يكون للحم، وقد يكون للقربة، والفعل لا يقع قربة إلا بالنية، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرء ما نوى.
والمراد بالأعمال القربات، ثم إن القربات من الذبائح أنواع كثيرة، كهدى التمتع والقران والإحصار وجزاء الصيد وكفارة الحلف وغير ذلك من محظورات الحج والعمرة، فلا تتعين الأضحية من بين هذه القربات إلا بنية التضحية، وتكفى النية بالقلب دون التلفظ بها كما فى الصلاة، لأن الذبح كفت نيته ولا حاجة لنية الوكيل، بل لا حاجة لعلمه بأنها أضحية.
وقالوا أيضا :يجوز لصاحب الأضحية أن يفوض فى نية التضحية مسلما مميزا ينوى عند الذبح أو التعيين، بخلاف الكافر وغير المميز بجنون أو نحوه .وقال الحنابلة :إن الأضحية المعينة لا تجب فيها النية عند الذبح، لكن لو ذبحها غير مالكها بغير إذنه، ونواها عن نفسه عالما بأنها ملك غيره لم تجزء عنهما، أما مع عدم العلم فتجزء عن المالك ولا أثر لنية الفضولى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص ۸۹، مادة "اضحية " النوع الثانى :شرائط ترجع إلى المضحى)

[2] امرأة تمتعت فضحت بشاة لم تجزها من المتعة والله أعلم(الجامع الصغير مع النافع الكبير، ج ا ص ۱۶۰، باب التمتع)
قوله لم تجزها من المتعة لأنه وجب عليها الدم بسبب التمتع والاضحية غير هذا الدم فلا يسقط بها عنها هذا الدم(النافع الكبير ، ج ا ص ۱۶۰ ، باب التمتع)
(ولو تمتع وضحى لم يجزء عن المتعة) ؛ لأنه أتى بغير ما عليه ؛ لأن دم التمتع غير الأضحية فلا ينوب أحدهما عن الآخر ، ولو تحلل يجب عليه دمان دم المتعة ، ودم التحلل قبل الذبح على ما بينا فى القران ، وذكر المسألة فى الجامع الصغير وأوردها فى المرأة ؛ لأن الجهل عليهن أغلب ، أو لأنها واقعة امرأة فنقلها أبو يوسف لمحمد كما سمعها من أبى حنيفة وكذا محمد -رحمه الله - نقلها كما سمعها من أبى يوسف(تبيين الحقائق، ج۲ص ۱۵۱، باب التمتع)
فلو ظن ذبحه ففعل كالحلال فظهر أنه لم يذبح أو ذبح فى حل لزمه جزاء ما جنى (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲، ص ۵۹۲، کتاب الحج، باب الاحصار)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر مذکورہ صورت میں اس نے حج کی قربانی سے پہلے سر کے بال منڈایا کٹا لئے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر حج کی قربانی کے علاوہ ایک اور دم بھی ترتیب کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے لازم ہوجائے گا، اور حج کی قربانی ذمہ میں پھر بھی باقی رہے گی۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے فقہائے کرام اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں، لہٰذا ان کے نزدیک اس ترتیب کی خلاف ورزی کی وجہ سے کوئی اور دَم واجب نہیں ہوگا، اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله ولم تنب الأضحية عنه) لأنه أتى بغير الواجب عليه، إذ لا أضحية على المسافر ولم ينو دم التمتع، والتضحية إنما تجب بالشراء بنيتها أو الإقامة ولم يوجد واحد منهما، وعلى فرض وجوبها لم تجز أيضا لأنهما غيران، فإذا نوى عن أحدهما لم يجز عن الآخر معراج الدراية .قال فى النهر : وفيه تصريح باحتياج دم المتعة إلى النية، قال فى البحر :وقد يقال :إنه ليس فوق طواف الركن ولا مثله، وقد مر أنه لو نوى به التطوع أجزأه، فينبغى أن يكون الدم كذلك بل أولى .اهـ

وأجاب فى الشرنبلالية بأن الطواف لما كان متعينا فى أيام النحر وجوبا كان النظر لإيقاع ما طافه عنه وتلغو نية غيره .وأما الأضحية فهى متعينة فى ذلك الزمن كالمتعة فلا تقع الأضحية مع تعينها عن غيرها اهـ والمراد بتعينها تعين زمنها لا وجوبها، حتى يرد عليه أنها لا تجب على المسافر؛ يعنى أن الأضحية لا تسمى أضحية إلا إذا وقعت فى أيام النحر وكذا دم المتعة فلما كان زمنها متعينا وقد نواها أضحية فلا تقع عن دم المتعة، بخلاف الطواف فإن التطوع به غير مؤقت، فإذا كان عليه طواف مؤقت ونوى به غيره ينصرف إلى الواجب المؤقت لأنه يمكنه التطوع بعده، وكذا لو نوى طوافا آخر واجبا ينصرف إلى الذى حضر وقته ووجب فيه ويلغو الآخر مراعاة للترتيب؛ كما لو نوى القارن بطوافه الأول القدوم يقع عن العمرة كما مر فافهم.

وأجاب الرحمتى بأن الدم ليس من أفعال الحج والعمرة، ولذا لم يجب على المفرد بأحدهما بل وجب شكرا على المتمتع بهما فلم يكن داخلا تحت نية الحج والعمرة، فلا بد له من النية والتعيين، فلو نوى غيره لا يجزى كما لو أطلق النية، بخلاف الأطوفة فإنها من أعمالهما داخلة تحت إحرامها فتجزء بمطلق النية(ردالمحتار، ج ۲ ص ۵۳۸، باب التمتع)

[1] پھر اگر اس شخص نے مذکورہ صورت میں قربانی کے دنوں میں (یعنی بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے تک) حج کی قربانی ادا نہیں کی، تو بعض حضرات کی تصریح کے مطابق مذکورہ صورت میں حج کی قربانی کے بارہ ذی الحجہ سے مؤخر ہوجانے کی وجہ سے ترتیب کی خلاف ورزی والے دَم کے علاوہ ایک اور دَم بھی واجب ہوگا، جو قربانی سمیت چوتھا دَم ہوگا (ملاحظہ ہو: احسن الفتاویٰ، ج۴ ص ۵۷۸، کتاب الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال حجاج کرام میں اس چیز کی تبلیغ کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے کہ حج کی قربانی اور عیدُ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لیکن پیچھے مشائخِ حنفیہ کی یہ تصریح گزر چکی ہے کہ صاحبین کے نزدیک دمِ تمتع وقِران کے ایامِ نحر سے مؤخر کرنے پر دَم واجب نہیں، لہٰذا صاحبین کے نزدیک جس طرح ترتیب کی خلاف ورزی سے دَم واجب نہیں ہوگا، اسی طرح دمِ تمتع ودمِ قِران کو ایامِ نحر سے مؤخر کرنے پر بھی دَم واجب نہیں ہوگا، کیونکہ حج کی قربانی وقت گزرنے پر بھی واجب رہتی ہے، اور وہ عام ذی الحجہ کی قربانی کی طرح صدقہ نہیں بن جاتی، فافترقا، اور اس طرح صاحبین کے نزدیک اگر کسی نے دمِ تمتع یا دمِ قِران کو عام قربانی کی نیت سے ذبح کیا، تو اس سے اس کا دمِ قِران یا دمِ تمتع تو ادا نہیں ہوگا، اور وہ بدستور ذمہ میں واجب رہے گا، اور اس کے علاوہ مزید کوئی دَم واجب نہیں ہوگا۔

اور مالکیہ کے نزدیک چونکہ حج کرنے والے پر سرے سے اضحیہ نہیں ہے، اور حاجی جو جانور دمِ جبر کے علاوہ ذبح کرتا ہے، وہ ہدی ہوتا ہے، اس لئے اُن کے نزدیک اُمید ہے کہ مذکورہ صورت میں قربانی کی نیت سے ذبح کیے جانے والا یہ جانور حج کی قربانی کی طرف سے کفایت کرجائے، اور کوئی مزید دَم واجب نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(قوله :لأنه أتى بغير ما عليه) وذلك ؛ لأن دم المتعة واجب ، والأضحية ليست بواجبة على الحاج ؛ لأنه لا أضحية على المسافر .ا هـ .أتقاني (قوله :لأن دم التمتع غير الأضحية) قال الفقيه أبو الليث :ولو كان الرجل جاهلا ، ونوى عن الأضحية ولو كان متمتعا ، وحلق رأسه فإن تلك الشاة لا تجوز عن المتعة كما قال فى المرأة لكن لما لم يجزها عن المتعة يجب عليها دمان سوى ما ذبحت دم المتعة الذى كان واجبا ، ودم آخر ؛ لأنها قد حلت قبل الذبح .ا هـ .أتقاني(حاشية الشرنبلالي على التبيين، ج٢ص ٥١، باب التمتع)

(قوله ولو تمتع وضحى لم يجزه عن المتعة) ؛ لأنه أتى بغير الواجب لأن الواجب دم التمتع وإلا الأضحية فليست بواجبة عليه؛ لأنه مسافر أطلقه فشمل الرجل والمرأة، وإنما وضع محمد المسألة فى المرأة إما لأنها واقعة امرأة، وإما لأن هذا إنما يشتبه على المرأة؛ لأن الجهل فيها أغلب فإذا لم يجز عن المتعة فإن كان تحلل بناء على جهله لزمه دمان دم التمتع ودم التحلل قبل أوانه وإلا فدم التمتع وقد استفيد من هذا أن دم التمتع يحتاج إلى النية، وقد يقال إنه ليس فوق طواف الركن ولا مثله وقد قدمنا أنه لو نوى به التطوع أجزأه عن الركن فينبغي أن يكون الدم كذلك بل أولى(البحر الرائق، ج٢ص٣٩٧،٣٩٨، باب التمتع)

(قوله وقد استفيد من هذا إلخ) أى حيث لم تجزه الأضحية عن المتعة وقد ذكر فى النهر التصريح بهذا المستفاد عن الدراية.(قوله وقد يقال إلخ) ذكر فى الشرنبلالية مثله قبل رؤيته لما ذكره المؤلف ثم قال لكنه قد يقال لما كان طواف الركن متعينا فى أيام النحر وجوبا كان النظر لإيقاع ما طافه عنه وتلغو نية غيره، وأما الأضحية فهى متعينة فى ذلك الزمن كالمتعة فلا تقع الأضحية مع تعينها عن غيرها اهـ .واعترض بأنه إن أراد أن الأضحية متعينة فى حق غير ذلك المتمتع فمسلم ولا كلام فيه وإن أراد أنها متعينة فى حقه أيضا فلا يسلم إذ هى غير واجبة عليه لكونه مسافرا، أما المتعة فهى متعينة عليه فساوت الطواف اهـ.

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

الاضحیٰ کی قربانی الگ الگ ہوتی ہیں، اوران کے احکام بھی کئی چیزوں میں جُدا جُدا ہیں، تاکہ وہ کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہیں۔

مسئلہ نمبر۱۲...... اپنے حجِ تمتع وحجِ قِران اور اسی طرح عیدالاضحیٰ کی قربانی کے لئے کسی دوسرے کونمائندہ ونائب مقرر کرنا جائز ہے۔

آج کل حکومتِ سعودیہ کی طرف سے حجاجِ کرام کی حج کی قربانیاں کرنے کا وسیع پیمانے پر انتظام کیا جاتا ہے، جس کے لئے حجاجِ کرام سے مخصوص رقم وصول کرلی جاتی ہے، بلکہ آج کل حکومتِ سعودیہ کی طرف سے حجاجِ کرام سے اس غرض کے لئے پہلے ہی جبری طور پر حج کے اخراجات کے ساتھ رقم وصول کرلی جاتی ہے۔

اگر کسی حاجی کوخود سے یا ترتیب کی رعایت کراتے ہوئے کسی اور نمائندہ کے ذریعہ سے قربانی کرنا مشکل ہو، یا اس سے قربانی کے لئے جبری طور پر رقم وصول کرلی جائے، تو اس کو حکومتی انتظامات کے تحت حج کی قربانی کرانا جائز ہے، البتہ اس صورت میں دس ذی الحجہ کی رَمی، قربانی اور بال منڈانے یا کٹانے کی ترتیب پرعمل مشکل ہوتا ہے، لیکن اگر اس ترتیب کوسنت قرار دیا جائے، تو پھر دَم لازم آئے بغیر حج کی قربانی ادا ہوسکتی ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ بہت سے فقہائے کرام اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ ترتیب واجب نہیں ہے، بلکہ سنت ہے، جس کے سنت ہونے کے دلائل بھی معقول اور ہمارے نزدیک راجح ہیں، لہٰذا بوقتِ ضرورت اس پرعمل کرنے کی گنجائش ہے، جس کی تفصیل

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فالأولى ما أجاب به بعضهم أن طواف الركن لما كان الوقت متعينا له لا يسع غيره أجزأته نية التطوع بخلاف دم التمتع ولا يخفى أن هذا غير ما فى الشرنبلالية ولا يرد عليه الاعتراض المار خلافا لما زعمه المعترض(منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲ ص۳۹۸، باب التمتع)

والمالكية يرون أن الحاج لا يضحى كما سيأتى، فيكون الفرق عندهم بين هدى التطوع والأضحية ظاهرا، فإن ما يقوم به الحاج يكون هديا، وما يقوم به غير الحاج يكون أضحية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵،ص ۷۴، وص ۷۵،ماده،أضحية)

ہم نے آگے مستقل عنوان کے تحت ذکر کردی ہے۔ [1]

حج کی قربانی کی قدرت نہ ہونے پر روزوں کا حکم

اگر حجِ تمتع یا حجِ قِران کرنے والے کو حج کی قربانی کرنے کی استطاعت وقدرت نہ ہو، تو قربانی کی جگہ دس روزے رکھنے کا حکم ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (سورة البقرة، رقم الآية ۱۹۶)

ترجمہ: پس جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے، تو اسے جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے، پھر جو شخص قربانی نہ پائے، تو اسے تین دن حج میں روزے رکھنا ہے، اور سات اس وقت جب تم (حج کر کے) لوٹ جاؤ، یہ پورے دس ہیں، یہ حکم اس کے لئے ہے کہ جس کے گھر والے مسجدِ حرام کے پاس نہ رہتے ہوں (سورہ بقرہ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی حجِ تمتع یا حجِ قِران کرنے والا حج کی قربانی پر قادر نہ ہو، تو اسے خاص طریقہ پر دس روزے رکھنا چاہیے۔

---

[1] ترتیب کے مسنون ہونے کے دلائل سے قطع نظر آج کل حجاجِ کرام کو منیٰ میں جا کر جانور کی خریداری اور ذبح وغیرہ کے عمل میں غیر معمولی مشکلات پیش آتی ہیں، اور منیٰ کے علاوہ حرم کے دیگر عام مقامات پر حکومت کی طرف سے جانور ذبح کرنے کی قانونی اجازت نہیں۔

نیز جب حکومتِ سعودیہ کی طرف سے ترتیب کے مسنون ہونے کا حکم آ گیا، اور قربانی کے لئے جبری رقم بھی حجاج سے حاصل کی جانے لگی، تو حکمِ حاکم کے رافعِ اختلاف ہونے کے پہلو سے بھی حنفیہ کے قواعد کے مطابق ترتیب کے عدمِ وجوب کی گنجائش نکل سکتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

آگے اس بارے میں کچھ مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... اگر کسی حجِ تمتع یا حجِ قِران کرنے والے شخص کو تنگ دستی وناداری کی وجہ سے حج کی قربانی کرنے کی قدرت نہ ہو۔

مثلاً قربانی کا جانور دستیاب نہ ہو، یا اس کی قیمت کا انتظام نہ ہو، یا قربانی کا جانور بازاری قیمت کے مقابلہ میں بہت مہنگی قیمت پر دستیاب ہو، تو اس پر حجِ تمتع یا حجِ قِران کی قربانی واجب نہیں ہوتی، اور اس کی قربانی کا حکم دس روزے رکھنے کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲...... جو شخص حجِ تمتع یا حجِ قِران کی قربانی پر قادر نہ ہو، تو اسے قربانی کے بجائے دس روزے اس ترتیب وتفصیل کے ساتھ رکھنا چاہئے کہ تین روزے تو دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے رکھ لے، خواہ لگاتار یا وقفہ ڈال کر۔

اور ان تین روزوں کے رکھنے میں مستحب طریقہ یہ ہے کہ حج کا احرام سات ذی الحجہ سے پہلے باندھ کر دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے یہ تین روزے رکھ لے۔

اور اگر حجِ تمتع کرنے والا اپنے وطن سے آتے وقت عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے کسی بھی وقت یہ تین روزے رکھ لے، تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک تب بھی جائز ہوجاتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] بدل الهدى: اتفق الفقهاء على أن المتمتع إذا لم يجد الهدى بأن فقده أو ثمنه أو وجده بأكثر من ثمن مثله، ينتقل إلى صيام ثلاثة أيام فى الحج، وسبعة إذا رجع؛ وذلك لقوله تعالى :(فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجعتم تلك عشرة كاملة)

وتعتبر القدرة فى موضعه، فمتى عدمه فى موضعه جاز له الانتقال إلى الصيام وإن كان قادرا على الهدى فى بلده.

هذا ولا يلزم التتابع فى الصيام بدل الهدى عند الفقهاء .قال ابن قدامة :لا نعلم فيه مخالفا .ويندب تتابع الثلاثة، وكذا السبعة عند بعض الفقهاء منهم الشافعية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۲، ۱۳ ،مادة "تمتع")

[۲] اور شافعیہ کے نزدیک یومِ عرفہ سے پہلے پہلے تین روزوں کو رکھ لینا مستحب ہے۔

پھر مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اور امام زفر کے قول کے مطابق ان تین یا ان میں سے ایک روزہ کو بھی حج کے احرام سے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور باقی ماندہ سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھے جائیں گے، خواہ مکہ یا حرم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مقدم کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تین روزے حج میں رکھنے کا حکم دیا ہے، اور حج کے احرام سے پہلے حج شروع نہیں ہوتا، نیز روزہ بدنی عبادت ہے، لہٰذا اس کو اپنے وقتِ وجوب سے پہلے رکھنا جائز نہیں، جیسا کہ دوسرے واجب روزہ کا حکم ہے۔

جمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والحنابلة على أن الوقت المختار لصيام الثلاثة هو أن يصومها ما بين إحرامه بالحج ويوم عرفة، ويكون آخر أيامها يوم عرفة، وعلى ذلك يستحب له تقديم الإحرام بالحج قبل يوم التروية ليكمل الثلاثة يوم عرفة؛ لأن الصوم بدل الهدى فيستحب تأخيره إلى آخر وقته رجاء أن يقدر على الأصل.

ويستحب عند الشافعية أن يكون الثلاثة قبل يوم عرفة؛ لأن صوم يوم عرفة بعرفة غير مستحب.

ولا يجوز تقديم الثلاثة أو يوم منها على الإحرام بالحج عند المالكية والشافعية، وهو قول زفر من الحنفية لقوله تعالى :(فصيام ثلاثة أيام فى الحج)ولأن الصوم عبادة بدنية فلا يجوز تقديمها على وقت وجوبها كسائر الصيام الواجب؛ ولأن ما قبله لا يجوز فيه الدم فلم يجز بدله.

وذهب الحنفية والحنابلة إلى جواز تقديم الثلاثة على الإحرام بالحج بعد الإحرام بالعمرة، وفى رواية عن أحمد إذا حل من العمرة .والدليل على ذلك أن إحرام العمرة أحد إحرامى التمتع فجاز الصوم بعده كإحرام الحج .وأما قوله تعالى :(فصيام ثلاثة أيام فى الحج)فالمراد به وقته أو أشهر الحج؛ لأن نفس الحج -وهى أفعال معلومة -لا يصلح أن يكون ظرفا لفعل آخر وهو الصوم.

وأما تقديم الصوم على إحرام العمرة فلا يجوز اتفاقا لعدم وجود السبب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص۱۳ ،مادة "تمتع")

ووقت صوم الأيام الثلاثة(عند الشافعية)بعد الإحرام بالحج، للآية :(فصيام ثلاثة أيام فى الحج)فلا يجوز تقديمها على الإحرام بخلاف الدم؛ لأن الصوم عبادة بدنية، فلا يجوز تقديمها على وقتها كالصلاة، والدم عبادة مالية فأشبه الزكاة(الفقه الاسلامى وادلتہ، ج۳ص۲۲۸۷، الباب الخامس الحج والعمرة، المبحث الثامن)

فصل :ولكل واحد من صوم الثلاثة والسبعة وقتان؛ وقت جواز، ووقت استحباب .فأما وقت الثلاثة، فوقت الاختيار لها أن يصومها ما بين إحرامه بالحج ويوم عرفة، ويكون آخر الثلاثة يوم عرفة .قال طاوس :يصوم ثلاثة أيام، آخرها يوم عرفة.

وروى ذلك عن عطاء ، والشعبى، ومجاهد، والحسن، والنخعى، وسعيد بن جبير، وعلقمة، وعمرو بن دينار، وأصحاب الرأى .وروى ابن عمر، وعائشة، أن يصومهن ما بين إهلاله بالحج ويوم عرفة .وظاهر هذا أن يجعل آخرها يوم التروية .وهو قول الشافعى؛ لأن صوم يوم عرفة بعرفة غير مستحب .وكذلك ذكر القاضى، فى "المحرر ."والمنصوص عن أحمد الذى وقفنا عليه مثل قول الخرقى، أنه يكون آخرها يوم عرفة، وهو قول من سمينا من العلماء ، وإنما أحببنا له صوم يوم عرفة هاهنا، لموضع الحاجة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میں رکھ لے یا مدینہ منورہ یا کسی اور جگہ جا کر یا پھر اپنے گھر واپس آنے کے بعد رکھ لے، سب طرح جائز ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعلى هذا القول يستحب له تقديم الإحرام بالحج قبل يوم التروية؛ ليصومها فى الحج، وإن صام منها شيئا قبل إحرامه بالحج جاز. نص عليه. وأما وقت جواز صومها فإذا أحرم بالعمرة. وهذا قول أبى حنيفة. وعن أحمد أنه إذا حل من العمرة.
وقال مالك، والشافعى: لا يجوز إلا بعد إحرام الحج. ويروى ذلك عن ابن عمر. وهو قول إسحاق، وابن المنذر؛ لقول الله تعالى: (فصيام ثلاثة أيام فى الحج)ولأنه صيام واجب، فلم يجز تقديمه على وقت وجوبه، كسائر الصيام الواجب. ولأن ما قبله وقت لا يجوز فيه المبدل، فلم يجز البدل، كقبل الإحرام بالعمرة. وقال الثورى، والأوزاعى: يصومهن من أول العشر إلى يوم عرفة.
ولنا، أن إحرام العمرة أحد إحرامى التمتع، فجاز الصوم بعده، كإحرام الحج. فأما قوله: (فصيام ثلاثة أيام فى الحج)فقيل: معناه فى أشهر الحج، فإنه لا بد من إضمار، إذ كان الحج أفعالا لا يصام فيها، إنما يصام فى وقتها، أو فى أشهرها. فهو فى قول الله تعالى: (الحج أشهر)
وأما تقديمه على وقت الوجوب، فيجوز إذا وجد السبب، كتقديم الكفارة على الحنث، وزهوق النفس. وأما كونه بدلا، فلا يقدم على المبدل، فقد ذكرنا رواية فى جواز تقديم الهدى على إحرام الحج، فكذلك الصوم. وأما تقديم الصوم على إحرام العمرة، فغير جائز. ولا نعلم قائلا بجوازه، إلا رواية حكاها بعض أصحابنا عن أحمد، وليس بشىء؛ لأنه لا يقدم الصوم على سببه ووجوبه، ويخالف قول أهل العلم. وأحمد ينزه عن هذا(المغنى لابنِ قدامة، ج۳ص۴۱۷، ۴۱۸،فصل لكل واحد من صوم الثلاثة والسبعة وقتان وقت جواز ووقت استحباب)
وإن لم يجدفصيام ثلاثة أيام فى الحج أى فى وقت الحج، حتى لو صام بعدما أحرم بالعمرة فى أشهر الحج جاز عندنا(المحيط البرهانى، ج۲ص۴۶۹،كتاب المناسك،الفصل العاشر)
وإنما يذبح فى أيام النحر ويذبح فى الحرم فإن كان معسرا ولم يجد الهدى فإنه يصوم ثلاثة أيام قبل يوم عرفة بعد إحرام العمرة والأفضل أن تكون ثلاثة أيام آخرها يوم عرفة(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج۱ص۴۱۲، باب الاحرام)
[۱] ثانيا -صيام الأيام السبعة :يصوم المتمتع سبعة أيام إذا رجع من الحج ليكمل العشرة، لقوله تعالى :(وسبعة إذا رجعتم) والأفضل أن يصوم السبعة بعد رجوعه إلى أهله؛ لما روى ابن عمر أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :فمن لم يجد هديا فليصم ثلاثة أيام فى الحج وسبعة إذا رجع إلى أهله .ويجوز صيامها بمكة بعد فراغه من الحج عند جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية والحنابلة) وهو قول عند الشافعية، إذ المراد من الرجوع الفراغ من الحج؛ لأنه سبب الرجوع إلى أهله، فكان الأداء بعد السبب.
وقال الشافعية فى الأظهر :لا يجوز صيامها إلا بعد الرجوع إلى وطنه وأهله لقوله تعالى :(وسبعة إذا رجعتم)فلا يجوز صومها فى الطريق أو فى مكة إلا إذا أراد الإقامة بها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ص۱۴،مادة "تمتع")

مسئلہ نمبر۳۳...... حجِ تمتع یا حجِ قِر ان کی قربانی کے بدلہ میں رکھے جانے والے روزوں میں طلوعِ فجر سے پہلے روزہ کی نیت کرنا ضروری ہے، دن کے وقت میں نیت کرنا درست نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۳۴...... اگر کوئی حجِ تمتع یا حجِ قِر ان کرنے والا حج کی قربانی پر قادر نہیں تھا، جس کی وجہ سے اس کو تین روزے دس ذی الحجہ سے پہلے اور سات روزے حج کے بعد رکھنے کا حکم تھا۔

مگر وہ دس ذی الحجہ سے پہلے تین روزے نہیں رکھ سکا، تو پھر حنفیہ کے نزدیک اس کو روزے رکھنا جائز نہیں ہوتا، بلکہ بہر حال حج کی قربانی کرنا ہی ضروری ہو جاتا ہے، خواہ وہ کسی بھی طرح جدو جہد کر کے حج کی قربانی کرے۔

جبکہ شافعیہ کے نزدیک حج کے دن گزرنے کے بعد بھی یہ تین روزے رکھے جا سکتے ہیں، بلکہ مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق ایامِ منیٰ (یعنی گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ) میں بھی ان تین روزوں کو رکھنا جائز ہے۔ [2]

---

[1] قوله" :وتبييتها "فلو نوى تلك الصيامات نهارا كان تطوعا وإتمامه مستحب ولا قضاء بإفطاره والتبييت فى الأصل كل فعل دبر ليلا قهستانى قوله " :وصوم التمتع والقران "بالرفع عطفا على قوله قضاء رمضان وذلك لأن الصوم بدل عن الدم الواجب فيهما وهو دم شكر للتوفيق لإداء النسكين(حاشية الطحطاوى على المراقى، ج ا ص ۶۴۵، كتاب الصوم)

[2] وإن فاته الصوم حتى أتى يوم النحر صام أيام منى عند المالكية -وهو الظاهر عند الحنابلة - وقال الشافعية :وهو رواية أخرى عند الحنابلة يصومها بعد أيام التشريق؛ لأنه صوم مؤقت فيقضى، والأظهر عندهم أن يفرق فى قضائها بينها وبين السبعة بقدر أربعة أيام (يوم النحر وأيام التشريق) ومدة إمكان السير إلى أهله على العادة الغالبة. وقال الحنفية :لا يجزئه إلا الدم، لنهى النبى صلى الله عليه وسلم عن الصوم فى هذه الأيام؛ ولأن الصوم بدل عن الهدى ولا نظير له فى الشرع؛ ولأن الإبدال ثبت شرعا على خلاف القياس؛ لأنه لا مماثلة بين الدم والصوم فلا يثبت إلا بإثبات الشارع، والنص خصه بوقت الحج، فإذا فات وقته فات هو أيضا فيظهر حكم الأصل وهو الدم على ما كان(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص ۱۴ ،مادة " تمتع ")

فإن لم يصم الثلاثة لم يجزه إلا الدم (المختار مع شرحه الاختيار، ج ا ص ۱۵۸ ،باب التمتع)

قال أصحابنا واذ فات صوم الثلاثة فى الحج لزمه قضاؤها ولا دم عليه وخرج ابن سريج وأبو اسحق المروزى قولا أنه يسقط الصوم ويستقر الهدى فى ذمته حكاه الشيخ أبو حامد والماوردى وآخرون عن أبى اسحق وحكاه المحاملى وابن الصباغ وآخرون عن ابن سريج وحكاه صاحب البيان وآخرون عنهما والمذهب الأول(المجموع شرح المهذب، ج۷ص ۱۸۶، ۱۸۷، كتاب الحج)

کیونکہ بعض احادیث وروایات سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ [1]

خلاصہ یہ کہ جس نے حجِ تمتع یا حجِ قِران کی قربانی کے بدلہ میں تین روزے دس ذی الحجہ سے پہلے نہیں رکھے، تو مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ان کو بعد میں قضاء کرنا جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک قضاء کرنا جائز نہیں، بلکہ حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں دَمِ تمتع یا دَمِ قِران جو بھی ہو، وہ متعین ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] عن عروة، عن عائشة، وعن سالم، عن ابن عمر رضى الله عنهم، قالا :لم يرخص فى أيام التشريق أن يصمن، إلا لمن لم يجد الهدى(بخارى،رقم الحديث ١٩٩٧)

عن عروة ,عن عائشة ,قالت :لم يرخص فى صوم أيام التشريق إلا لمتمتع لم يجد الهدى .إسناد صحيح(سنن الدارقطنى،رقم الحديث ٢٢٨٣)

عن عروة ,عن عائشة رضى الله عنها ,وعن سالم ,عن ابن عمر رضى الله عنهما قالا : لم يرخص رسول الله صلى الله عليه وسلم فى صوم أيام التشريق إلا لمحصر أو متمتع (شرح معانى الآثار،رقم الحديث ٤٠٩٢)

عن عروة ,عن عائشة ,قالت :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ,يقول :من لم يكن معه هدى فليصم ثلاثة أيام قبل يوم النحر ,ومن لم يكن صام تلك الثلاثة الأيام فليصم أيام التشريق ,أيام منى .يحيى بن أبى أنيسة ضعيف(سنن الدارقطنى،رقم الحديث ٢٢٨٦)

عن على ، قال :إن فاته الصوم فى العشر تسحر ليلة الحصبة ، فصام ثلاثة أيام ، وسبعة إذا رجع(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ١٣١٤٩، باب من رخص فى الصوم ولم ير عليه هديا)

عن ابن عمر ، قال :من فاته ثلاثة أيام فى الحج ، فليصم أيام التشريق ، فإنهن من الحج (ايضاً، رقم الحديث ١٣١٥٠)

[2] المطلب الثالث:الصيام.

أولا :من كفر بالصيام يراعى فيه أحكام الصيام ولا سيما تبييت النية بالنسبة للواجب غير المعين (ر :صوم)

ثانيا :الصيام المقرر جزاء عن المحظور لا يتقيد بزمان ولا مكان ولا تتابع اتفاقا، إلا الصيام لمن عجز عن هدى القران والتمتع، فإنه يصوم ثلاثة أيام فى الحج، وسبعة إذا رجع إلى أهله .فلا يصح صيام الأيام الثلاثة قبل أشهر الحج، ولا قبل إحرام الحج والعمرة فى حق القارن، ولا قبل إحرام العمرة فى حق المتمتع اتفاقا.

أما تقديمها للمتمتع على إحرام الحج فمنعه المالكية والشافعية لقوله تعالى (فصيام ثلاثة أيام فى الحج) وأجازه الحنفية والحنابلة لأنه كما قال ابن قدامة " :وقت كامل جاز فيه نحر الهدى، فجاز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر کوئی شخص حج کی قربانی پر قادر نہ ہو، اور وہ دس ذی الحجہ سے پہلے کسی عذر کی وجہ سے تین روزے نہ رکھ سکے، تو ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ دوسرے فقہائے کرام کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کو بعد میں یہ روزے رکھ لینے کی گنجائش ہے۔ ؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيه الصيام، كبعد إحرام الحج .ومعنى قوله تعالى (فى الحج) أى فى وقته ."

وأما الأيام السبعة الباقية على من عجز عن هدى القران والتمتع، فلا يصح صيامها إلا بعد أيام التشريق، ثم يجوز صيامها بعد الفراغ من أفعال الحج، ولو فى مكة، إذا مكث بها، عند الحنفية والمالكية والحنابلة.والأفضل المستحب أن يصومها إذا رجع إلى أهله، وهو قول عند الشافعية، لكن الأظهر عند الشافعية أنه يصوم الأيام السبعة إذا رجع إلى أهله، ولا يجوز أن يصومها فى الطريق، إلا إذا أراد الإقامة بمكة صامها بها.

والدليل للجميع قوله تعالى :(وسبعة إذا رجعتم)فحمله الشافعي على ظاهره، وقال غيرهم :إن الفراغ من الحج هو المراد بالرجوع، فكأنه بالفراغ رجع عما كان مقبلا عليه.

ثالثا :من فاته أداء الأيام الثلاثة فى الحج يقضيها عند الثلاثة، ويرجع إلى الدم عند الحنفية ، لا يجزيه غيره .وهو قول عند الحنابلة.

ثم عند المالكية، وهو قول عند الحنابلة :إن صام بعضها قبل يوم النحر كملها أيام التشريق، وإن أخرها عن أيام التشريق صامها متى شاء ، وصلها بالسبعة أو لا.

ولم يجز الشافعية والحنابلة فى القول الآخر عندهم صيامها أيام النحر والتشريق، بل يؤخرها إلى ما بعد.

ويجب عند الشافعية فى الأظهر فى قضاء الأيام الثلاثة " :أن يفرق فى قضائها بينها وبين السبعة بقدر أربعة أيام، يوم النحر وأيام التشريق، ومدة إمكان السير إلى أهله، على العادة الغالبة، كما فى الأداء ، فلو صام عشرة أيام متتالية حصلت الثلاثة، ولا يعتد بالبقية لعدم التفريق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢،ص ١٩۴، ١٩۵،مادة " إحرام ")

؎ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حج کرنے والا ایسے وقت قربانی کرنے سے معذور ہو جاتا ہے کہ جب دس ذی الحجہ سے پہلے تین روزے رکھنے کا موقع نہیں ہوتا، یا مثلاً دس ذی الحجہ یا اس کے بعد معذور ہو جاتا ہے، مثلاً قربانی کے لئے لیا ہوا جانور چوری یا گم ہو جاتا ہے، یا اچانک کسی چوری وغیرہ کے حادثہ کی وجہ سے رقم ضائع ہو جاتی ہے، اب اگر ایسی صورت میں دَم ہی لازم کیا جائے، تو اس حکم پر عمل کرنا انتہائی مشکل کام ہوتا ہے، اور بعض آثار سے بھی بعد میں یہ تین روزے رکھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بھی اس کی گنجائش موجود ہے۔

لہٰذا ہمارا ذاتی رجحان اس مسئلہ میں جمہور فقہائے کرام کے قول کی طرف ہے، بالخصوص ضرورت مندوں کے حق میں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قرآن مجید سے تین روزوں کے حج میں رکھنے کا حکم معلوم ہوتا ہے، تو بعض آثار میں اس کا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... اگر کسی نے دس ذی الحجہ سے پہلے تین روزے رکھنے شروع کئے، اور تین روزوں کی تعداد مکمل ہونے سے پہلے وہ قربانی پر قادر ہوگیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر حج کی قربانی ہی واجب ہوجائے گی، اور قربانی کے بدلہ میں روزے رکھنا معتبر نہیں ہوگا۔
جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک تین روزے شروع کرنے کے بعد مکمل ہونے سے پہلے اگر قربانی پر قادر ہوجائے، تو اس پر روزے چھوڑ کر قربانی واجب نہیں ہوتی، کیونکہ جس وقت اس نے روزے رکھنا شروع کئے، اس وقت وہ قربانی پر قادر نہیں تھا، جس کی وجہ سے اس کے لئے روزے رکھنا جائز ہوگیا تھا، اور وہ اسی کا مکلّف تھا، الَّا یہ کہ وہ خود ہی روزے چھوڑ کر قربانی کرنا چاہے، تو اس کو ایسا کرنا بھی جائز ہے، مگر ضروری نہیں۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

جواب موجود ہے کہ ایامِ منیٰ حج سے تعلق رکھتے ہیں، نیز جب تک حج کا سفر ختم نہیں ہوجاتا، اس وقت تک ایک حیثیت سے حج کے آثار باقی ہوتے ہیں، علاوہ ازیں جب کوئی قرآن مجید کے حکم ''فمن لم یجد'' کے مطابق قربانی نہ پائے، تو اس کا حکم روزوں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اور جب پہلے تین روزے نہ رکھے جاسکیں، اور وہ حج کی قربانی پر قادر نہ ہو، تو ''فمن لم یجد'' کا اطلاق اب بھی موجود ہے، اور اس صورت میں جبکہ وہ قربانی پر قادر ہی نہیں، اور روزوں کا سارا قضیہ ہی قربانی پر قادِر نہ ہونے پر مبنی ہے، پھر بھی اس کو قربانی کا مکلّف کرنا ایک حیثیت سے تکلیف مالایطاق معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولنا، أنه صوم واجب، فلا يسقط بخروج وقته، كصوم رمضان، والآية تدل على وجوبه، لا على سقوطه، والقياس منتقض بصوم الظهار إذا قدم المسيس عليه، والجمعة ليست بدلا، وإنما هي الأصل، وإنما سقطت لأن الوقت جعل شرطا لها كالجماعة .إذا ثبت هذا، فإنه يصوم أيام منى.
وهذا قول ابن عمر، وعائشة، وعروة، وعبيد بن عمير، والزهرى، ومالك، والأوزاعي، وإسحاق، والشافعي في القديم؛ لما روى ابن عمر، وعائشة، قالا :لم يرخص في أيام التشريق أن يصمن إلا لمن لم يجد الهدى .رواه البخارى .وهذا ينصرف إلى ترخيص النبي -صلى الله عليه وسلم -. ولأن الله تعالى أمر بصيام الثلاثة في الحج، ولم يبق من أيام الحج إلا هذه الأيام، فيتعين الصوم فيها. فإذا صام هذه الأيام، فحكمه حكم من صام قبل يوم النحر (المغني لابنِ قدامة، ج۳ص۴۱۸، ۴۱۹، باب صفة الحج)

[1] اور مالکیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔
ثالثا -القدرة على الهدى بعد الشروع في الصيام:
من دخل في الصيام ثم قدر على الهدى لم يكن عليه الخروج من الصوم إلى الهدى إلا أن يشاء، وهذا عند الشافعية والحنابلة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ فقہائے کرام کے نزدیک حجِ تمتع اور حجِ قِران کی قربانی کے اکثر احکام عام عیدالاضحیٰ والی قربانی کی طرح ہیں۔

اور عیدُ الاضحیٰ کی قربانی کے احکام ہم نے اپنی دوسری کتاب ''ذوالحجہ اور قربانی کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردیئے ہیں، وہاں ملاحظہ کرلئے جائیں۔

البتہ بعض احکام میں دونوں قسم کی قربانیوں کے مابین فرق بھی پایا جاتا ہے، مثلاً حجِ تمتع اور حجِ قِران کی قربانی بالاتفاق واجب ہے، اور حجِ افراد کی نفل یا مستحب، جبکہ عیدُ الاضحیٰ کی قربانی کے واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے، اور حج کی قربانی کو حرم کی حدود میں ذبح کرنے کا حکم ہے، جبکہ عام عیدُ الاضحیٰ کی قربانی کو حرم کی حدود میں ذبح کرنا ضروری نہیں، اور حج کی قربانی کا حکم بارہ ذی الحجہ کا دن گزرنے کے بعد بھی برقرار رہتا ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک بارہ ذی الحجہ کے بعد عام عیدُ الاضحیٰ کی قربانی کا حکم صدقہ سے تبدیل ہوجاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الحنفية :إن وجد الهدى بعد صوم يومين بطل صومه، ويجب الهدى، وبعد التحلل لا يجب كالمتيمم إذا وجد الماء بعد فراغه من الصلاة.

أما المالكية فقد فصلوا فى الموضوع وقالوا :إن أيسر بعد الشروع فى الصوم وقبل إكمال اليوم يجب عليه الرجوع للهدى، وإن أيسر بعد إتمام اليوم وقبل إكمال الثالث يستحب له الرجوع، وإن أيسر بعد الثالث يجوز له التمادى على الصوم والرجوع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص۱۵۶،مادة "تمتع")

(باب نمبر ۸)

حلق وقصر کے فضائل واحکام

سر کے بالوں کو منڈوانا یا کٹوانا بھی حج کے اہم اعمال میں داخل ہے۔
عربی زبان میں بال منڈوانے کو حلق کرانا اور بال ترشوانے کو قصر کرانا اور ان دونوں کے مجموعہ کو حلق وقصر کرنا اور کرانا کہا جاتا ہے۔

حلق وقصر سے متعلق احادیث وروایات

پہلے حلق وقصر کے سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے احکام ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَطَائِفَةٌ مِّنْ أَصْحَابِهٖ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ (بخاری)[1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعض صحابہ نے سر منڈوایا، اور بعض نے سر کے بال ترشوائے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حج وعمرہ کے احرام سے نکلنے کے لئے سر کے بالوں کا کٹوانا، اور مرد ہو تو کٹوانے یا ترشوانے کے بجائے منڈوانا بھی جائز ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتٰى مِنًى، فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا، ثُمَّ أَتٰى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَنَحَرَ، ثُمَّ قَالَ لِلْحَلَّاقِ خُذْ وَأَشَارَ إِلٰى جَانِبِهٖ

---

[1] رقم الحديث ۱۷۲۹، كتاب الحج، باب الحلق والتقصير عند الإحلال.

الْأَيْمَنِ، ثُمَّ الْأَيْسَرِ (مسلم) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ تشریف لائے، پھر آپ نے جمرہ (عقبہ) کی رمی فرمائی، پھر منیٰ میں اپنے مقام پر آئے، اور قربانی کی، پھر نائی کو اپنے بال کاٹنے کا حکم فرمایا، اور پہلے دائیں جانب کے بال کاٹنے کا حکم فرمایا، پھر بائیں جانب کے (مسلم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَمٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ، ثُمَّ ذَبَحَ، ثُمَّ حَلَقَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۵۳) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ (یعنی بڑے شیطان) کو کنکریاں ماریں، پھر (حج کے شکرانہ میں جانور) ذبح کیا، پھر آپ نے سر منڈوایا (مسند احمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سر کے بال منڈانے یا کٹانے کا مسنون وقت دس ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رَمی اور حج کی قربانی کرنے کے بعد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ، قَالُوْا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ، قَالُوْا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ وَالْمُقَصِّرِيْنَ ؟ قَالَ: وَالْمُقَصِّرِيْنَ (مسند احمد، رقم الحديث ۵۵۰۷) [۳]

---

[۱] رقم الحديث ۱۳۰۵ "۳۲۳" كتاب الحج، باب بيان أن السنة يوم النحر أن يرمى، ثم ينحر، ثم يحلق والابتداء فى الحلق بالجانب الأيمن من رأس المحلوق.

[۲] فى حاشية مسند احمد: حسن لغيره.

[۳] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! (سر) منڈانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا کہ کٹانے والوں پر بھی اے اللہ کے رسول! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! (سر) منڈانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا کہ کٹانے والوں پر بھی اے اللہ کے رسول! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! (سر) منڈانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول کٹانے والوں پر بھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اے اللہ) کٹانے والوں پر بھی (رحم فرما) (مسند احمد)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ عَلَى النِّسَآءِ حَلْقٌ، إِنَّمَا عَلَى النِّسَآءِ التَّقْصِيْرُ (سنن أبي داود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے ذمہ بال منڈوانا نہیں ہے، بس عورتوں کے ذمہ تو بالوں کو ترشوانا ہے (ابوداؤد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے بال منڈانے والوں کے حق میں تین مرتبہ رحم کی دعا فرمائی، اور سر کے بال کٹانے والوں کے حق میں ایک مرتبہ رحم کی دعا فرمائی۔

لیکن خواتین کو سر کے بال منڈانے کی ممانعت ہے، جس سے معلوم ہوا کہ احرام سے نکلتے وقت مرد حضرات کو سر کے بال منڈانا بھی جائز ہے، اور کٹانا بھی جائز ہے، لیکن منڈانا افضل ہے۔

اور خواتین کو بہرحال سر کے بال کٹانا ہی متعین ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۹۸۴، كتاب المناسک، باب الحلق والتقصير.

[2] المفاضلة بين الحلق والتقصير للتحلل: قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على أن التقصير يجزء في حق من لم يوجد منه معنى يقتضي وجوب الحلق عليه. كما أجمعوا على أن الحلق أفضل من التقصير في حق الرجل، لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اللهم ارحم المحلقين. قالوا:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حلق وقصر سے متعلق مسائل

احادیث وروایات کے بعد اب حلق وقصر کے سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... احرام سے نکلتے وقت سر کے بالوں کو منڈوانا یا کٹوانا بھی حنفیہ سمیت کئی فقہائے کرام کے نزدیک حج کے واجبات میں سے ایک واجب ہے۔

اور بعض فقہاء کے نزدیک یہ حج کا رکن اور فرض ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲...... جب کوئی حج کرنے والا شخص دس ذی الحجہ کی رمی کر چکے، اور سر کے بال بھی کٹا یا منڈا چکے، لیکن ابھی طوافِ زیارت نہ کیا ہو، تو حنفیہ سمیت دوسرے فقہائے کرام کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمقصرين يا رسول الله .قال :اللهم ارحم المحلقين .قالوا :والمقصرين يا رسول الله .قال: اللهم ارحم المحلقين والمقصرين.

فقد دعا النبى صلى الله عليه وسلم للمحلقين ثلاثا وللمقصرين مرة، ولأن ذكر المحلقين فى القرآن قبل المقصرين، ولأن الحلق أكمل فى قضاء التفث، وفى التقصير بعض تقصير فأشبه الاغتسال مع الوضوء.

وأما النساء فليس عليهن الحلق بالإجماع وإنما عليهن التقصير كما تقدم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸،ص۹۹،و۱۰۰،مادة "حلق")

[۱] الحلق والتقصير :اتفق جمهور العلماء على أن حلق شعر الرأس أو تقصيره واجب من واجبات الحج، وهو مذهب الحنفية والمالكية والحنابلة.

وذهب الشافعى فى المشهور عنه وهو الراجح فى المذهب إلى أنه ركن فى الحج(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۷، مادة "حج")

فصل :والحلق والتقصير نسک فى الحج والعمرة، فى ظاهر مذهب أحمد، وقول الخرقى، وهو قول مالک، وأبى حنيفة، والشافعى .وعن أحمد أنه ليس بنسک، وإنما هو إطلاق من محظور كان محرما عليه بالإحرام، فأطلق فيه عند الحل، كاللباس والطيب وسائر محظورات الإحرام.

فعلى هذه الرواية لا شىء على تاركه، ويحصل الحل بدونه(المغنى لابنِ قدامة، ج۳ص۳۸۷،فصل الحلق والتقصير نسک فى الحج والعمرة)

لا خلاف فيه على قولنا الحلق نسک إلا أن المصنف جعل الحلق واجبا على قولنا إنه نسک ولم يجعله ركنا هكذا ذكره فى آخر هذا الباب وكذا ذكره فى التنبيه وليس كما قال بل الصواب أنه ركن على قولنا إنه نسک(المجموع شرح المهذب، ج۸ص۲۰۵، باب صفة الحج)

نزدیک میاں بیوی کے خصوصی تعلقات کے علاوہ احرام کی دوسری تمام پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، جس کو فقہائے کرام نے تحللِ اول سے تعبیر کیا ہے۔

اور اگر ابھی تک سر کے بال نہ منڈائے یا کٹائے ہوں، البتہ دس ذی الحجہ کی رَمی کر چکا ہو، تو حنفیہ کے مشہور مذہب کے مطابق تو احرام کی مذکورہ پابندیاں ختم نہیں ہوتیں، البتہ حنفیہ کے غیر مشہور مذہب اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق اور بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک احرام کی مذکورہ پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، جس کی تفصیل پیچھے دس ذی الحجہ کی رمی کے بیان میں اور آگے طوافِ زیارت کے بیان میں ذکر کردی گئی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔ [1]

---

[1] اور مالکیہ کے نزدیک تحللِ اول سے جس طرح زوجین کے خصوصی تعلقات حلال نہیں ہوتے، اسی طرح ایک روایت کے مطابق شکار اور ایک روایت کے مطابق خوشبو کا استعمال بھی حلال نہیں ہوتا، البتہ اس کے علاوہ باقی چیزیں حلال ہوجاتی ہیں۔

(قوله وحل له كل شيء) أي من محظورات الإحرام كلبس المخيط وقص الأظفار ط وأفاد أنه لا يحل له بالرمي قبل الحلق شيء وهو المذهب عندنا كما في شرح اللباب للقاري عن الفارسي، وفي شرحه على النقاية والرمي غير محلل من الإحرام عندنا في المشهور، ومحلل عند مالك والشافعي وفي غير المشهور عندنا فقد نص على التحلل بالرمي عندنا في شرح المبسوط لخواهر زاده .وفي شرح الجامع الصغير لقاضي خان بقوله :وبعد الرمي قبل الحلق حل له كل شيء إلا النساء والطيب .وعن أبي يوسف أنه يحل له الطيب أيضا اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۵۱۷،كتاب الحج،مطلب في رمي جمرة العقبة)

ولا خلاف بينهم أن التحلل الاصغر الذى هو رمي الجمرة يوم النحر أنه يحل به الحاج من كل شيئ حرم عليه بالحج إلا النساء والطيب والصيد، فإنهم اختلفوا فيه، والمشهور عن مالك أنه يحل له كل شيئ إلا النساء والطيب، وقيل عنه :إلا النساء والطيب والصيد، لان الظاهر من قوله * :(وإذا حللتم فاصطادوا) * أنه التحلل الاكبر(بداية المجتهد، ج۱،ص۳۷۱، كتاب الحج، الجنس الثالث)

وعن أحمد :إذا رمى الجمرة، فقد حل، وإذا وطء بعد جمرة العقبة، فعليه دم .ولم يذكر الحلق. وهذا يدل على أن الحل بدون الحلق .وهذا قول عطاء ، ومالك، وأبي ثور .وهو الصحيح، إن شاء الله تعالى؛ لقوله في حديث أم سلمة :إذا رميتم الجمرة، فقد حل لكم كل شيء ، إلا النساء . وكذلك قال ابن عباس .قال بعض أصحابنا :هذا يبنى على الخلاف في الحلق، هل هو نسك أو لا؟ فإن قلنا :نسك .حصل الحل به، وإلا فلا(المغني لابن قدامة، ج۳،ص۳۹۰،كتاب الحج)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... حج کے احرام سے نکلنے کے لئے سر کے بال منڈانے یا کٹانے سے پہلے دس ذی الحجہ کی رَمی اورحجِ تمتع یا حجِ قِران کی قربانی کرلینی چاہئے۔

اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے دس ذی الحجہ کی رَمی کرنا، اوراس کے بعدحجِ تمتع یا حجِ قِران کرنے والے کوحج کی قربانی کرنا، اور پھراس کے بعدسر کے بال کٹانا یا منڈانا مذکورہ ترتیب کے مطابق واجب ہے، جس کی خلاف ورزی پردَم واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ اگرکسی نے رَمی کرنے سے پہلے قربانی کردی یاسر کے بال منڈایا کٹا لیے یارمی کرنے کے بعدمگرقربانی کرنے سے پہلے سر کے بال منڈایا کٹا لیے تواس پرامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دَم واجب ہے، اورطوافِ زیارت کوان اعمال کے بعدکرنا سنت ہے۔

جبکہ امام شافعی ، اورحنفیہ میں سے امام ابویوسف اورامام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ترتیب واجب نہیں، بلکہ سنت ہے، جس کی خلاف ورزی پراور مذکورہ صورتوں میں ان کے نزدیک دَم واجب نہیں ہوتا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(فيحصل) التحلل (الأول) من تحللي الحج (باثنين من ثلاثة :الرمي) أى رمى يوم النحر (والحلق) أو التقصير (والطواف) واحتجوا له بخبر إذا رميتم وحلقتم فقد حل لكم الطيب والثياب وكل شيء إلا النساء رواه البيهقي وغيره وضعفوه والذي صح في ذلك ما رواه النسائي بإسناد جيد كما في المجموع أنه -صلى الله عليه وسلم- قال :إذا رميتم الجمرة فقد حل لكم كل شيء إلا النساء وقضية حصول التحلل الأول بالرمي وحده (فإن بقي السعي فهو كالجزء منه) أى من الطواف فيتوقف عليه التحلل (ويحل به) أى بالتحلل الأول (ما سوى الجماع، وكذا مقدماته وعقده) أى يحل به ما سوى هذه الثلاثة من لبس وقلم وصيد وطيب ودهن وستر رأس الرجل ووجه المرأة كما سيأتي بيانها (أسنى المطالب في شرح روض الطالب، ج ۱ ،ص ۴۹۳،كتاب الحج والعمرة)

والحاصل أن المذهب الذي يفتى به أن التحلل يحصل باثنين من الثلاثة والثاني بالثالث والله أعلم(المجموع شرح المهذب ،ج۸،ص ۲۳۱،باب صفة الحج)

[۱] وبالحديث الذي روى عن النبي صلى الله عليه و سلم نأخذ أنه قال :لا حرج في شيء من ذلك .وقال أبو حنيفة رحمه الله :لا حرج في شيء من ذلك ولم ير في شيء من ذلك كفارة إلا في خصلة واحدة المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن يذبح قال عليه دم وأما نحن فلا نرى عليه شيئا(موطأ امام محمد، باب من قدم نسكا قبل نسك)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

اور دیگر فقہائے کرام کے اس سلسلہ میں اقوال اور ترتیب کے مسنون ہونے کے دلائل کی قوت کی تفصیل الگ مستقل عنوان کے تحت ذکر کی جا چکی ہے، وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۴...... حنفیہ کے نزدیک کم از کم چوتھائی سر کی مقدار میں بالوں کا کٹانا تو واجب ہے، اور پورے سر کا منڈا دینا سنت ہے۔

جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پورے سر کو منڈانا یا پورے سر کے بالوں کو کاٹنا واجب

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اعلم أن الترتيب بين الرمى، والذبح، والحلق للقارن، والمتمتع واجب عند أبى حنيفة، وسنة عندهما(مرقاة المفاتيح، ج۵ص۱۸۳۳، كتاب المناسك، باب فى تقديم وتأخير بعض المناسك)

ومن أخر الحلق حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبى حنيفة -رَحِمَهُ اللَّهُ -، وكذا إذا أخر طواف الزيارة حتى مضت أيام التشريق فعليه دم عنده وقالا :لا شىء عليه فى الوجهين وكذا الخلاف فى تأخير الرمى وفى تقديم نسك على نسك كالحلق قبل الرمى، ونحر القارن قبل الرمى، والحلق قبل الذبح (الهداية، ج۴، ص۳۶۶، باب الجنايات)

فذهب الحنفية إلى وجوب الترتيب بين أعمال منى حسب الوارد، أما الترتيب بينها وبين طواف الإفاضة فسنة.

واستدلوا بأدلة منها:

مراعاة اتباع فعل النبى صلى الله عليه وسلم كما نص عليه حديث أنس، وقوله تعالى :(ويذكروا اسم الله فى ايام معلومات على ما رزقهم من بهيمة الأنعام .فكلوا منها وأطعموا البائس الفقير. ثم ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطوفوا بالبيت العتيق)

وجه الاستدلال أنه أمر بقضاء التفث وهو الحلق مرتبا على الذبح، فدل على وجوب الترتيب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۱،وص۶۲، مادة "حج")

[۱] ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رَمی کو بال کٹانے یا منڈانے سے پہلے، اور اسی طرح رَمی کو طوافِ زیارت سے پہلے کرنا تو واجب ہے، جس کی خلاف ورزی پر ان کے نزدیک دَم واجب ہے، اور باقی چیزوں میں ترتیب واجب نہیں، بلکہ سنت ہے، اور ان کے نزدیک حج کی قربانی کے ساتھ ان اعمال کی ترتیب کے واجب ہونے کا تعلق نہیں۔

اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر بھولے سے یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ترتیب کی خلاف ورزی کی ہو، تو دَم واجب نہیں ہے۔

اور اگر جان بوجھ کر اور مسئلہ معلوم ہوتے ہوئے ترتیب کی خلاف ورزی کی ہو، تو اس میں امام احمد کی دو روایات ہیں، ایک روایت کے مطابق دَم واجب ہے، اور دوسری روایت کے مطابق دَم واجب نہیں۔

ہے۔[۱]

مسئلہ نمبر۵...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سر کے بالوں کو کٹانے یا منڈانے کا وقت دس ذی الحجہ کے دن کے طلوعِ فجر سے لے کر بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے تک متعین ہے، اوراسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بالوں کا حرم کی حدود میں مونڈنا یا کاٹنا واجب ہے، اوران میں سے کسی ایک کی خلاف ورزی پر بھی دَم واجب ہے۔

غرضیکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سر کے بالوں کا بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے اورحرم کی حدود میں منڈانا یا کٹانا واجب ہے، اگرچہ یہ حج کے واجباتِ اصلیہ میں سے نہیں ہے، بلکہ اس کا واجب ہونا سر کے بال کٹانے یا منڈانے کے تابع ہوکر ثابت ہے۔

اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت امام محمد اورامام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک بارہ ذی الحجہ تک سر کے بال منڈانا یا کٹانا واجب نہیں، اس لئے بارہ تاریخ کے بعد سر کے بال منڈانے یا کٹانے پر بھی دَم واجب نہیں۔

جبکہ حنفیہ میں سے امام ابویوسف اور دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک سر کے بال منڈانے یا کٹانے کے لئے نہ تو زمانہ یعنی بارہ ذی الحجہ کے غروب تک کی تخصیص واجب ہے، اورنہ حرم یا کسی اورجگہ کی تخصیص واجب ہے کہ اس کی خلاف ورزی سے دَم لازم آئے۔ [۲]

---

[۱] اورشافعیہ کے نزدیک کم ازکم تین بالوں کا مونڈنا یا کاٹنا واجب ہے۔

واختلفوا فی القدر الواجب حلقه أو تقصيره .فعند المالكية والحنابلة الواجب حلق جميع الرأس أو تقصيره، وقال الحنفية :يكفی مقدار ربع الرأس، وعند الشافعية :يكفی إزالة ثلاث شعرات أو تقصيرها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۷، مادة "حج")

[۲] ملحوظ رہے کہ احرام سے نکلنے کے لئے بال منڈانے یا کٹانے کے لئے دوقسم کی توقیت ہے، ایک توقیتِ زمانی یعنی ایامِ نحر کی توقیت (یعنی دس تا بارہ ذی الحجہ کی تعیین) دوسرے توقیتِ مکانی یعنی حرم کی حدود کی توقیت۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حج کے احرام سے نکلنے کی غرض سے بال منڈانے یا کٹانے کے لئے توقیتِ زمانی ومکانی یعنی ایامِ نحر اور حدودِ حرم کی توقیت واجب ہے، اور صاحبین کے نزدیک توقیتِ زمانی واجب نہیں، البتہ امام محمد رحمہ اللہ توقیتِ مکانی کے وجوب کے قائل ہیں، اورامام ابویوسف رحمہ اللہ اور دیگر جمہور فقہائے کرام توقیتِ مکانی کے وجوب کے بھی قائل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ ان جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اگر بسہولت ممکن ہو، تو حرم کی حدود میں اور بارہ ذی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ نہیں، جس طرح سے کہ وہ توقیتِ زمانی کے بھی وجوب کے قائل نہیں، جبکہ امام زفر رحمہ اللہ توقیتِ زمانی کے وجوب کے قائل ہیں، توقیتِ مکانی کے وجوب کے قائل نہیں۔

جہاں تک عمرہ کے احرام سے نکلنے کی غرض سے بال منڈانے یا کٹانے کا تعلق ہے، تو اس میں توقیتِ زمانی کے وجوب کا تو کوئی بھی قائل نہیں، اور توقیتِ مکانی کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال کی وہی تفصیل ہے، جو حج کے بارے میں گزری۔

(فصل) وأما حكم تأخيره عن زمانه، ومكانه فوجوب الدم عند أبي حنيفة وأبو يوسف خالفه في الزمان والمكان ومحمد، وافقه في المكان لا في الزمان، وزفر، وافقه في الزمان لا في المكان على ما ذكرنا، والله أعلم(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۲،ص ۱۴۲، كتاب الحج،فصل حكم تأخير الحلق والتقصير عن زمانه ومكانه)

والجمهور على أن الحلق أو التقصير لا يختص بزمان ولا مكان، لكن السنة فعله في الحرم أيام النحر.

وذهب أبو حنيفة إلى أن الحلق يختص بأيام النحر، وبمنطقة الحرم، فلو أخل بأي من هذين لزمه الدم، ويحصل له التحلل بهذا الحلق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص۵۷، مادة " حج " ، الحلق والتقصير)

(أو عمرة) لاختصاص الحلق بالحرم(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲ ص۵۵۴، باب الجنايات في الحج)

والتقصير والحلق في العمرة غير موقت بالزمان بالإجماع "لأن أصل العمرة لا يتوقت به بخلاف المكان لأنه موقت به(الهداية في شرح المبتدى، ج ۱ ص ۱۶۴، باب الجنايات)

(بخلاف المكان؛ لأنه موقت به) ش :أي بخلاف مكان العمرة، فإن أصلها موقت به، وهو الحرم، فكذا يتوقت ما يترتب عليه وهو الحلق، والتقصير، حتى لو حلق خارج الحرم للعمرة فعليه دم عند أبي حنيفة، ومحمد -رحمهما الله -، كما في الحج .وعند أبي يوسف -رَحِمَهُ اللَّهُ :-لا شيء عليه، كذا في "المبسوط(البناية في شرح الهداية، ج۴ص ۳۶۹، باب الجنايات)

ولو كان إلمامه بأهله بعد ما طاف لعمرته قبل أن يحلق أو يقصر، ثم حج من عامه ذلك قبل أن يحل من العمرة في أهله فهو متمتع؛ لأن العود مستحق عليه لأجل الحلق؛ لأن من جعل الحرم شرطا لجواز الحلق -وهو أبو حنيفة ومحمد -لا بد من العود، وعند من لم يجعله شرطا، وهو أبو يوسف كان العود مستحبا إن لم يكن مستحقا(بدائع الصنائع، ج۲ ص ۱۷۰، كتاب الحج، فصل بيان ما يحرم به المحرمون)

وأصل الخلاف أن الحلق للحج يتعين بالزمان والمكان عند أبي حنيفة ، وعند أبي يوسف :لا يتعين بواحد منهما ، وعند محمد يتعين بالمكان دون الزمان ، وعند زفر يتعين بالزمان دون المكان ، وأما الحلق للعمرة فلا يتعين بالزمان بالإجماع ؛ لأن أفعالها لا تتعين به ، وتتعين بالمكان عند أبي حنيفة ومحمد ، وعند أبي يوسف لا تتعين(تبيين الحقائق، ج۲، ص۲۲، فصل نظر المحرم إلى فرج امرأة بشهوة فأمنى)

الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے سر کے بال منڈایا کٹالینا سنت ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۶...... مرد حضرات کو احرام سے نکلتے وقت سر کے بال منڈانا بھی جائز ہے، اور منڈانے کے بجائے کٹانا بھی جائز ہے، البتہ منڈوا دینا افضل ہے۔

لیکن خواتین کو سر کے بال منڈانے کی ممانعت ہے، جس سے معلوم ہوا کہ احرام سے نکلتے وقت مرد حضرات کو سر کے بال منڈانا بھی جائز ہے، اور کٹانا بھی جائز ہے، لیکن منڈانا افضل ہے۔ اور خواتین کو بہر حال سر کے بال کٹانا ہی متعین ہے۔ [2]

---

[1] اور ہمارا ذاتی رجحان امام ابو یوسف اور جمہور فقہائے کرام کے قول کی طرف ہے، کیونکہ ہمیں توقیتِ زمانی ومکانی کے دلائل اس درجہ کے معلوم نہ ہو سکے کہ ان سے وجوب ثابت ہو سکے، البتہ سنت کے ثبوت میں شبہ نہیں۔

اور بعض جامد و متعصب لوگوں کا اس قسم کے رجحان پر تساہل وغیرہ کا الزام عائد کرنا بے اعتدالی پر مبنی ہے، کیونکہ اولاً تو جو رجحان دلائل پر مبنی ہو، تو اس کو تساہل سے تعبیر کرنا ہی درست نہیں، دوسرے اگر عوام کی تیسیر کے لئے کوئی رجحان ظاہر کیا جائے، تو فی الجملہ اس کی گنجائش ہے، کیونکہ لوگوں پر تیسیر کے حکم کے بارے میں صریح نصوص موجود ہیں، جبکہ تساہل ''باب تفاعل'' سے ہے، جس میں تیسیر کے بجائے سہولت پسندی پائی جاتی ہے۔

والجمهور على أن الحلق أو التقصير لا يختص بزمان ولا مكان، لكن السنة فعله فى الحرم أيام النحر. وذهب أبو حنيفة إلى أن الحلق يختص بأيام النحر، وبمنطقة الحرم، فلو أخل بأى من هذين لزمه الدم، ويحصل له التحلل بهذا الحلق(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٧، مادة "حج")

ثامنا :واجبات الحلق والتقصير:

أ -كون الحلق فى أيام النحر عند الحنفية والمالكية.

ب -كون الحلق فى الحرم عند الحنفية فقط(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٦٠، مادة "حج")

تأخير الحلق أو التقصير :ذهب الحنفية والمالكية والحنابلة فى رواية إلى أنه يجوز تأخير الحلق أو التقصير إلى آخر أيام النحر؛ لأنه إذا جاز تأخير النحر -وهو فى الترتيب مقدم على الحلق -فتأخير الحلق أولى، فإن أخر الحلق حتى خرجت أيام النحر لزمه دم بالتأخير.

وذهب الشافعية والحنابلة فى رواية إلى أنه إن أخر الحلق حتى خرجت أيام التشريق فلا شىء عليه؛ لأن الأصل عدم التأقيت؛ لأن الله تعالى بين أول وقته بقوله :(ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله)ولم يبين آخره، فمتى أتى به أجزأه، كطواف الزيارة والسعي، وقد نص الشافعية على كراهية تأخيره(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠،ص١٣ ،مادة "تأخير")

[2] المفاضلة بين الحلق والتقصير للتحلل :قال ابن المنذر :أجمع أهل العلم على أن التقصير يجزء فى حق من لم يوجد منه معنى يقتضي وجوب الحلق عليه. كما أجمعوا على أن الحلق أفضل من التقصير فى حق الرجل، لأن النبى صلى الله عليه وسلم قال :اللهم ارحم المحلقين .قالوا :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... احرام سے نکلتے وقت مرد حضرات کو پورے سر کے بال منڈا دینا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، اور اگر پورے سر کے بال منڈانے کے بجائے کٹوا دیئے یعنی ترشوا دیئے جائیں، تو بھی جائز ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

البتہ پورے سر کے بال منڈانا یا کٹانا ضروری ہے یا اس سے کم مقدار کٹوانا یا منڈوانا بھی احرام سے نکلنے کے لئے کافی ہوجاتا ہے، اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک کم از کم چوتھائی (یعنی ایک بٹہ چار) سر کی مقدار کے برابر بال کٹانا یا منڈانا تو واجب ہے، اور پورے سر کے بال کٹوانا یا پورے سر کے بالوں کا منڈا دینا سنت ہے۔

لہٰذا اگر کسی نے پورے سر کے بال منڈانے یا کٹانے کے بجائے کم از کم چوتھائی سر کے حصہ کے بال منڈا، یا کٹا دیئے، تو اس کا واجب ادا ہوجائے گا، لیکن سنت کے خلاف کرنے کی وجہ سے مکروہ ہوگا، اور اس پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں ہوگا۔

جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پورے سر کو منڈانا یا پورے سر کے بالوں کو کاٹنا واجب ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمقصرين يا رسول الله. قال: اللهم ارحم المحلقين. قالوا: والمقصرين يا رسول الله. قال: اللهم ارحم المحلقين والمقصرين.

فقد دعا النبي صلى الله عليه وسلم للمحلقين ثلاثا وللمقصرين مرة، ولأن ذكر المحلقين في القرآن قبل المقصرين، ولأن الحلق أكمل في قضاء التفث، وفي التقصير بعض تقصير فأشبه الاغتسال مع الوضوء.

وأما النساء فليس عليهن الحلق بالإجماع وإنما عليهن التقصير كما تقدم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸، ص۹۹، و۱۰۰، مادة "حلق")

ولا تؤمر المرأة بالحلق بل تقصر لما ورد عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ليس على النساء حلق وإنما عليهن التقصير. وروى علي رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى المرأة أن تحلق رأسها ولأن الحلق للتحلل في حق النساء بدعة وفيه مثلة، ولهذا لم تفعله واحدة من نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸، ص۹۸، مادة "حلق")

[1] اور شافعیہ کے نزدیک کم از کم تین بالوں کا مونڈنا یا کاٹنا واجب ہے، یعنی تین یا اس سے زیادہ بال منڈانے یا کٹانے سے واجب ادا ہوجاتا ہے، اور کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں ہوتا، اگرچہ ان کے نزدیک ایسا کرنا خلافِ سنت ہوتا ہے۔

مقدار الواجب حلقه للتحلل: لا خلاف بين الفقهاء في أفضلية حلق جميع الرأس على التقصير لقوله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸...... اگراحرام سے نکلتے وقت کوئی مرد سر کے بال منڈوانے کے بجائے، کٹوائے یا ترشوائے یا وہ عورت ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو لمبائی میں کم از کم انگلی کے ایک پورو ے کے برابر چوتھائی سر کے بال کاٹنا یا ترشوانا واجب ہے، اس سے کم لمبائی کی مقدار میں ترشوانا کافی نہیں۔ [1]

اور تراشنے میں افضل یہ ہے کہ پورے سر کے بال کم از کم انگلی کے ایک پورو ے کے برابر ترشوادے۔

اور عورت کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

اور اسی لئے اگر کسی کے سر پر لمبائی میں بالوں کی مقدار انگلی کے ایک پورو ے سے کم ہو، تو اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عز وجل :(محلقين رء وسكم ومقصرين)والرأس اسم للجميع، وكذا روى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حلق جميع رأسه .

وإنما اختلفوا فى أقل ما يجزء من الحلق :فذهب المالكية والحنابلة إلى أنه لا يجزء حلق بعض الرأس، لأن النبى صلى الله عليه وسلم حلق جميع رأسه فكان تفسيرا لمطلق الأمر بالحلق .فوجب الرجوع إليه.

ويرى الحنفية أن من حلق أقل من ربع الرأس لم يجزه، وإن حلق ربع الرأس أجزأه ويكره .أما الجواز فلأن ربع الرأس يقوم مقام كله فى القرب المتعلقة بالرأس كمسح ربع الرأس فى باب الوضوء.

وأما الكراهة فلأن المسنون هو حلق جميع الرأس وترك المسنون مكروه .

وقال الشافعية :أقل ما يجزء ثلاث شعرات حلقا أو تقصيرا من شعر الرأس.

وقال النووى :فتجزء الثلاث بلا خلاف عندنا ولا يجزء أقل منها .وحكى إمام الحرمين ومن تابعه وجها أنه يجزء شعرة واحدة .قال النووى وهو غلط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٨، ص ٩٩، مادة "حلق")

[1] عن نافع ، عن ابن عمر ، قال :تجمع المحرمة شعرها ، ثم تأخذ منه قدر أنملة(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ١٣٠٦٥، كتاب المناسك،باب فى المحرمة كم تاخذ من شعرها)

عن مغيرة ، عن إبراهيم ، قال :تقصر المرأة من شعرها قدر أنملة(ايضاً، رقم الحديث ١٣٠٧٣)

''انملہ'' سے مراد انگلی کا جوڑ ہے، جو ناخن کے ساتھ متصلاً واقع ہے، اور اردو زبان میں اس کو ''پوروا'' کہا جاتا ہے۔

کے حق میں سر منڈوانا ہی متعین ہو جاتا ہے۔ [1]

[1] پھر اگر کسی کے سر پر بال لمبائی میں ایک پوروے سے کم ہوں، اور اس کے سر میں زخم وغیرہ بھی ہو، جس کی وجہ سے استرا وغیرہ پھروانا ممکن نہ ہو، تو قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بال منڈانے کا حکم ساقط ہو جائے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک ساقط نہ ہوگا، جیسا کہ آگے آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

اور اگر عورت کے سر کے بالوں کی مقدار لمبائی میں کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے ایک پوروے سے کم ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے حق میں بال منڈانے کا حکم ساقط ہونا چاہئے، کیونکہ عورت کو بال منڈوانا جائز نہیں۔

والمهجور شرعا كالمهجور عادة فصارت غير مستطيعة(كذا فی لتفسير المظهری، ج۲، ۹۸، ۹۹، سورة آلِ عمران)

تاہم اگر اس کے باوجود بھی انگلی کے پورے سے کچھ کم مقدار، خواہ کتنی بھی ہو کٹوائے، تو بہتر ہے، تاکہ دوسرے فقہائے کرام کے اقوال کی رعایت ہو جائے، کیونکہ ان کے نزدیک لمبائی میں بالوں کی کسی مخصوص مقدار کا کاٹنا ضروری نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

وأما التقصير فالتقدير فيه بالأنملة لما روينا من حديث عمر -رضى الله عنه- لكن أصحابنا قالوا: يجب أن يزيد فی التقصير على قدر الأنملة؛ لأن الواجب هذا القدر من أطراف جميع الشعر، وأطراف جميع الشعر لا يتساوى طولها عادة بل تتفاوت فلو قصر قدر الأنملة لا يصير مستوفيا قدر الأنملة من جميع الشعر بل من بعضه فوجب أن يزيد عليه حتى يستيقن باستيفاء قدر الواجب فيخرج عن العهدة بيقين(بدائع الصنائع، ج۲، ص ۱۴۱، كتاب الحج، فصل مقدار واجب الحلق والتقصير)

(وفی التقصير أن يأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة) ش: وهذا التقدير مروی عن ابن عمر -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا-، وعليه إجماع الأمة والمرأة فيه كالرجل. وفی "الولوالجی" "تقصر ربع رأسها مقدار الأنملة" وكذا الرجل تأخذ من كل قرن بقدر الأنملة(البناية شرح الهداية، ج۴، ۲۴۷، كتاب الحج)

(قال) - رضى الله عنه- الحلق أفضل من التقصير لما روينا من الأثر فيه، ولأن المأمور به بعد الذبح قضاء التفث قال الله تعالى (ثم ليقضوا تفثهم)وهو فی الحلق أتم والتقصير فيه بعض الحلق فلهذا كان الحلق أفضل، والتقصير يجزی وهو أن يأخذ شيئا من أطراف شعره، ورواه فی الكتاب عن ابن عمر -رضى الله عنه- أنه سئل كم تقصر المرأة؟ فقال مثل هذه يعنی مثل الأنملة، وهذا لأنه لو لم يكن على رأسه من الشعر إلا ذلك القدر كان يتم تحلله بأخذه فكذلك إذا كان على رأسه من الشعر أكثر من ذلك يتم تحلله بأخذ ذلك المقدار والتقصير، قائم مقام الحلق فی حكم التحلل فإذا فعل ذلك فی أحد جانبی رأسه أجزأه بمنزلة ما لو حلق نصف رأسه، وكذلك إن فعله فی أقل من النصف، وكان بقدر الثلث أو الربع فكذلك يجزئه؛ لأن كل حكم تعلق بالرأس فالربع منه ينزل منزلة الكمال كالمسح بالرأس، ولكنه مسیء فی الاكتفاء بهذا المقدار؛ لأن النبی -صلى الله عليه وسلم- حلق جميع رأسه، وأمرنا بالاقتداء به فما كان أقرب إلى موافقة فعله فهو أفضل، ولأنه إنما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ دیگر اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مرد اور عورت کے حق میں بالوں کی لمبائی میں کوئی مخصوص مقدار واجب نہیں، اس لئے ان کے نزدیک انگلی کے ایک پورے کی مقدار سے کم ترشوا دینا بھی کافی ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يفعل هذا ضنة منه بشعره، وفيما هو نسک تكره الضنة فيه بالمال والنفس فكيف بالشعر(المبسوط،للسرخسی، كتاب المناسک، باب الحلق)

(قوله بأن يأخذ إلخ) قال في البحر :والمراد بالتقصير أن يأخذ الرجل والمرأة من رء وس شعر ربع الرأس مقدار الأنملة كذا ذكره الزيلعي، ومراده أن يأخذ من كل شعرة مقدار الأنملة كما صرح به فی المحيط .وفی البدائع قالوا :يجب أن يزيد فی التقصير على قدر الأنملة حتى يستوفى قدر الأنملة من كل شعرة برأسه لأن أطراف الشعر غير متساوية عادة.

قال الحلبي فی مناسكه وهو حسن اهـ وفی الشرنبلالية :يظهر لی أن المراد بكل شعرة أی من شعر الربع على وجه اللزوم ومن الكل على سبيل الأولوية فلا مخالفة فی الأجزاء لأن الربع كالكل كما فی الحلق اهـ فقول الشارح من كل شعرة أی من الربع لا من الكل وإلا ناقض ما بعده، وقوله: وجوبا قيد لقدر الأنملة فلا يتكرر مع قوله :والربع واجب والأنملة بفتح الهمزة والميم وضم الميم لغة مشهورة، ومن خطأ راويها فقد أخطأ واحدة الأنامل بحر .وفی تهذيب اللغات للنووی الأنامل أطراف الأصابع .وقال أبو عمر الشيباني والسجستاني والجوری لكل أصبع ثلاث أنملات. ......

(قوله فلو لبده إلخ) مثال لتعذر التقصير ومثله ما لو كان الشعر قصيرا فيتعين الحلق، وكذا لو كان معقوصا أو مضفورا كما عزی إلى المبسوط.

ووجهه أنه إذا نقضه تناثر بعض الشعر، فيكون جناية على إحرامه قبل أن يحل منه فيتعين الحلق، لكن قد يقال إن هذا التناثر غير جناية لأنه فی وقت جواز إزالة الشعر بحلق أو غيره، ولو نتفا منه أو من غيره كما يأتی فبقی ما فی المبسوط مشكلا تأمل(رد المحتار ،ج۲،ص۵۱۶،كتاب الحج)

الحلق والتقصير مشروعان فی حق الرجل للتحلل عن الإحرام، والحلق أفضل من التقصير.

وأما المرأة فلا حلق عليها؛ لأن الحلق فی حقها نوع مثلة، ولكنها تقصر، تأخذ شيئاً من أطراف الشعر مقدار أنملة هكذا قال ابن عمر، والأفضل أن تقصر من كل شعر مقدار أنملة؛ لأن التقصير فی حقها قائم مقام الحلق فی حق الرجل، والأفضل فی حق الرجل حلق جميع الرأس، وكذا الأفضل فی حقها الأخذ من كل شعر .وإن قصرت بعض رأسها وتركت البعض أجزأها إذا كان ما قصرت مقدار ربع الرأس فصاعداً، وإن كان أقل من ذلک لا يجزأها اعتباراً للتقصير فی حقها بالحلق فی حق الرجل.(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی،كتاب المناسک،الفصل الرابع عشر :فی الحلق والتقصير)

[1] عن أبی إسحاق ، عن المسور بن مخرمة ، قال :تجمع المحرمة شعرها أثلاثا ، فتأخذ ثلثه(مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۱۳۰۶۴ ،كتاب المناسک،باب فی المحرمة كم تاخذ من شعرها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگرچہ ایک پوروے کی مقدار ترشوانا سنت ومستحب ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن الحجاج ، قال :سألت عطاء عن تقصير المرأة ؟ فقال :تأخذ من جوانبها شيئا ، إنما هو تحليل(ايضاً، رقم الحديث ١٣٠٦٦)

عن هشام ، عن حفصة ابنة سيرين ؛ في تقصير المرأة من شعرها ، قالت :أنه يعجبني أن لا تكثر المرأة الشابة ، وأما التي قد ولت فإن شاء ت أخذت أكثر ، فإن فعلت فلا تزيد على الربع(ايضاً، رقم الحديث ١٣٠٦٧)

عن أشعث ، عن الحسن ؛ في المحرمة كيف تقصر ؟ قال :تأخذ من ناصيتها(ايضاً، رقم الحديث ١٣٠٦٨)

حدثنا شعبة ، قال :سألت الحكم كم تقص المرأة ؟ قال :ليس فيه شيء مؤقت(ايضاً، رقم الحديث ١٣٠٦٩)

عن مغيرة ، عن إبراهيم ، قال :تقصر من شعرها القصير والطويل(ايضاً، رقم الحديث ١٣٠٧٠)

عن عقبة ، عن إبراهيم ، قال :سألت عن الصرورة كم تقصر من شعرها ؟ قال :مثل هذا ، ووضع إبهامه على المفصل الثاني(ايضاً، رقم الحديث ١٣٠٧١)

عن عقبة بن أبي صالح ، قال :سألت سعيد بن جبير عنه ؟ فقال :النساء أعلم(ايضاً، رقم الحديث ١٣٠٧٢)

عن جابر ، عن عامر ، قال :سألته :الحلق للنساء أفضل ، أو التقصير ؟ قال :لا ، بل التقصير ، قصر أزواج النبي صلى الله عليه وسلم(ايضاً، رقم الحديث ١٣٠٧٤)

ل ان حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ کسی نص اور بہت سے آثار میں عورتوں کے بالوں کے کٹانے کے بارے میں کسی مقدار کی تعیین نہیں کی گئی، جن کا تقاضا یہ ہے کہ مخصوص مقدار کی تعیین واجب نہ ہو، البتہ بعض آثار میں ایک پوروے کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس پر عمل سنت ومستحب ہوسکتا ہے۔

اس طرح دونوں قسم کے آثار میں تطبیق ہوجاتی ہے، اور فقہی اعتبار سے یہ بات انتہائی معقول اور راجح ہے۔

قال الشافعي والأصحاب ويستحب للمرأه ان تقصر بقدر أنملة من جميع جوانب رأسها(المجموع شرح المهذب، ج۸، ص۲۰۴، باب صفة الحج)

(قدر الأنملة) أو أزيد أو أنقص بيسير فليست الأنملة تحديدا لا بد منه(منح الجليل شرح مختصر خليل، ج۴، ص۳۹۹، باب في الحج و العمرة)

فصل :وأي قدر قصر منه أجزأه؛ لأن الأمر به مطلق فيتناول الأقل .وقال أحمد :يقصر قدر الأنملة. وهو قول ابن عمر، والشافعي، وإسحاق، وأبي ثور .وهذا محمول على الاستحباب؛ لقول ابن عمر :وبأي شيء قصر الشعر أجزأه(المغني لابن قدامة، ج۳،۳۵۵، كتاب الحج،فصل السنة في الحج الحلق أو التقصير)

مسألة :قال :(والمرأة تقصر من شعرها مقدار الأنملة) الأنملة :رأس الإصبع من المفصل الأعلى .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۹...... اگر کسی کے سر کے بعض حصہ پر کچھ بال ہوں، اور وہ واجب مقدار سے کم ہوں، اور بعض حصہ پر بالکل بال نہ ہوں، تو سر پر اُسترا پھروانا واجب ہے۔

اور اگر کسی کے سر پر بالکل بال نہ ہوں، مثلاً بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے سر کے بال پوری طرح اُڑ گئے ہوں یا اس سے پہلے قریبی وقت میں بال منڈوالئے ہوں، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسے شخص کو احرام سے نکلتے وقت سر پر اُسترا وغیرہ پھروانا واجب ہے، خواہ اُسترے وغیرہ میں بال نہ آئیں، کیونکہ جب بال موجود نہ ہوں، تو اُسترا پھیرنا بال مونڈنے کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمشروع للمرأة التقصير دون الحلق .لا خلاف في ذلك .قال ابن المنذر :أجمع على هذا أهل العلم .وذلك لأن الحلق في حقهن مثله .وقد روى ابن عباس، قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-ليس على النساء حلق، إنما على النساء التقصير .رواه أبو داود .وعن علي قال :نهى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أن تحلق المرأة رأسها .رواه الترمذي.

وكان أحمد يقول :تقصر من كل قرن قدر الأنملة .وهو قول ابن عمر، والشافعي، وإسحاق، وأبي ثور .وقال أبو داود :سمعت أحمد سئل عن المرأة تقصر من كل رأسها؟ قال :نعم، تجمع شعرها إلى مقدم رأسها، ثم تأخذ من أطراف شعرها قدر أنملة .والرجل الذي يقصر في ذلك كالمرأة، وقد ذكرنا في ذلك خلافا فيما مضى(المغني لابن قدامة، ج۳، ۳۹۰، كتاب الحج، باب صفة الحج)

فعلى هذا تقصر من كل قرن قدر الأنملة، ونقل أبو داود :تجمع شعرها إلى مقدم رأسها، ثم تأخذ من أطرافه قدرها، وفي منسك ابن الزاغوني :يجب أنملة، والأشهر يجزء أقل منها(المبدع في شرح المقنع، ج۳، ص ۲۲۲، حلق الشعر)

قوله (والمرأة تقصر من شعرها قدر الأنملة) يعني فأقل وهذا المذهب وقال ابن الزاغوني في منسكه :يجب تقصير قدر الأنملة قال جماعة من الأصحاب :المسنة لها أنملة ويجوز أقل منها (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف، ج۴، ص ۳۹، باب صفة الحج)

[1] عن مغيرة ، عن إبراهيم ، قال :من اعتمر بعد الحج أجرى على رأسه الموسى(مُصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث ۱۳۷۹۸ ، كتاب المناسك، باب في الرجل يعتمر بعد الحج ، من قال يجرى على رأسه الموسى)

عن مسروق ؛ أنه سئل عن رجل اعتمر فحلق ، ثم حج ؟ قال :يمر على رأسه الموسى (ايضاً، رقم الحديث ۱۳۷۹۹)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسے شخص سے بہرحال سر کے بال منڈانے کا حکم ساقط ومعاف ہوجاتا ہے، کیونکہ جب اُسترا پھروانے سے بال اُسترے کے نیچے ہی نہ آئیں گے، تو یہ ایسا ہی ہوگیا جیسا کہ کوئی اُسترا نہ پھروائے، البتہ پھر بھی اختلاف سے بچنے اور دوسرے آثار کی رعایت کرنے کے لئے سر پر اُسترا پھروالینا مستحب ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن سعيد بن جبير ، قال :يمر على رأسه الموسى(ايضاً، رقم الحديث ١٣٨٠٠)

عن ابن جريج ، عن عطاء ، قال :سمعته سئل عن الذى يعتمر بعد الحج ؟ قال :يمر على رأسه الموسى(ايضاً، رقم الحديث ١٣٨٠١)

عن عطاء ؛ في الشيخ الكبير يحج وهو أصلع ؟ قال :يمر الموسى على رأسه(ايضاً، رقم الحديث ١٣٨٠٢)

عن ابن نافع ، عن أبيه ، قال :كان ابن عمر رجلا أصلع ، فكان إذا حج ، أو اعتمر أمر على رأسه الموسى(ايضاً، رقم الحديث ١٣٨٠٣)

[1] اورحنفیہ کا ایک قول مذکورہ صورت میں شافعیہ اور حنابلہ کی طرح اُسترہ پھروانے کے استحباب کا اور ایک قول سنیت کا ہے۔

والحلق -أو التقصير -في ذاته واجب إذا كان على الرأس شعر، أما إذا لم يكن على رأسه شعر -كالأقرع ومن برأسه قروح -فإنه يجب إمرار الموسى على رأسه عند الحنفية والمالكية، واستحب ذلك الشافعية والحنابلة.

وبعد فراغ الحلق يقول :الله أكبر ثلاث مرات، اللهم هذه ناصيتي بيدك، فاجعل لي كل شعرة نورا يوم القيامة، واغفر لي ذنبي يا واسع المغفرة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠،ص٢٥٢، مادة: تحليق)

فصل :والأصلع الذى لا شعر على رأسه، يستحب أن يمر الموسى على رأسه .روى ذلك عن ابن عمر .وبه قال مسروق، وسعيد بن جبير، والنخعي، ومالك، والشافعي، وأبو ثور، وأصحاب الرأى.

قال ابن المنذر :أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم، على أن الأصلع يمر الموسى على رأسه . وليس ذلك واجبا .وقال أبو حنيفة :يجب؛ لأن النبي -صلى الله عليه وسلم -قال :إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم .وهذا لو كان ذا شعر وجب عليه إزالته، وإمرار الموسى على رأسه، فإذا سقط أحدهما لتعذره، وجب الآخر.

ولنا، أن الحلق محله الشعر، فسقط بعدمه، كما يسقط وجوب غسل العضو في الوضوء بفقده. ولأنه إمرار لو فعله في الإحرام لم يجب به دم، فلم يجب عند التحلل، كإمراره على الشعر من غير حلق.(المغنى لابن قدامه، ج٣، ص٣٨٨،كتاب الحج، فصل الأصلع الذى لا شعر على له يمر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰۱...... اگر کسی گنجے وکم مقدار بالوں والے شخص کو سر میں زخم وغیرہ کی وجہ سے اُسترا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الموسى على رأسه عند التحلل من إحرامه)

من لا شعر على رأسه لا حلق عليه ولا فدية ويستحب إمرار الموسى على رأسه ولا يجب ونقل ابن المنذر إجماع العلماء على أن الأصلع يمر الموسى على رأسه.

وحكى أصحابنا عن أبى بكر ابن داود أنه قال لا يستحب إمراره وهو محجوج بإجماع من قبله.

وقال أبو حنيفة هذا الإمرار واجب ووافقنا مالك وأحمد أنه مستحب.

واحتج لأبى حنيفة بحديث عن ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم قال (المحرم إذا لم يكن على رأسه شعر يمر الموسى على رأسه) قالوا ولأنه حكم تعلق بالرأس فإذا فقد الشعر انتقل الوجوب إلى نفس الرأس كالمسح فى الوضوء ولأنها عبادة تجب الكفارة بإفسادها فوجب التشبيه فى أفعالها كالصوم فيما إذا قامت بينة فى أثناء يوم الشك برؤية الهلال.

واحتج أصحابنا بأنه فرض تعلق بجزء من الآدمى فيسقط بفوات الجزء كغسل اليد فى الوضوء فإنه يسقط بقطعها (فإن) قيل الفرض هناك متعلق باليد وقد سقطت وهنا متعلق بالرأس وهو باق (قلنا) بل الفرض متعلق بالشعر فقط ولهذا لو كان على بعض رأسه شعر دون بعض لزمه الحلق فى الشعر ولا يكفيه الاقتصار على إمرار الموسى على ما لا شعر عليه ولو تعلق الفرض عليه لاجزأ.

والجواب عن حديث ابن عمر أنه ضعيف ظاهر الضعف قال الدارقطنى وغيره لا يصح رفعه إلى النبى صلى الله عليه وسلم وإنما هو مروى موقوفا على ابن عمر (قلت) وهو موقوف ضعيف أيضا كما سبق بيانه ولو صح لحمل على الندب.

والجواب عن قياسهم على المسح فى الوضوء من وجهين:

(أحدهما) أن الفرض هناك تعلق بالرأس قال الله تعالى (وامسحوا برؤسكم) وهنا تعلق بالشعر بدليل ما قدمناه قريبا (والثانى) أنه إذا مسح بشعر الرأس سمى ماسحا فلزمه وإذا أمر الموسى لا يسمى حالقا(وأما) الجواب عن قياسهم على الصوم فهو أنه مأمور بإمساك جميع النهار فبقيته بعض ما تناوله الأمر وهنا إنما هو مأمور بأزالة الشعر ولم يبق شء منه والله أعلم(المجموع شرح المهذب، ج۸،ص۲۱۴،باب صفة الحج)

(قوله ويجب إجراء الموسى على الأقرع) هو المختار كما فى الزيلعى والبحر واللباب وغيرها، وقيل استحبابا قال فى شرح اللباب وقيل استنانا وهو الأظهر .اهـ(رد المحتار، ج۲، ص۵۱۶، كتاب الحج)

وإذا جاء وقت الحلق، ولم يكن على رأسه شعر بأن كان حلق قبل ذلك، أو بسبب آخر، ذكر فى الأصل أنه يجرى الموس على رأسه؛ لأنه لو كان على رأسه شعر كان المأخوذ عليه إجراء الموس، وإزالة الشعر فما عجز عنه سقط وما لم يعجز عنه يلزمه، ثم اختلف المشايخ أن إجراء الموس مستحب أو واجب، والأصح أنه واجب لما ذكرنا(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى،كتاب المناسك،الفصل الرابع عشر :فى الحلق والتقصير)

پھروانا ممکن نہ ہو، تو پھر اُسترا پھروانا حنفیہ کے نزدیک بھی معاف ہوجاتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۱...... احرام سے نکلتے وقت سر کے بال دوسرے سے منڈانے یا کٹانے کے بجائے، خود اپنے سر کے بال کاٹنا یا مونڈنا بھی جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ احرام سے نکلتے وقت ایک شخص اپنے سر کے بال کاٹنے یا مونڈنے سے پہلے احرام سے نکلنے کے لئے دوسرے کے سر کے بال کاٹے یا مونڈے۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۲...... سر کے بال منڈاتے یا کٹاتے وقت دائیں طرف سے آغاز کرنا مستحب ہے، البتہ اگر سر کے بال خود سے نہ کاٹے یا مونڈے، بلکہ بال کاٹنے یا مونڈنے والا کوئی دوسرا شخص ہو، تو ایسی صورت میں بال مونڈنے والے کے لحاظ سے دائیں طرف کا اعتبار ہوگا، یا جس کا سر مونڈا جارہا ہے، اس کے لحاظ سے دائیں طرف کا اعتبار ہوگا؟ اس سلسلے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بال کاٹنے یا مونڈنے والے کے لحاظ سے دائیں طرف کا اعتبار ہوگا، اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جس کا سر مونڈا جارہا ہو، اس کے لحاظ سے دائیں طرف کا اعتبار ہوگا۔ [3]

---

[1] ویجب إجراء الموسی علی الأقرع وذی قروح إن أمکن وإلا سقط، ومتی تعذر أحدهما لعارض تعین الآخر فلو لبده بصمغ بحیث تعذر التقصیر تعین الحلق بحر (الدر المختار مع رد المحتار، ج۲، ص ۵۱۶، کتاب الحج)

(قوله وإلا سقط) أی وإن لم یمکن إجراء الموسی علیه ولا یصل إلی تقصیره سقط عنه وحل بمنزلة من حلق(رد المحتار، ج۲، ص ۵۱۶، کتاب الحج)

[2] وذلک کله ما لم یفرغ الحالق والمحلوق له من أداء نسکهما .فإذا فرغا لا یدخلان فی الحظر .ویسوغ لهما أن یحلق أحدهما للآخر، باتفاق المذاهب علی ذلک کله .والدلیل هو ما سبق من نص الآیة، وهی وإن ذکرت الحلق فإن غیره مما ذکرنا مثله فی الترفه، فیقاس علیه، ویأخذ حکمه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲، ۱۵۸، مادة: احرام ، حلق الرأس)

[3] مگر بال مونڈنے والے کے اعتبار سے دائیں طرف کے لحاظ کے حنفیہ کے قول پر دل کا اطمینان نہیں ہوا، کیونکہ سر کے بالوں کے حلق یا قصر کا نُسک یا عبادت ہونا بال منڈانے والے کے اعتبار سے ہے، اور اس عبادت ونسک کا تعلق ظاہر ہے کہ بال منڈانے یا کٹانے والے کے حق میں ہے، اور اگر بال مونڈنے والا کوئی غیر مسلم ہو، تو اس کے حق میں یہ کسی طرح نسک وعبادت نہیں بنتا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۳...... اگر کوئی شخص احرام سے نکلتے وقت اپنے بال کسی کریم پاؤڈر وغیرہ سے صاف کردے، تو بھی احرام سے نکل جاتا ہے، لیکن اُسترے سے سر منڈوانا افضل ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر ۱۴...... احرام سے نکلنے کے وقت مرد کو سر کے بال منڈانے یا کٹانے کے ساتھ ڈاڑھی کے بالوں کا کاٹنا ضروری نہیں، البتہ مونچھوں کا اور اگر ڈاڑھی ایک مٹھی سے زیادہ مقدار ہو، تو شافعیہ کے نزدیک مٹھی سے زائد مقدار کو کاٹ دینا مستحب ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک احرام والے کے لئے احرام سے نکلتے وقت سَر مونڈنے کے بعد اپنے ناخنوں اور مونچھوں اور زیرِ بغل وزیرِ ناف بالوں کو کاٹنا بھی مستحب ہے۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يستحب التيامن في حلق الرأس فيقدم الشق الأيمن على الشق الأيسر، ولكنهم اختلفوا هل العبرة بيمين المحلوق أو بيمين الحالق؟

فذهب الجمهور إلى أن العبرة بيمين المحلوق فيبدأ بشق رأسه الأيمن ثم الشق الأيسر.

ودليل الجمهور في ذلک ما رواه أنس بن مالک رضي الله عنه :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى منى فأتى الجمرة فرماها، ثم أتى منزله بمنى ونحر، ثم قال للحلاق :خذ وأشار إلى جانبه الأيمن ثم الأيسر، ثم جعل يعطيه الناس .

وفي رواية :لما رمى الجمرة ونحر نسكه وحلق ناول الحلاق شقه الأيمن فحلقه، ثم دعا أبا طلحة الأنصاري رضي الله عنه فأعطاه إياه، ثم ناوله الشق الأيسر فقال :احلق :فحلقه، فأعطاه أبا طلحة فقال :اقسمه بين الناس .

وذهب الإمام أبو حنيفة إلى أن العبرة بما على يمين الحالق وهو شق رأس المحلوق الأيسر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص ۲۰۹، مادة: تيامن، الحلق)

۱؎ فإن حلق رأسه بالنورة أجزأه والموسى أفضل، أما الجواز فلحصول المقصود، وهو إزالة الشعر.(بدائع الصنائع، ج۲، ص ۱۴۰،كتاب الحج، فصل الحلق أو التقصير)

والإزالة لا تختص بالموسى بل بأي آلة كانت أو بالنورة، والمستحب الحلق بالموسى؛ لأن السنة وردت به(البحر الرائق، ج۲، ص ۳۷۲، كتاب الحج،باب الاحرام)

۲؎ ذهب الشافعية إلى أنه يندب للمحرم عند تحلله من الإحرام إذا لم يكن برأسه شعر أن يأخذ من شاربه أو من شعر لحيته.وروي عن عطاء وطاوس أنه يستحب لو أخذ من لحيته شيئا.

وذهب الحنفية إلى أنه يستحب للمحرم عند تحلله قص أظافره وشاربه واستحداده بعد حلق رأسه ولا يأخذ من لحيته شيئا، ولكن إن أخذ منها لم يجب عليه شيء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۵،ص ۲۳۲ ،مادة لحية، الأخذ من اللحية عند التحلل من الإحرام)

ويستحب قص أظفاره وشاربه واستحداده بعد حلق رأسه كذا في غاية السروجي شرح الهداية ولا يأخذ من لحيته شيئا ولو فعل لا يجب عليه شيء كذا في التبيين(الفتاویٰ الهندية، ج ۱ ص ۲۳۲، كتاب المناسک)

(باب نمبر۹)

رَمی، حج کی قربانی، بال کٹانے اور طواف میں ترتیب

مزدلفہ کے وقوف سے فارغ ہوکر پہلے دس ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ یعنی بڑے شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں، جس کو رمی کہا جاتا ہے، اور اس کے بعد حجِ تمتع یا حجِ قران کرنے والے کی طرف سے حج کی قربانی کی جاتی ہے، اور پھر سر کے بال کٹائے یا منڈائے جاتے ہیں، اور پھر طوافِ زیارت کیا جاتا ہے۔

اس طرح سے ترتیب وار یہ چار اعمال ہیں، اور ان اعمال کے درمیان ترتیب کے واجب یا سنت ہونے کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال مختلف ہیں۔

مذکورہ اعمال کی ترتیب سے متعلق احادیث وروایات

پہلے ان اعمال کی ترتیب سے متعلق چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ حکم ذکر کیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتٰى مِنًى، فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا، ثُمَّ أَتٰى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَنَحَرَ، ثُمَّ قَالَ لِلْحَلَّاقِ خُذْ وَأَشَارَ إِلٰى جَانِبِهِ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ الْأَيْسَرِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (دس ذی الحجہ کو) منیٰ تشریف لائے، پھر آپ نے جمرہ (عقبہ) کی رَمی فرمائی، پھر منیٰ میں اپنے مقام پر آئے، اور قربانی کی، پھر

---

[1] رقم الحديث ۱۳۰۵ "۳۲۳" كتاب الحج، باب بيان أن السنة يوم النحر أن يرمي، ثم ينحر، ثم يحلق والابتداء في الحلق بالجانب الأيمن من رأس المحلوق.

نائی کو اپنے بال کاٹنے کا حکم فرمایا، اور پہلے اپنے (سر کے) دائیں جانب کے بال کاٹنے کا حکم فرمایا، پھر بائیں جانب کے (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے دس ذی الحجہ کے دن جمرۂ عقبہ کی رَمی کی جائے، اور پھر حج کی قربانی کی جائے، اور پھر سر کے بال کٹائے یا منڈائے جائیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا مَعَهُ لَمْ يَطُوْفُوْا حَتّٰى رَمَوُا الْجَمْرَةَ (سنن أبى داود) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام جو آپ کے ساتھ تھے، انہوں نے جمرہ (عقبہ) کی رَمی کرنے سے پہلے طواف نہیں کیا (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ طوافِ زیارت کا مسنون وافضل وقت دس ذی الحجہ کی رَمی وغیرہ کرنے کے بعد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَمَّنْ ذَبَحَ، قَبْلَ أَنْ يَّحْلِقَ، أَوْ حَلَقَ، قَبْلَ أَنْ يَّذْبَحَ قَالَ: لَا حَرَجَ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا، جس نے بال منڈانے سے پہلے قربانی کرلی، یا قربانی سے پہلے بال منڈا لیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں (ابن ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ سر کے بال منڈانے یا کٹانے سے پہلے حج کی قربانی کرنے یا قربانی کرنے سے پہلے سر کے بال کٹانے یا منڈانے کی غلطی سرزد ہوجانے میں کوئی حرج نہیں، اور حرج نہ ہونے کی تفصیل آگے آتی ہے۔

---

[1] رقم الحديث ۱۸۹۶، كتاب المناسك.

[2] رقم الحديث ۳۰۵۱، كتاب المناسك، باب من قدم نسكا، قبل نسك.

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُوْنَهُ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ؟ فَقَالَ: اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ: لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ؟ قَالَ: اِرْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ: اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں لوگوں کے لئے ٹھہرے، لوگوں نے آپ سے سوالات کرنا شروع کیے، ایک آدمی آیا، اُس نے عرض کیا کہ مجھے شعور نہیں تھا، میں نے (حج کی قربانی کا جانور) ذبح کرنے سے پہلے بال منڈوادیے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ (قربانی کا جانور اب) ذبح کرلیں، اور کوئی حرج نہیں، پھر دوسرا شخص آیا، اس نے عرض کیا کہ مجھے شعور نہیں تھا، میں نے رمی سے پہلے قربانی کرلی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ رمی کرلیں اور کوئی حرج نہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جس چیز کے بھی مقدم یا مؤخر کرنے کے بارے میں سوال کیا جاتا، تو آپ یہی فرماتے کہ آپ اُس عمل کو کرلیجئے (جو رہ گیا ہے) اور کوئی حرج نہیں (بخاری)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اعمال کی ترتیب کی خلاف ورزی اگر غیر شعوری طریقہ پر ہوجائے، تو کوئی حرج نہیں، اور دوسری کئی روایات میں شعور وغیرہ کی کوئی قید وذکر نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ حَلَقَ، وَجَلَسَ لِلنَّاسِ، فَمَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا قَالَ: لَا حَرَجَ، لَا حَرَجَ، حَتّٰى جَاءَهُ رَجُلٌ،

---

[1] رقم الحديث ۸۳، كتاب العلم، باب الفتيا وهو واقف على الدابة وغيرها.

فَقَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ، قَالَ: لَا حَرَجَ، ثُمَّ جَاءَهُ آخَرُ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ: لَا حَرَجَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ، وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ، وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ، وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۴۹۸) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حج میں) قربانی کی، پھر بال منڈوائے، اور لوگوں کے لئے بیٹھ گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی سوال پوچھا گیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ کوئی حرج نہیں حتّٰی کہ ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے بال منڈوالئے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں پھر دوسرا آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے رمی کرنے سے پہلے بال منڈوالیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ پورا میدانِ عرفات وقوف کی جگہ ہے پورا میدانِ مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے پورا میدانِ منیٰ قربان گاہ ہے اور مکہ مکرمہ کا ہر کشادہ راستہ قربان گاہ اور (مکہ میں داخل ہونے کا) راستہ ہے (مسند احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مذکورہ اعمال میں ترتیب کی خلاف ورزی کرنے والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حرج نہ ہونے کا فتویٰ دیا۔

حضرت اُسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَّذْبَحَ؟ قَالَ: لَا حَرَجَ (مصنف ابن ابی شيبة) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا، جس نے

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن.

[2] رقم الحديث ۱۵۱۹۷، كتاب المناسك، باب فی الرجل يحلق قبل أن يذبح.

ذبح کرنے سے پہلے سَر کے بال منڈا لیے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں (ابن ابی شیبہ)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يَسْأَلُوْنَهُ، وَهٰذَا يَقُوْلُ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ، وَهٰذَا يَقُوْلُ: فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا قَبْلُ، فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: لَا حَرَجَ لَا حَرَجَ

(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۴۷۶، ج ۱ ص ۱۸۲)

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا، اور لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے، اور کوئی یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے بال منڈوا لیے، اور کوئی یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے اس عمل سے پہلے فلاں فلاں کام کر لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں (طبرانی)

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی گزشتہ حدیثوں کی طرح ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت عطاء رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: زُرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ لَا حَرَجَ، قَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ، قَالَ: لَا حَرَجَ، قَالَ: ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ، قَالَ: لَا حَرَجَ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے رمی کرنے سے پہلے طوافِ زیارت کر لیا ہے، نبی

---

[1] رقم الحديث ۱۷۲۲، كتاب الحج، باب الذبح قبل الحلق، مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۵۷.

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، اس نے کہا کہ میں نے ذبح کرنے سے پہلے بال منڈوا لیے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، اس نے کہا کہ میں نے رمی کرنے سے پہلے ذبح کرلیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں (بخاری)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اور شاگرد حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى، فَيَقُوْلُ: لَا حَرَجَ، فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ، قَالَ: اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ وَقَالَ: رَمَيْتُ بَعْدَ مَا أَمْسَيْتُ، فَقَالَ: لَا حَرَجَ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ میں یومُ النحر (یعنی دس ذی الحجہ کے دن) سوال کیا جاتا رہا، تو آپ فرماتے رہے کہ کوئی حرج نہیں، ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا کہ میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوالیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، اور ایک آدمی نے کہا کہ میں نے شام ہونے کے بعد (یعنی رات کے وقت) رَمی کی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں (بخاری)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اور شاگرد حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، حَلَقْتُ وَلَمْ أَنْحَرْ؟ قَالَ: لَا حَرَجَ وَانْحَرْ، وَجَاءَهُ آخَرُ،

---

[1] رقم الحديث ۱۷۳۵، كتاب الحج، باب إذا رمى بعد ما أمسى، أو حلق قبل أن يذبح، ناسيا أو جاهلا.

فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِىَ؟ قَالَ: فَارْمِ، وَلَا حَرَجَ

(مسند احمد، رقم الحديث ۳۰۳۶) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا، اور اس نے عرض کیا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوالیا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، اور آپ اب قربانی کرلیجئے، اور دوسرا شخص آیا، اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں نے رَمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اب رمی کرلیجئے، اور کوئی حرج نہیں (مسند احمد)

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اور شاگرد حضرت طاوس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيْلَ لَهٗ يَوْمَ النَّحْرِ وَهُوَ بِمِنًى فِي الرَّمْيِ وَالْحَلْقِ وَالنَّحْرِ وَالتَّقْدِيْمِ وَالتَّأْخِيْرِ فَقَالَ لَا حَرَجَ (المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم لابى نعيم الاصبهانى، رقم الحديث ۳۰۱۹، كتاب الحج)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم النحر (یعنی دس ذی الحجہ کے دن) منیٰ میں رمی، حلق اور قربانی کی (ایک دوسرے پر) تقدیم وتاخیر کے بارے میں سوال کیا گیا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں (ابونعیم)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ اعمال کے درمیان تقدیم وتاخیر ہونے پر کوئی حرج نہ ہونے کا فتویٰ روایت کرتے ہیں۔

---

[1] فى حاشية مسند احمد: إسناده قوى على شرط مسلم.

ملحوظ رہے کہ اس طرح کی احادیث حضرت ابو سعید خدری، اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی سندوں سے بھی مروی ہیں، اور بعض تابعین سے مرسلاً بھی مروی ہیں۔ [1]

اس طرح کی کثیر اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دس ذی الحجہ کے اعمال (یعنی رمی، ذبح، حلق، طوافِ زیارت) میں تقدیم وتاخیر ہوجائے، تو کوئی حرج نہیں، اور یہ احادیث لفظاً ومعناً متواتر درجہ سے کم نہیں ہیں۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ قَدَّمَ مِنْ نُسُكِهِ شَيْئًا، أَوْ أَخَّرَهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ (السنن الکبریٰ للبیہقی) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے حج کا کوئی عمل مقدم کردیا یا مؤخر کردیا، تو اس پر کچھ (گناہ وکفارہ وغیرہ) نہیں (بیہقی)

---

[1] عن عبادة بن نسی، قال :حدثنی أبو زبيد، قال :سمعت أبا سعيد الخدری يقول: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو بين الجمرتين عن رجل طاف بالبيت قبل أن يرمی، وحلق قبل أن يذبح، قال :لا حرج ، ثم قال :أيها الناس، إن الله قد رفع عنكم الضيق والحرج، ولكن تعلموا مناسككم، فإنها من دينكم(تهذيب الآثار مسند ابن عباس، رقم الحديث ۳۷۵، شرح معانی الآثار، رقم الحديث ۴۰۷۹)

عن أبی رافع، عن علی رضی الله عنه، قال :جاء رجل، فقال :يا رسول الله، حلقت قبل أن أذبح؟ قال :لا حرج ثم جاءه آخر، فقال :نحرت قبل أن أرمی؟ قال :لا حرج ، ثم جاءه آخر، فقال :أفضيت قبل أن أحلق؟ قال :لا حرج(تهذيب الآثار مسند ابن عباس، رقم الحديث ۳۶۷)

عن عكرمة أن النبی صلى الله عليه وسلم قال له رجل :ذبحت قبل أن أرمی الجمرة؟ قال :لا حرج ، قال :وقال له رجل :حلقت قبل أن أذبح؟ قال :لا حرج ، قال :فما سئل عن شیء يومئذ إلا جعل يومء بيده ويقول :لا حرج(تهذيب الآثار للطبری، مسند ابن عباس، رقم الحديث ۳۵۱)

عن عطاء أن النبی صلى الله عليه وسلم سئل يومئذ عن ست خصال :عمن حلق قبل أن يذبح، أو ذبح قبل أن يرمی، فجعل يقول :لا حرج، لا حرج(تهذيب الآثار للطبری، مسند ابن عباس، رقم الحديث ۳۶۴)

[2] رقم الحديث ۹۶۳۳، كتاب الحج، ابواب دخول مكة، باب التقديم والتأخير فی عمل يوم النحر، السنن الصغير للبيهقی، رقم الحديث ۱۷۰۰.

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سُئِلَ عَنْ مَّنْ قَدَّمَ مِنَ الْمَنَاسِكِ شَيْئًا أَوْ أَخَّرَهٗ بِجَهَالَةٍ لَهٗ غَيْرَ مُتَعَمِّدٍ، فَقَالَ: لَا بَأْسَ عَلَيْهِ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۲۷۴۳، ج ۱۲ ص ۱۵۵)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس نے اعمال میں سے کوئی عمل مقدم کردیا یا مؤخر کردیا، ناواقفیت کی وجہ سے، اور بغیر جان بوجھ کر؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر کچھ (گناہ وکفارہ وغیرہ) نہیں (طبرانی)

ان روایات میں دس ذی الحجہ کی اعمال کی قید لگائے بغیر حج کے کسی عمل کو مقدم یا مؤخر کرنے پر کچھ نہ ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، اگر ان روایات میں مذکور اعمال سے دس ذی الحجہ کے اعمال مراد لئے جائیں، تو یہ روایات گزشتہ احادیث ہی کے مطابق بن جاتی ہیں۔

اس طرح سے دونوں قسم کی روایات اپنی جگہ درست ہیں۔ [۱]

البتہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک موقوف روایت میں حج کے کسی عمل کو مقدم یا مؤخر کرنے پر دَم کا حکم مذکور ہے۔ [۲]

مگر اولاً تو اس روایت کی سند میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے۔ [۳]

---

[۱] اور کچھ واجب نہ ہونے میں گناہ نہ ہونا بھی داخل ہے، اور دَم واجب نہ ہونا بھی داخل ہے، اگرچہ بعض روایات میں ناواقفیت کی قید ہے، مگر ناواقفیت کی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ وکراہت وغیرہ نہیں، اور اگر جان بوجھ کر کرے، تو کراہت وغیرہ ہے، مگر کفارہ پھر بھی نہیں۔

[۲] عن إبراهيم بن مهاجر ، عن مجاهد ، عن ابن عباس ، قال :من قدم شيئا من حجه ، أو أخره ، فليهرق لذلك دما (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۱۵۱۸۸، باب فی الرجل يحلق قبل ان يذبح، شرح معانی الآثار، رقم الحديث ۴۰۸۱)

[۳] چنانچہ اس روایت کی سند میں ابراھیم بن مہاجر ہیں، اور ان کو رجالِ مسلم میں سے کہا گیا ہے، مگر ان کو محدثین نے ضعیف اور بعض نے لیس بہ بأس فرمایا ہے، اور انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ صدوق تو ہیں، لیکن اسی کے ساتھ لین الحفظ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے متعدد جلیل القدر شاگردوں وغیرہ نے ''لاحرج'' اور ''لاشیئ علیہ'' یعنی تقدیم وتاخیر ہونے پر کوئی حرج اور کچھ واجب نہ ہونے کی صحیح مرفوع احادیث روایت کی ہیں، یہاں تک کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت مجاہد، اور ان کے علاوہ حضرت طاووس سے بھی کوئی چیز واجب نہ ہونے کی روایت مروی ہے۔ [1]

اور مذکورہ روایت (جس میں تقدیم وتاخیر پر دَم واجب ہونے کا ذکر ہے) کے راوی حضرت مجاہد ہی ہیں، جس سے مذکورہ روایت کی سند میں مزید ضعف پیدا ہوجاتا ہے۔

تیسرے حضرت ابنِ عباس کی ایک روایت میں تقدیم وتاخیر کے بجائے حج کے کسی نسک وعمل کو بھول جانے یا ترک کرنے پر دَم کا حکم مذکور ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بھی ہیں، اس لئے ان کے متابع وشواہد ہونے کی صورت میں تو ان کی حدیث کو قبول کیا جاسکتا تھا، مگر یہاں ان کے متابع اور شاہد موجود نہیں ہیں، بلکہ شواہد اس کے خلاف ہیں، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان سے اس روایت کے الفاظ محفوظ کرنے میں خطاء ہوئی ہے، اور ان کی یہ روایت متواتر اور مرفوع احادیث کے مقابلہ میں راجح بلکہ ان کے ہم پلہ نہیں ہوسکتی، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

قال الشيخ فی "الإمام : "وإبراهيم بن مهاجر ضعيف انتهى (نصب الراية فی تخريج احاديث الهداية، ج۵ص۳۳۸، كتاب الحج)

إبراهيم ابن مهاجر ابن جابر البجلی الكوفی صدوق لين الحفظ من الخامسة (تقريب التهذيب، ج ۱ ص ۹۴، رقم الترجمة ۲۵۴)

وقال عبد الرحمن بن مهدی عن سفيان الثوری :لا بأس به.وقال يحيى بن سعيد القطان :لم يكن بقوی.وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل عن أبيه :لا بأس به.وقال أيضا عن أبيه :قال يحيى بن معين يوما عند عبد الرحمن بن مهدی -وذكر إبراهيم بن مهاجر والسدی -فقال يحيى :ضعيفان فغضب عبد الرحمن وكره ما قال.وقال عباس الدوری عن يحيى بن معين :ضعيف.وقال أحمد بن عبد الله العجلی :جائز الحديث.وقال النسائی فيما قرأت بخطه :ليس بالقوی فی الحديث.وقال فی موضع آخر :ليس به بأس.وقال أبو أحمد بن عدی :هو عندی أصلح من إبراهيم الهجری، وحديثه يكتب فی الضعفاء (تهذيب الكمال ، ج۲ص ۲۱۲، ۲۱۳)

[1] عن جابر بن زيد ؛ فی رجل حلق قبل أن ينحر ، قال :عليه الفدية ، قال :فسألت مجاهدا ، وطاووسا ؟ فقالا :ليس عليه شیء (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۱۵۱۸۷ ،باب فی الرجل يحلق قبل ان يذبح)

چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ نَسِيَ مِنْ نُسُكِهِ شَيْئًا، أَوْ تَرَكَ فَلْيُهْرِقْ دَمًا، قَالَ أَيُّوْبُ: لَا أَدْرِيْ أَقَالَ تَرَكَ أَمْ نَسِيَ؟ (مؤطا امام محمد، تحت رقم الحديث ۵۰۲، كتاب الحج، باب: من قدم نسكا قبل نسک)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو اپنے حج کے عمل میں سے کوئی عمل بھول گیا، یا اس نے (کوئی عمل) ترک کردیا، تو اسے چاہیئے کہ وہ دَم ادا کرے، حضرت ایوب (راوی) کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ یہ فرمایا کہ اس نے چھوڑ دیا یا بھول گیا (مؤطا امام محمد)

اس روایت میں تقدیم وتاخیر کا ذکر نہیں، اور اس کے بجائے کوئی عمل بھول جانے یا ترک کردینے کا ذکر ہے، جس میں راوی کو اشتباہ ہوا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب کوئی عمل اداء کرنا بھول جائے یا اس کو بالکلیہ ترک کردے، اور وہ عمل واجب بھی ہو، تو اس پر دَم کا واجب ہونا ایک معقول بات ہے، جبکہ ہمارا زیرِ بحث مسئلہ ترک کرنے یا ادائیگی کو بھول جانے کے بجائے تقدیم وتاخیر سے ہے، اس لئے مذکورہ روایت سے تقدیم وتاخیر کے بجائے کسی عمل کے بالکلیہ ترک ہوجانے پر دَم واجب ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ممکن ہے کہ پہلی روایت کا بھی مطلب یہی ہو، جس کے بیان کرنے کے الفاظ وتعبیر میں راوی کو اشتباہ ہوگیا ہو۔

جس کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے جو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح مرفوع حدیث مروی ہے، اس میں خاص دس ذی الحجہ کے اعمال یعنی ذبح سے پہلے حلق کرانے، اور رَمی سے پہلے ذبح کرنے میں کوئی حرج نہ ہونے کی حدیث مروی ہے، جس کا ذکر پہلے گزرا۔

اس سلسلہ میں فقہائے کرام کے اقوال اور راجح قول

مذکورہ احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ دس ذی الحجہ کے دن پہلے بڑے شیطان کو رمی کرنا، پھراس کے بعد اگر حج تمتع یاحجِ قران کرنے والا ہے، تو قربانی کرنا، پھراس کے بعد بال کٹوانا یا منڈوانا، ان تینوں اعمال کو اسی ترتیب پر ادا کرنا چاہیئے۔

اوران اعمال کے بعد پھر طوافِ زیارت کرنا چاہیئے۔ [1]

لیکن کیا دس ذی الحجہ کی رَمی، پھر حجِ تمتع یاحجِ قِران کی قربانی، اوراس کے بعد بال منڈانا یا کٹانا، ان تینوں اعمال کو مذکورہ ترتیب کے مطابق کرنا واجب ہے یا سنت؟

اس میں احادیث وروایات میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے فقہائے کرام کا بھی اختلاف ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طوافِ زیارت کے علاوہ باقی مذکورہ تینوں اعمال میں ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب ہے، جس کی خلاف ورزی پر دَم واجب ہوتا ہے۔

---

[1] فصل :وفی یوم النحر أربعة أشیاء :الرمی، ثم النحر، ثم الحلق، ثم الطواف .والسنة ترتیبها هكذا؛ فإن النبی -صلى الله علیه وسلم -رتبها، كذلك وصفه جابر فی حج النبی -صلى الله علیه وسلم .-وروى أنس، أن النبی -صلى الله علیه وسلم -رمى، ثم نحر، ثم حلق .رواه أبو داود(المغنی لابنِ قدامة، ج۳ص ۳۹۵،فصل فی یوم النحر أربعة أشیاء الرمی ثم النحر ثم الحلق ثم الطواف)

تاسعا :ترتیب أعمال یوم النحر:

یفعل الحاج بمنى یوم النحر ثلاثة أعمال على هذا الترتیب:

رمی جمرة العقبة، ثم ذبح الهدی إن كان قارنا أو متمتعا (ر :ف ۵ ـ ۷) ثم الحلق أو التقصیر.

ثم یذهب إلى مكة فیطوف طواف الزیارة.

والأصل فی هذا الترتیب هو فعله صلى الله علیه وسلم :عن أنس بن مالك رضی الله عنه :أن رسول الله صلى الله علیه وسلم رمى جمرة العقبة یوم النحر، ثم رجع إلى منزله بمنى، فدعا بذبح فذبح، ثم دعا بالحلاق فأخذ بشق رأسه الأیمن، فجعل یقسم بین من یلیه الشعرة والشعرتین، ثم أخذ بشق رأسه الأیسر فحلقه وفی حدیث جابر :ثم ركب رسول الله صلى الله علیه وسلم فأفاض إلى البیت (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۱۷، ص ۵۹، وص ۶۰، مادة "حج")

پس اگر کسی نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کردی یا بال منڈایا کٹا لیے یا رمی کرنے کے بعد مگر قربانی کرنے سے پہلے بال منڈایا کٹا لیے تو اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دَم واجب ہے، اور طوافِ زیارت کو ان اعمال کے بعد کرنا سنت ہے۔

اور جن احادیث میں ترتیب کی خلاف ورزی ہونے پر کوئی حرج نہ ہونے کا ذکر ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ان کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد گناہ ہونے کی نفی کرنا ہے، دَم واجب ہونے کی نفی کرنا نہیں ہے۔ [1]

جبکہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ترتیب

---

[1] ملحوظ رہے کہ طوافِ زیارت کا مذکورہ تین اعمال (یعنی دس ذی الحجہ کی رَمی، حج کی قربانی اور بال منڈانے یا کٹانے) کی ترتیب کے وجوب سے تعلق نہیں، اس لئے طوافِ زیارت خواہ ان تینوں اعمال سے پہلے کیا جائے، یا بعد میں کیا جائے، یا بعض کے بعد اور بعض سے پہلے کیا جائے، بہرصورت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بھی دَم واجب نہیں۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان تینوں اعمال (یعنی دس ذی الحجہ کی رَمی، حج کی قربانی اور بال منڈانے یا کٹانے) میں ترتیب حجِ تمتع یا حجِ قِران کرنے والے پر واجب ہوتی ہے، اور جو حجِ افراد کرنے والا ہے، اس پر کیونکہ حج کی قربانی واجب نہیں، اس لئے اس پر ان تین اعمال کی ترتیب واجب نہیں، البتہ اگر وہ قربانی کرنا چاہے، تو اس ترتیب کا لحاظ افضل ہے، مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک رَمی اور اس کے بعد بال کٹانے یا منڈانے میں ترتیب، حجِ افراد کرنے والے پر بھی واجب ہے، خواہ وہ حج کی قربانی کرے یا نہ کرے۔

پھر اگر کوئی حجِ قِران کرنے والا ہو، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ تینوں اعمال میں ترتیب کی خلاف ورزی پر دو دَم واجب ہوں گے، کیونکہ حجِ قِران کرنے والے کا احرام حج وعمرہ دونوں کے احراموں پر مشتمل ہوتا ہے، اور ھدی ساتھ لے جانے والا حنفیہ کے نزدیک متمتع بحکمِ قارِن ہوتا ہے، اور صاحبِ درِمختار کی تصریح کے مطابق اس پر بھی دو دَم واجب ہیں۔

واعلم أن فی یوم النحر أربعة أفعال الرّمی والذّبح والحلق والطّواف .ثم لا ترتیب فی الطواف؛ فإنه عبادة فی الأحوال کلّها ولیس بجنایة .والنحر لیس بواجب علی المفرد، نعم یجب الترتیب بین الرمی والحلق مطلقاً، وبین الذبح والحلق علی القارن والمتمتع فقط .ولم یُعلم بعد أن هذا الرجل کان قارناً أو مفرداً، فإن کان مفرداً فأبو حنیفة رحمه الله تعالی أیضاً یقول کما فی الحدیث یعنی أنه لا شیء علیه؛ لأن ذلک الذّبح الذی قُدِّمَ علیه الحَلْق ذَبْحٌ غیر واجبٍ ولکن کان أفضل له أن یُقَدِّمَ الذَّبْحَ قبل الحَلْقِ ولکنه إذا قَدَّمَ الحَلْقَ أَجْزَأَهُ ولا شیء علیه(فیض الباری شرح البخاری للکشمیری، ج ا ص ۲۶۰)

(فعلی القارن) ومثله متمتع ساق الهدی (دمان)(الدرالمختار علی الرد المحتار، ج۲ص۵۷۷، باب الجنایات فی الحج)

واجب نہیں، بلکہ سنت ہے، جس کی خلاف ورزی پر ان کے نزدیک دَم واجب نہیں ہوتا۔[۱]
اور دلائل کے لحاظ سے ہمارے نزدیک یہی قول راجح ہے، بالخصوص آج کے دور میں جبکہ عام حجاجِ کرام کو ان اعمال کی ترتیب کی رعایت کرنے میں بے شمار مشکلات کا سامنا ہے، چنانچہ آج کے دور میں حکومتی انتظامات کے پیشِ نظر جانوروں کی خریداری اور ان کی بود و باش کا انتظام اور ان کو حرم کی حدود اور خاص کر منیٰ میں رَمی کے بعد اور بال منڈانے سے پہلے ذبح کرنے کی ترتیب پر عمل کرنا عام حجاجِ کرام کے لئے ایک مشکل مرحلہ بن چکا ہے۔
مزید براں حکومتِ سعودیہ کی طرف سے حجاجِ کرام کی قربانی کے لئے پیشگی رقم بھی جبری طور پر حاصل کی جانے لگی ہے، برخلاف پہلے زمانہ کے، جس میں قربانی کے جانور کی خریداری اور اس کی بود و باش بلکہ اس کو اپنے ہمراہ رکھنا، اور اس سے بڑھ کر اپنے علاقہ سے قربانی کے

---

[۱] وبالحديث الذى روى عن النبى صلى الله عليه و سلم نأخذ أنه قال :لا حرج فى شىء من ذلک .وقال أبو حنيفة رحمه الله :لا حرج فى شىء من ذلک ولم ير فى شىء من ذلک كفارة إلا فى خصلة واحدة المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن يذبح قال عليه دم وأما نحن فلا نرى عليه شيئا(موطأ امام محمد، باب من قدم نسكا قبل نسک)

اعلم أن الترتيب بين الرمى، والذبح، والحلق للقارن، والمتمتع واجب عند أبى حنيفة، وسنة عندهما(مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۸۳۳،كتاب المناسک، باب فى تقديم وتأخير بعض المناسک)

ومن أخر الحلق حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبى حنيفة -رَحِمَهُ اللَّهُ -، وكذا إذا أخر طواف الزيارة حتى مضت أيام التشريق فعليه دم عنده وقالا :لا شىء عليه فى الوجهين وكذا الخلاف فى تأخير الرمى وفى تقديم نسک على نسک كالحلق قبل الرمى، ونحر القارن قبل الرمى، والحلق قبل الذبح (الهداية، ج۴، ص ۳۶۶، باب الجنايات)

فذهب الحنفية إلى وجوب الترتيب بين أعمال منى حسب الوارد، أما الترتيب بينها وبين طواف الإفاضة فسنة.
واستدلوا بأدلة منها:
مراعاة اتباع فعل النبى صلى الله عليه وسلم كما نص عليه حديث أنس، وقوله تعالى :(ليذكروا اسم الله على ما رزقهم من بهيمة الأنعام فكلوا منها وأطعموا البائس الفقير ثم ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطوفوا بالبيت العتيق)
وجه الاستدلال أنه أمر بقضاء التفث وهو الحلق مرتبا على الذبح، فدل على وجوب الترتيب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۶۱،وص ۶۲، مادة "حج")

جانور کو ساتھ لے جانا بھی کوئی مشکل مرحلہ نہ تھا، جس کو فقہائے کرام نے ''سوقِ ھدیٰ'' سے تعبیر فرمایا ہے، اور اس کے مستقل احکام وابواب ذکر وقائم فرمائے ہیں، لہٰذا پہلے زمانہ میں حج کرنے والے کو اپنے ہمراہ موجود قربانی کے جانور کو رَمی کے بعد ذبح کر کے حلق کرانے کی ترتیب پر عمل کرنا کوئی مشکل اور متعذر عمل نہیں تھا، اس لئے احتیاط کے پیشِ نظر اس قول پر عمل بھی کیا جاتا رہا، اور فتویٰ بھی دیا جاتا رہا۔ ۱؎

۱؎ لہٰذا موجودہ دور کے بعض علماء کا ترتیب کے وجوب پر بہر صورت مصر رہنا اور عوامی مشکلات کا حل نہ نکالنا، اور اس سے بڑھ کر مسلکی تعصبات سے بالاتر ہو کر شرعی دلائل میں منصفانہ تدبر نہ فرمانا مبنی بر اعتدال کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہے۔

یومُ النحر کے اعمال میں تقدیم وتاخیر پر کوئی حرج نہ ہونے کی احادیث متواتر ہیں، جن سے یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور بظاہر لاحرج سے اثم اور دَم دونوں کی نفی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ سوال کرنے والوں کا سوال عام تھا، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس تقدیم وتاخیر کا حکم معلوم کیا جارہا تھا، اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد صرف رفعِ اثم ہوتی، اور رفعِ دَم نہ ہوتی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ضرور وضاحت فرماتے، کیونکہ یہ معرضِ بیان کا موقع تھا، جبکہ کسی ایک راوی نے بھی دَم کا ذکر نہیں فرمایا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کے ضمن میں شام ہونے کے بعد رَمی کرنے کا بھی سوال کیا گیا، اس کے جواب میں بھی آپ نے یہی ''لاحرج'' فرمایا، جس سے بالاتفاق رفعِ دَم مراد ہے، اور آج بھی اگر کوئی شخص اس طرح کا عمل کر کے کسی مفتی یا عالم سے حکم معلوم کرے، اور وہ اس کے جواب میں کہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، تو اس سے رفعِ اثم اور رفعِ دَم دونوں ہی سمجھے جاتے ہیں، بلکہ رفعِ اثم کے مقابلہ میں رفعِ دَم بدرجہ اولیٰ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ایک مستفتی کا اصل مقصود دنیا کے اعتبار سے اس کا حکم معلوم کرنا ہوتا ہے۔

اور اگر ان روایات میں رفعِ اثم ہی مراد لیا جائے، اور رفعِ دَم مراد نہ لیا جائے، تو پھر رات میں رمی کی طرح طوافِ زیارت کی تقدیم میں بھی یہی حکم ہونا چاہئے، اور دَم واجب ہونا چاہئے، کیونکہ ان میں سے کئی روایات میں طوافِ زیارت کی تقدیم پر بھی لاحرج ہی فرمایا گیا۔

جہاں تک حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کا تعلق ہے، جس میں کسی نُسک کی تقدیم یا تاخیر پر دَم کا ذکر کیا گیا ہے، تو اولاً تو اس ایک ایسے غیر مرفوع اثر کے مقابلہ میں کہ جس کی سند پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے، مرفوع اور متواتر احادیث کو ترجیح حاصل ہوگی، دوسرے اس اثر میں کسی مخصوص نُسک کی تعیین نہیں، اور حج کے نسک بے شمار ہیں، جن میں یوم النحر کے اعمال کے علاوہ بھی کئی اعمال داخل ہیں، اور اس عموم کا تقاضا یہ ہے کہ دیگر حج کے تمام نسک کی تقدیم وتاخیر پر بھی دَم واجب ہو، یہاں تک کہ اگر کوئی طوافِ زیارت کو رمی، ذبح، حلق وغیرہ سے پہلے کرے، تو اس پر بھی دَم واجب ہو، کیونکہ طوافِ زیارت بھی حج کے نُسک بلکہ اعلیٰ نُسک میں داخل ہے، جس کا کوئی بھی قائل نہیں، اور بر سبیلِ تسلیم بھی اس اثر کا ایسا محمل مراد لیا جاسکتا ہے، جس سے مذکورہ متواتر احادیث سے تعارض بھی لازم نہ آئے، مثلاً کسی نے کوئی واجب نسک اس کا وقت شروع ہونے سے پہلے یا وقت گزرنے کے بعد ادا کیا، جس سے اس کی شرعاً سرے سے ادائیگی ہی معتبر نہ ہوئی، تو اس سے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مالکیہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کی رَمی کو سر کے بال منڈانے یا کٹانے اور طوافِ زیارت سے پہلے کرنا واجب ہے، جس کی خلاف ورزی پر دَم واجب ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اس پر دَم لازم ہوگا، مثلاً کسی نے غیر معذور ہوتے ہوئے قبل از وقت یا بعد از وقت وقوفِ مزدلفہ یا رَمی کی، جس کی خود حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے الفاظ سے تائید ہوتی ہے، کما مر۔

جہاں تک قرآن مجید کی ایک آیت "**ولاتحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محله**" کا تعلق ہے، تو اولاً تو یہ آیت محصِر کے بارے میں ہے، چنانچہ اس جملہ سے پہلے کا مضمون اس طرح سے ہے کہ "**فان احصرتم فما استیسر من الھدی، ولاتحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محله**" اور احصار کی صورت میں احرام سے نکلنے کے لئے کوئی اور نسک اور محلل ہوتا نہیں، کیونکہ محصِر رَمی، طواف، سعی وغیرہ ہر قسم کے مناسک کی ادائیگی سے معذور ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت میں محصِر کے تحلل کو بیان کرنا مقصود ہے، اور خود اس آیت میں لفظِ "**محله**" میں بھی فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں، شافعیہ وغیرہ کے نزدیک "**محله**" سے مراد حلال ہونے کی وہی جگہ ہے، جہاں احصار لاحق ہوا، جبکہ اس کے برعکس اصل حج میں تحلل دو ہیں، ایک اول اور دوسرے ثانی، اور ان کی تعیین میں بھی فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں، دوسرے اس آیت میں صرف محصِر کے تحلل کو بیان کرنا مقصود ہے، اور محصِر سے رَمی وغیرہ جیسے نُسک کی ادائیگی کا تصور ممکن نہیں، پھر یوم النحر کے اعمال (رَمی، ذبح، حلق) میں ترتیب کے وجوب کا حکم نکالنا کیسے درست ہوسکتا ہے، اور اس کے باوجود بھی اگر ذبح و حلق میں وجوبِ ترتیب کے استدلال پر اصرار کیا جائے، تو اس استدلال کے لئے احادیثِ متواترہ مانع ہیں، جن سے اس استدلال کی تقویت متاثر ہوتی ہے، اور آخری درجہ میں اس کو ترتیب مسنون پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے، اس طرح اس کا احادیث سے بھی تعارض ختم ہوجاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حنفیہ میں سے صاحبین اور جمہور فقہائے کرام نے یوم النحر کے اعمال میں فی الجملہ اور علی الاطلاق ترتیب کو واجب قرار نہیں دیا، جبکہ یہ فقہائے کرام بھی مذکورہ آیت اور اس کے معنیٰ ومطلب سے بخوبی واقف تھے۔

اور قرآن مجید میں مذکور "**ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق**" سے بھی ترتیب کے وجوب پر استدلال تام نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں قربانی کے بعد لفظِ ثم کے ساتھ "**یقضِ تفث**" اور پھر حرفِ عطف کے ساتھ طواف کا ذکر ہے، تو قربانی کے بعد "**یقضِ تفث**" کے وجوب پر استدلال کا تقاضا یہ ہوا کہ طواف بھی قربانی کے بعد واجب ہو، جبکہ طوافِ زیارت کو قربانی کے بعد کرنا واجب نہیں، اسی طرح "**یقضِ تفث**" بھی قربانی کے بعد واجب نہ ہوا، البتہ اگر اس سے مسنون درجہ کی حد تک ثبوت مراد لیا جائے، تو مذکورہ شبہ سے نجات مل جاتی ہے۔

عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس، أنه کان یقول :من نسی من نسکه شیئا، أو ترک فلیھرق دما ، قال أیوب :لا أدری أقال ترک أم نسی؟ قال محمد :وبالحدیث الذی روی عن النبی صلی الله علیه وسلم نأخذ أنه قال :لا حرج فی شیء من ذلک، وقال أبو حنیفة رحمه الله :لا حرج فی شیء من ذلک، ولم یر فی شیء من ذلک کفارة إلا فی خصلة واحدة، المتمتع والقارن إذا حلق قبل أن یذبح قال :علیه دم، وأما نحن، فلا نری علیه شیئا(مؤطا امام محمد، تحت رقم الحدیث ۵۰۲، کتاب الحج، باب :من قدم نسکا قبل نسک)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا اگر کسی نے رَمی سے پہلے سر کے بال منڈا یا کٹا لئے، یا رَمی سے پہلے طوافِ زیارت کرلیا، تو دَم لازم ہوتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فحاصل ما في حديث عبد الله بن عمرو السؤال عن أربعة أشياء الحلق قبل الذبح والحلق قبل الرمي والنحر قبل الرمي والإفاضة قبل الرمي والأوليان في حديث بن عباس أيضا كما مضى وعند الدارقطني من حديث بن عباس أيضا السؤال عن الحلق قبل الرمي وكذا في حديث جابر وفي حديث أبي سعيد عند الطحاوي وفي حديث علي عند أحمد السؤال عن الإفاضة قبل الحلق وفي حديثه عند الطحاوي السؤال عن الرمي والإفاضة معا قبل الحلق وفي حديث جابر الذي علقه المصنف فيما مضى ووصله بن حبان وغيره السؤال عن الإفاضة قبل الذبح وفي حديث أسامة بن شريك عند أبي داود السؤال عن السعي قبل الطواف قوله اذبح ولا حرج أي لا ضيق عليك في ذلك وقد تقدم في باب الذبح قبل الحلق تقرير ترتيبه وذلك أن وظائف يوم النحر بالاتفاق أربعة أشياء رمي جمرة العقبة ثم نحر الهدي أو ذبحه ثم الحلق أو التقصير ثم طواف الإفاضة وفي حديث أنس في الصحيحين أن النبي صلى الله عليه وسلم أتى منى فأتى الجمرة فرماها ثم أتى منزله بمنى فنحر وقال للحالق خذ ولأبي داود رمى ثم نحر ثم حلق وقد أجمع العلماء على مطلوبية هذا الترتيب إلا أن بن الجهم المالكي استثنى القارن فقال لا يحلق حتى يطوف كأنه لاحظ أنه في عمل العمرة والعمرة يتأخر فيها الحلق عن الطواف ورد عليه النووي بالإجماع ونازعه بن دقيق العيد في ذلك واختلفوا في جواز تقديم بعضها على بعض فأجمعوا على الإجزاء في ذلك كما قاله بن قدامة في المغني إلا أنهم اختلفوا في وجوب الدم في بعض المواضع وقال القرطبي روي عن بن عباس ولم يثبت عنه أن من قدم شيئا على شيء فعليه دم وبه قال سعيد بن جبير وقتادة والحسن والنخعي وأصحاب الرأي انتهى وفي نسبة ذلك إلى النخعي وأصحاب الرأي نظر فإنهم لا يقولون بذلك إلا في بعض المواضع كما سيأتي قال وذهب الشافعي وجمهور السلف والعلماء وفقهاء أصحاب الحديث إلى الجواز وعدم وجوب الدم لقوله للسائل لا حرج فهو ظاهر في رفع الإثم والفدية معا لأن اسم الضيق يشملهما قال الطحاوي ظاهر الحديث يدل على التوسعة في تقديم بعض هذه الأشياء على بعض قال إلا أنه يحتمل أن يكون قوله لا حرج أي لا إثم في ذلك الفعل وهو كذلك لمن كان ناسيا أو جاهلا وأما من تعمد المخالفة فتجب عليه الفدية وتعقب بأن وجوب الفدية يحتاج إلى دليل ولو كان واجبا لبينه صلى الله عليه وسلم حينئذ لأنه وقت الحاجة ولا يجوز تأخيره وقال الطبري لم يسقط النبي صلى الله عليه وسلم الحرج إلا وقد أجزأ الفعل إذ لو لم يجزء لأمره بالإعادة لأن الجهل والنسيان لا يضعان عن المرء الحكم الذي يلزمه في الحج كما لو ترك الرمي ونحوه فإنه لا يأثم بتركه جاهلا أو ناسيا لكن يجب عليه الإعادة والعجب ممن يحمل قوله ولا حرج على نفي الإثم فقط ثم يخص ذلك ببعض الأمور دون بعض فإن كان الترتيب واجبا يجب بتركه دم فليكن في الجميع وإلا فما وجه تخصيص بعض دون بعض مع تعميم الشارع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور باقی چیزوں میں ترتیب واجب نہیں، بلکہ مستحب ومندوب ہے، اوران کے نزدیک حج کی قربانی کے ساتھ ان اعمال کی ترتیب کے واجب ہونے کا تعلق نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الجميع بنفى الحرج وأما احتجاج النخعي ومن تبعه في تقديم الحلق على غيره بقوله تعالى ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله قال فمن حلق قبل الذبح أهراق دما عنه رواه بن أبى شيبة بسند صحيح فقد أجيب بأن المراد ببلوغ محله وصوله إلى الموضع الذى يحل ذبحه فيه وقد حصل وإنما يتم ما أراد أن لو قال ولا تحلقوا حتى تنحروا واحتج الطحاوى أيضا بقول بن عباس من قدم شيئا من نسكه أو أخره فليهرق لذلك دما قال وهو أحد من روى أن لا حرج فدل على أن المراد بنفى الحرج نفى الإثم فقط وأجيب بأن الطريق بذلك إلى بن عباس فيها ضعف فإن بن أبى شيبة أخرجها وفيها إبراهيم بن مهاجر وفيه مقال وعلى تقدير الصحة فيلزم من يأخذ بقول بن عباس أن يوجب الدم فى كل شىء من الأربعة المذكورة ولا يخصه بالحلق قبل الذبح أو قبل الرمى وقال بن دقيق العيد منع مالك وأبو حنيفة تقديم الحلق على الرمى والذبح لأنه حينئذ يكون حلقا قبل وجود التحللين وللشافعى قول مثله وقد بنى القولان له على أن الحلق نسك أو استباحة محظور فإن قلنا إنه نسك جاز تقديمه على الرمى وغيره لأنه يكون من أسباب التحلل وإن قلنا إنه استباحة محظور فلا قال وفى هذا البناء نظر لأنه لا يلزم من كون الشىء نسكا أن يكون من أسباب التحلل لأن النسك ما يثاب عليه وهذا مالك يرى أن الحلق نسك ويرى أنه لا يقدم على الرمى مع ذلك وقال الأوزاعى إن أفاض قبل الرمى أهراق دما وقال عياض اختلف عن مالك فى تقديم الطواف على الرمى وروى بن عبد الحكم عن مالك أنه يجب عليه إعادة الطواف فإن توجه إلى بلده بلا إعادة وجب عليه دم قال بن بطال وهذا يخالف حديث بن عباس وكأنه لم يبلغه انتهى قلت وكذا هو فى رواية بن أبى حفصة عن الزهرى فى حديث عبد الله بن عمرو وكأن مالكا لم يحفظ ذلك عن الزهرى قوله فما سئل النبى صلى الله عليه وسلم عن شىء قدم ولا أخر فى رواية يونس عند مسلم وصالح عند أحمد فما سمعته سئل يومئذ عن أمر مما ينسى المرء أو يجهل من تقديم بعض الأمور على بعض أو أشباهها إلا قال افعلوا ذلك ولا حرج واحتج به وبقوله فى رواية مالك لم أشعر بأن الرخصة تختص بمن نسى أو جهل لا بمن تعمد قال صاحب المغنى قال الأثرم عن أحمد إن كان ناسيا أو جاهلا فلا شىء عليه وإن كان عالما فلا لقوله فى الحديث لم أشعر وأجاب بعض الشافعية بأن الترتيب لو كان واجبا لما سقط بالسهو كالترتيب بين السعى والطواف فإنه لو سعى قبل أن يطوف وجب إعادة السعى وأما ما وقع فى حديث أسامة بن شريك فمحمول على من سعى بعد طواف القدوم ثم طاف طواف الإفاضة فإنه يصدق عليه أنه سعى قبل الطواف أى طواف الركن ولم يقل بظاهر حديث أسامة إلا أحمد وعطاء فقالا لو لم يطف للقدوم ولا لغيره وقدم السعى قبل طواف الإفاضة أجزأه أخرجه عبد الرزاق عن بن جريج عنه وقال بن دقيق العيد ما قاله أحمد قوى من جهة أن الدليل دل على وجوب اتباع الرسول فى الحج بقوله خذوا عنى مناسككم وهذه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس مالکیہ کے نزدیک قربانی کو رَمی سے مؤخر کرنا، یا سر کے بال کٹانے یا منڈانے کو قربانی سے مؤخر کرنا مستحب ومندوب ہے، جس کی خلاف ورزی پر دَم واجب نہیں۔

لہٰذا اگر کسی نے قربانی سے پہلے سر کے بال منڈا یا کٹالئے، یا رَمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی، یا قربانی سے پہلے طوافِ زیارت کرلیا، یا سر کے بال منڈانے یا کٹانے سے پہلے طوافِ زیارت کرلیا، یا قربانی اور سر کے بال منڈانے یا کٹانے دونوں سے پہلے طوافِ زیارت کرلیا، تو مالکیہ کے نزدیک دَم لازم نہیں ہوتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الأحاديث المرخصة فى تقديم ما وقع عنه تأخيره قد قرنت بقول السائل لم أشعر فيختص الحكم بهذه الحالة وتبقى حالة العمد على أصل وجوب الاتباع فى الحج وأيضا فالحكم إذا رتب على وصف يمكن أن يكون معتبرا لم يجز اطراحه ولا شك أن عدم الشعور وصف مناسب لعدم المؤاخذة وقد علق به الحكم فلا يمكن اطراحه بإلحاق العمد به إذ لا يساويه وأما التمسك بقول الراوى فما سئل عن شىء إلخ فإنه يشعر بأن الترتيب مطلقا غير مراعى فجوابه أن هذا الإخبار من الراوى يتعلق بما وقع السؤال عنه وهو مطلق بالنسبة إلى حال السائل والمطلق لا يدل على أحد الخاصين بعينه فلا يبقى حجة فى حال العمد والله أعلم (فتح البارى لابن حجر، ج۳، ص ۵۷۱، وص ۵۷۲، قوله باب الفتيا على الدابة عند الجمرة)

فإذا ثبت هذا فيوم النحر يختص بأربعة أشياء :الرمى ، والنحر ، والحلق ، والطواف ، وترتيب ذلك على ما ذكرنا سنة ، فيبدأ بالرمى ثم بالنحر ، ثم بالحلق ثم بالطواف قال الله تعالى :ثم ليقضوا تفثهم ، يعنى :الرمى .وليوفوا نذورهم يعنى :نحر الهدى ، وقال تعالى :ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله وأمر بالحلق بعد نحر الهدى ، وقال تعالى :وليطوفوا بالبيت العتيق، وروى أنس بن مالك أن النبى صلى الله عليه وسلم رمى جمرة العقبة وذبح ودعا بالحالق ، فناوله شقه الأيمن فحلقه ، فأعطاه أبا طلحة ، ثم أعطاه شقه الأيسر فحلقه ، ثم قال اقسمه بين الناس(الحاوى فى فقه الشافعى للماوردى، ج۴ص ۱۸۶ ، كتاب الحج، باب دخول مكة)

[1] علم مما مر فى كلام المصنف أنه يفعل فى اليوم الأول من أيام النحر أربعة أشياء :مرتبة الرمى فالنحر فالحلق فالطواف، لكن الثلاثة الأول فى منى والرابع فى مكة، والدليل على ذلك حديث جابر الصحيح :أنه -صلى الله عليه وسلم -رمى ثم نحر ثم حلق ثم ركب إلى البيت فأفاض وصلى بمكة الظهر لكن حكم هذا الترتيب مختلف، فتقديم الرمى على الحلق وعلى الإفاضة واجب، فإن حلق قبل الرمى أو طاف للإفاضة قبله لزمه دم، بخلاف تأخير الذبح عن الرمى أو تأخير الحلق عن الذبح فمندوب، كتأخير الإفاضة عن الذبح(الفواكه الدوانى على رسالة ابن ابى زيد القيروانى، ج ۱ ص ۳۶۳، باب فى الحج والعمرة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگر بھولے سے یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ترتیب کی خلاف ورزی کی ہو، تو دَم واجب نہیں ہے۔

اور اگر جان بوجھ کر اور مسئلہ معلوم ہوتے ہوئے ترتیب کی خلاف ورزی کی ہو، تو اس میں امام احمد کی دو روایات ہیں، ایک روایت کے مطابق دَم واجب ہے، اور دوسری روایت کے مطابق دَم واجب نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله :ثم بعد إلخ) حاصله أنه يفعل فی اليوم الأول من أيام النحر أشياء مرتبة الرمی فالنحر فالحلق فالطواف، لكن الثلاثة الأول فی منی والرابع فی مكة لكن حكم هذا الترتيب مختلف فتقديم الرمی علی الحلق وعلی الإفاضة واجب، فإن حلق قبل الرمی أو طاف للإفاضة قبله لزمه دم بخلاف تأخير الذبح عن الرمی أو تأخير الحلق عن الذبح فمندوب كتأخير الإفاضة عن الذبح، والحاصل أنه إذا حلق قبل أن يذبح أو ذبح قبل أن يرمی أو أفاض قبل الذبح أو الحلق أو قبلهما معا فلا دم عليه (حاشية العدوی علی كفاية الطالب الربانی، ج ۱ ص ۵۴۴، باب فی الحج)

وقال المالكية :الواجب فی الترتيب :تقديم الرمی علی الحلق وعلی طواف الإفاضة، وغير ذلك من الترتيب لا يجب، بل هو سنة.

استدلوا علی وجوب تقديم الرمی علی الحلق بأنه بالإجماع ممنوع من حلق شعره قبل التحلل الأول، ولا يحصل التحلل الأول إلا برمی جمرة العقبة.

واستدلوا علی عدم وجوب تقديم الذبح علی الحلق بحديث عبد الله بن عمرو السابق، أخذا بالتقديم والتأخير المنصوص عليه فی الحديث، وفسروا فما سئل عن شیء قدم ولا أخر . . .بأن المراد مما ذكر فی صدر الحديث لتقديمه وتأخيره(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۶۱،وص ۶۲، مادة "حج")

[1] فإن أخل بترتيبها، ناسيا أو جاهلا بالسنة فيها، فلا شیء عليه، فی قول كثير من أهل العلم، منهم الحسن، وطاوس، ومجاهد، وسعيد بن جبير، وعطاء ، والشافعی، وإسحاق، وأبو ثور، وداود، ومحمد بن جرير الطبری .

وقال أبو حنيفة :إن قدم الحلق علی الرمی، أو علی النحر، فعليه دم، فإن كان قارنا فعليه دمان .

وقال زفر :عليه ثلاثة دماء ، لأنه لم يوجد التحلل الأول، فلزمه الدم، كما لو حلق قبل يوم النحر .

ولنا، ما روی عبد الله بن عمرو، قال :قال رجل :يا رسول الله، حلقت قبل أن أذبح .قال :اذبح، ولا حرج .فقال آخر :ذبحت قبل أن أرمی؟ قال :ارم، ولا حرج متفق عليه وفی لفظ قال :فجاء رجل، فقال :يا رسول الله، لم أشعر، فحلقت قبل أن أذبح .وذكر الحديث .قال :فما سمعته يسأل يومئذ عن أمر مما ينسى المرء أو يجهل، من تقديم بعض الأمور علی بعضها، وأشباهها، إلا قال : (افعلوا ولا حرج عليكم) . رواه مسلم .وعن ابن عباس، عن النبی -صلی الله عليه وسلم -أنه قيل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

خلاصہ یہ کہ دس ذی الحجہ کے حوالہ سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی (یعنی بڑے شیطان کو کنکریاں مارنا) اور پھر حجِ تمتع یا حجِ قِران کی قربانی کرنا، اور پھر بال منڈانا یا کٹانا، اور اس کے بعد طوافِ زیارت کرنا، یہ تمام اعمال اس ترتیب کے مطابق ادا کرنے کے سنت اور واجب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

له يوم النحر، وهو بمنى، فى النحر، والحلق، والرمى، والتقديم، والتأخير، فقال :(لا حرج) متفق عليه، ورواه عبد الرزاق، عن معمر، عن الزهرى، عن عيسى بن طلحة، عن عبد الله بن عمرو، وفيه: فحلقت قبل أن أرمى، وتابعه على ذلك محمد بن أبى حفصة، عن الزهرى، عن عيسى، عن عبد الله بن عمرو، قال :سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وأتاه رجل، فقال :يا رسول الله، إنى حلقت قبل أن أرمى؟ قال :ارم، ولا حرج .قال :وأتاه آخر، فقال :إنى أفضت قبل أن أرمى؟ قال :أرم، ولا حرج .وعن ابن عباس، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -سئل يوم النحر، عن رجل حلق قبل أن يرمى؟ فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-لا حرج، لا حرج .رواه الدارقطنى كله .وسنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أحق أن تتبع.

على أنه لا يلزم من سقوط الدم بفقد الشيء في وقته، سقوطه قبل وقته، فإنه لو حلق فى العمرة بعد السعى، لا شىء عليه، وإن كان الحل ما حصل قبله، وكذلك فى مسألتنا، إذا قلنا :إن الحل يحصل بالحلق، فقد حلق قبل التحلل، ولا دم عليه.

فأما إن فعله عمدا، عالما بمخالفة السنة فى ذلك، ففيه روايتان :إحداهما، لا دم عليه .وهو قول عطاء، وإسحاق؛ لإطلاق حديث ابن عباس، وكذلك حديث عبد الله بن عمرو، من رواية سفيان بن عيينة.

والثانية، عليه دم .روى نحو ذلك عن سعيد بن جبير، وجابر بن زيد، وقتادة، والنخعى؛ لأن الله تعالى قال :(ولا تحلقوا رء وسكم حتى يبلغ الهدى محله) ولأن النبى -صلى الله عليه وسلم - رتب، وقال :(خذوا عنى مناسككم)

والحديث المطلق قد جاء مقيدا، فيحمل المطلق على المقيد .قال الأثرم :سمعت أبا عبد الله يسأل عن رجل حلق قبل أن يذبح؟ فقال :إن كان جاهلا، فليس عليه، فأما التعمد فلا، لأن النبى - صلى الله عليه وسلم -سأله رجل، فقال :لم أشعر .قيل لأبى عبد الله :سفيان بن عيينة لا يقول :لم أشعر .فقال :نعم، ولكن مالكا والناس عن الزهرى :لم أشعر، قيل لأبى عبد الله :وهو فى الحديث، وقال مالك :إن قدم الحلق على الرمى فعليه دم، وإن قدمه على النحر أو النحر على الرمى فلا شىء عليه .لأنه بالإجماع ممنوع من حلق شعره قبل التحلل الأول، ولا يحصل إلا برمى الجمرة، فأما النحر قبل الرمى فجائز؛ لأن الهدى قد بلغ محله .ولنا، الحديث؛ فإنه لم يفرق بينهما، فإن النبى -صلى الله عليه وسلم -قيل له فى الحلق، والنحر، والتقديم، والتأخير، فقال :(لا حرج).

ولا نعلم خلافا بينهم فى أن مخالفة الترتيب لا تخرج هذه الأفعال عن الإجزاء، ولا يمنع وقوعها موقعها، وإنما اختلفوا فى وجوب الدم، على ما ذكرنا، والله أعلم(المغنى لابن قدامة، ج۳ص۳۹۵، وص۳۹۶،فصل فى يوم النحر أربعة أشياء الرمى ثم النحر ثم الحلق ثم الطواف)

ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، اور ہمارے نزدیک دلائل کے لحاظ سے اس ترتیب کو سنت قرار دینے والے فقہائے کرام کا قول راجح ہے۔

لہٰذا ان سب اعمال کو مذکورہ ترتیب کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، تاکہ سنت کی ترتیب پر عمل ہو جائے، اور تمام فقہائے کرام کے اقوال کی رعایت رہے، لیکن اگر اس ترتیب پر عمل کرنا دُشوار ہو، یا اس پر کسی وجہ سے عمل نہ ہو سکے، تو ان اعمال کو ترتیب کے خلاف کرنے کی وجہ سے ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ دَم واجب نہیں ہوگا۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

(باب نمبر۱۰)

طواف کے فضائل واحکام

طوافِ زیارت بھی حج کا ایک فریضہ ہے، جس کو عربی زبان میں ''طوافِ افاضہ'' بھی کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ طواف کی اور بھی قسمیں ہیں۔

طواف سے متعلق احادیث وروایات

پہلے طواف کے سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے احکام ذکر کیے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَیۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ حِیۡنَ یَقۡدَمُ مَکَّۃَ: إِذَا اسۡتَلَمَ الرُّکۡنَ الۡأَسۡوَدَ، أَوَّلَ مَا یَطُوۡفُ: یَخُبُّ ثَلَاثَۃَ أَطۡوَافٍ مِّنَ السَّبۡعِ (بخاری)[1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب مکہ تشریف لائے (اور طواف کیا) تو طواف کے شروع میں رکنِ اسود (یعنی حجرِ اسود) کا استلام کیا، سات چکروں میں سے (پہلے) تین چکروں میں رَمل کیا (بخاری)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

إِذَا انۡتَھٰی إِلَی الۡبَیۡتِ اِسۡتَقۡبَلَہُ الۡحَجَرُ، فَکَبَّرَ ثُمَّ اسۡتَقۡبَلَ الۡحَجَرَ، ثُمَّ رَمَلَ ثَلَاثَۃَ أَشۡوَاطٍ، وَمَشٰی أَرۡبَعَۃَ أَشۡوَاطٍ، ثُمَّ صَلّٰی رَکۡعَتَیۡنِ (صحیح

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۰۳، کتاب الحج، باب استلام الحجر الأسود حین یقدم مکۃ أول ما یطوف، ویرمل ثلاثا.

ابن خزيمة) [۱]

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیتُ اللہ کے پاس آئے، حجرِ اسود آپ کے سامنے ہوا، اور آپ نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے حجرِ اسود کی طرف رخ کیا، پھر (پہلے) تین چکروں میں رَمل کیا، اور (بعد کے) چار چکروں میں (عام معمول کے مطابق) چلے، پھر دو رکعتیں پڑھیں (ابنِ خزیمہ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ، فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشٰى أَرْبَعًا (مسلم) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے (تو حرم میں داخل ہونے کے بعد) حجرِ اسود پر آئے، پھر اس کا استلام کیا، پھر اس کی دائیں طرف (طواف کرنے کے لئے) چلے، پھر تین (پہلے چکروں) میں رَمل کیا، اور (بعد کے) چار چکروں میں (عام معمول کے مطابق) چلے (مسلم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ طواف کی ابتداء حجرِ اسود سے کرنی چاہئے، اور حجرِ اسود سے ابتداء کرتے وقت اس کی طرف رُخ کرنا چاہئے، اور حجرِ اسود کا استلام کرنا چاہئے، اور تکبیر یعنی اللہ اکبر پڑھنا چاہئے۔

اس طرح کا مضمون اور بھی کئی روایات میں آیا ہے۔ [۳]

---

[۱] رقم الحديث ٢٧١٦، كتاب المناسك، باب التكبير عند استلام الحجر واستقباله عند افتتاح الطواف.

[۲] رقم الحديث ١٢١٨ "١٥٠" كتاب الحج، باب ما جاء أن عرفة كلها موقف.

[۳] عن عاصم، قال: رأيت أنس بن مالك يطوف بالبيت، حتى إذا حاذى بالحجر نظر إليه والتفت إليه، فكبر نحوه (مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ١٣٣١٨، كتاب المناسك، باب من كان إذا حاذى بالحجر نظر إليه فكبر)

عن عاصم، قال: رأيت أنسا يستقبل الأركان بالتكبير (ايضاً، رقم الحديث ١٣٣١٩)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِضْطَبَعَ فَاسْتَلَمَ وَكَبَّرَ، ثُمَّ رَمَلَ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ (سنن أبي داود، رقم الحديث ۱۸۸۹، كتاب المناسك، باب في الرمل)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اضطباع کیا، پھر (حجرِ اسود کا) استلام کیا اور تکبیر کہی، پھر (پہلے) تین چکروں میں رمل کیا (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ طواف میں احرام کی چادر سے مرد حضرات کو اضطباع بھی کرنا چاہئے، بشرطیکہ اس طواف کے بعد سعی کرنی ہو، جس کی تفصیل آگے مسائل میں آتی ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ، أَوَّلَ مَا يَقْدَمُ سَعٰى ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ، وَمَشٰى أَرْبَعَةً، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ يَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرے میں طواف کرتے تو پہلے تین چکروں میں رمل کرتے اور چار چکروں میں عام طریقے سے چلتے، پھر (طواف کے بعد) دو رکعتیں پڑھتے، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنا چاہئے، اور پھر سعی کرنی چاہئے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عن هشام بن عروة، قال: كان أبي إذا غلب استقبله وكبر ومضى (ايضاً، رقم الحديث ۱۳۳۲۰)

عن عبد الملك، قال: رأيت سعيد بن جبير حين استفتح الطواف استقبل الحجر ولم يمسه، ورفع يديه وكبر، فسألت عطاء؟ فقال: كبر، ولا ترفع يديك بالتكبير (ايضاً، رقم الحديث ۱۳۳۲۱)

عن محمد بن برجان، قال: رأيت مجاهدا إذا مر بالحجر نظر إليه فكبر (ايضاً، رقم الحديث ۱۳۳۲۲)

[1] رقم الحديث ۱۶۱۶، كتاب الحج، باب من طاف بالبيت إذا قدم مكة، قبل أن يرجع إلى بيته، ثم صلى ركعتين، ثم خرج إلى الصفا.

حضرت عابس بن ربیعہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّهُ جَاءَ إِلَى الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَبَّلَهُ، فَقَالَ: إِنِّيْ أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّيْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجرِ اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا، پھر فرمایا کہ بے شک میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع، اور اگر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا نعوذ باللہ اس کی عبادت کرنے کے طور پر، اور اس کو نفع ونقصان کا مالک سمجھ کر نہیں ہوتا، جیسا کہ مشرک لوگ، پتھروں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں سنت کے طور پر ہوتا ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَزَلَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ آدَمَ (سنن الترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجرِ اسود جنت سے اترا تھا اور وہ دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا، اس کو بنی آدم کے گناہوں نے سیاہ کردیا ہے (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ طواف کے دوران حجرِ اسود میں گناہوں کو جذب کرنے کی تاثیر ہے، اور

---

[1] رقم الحديث ١٥٩٧، كتاب الحج، باب ما ذكر فى الحجر الأسود.

[2] رقم الحديث ٨٧٧، ابواب الحج، باب ما جاء فى فضل الحجر الأسود، والركن، والمقام.
قال الترمذى: وفى الباب عن عبد الله بن عمرو، وأبى هريرة :. حديث ابن عباس حديث حسن صحيح.

اس کو بوسہ دینے یا بصورتِ دیگر اس کی طرف اشارہ کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اگرچہ صرف صغیرہ گناہ ہی معاف ہوتے ہوں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيَبْعَثَنَّ اللّٰهُ الْحَجَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، يَشْهَدُ بِهِ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ (مسند أحمد رقم الحديث ۲۶۴۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن حجرِ اسود کو اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا، اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا، وہ اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے اس کا حق طریقے پر استلام کیا ہوگا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ طواف کے دوران حجرِ اسود کو بوسہ دینا یا اس کی طرف اشارہ کرنا بروزِ قیامت سفارش وشفاعت کا باعث ہوگا۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مَسْحَ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، وَالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ يَحُطَّانِ الْخَطَايَا حَطًّا (مصنف عبدالرزاق) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجرِ اسود اور رکن یمانی کو چھونا یہ دونوں گناہوں کو مٹا دیتے ہیں (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ حجرِ اسود کے علاوہ رکنِ یمانی کو چھونے میں بھی گناہوں کو معاف کرانے

---

[1] فی حاشیة مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[2] رقم الحديث ۸۸۷۷، كتاب المناسك، باب الطواف واستلام الحجر وفضله، المعجم الكبير للطبرانی رقم الحديث ۱۳۴۳۸، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۳۶۹۸.
فی حاشیة ابنِ حبان: إسناده قوی.

کی تاثیر ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ، وَلَا يَسْتَلِمُ الْآخَرَيْنِ (مسند أحمد، رقم الحديث ۵۶۲۲) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم (طواف کے دوران) رکنِ یمانی کا استلام کرتے تھے، اور (حجرِ اسود کے علاوہ بیتُ اللہ کے) دوسرے دونوں کونوں کا استلام نہیں کرتے تھے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ طواف کے دوران رکنِ یمانی کا بھی استلام کرنا چاہئے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: يَا عُمَرُ، إِنَّكَ رَجُلٌ قَوِيٌّ، لَا تُزَاحِمُ عَلَى الْحَجَرِ فَتُؤْذِيَ الضَّعِيفَ، إِنْ وَجَدْتَ خَلْوَةً فَاسْتَلِمْهُ، وَإِلَّا فَاسْتَقْبِلْهُ فَهَلِّلْ وَكَبِّرْ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۰) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے عمر! آپ طاقت ور آدمی ہیں، آپ حجرِ اسود پر (کسی سے) مزاحمت نہ کریں، جس سے ضعیف لوگ تکلیف اٹھائیں، اگر آپ خالی جگہ پائیں تو اس کو بوسہ دے لیں ورنہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر پڑھ لیں (مسند احمد)

اس طرح کا مضمون ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [3]

---

[1] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] في حاشية مسند احمد: حديث حسن.

[3] عن أبي يعفور، قال: خطبنا رجل من خزاعة، كان أميرا على الحج بمكة، فقال: أيها الناس، إن عمر كان رجلا شديدا، وإن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال له: يا عمر، إنك رجل شديد تؤذي الضعيف، فإذا طفت بالبيت فرأيت من الحجر خلوة فادن منه، وإلا فكبر وهلل وامض (مصنف ابنِ ابي شيبة، رقم الحديث ۱۳۳۱۶، كتاب المناسك، باب من كان إذا حاذى بالحجر نظر إليه فكبر)

اس سے معلوم ہوا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینے اور اس کا استلام کرنے کے لئے کسی کو تکلیف وایذاء پہنچانا جائز نہیں۔

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ اِسْتَلَمَ الْحَجَرَ، ثُمَّ قَبَّلَ يَدَهُ، وَقَالَ: مَا تَرَكْتُهُ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُهُ (صحيح ابن حبان) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کا (اشارہ سے) استلام کیا، پھر اپنے ہاتھ کو بوسہ دیا، اور فرمایا کہ میں نے اس عمل کو اس وقت سے نہیں چھوڑا، جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح بوسہ دیتے ہوئے دیکھا (ابنِ حبان)

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف کے دوران اگر حجرِ اسود پر ہجوم ہو، تو اس کو بوسہ دینے کی خاطر دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچانی چاہئے، اور دور سے اشارہ پر اکتفاء کرنا چاہئے، جس کی مزید تفصیل آگے مسائل میں آتی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۳۸۲۴، كتاب الحج، باب دخول مكة، ذكر الإباحة لمستلم الحجر فى الطواف أن يقبل يده بعد استلامه إياه.

فى حاشية ابنِ حبان: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[2] عن هشام بن عروة ، عن أبيه : قال : قال النبى صلى الله عليه وسلم لعبد الرحمن بن عوف : ما صنعت ؟ قال : استلمت وتركت ، قال : أصبت (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۱۳۳۲۳ ، باب ما قالوا فى الزحام على الحجر)

عن عطاء ، عن ابن عباس ، قال : كان يكره أن تزاحم على الحجر ، تؤذى مسلما ، أو يؤذيك (ايضاً، رقم الحديث ۱۳۳۲۸)

عن عطاء ، عن ابن عباس ؛ أنه كان يستلمه ولا يزاحم عليه ، وكان ابن عمر يفعله (ايضاً، رقم الحديث ۱۳۳۳۱)

عن جابر بن زيد ، قال : لا يزاحم على الحجر (ايضاً، رقم الحديث ۱۳۳۲۷)

عن الشيبانى ، عن سعيد بن جبير ، قال : طفت معه ، فكان لا يزاحم على الحجر (ايضاً، رقم الحديث ۱۳۳۲۵)

عن ابن جريج ، عن عطاء ، قال : إذا كان على الحجر زحام ، فلا تؤذين ولا تؤذين ، وابعد منه (ايضاً، رقم الحديث ۱۳۳۲۶) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (سنن أبى داود ،رقم الحديث ١٨٩٢ ،كتاب المناسك، باب الدعاء فى الطواف)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ پڑھتے ہوئے سنا کہ:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آگ (یعنی جہنم) کے عذاب سے بچا (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان مذکورہ دعاء کا پڑھنا سنت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ، وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ جس نے بیت اللہ کا طواف کیا اور دو رکعتیں پڑھیں تو اس کو غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا (ابن ماجہ)

اس سے طواف کرنے اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کی عظیم فضیلت معلوم ہوئی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عن إسرائيل ، عن جابر ، عن عطاء ، ومجاهد ، ومحمد بن على ، وسالم ، والقاسم ؛ أنهم لم يكونوا يزاحمون على الحجر ، وكانوا يقيمون ساعة مستقبله (ايضاً، رقم الحديث ١٣٣٢٩)

عن سعد بن عبيد الطائى ، قال :رأيت الحسن أتى الحجر فرأى زحاما فلم يستلمه ، فدعا ، ثم أتى المقام فصلى عنده ركعتين (ايضاً، رقم الحديث ١٣٣٣٠)

[1] رقم الحديث ٢٩٥٦، كتاب المناسك، باب فضل الطواف.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَلَ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ، وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ عَادَ إِلَى الْحَجَرِ، ثُمَّ ذَهَبَ إِلٰى زَمْزَمَ فَشَرِبَ مِنْهَا، وَصَبَّ عَلٰى رَأْسِهٖ، ثُمَّ رَجَعَ فَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الصَّفَا (مسند أحمد، رقم الحديث ۱۵۲۴۳) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے تین چکروں میں حجرِ اسود سے حجرِ اسود تک رمل کیا، اور (پھر طواف کے بعد) دو رکعتیں پڑھیں، پھر آپ حجرِ اسود کی طرف تشریف لائے، پھر آپ زمزم کی طرف تشریف لے گئے جس سے آپ نے نوش فرمایا اور اپنے سر پر بھی ڈالا، پھر واپس تشریف لائے، پھر حجرِ اسود کا استلام کیا، پھر صفا کی طرف لوٹ کر چلے گئے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ طواف کے بعد کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اگر بسہولت ممکن ہو، تو زمزم پی لینا بہتر ہے، اور پھر صفا اور مروہ کی سعی کے لئے جانے سے پہلے حجرِ اسود کا ایک اور استلام کر لینا سنت ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

ثُمَّ مَضٰى، فَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ، ثُمَّ قَامَ بَيْنَ الْحَجَرِ، وَالْبَابِ، فَأَلْصَقَ صَدْرَهٗ، وَيَدَيْهِ، وَخَدَّهٗ إِلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ (ابن ماجه) [2]

ترجمہ: پھر (طواف کے بعد) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ گئے، اور آپ نے حجرِ اسود کا استلام کیا، پھر حجرِ اسود اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان (یعنی

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[2] رقم الحديث ۲۹۶۲، كتاب المناسك، باب الملتزم.

ملتزم والی جگہ پر) کھڑے ہوئے، پھر آپ نے اپنا سینہ اور ہاتھ اور رخسار کو اس جگہ سے لگایا، پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے (ابن ماجہ)

جس جگہ انہوں نے سینہ وغیرہ لگایا، اس جگہ کو ملتزم کہا جاتا ہے۔ [1]

اور اس جگہ دعاء کرنا فضیلت کا باعث ہے۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ طواف کے بعد اگر سہولت کے ساتھ ہو سکے، تو ملتزم پر جا کر دعاء کرنا مناسب ہے۔

طواف سے متعلق مسائل

احادیث وروایات کے بعد طواف کے سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر۱...... طواف کے لغت میں معنیٰ کسی چیز کے اردگرد چکر لگانے کے آتے ہیں، اور شریعت کی خاص زبان میں طواف کے معنیٰ بیتُ اللہ کے اردگرد چکر لگانے کے آتے

---

[1] عن مجاهد قال قال بن عباس هذا الملتزم بين الركن والباب (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۹۰۴۷)

[2] عن عكرمة قال :وجدت في كتاب ابن عباس رضي الله عنهما يقول " :إذا أردت وداع البيت فارتحل ثم ائت المسجد فطف بالبيت سبعا، فإذا فرغت من سبعك فأت الملتزم بين الركن والباب، فضع خديك بينهما، وابسط يديك، وقل :اللهم هذا وداعي بيتك فحرمني وعيالي على النار، اللهم خرجت إليك بغير منة عليك، أنت أخرجتني، فإن كنت قد غفرت ذنوبي، وأصلحت عيوبي، وطهرت قلبي، وكفيتني المهم من دنياي وآخرتي، فلا ينقلب المنقلبون إلا لفضل منك، وإن لم تكن فعلت ذلك فذنوبي وما قدمت يداي فاغفر لي وارحمني، ثم تنح خلف المقام فصل ركعتين، وتطيل فيهما، ولا تأل أن تحسن الدعاء ، ثم تنصرف إلى زمزم، فاستق دلوا فاشرب، واستقبل القبلة، ثم تقول :اللهم إني أسألك علما نافعا، ورزقا واسعا، وشفاء من كل داء ، ثم تنصرف حتى إذا كنت على بعض الأبواب من المسجد رميتها بطرفك، وتحزن على فراقها، وتمن الرجعة إليها، فإذا فعلت ذلك فقد أحسنت الوداع، إن شاء الله "(أخبار مكة للفاكهي، رقم الحديث ۷۰۸)

ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۲...... طواف کی بنیادی طور پر کئی قسمیں ہیں، جن کی تعداد حنفیہ اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک مجموعی طور پر سات ہے۔ [2]

طواف کی ایک قسم طوافِ زیارت کہلاتی ہے، جو حج میں فرض ہے، اور طواف کی دوسری قسم طوافِ قدوم کہلاتی ہے، جو مخصوص حضرات کے حق میں سنت ہے، اور طواف کی تیسری قسم طوافِ وداع کہلاتی ہے، جس کا حاجی کو اپنے وطن وگھر واپسی اور رُخصتی کے وقت کرنے کا

---

[1] اور چکر لگانے کی مناسبت سے بعض اوقات صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگانے یعنی سعی کرنے کو بھی طواف کہہ دیا جاتا ہے۔

الطواف لغة :الدوران حول الشيء ، يقال :طاف حول الكعبة وبها يطوف طوفا وطوفانا بفتحتين، والمطاف :موضع الطواف.

وتطوف وطوف :بمعنى طاف، ومنه قوله تعالى :(إن الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت أو اعتمر فلا جناح عليه أن يطوف بهما) أصله يتطوف، قلبت التاء طاء ثم أدغمت.

وفي الاصطلاح :الطواف :هو الدوران حول البيت الحرام.

الألفاظ ذات الصلة:

السعي:السعي في اللغة :المشي، وأيضا القصد إلى الشيء ، والعدو، والتصرف في الأعمال.

واصطلاحا :المشي بين الصفا والمروة.

وقد يطلق على السعي الطواف، والتطوف، كما سبق في الآية :(فلا جناح عليه أن يطوف بهما)

(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۹،ص۱۲۰،ماده طواف)

[2] يتنوع الطواف بحسب سبب مشروعيته إلى سبعة أنواع، وهي:

طواف القدوم، طواف الزيارة، طواف الوداع، طواف العمرة، طواف النذر، طواف تحية المسجد الحرام، طواف التطوع .كذا عدها الحنفية والمالكية والحنابلة.

وعدها الشافعية ستة :طواف القدوم، طواف الركن، طواف الوداع، طواف ما يتحلل به في الفوات، طواف النذر، طواف التطوع.

وقولهم "طواف الركن :"يشمل طواف ركن الحج وركن العمرة، وقولهم " :طواف التطوع " يشمل تحية المسجد، أي المسجد الحرام، لاعتبار أن تحية المسجد بالصلاة تنوب عن الطواف.

واختص مذهب الشافعية بطواف ما يتحلل به في الفوات، فإنه يدخل في العمرة عند الحنفية والمالكية والحنابلة؛ لأن من فاته الحج يتحلل بعمرة عندهم ، ويتحلل بطواف وسعي وحلق عند الشافعية، حتى لو سعى بعد طواف القدوم سقط عنه السعي، ولا ينقلب عمله هذا إلى عمرة عند الشافعية (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۹،ص۱۲۳،ماده طواف)

حکم ہے۔ [1]

اورطواف کی چوتھی قسم طوافِ عمرہ کہلاتی ہے، جس کا عمرہ کرنے والے کوحکم ہے، اورطواف کی پانچویں قسم طوافِ نذرومنّت کہلاتی ہے، جوطواف کی نذرومنّت مان لینے کی وجہ سے واجب ہوا کرتا ہے، اورطواف کی چھٹی قسم طواف تحیَّۃُ المسجد الحرام کہلاتی ہے، جس کا مسجدِ حرام میں داخل ہونے والے کے لئے مسجدِ حرام کے احترام میں کرنے کا حکم ہے، اورطواف کی ساتویں

---

[1] ولكل نوع من هذه الأنواع أحكامه على التفصيل التالى:
أولا :طواف القدوم:ويسمى طواف القادم، وطواف الورود، وطواف التحية؛ لأنه شرع للقادم والوارد من غير مكة لتحية البيت، ويسمى أيضا طواف اللقاء ، وأول عهد بالبيت، وطواف القدوم سنة للآفاقى القادم إلى مكة عند الحنفية والشافعية والحنابلة تحية للبيت العتيق، لذلک يستحب البدء به دون تأخير.
وسوى الشافعية بين داخلى مكة، المحرم منهم وغير المحرم فى سنية طواف القدوم، بناء على مذهبهم فى جواز دخول الحرم بغير إحرام لمن قصده لحاجة غير النسک .ولم يجز غيرهم دخول الحرم إلا بنسک :يحرم حجا أو عمرة، لذلک كان طواف القدوم عندهم من مناسک الحج خاصة؛ لأن المعتمر يبدأ بطواف العمرة .وذهب المالكية إلى أن طواف القدوم واجب، من تركه يجب عليه الدم .وفى بيان من يجب عليه طواف القدوم، ودليل الوجوب، وكيفية طواف القدوم ووقته، ومن يسقط عنه :تفصيل سبق فى مصطلح :(حج ف ۸۸وما بعدها)
ثانيا :طواف الإفاضة:
طواف الإفاضة ركن من أركان الحج المجمع عليها، لا يتحلل الحاج بدونه التحلل الأكبر، ولا ينوب عنه شىء ألبتة، ويؤديه الحاج بعد أن يفيض من عرفة، ويبيت بالمزدلفة، فيأتى منى يوم العيد، فيرمى وينحر ويحلق، ويأتى مكة، فيطوف بالبيت طواف الإفاضة، ويسمى أيضا طواف الزيارة، ويسمى طواف الفرض، والركن؛ لأنه فرض وركن من أركان الحج.
وفى فرضية طواف الإفاضة وكيفيته وعدد أشواطه، وشروطه الخاصة به، ووقته، وما يسن فيه، وما يترتب على تأخيره أو تركه :فى ذلک كله تفصيل سبق فى مصطلح :(حج من ف ۵۲إلى۵۵وف ۱۲۴)
ثالثا :طواف الوداع:ويسمى طواف الصدر، وطواف آخر العهد.
وهو واجب عند الجمهور (الحنفية والحنابلة وهو الأظهر عند الشافعية) ومستحب عند المالكية.
واستدل الجمهور على وجوبه بما روى ابن عباس رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت ، إلا أنه خفف عن المرأة الحائض.
واستدل المالكية على أنه مستحب، بأنه جاز للحائض تركه دون فداء ، ولو وجب لم يجز للحائض تركه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹،ص ۱۲۳ ،ماده طواف)

قسم طوافِ تطوُّع یا نفل کہلاتی ہے، جس سے مراد عام نفلی طواف ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... طوافِ زیارت جس کو عربی زبان میں ''طوافِ افاضہ'' بھی کہا جاتا ہے، یہ حج کے فرائض میں داخل ہے۔

مسئلہ نمبر۴...... حج کے صحیح ہونے کے لئے طوافِ زیارت کی ادائیگی بہرحال ضروری ہے، اس کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا، اور کوئی کفارہ، دَم، فدیہ وغیرہ اس کا بدل نہیں بنتا، اور خواہ کتنا بھی عرصہ گزر جائے، جب تک اس کو ادا نہ کیا جائے، اس کی ادائیگی ذمہ میں فرض رہتی ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۵...... حنفیہ کے نزدیک طوافِ زیارت کے سات چکروں میں سے اکثر چکر رکن ہیں، اور باقی واجب ہیں، جن کو بالکلیہ ترک کرنے کی تلافی دَم سے ہوجاتی ہے۔ [3]

---

[1] رابعا :طواف العمرة :وهو ركن فيها، وأول وقته بعد الإحرام بالعمرة، ولا آخر له وينظر التفصيل فى مصطلح :(عمرة)

خامسا :طواف النذر:وهو واجب، ولا يختص بوقت إذا لم يعين الناذر فى نذره للطواف وقتا. والتفصيل فى مصطلح :(نذر)

سادسا :طواف تحية المسجد الحرام:وهو مستحب لكل من دخل المسجد الحرام، إلا إذا كان عليه طواف آخر، فيقوم مقامه، كالمعتمر، فإنه يطوف طواف فرض العمرة، ويندرج فيه طواف تحية المسجد، كما ارتفع به طواف القدوم، وهو أقوى من طواف تحية المسجد، وذلك لأن تحية هذا المسجد الشريف هى الطواف إلا إذا كان مانع فحينئذ يصلى تحية المسجد.

سابعا :طواف التطوع :ومنه طواف تحية المسجد الحرام، وزمنه -كما سبق -عند الدخول، أما طواف التطوع غير طواف التحية، فلا يختص بزمان دون زمان، ويجوز فى أوقات كراهة الصلاة عند جمهور الفقهاء .ولا ينبغى له أن يتطوع ويكون عليه غيره من سائر الفروض.

ويصح من كل مسلم عاقل مميز -ولو من الصغار -إذا كان طاهرا.

ويلزم بالشروع فيه وكذا فى طواف القدوم والتحية، أى بمجرد النية عند الحنفية ، على الخلاف فى مسألة لزوم إتمام النافلة بالشروع فيها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۲۳، ماده طواف)

[2] ولا يكفى الفداء عن أداء طواف الإفاضة إجماعا، لأنه ركن، وأركان الحج لا يجزء عنها البدل، ولا يقوم غيرها مقامها، بل يجب الإتيان بها بعينها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۳، مادة "حج"شروط طواف الزيارة)

[3] حنفیہ کے مشہور مذہب کے مطابق صحیح یہ ہے کہ ''للاكثر حكم الكل'' کے قاعدہ کے مطابق طوافِ زیارت کے اکثر یعنی کم ازکم چار چکر تو رکن ہیں، اور باقی ہر چکر واجب ہے، لہٰذا اگر کسی نے طوافِ زیارت کے کم ازکم چار چکر ادا نہیں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ دیگر جمہور فقہائے کرام اور حنفیہ میں سے علامہ ابنِ ہمام کے نزدیک طوافِ زیارت کے ساتوں چکر رکن ہیں، جن میں سے کسی ایک چکر کے ترک کرنے کی تلافی بھی دَم سے نہیں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

کئے، تو اس کا طواف رکن وفرض کے درجہ میں ادا نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ کم از کم چار چکر پورے نہیں کرلے گا، اگرچہ کچھ وقفہ کے بعد میں ہی کیوں نہ پورے کرے" **لکن عند الامام ابی حنیفة تأخیر أکثر الأشواط لطواف الزیارة عن أیام النحر کتأخیر الکل**"

اور اگر کم از کم چار یا اس سے زیادہ چکر ادا کرلئے، اور تین یا اس سے کم چکر ترک کردیئے، تو اس پر دَم واجب ہوگا، خواہ اس نے تین چکر ترک کئے ہوں، یا دو یا ایک، الا یہ کہ وہ باقی ماندہ چکر پورے کرلے، اگرچہ کچھ وقفہ کے بعد میں ہی کیوں نہ پورے کرے، تو پھر دَم ساقط ہوجائے گا۔

اور حنفیہ کے نزدیک مذکورہ حکم طوافِ زیارت کے ساتھ خاص ہے۔

مگر حنفیہ میں سے علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے چار چکروں کے رکن اور باقی کے واجب ہونے کی مخالفت کی ہے، اور انہوں نے طواف کے تمام چکروں کو دوسرے جمہور فقہائے کرام کے قول کے مطابق رکن وفرض قرار دیا ہے۔

جہاں تک طوافِ قدوم اور طوافِ وداع کا تعلق ہے، تو طوافِ وِداع واجب ہے، اور طوافِ قدوم اگرچہ سنت ہے، مگر شروع کرنے سے اس کی تکمیل واجب ہوجاتی ہے، لہٰذا شروع کرنے کے بعد طوافِ قدوم بھی طوافِ وِداع کی طرح واجب ہوجاتا ہے، اور اس کے تمام چکر واجب ہوجاتے ہیں۔

پھر حنفیہ کے قواعد کے مطابق اگر کسی نے طوافِ وداع کے اکثر چکر ترک کردیئے، تو اس پر دَم واجب ہوتا ہے، اور اگر اکثر سے کم یعنی تین یا اس سے بھی کم ترک کئے، تو ہر چکر کے عوض میں صدقہ واجب ہوتا ہے، البتہ اگر اس نے چھوٹے ہوئے چکروں کو بعد میں پورا کرلیا، تو دَم یا صدقہ ساقط ہوجائے گا، اور طوافِ قدوم کو شروع کرنے کے بعد ترک کرنے پر بعض مشائخِ احناف نے اس کا حکم طوافِ وِداع کی طرح بیان کیا ہے، جو کہ حنفیہ کے قواعد کے مطابق راجح معلوم ہوتا ہے، اور بعض نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے دَم یا صدقہ کے وجوب کی نفی فرمائی ہے، البتہ توبہ کا حکم فرمایا ہے۔

وقوله سبعة أشواط بیان للواجب لا للفرض فی الطواف فإنا قدمنا أن أقل الأشواط السبعة واجبة تجبر بالدم فالرکن أکثر الأشواط، واختلف فیه فقیل أربعة أشواط وهو الصحیح نص علیه محمد فی المبسوط، وذکر الجرجانی أنه ثلاثة أشواط وثلثا شوط، وخالف المحقق ابن الهمام أهل المذهب، وجزم بأن السبعة رکن فإنه لا یجزء أقل منها، وأن هذا لیس من قبیل ما یقام فیه الأکثر مقام الکل، وأطال الکلام فیه فی الجنایات(البحرالرائق، ج۲ص۳۵۳، کتاب الحج، باب الاحرام)

(قوله فالرکن أکثر الأشواط) الظاهر أن هذا خاص بطواف الزیارة؛ لأنه رکن أما القدوم والصدر فلا لکن طواف القدوم سنة وبشروعه فیه یجب إکماله فیساوی بعد الشروع طواف الصدر فیصیر الطوافان واجبین فیکون جمیع أشواطهما واجبة، ویؤید ذلک ما سیذکره المؤلف قریبا فی أشواط السعی حیث جعلها واجبة کلها لکن صرحوا بأنه لو ترک أکثر أشواط الصدر لزمه دم وفی الأقل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہوتی، بلکہ اس چکر کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لكل شوط صدقة، وأما القدوم فلم يصرحوا بما يلزمه لو تركه بعد الشروع، وبحث السندي في منسكه الكبير في أنه كالصدر ونازعه في شرح اللباب بأن الصدر واجب بأصله فلا يقاس عليه ما يجب بشروعه فالظاهر أنه لا يلزمه بتركه شيء سوى التوبة كصلاة النفل اهـ ملخصا(منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢ ص٣٥٣،وص ٣٥٤، كتاب الحج، باب الاحرام)

۱؎ کیونکہ کوئی بھی طواف سات چکر سے کم نہیں ہوتا، یعنی طواف کا عبادت کے طور پر مشروع ہونا سات چکروں کے ساتھ ہی ثابت ہے، لہٰذا ان سات چکروں کی حیثیت سات رکعتوں کے قائم مقام ہوگئی، اور جس طرح کوئی بھی نماز اپنی مقررہ رکعات سے کم پڑھنے کی صورت میں ادا نہیں ہوتی، اسی طرح طواف بھی اپنی مقررہ تعداد سے کم چکر کرنے کی صورت میں ادا نہیں ہوتا، اور عبادات کی یہ مقادیر توقیفی ہیں، جن کو رائے اور اجتہاد سے نہیں پہچانا جاسکتا، اور ان میں دوسرے قیاسات کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے حنفی ہونے کے باوجود اپنی دیانت دارانہ رائے میں اسی کو راجح قرار دیا ہے، اور ہماری دیانت دارانہ رائے کا رجحان بھی اسی طرف ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

لا خلاف أن عدد أشواط الطواف المطلوبة سبعة، لكن الفقهاء اختلفوا بعد ذلك في ركنية السبعة:
فالجمهور على أن الركن سبعة أشواط لا يجزء عن الفرض أقل منها.
وقسم الحنفية السبعة إلى ركن وواجب.
أما العدد الركن فأكثر هذه السبعة، وأما الواجب فهو الأقل الباقي بعد أكثر الطواف.
واستدل الجمهور بقوله تعالى :(وليطوفوا بالبيت العتيق)فإن الآية تفيد التكثير، لأنه عبر بصيغة التفعيل، وقد جاء فعله صلى الله عليه وسلم مبينا القدر الذي يحصل به امتثال قوله :(وليطوفوا) وهو سبعة أشواط، فتكون هي الفرض.
كما استدلوا بأن مقادير العبادات لا تعرف بالرأي والاجتهاد، وإنما تعرف بالتوقيف، أي التعليم من الشارع، والرسول صلى الله عليه وسلم طاف سبعا، وفعله هذا بيان لمناسك الحج، كما قال: خذوا عني مناسككم.
فالفرض طواف سبعة أشواط ولا يعتد بما دونها .
واستدل الحنفية بأدلة، منها:
قوله تعالى :(وليطوفوا بالبيت العتيق) وهذا أمر مطلق عن أي قيد، والأمر المطلق يوجب مرة واحدة، ولا يقتضي التكرار، فالزيادة على شوط من الطواف تحتاج إلى دليل آخر، والدليل قائم على فرضية أكثر السبع، وهو الإجماع، فتكون فرضا، ولا إجماع على فرضية الباقي، فلا يكون فرضا بل واجبا.
أن الطائف قد أتى بأكثر السبع، والأكثر يقوم مقام الكل، فكأنه أدى الكل.
وقال كمال الدين بن الهمام من الحنفية :الذي ندين به أنه لا يجزء أقل من سبع، ولا يجبر بعضه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۶ ...... طوافِ زیارت صحیح ہونے کے لئے اس کا حج کے احرام پر مرتب ہونا ضروری ہے، کیونکہ حج کی ادائیگی کے لئے احرام ضروری ہے، اور طوافِ زیارت حج کا عمل ہے، البتہ طوافِ زیارت تک حج کے احرام کا باقی رہنا ضروری نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۷ ...... طوافِ زیارت صحیح ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ وقوفِ عرفہ پر مرتب ہو، یعنی اس سے پہلے وقوفِ عرفہ کیا جا چکا ہو۔ [۲]

مسئلہ نمبر۸ ...... طواف صحیح ہونے کے لئے دل میں طواف کی نیت کا ہونا ضروری ہے، اور زبان سے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں۔

اور حنفیہ سمیت بعض فقہائے کرام کے نزدیک طوافِ زیارت کی ادائیگی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ خاص طوافِ زیارت کی نیت سے طواف کیا جائے، بلکہ اتنی نیت کافی ہے کہ وہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ بشيء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۲۴، مادة "طواف")

أن إقامة الأكثر في تمام العبادة إنما هو في حق حكم خاص وهو أمن الفساد والفوات ليس غير، ولذا لم يحكم بأن ترك ما بقي :أعني الطواف يتم معه الحج وهو مورد ذلك النص، فلا يلزم جواز إقامة أكثر كل جزء منه مقام تمام ذلك الجزء وترك باقيه، كما لم يجز ذلك في نفس مورد النص :أعني الحج، فلا ينبغي التعويل على هذا الحكم، والله أعلم .بل الذي ندين به أن لا يجزي أقل من السبع، ولا يجبر بعضه بشيء غير أنا نستمر معهم في التقرير على أصلهم هذا(فتح القدير ،ج۳ص ۵۶، كتاب الحج، باب الجنايات)

[۱] يشترط في طواف الزيارة شروط خاصة به سوى الشروط العامة للطواف وهذه الشروط الخاصة هي:

أ -أن يكون مسبوقا بالإحرام، لتوقف احتساب أي عمل من أعمال الحج على الإحرام(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۵۰، مادة "حج"شروط طواف الزيارة)

[۲] ب -أن يكون مسبوقا بوقوف عرفة، فلو طاف للإفاضة قبل الوقوف بعرفة لا يسقط به فرض الطواف، إجماعا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۵۰، مادة "حج"شروط طواف الزيارة)

[۳] حنفیہ کے نزدیک جو طواف اپنے وقت اور موقع پر کیا جائے، تو وہ بغیر تعیینِ نیت کے بلکہ کسی اور طواف کی نیت سے کرنے کی صورت میں بھی اداء ہو جاتا ہے، اس اصول کی بناء پر اگر کسی نے مطلق نیت کے ساتھ یا کسی اور طواف (مثلاً وداع) کی نیت کے ساتھ ایامِ نحر میں طواف کیا، تو وہ طوافِ زیارت بن جائے گا، کیونکہ اپنے وقت پر اور احرام کے وقت حج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض لوگ طواف شروع کرتے وقت زبان سے طواف کی نیت کے لمبے چوڑے الفاظ ادا کرتے ہیں جس میں کافی وقت لگ جاتا ہے اور ہجوم کے وقت پیچھے سے آنے اور طواف شروع کرنے والے حضرات کو دشواری اور تکلیف ہوتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کی نیت ہونے کی وجہ سے یہ وقت اس طواف کی تعیین کر دیتا ہے، جیسا کہ کوئی شخص رمضان میں مطلق نیت کے ساتھ یا کسی اور نفل روزہ کی نیت کے ساتھ روزہ رکھے، تو اس سے رمضان کا فرض روزہ ہی اداء ہوتا ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک طواف صحیح ہونے کے لئے اس کی نیت میں تعیین ہونا بھی ضروری ہے کہ وہ کون سا طواف کرتا ہے۔

ج -النية :بأن يقصد أصل الطواف .أما نية التعيين فليست شرطا فى طواف الإفاضة عند الجمهور (الحنفية والمالكية والشافعية) لدخوله فى نية الحج.

لذلك صرحوا بشرطية عدم صرفه لغيره، كطلب غريم، أو هرب من ظالم.

أما الحنابلة :فقد اشترطوا تعيين الطواف فى النية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ١٥، مادة "حج"شروط طواف الزيارة)

ثالثا :النية:مجرد إرادة الدوران حول الكعبة لا لقصد شيء آخر يكفى فى هذا الشرط، دون تعيينه للفرض أو الوجوب أو السنة، ولا تعيين كونه للإفاضة أو للصدر أو للقدوم ونحو ذلك، كما صرح به الحنفية فى الراجح.

ومن قام بعمل الطواف لطلب غريم أو فرارا من ظالم لا يعتد به ما لم ينو مع عمله هذا الطواف وفى شرح مختصر الطحاوى :نية الحج عند الإحرام كافية عن نية الطواف.

وقال الحنفية :لو طاف طوافا فى وقته الذى عين الشارع وقوعه فيه وقع عنه، نواه بعينه أو لا، أو نوى طوافا آخر، فلو قدم معتمرا وطاف بأى نية كانت من نيات الطواف كأن نواه تطوعا يقع طوافه عن العمرة، أو قدم حاجا وطاف قبل يوم النحر وقع عن طواف القدوم.

وقال الدسوقى :إن نية الإحرام بالحج يندرج فيها الوقوف كالطواف والسعى وتطلب النية من المار دون غيره.

وقرر الشافعية :أن نية الطواف شرط إن استقل بأن لم يشمله نسك، كالطواف المنذور والمتطوع به، قال ابن الرفعة :وطواف الوداع لا بد له من نية؛ لأنه يقع بعد التحلل، لأنه ليس من المناسك عند الشيخين، بخلاف الطواف الذى يشمله نسك وهو طواف الركن للحج أو العمرة وطواف القدوم فلا يحتاج ذلك إلى نية فى الأصح، لشمول نية النسك له، وقالوا :ما لم يصرف الطواف إلى غرض آخر من طلب غريم أو نحوه .

وقال الحنابلة :لا بد لصحة الطواف من النية لحديث إنما الأعمال بالنيات ولأن النبى صلى الله عليه وسلم سماه صلاة والصلاة لا تصح إلا بالنية اتفاقا، وفى طواف الإفاضة يعين فى نيته هذا الطواف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٩، ص ١٢٦، مادة " طواف")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اولاً تو دوسروں کو بے جا تکلیف دینا منع ہے، دوسرے طواف کی نیت دل سے کر لینا کافی ہے اور زبان سے نیت کرنا بھی اگرچہ جائز ہے، لیکن ضروری نہیں، مگر لمبے چوڑے الفاظ ادا کرنے کی کوئی حقیقت نہیں، لہٰذا اس طرزِ عمل سے بچنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۹...... طوافِ زیارت کے صحیح ہونے کے لئے وقت کا داخل ہونا بھی ضروری ہے، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک طوافِ زیارت کا وقت دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر پر شروع ہو جاتا ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک طوافِ زیارت کا وقت دس ذی الحجہ کی صبح ہونے سے پہلے آدھی رات ہونے پر شروع ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس سے پہلے وقوفِ عرفہ کیا جا چکا ہو۔

البتہ فقہائے کرام کے نزدیک طوافِ زیارت کا دس ذی الحجہ کے دن رَمی کرنے اور سر کے بال منڈانے یا کٹانے کے بعد کرنا مسنون یا مندوب و مستحب ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فأما تعيين النية حال وجوده في وقته فلا حاجة إليه حتى لو نفر في النفر الأول فطاف، وهو لا يعين طوافا يقع عن طواف الزيارة لا عن الصدر؛ لأن أيام النحر متعينة لطواف الزيارة فلا حاجة إلى تعيين النية كما لو صام رمضان بمطلق لنية أنه يقع عن رمضان لكون الوقت متعينا لصومه كذا هذا.

وكذا لو نوى تطوعا يقع عن طواف الزيارة كما لو صام رمضان بنية التطوع، وكذلك كل طواف واجب، أو سنة يقع في وقته من طواف اللقاء، وطواف الصدر، فإنما يقع عما يستحقه الوقت، وهو الذي انعقد عليه الإحرام دون غيره سواء عين ذلك بالنية، أو لم يعين فيقع عن الأول، وإن نوى الثاني لا يعمل بنيته في تقديمه على الأول حتى إن المحرم إذا قدم مكة، وطاف لا يعين شيئا، أو نوى التطوع، فإن كان محرما بعمرة يقع طوافه للعمرة، وإن كان محرما بحجة يقع طوافه للقدوم؛ لأن عقد الإحرام انعقد عليه(بدائع الصنائع، ج۲ص۱۲۸،۱۲۹، فصل شرط وواجبات طواف الزيارة)

لو طاف يوم النحر طوافا كان أوجبه على نفسه كان عن طواف الزيارة كما في صوم رمضان (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۱۵۹، كتاب الحج)

والنية ليست بشرط لكل ركن إلا أنه يستقل عبادة في نفسه فشرط له نية أصل الطواف دون التعيين .فلو طاف في وقته ينوي النذر أو النفل وقع عنه(فتح القدير، ج۳ص۵۷،كتاب الحج، باب الجنايات)

فإن نوى بطوافه الوداع دون طواف الزيارة وقع عن طواف الزيارة وكذا لو نوى طواف نفل وقال أحمد لا يقع عن فرضه ويفتقر إلى تعيين النية(حلية العلماء في معرفة مذاهب الفقهاء ،لسيف الدين أبي بكر محمد بن أحمد الشاشي القفال،ج۳،ص ۲۹۹)

اوراس کی ادائیگی کا وقت تادَمِ حیات باقی رہتا ہے، اوراس کی ادائیگی کا وقت، انسان کے فوت ہونے پر ہی فوت ہوتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۰......طواف کونماز کے ساتھ مشابہت حاصل ہے، اس لئے طواف کے لئے بہت سی ایسی چیزیں ضروری ہیں، جونماز کے لئے ضروری ہیں۔ [۲]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طواف کے واجبات مندرجہ ذیل ہیں۔

ایک پاکی کی حالت میں طواف کرنا (یعنی جسم اورلباس کے پاک ہونے اور باوضو ہونے کی حالت میں طواف کرنا)

دوسرے طواف کے دوران ستر کا چھپانا۔

---

[۱] اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طوافِ زیارت کا وقتِ وجوب ایامِ نحر ہے، جبکہ دیگر کئی فقہائے کرام کے نزدیک یہ وقتِ وجوب نہیں، بلکہ وقتِ مسنون میں داخل ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

د -الوقت :فلا يصح طواف الإفاضة قبل الوقت المحدد له شرعا .وهو وقت موسع يبتدء من طلوع الفجر الثاني يوم النحر عند الحنفية والمالكية.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن أول وقت طواف الإفاضة بعد منتصف ليلة النحر لمن وقف بعرفة قبله.

استدل الحنفية والمالكية بأن :ما قبل الفجر من الليل وقت الوقوف بعرفة، والطواف مرتب عليه "، فلا يصح أن يتقدم ويشغل شيئا من وقت الوقوف.

واستدل الشافعية بقياس الطواف على الرمي، لأنهما من أسباب التحلل، فإنه بالرمي للجمار والذبح والحلق يحصل التحلل الأول، وبالطواف يحصل التحلل الأكبر (بشرط السعي)فكما أن وقت الرمي يبدأ عندهم بعد نصف الليل فكذا وقت طواف الإفاضة.

والأفضل عند العلماء أداؤه يوم النحر بعد الرمي والحلق.

وأما آخر وقت طواف الفرض فليس لآخره حد معين لأدائه فرضا، بل جميع الأيام والليالي وقته إجماعا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۲،وص۵۳، مادة "حج")

وأما الترتيب بينه وبين الرمي والحلق فسنة (ردالمحتار، ج۲ص۵۱۷، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة)

خامسا :التعجيل بطواف الإفاضة :وذلك بأدائه يوم عيد النحر، اتباعا لفعل النبي صلى الله عليه وسلم .كما في حديث جابر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۸، مادة "حج")

[۲] عن طاوس، عن رجل قد أدرك النبي صلى الله عليه وسلم، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال " :إنما الطواف صلاة، فإذا طفتم، فأقلوا الكلام "(مسند أحمد، رقم الحديث ۱۵۴۲۳)

في حاشية مسند احمد:حديث صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين.

تیسرے ایک قول کے مطابق حجرِ اسود سے طواف کی ابتداء کرنا، مگر حنفیہ کی ظاہر الروایہ اس کے سنت ہونے کی ہے۔

چوتھے طواف کرنے والے کا بیتُ اللہ کی دائیں طرف سے طواف کرنا (یعنی بیتُ اللہ کو اپنی بائیں طرف رکھنا)

پانچویں حطیم کے باہر والے حصہ سے طواف کرنا، یعنی حطیم والے حصہ کو طواف میں شامل کرنا۔

چھٹے جو شخص پیدل چل کر طواف کرنے پر قادر ہو، تو اسے پیدل طواف کرنا۔

ساتویں ہر طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا۔

آٹھویں طوافِ زیارت کا ایامِ نحر (یعنی دس ذی الحجہ سے لے کر بارہ ذی الحجہ کے درمیان) میں ادا کرنا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان میں سے کسی چیز کی خلاف ورزی پر دَم واجب ہوتا ہے، سوائے حجرِ اسود سے طواف کی ابتداء کرنے کے اور طواف کے بعد کی دو رکعتوں کے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مندرجہ بالا ابتدائی پانچ چیزیں طواف کے فرائض وارکان میں داخل ہیں، جن کی تلافی دَم سے نہیں ہوسکتی، بلکہ بہرحال ان کی صحیح ادائیگی ہی ضروری ہے۔

اور اس کے مابعد والی چیزیں طواف کی سنتوں میں داخل ہیں، جن کی خلاف ورزی پر دَم واجب نہیں، جن کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

---

[1] ثالثا :واجبات الطواف:أ -ذهب الحنفية إلى أن الأشواط الثلاث الأخيرة من الطواف واجبة. وهى عند الجمهور ركن فى الطواف (ف١٢٨) (وانظر مصطلح طواف).

ب -أوجب الحنفية الأمور التالية فى الطواف،

وقال الجمهور هى من شروط صحته .وهذه الأمور هى:

١-الطهارة من الأحداث والأنجاس.

٢-ستر العورة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ اگر واجب کی خلاف ورزی کے بعد اس کا اعادہ کرلیا جائے، اور اعادہ کرتے وقت اس واجب کی خلاف ورزی سے بچا جائے، تو اس واجب کی تلافی ہوجاتی ہے، اور دَم وغیرہ واجب نہیں ہوتا۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۱...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک طوافِ زیارت کو بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے کرلینا واجب ہے، اور اس کے بعد تاخیر کرنے پر دَم واجب ہے، اِلَّا یہ کہ کوئی عورت حیض ونفاس کی وجہ سے اس وقت میں طوافِ زیارت نہ کرسکے، تو اس پر بعد میں کرنے کے نتیجے میں دَم لازم نہیں ہوتا۔

اور شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک طوافِ زیارت کی بارہ ذی الحجہ تک ادائیگی واجب نہیں، بلکہ سنت ہے، لہٰذا اُن کے نزدیک بارہ ذی الحجہ کے بعد اداء کرنے کی صورت میں بھی دَم واجب نہیں ہوتا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

۳۔ ابتداء الطواف من الحجر.

۴۔ التيامن، أی كون الطائف عن يمين البيت.

۵۔ دخول الحجر (أی الحطيم) فی ضمن الطواف.

ج -أوجب الحنفية الأمور التالية فی الطواف وهی سنة عند غيرهم:

۱۔ المشی للقادر عليه.

۲۔ ركعتا الطواف.

۳۔ إيقاع طواف الركن فی أيام النحر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۵۹،۶۰، مادة "حج")

[1] (قوله إن لم يعده) أی الطواف الشامل للقدوم والصدر والفرض، فإن أعاده فلا شیء عليه فإنه متى طاف أی طواف مع أی حدث ثم أعاده سقط موجبه .اهـ(ردالمحتار، ج۲ ص ۵۵۱، باب الجنايات فی الحج)

[2] اگر کوئی آج کل کے کثرتِ ہجوم یا بیماری وکمزوری وغیرہ کے باعث ایامِ نحر میں طوافِ زیارت نہ کرسکے، اور بعد میں طوافِ زیارت کرے، تو ہمارے نزدیک جمہور فقہائے کرام اور حنفیہ میں سے صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے دَم نہ دینے کی بھی گنجائش ہے، بالخصوص جبکہ دَم کی ادائیگی بھی متعذر رہو۔

ذهب أبو حنيفة إلى أن أداء طواف الإفاضة فی أيام النحر واجب فلو أخره حتى أداه بعدها صح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۲...... اگر کوئی شخص بارہ ذی الحجہ یا اس کے بعد تک بھی طوافِ زیارت اداء نہ کر سکے، تو اس کا حج درست نہیں ہوتا، اور اس کے لئے میاں بیوی کے خصوصی تعلقات حلال نہیں ہوتے، اگرچہ وہ اپنے وطن لوٹ چکا ہو، تا آنکہ وہ بیتُ اللہ واپس آ کر طوافِ زیارت نہ کر لے۔ [1]

مسئلہ نمبر۱۳...... طواف صحیح ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ طواف بیتُ اللہ کے باہر مسجدِ حرام کی حدود میں کیا جائے، خواہ بیتُ اللہ کے قریب رہ کر یا اُس سے دُور رہ کر۔
لہٰذا اگر مسجدِ حرام کی حدود غیر معمولی وسیع کر دی جائیں تو اس کی حدود میں رہتے ہوئے طواف کرنا جائز ہوگا، مالم یبلغ الحل۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ووجب عليه دم؛ جزاء تأخيره عنها وهو المفتى به فى المذهب.
والمشهور عند المالكية :أنه لا يلزمه بالتأخير شىء إلا بخروج ذى الحجة فإذا خرج لزمه دم، وذهب الشافعية والحنابلة والصاحبان إلى أنه لا يلزمه شىء بالتأخير (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۳۳، مادة " طواف ")
لكن الإمام أبا حنيفة أوجب أداء ه فى أيام النحر، فلو أخره حتى أداه بعدها صح، ووجب عليه دم جزاء تأخيره عنها .وهو المفتى به فى المذهب.
والمشهور عند المالكية أنه لا يلزمه بالتأخير شىء إلا بخروج ذى الحجة، فإذا خرج لزمه دم.
وذهب الصاحبان، والشافعية، والحنابلة، إلى أنه لا يلزمه شىء بالتأخير أبدا.
استدل أبو حنيفة بأن الله تعالى عطف الطواف على الذبح فى الحج، فقال :(فكلوا منها) ، ثم قال: (وليطوفوا بالبيت العتيق) ، فكان وقتهما واحدا، فيكره تأخير الطواف عن أيام النحر، وينجبر بالدم.
إلا أن المالكية نظروا إلى شهر ذى الحجة أنه تقام فيه أعمال الحج، فسووا بين كل أيامه، وجعلوا التأخير عنه موجبا للفداء .
واستدل الشافعية والحنابلة، بأن الأصل عدم التأقيت، وليس هناك ما يوجب فعله فى أيام النحر، فلا يلزم الحاج فدية إذا أخر طواف الإفاضة إلى ما بعد أيام النحر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۷، ص ۵۲، وص ۵۳، مادة "حج")

[1] فإذا تأخر طواف الإفاضة عن أيام النحر أو شهر ذى الحجة، فإنه لا يسقط أبدا، وهو محرم عن النساء أبدا إلى أن يعود فيطوف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۷، ص ۵۳، مادة "حج")

[2] رابعا :وقوع الطواف فى المكان الخاص:
مكان الطواف هو حول الكعبة المشرفة داخل المسجد الحرام، قريبا من البيت أو بعيدا عنه، وهذا شرط متفق عليه، لقوله تعالى :(وليطوفوا بالبيت العتيق) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۴......طواف مسجدِ حرام کی چھت پر کرنا بھی جائز ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۱۵......طواف صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ کعبہ کے بیرونی حصہ میں یعنی کعبہ کے اردگرد طواف کے مطلوبہ چکر پورے کیے جائیں۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾فلو طاف من وراء مقام إبراهيم عليه السلام، أو من وراء حائل كمنبر أو غيره كالأعمدة، أو على سطح المسجد الحرام أجزأه ذلك، لأنه قد حصل حول البيت، ما دام ضمن المسجد، وإن وسع المسجد، ومهما توسع ما لم يبلغ الحل عند الجمهور.

وقال المالكية :يجوز الطواف بسقائف المسجد، وهى محل كان به قباب معقودة، ومن وراء زمزم وقبة الشراب حذاء زمزم، ولا يضر حيلولة الأسطوانات وزمزم والقبة بين الطائف والبيت بسبب زحمة انتهت إليها؛ لأن الزحام يصير الجميع متصلا بالبيت، وإن لم تكن زحمة بل طاف تحت السقائف اعتباطا، أو لحر، أو لبرد، أو مطر أعاد وجوبا ما دام بمكة، ولم يرجع له من بلده أو مما يتعذر منه الرجوع، وعليه الدم، لكن الظاهر أن الحر والبرد الشديدين كالزحمة، كما قرر الدسوقى، وعلى هذا لو طاف فى السقائف لزحمة ثم قبل كماله زالت الزحمة وجب إكماله فى المحل المعتاد، سواء كان الباقى قليلا أو كثيرا، فلو كمل الباقى فى السقائف فالظاهر أنه يعيد ذلك الذى كمله فى السقائف(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج ۲۹،ص۱۲۷، ۱۲۸ ،مادة "طواف")

۱؎ قال رحمه الله تعالى :(وسقفها) :سقف الدار كذلك، فإن السقف يملك، وعلى هذا قالوا : إنه إذا طاف فى السطح الأعلى من المسجد، كان كمن طاف فى أسفله؛ لأن الله تعالى يقول :(وطهر بيتى للطائفين)وجماهير العلماء على أن الطواف لا يصح خارج البيت، فإذا طاف فى داخل البيت صح طوافه.

ولو صعد إلى الدور الثانى، أو صعد إلى الدور الثالث، قالوا :يصح طوافه؛ لأنه طاف فى داخل البيت، ولم يخرج عن حرم البيت، ولو كان معتكفا وصعد من داخل المسجد إلى أعلى المسجد فى الدور الأول والثانى فإنه لا يبطل اعتكافه؛ لأنه ما زال فى حرم المسجد.

فمعنى قوله :(وسقفها) أن السقف تابع للأسفل، وفرّع على هذا مسألة السعى بين الصفا والمروة فى الدور الثانى، فإنه مفرَّع على مسألة من ملك أرضاً ملك سماء ها وبناء ها (شرح زاد المستقنع للشنقيطى، كتاب البيع، ما يتبع الدور والبنيان عند بيعها)

۲؎ أحكام الطواف العامة :ذكر الفقهاء أمورا لا بد منها فى الطواف بصفة عامة، لكنهم اختلفوا فى عدها ركنا أو واجبا أو شرطا على النحو التالى:

أولا :حصول الطائف حول الكعبة العدد المطلوب من الأشواط:

ذهب الفقهاء إلى أن على كل طائف أن يطوف حول الكعبة العدد المطلوب من الأشواط سواء كان حصوله هذا بفعل نفسه، أو بفعل غيره، بأن حمله الغير وطاف به، وسواء كان قادرا على الطواف بنفسه فأمر شخصا أن يحمله فى الطواف أو حمله الآخر بغير أمره، فإن هذا كاف فى أداء فرض الطواف، وسقوطه عن الذمة؛ لأن الفرض هو حصول الطواف حول البيت، وقد حصل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹،ص ۱۲۳ ،مادة " طواف ")

اور طواف میں یہ بھی ضروری ہے کہ بیت اللہ کے فرش کے ساتھ بیتُ اللہ یا کعبہ کی چہار دیواری کے ساتھ اُبھری ہوئی بنیادوں اور حطیم کے باہر سے طواف کیا جائے، یعنی حطیم کو بھی طواف میں شامل کیا جائے، کیونکہ حطیم بیتُ اللہ کا حصہ ہے۔ [1]

---

[1] البتہ حنفیہ کے نزدیک حطیم کے باہر سے طواف کرنا طواف کے واجبات میں سے ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، اور اسی وجہ سے اگر کسی نے حطیم کے اندر سے طواف کیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس طواف کا اعادہ واجب ہوگا۔

خامسا :أن يكون الطواف حول البيت كله:

وذلک يشمل الشاذروان، وهو الجزء السفلى الخارج عن جدار البيت مرتفعا على وجه الأرض على القول بأنه من الكعبة.

وقد اختلف فيه هل هو من الكعبة أو ليس من الكعبة؟ فقال جماعة :هو من الكعبة تركته قريش لضيق النفقة، وقال الحنفية :ليس من الكعبة وعليه المحققون.

سادسا :أن يكون الحجر داخلا فى طوافه:

الحجر -بكسر الحاء وسكون الجيم -هو الموضع المحاط بجدار مقوس تحت ميزاب الكعبة، فى الجهة الشمالية من الكعبة، ويسمى الحطيم أيضا.

والحجر هو جزء من البيت، تركته قريش لضيق النفقة، وأحاطته بالجدار، وقيل :الذى منها ستة أذرع أو سبعة أذرع، فالنظر فى القدر الزائد إلى طواف النبى صلى الله عليه وسلم .من ورائه، وهو ما قطع به أكثر الشافعية كما صرح به النووى فى المجموع.

وعن عائشة رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لها :ألم ترى أن قومک لما بنوا الكعبة اقتصروا على قواعد إبراهيم؟ فقلت :يا رسول الله، ألا تردها على قواعد إبراهيم؟ قال :لولا حدثان قومک بالكفر لفعلت فقال عبد الله بن عمر رضى الله عنهما :لئن كانت عائشة رضى الله عنها سمعت هذا من رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أرى رسول الله صلى الله عليه وسلم ترک استلام الركنين اللذين يليان الحجر إلا أن البيت لم يتمم على قواعد إبراهيم.

وعنها قالت :سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الجدر أمن البيت هو؟ قال :نعم .

وقد ذهب المالكية والشافعية والحنابلة وعطاء وأبو ثور وابن المنذر :إلى أن الطواف من وراء الحطيم فرض، من تركه لم يعتد بطوافه، حتى لو مشى على جداره لم يجزئه، لأنه جزء من الكعبة، كما ثبت ذلک بالسنة الصحيحة، ويجب أن يكون داخلا فى الطواف.

واستدلوا أيضا بمواظبة النبى صلى الله عليه وسلم على الطواف من وراء الحجر، وفعله بيان للقرآن، فيلتحق به، فيكون فرضا.

أما الحنفية فقالوا :دخول الحجر فى الطواف واجب لأن كونه جزءا من البيت ثبت بخبر الواحد، وخبر الواحد يثبت به الوجوب عندهم لا الفرض .

وعلى ذلک فمن ترک الطواف خلف الحجر لم يصح طوافه عند الجمهور، ولم يعتد به؛ لأنه لم يطف بجميع البيت.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض لوگ طواف کرتے وقت حطیم کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کی دیوار کے اوپر والے حصے پر ہاتھ رکھے ہوئے گزرتے ہیں، جوکہ غلط اور لغو حرکت ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۶...... اگر کسی پر طواف سے پہلے بیہوشی طاری ہوگئی، تو اس کے ساتھیوں کو اس بیہوش شخص کو اُٹھا کر یا سواری میں بٹھا کر طواف کرانا جائز ہے، اور دوسرے کو اُٹھانے یا سواری پر لے کر چلنے والے لوگ اگر خود بھی ساتھ چلتے ہوئے اپنے طواف کی نیت کریں، تو ان کا طواف بھی درست ہوجاتا ہے۔ [۲]

اور اگر کوئی شخص بیہوش تو نہیں ہے، لیکن سویا ہوا ہے، اور مریض ہے، تو اگر اس نے کسی کو یا اپنے ساتھیوں کو پہلے سے اس کی اجازت دے رکھی ہے کہ اگر وہ مریض یا بیمار ہوجائے تو اس کو اُٹھا کر طواف کرادیا جائے، تو اس کو اُٹھا کر یا سوار کرا کے طواف کرانا جائز ہے۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أما عند الحنفية فيجب عليه إعادة الطواف ما دام بمكة، فإن رجع إلى بلده بغير إعادة فعليه هدى يرسله إلى مكة، والأفضل عند الحنفية إعادة كل الطواف ليؤديه على الوجه الحسن، وللخروج من الخلاف.

أما الواجب فى الإعادة :فيجزيه أن يأخذ عن يمينه خارج الحجر مبتدئا من أول أجزاء الفرجة أو قبله بقليل احتياطا، ويطوف حتى ينتهى إلى آخره، ثم يدخل الحجر من الفرجة التى وصل إليها ويخرج من الجانب الآخر، أو لا يدخل الحجر، بل يرجع ويبتدء من أول الحجر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص ۱۲۹،مادة "طواف")

[۲] طواف المغمى عليه :لو طاف بالمغمى عليه رفاقه محمولا،أجزأ ذلك الطواف الواحد عن الحامل والمحمول إن نواه الحامل عن نفسه وعن المحمول، وإن كان بغير أمر المغمى عليه، بناء على أن عقد الرفقة متضمن لفعل هذه المنفعة، وسواء اتفق طوافهما بأن كان لعمرتهما، أو لزيارتهما، ونحوهما، أو اختلف طوافهما، فيكون طواف الحامل عما أوجبه إحرامه، وطواف المحمول كذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص۱۲۷،مادة " طواف ")

[۳] طواف النائم والمريض:لو طاف أحد بمريض وهو نائم من غير إغماء ففيه تفصيل عند الحنفية :إن كان الطواف بأمره وحملوه على فوره أى ساعته عرفا وعادة يجوز، وإلا بأن طافوا به من غير أن يأمرهم بالطواف به أو فعلوا لكن لا على فوره فلا يجزيه الطواف .ففرقوا فى الحكم بين الوقوف والطواف لعدم اشتراط النية فى الوقوف بعرفة، وفرقوا بين المغمى عليه والنائم فاكتفوا فى المغمى عليه بعقد الرفقة، وفى المريض النائم اعتبروا الأمر الصريح لقيام نيتهم مقام نيته؛ لأن حاله أقرب إلى الشعور من حال المغمى عليه.

وعند غير الحنفية ينتظر حتى يفيق المغمى عليه والنائم ويستوفى شروط الطواف التى منها الطهارتان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص۱۲۷،مادة " طواف ")

مسئلہ نمبر ۱۷...... طواف کا حجرِ اسود سے شروع کرنا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور حنفیہ میں سے امام محمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق فرض ہے۔

اور حنفیہ کی ظاہر الروایہ کے مطابق طواف کا حجرِ اسود سے شروع کرنا سنت ہے، اور ایک قول واجب ہونے کا بھی ہے۔ [1]

پھر شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک طواف شروع کرتے وقت پورے بدن کو حجرِ اسود کے سامنے اور اس کے بالمقابل کرنا ضروری ہے۔

لیکن حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک طواف کے آغاز کا حکم پورا کرنے کے لئے پورے بدن کا حجرِ اسود کے سامنے اور بالمقابل ہونا ضروری نہیں، بلکہ صرف اتنا کافی ہے کہ حجرِ اسود کے کسی قدر سامنے کھڑا ہو جائے، جس سے حجرِ اسود سے طواف کی ابتداء کرنے کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ [2]

---

[1] اور مالکیہ کی ایک روایت کے مطابق حجرِ اسود سے طواف کی ابتداء کرنا فرض اور ایک روایت کے مطابق واجب ہے۔
ذهب المالكية والشافعية والحنابلة ومحمد بن الحسن من الحنفية إلى أنه يتعين البداء ة في الطواف من الحجر الأسود ليحسب الشوط لما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم افتتح الطواف من يمين الحجر لا من يساره، وذلك تعليم منه صلى الله عليه وسلم مناسك الحج، وقد قال عليه الصلاة والسلام :خذوا عني مناسككم فتجب البداء ة بما بدأ به النبي صلى الله عليه وسلم ولو افتتح الطواف من غير الحجر لم يعتد بذلك الشوط إلا أن يصير إلى الحجر فيبتدء منه الطواف.
وأما عند الحنفية في ظاهر الرواية ومالك أن البداء ة في الطواف من الحجر الأسود سنة، ولو بدأ الطواف من مكان غير الحجر الأسود بدون عذر أجزأه مع الكراهة لقوله تعالى :(وليطوفوا بالبيت العتيق)مطلقا عن شرط الابتداء بالحجر الأسود(الموسوعة الفقهية الكويتية، ١٧، ص ١٠٦، وص١٠٧، مادة " الحجر الاسود ")
(والبداء ة بالطواف من الحجر الأسود) على الأشبه لمواظبته -عليه الصلاة والسلام -وقيل فرض وقيل سنة(الدر المختار)
(قوله على الأشبه) ذكر في المطلب الفائق شرح الكنز أن الأصح أنه شرط لكن ظاهر الرواية أنه سنة يكره تركها، وعليه عامة المشايخ وصححه في اللباب، وذكر ابن الهمام أنه لو قيل إنه واجب لا يبعد لأن المواظبة من غير ترك مرة دليل الوجوب اهـ وبه صرح في المنهاج عن الوجيز وهو الأشبه والأعدل فينبغي أن يكون عليه المعول اهـ من شرح اللباب(ردالمحتار، ج٢ص٤٦٨، كتاب الحج)

[2] سابعا :ابتداء الطواف من الحجر الأسود:ذهب الشافعية والحنابلة وهو قول عند المالكية إلى أن ابتداء الطواف من الحجر الأسود شرط لصحة الطواف، وهو رواية في مذهب الحنفية، فلا يعتد بالشوط الذي بدأه بعد الحجر الأسود.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۸...... حنفیہ کے نزدیک حجرِ اسود سے کچھ پہلے رُکنِ یمانی کی طرف سے طواف کی ابتداء کرنا، یعنی طواف شروع کرنے کی دل میں نیت کرتے وقت بیتُ اللّٰہ کی طرف رُخ کر کے اس طرح کھڑا ہونا سنت ہے، کہ حجرِ اسود کھڑے ہونے والے کے دائیں طرف کے کندھے کے سامنے ہو، تاکہ حجرِ اسود سے طواف کی ابتداء کرنے کے حکم پر پوری طرح عمل ہوجائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ واستدلوا بمواظبة النبى صلى الله عليه وسلم وجعلوها دليل الفرضية؛ لأنها بيان لإجمال القرآن .ولا بد عندهم من محاذاة الحجر الأسود بجميع البدن؛ لأن ما وجب فيه محاذاة البيت وجبت محاذاته بجميع البدن، كالاستقبال فى الصلاة .

وذهب الحنفية والمالكية على الراجح فى المذهبين إلى أن ابتداء الطواف من الحجر الأسود واجب، لأن النبى صلى الله عليه وسلم واظب على ذلك، والمواظبة دليل الوجوب، لا سيما وقد قال صلى الله عليه وسلم :خذوا عنى مناسككم فيلزم الدم بترك البداية منه فى طواف الركن .

قال المحقق الشيخ على القارء : ولو قيل :إنه واجب لا يبعد، لأن المواظبة من غير ترك مرة دليله، فيأثم به ويجزيه، ولو كان فى الآية إجمال لكان شرطا كما قال محمد، لكنه منتف فى حق الابتداء ، فيكون مطلق التطوف فرضا، وافتتاحه -أى من الحجر الأسود -واجبا للمواظبة . . .وهو الأشبه والأعدل، فينبغى أن يكون هو المعول(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۲۹، ۱۳۰ ،مادة " طواف ")

(وأخذ) الطائف (عن يمينه مما يلى الباب) فتصير الكعبة عن يساره لأن الطائف كالمؤتم بها والواحد يقف عن يمين الإمام، ولو عكس أعاد مادام بمكة فلو رجع فعليه دم وكذا لو ابتدأ من غير الحجر كما مر (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲، ص۴۹۴، كتاب الحج)

(قوله وكذا لو ابتدأ من غير الحجر) أى يعيده وإلا فعليه دم وهذا على القول بوجوبه كما أشار إليه بقوله كما مر أى فى الواجبات (ردالمحتار، ج۲، ص۴۹۴، كتاب الحج)

(والبداء ة بالطواف من الحجر الأسود) على الأشبه لمواظبته -عليه الصلاة والسلام -وقيل فرض وقيل سنة (الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله على الأشبه) ذكر فى المطلب الفائق شرح الكنز أن الأصح أنه شرط لكن ظاهر الرواية أنه سنة يكره تركها، وعليه عامة المشايخ وصححه فى اللباب، وذكر ابن الهمام أنه لو قيل إنه واجب لا يبعد لأن المواظبة من غير ترك مرة دليل الوجوب اهـ وبه صرح فى المنهاج عن الوجيز وهو الأشبه والأعدل فينبغى أن يكون عليه المعول اهـ من شرح اللباب (ردالمحتار، ج۲، ص۴۶۸، كتاب الحج)

[1] ج -ابتداء الطواف من جهة الركن اليمانى :يسن أن يبدأ الطواف قريبا من الحجر الأسود من جهة الركن اليمانى، ثم يستقبل الحجر مهللا رافعا يديه، وذلك ليتحقق ابتداء الطواف من الحجر الأسود، وهو واجب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بیتُ اللّٰہ کی طرف رُخ کیے ہوئے ہونے کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو نماز کی طرح کانوں تک اُٹھانا اور زبان سے تکبیر وتہلیل مثلاً بسم اللّٰہ، اللّٰہ اکبر اور لا الٰہ الا اللّٰہ کہنا سنت ومستحب ہے۔ [1]

جس کے بعد ہاتھ چھوڑ دے، اور تھوڑا سا دائیں طرف یعنی حجرِ اسود کے بالکل سامنے ہوکر حجرِ اسود کا استلام کرتے ہوئے تکبیر کہنا سنت ہے، اور تکبیر میں اللّٰہ اکبر کہنا بھی کافی ہے، لیکن بسم اللّٰہ، اللّٰہ اکبر کہنا افضل ہے۔

اور اگر لا الٰہ الا اللّٰہ بھی پڑھ لے، تو وہ اور زیادہ بہتر ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لكن المرور بجميع البدن على الحجر الأسود ليس واجبا عند الحنفية والمالكية، وهو واجب عند الشافعية والحنابلة، لذلك صرح المحققون في المذهب الحنفي باستحباب هذه الكيفية خروجا من الخلاف، فلو استقبل الحجر مطلقا ونوى الطواف كفى في حصول المقصود الذي هو الابتداء من الحجر عند الحنفية والمالكية.

قال الحطاب :يستقبل الحجر بجميع بدنه وتكون يده اليسرى محاذية ليمين الحجر ثم يقبله ويمشي على جهة يده اليمنى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۳۵، مادة " طواف ")

[1] (وكبر) فيقول :باسم الله والله أكبر، لما روى أحمد، والبخاري عن ابن عباس :أنه صلى الله عليه وسلم طاف على بعير، كلما أتى على الركن أشار إليه بشيء في يده، وكبر.

(وهلل، ورفع يديه) عند التكبير لافتتاح الطواف حذاء منكبيه أو أذنيه مستقبل القبلة بباطن كفيه. (كالصلاة) أي ناويا به، لأن الطواف كالصلاة على ما ورد (شرح النقاية، ج۲، ص۲۹۶، افعال الحج)

د -استقبال الحجر عند ابتداء الطواف :استقبال الحجر عند ابتداء الطواف، ورفع اليدين عند التكبير مقابلة الحجر، نص على هذه السنة الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۳۵، ماده طواف)

[2] يسن عند ابتداء كل طوفة من الطواف بالكعبة استلام الحجر الأسود إن استطاع، ويكبر ويقول :باسم الله، الله أكبر، مع رفع يده اليمنى، وإن لم يستطع استلامه يكبر عند محاذاته ويهلل ويشير إليه .وروى البخاري عن ابن عباس قال :طاف النبي صلى الله عليه وسلم بالبيت على بعير، وكان كلما أتى على الركن أشار إليه بشيء في يده وكبر .وهذا محل اتفاق بين الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص۲۱۴، وص۲۱۵، مادة"تكبير"، التكبير عند الحجر الأسود)

(قوله فاستقبل الحجر إلخ) أشار بالفاء إلى أنه ينوي الطواف قبل الاستقبال لما سيذكره من أنه يمر بجميع بدنه على جميع الحجر، ولهذا قال في اللباب :ثم يقف مستقبل البيت بجانب الحجر الأسود مما يلي الركن اليماني، بحيث يصير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور طواف کی ابتداء میں حجرِ اسود کا استلام کرتے وقت بیتُ اللہ کی طرف رُخ کرنا سنت ہے، اور پہلی دفعہ کے بعد ہر چکر میں بھی حجر اسود کا استلام کرتے وقت بیتُ اللہ کی طرف رُخ کرنا مستحب ہے۔ [1]

بعض لوگ حجر اسود سے آگے نکل کر طواف کی نیت کرتے ہیں اور اس کے بعد طواف شروع کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اسی طرح بعض لوگ طواف کی نیت کرتے وقت حجر اسود کے سامنے آنے اور تکبیر کہنے سے پہلے ہی ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہیں، حالانکہ حجر اسود کے سامنے آنے اور تکبیر کہنے سے پہلے ہاتھ اٹھانا درست طریقہ نہیں ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ حجر اسود کے سامنے آنے کے بعد تکبیر کہنے کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جائیں۔

مسئلہ نمبر ۱۹...... طواف شروع کرتے وقت اور ہر چکر میں حجرِ اسود کے سامنے آنے پر حجرِ اسود کا استلام کرنا، اور اس کو بوسہ دینا سنت ومستحب ہے، جس کی خلاف ورزی پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں۔

اور استلام کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی دونوں ہتھیلیاں حجرِ اسود پر رکھ دے، اور اپنے منہ کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھ کر حجرِ اسود کو بوسہ دے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ جميع الحجر عن يمينه،ويكون منكبه الأيمن عند طرف الحجر فينوى الطواف، وهذه الكيفية مستحبة والنية فرض، ثم يمشي مارا إلى يمينه حتى يحاذى الحجر فيقف بحياله ويستقبله ويبسمل ويكبر ويحمد ويصلى ويدعو اهـ قال شارحه :أى يقول :بسم الله والله أكبر ولله الحمد والصلاة والسلام على رسول الله اللهم إيمانا بک ووفاء بعهدک واتباعا لسنة نبيک محمد -صلى الله عليه وسلم.......... (قوله واستلمه) أى بعد أن يرسل يديه كما فى النهر عن التحفة (ردالمحتار، ج۲، ص۴۹۳، كتاب الحج، فصل فى الإحرام وصفة المفرد)

[1] وهذا الاستقبال مع الاستلام أو نحوه فى ابتداء الطواف سنة مؤكدة، ومستحبة فى أول كل شوط عندنا لا واجب كما قيل (شرح النقاية، ج۲، ص۲۹۶، افعال الحج)

[2] هـ -استلام الحجر وتقبيله:استلام الحجر وتقبيله فى ابتداء الطواف وفى كل شوط، وبعد ركعتى الطواف، ذهب إلى ذلک جمهور الفقهاء ، لكن المالكية قيدوا السنية بأول الطواف وجعلوا ذلک مستحبا فى باقيه، واستحب الحنفية تقبيل الحجر. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اگر ہجوم کی وجہ سے حجرِ اسود کو بوسہ دینے میں مشکل ہو یا حجرِ اسود کو خوشبو لگی ہوئی ہو (اور وہ رَمی وغیرہ کرکے حلال نہ ہوا ہو) تو اس کو ترک کردے، اور دُور سے ہی اپنی دونوں ہتھیلیوں کو حجرِ اسود کی طرف کرکے تہلیل وتکبیر کہتے ہوئے اُن کو اپنے ہونٹوں سے چوم لے۔

کیونکہ احرام کی حالت میں خوشبو سے بچنا ضروری ہے، نیز کسی کو سنت عمل کی خاطر ایذاء پہنچانا ناجائز وگناہ ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وصفة الاستلام :أن يضع كفيه على الحجر، ويضع فمه بين كفيه ويقبله.
عن ابن عمر أن عمر رضى الله عنه قبل الحجر وقال :إنى لأعلم أنک حجر، ولولا أنى رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبلک ما قبلتک.وأخرج أبو داود والنسائى عن ابن عمر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يدع أن يستلم الركن اليمانى والحجر فى كل طوفة وكان ابن عمر يفعله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۳۵، وص۱۳۶،مادة " طواف ")

[1] طواف کے دوران حجرِ اسود کو خوشبو لگے ہونے کی وجہ سے بوسہ دینے کی ممانعت اس وقت ہے، جبکہ وہ طواف احرام کی حالت میں کررہا ہو، اور اگر بغیر احرام کے ہو، مثلاً نفلی طواف، یا رَمی وغیرہ کے عمل سے فارغ ہوکر اور تحللِ اول کے بعد کیا جانے والا طوافِ زیارت، تو پھر یہ ممانعت نہیں۔

لكن إذا وجد الطائف زحاما فيجتنب الإيذاء، ويكتفى بالإشارة إلى الحجر بيديه؛ لأن استلام الحجر سنة، وإيذاء الناس حرام يجب تركه، ولا يجوز ارتكاب الحرام لأجل السنة، وقد قال صلى الله عليه وسلم لعمر رضى الله عنه :يا عمر، إنک رجل قوى، لا تزاحم على الحجر، فتؤذى الضعيف، إن وجدت خلوة فاستلمه، وإلا فاستقبله فهلل وكبر.
وكيفية الإشارة :أن يرفع الطائف يديه حذاء منكبيه، ويجعل باطنهما نحو الحجر الأسود يشير بهما إليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۴۲، وص۱۴۳،مادة " طواف ")
قال الحنفية :يشير إليه بباطن كفيه كأنه واضعها عليه وذلک بأن يرفع يديه حذاء أذنيه ويجعل باطنهما نحو الحجر مشيرا بهما إليه وظاهرهما نحو وجهه، وصرحوا بتقبيل كفيه .ومذهب الشافعية فى التقبيل كمذهب الحنفية حيث إنهم صرحوا بتقبيل ما أشار به، سواء كانت الإشارة بيده أو غيرها .ومذهب الحنابلة أنه لا يقبل المشار به قالوا :لعدم وروده .وذهب المالكية أنه إن تعذر استلامه يكبر فقط إذا حاذاه من غير إشارة بيده ولا رفع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص۱۱۸، مادة"ركن")
استلام الحجر وتقبيله فى الزحام:إذا كان فى الطواف زحام وخشى الطائف إيذاء الناس فالأولى أن يترك تقبيل الحجر الأسود واستلامه، لأن استلام الحجر الأسود سنة وترک إيذاء الناس واجب فلا يهمل الواجب لأجل السنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۰۷، مادة " الحجر الاسود ")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۰......طواف کے دوران رُکنِ یمانی کو دونوں ہاتھوں سے چھونا اور اس وقت میں بیتُ اللہ کی طرف رخ کرنا بھی سنت ومستحب ہے، جس کے نہ کرنے پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں۔ [1]

اور رُکنِ یمانی بیتُ اللہ کا وہ کونہ ہے، جو طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود والے کونے سے پہلے آتا ہے۔

اور رُکنِ یمانی کو دونوں ہاتھوں یا صرف دائیں ہاتھ سے چھونے پر اکتفاء کرلینا کافی ہے، اس کو بوسہ دینا یا چھوکر ہاتھوں کو چومنا یا اُس کی طرف دُور سے اشارہ کرنا یا اور کوئی عمل کرنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سنت نہیں۔

لہٰذا اگر رُکنِ یمانی کو دونوں ہاتھوں سے چھونا ممکن ہو، تو دونوں ہاتھوں سے چھونا، اور یہ مشکل ہو، تو صرف داہنے ہاتھ سے چھونا چاہئے، البتہ بعض دیگر حضرات کے نزدیک اس کو بوسہ دینا سنت ہے۔

اور حجرِ اسود اور رُکنِ یمانی کے علاوہ بیتُ اللہ کے کسی اور کونے کا استلام کرنا یا اس کو چھونا سنت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾وإن لم يستطع استلام الحجر من غير أن يؤذى أحداً لا يستلمه لكن يستقبل الحجر ويشير بكفيه نحو الحجر ويكبر ويهلل ويحمد الله تعالى ويصلى على النبى صلى الله عليه وسلم ثم يقبل كفيه (فتاوىٰ قاضى خان، ج ا ، ص ۱۹۷ ، فصل فى كيفية أداء الحج)

(قوله مشيرا إليه بباطن كفيه) أى بأن يرفع يديه حذاء أذنيه، ويجعل باطنهما نحو الحجر مشيرا بهما إليه وظاهرهما نحو وجهه هكذا المأثور بحر وفى شرح النقاية للقارى حذاء منكبيه أو أذنيه وكأنه حكاية للقولين المارين (قوله ثم يقبل كفيه) أى بعد الإشارة المذكورة قال فى الفتح ويفعل فى كل شوط عند الركن الأسود ما يفعله فى الابتداء .اهـ .ويأتى تمامه عند قول المصنف، وكلما مر بالحجر فعل ما ذكر (ردالمحتار، ج ۲، ص ۴۹۴، كتاب الحج، فصل فى الإحرام وصفة المفرد)

وقالوا فيمن استلم الحجر فأصاب يده من طيبه :إن عليه الكفارة؛ لأنه استعمل الطيب، وإن لم يقصد به التطيب، ووجوب الكفارة لا يقف على القصد(بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۱۹۱ ، كتاب الحج، فصل تطيب المحرم)

[1] ليس شيئ من الطواف يجوز عندنا مع استقبال البيت،فاذا استقبله عند استلام احد الركنين ينبغى ان يقر قدميه فى موضعهما حالة الاستقبال الخ (غنية، ص ۶۰، بحواله ، احسن الفتاوىٰ، ج ۴ ص ۵۵۸، كتاب الحج)

نہیں۔ [۱]

---

[۱] اورحنفیہ میں سے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک رُکنِ یمانی کی تقبیل یعنی اس کو بوسہ دینا مسنون ہے، جبکہ شافعیہ کے نزدیک رُکنِ یمانی کا استلام کرتے یعنی اس کو چھوتے وقت اس کی تقبیل کرنا اور اگر اس کو چھونے سے عاجز ہو، تو اس کی طرف اشارہ کرنا، اور مالکیہ کے نزدیک استلام کے بعد اپنے ہاتھ کو چومے بغیر صرف اپنے منہ پر رکھ دینا مستحب ہے۔

حضرت مجاہد، سعید بن جبیر اور حضرت عطاء سے رُکنِ یمانی کے استلام کے وقت اپنے ہاتھوں کی تقبیل کرنا مروی ہے۔

اس لئے اگر کوئی طواف کے دوران اس پر عمل کرے، تو وہ باعثِ ملامت نہیں۔

عن عبيد الله بن أبي زياد ، قال :رأيت مجاهدا ، وسعيد بن جبير ، وعطاء ؛ إذا استلموا الركن اليماني ، قبلوا أيديهم (مصنف ابن ابی شيبة، رقم الحديث ۱۴۷۷۶، من كان إذا استلم الركن اليماني ، قبل يده)

الركن اليماني، فيسن استلام الركن اليماني فى الطواف من غير تقبيل، لحديث ابن عمر رضى الله عنهما أنه صلى الله عليه وسلم كان لا يستلم إلا الحجر والركن اليماني.

وذهب محمد بن الحسن إلى أنه يسن تقبيله، وقال المالكية :إذا استلمه بيده وضعها على فيه من غير تقبيل، ومذهب الشافعية أنه يقبل ما استلمه به.

وإذا لم يتمكن من استلامه أشار إليه بيده عند الشافعية والحنابلة، قال الشافعية :لأنها بدل عنه لترتبها عليه عند العجز فى الحجر الأسود فكذا هنا، ومقتضى القياس أنه يقبل ما أشار به، قال الشربيني الخطيب :وهو كذلك .وذهب الحنفية والمالكية إلى أنه لا يشير عند الزحام، وعند المالكية أنه يكبر إذا حاذاه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۱۹، مادة"ركن")

و استلام الركن اليماني :استلامه يكون بوضع اليدين عليه، وهو الركن الواقع قبل ركن الحجر الأسود.عن ابن عمر رضى الله عنهما قال :ما تركت استلام هذين الركنين :اليماني والحجر، مذ رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستلمهما، فى شدة ولا رخاء والسنية مذهب الجمهور، وقول محمد من الحنفية، لكنه عند المالكية سنة فى الشوط الأول مندوب فى غيره، وقال الشيخان :أبو حنيفة وأبو يوسف :هو مندوب.

وذهب الفقهاء إلى أنه لا يقبله ولا يسجد عليه.

وذهب الحنفية إلى أنه لا يقبل ما استلم به الركن اليماني ولا يشير إليه.

وعند الشافعية يقبل ما استلم به الركن اليماني ويشير إليه عند العجز عن الوصول إليه، وعند المالكية يضع يده على فمه من غير تقبيل.

أما غير هذين الركنين فلا يسن استلامه، لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يستلم هذين الركنين ولا يستلم غيرهما، عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما قال :لم أر النبى صلى الله عليه وسلم يستلم من البيت إلا الركنين اليمانيين. وقد أبدى العلماء لذلك التفاوت بين أركان البيت سببا وضحه الرملى فقال :والسبب فى اختلاف الأركان فى هذه الأحكام :أن الركن الذى فيه الحجر الأسود فيه فضيلتان :كون الحجر فيه، وكونه على قواعد سيدنا إبراهيم، واليماني فيه فضيلة واحدة :وهى كونه على قواعد أبينا إبراهيم، وأما الشاميان فليس لهما شىء من الفضيلتين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۳۶،مادة " طواف ")

اور اگر رُکنِ یمانی پر خوشبو لگی ہوئی ہو، اور طواف کرنے والا احرام کی حالت میں ہو، تو رُکنِ یمانی کو چھونے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۲۱...... بعض لوگ طواف کے دوران حجرِ اسود کا استلام کرتے وقت حجرِ اسود کے سامنے آنے سے پہلے اور حجرِ اسود سے گزر جانے کے بعد بیت اللہ کی طرف پیر ہوتے ہوئے اسی حال میں دائیں طرف کو آگے بڑھتے رہتے ہیں، جس سے طواف کا کچھ حصہ ضائع ہو جاتا ہے، لہٰذا استلام کرتے ہی فوراً پیروں کا رخ فوجیوں کی طرح تبدیل کر کے پھر آگے بڑھنا چاہئے۔

اور بعض لوگ حجرِ اسود کے سامنے دیر تک کھڑے ہو کر تین تین مرتبہ ہاتھ کے اشارے سے استلام کرتے ہیں، جس سے طواف کرنے والوں کو رکاوٹ پیدا اور دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے، خاص کر جب کہ ہجوم بھی زیادہ ہو، اس سے بچنا چاہئے۔

بعض لوگ حجرِ اسود کا استلام کرنے کے بعد پیچھے کو ہٹتے ہیں جس سے بسااوقات خود بھی تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی تکلیف پہنچاتے ہیں، لہٰذا استلام کے بعد پیچھے کو نہ ہٹنا چاہئے بلکہ اسی جگہ سے طواف کے لئے آگے بڑھنا چاہئے۔

اور بعض لوگ حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لئے سخت دھکم دھکا کرتے ہیں، ایک دوسرے پر گر پڑتے ہیں، جس میں بعض اوقات خواتین بھی شامل ہوتی ہیں، اور اس سے اپنے آپ کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی جو کہ سخت گناہ ہے، اور خواتین کی طرف سے اس طرح کی حرکت اور زیادہ بُری ہے، جبکہ خواتین بے پردہ بھی ہوں، اور اُن کا جسم اجنبی لوگوں کے ساتھ ٹکرائے، اور حجرِ اسود کو بوسہ دینا صرف سنت ہے، ایک سنت عمل کی خاطر اتنے سارے گناہوں اور خرابیوں میں مبتلا ہونا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اور اس طرح دھکم پیل میں طواف میں خرابی پیدا ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے، نیز مسجد حرام اور بیت اللہ کے احترام کے بھی خلاف ہے کہ وہاں اس طرح کی حرکات میں بیتُ اللہ کی بے حرمتی لازم آتی ہے، اس لئے

زورآزمائی ہرگز نہ کی جائے اگر موقع ہوتو بوسہ دے لیں ورنہ ہجوم کے وقت دُور کھڑے ہوکر صرف اشارہ سے استلام کرلیں۔

مسئلہ نمبر۲۲...... طواف، بیتُ اللہ کی دائیں طرف سے اس طرح کرنا کہ بیتُ اللہ کو اپنی بائیں طرف کرلے، بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک فرض ہے، جس کی خلاف ورزی کرنے پر طواف باطل اور کالعدم شمار ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر کوئی بیتُ اللہ کو اپنے دائیں طرف کرکے طواف کرے، تو وہ طواف کالعدم وناقابلِ اعتبار ہوتا ہے، اور اس طواف کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس طرح طواف کرنا فرض تو نہیں، البتہ واجب ہے، جس کی خلاف ورزی پر طواف کا اعادہ یعنی طواف کو لوٹانا واجب ہے، اور اگر کسی نے اس طرح کرکے اس طواف کو لوٹایا نہیں، اور کوئی اپنے گھر واپس چلا گیا، تو پھر اس پر دَم ادا کرنا واجب ہے۔ [1]

---

[1] ثامنا :التيامن:

التيامن :سير الطائف عن يمين الكعبة، وجعل يساره لجانب الكعبة، وهذا شرط عند جمهور الفقهاء وقرروا أن الطواف على عكس ذلك باطل.

واستدلوا بأن النبى صلى الله عليه وسلم جعل البيت فى الطواف على يساره ، ولأنها عبادة متعلقة بالبيت فيجب فيها الترتيب كالصلاة.

وقال الحنفية :التيامن واجب فى الطواف، والطواف على عكسه صحيح مع الكراهة التحريمية، وتجب إعادته ما دام بمكة، وإن رجع إلى أهله من غير إعادة يجب عليه الدم.

واستدلوا بأنه هيئة متعلقة بالطواف، فلا تمنع صحته، وجعلوا الآية :(وليطوفوا بالبيت العتيق) دليلا على إجزاء الطواف وصحته على أى هيئة؛ لأن الأمر مطلق، فيتأدى الركن بدون تلك الهيئة، وحملوا فعل النبى صلى الله عليه وسلم على الوجوب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۳۰ ،مادة " طواف ")

(وأخذ) الطائف (عن يمينه مما يلى الباب) فتصير الكعبة عن يساره لأن الطائف كالمؤتم بها والواحد يقف عن يمين الإمام، ولو عكس أعاد مادام بمكة فلو رجع فعليه دم وكذا لو ابتدأ من غير الحجر كما مر (الدرالمختار مع ردالمحتار، ج۲، ص۴۹۴، كتاب الحج)

وكذا التيامن واجب، وهو أن يأخذ فى الطواف عن يمينه من باب الكعبة حتى لو طاف منكوسا أو أكثره أعاد ما دام بمكة، فإن لم يعد فعليه دم (الاختيار لتعليل المختار، ج۱، ص۱۵۴، كتاب الحج، فصل دخول مكة)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 00925155075 30

مسئلہ نمبر ۲۳...... طواف کرتے وقت حجرِ اسود اور رُکنِ یمانی کے استلام کے علاوہ، بیت اللہ کی طرف رخ یا پُشت کرنا منع ہے، کیونکہ طواف کا عمل بیتُ اللہ کو اپنے بائیں جانب رکھ کر چکر لگانے کا نام ہے، اور بیتُ اللہ کی طرف رُخ یا پُشت کرنا طواف کے اس مفہوم کے خلاف ہے، بہت سے لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے اور طواف میں جہاں چاہتے ہیں بیتُ اللہ کی طرف رخ یا پُشت کر دیتے ہیں، اگر کوئی طواف کے دوران بیتُ اللہ کی طرف رُخ یا پُشت کرنے کی حالت میں طواف کا کچھ حصہ ادا کرلے، تو اس میں حنفیہ کے نزدیک واجب کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، لہٰذا طواف کے دوران اس طرح کی حرکات سے بچنا چاہئے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۴...... جسم اور لباس کے پاک ہونے، جنابت سے پاک ہونے اور باوضو ہونے کی حالت میں طواف کرنا اکثر فقہائے کرام کے نزدیک فرض ہے، جس کے بغیر طواف درست نہیں ہوتا۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک یہ تمام چیزیں واجب ہیں، لہٰذا جس طواف میں ان چیزوں میں سے کسی چیز کو چھوڑ دیا، تو جب تک اس طواف کا اعادہ کرنا اور لوٹانا ممکن ہو، تو اس وقت تک اس کا لوٹانا واجب ہے، ورنہ اس کا فدیہ واجب ہے، البتہ بعض حنفیہ کے نزدیک طواف کے دوران نجاستِ حقیقیہ سے پاک ہونا سنتِ مؤکدہ ہے، جس کی خلاف ورزی پر فدیہ واجب نہیں۔ [2]

---

[1] (قوله عن يمينه) أي يمين الطائف لا الحجر وقوله مما يلي الباب :أي باب الكعبة تأكيد له وهذا واجب في الأصح كما مر (قوله ولو عكس) بأن أخذ عن يساره وجعل البيت عن يمينه، وكذا لو استقبل البيت بوجهه أو استدبره وطاف معترضا كما في شرح اللباب وغيره (قوله فلو رجع) أي إلى بلده قبل إعادته.

(قوله وكذا لو ابتدأ من غير الحجر) أي يعيده وإلا فعليه دم وهذا على القول بوجوبه كما أشار إليه بقوله كما مر أي في الواجبات (ردالمحتار، ج۲، ص ۴۹۴، و۴۹۵، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد)

[2] تاسعا :الطهارة من الحدث والخبث :ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن الطهارة من الأحداث ومن الأنجاس شرط لصحة الطواف، فإذا طاف فاقدا أحدها فطوافه باطل لا يعتد به .وقال الحنفية :الطهارة من الحدث ومن الخبث واجب للطواف، وهو رواية عن أحمد .وإن كان أكثر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۵...... جنابت اور عورت کو حیض یا نفاس کی حالت میں حج کے تمام اعمال کو کرنا جائز ہے، سوائے طواف کے۔

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عورت کے حیض یا نفاس کی حالت میں کیا ہوا طواف صحیح نہیں ہوتا۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک حیض یا نفاس کی حالت میں طواف کرنا صحیح تو ہوجاتا ہے، مگر مکروہ تحریمی ہوتا ہے، کیونکہ حنفیہ کے نزدیک طواف کے لئے پاکی واجب ہے۔

اور اگر کوئی عورت حیض یا نفاس کی حالت میں طوافِ زیارت کرلے، تو اس پر بُدنہ یعنی قربانی کے بڑے جانور (اونٹ، گائے وغیرہ) کی شکل میں دَم واجب ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحنفية على أن الطهارة من النجاسة الحقيقية سنة مؤكدة.

استدل الجمهور بحديث ابن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :الطواف بالبيت صلاة فأقلوا من الكلام.

وإذا كان صلاة والصلاة لا تجوز بدون الطهارة من الأحداث، فكذلك الطواف لا بد فيه من الطهارة.

واستدل الحنفية بقوله تعالى :(وليطوفوا بالبيت العتيق).

ووجه الاستدلال بها أن الأمر بالطواف مطلق لم يقيده الشارع بشرط الطهارة، وهذا نص قطعى، والحديث خبر آحاد ويفيد غلبة الظن فلا يقيد نص القرآن، لأنه دون رتبته، فحملنا الحديث على الوجوب وعملنا به.

وعلى ذلك :فمن طاف محدثا فطوافه باطل عند الجمهور، وعليه العود لأدائه إن كان طوافا واجبا، ولا تحل له النساء إن كان طواف إفاضة حتى يؤديه .أما عند الحنفية فهو صحيح لكن تجب إعادته ما دام بمكة، وإلا وجب عليه الفداء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص ۱۳۱، ۱۳۲، مادة " طواف ")

[1] لا خلاف بين الفقهاء فى أن الحيض لا يمنع شيئا من أعمال الحج إلا الطواف، لقول النبى صلى الله عليه وسلم لعائشة حين حاضت :افعلى ما يفعل الحاج غير أن لا تطوفى بالبيت.

ثم إن الأطوفة المشروعة فى الحج ثلاثة :طواف القدوم، وهو سنة عند الفقهاء عدا المالكية حيث قالوا بوجوبه، وطواف الإفاضة، وهو ركن من أركان الحج بالاتفاق، وطواف الوداع وهو واجب عند الفقهاء عدا المالكية حيث قالوا بسنيته.

فإذا حاضت المرأة قبل أن تطوف طواف القدوم سقط عنها ولا شىء عليها وذلك عند القائلين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۶...... اگر کوئی مرد یا عورت بغیر وضو کے طوافِ زیارت کرلے، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر قربانی کے چھوٹے جانور (بکری، بھیڑ، دنبہ وغیرہ) کی شکل میں ایک دَم واجب ہوتا ہے، اور اگر جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں طوافِ زیارت کرلے، تو قربانی کے بڑے جانور (اونٹ، گائے، بیل، بھینس وغیرہ) کی شکل میں دَم واجب ہوتا ہے، لیکن اگر پاکی کی حالت میں اس طواف کا اعادہ کرلیا جائے، تو پھر وہ دَم ساقط ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بسنيته .وعند المالكية لا يجب عليها حيث بقي عذرها بحيث لا يمكنها الإتيان به قبل الوقوف بعرفة.
وإذا حاضت المرأة قبل طواف الإفاضة، فإنها تبقى على إحرامها حتى تطهر ثم تطوف .فإن طافت وهي حائض فلا يصح طوافها عند الجمهور -المالكية والشافعية والحنابلة -وذهب الحنفية إلى صحته مع الكراهة التحريمية، لأن الطهارة له واجبة، وهي غير طاهرة، وتأثم وعليها بدنة.
واتفق الفقهاء على أن للحائض أن تنفر بلا طواف وداع، تخفيفا عليها لحديث عائشة رضي الله عنها أن صفية رضي الله عنها حاضت فأمرها النبي صلى الله عليه وسلم أن تنصرف بلا وداع .وعن طاوس قال " :كنت مع ابن عباس إذ قال زيد بن ثابت :تفتي أن تصدر الحائض قبل أن يكون آخر عهدها بالبيت .فقال له ابن عباس :إما لا .فسل فلانة الأنصارية، هل أمرها بذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال :فرجع زيد بن ثابت إلى ابن عباس يضحك، وهو يقول :ما أراك إلا قد صدقت.
وقد صرح الشافعية والحنابلة بأنها إن طهرت قبل مفارقة بنيان مكة لزمها العود فتغتسل وتطوف، فإن لم تفعل فعليها دم بخلاف ما إذا طهرت خارج مكة فلا شيء عليها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸، ص۳۲۰، مادة "حيض")

[1] پھر جب تک ناپاکی کی حالت میں طواف کرنے والا (مرد یا عورت) میقات سے باہر نہ گیا ہو، تو طواف کا اعادہ کرنے کی غرض سے واپس آنے کے لئے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں، اور اگر میقات سے باہر چلا گیا، تو پھر یہ طریقہ ہے کہ وہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر جائے، اور پہلے عمرہ کا طواف کرے اس کے بعد طوافِ زیارت کا اعادہ کرے۔ البتہ بعض صورتوں میں افضل وغیر افضل طریقہ کا اختلاف ہے۔
والإعادة هي الأصل ما دام بمكة ليكون الجابر من جنس المجبور فهي أفضل من الدم، وأما إذا رجع إلى أهله ففي الحدث الأصغر اتفقوا أن بعث الشاة أفضل من الرجوع واختلفوا في الحدث الأكبر فاختار في الهداية أن العود إلى الإعادة أفضل لما ذكرنا واختار في المحيط أن بعث الدم أفضل؛ لأن الطواف الأول وقع معتدا به، وفيه منفعة للفقراء، وإذا عاد للأول يرجع بإحرام جديد بناء على أنه حل في حق النساء بطواف الزيارة جنبا، وهو آفاقي يريد مكة فلا بد له من إحرام بحج أو عمرة فإذا أحرم بعمرة يبدأ بها فإذا فرغ منها يطوف للزيارة(البحر الرائق، ج۳ص۲۰، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج)

مسئلہ نمبر۲۷...... اگر کسی عورت کو طواف کے دوران حیض شروع ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ طواف چھوڑ کر مسجد سے باہر نکل جائے، پھر حیض سے پاک ہونے کے بعد باقی ماندہ طواف کے چکروں کو پورا کرے، یا اس پورے طواف کا دوبارہ اعادہ کرلے۔

اسی طرح اگر کسی شخص کا طواف کے دوران وضو ٹوٹ جائے، تو اسے چاہئے کہ وہ اسی جگہ طواف کو چھوڑ کر چلا جائے، اور وضو کر کے باقی ماندہ طواف کو اسی چھوٹے ہوئے حصہ سے پورا کرے، جہاں سے چھوٹ گیا تھا (خواہ اس جگہ کے مقابلہ میں بیتُ اللہ سے قریب ہو کر یا دور ہو کر) یا اس پورے طواف کا دوبارہ اعادہ کرلے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۸...... آج کل بین الاقوامی قوانین کی وجہ سے حرم اور سعودی عرب میں آنے جانے اور ٹھہرنے میں غیر ملکیوں کو عموماً خود سے اختیار نہیں ہوتا، بلکہ اس سلسلہ میں قانونی پابندیوں پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے، ان حالات میں اگر باہر سے سفر کر کے حج کی غرض سے آئی ہوئی کسی عورت نے طوافِ زیارت نہ کیا ہو، اور اس کی واپسی کا زمانہ قریب ہو، اور واپسی تک وہ حیض سے پاک نہ ہو، اور اسے ممکنہ تدابیر اختیار کرنے کے باوجود وہاں قیام کرنے کی

---

[1] جبکہ مالکیہ کی مشہور روایت کے مطابق اس کو دوبارہ طواف کرنا چاہئے، کیونکہ اُن کے نزدیک طواف کے چکروں میں موالات یعنی پے در پے کرنا شرط ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک اگر عمداً وضو توڑا ہو، تو ازسرِ نو طواف کرے، اور اگر خود سے وضو ٹوٹ گیا، تو ایک روایت کے مطابق وضو کے بعد دوبارہ ازسرِ نو طواف کرے، اور ایک روایت کے مطابق وہیں سے آگے باقی ماندہ طواف کو پورا کرے۔

ومن أحدث فى أثناء الطواف يذهب فيتوضأ ويتمم الأشواط ولا يعيدها عند الحنفية والشافعية، وهو رواية عن مالك. والمشهور عن مالك :أنه يعيد الطواف من أوله، ولا يبنى على الأشواط السابقة، وذلك لأن الموالاة فى أشواط الطواف شرط فى صحة الطواف.

وذهب الحنابلة إلى أنه إن أحدث عمدا فإنه يبتدء الطواف، لأن الطهارة شرط له، وإن سبقه الحدث ففيه روايتان :إحداهما :يبتدء أيضا، والرواية الثانية :يتوضأ ويبنى، قال حنبل عن أحمد فيمن طاف ثلاثة أشواط أو أكثر، يتوضأ فإن شاء بنى، وإن شاء استأنف، قال أبو عبد الله :يبنى إذا لم يحدث حدثا إلا الوضوء ، فإن عمل عملا غير ذلك استقبل الطواف، وذلك لأن الموالاة تسقط عند العذر فى إحدى الروايتين، وهذا معذور، فجاز البناء ، وإن اشتغل بغير الوضوء فقد ترك الموالاة لغير عذر فلزمه الابتداء إذا كان الطواف فرضا، فأما المسنون فلا تجب إعادته كالصلاة المسنونة إذا بطلت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹،ص ۱۳۱، ۱۳۲، مادة " طواف ")

قانونی طور پر اجازت حاصل نہ ہو، اور اسے جلد ہی حیض سے پاک ہوکر دوبارہ طوافِ زیارت کرنے کے لئے حرم میں آنا بھی مشکل ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو بامرِ مجبوری ناپاکی کی حالت میں طوافِ زیارت کرکے اپنے حج کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کی گنجائش موجود ہے، لیکن طوافِ زیارت حیض کی حالت میں کرنے کی وجہ سے اس کو توبہ استغفار کرنا چاہئے، اور ایک قربانی کا بڑا جانور (اونٹ، گائے، بیل، بھینس وغیرہ) کا دَم بھی حرم میں ذبح کرکے ادا کرنا چاہئے (ملاحظہ ہو: ''حج وعمرہ کے جدید مسائل اوران کاحل'' ص۶۰۰) [1]

مسئلہ نمبر ۲۹...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک طواف کے دوران ستر کا چھپانا فرض ہے، اس کے بغیر طواف درست نہیں ہوتا، لہٰذا اگر کوئی ستر کھلا ہونے کی حالت میں طواف کرے تو اس کا طواف درست نہیں ہوتا، اور طواف کے دوران ستر کُھل جائے، تو طواف فاسد ہوجاتا ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک طواف میں ستر کا چھپانا فرض تو نہیں، البتہ واجب ہے، لہٰذا اگر طواف کے دوران ستر کُھل جائے، اور نماز کے ایک رکن کے بقدر کھلا رہے، تو دَم واجب ہوتا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۳۰...... اس بارے میں تو فقہائے کرام کا کوئی اختلاف نہیں کہ ایک طواف کے

---

[1] وقال فی اختلاف الائمة : واذا حاضت المرأة قبل طواف الافاضة لم تنفر حتی تطوف وتطهر، ولایلزم الجمال حبس الجمل علیها ، بل ینفر مع الناس ویرکب غیرها مکانها عند الشافعی واحمد، وقال مالک :یلزمه حبس الجمل اکثر مدة الحیض وزیادة ثلاثة ایام، وعندابی حنیفة ان الطواف لایشترط فیه الطهارة فتطوف وترتحل مع الحجاج اھ، افاده الحباب(ارشاد الساری علی هامش مناسک ملا علی القاری، ص ۳۵۰، للعلامة الحسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی رحمه الله)

[2] عاشرا :ستر العورة:

ذهب الجمهور إلی أن ستر العورة شرط فی صحة الطواف، وقال الحنفیة :هو واجب فی الطواف لیس شرطا لصحته، وذلک لأن الطواف عند الجمهور کالصلاة یجب فیه ستر العورة لقوله صلی الله علیه وسلم :الطواف بالبیت صلاة ، ولحدیث لا یطوف بالبیت عریان.

فمن أخل بستر العورة الإخلال المفسد للصلاة بحسب المذاهب، فسد طوافه عند الجمهور، وعند الحنفیة علیه الدم (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۲۹، ص ۱۳۲ ،مادة " طواف ")

چکروں کی تعداد سات ہے، یعنی بیتُ اللہ کا ایک طواف سات چکروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

اور اکثر فقہائے کرام کے نزدیک طواف کے ساتوں چکروں کا کرنا فرض ہے، جن میں سے ایک چکر بھی اگر پورا نہ ہو، تو طواف کا فرض رہ جانے کی وجہ سے طواف ادا نہیں ہوتا۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک طواف کے چکر دو قسموں پر مشتمل ہیں، جن میں سے ایک قسم فرض ہے، اور دوسری واجب ہے، چنانچہ سات چکروں میں سے چار چکر تو فرض ہیں، اور باقی تین چکر واجب ہیں، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳۱...... اگر طواف کے چکروں کی تعداد میں شک ہوجائے، تو اگر یہ شک طواف سے فارغ ہونے کے بعد ہوا ہو، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں۔ [2]

---

[1] ثانیا :عدد أشواط الطواف:لا خلاف أن عدد أشواط الطواف المطلوبة سبعة، لكن الفقهاء اختلفوا بعد ذلک فی ركنية السبعة:فالجمهور على أن الركن سبعة أشواط لا يجزء عن الفرض أقل منها.

وقسم الحنفية السبعة إلى ركن وواجب.

أما العدد الركن فأكثر هذه السبعة، وأما الواجب فهو الأقل الباقی بعد أكثر الطواف.

واستدل الجمهور بقوله تعالى :(وليطوفوا بالبيت العتيق) فإن الآية تفيد التكثير، لأنه عبر بصيغة التفعيل، وقد جاء فعله صلى الله عليه وسلم مبينا القدر الذی يحصل به امتثال قوله :(وليطوفوا) وهو سبعة أشواط، فتكون هی الفرض.

كما استدلوا بأن مقادير العبادات لا تعرف بالرأی والاجتهاد، وإنما تعرف بالتوقيف، أی التعليم من الشارع، والرسول صلى الله عليه وسلم طاف سبعا، وفعله هذا بيان لمناسک الحج، كما قال: خذوا عنی مناسككم.

فالفرض طواف سبعة أشواط ولا يعتد بما دونها. واستدل الحنفية بأدلة، منها:

قوله تعالى :(وليطوفوا بالبيت العتيق) وهذا أمر مطلق عن أی قيد، والأمر المطلق يوجب مرة واحدة، ولا يقتضی التكرار، فالزيادة على شوط من الطواف تحتاج إلى دليل آخر، والدليل قائم على فرضية أكثر السبع، وهو الإجماع، فتكون فرضا، ولا إجماع على فرضية الباقی، فلا يكون فرضا بل واجبا.

أن الطائف قد أتى بأكثر السبع، والأكثر يقوم مقام الكل، فكأنه أدى الكل.

وقال كمال الدين بن الهمام من الحنفية :الذی ندين به أنه لا يجزء أقل من سبع، ولا يجبر بعضه بشیء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۲۴، مادة " طواف ")

[2] وإن شک فی ذلک بعد فراغه من الطواف، لم يلتفت إليه، كما لو شک فی عدد الركعات بعد فراغ الصلاة (المغنی لابن قدامة، ج ۳، ص ۳۴۴، فصل إذا شک فی الطهارة وهو فی الطواف)

اور اگر طواف کے دوران شک ہوا، تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یقینی یعنی کم والی مقدار کو لے لیا جائے گا، اور اس کی بنیاد پر باقی چکر پورے کیے جائیں گے، مثلاً اگر طواف کے چار یا تین چکر ہونے میں شک ہوا ہو، تو تین چکروں کا اعتبار کر کے باقی ماندہ چار چکر پورے کیے جائیں گے، خواہ طواف کسی بھی قسم کا ہو، ان حضرات کے نزدیک سب طوافوں کا ایک ہی حکم ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک اگر فرض یا واجب طواف ہو، جیسا کہ طوافِ زیارت اور عمرہ کا طواف یا طوافِ وداع تو طواف کے چکروں کی تعداد میں شک ہونے کی صورت میں اس طواف کو لوٹا لینے کا حکم ہے، بغیر اس تفصیل کے کہ شک طواف کے دوران پیدا ہوا ہو، یا طواف سے فارغ ہونے کے بعد پیدا ہوا ہو۔ [1]

---

[1] اور حنفیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر کسی کو کثرت سے شک وشبہ پیش آتا ہو، تو اس کو تحری کر کے غلبۂ ظن پر عمل کرنے کا حکم ہے، اور اگر غلبۂ ظن حاصل نہ ہو تو کم متیقن تعداد پر بناء کر لینے کا حکم ہے۔ وفیہ تفصیل۔

الشک فی عدد الأشواط:

لو شک فی عدد أشواط طوافه وهو فی الطواف بنی علی الیقین، وهو الأقل عند جمهور الفقهاء (الشافعیة والحنابلة).

قال ابن المنذر :أجمع کل من نحفظ عنه من أهل العلم علی ذلک ولأنها عبادة، فمتی شک فیها وهو فیها بنی علی الیقین کالصلاة.

وأجری المالکیة ذلک فی غیر المستنکح، فقالوا :یبنی الشاک غیر "المستنکح علی الأقل، والمراد بالشک مطلق التردد الشامل للوهم، أما الشاک المستنکح فیبنی علی الأکثر.

وفصل الحنفیة فی الشک فی عدد الأشواط بین طواف الفرض والواجب وغیره :أما طواف الفرض کالعمرة والزیارة والواجب کالوداع فقالوا :لو شک فی عدد الأشواط فیه أعاده، ولا یبنی علی غالب ظنه، بخلاف الصلاة، ولعل الفرق بینهما کثرة الصلوات المکتوبة وندرة الطواف.

أما غیر طواف الفرض والواجب وهو النفل فإنه إذا شک فیه یتحری، ویبنی علی غالب ظنه، ویبنی علی الأقل المتیقن فی أصله.

أما إذا شک بعد الفراغ من الطواف فلا یلتفت إلیه عند الجمهور، وسوی المالکیة بینه وبین ما إذا کان فی الطواف، وأطلق الحنفیة عباراتهم فی الشک.

وإن أخبره ثقة بعدد طوافه أخذ به إن کان عدلا عند الأکثر، وصرح المالکیة بشرط کونه معه فی الطواف، ولم یشرط ذلک الشافعیة والحنابلة.

وقال الحنفیة :لو أخبره عدل بعدد مخصوص مخالف لما فی ظنه أو علمه، یستحب له أن یأخذ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۴۲......طواف کو اگر پیدل چل کر ادا کرنے پر قدرت ہو، تو پیدل چل کر ادا کرنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، لہٰذا اگر پیدل چل کر طواف کرنے کی قدرت ہونے کے باوجود کوئی شخص کسی کی پُشت یا سواری پر سوار ہو کر طواف کرے، تو اس پر دَم واجب ہوگا۔

جبکہ شافعیہ کے نزدیک طواف کا پیدل کرنا سنت ہے، فرض یا واجب نہیں، لہٰذا اس کی خلاف ورزی پر اُن کے نزدیک دَم وغیرہ واجب نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۳۴۳......طواف کے چکروں کا پے در پے اور لگاتار کرنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بقوله احتياطا فيما فيه الاحتياط فيكذب نفسه، لاحتمال نسيانه ويصدقه؛ لأنه عدل لا غرض له فى خبره، ولو أخبره عدلان وجب العمل بقولهما، وإن لم يشك؛ لأن علمين خير من علم واحد، ولأن إخبارهما بمنزلة شاهدين على إنكاره فى فعله أو إقراره .واستحب الشافعية له الأخذ بقول العدل المخالف لعلمه، خلافا للصلاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۲۵، مادة "طواف")

لو شك فى عدد الأشواط فى طواف الركن أعاده ولا يبنى على غالب ظنه، بخلاف الصلاة، وقيل إذا كان يكثر ذلك يتحرى، ولو أخبره عدل بعدد يستحب أن يأخذ بقوله، ولو أخبره عدلان وجب العمل بقولهما لباب قال شارحه ومفهومه أنه لو شك فى أشواط غير الركن لا يعيده بل يبنى على غلبة ظنه لأن غير الفرض على التوسعة والظاهر أن الواجب فى حكم الركن لأنه فرض عملى .اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۴۹۶، وص۴۹۷، كتاب الحج، فصل فى الإحرام وصفة المفرد)

[1] ثانى عشر :المشى للقادر عليه :ذهب الحنفية وهو رواية عن أحمد إلى أن المشى للقادر عليه واجب مطلقا فى أى طواف، وعند المالكية واجب فى الطواف الواجب، وأما الطواف غير الواجب فالمشى فيه سنة عندهم.

وذهب الشافعية وهو رواية عن أحمد إلى أن المشى فى الطواف سنة.

فلو طاف راكبا مع قدرته على المشى لزمه دم عند الحنفية والمذهب عند الحنابلة لتركه واجب المشى، إلا إذا أعاده ماشيا، أما عند الشافعية والرواية الأخرى عن أحمد فيجوز طوافه بلا كراهية.

أما إذا كان عاجزا عن المشى وطاف محمولا فلا فداء عليه اتفاقا ولا إثم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۳۲، ۱۳۳، مادة "طواف")

وينبغى أن يطوف بالبيت ماشياً، ولو طاف راكباً أو محمولاً، أو سعى بين الصفا والمروة راكباً أو محمولاً إن كان كذلك من عذر يجزئه، ولا يلزمه شيء ، وإن كان من غير عذر، فما دام يمكنه، فإنه يعيد، وإذا رجع إلى أهله، فإنه يريق لذلك دماً عندنا(المحيط البرهانى، ج۲، ص۴۲۱، الفصل الثامن :فى الطواف والسعى)

سنت ہے، لہٰذا ضرورت کی وجہ سے درمیان میں وقفہ کرنا جائز ہے، اور بلا ضرورت وقفہ کرنے میں بھی کوئی کفارہ وغیرہ واجب نہیں۔

اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک طواف کے چکروں کا پے درپے اور لگاتار کرنا فرض ہے۔ [۱]

اور ہمارے نزدیک اس کے سنت ہونے کا قول راجح ہے۔

لہٰذا اگر طواف کے دوران وضو ٹوٹ جائے، تو وضو کرکے، اور اگر نماز کھڑی ہوجائے تو نماز پڑھ کر، اور اگر تھکن ہوجائے، تو تھکن دُور کرکے طواف کے باقی چکر پورے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۳۴...... احرام پہنے ہوئے جس طواف کے بعد سعی کرنی ہو، اُس طواف میں مرد کو اضطباع کرنا سنت ہوتا ہے، لہٰذا اگر طواف کے بعد سعی کرنی ہو، اور احرام کی چادریں پہنی ہوں، تو اس طواف میں مرد کو اضطباع کرنا چاہئے، مگر اس کی خلاف ورزی پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں۔

اور اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ اپنے احرام کی اوپر والی چادر کا دایاں حصہ داہنے کندھے کے

---

[۱] حادى عشر :موالاة أشواط الطواف:
اشتراط الموالاة بين أشواط الطواف مذهب المالكية والحنابلة، وعند الحنفية والشافعية سنة للاتباع، لأنه صلى الله عليه وسلم والى فى طوافه، وفى قول عند الشافعية أن الموالاة واجبة .ودليل شرط الموالاة ووجوبها حديث :الطواف بالبيت صلاة فيشترط له الموالاة كسائر الصلوات، ودليل السنية فعل النبى صلى الله عليه وسلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۳۲، مادة "طواف")

[۲] عن جميل بن زيد ، قال :رأيت ابن عمر طاف بالبيت ثلاثة أطواف ، ثم قعد يستريح ، وغلام له يروح علينا ، ثم قام فبنى على طوافه (مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ۱۵۲۰۰، كتاب المناسك، باب فى الاستراحة فى الطواف)
عن عبد الملك ,عن شيخ من أهل مكة ، قال :رأيت ابن عمر يطوف وقد أقيمت الصلاة فدخل فى الصلاة ، فلما قضى الصلاة بنى على طوافه (مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ۱۵۵۹۰، كتاب المناسك، باب فى الرجل يبتدئ الطواف تطوعا)
عن عطاء ,عن ابن عباس ، أنه بنى على ما بقى (ايضاً، رقم الحديث ۱۵۵۹۱)
عن ابن جريج ، قال :قلت لعطاء :أستريح فى الطواف فأجلس ؟ قال :نعم (ايضاً، رقم الحديث، ۱۵۲۰۱، كتاب المناسك، باب فى الاستراحة فى الطواف)

کے نیچے سے نکال کر اور دائیں کندھے کو اوپر سے ننگا کر کے بائیں کندھے کے اوپر ڈال لے، اور چادر کے بائیں طرف کے کنارے کو بھی اسی کندھے کے اوپر ڈال لے، تاکہ رَمَل کرنے میں آسانی رہے۔

لہٰذا طواف شروع کرنے سے پہلے مرد کو اضطباع کا مذکورہ عمل کر لینا چاہئے، بشرطیکہ اس طواف کے بعد سعی کرنی ہو، اور اس سے پہلے حج کی سعی نہ کر چکا ہو۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ اضطباع کے سنت ہونے کا حکم صرف مرد حضرات کے لئے ہے، خواتین کے لئے نہیں ہے، کیونکہ خواتین کے لئے احرام کی مخصوص چادروں کا حکم ہی نہیں ہے۔

اور اس طرح مرد حضرات کو اضطباع اس طواف میں ہے، جو احرام کی چادریں پہن کر ہو، اور اس طواف کے بعد سعی کرنی ہو۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۳۵...... احرام پہنے ہوئے جس طواف کے بعد سعی کرنی ہو، اُس میں پہلے تین چکروں کے اندر مرد کو رَمَل کرنا بھی سنت ہے، مگر اس کی خلاف ورزی پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں۔

---

[۱] سنن الطواف:

أ -الاضطباع:هو أن يجعل وسط الرداء تحت إبطه اليمنى عند الشروع فى الطواف ويرد طرفيه على كتفه اليسرى وتبقى كتفه اليمنى مكشوفة، واللفظ مأخوذ من الضبع وهو عضد الإنسان.

وهو سنة عند الجمهور للرجال دون النساء ، لما روى عن يعلى بن أمية " :أن النبى صلى الله عليه وسلم طاف مضطبعا، وعن ابن عباس رضى الله عنهما :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه اعتمروا من الجعرانة فرملوا بالبيت وجعلوا أرديتهم تحت آباطهم قد قذفوها على عواتقهم اليسرى.

ويسن الاضطباع عند الحنفية والشافعية فى كل طواف بعده سعى كطواف القدوم لمن أراد أن يسعى بعده، وطواف العمرة، وطواف الزيارة إن أخر السعى إليه، وزاد الحنفية طواف النفل إذا أراد أن يسعى بعده من لم يعجل السعى بعد طواف القدوم.

وقال الحنابلة :لا يضطبع فى غير طواف القدوم.

والاضطباع سنة فى جميع أشواط الطواف، فإذا فرغ من الطواف ترك الاضطباع، حتى أنه تكره صلاة الطواف مضطبعا كما صرح الحنفية والشافعية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۳۴، مادة " طواف ")

اور رَمَل کا مطلب یہ ہے کہ قدم قریب قریب رکھ کر اور کاندھوں کو جھٹکا دے کر چلنا۔

اور تین چکروں کے بعد باقی چار چکروں میں عام رفتار کے ساتھ چلنا سنت ہے۔

لہٰذا اگر پہلے تین یا ان میں سے بعض چکروں میں رَمَل کرنا یاد نہ رہے، تو بعد کے چار چکروں میں رمل کرنا سنت نہیں ہوگا۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ رَمَل کے سنت ہونے کا حکم صرف مرد حضرات کے لئے ہے، خواتین کے لئے نہیں ہے۔ [1]

بعض لوگ طواف کے پورے چکروں میں رمل کرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اسی طرح بعض لوگ رمل کرتے وقت بہت تیز دوڑتے یا کودتے پھاندتے ہیں، جو درست

---

[1] اور حنابلہ کے نزدیک اہلِ مکہ کے حق میں اور جو مکہ سے احرام باندھے، اُس کے حق میں رَمَل سنت نہیں۔

ويسن في طواف العمرة :الرمل في الأشواط الثلاثة الأولى، ثم يمشي في الباقي، والاضطباع فيه كله، وهذان للرجال دون النساء ؛ لأنهما سنتان في كل طواف بعده سعي، وهذا طواف بعده سعي، ويسن ابتداء الطواف قبل الحجر الأسود بقليل، واستقبال الحجر، واستلامه وتقبيله إن تيسر وإلا استقبله وأشار إليه بيديه، واستلام الركن اليماني والدعاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰،ص ۳۲۱، ۳۲۲،مادة " عمرة ")

الرمل هو :إسراع المشي مع تقارب الخطى وهز الكتفين من غير وثب.

والرمل سنة في كل طواف بعده سعي، فعن ابن عباس رضي الله عنهما قال :قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه مكة وقد وهنتهم حمى يثرب .فقال المشركون :إنه يقدم عليكم غدا قوم قد وهنتهم الحمى، ولقوا منها شدة، فجلسوا مما يلي الحجر، وأمرهم النبي صلى الله عليه وسلم أن يرملوا ثلاثة أشواط، ويمشوا ما بين الركنين ليرى المشركون جلدهم، فقال المشركون :هؤلاء الذين زعمتم أن الحمى قد وهنتهم، هؤلاء أجلد من كذا وكذا.

لكن الرمل ظل سنة في الأشواط الثلاثة الأولى بتمامها، فقد فعله النبي صلى الله عليه وسلم في حجته، وكانت بعد فتح مكة ودخول الناس في دين الله أفواجا، كما سبق في حديث جابر :فرمل ثلاثا ومشى أربعا.

وسار على ذلك الصحابة أبو بكر وعمر وعثمان والخلفاء من بعده صلى الله عليه وسلم.

ثم الرمل كالاضطباع سنة في حق الرجال، أما النساء فلا يسن لهن رمل ولا اضطباع.

واستثنى الحنابلة من سنية الرمل أهل مكة ومن أحرم منها أيضا، فلا يسن لهم الرمل عندهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۳۴، و۱۳۵، مادة " طواف ")

نہیں، رَمل کے مسنون طریقہ پر عمل کرنا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۳۶...... طواف کرنے والا اگر مرد ہو، اور اُسے بیتُ اللہ کے قریب ہوکر طواف کرنا بسہولت ممکن ہو، تو طواف کا بیتُ اللہ کے قریب ہوکر کرنا سنت ومستحب ہے، البتہ خواتین کو مرد حضرات سے الگ اور بیت اللہ سے دور ہوکر طواف کرنا سنت ومستحب ہے۔

اور اگر ہجوم کی وجہ سے مرد کو بیت اللہ کے قریب رہ کر رمل کرنا مشکل ہو، یا بیت اللہ کے قریب میں سخت ہجوم ہو، یا بیت اللہ کے قریب میں عورتوں سے ٹکراؤ پیدا ہوتا ہو، تو پھر مرد کو بھی طواف ہجوم سے دور ہوکر کرنا افضل ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳۷...... طواف کے دوران نظروں کی ہر اُس چیز سے حفاظت کرنا سنت ومستحب ہے، جس سے یکسوئی اور خشوع میں خلل آتا ہو، بطورِ خاص بدنظری سے نظروں کی حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۳۸...... طواف کے دوران جو ذکر ودعاء کی جائے، اس کو آہستہ آواز میں کرنا سنت ومستحب ہے، تاکہ دوسروں کو خلل واقع نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے، جو آہستہ ذکر کو بھی سنتا ہے۔ [3]

مسئلہ نمبر ۳۹...... طواف کے دوران کوئی مخصوص دعاء پڑھنا ضروری نہیں ہے، البتہ بعض

---

[1] ح - القرب من البيت الحرام: القرب في الطواف من البيت للرجال والبعد للنساء، وعده الشافعية سنة.

فلو فات الرمل بمراعاة القرب من البيت فالرمل مع البعد أولى، إلا إذا كان الزحام شديدا أو خاف صدم النساء لو بعد عن البيت، فالقرب حينئذ مع ترک الرمل أولى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۳۹، مادة " طواف ")

[2] ط - حفظ البصر عن كل ما يشغله: على الطائف أن يحفظ بصره، عن كل ما يشغله عن الطواف: لأن الطواف عبادة، وهو بمنزلة الصلاة؛ فينبغي أن يتم فيه التفرغ لأدائه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۳۹، مادة " طواف ")

[3] ى - الإسرار بالذكر والدعاء: الإسرار بالأذكار والأدعية مطلوب في الطواف؛ لأن الله تعالى سميع، حتى لا يؤذي غيره إن جهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۳۹، مادة " طواف ")

دعاؤں کا پڑھنا سنت یا مستحب ہے۔

مثلاً طواف شروع کرتے وقت

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ

پڑھنا اور رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

پڑھنا سنت و مستحب ہے۔ [1]

---

[1] اس کے علاوہ بعض اہلِ علم حضرات نے طواف کے دوران اور بھی کئی دعاؤں کا ذکر کیا ہے، لیکن چونکہ عجمی عوام تو درکنار اہلِ علم اور عربی دان حضرات کو بھی ان دعاؤں کا یاد کرنا اور ان کو اپنے موقع پر پڑھنا مشکل ہوتا ہے، اور عوام اس سلسلہ میں عام طور پر تشویش کا شکار رہتے ہیں، اس لئے ان دعاؤں پر ضرورت سے زیادہ زور دینے کے بجائے طواف کے متعلق اہم مسائل کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، جن سے کہ عوام الناس غفلت اختیار کرتے ہیں۔

ز -الدعاء :وهو مخير فيه غير محدود عند المالكية، وصرح الشافعية بأنه يسن فى أول الطواف، وفى كل طوفة الدعاء بالمأثور وهو :بسم الله والله أكبر، اللهم إيمانا بک، وتصديقا بكتابک، ووفاء بعهدک، واتباعا لسنة نبيک محمد صلى الله عليه وسلم) والدعاء المأثور فى بقية جوانب البيت وهو مندوب، ومنه:

الدعاء عند رؤية الكعبة:اللهم زد هذا البيت تشريفا وتكريما وتعظيما ومهابة، وزد من شرفه وكرمه ممن حجه واعتمره تشريفا وتعظيما وبرا. اللهم أنت السلام، ومنک السلام، فحينا ربنا بالسلام.

دعاء افتتاح الطواف واستلام الحجر الأسود أو المرور به:

بسم الله والله أكبر، اللهم إيمانا بک، وتصديقا بكتابک، ووفاء بعهدک واتباعا لسنة نبيک صلى الله عليه وسلم وحكمه كما سبق.

والمعنى :أطوف باسم الله، وأطوف اللهم إيمانا بک .

الدعاء فى الأشواط الثلاثة الأولى:اللهم اجعله حجا مبرورا، وسعيا مشكورا، وذنبا مغفورا، اللهم لا إله إلا أنت وأنت تحيى بعدما أمت.

وإذا كان يؤدى عمرة دعا فقال :اجعلها عمرة مبرورة، وإن كان طوافا نفلا دعا :اجعله طوافا مبرورا أى مقبولا وسعيا مشكورا (وسعى الرجل عمله) كما قال تعالى :(وأن ليس للإنسان إلا ما سعى) .

الدعاء فى الأشواط الأربعة الباقية:اللهم اغفر وارحم، واعف عما تعلم، وأنت الأعز الأكرم .

الدعاء عند الركن اليمانى:بسم الله والله أكبر، والسلام على رسول الله ورحمة الله وبركاته، اللهم إنى أعوذ بک من الكفر والفقر والذل، ومواقف الخزى فى الدنيا والآخرة، ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار.

الدعاء بين الركن اليمانى والحجر الأسود:ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴۰...... طواف کے دوران آہستہ آواز میں قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کی تلاوت کرنا بھی جائز، بلکہ بعض حضرات کے نزدیک افضل ہے، بشرطیکہ اس کو اپنے درجہ سے نہ بڑھایا جائے، اور اس میں کسی قسم کا غلو نہ کیا جائے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۴۱...... آج کل بہت سے لوگ طواف کرتے ہوئے مختلف قسم کی دعائیں پڑھنے کو ضروری سمجھتے ہیں اور باآواز بلند پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں جس میں بہت سی خواتین بھی مبتلا ہیں اور بعض لوگ تو اجتماعی انداز میں دعائیں پڑھنے کا التزام کرتے ہیں، ایک کو اپنا مقتدا اور گویا کہ امام بنا لیتے ہیں جو ان کو مختلف دعائیں کہلواتا ہے اور دوسرے پھر اس سے کلمات کو سُن کر ساتھ ساتھ دہراتے ہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

النار رب قنعني بما رزقتني، وبارک لي فيه، واخلف علی کل غائبة لي بخير .

دعاء لعامة الطواف :اللهم اغفر لي ذنوبي وخطاياي، وعمدي، وإسرافي في أمري، إنک إن لا تغفر لي تهلکني.

اللهم البيت بيتک، ونحن عبيدک،ونواصينا بيدک، وتقلبنا في قبضتک، فإن تعذبنا فبذنوبنا، وإن تغفر لنا فبرحمتک، فرضت حجک لمن استطاع إليه سبيلا، فلک الحمد علی ما جعلت لنا من السبيل، اللهم ارزقنا ثواب الشاکرين (الموسوعة الفقهية الکويتية، ج۲۹، ص۱۳۷، الی ص۱۳۹، مادة " طواف ")

[1] ل -قراءة القرآن الکريم :قراءة القرآن من غير رفع صوت عند المالکية والشافعية والحنابلة.

وعند الحنفية تجوز قراءة القرآن، والذکر أفضل عند الحنفية والمالکية.

أما الشافعية فقالوا :مأثور الدعاء أفضل من القراءة، وهي أفضل من غير مأثوره.

استدل الحنفية بأن هدي النبي صلی الله عليه وسلم هو الأفضل، ولم يثبت عنه في الطواف قراءة قرآن، بل الذکر، وهو المتوارث من السلف والمجمع عليه فکان أولی.

واستدل الشافعية علی أفضلية الدعاء بالمأثور في الطواف علی القراءة باتباع النبي صلی الله عليه وسلم وأفضلية القرآن علی غير المأثور في الطواف، بأن الموضع موضع ذکر، والقرآن أفضل الذکر.

واستدلوا بالحديث القدسي :من شغله القرآن وذکري عن مسألتي أعطيته أفضل ما أعطي السائلين، وفضل کلام الله علی سائر الکلام کفضل الله تعالی علی خلقه (الموسوعة الفقهية الکويتية، ج۲۹، ص۱۳۹، وص۱۴۰، مادة " طواف ")

حالانکہ شریعت نے طواف کی حالت میں کوئی خاص دعاء مقرر نہیں کی کہ جس کا پڑھنا لازم اور ضروری ہو اور اس کے بغیر طواف نہ ہوتا ہو یا ادھورا رہتا ہو، اسی وجہ سے اگر طواف کے دوران کچھ بھی نہ پڑھا جائے بلکہ خاموشی کے ساتھ خشوع وخضوع کو ملحوظ رکھتے ہوئے پورا کرلیا جائے تو طواف صحیح ہوجاتا ہے اور اس میں کسی قسم کا گناہ بھی نہیں ہوتا، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ خاموش رہنے کے بجائے ذکر واذکار اور دعاء میں مشغول ہونا بہتر وافضل ہے، لیکن اس میں بھی کوئی خاص دعاء مقرر نہیں جس دعاء اور ذکر میں دل لگے اور جس دعاء کی اپنے لئے ضرورت محسوس کریں، عربی یا اپنی زبان میں خشوع وخضوع اور اخلاص کے ساتھ آہستہ آہستہ آواز میں کرلیں۔ مگر اس طرح اجتماعی یا بلند آواز میں پڑھنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو جائز نہیں، اور خواتین کا باآوازِ بلند پڑھنا اور بھی زیادہ بُرا ہے، جو لوگ اجتماعی طور پر جتھوں کی شکل میں دعائیں پڑھتے ہیں اس میں اور بھی خرابیاں ہیں، مثلاً بعض اوقات ہجوم ہوتا ہے اور دوسروں کو ساتھ رکھنے کی وجہ سے رُکنا پڑتا ہے یا بیتُ اللہ کی طرف سینہ یا پشت ہوجاتی ہے جو طواف کے دوران منع ہے، پس جب کہ کسی خاص دُعاء کا پڑھنا ضروری ولازم نہیں تھا، اس کی خاطر اتنی ساری خرابیوں میں مبتلاء ہونا کونسی عقلمندی اور فائدہ کی بات ہے۔

مسئلہ نمبر ۴۲ ...... ہر قسم کے طواف سے فارغ ہونے کے بعد بعض فقہائے کرام کے نزدیک ملتزم پر آکر دعاء کرنا مستحب ہے۔

البتہ بعض فقہائے کرام ملتزم پر آنے کے مستحب ہونے کو طوافِ وداع یا طوافِ قدوم کے ساتھ خاص کرتے ہیں، دوسرے طوافوں میں اس کو مستحب قرار نہیں دیتے۔

اور ملتزم بیتُ اللہ کی اُس دیوار کے حصہ کا نام ہے، جو حجرِ اسود اور کعبہ کے دروازہ کے درمیان واقع ہے۔ [1]

---

[1] ک -التزام الملتزم:یستحب عند جمهور الفقهاء بعد طواف الوداع أن يلتزم الطائف الملتزم وهو الجدار الذى بين الحجر الأسود وباب الكعبة المشرفة، اقتداء بالرسول صلى الله عليه وسلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر بعض فقہائے کرام کے نزدیک تو طواف سے فارغ ہوکر دو رکعت پڑھنے کے بعد ملتزم پر آ کر دعا کرنا مستحب ہے، جبکہ بعض حضرات کے نزدیک طواف سے فارغ ہوکر دو رکعت پڑھنے سے پہلے ملتزم پر آنا مستحب ہے، اور چونکہ اس آخری صورت پر عمل کرنے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے، اس لئے اس پر عمل کرنا بھی بلا شبہ جائز ہے۔ [1]

اگر ملتزم پر رَش اور ہجوم ہو، تو اس کی خاطر دوسروں کو ایذاء وتکلیف پہنچانا منع ہے، ایسی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والتزامه أن يلصق صدره وخده الأيمن، ويداه وكفاه مبسوطتان قائمتان، وهو متذلل مستجير برب البيت، والملتزم من المواضع التي يستجاب فيها الدعاء ، ويدعو بالمأثور من الدعاء إن حفظه وإلا فبما تيسر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۳۹، مادة " طواف ")

لا خلاف بين الفقهاء في أنه يستحب أن يلتزم الطائف الملتزم بعد طواف الوداع اقتداء بالرسول صلى الله عليه وسلم، لما روى عمرو بن شعيب عن أبيه قال :طفت مع عبد الله :فلما جئنا دبر الكعبة قلت :ألا تتعوذ؟ قال :نعوذ بالله من النار، ثم مضى حتى استلم الحجر، وأقام بين الركن والباب، فوضع صدره ووجهه وذراعيه وكفيه هكذا، وبسطهما بسطا، ثم قال :هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعله .

ونص الحنفية والمالكية على استحباب التزام الملتزم بعد طواف القدوم أيضا.

وأطلق الشافعية استحباب التزام الملتزم بعد الطواف مطلقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹، ص ۲۶، مادة " ملتزم ")

وذكر الطحاوي في مختصره عن أبي حنيفة أنه إذا فرغ من طواف الصدر يأتي المقام فيصلي عنده ركعتين ثم يأتي زمزم فيشرب من مائها، ويصب على وجهه ورأسه ثم يأتي الملتزم، وهو ما بين الحجر الأسود والباب، فيضع صدره وجبهته عليه، ويتشبث بأستار الكعبة، ويدعو ثم يرجع (بدائع الصنائع، ج ۲، ص ۱۶۰، كتاب الحج، فصل شرائط اركان الحج)

وروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه إذا صلى بعد طواف الصدر ركعتين يأتي زمزم فيشرب من ماء زمزم ويصب على رأسه ثم يأتي الملتزم ويكبر ويهلل ويحمد الله تعالى يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويدعو الله تعالى لحاجته ويضع خده على حائط الكعبة ويتشبث بأستار الكعبة (فتاویٰ قاضی خان، ج ۱، ص ۲۰۰ ،كتاب الحج)

[1] وقت التزام الملتزم: اختلف الفقهاء في وقت التزام الملتزم، فذهب المالكية والحنابلة والحنفية في الأصح والمشهور من الروايات إلى أنه يستحب أن يأتي الملتزم بعد ركعتي الطواف، قبل الخروج إلى الصفا.

وقال الشافعية :يندب أن يلتزم قبل الصلاة .وهو قول ثان عند الحنفية، قال ابن عابدين :وهو الأسهل والأفضل وعليه العمل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹، ص ۲۷، مادة " ملتزم ")

صورت میں یا تو کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر دعاء کرلیں، اور یہ بھی مشکل ہو، تو اس کو ترک کردیں، کیونکہ یہ صرف مستحب درجہ کا عمل ہے، نیز اگر احرام کی حالت میں ہوں اور ملتزم پر خوشبو لگی ہوئی ہو، تو اپنے جسم کو اس سے الگ رکھیں۔

مسئلہ نمبر۴۴۳...... زمزم کا پینا ہر ایک کے لئے مستحب ہے، خواہ وہ حج کرنے والا ہو، یا عمرہ کرنے والا ہو، یا کوئی اور شخص ہو، طواف یا حج کرنے والے کے ساتھ خاص نہیں۔ [۱]

البتہ بعض فقہائے کرام نے طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت پڑھنے کے بعد صفا اور مروہ کی طرف سعی کے لئے جانے سے پہلے زمزم کے پینے کو مستحب قرار دیا ہے۔

لیکن یہ یاد رکھئے کہ یہ صرف مستحب درجہ کا عمل ہے، اگر ہجوم وغیرہ کی وجہ سے اس پر عمل مشکل ہو، تو اس میں تکلف سے کام نہیں لینا چاہئے، کیونکہ اس کے ترک کردینے میں بھی گناہ نہیں۔ [۲]

---

[۱] اتفق الفقهاء على أنه يستحب للحاج والمعتمر أن يشرب من ماء زمزم، لأن النبى صلى الله عليه وسلم شرب من ماء زمزم ، ولما روى مسلم :إنها مباركة، إنها طعام طعم زاد أبو داود الطيالسي في مسنده :وشفاء سقم

ويسن للشارب أن يتضلع من ماء زمزم، أى يكثر من شربه حتى يمتلء، ويرتوى منه حتى يشبع ريا، لخبر ابن ماجه :آية ما بيننا وبين المنافقين أنهم لا يتضلعون من ماء زمزم .

ونص الشافعية على أنه يسن شرب ماء زمزم فى سائر الأحوال، لا عقب الطواف خاصة، وأنه يسن شرب ماء زمزم لكل أحد ولو لغير الحاج والمعتمر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۱۴، مادة " زمزم")

[۲] (قوله ولم يذكر المصنف الشرب إلخ) وقد ذكر ذلک فى فتح القدير فقال، ويستحب أن يأتى زمزم بعد الركعتين قبل الخروج إلى الصفا فيشرب منها ثم يأتى الملتزم قبل الخروج إلى الصفا، وقيل يلتزم الملتزم قبل الركعتين ثم يصليهما ثم يأتى زمزم ثم يعود إلى الحجر ذكره السروجي اهـ .ملخصا.

قال فى شرح اللباب والثانى هو الأسهل والأفضل وعليه العمل فى كثير من الكتب أنه يعود بعد طواف القدوم وصلاته إلى الحجر ثم يتوجه إلى الصفا من غير ذكر زمزم، والملتزم فيما بينهما ولعل وجه تركهما عدم تأكدهما مع اختلاف تقدم أحدهما اهـ.

(قوله لكن الأخير إلخ) قال فى شرح اللباب :والأصل أن كل طواف بعده سعى فإنه يعود إلى استلام الحجر بعد الصلاة وما لا فلا على ما قاله قاضي خان فى شرحه أن هذا الاستلام لافتتاح السعى بين الصفا والمروة فإن لم يرد السعى بعده لم يعد عليه اهـ.(البحر الرائق، ج۲، ص۳۵۷، الاغتسال ودخول الحمام للمحرم)

مسئلہ نمبر۴۴...... بعض حضرات نے دوسرے پانی اور مشروبات کے مقابلہ میں بطورِ خاص آبِ زم زم اور وضو سے بچے ہوئے پانی کے کھڑے ہوکر پینے کو افضل ومستحب قرار دیا ہے، اور عوام میں بھی یہی مشہور ہے۔ [۱]

جبکہ بعض محدثین اور فقہاء نے زمزم کے پانی کو دوسرے پانی کی طرح بیٹھ کر پینے کو مسنون قرار دیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کھڑے ہوکر زمزم پینا مروی ہے، اس سے کھڑے ہوکر پینے کے جائز ہونے کا حکم لگایا ہے۔ [۲]

اور فرمایا کہ زمزم کو کھڑے ہوکر پینا جائز درجہ کا عمل ہے، کھڑے ہوکر پینے میں زیادہ ثواب نہیں ہے۔ [۳]

---

[۱] والأولى أن يقال: المنهى عنه الشرب الذى يتخذه الناس عادة اهـ. ويمكن الجمع أيضا بأنه لم يثبت النهى عند على -كرم الله وجهه- أو النهى عنده ليس على إطلاقه؛ فإنه مخصص بماء زمزم، وشرب فضل الوضوء كما ذكره بعض علمائنا. وجعلوا القيام فيهما مستحبا وكرهوه فى غيرهما، إلا إذا كان ضرورة، ولعل وجه تخصيصهما أن المطلوب فى ماء زمزم التضلع ووصول بركته إلى جميع الأعضاء، وكذا فضل الوضوء مع إفادة الجمع بين طهارة الظاهر والباطن، وكلاهما حال القيام أعم، وبالنفع أتم، ففى شرح الهداية لابن الهمام: ومن الأدب أن يشرب فضل ماء وضوئه مستقبلا قائما؛ وإن شاء قاعدا اهـ(مرقاة المفاتيح، ج۷ ص۲۷۴۷، كتاب الاطعمة، باب الاشربة)

ومن الأدب: أن يشرب فضل وضوئه أو بعضه مستقبل القبلة إن شاء قائماً، وإن شاء قاعداً، هكذا ذكره شمس الأئمة الحلوانى رحمه الله. وذكر شيخ الإسلام المعروف بخواهر زادة رحمه الله أنه يشرب ذلك قائماً قال: ولا يشرب الماء قائماً، إلا فى موضعين أحدهما: هذا، والثانى: عند زمزم (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، كتاب الطهارات، الفصل الأول)

[۲] ونص بعض المحدثين والفقهاء على أنه يسن الجلوس عند شرب ماء زمزم كغيره، وقالوا: إن ما روى الشعبى عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه قال: سقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم من زمزم وهو قائم محمول على أنه لبيان الجواز، ومعارض لما رواه ابن ماجه عن عاصم قال: ذكرت ذلك لعكرمة فحلف بالله ما فعل -أى ما شرب قائما- لأنه كان حينئذ راكبا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ ص۱۴، ۱۵، مادة "زمزم" آداب الشرب من ماء زمزم)

[۳] القيام عند الأكل والشرب: ذهب الحنفية إلى كراهة الأكل والشرب قائما تنزيها، واستثنوا الشرب من زمزم والشرب من ماء الوضوء بعده، حيث نفوا الكراهة عنهما (الموسوعة الفقهيه الكويتية، ج۳۴ ص۱۱۳، مادة "قيام")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اگر کوئی آبِ زم زم اور وضو سے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر پئے تو بھی کوئی حرج نہیں، اور بیٹھ کر دوسرے عام پانیوں کی طرح پئے تو بھی حرج نہیں، اور بیٹھ کر پینے کو معیوب یا غلط سمجھنا خود غلط ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری دوسری کتاب ''کھانے پینے کے آداب'')

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وعن ابن عباس -رضى الله تعالى عنهما -قال :أتيت النبى -صلى الله عليه وسلم -بدلو من ماء زمزم، فشرب وهو قائم) : قال السيوطى :هذا لبيان الجواز وقد تقدم مثله عن النووى، وقد يحمل على أنه لم يجد موضعا للقعود لازدحام الناس على ماء زمزم، أو ابتلال المكان مع احتمال النسخ لما روى عن جابر أنه لما سمع رواية من روى أنه شرب قائما قال " :قد رأيته صنع ذلك، ثم سمعته بعد ذلك ينهى عنه "، ذكره ابن الملك .وقال بعض الشراح من علمائنا :وعلى هذا الوجه يمكن التوفيق، وسيأتى زيادة التحقيق(مرقاة المفاتيح، ج۷ص ۲۷۴۶، كتاب الاطعمة ، باب الأشربة)

قيل :ويستحب أن يشرب قائما وفيه بحث لأنه -عليه الصلاة والسلام -شربه قائما لبيان الجواز أو لعذر به فى ذلك المقام من الطين أو الازدحام، فإنه صح نهيه عن الشرب قائما بل أمر من شرب قائما أن يتقيأ ما شربه، حتى قال بعض الأئمة إن الشرب قائما بدون العذر حرام(مرقاة المفاتيح، ج۵ص ۱۷۷۴، كتاب المناسك، باب قصة حجة الوداع)

(ثم أتى بماء) : أى جىء به (فشرب) : أى أولا، ولعله كان لدفع العطش، فلا يدخل تحت الاستحباب، ويحتمل أنه تمضمض وبلع الماء ;فعبر عنه الراوى بقوله :فشرب، والأظهر أنه شرب أولا حتى يدل على أن شربه الأخير قصد به الاستحباب، ولا يحمل على أنه اتفق له الشرب بناء على عطشه حينئذ، والله أعلم بالصواب(مرقاة المفاتيح، ج۷ص ۲۷۴۷، كتاب الاطعمة، باب الاشربة)

من ماء زمزم فيكون زمزم اسماً للبئر (فشرب وهو قائم) وذلك لبيان الجواز أو لضيق المحل عن التمكن من الجلوس، وقد بسطت الكلام على ذلك فى كتاب درر القلائد فيما يتعلق بزمزم وسقاية العباس من الفوائد(دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، باب بيان جواز الشرب قائماً)

(واعلم) أنه استثنى بعضهم شرب ماء زمزم وقال :إنه يسن الشرب منه قائما اتباعا، فقد صح عن ابن عباس رضى الله عنهما أن النبى -صلى الله عليه وسلم -شرب من زمزم وهو قائم ورده الباجورى فى حاشية الشمائل بما نصه :وإنما شرب -صلى الله عليه وسلم -وهو قائم، مع نهيه عنه، لبيان الجواز، ففعله ليس مكروها فى حقه، بل واجب، فسقط قول بعضهم إنه يسن الشرب من زمزم قائما اتباعا له -صلى الله عليه وسلم-، ولا حاجة لدعوى النسخ أو تضعيف النهى لأنه حيث أمكن الجمع وجب المصير إليه(إعانة الطالبين على حل ألفاظ فتح المعين، باب النكاح)

وأن يشرب بعده من فضل وضوئه) كماء زمزم (مستقبل القبلة قائما) أو قاعدا، وفيما عداهما يكره قائما تنزيها(الدر المختار)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴۵...... طواف کے دوران بعض کام جائز اور مباح ہیں۔

مثلاً ضرورت کے وقت جائز کلام کرنا مباح ہے، البتہ بغیر ضرورت کے بات چیت کرنا مکروہ ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(قوله :أو قاعدا) أفاد أنه مخير فى هذين الموضوعين، وأنه لا كراهة فيهما فى الشرب قائما بخلاف غيرهما، وأن المندوب هنا هو الشرب من فضل الوضوء لا بقيد كونه قائما خلاف ما اقتضاه كلام المصنف، لكن قال فى المعراج قائما، وخيره الحلوانى بين القيام والقعود .وفى الفتح :قيل :وإن شاء قاعدا، وأقره فى البحر، واقتصر على ما ذكره المصنف فى المواهب والدرر والمنية والنهر وغيرها .وفى السراج :ولا يستحب الشرب قائما إلا فى هذين الموضوعين، فاستفيد ضعف ما مشى عليه الشارح كما نبه عليه ح وغيره (قوله :وفيما عداهما يكره إلخ) أفاد أن المقصود من قوله قائما عدم الكراهة لا دخوله تحت المستحب؛ ولذا زاد قوله :أو قاعدا.واعلم أنه ورد فى الصحيحين أنه -صلى الله عليه وسلم -قال :لا يشربن أحد منكم قائما، فمن نسى فليستقء وفيهما أنه شرب من زمزم قائما وروى البخارى عن على -رضى الله عنه -أنه بعدما توضأ قام فشرب فضل وضوئه وهو قائم، ثم قال :إن ناسا يكرهون الشرب قائما، وإن النبى -صلى الله عليه وسلم -صنع مثل ما صنعت وأخرج ابن ماجه والترمذى عن كبشة الأنصارية -رضى الله عنها -أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -دخل عليها وعندها قربة معلقة فشرب منها وهو قائم فقطعت فم القربة تبتغى بركة موضع فى رسول الله -صلى الله عليه وسلم - وقال الترمذى :حسن صحيح غريب، فلذا اختلف العلماء فى الجمع؛ فقيل :إن النهى ناسخ للفعل، وقيل :بالعكس، وقيل :إن النهى للتنزيه والفعل لبيان الجواز .وقال النووى :إنه الصواب .واعترضه فى الحلية بحديث على المار حيث أنكر على القائلين بالكراهة، وبما أخرجه الترمذى وغيره، وحسنه عن ابن عمر "كنا نأكل فى عهد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -ونحن نمشى ونشرب ونحن قيام "قال :وجنح الطحاوى إلى أنه لا بأس به، وأن النهى لخوف الضرر لا غير، كما روى عن الشعبى قال :إنما كره الشرب قائما لأنه يؤذى .قال فى الحلية :فالكراهة على ما صوبه النووى شرعية يثاب على تركها، وعلى هذا إرشادية لا يثاب على تركها .ثم استشكل ما مر من استثناء الموضعين :أى الشرب من ماء زمزم ومن فضل الوضوء وكراهة ما عداهما، بأنه لا يتمشى على قول من هذه الأقوال، نعم على ما جنح إليه الطحاوى يستفاد الجواز مطلقا إن أمن الضرر، أما الندب فلا، إلا أن يقال :يفيد الندب فى فضل الوضوء ما أخرجه الترمذى فى حديث على، وهو أنه قام بعدما غسل قدميه فأخذ فضل طهوره فشربه وهو قائم ثم قال :أحببت أن أريكم كيف كان طهور رسول الله -صلى الله عليه وسلم - وفيه حديث إن فيه شفاء من سبعين داء أدناها البهر لكن قال الحفاظ :إنه واه اهـ ملخصا والبهر بالضم فسره فى الخلاصة بتتابع النفس، وفى القاموس إنه انقطاع النفس من الإعياء .والحاصل أن انتفاء الكراهة فى الشرب قائم فى هذين الموضوعين محل كلام فضلا عن استحباب القيام فيهما، ولعل الأوجه عدم الكراهة إن لم نقل بالاستحباب لأن ماء زمزم شفاء وكذا فضل الوضوء (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

اورطواف کرتے ہوئے کسی دوسرے ایسے شخص کوسلام کرنا بھی جائز ہے، جوذکروعبادت میں مشغول نہ ہو۔

اورطواف کے دوران کوئی مسئلہ معلوم کرنا، یاکسی دوسرے کومسئلہ بتانا بھی جائز ہے۔

اور بوقتِ ضرورت طواف کے چکروں میں وقفہ ڈالنا بھی جائز ہے، مثلاً نماز کھڑی ہوجائے، یا تھکن ہوجائے، یادرمیان میں وضوٹوٹ جائے، الا عندالمالکیة ، کمامر۔

اورضرورت کے وقت طواف کے دوران پانی یامشروب پینا بھی جائز ہے۔

اوراگر جوتے پاک ہوں، تو ان کوطواف کے دوران پہننا بھی جائز ہے، مگراحرام کی حالت میں مردکوٹخنوں تک کے حصہ کوجوتے اورموزے وغیرہ سے چھپانا منع ہے۔

اورطواف کے دوران بالکل خاموش رہنااورکوئی ذکروغیرہ نہ کرنا، یہ بھی جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۴۶......طواف کے دوران بعض کام ناجائزاور گناہ ہیں۔

مثلاً طواف کا کوئی فرض یاواجب چھوڑ دینا گناہ اورناجائز ہے۔ [2]

---

[1] مباحات الطواف:

أ -الكلام المباح الذى يحتاج إليه.

صرح بعض الحنفية بكراهة الكلام، لكنه محمول على ما لا حاجة إليه .ولذلك صرح الشافعية أن الأفضل ألا يتكلم لقوله صلى الله عليه وسلم :الطواف صلاة فأقلوا فيه الكلام وفى رواية :إلا أنكم تتكلمون فيه فمن تكلم فلا يتكلم إلا بخير.

ب -السلام على من لا يكون مشغولا بالذكر.

ج -الإفتاء والاستفتاء ، ونحوه من تعليم جاهل أو أمر بمعروف أو نهى عن منكر.

د -الخروج من الطواف لحاجة ضرورية.

هـ -الشرب، لعدم إخلاله بالموالاة لقلة زمانه، بخلاف الأكل.

و لبس نعل أو خف إذا كانا طاهرين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۴۰، مادة "طواف")

[2] محرمات الطواف:

أ -ترك ركن من أركان الطواف، وحكمه :أنه لا يتحلل التحلل الأكبر إلا بالعود وأدائه إن كان الطواف فرضا، أو واجبا.

ب -ترك شرط من شروط الطواف، وحكمه :أن الطواف غير صحيح، ويجب أن يعيده إن كان فرضا، أو واجبا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴۷......طواف کے دوران بعض کام مکروہ ہیں۔

مثلاً طواف کے دوران بلند آواز سے ذکر کرنا، جس سے دوسروں کو تشویش لاحق ہو، یہ مکروہ ہے۔

اور طواف کے دوران بغیر ضرورت کے بات چیت کرنا، مکروہ ہے۔

اور طواف کی کسی سنت کو چھوڑ دینا، مکروہ ہے۔

اور عام نفلی طواف کرنے کے بعد دو رکعت پڑھے بغیر دوسرا طواف شروع کر دینا، مکروہ ہے، البتہ اگر مکروہ وقت کی وجہ سے یہ دو رکعتیں نہ پڑھی جائیں، تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔

اور پیشاب پاخانہ یا بھوک کے شدید تقاضہ کے وقت طواف کرنا، مکروہ ہے۔

اور طواف کے دوران کوئی چیز کھانا بھی مکروہ ہے۔

اور طواف کے دوران منہ پر ہاتھ رکھنا بھی مکروہ ہے، مگر یہ کہ جمائی وغیرہ روکنے کے لئے ہو۔

اور طواف کے دوران انگلیوں کا چٹخانا بھی مکروہ ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن كان بمكة أعاده ولا إشكال، وإن سافر من مكة، فلا بد له من الرجوع إلى مكة وإعادته، كما فى ترك ركن من أركان الطواف.

ج -ترك واجب من واجبات الطواف، وهو غير مجزء عند الجمهور، مكروه كراهة تحريمية عند الحنفية حسب اصطلاحهم، ويلزمه الإثم، ويجب عليه الدم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۴۰، وص ۱۴۱، مادة "طواف")

[1] مكروهات الطواف: نص الفقهاء على أمور تكره فى الطواف، منها:

أ -رفع الصوت بالذكر والدعاء والقرآن بما يشوش على الطائفين.

ب -الكلام غير المحتاج إليه، لقول ابن عمر رضى الله عنهما :أقلوا الكلام فإنما أنتم فى صلاة.

ج -إنشاد شعر ليس من قبيل الذكر والثناء على الله.

د -ترك سنة من سنن الطواف، حسبما هو مقرر فى كل مذهب، كترك الرمل فى طواف بعده سعى، وكترك استلام الحجر الأسود والإشارة إليه.

هـ -الجمع بين أكثر من طواف كامل من غير صلاة بعد كل طواف، إلا إذا وقعت الصلاة فى وقت كراهة فيؤخرها عند الحنفية.

و الطواف وهو يدافع البول أو الغائط، أو وهو شديد التوقان إلى الأكل، ونحو ذلك مما يشغله عن الحضور فى العبادة، كما يكره فى الصلاة. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴۸...... اگر طوافِ زیارت سے پہلے کوئی دس ذی الحجہ کی رمی کر چکا ہے، اور سر کے بال بھی کٹا یا منڈا چکا ہے، خواہ ابھی حج کی قربانی نہ کی ہو، تو طوافِ زیارت کرنے کے بعد احرام کی تمام پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ میاں بیوی کے خصوصی تعلقات بھی جائز ہوجاتے ہیں، اور اس کو فقہائے کرام کی زبان میں تحللِ اکبر یا تحللِ ثانی کہا جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ز -الأكل في الطواف اتفاقا بين الحنفية والشافعية وكذا الشرب عند الشافعية، وكراهة الشرب أخف عندهم، قال الشافعي :لا بأس بشرب الماء في الطواف ولا أكرهه، بمعنى المأثم، لكني أحب تركه؛ لأن تركه أحسن في الأدب وقال الشافعي في الإملاء : روى عن ابن عباس رضي الله عنهما "أنه شرب وهو يطوف.

ح -وضع الطائف يده على فيه، إلا أن يحتاج إليه مثل دفع التثاؤب.

ط -تشبيك الأصابع أو فرقعتها، كما يكره ذلك في الصلاة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۴۱، مادة "طواف")

[1] ملحوظ رہے کہ عمرہ میں ایک ہی تحلل ہوتا ہے، برخلاف حج کے کہ اس میں دو تحلل ہوتے ہیں، ایک تحللِ اول یا تحللِ اصغر، اور دوسرا تحللِ ثانی یا تحللِ اکبر۔

اور تحللِ اکبر یا تحللِ ثانی کے مقابلہ میں تحللِ اصغر یا تحللِ اول، اس کو کہا جاتا ہے، جس میں فقہائے کرام کے نزدیک زوجین کے خصوصی تعلقات کے علاوہ احرام کی دوسری تمام پابندیاں (مثلاً خوشبو کا استعمال کرنا، چہرہ کو کپڑا لگانا، مرد کو سِلا ہوا لباس پہننا، وغیرہ وغیرہ، اور مالکیہ کے نزدیک عورت اور شکار اور ایک روایت کے مطابق خوشبو کے علاوہ احرام کی باقی پابندیاں) ختم ہوجاتی ہیں۔

اور یہ تحللِ اول حنفیہ کے مشہور مذہب کے مطابق حلق کرنے سے حاصل ہوتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک رَمی کو تحلل میں دخل نہیں، پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلق سے پہلے دس ذی الحجہ کی رمی اور متمتع اور قارِن پر حج کی قربانی بھی بالترتیب واجب ہے، جبکہ دیگر کئی فقہائے کرام اور حنفیہ میں سے امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے، اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جب تحللِ اصغر کے لئے حلق ضروری ہے، تو ترتیب واجب ہونے کی وجہ سے اس سے پہلے رَمی ودَمِ شکر (یعنی حج کی قربانی کا کرنا) بھی ضروری ہوا۔

اور تحللِ اول مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی راجح روایت اور حنفیہ کے غیر مشہور مذہب کے مطابق صرف دس ذی الحجہ کی جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے یا اس رَمی کی ادائیگی کا وقت ختم ہوجانے سے حاصل ہوجاتا ہے، اور شافعیہ کے نزدیک تین اعمال میں سے دو کو اداء کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے، اور وہ تین اعمال یہ ہیں، ایک دس ذی الحجہ کی رمی، دوسرے حلق اور تیسرے طوافِ زیارت، جبکہ حنابلہ وشافعیہ کی مرجوح روایت کے مطابق رَمی اور حلق دونوں سے تحللِ اول حاصل ہوتا ہے۔

اور مفرِد، قارِن اور متمتع اس سلسلہ میں سب کے نزدیک برابر ہیں، اور متمتع وقارِن کے دَم کو حلال ہونے میں دخل نہیں۔

جہاں تک تحلل ثانی کا تعلق ہے، جس میں احرام کی تمام پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ زوجین کے خصوصی تعلقات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۴۹...... فقہائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ طواف سے فارغ ہونے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بھی جائز ہو جاتے ہیں، تو اس میں فقہائے کرام کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر طوافِ زیارت کے ساتھ حج کی سعی بھی کی جا چکی ہے، خواہ اب طوافِ زیارت کرنے کے بعد یا اس سے پہلے (یعنی حج کا احرام باندھنے کے بعد نفلی طواف یا طوافِ قدوم کر کے) اور دس ذی الحجہ کی رَمی اور سر کے بال بھی منڈا چکا ہے، تو باتفاقِ فقہاء تحللِ اکبر حاصل ہونے میں شبہ نہیں۔

اور اگر مذکورہ بالا بعض اعمال کئے اور بعض نہیں کئے، تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اگر حلق اور طوافِ زیارت دونوں عمل کر چکا ہے، تو تحللِ اکبر حاصل ہو جائے گا، اور حنفیہ کے علاوہ مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کی راجح روایت کے مطابق دس ذی الحجہ کی رَمی اور طوافِ زیارت کے بعد اور شافعیہ کے نزدیک تحللِ اول حاصل کرنے کی غرض سے تین اعمال میں سے کئے گئے دو اعمال کے ساتھ تیسرے عمل کو کرنے سے تحللِ ثانی حاصل ہو جاتا ہے۔

پھر حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک حج میں تحلل صرف طوافِ زیارت کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ سعی بھی شرط ہے، کیونکہ ان کے نزدیک سعی مستقل رُکن ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک تحلل حاصل ہونے کے لئے طوافِ زیارت کے ساتھ سعی شرط نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک طوافِ زیارت تو حج کا رکن ہے، لیکن سعی حج کا رکن نہیں، بلکہ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(قوله وحل له كل شيء) أي من محظورات الإحرام كلبس المخيط وقص الأظفار ط وأفاد أنه لا يحل له بالرمي قبل الحلق شيء وهو المذهب عندنا كما في شرح اللباب للقارى عن الفارسي، وفي شرحه على النقاية والرمي غير محلل من الإحرام عندنا في المشهور، ومحلل عند مالك والشافعي وفي غير المشهور عندنا فقد نص على التحلل بالرمي عندنا في شرح المبسوط لخواهر زاده. وفي شرح الجامع الصغير لقاضي خان بقوله: وبعد الرمي قبل الحلق حل له كل شيء إلا النساء والطيب. وعن أبي يوسف أنه يحل له الطيب أيضا اهـ (رد المحتار على الدر المختار، ج۲، ص۵۱۷، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة)

وبرمي جمرة العقبة يحل من كل شيئ ما عدا النساء والصيد. ويسمى التحلل الاصغر وبطواف الافاضة يحل له كل شيئ حتى النساء والصيد. ويسمى التحلل الاكبر (الثمر الداني في تقريب المعاني، ج۱، ص۳۷۶)

التحلل الأصغر برمي العقبة أو مضي وقتها إلا من لذة نساء و تعرض صيد فيحرمان عليه لأنهما لا يحلان إلا بالتحلل الأكبر وهو طواف الإفاضة والسعي (منح الجليل شرح على مختصر سيد خليل، ج۲، ص۲۸۰، باب في الحج والعمرة)

ولا خلاف بينهم أن التحلل الاصغر الذى هو رمي الجمرة يوم النحر أنه يحل به الحاج من كل شيئ حرم عليه بالحج إلا النساء والطيب والصيد، فإنهم اختلفوا فيه، والمشهور عن مالك أنه يحل له كل شيئ إلا النساء والطيب، وقيل عنه: إلا النساء والطيب والصيد، لان الظاهر من قوله *: (وإذا حللتم فاصطادوا) * أنه التحلل الاكبر.

واتفقوا أيضا على أن المعتمر يحل من عمرته إذا طاف بالبيت وسعى بين الصفا والمروة وإن لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے بعد دورکعت کا پڑھنا واجب ہے یا سنت؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يكن حلق ولا قصر لثبوت الآثار فى ذلك إلا خلافا شاذا(بداية المجتهد، ج ۱،ص ۳۷۱،كتاب الحج، الجنس الثالث، القول فى كفارة المتمتع)

فصل :ظاهر كلام الخرقى هاهنا، أن الحل، إنما يحصل بالرمى والحلق معا.

وهو إحدى الروايتين عن أحمد، وقول الشافعى، وأصحاب الرأى؛ لقول النبى -صلى الله عليه وسلم :-إذا رميتم، وحلقتم، فقد حل لكم كل شىء ، إلا النساء .وترتيب الحل عليهما دليل على حصوله بهما، ولأنهما نسكان يتعقبهما الحل، فكان حاصلا بهما، كالطواف والسعى فى العمرة .

وعن أحمد :إذا رمى الجمرة، فقد حل، وإذا وطء بعد جمرة العقبة، فعليه دم .ولم يذكر الحلق. وهذا يدل على أن الحل بدون الحلق .وهذا قول عطاء ، ومالك، وأبى ثور .وهو الصحيح، إن شاء الله تعالى؛ لقوله فى حديث أم سلمة :إذا رميتم الجمرة، فقد حل لكم كل شىء ، إلا النساء .

وكذلك قال ابن عباس .قال بعض أصحابنا :هذا يبنى على الخلاف فى الحلق، هل هو نسك أو لا؟ فإن قلنا :نسك .حصل الحل به، وإلا فلا(المغنى لابن قدامة، ج۳،ص ۳۹۰،كتاب الحج)

(والسعى ركن فى الحج فلا يتحلل) التحلل الثانى (إلا بفعله كما تقدم) لحديث حبيبة بنت أبى تجزأة قالت رأيت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يطوف بين الصفا والمروة والناس بين يديه وهو وراء هم وهو يسعى حتى أرى ركبتيه من شدة السعى يدور به إزاره وهو يقول :اسعوا فإن الله كتب عليكم السعى رواه أحمد.وعن عائشة ما أتم الله حج امرء ولا عمرته لم يطف بين الصفا والمروة متفق عليه مختصر(كشاف القناع عن متن الإقناع، ج۲،ص۵۰۶،كتاب الحج)

(فيحصل) التحلل (الأول) من تحللى الحج (باثنين من ثلاثة :الرمى) أى رمى يوم النحر (والحلق) أو التقصير (والطواف) واحتجوا له بخبر إذا رميتم وحلقتم فقد حل لكم الطيب والثياب وكل شىء إلا النساء رواه البيهقى وغيره وضعفوه والذى صح فى ذلك ما رواه النسائى بإسناد جيد كما فى المجموع أنه -صلى الله عليه وسلم -قال :إذا رميتم الجمرة فقد حل لكم كل شىء إلا النساء وقضية حصول التحلل الأول بالرمى وحده (فإن بقى السعى فهو كالجزء منه) أى من الطواف فيتوقف عليه التحلل (ويحل به) أى بالتحلل الأول (ما سوى الجماع، وكذا مقدماته وعقده) أى يحل به ما سوى هذه الثلاثة من لبس وقلم وصيد وطيب ودهن وستر رأس الرجل ووجه المرأة كما سيأتى بيانها (أسنى المطالب فى شرح روض الطالب، ج ۱،ص۴۹۳،كتاب الحج والعمرة)

وفيما يحل بالتحلل الاول والثانى قولان(أحدهما)وهو الصحيح يحل بالاول جميع المحظورات الا الوطء وبالثانى يحل الوطء لحديث عائشة رضى الله عنها (والثانى) يحل بالاول كل شىء الا الطيب والنكاح والاستمتاع بالنساء وقتل الصيد لما روى مكحول عن عمر أنه قال (إذا رميتم الجمرة فقد حل لكم كل شء الا النساء والطيب والصيد) والصحيح هو الاول لان حديث عمر مرسل ولان السنة مقدمة عليه.هذا إذا كان قد سعى عقب طواف القدوم (فاما) إذا لم يسع وقف التحلل على الطواف والسعى لان السعى ركن كالطواف)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(الشرح) أما حديث عائشة رضى الله عنها فرواه أبو داود بإسناد ضعيف جدا من رواية الحجاج بن أرطاة وقال هو حديث ضعيف

وقد روى النسائى بإسناده عن الحسن بن عبد الله القرنى عن ابن عباس قال (قال رسول الله صلى الله عليه إذا رميتم الجمرة فقد حل لكم كل شىء إلا النساء) هكذا رواه النسائى وابن ماجه مرفوعا وإسناده جيد إلا أن يحيى بن معين وغيره قالوا يقال ان الحسن العرنى لم يسمع ابن عباس ورواه البيهقى موقوفا على ابن عباس والله أعلم.

(وأما) الأثر المذكور عن عمر رضى الله عنه فهو مرسل كما قال المصنف لأن مكحولا لم يدرك عمر فحديثه عنه منقطع ومرسل والله اعلم.

(أما) حكم الفصل فقال الشافعى والأصحاب رحمهم الله للحج تحللان أول وثان يتعلقان برمى جمرة العقبة والحلق وطواف الإفاضة هذا إن قلنا الحلق نسك وإلا فيتعلقان بالرمى والطواف (وأما) النحر فلا مدخل له فى التحلل.

(فإن قلنا) الحلق نسك حصل التحلل الأول باثنين من الثلاثة فأى اثنين منها أتى بهما حصل التحلل الأول سواء كانا رميا وحلقا أو رميا وطوافا اوطوافا وحلقا ويحصل التحلل الثانى بالعمل الباقى من الثلاثة (وإن قلنا) الحلق ليس بنسك لم يتعلق به التحلل بل يحصل التحللان بالرمى والطواف أيهما فعله حصل به التحلل الأول ويحصل الثانى بالثانى.

ولو لم يرم جمرة العقبة حتى خرجت أيام التشريق فقد فات الرمى ولزمه بفواته الدم ويصير كأنه رمى بالنسبة إلى حصول التحلل به وهل.

يتوقف تحلله على الإتيان ببدل الرمى فيه ثلاثة أوجه حكاها إمام الحرمين وغيره (أصحها) نعم لأنه قائم مقامه (والثانى) لا إذ لا رمى (والثالث) إن افتدى بالدم توقف وإن افتدى بالصوم فلا لطول زمنه (وأما) إذا لم يرم ولم تخرج أيام التشريق فلا يجعل دخول وقت الرمى كالرمى فى حصول التحلل.

هذا هو المذهب وبه قطع جماهير الأصحاب.

وفيه وجه للإصطخرى حكاه المصنف والاصحاب أن دخول وقت الرمى كالرمى فى حصول التحلل وقد ذكر المصنف دليله مع دليل المذهب.

وحكى الرافعى وجها شاذا ضعيفا للداركى أنه إن قلنا الحلق نسك حصل التحللان جميعا بالحلق مع الطواف من غير رمى أو بالطواف والرمى ولا يحصل بالرمى والحلق إلا أحد التحللين.

وحكى الرافعى وجها شاذا ضعيفا أنه يحصل التحلل الأول بالرمى فقط أو الطواف فقط وإن قلنا الحلق نسك. وحكى إمام الحرمين عن حكاية صاحب التقريب وجها أنا إذا لم نجعل الحلق نسكا حصل التحلل الأول بمجرد طلوع الفجر يوم النحر لوجود اسم اليوم.

وهذه الأوجه كلها شاذة ضعيفة (والمذهب) ما قدمناه أولا.

والحاصل أن المذهب الذى يفتى به أن التحلل يحصل باثنين من الثلاثة والثانى بالثالث والله أعلم.

قال أصحابنا ولا بد من السعى مع الطواف إن لم يكن سعى بعد طواف القدوم (المجموع شرح المهذب، ج۸، ص ۲۲۵، الى، ۲۳۱، باب صفة الحج)

اورشافعیہ اورحنابلہ کے نزدیک سنت ہے۔ [۱]

تاہم حنفیہ کے نزدیک اگران دورکعتوں کو بالکل نہیں پڑھا، تو اس پر دَم وغیرہ واجب نہیں ہوتا۔ [۲]

مسئلہ نمبر۵۰..... طواف کے بعد کی ان دورکعتوں کا مقامِ ابراہیم کے پاس پڑھنا افضل ہے، اگر یہاں موقع نہ ملے، تو مسجدِ حرام میں کسی بھی جگہ پڑھ لیا جائے، اوراگر مسجدِ حرام کے

---

[۱] پھرشافعیہ اورحنابلہ کے نزدیک اگرطواف کے بعد فرض یا سنت نماز پڑھ لی جائے، تو اس سے بھی طواف کی یہ دو رکعتیں ادا ہوجاتی ہیں۔

اور مالکیہ کے نزدیک طوافِ زیارت کے بعد یا مشہور قول کے مطابق طوافِ واجب کے بعد دو رکعت واجب ہیں۔

ذهب الحنفية إلى أنه يجب بعد كل طواف فرضا أو نفلا صلاة ركعتين، وهو رواية عن أحمد وقول عند الشافعية، ووافقهم المالكية فى الطواف الركن، أو الواجب فى المشهور عندهم واستدلوا بمواظبة النبى صلى الله عليه وسلم وبما ورد فى حديث جابر أنه صلى الله عليه وسلم تقدم إلى مقام إبراهيم فقرأ :(واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى) فجعل المقام بينه وبين البيت، فكان أبى يقول - ولا أعلمه ذكره إلا عن النبى صلى الله عليه وسلم -كان يقرأ فى الركعتين :(قل هو الله أحد) و (قل يا أيها الكافرون)

وهذا إشارة إلى أن صلاته بعد الطواف امتثال لهذا الأمر، والأمر للوجوب، إلا أن استنباط ذلك من الحديث ظنى، وذلك يثبت الوجوب الذى هو دون الفرض وفوق السنة.

والمذهب عند الشافعية والحنابلة أن ركعتى الطواف سنة.

واستدلوا بما ورد من الأحاديث بتحديد الصلاة المفترضة بالصلوات الخمس، وصلاة الطواف - كما قال الشيرازى -صلاة زائدة على الصلوات الخمس، فلم تجب بالشرع على الأعيان كسائر النوافل.

وعند الشافعية والحنابلة إذا صلى المكتوبة بعد طوافه أجزأته عن ركعتى الطواف .وعند المالكية فى غير طواف الفرض والواجب تردد بين الوجوب والسنية، واستظهر الحطاب أن الركعتين سنة كما قال الدسوقى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۳۳، وص ۱۳۴، مادة "طواف")

وقال الشافعية :ويسن أن يصلى ركعتى الطواف (بعد الطواف) وتجزء عنهما الفريضة والراتبة كما فى تحية المسجد، وفعلهما خلف مقام إبراهيم عليه السلام أفضل، لأن النبى صلى الله عليه وسلم صلاهما خلف المقام ، وقال :خذوا عنى مناسككم ، ثم فى الحجر، ثم فى المسجد الحرام، ثم فى الحرم حيث شاء من الأمكنة، متى شاء من الأزمنة، ولا يفوتان إلا بموته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸، ۳۴۱ مادة "مقام إبراهيم")

[۲] فلو تركها لم تجبر بدم(ردالمحتار، ج۲ص ۴۹۹، كتاب الحج، فصل فى الاحرام وصفة المفرد)

علاوہ کسی اور جگہ بلکہ اپنے وطن میں آ کر پڑھا، تب بھی حکم پورا ہوجاتا ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۱۵...... اگر کوئی عذر نہ ہو، تو طواف کے بعد کی ان دو رکعتوں کو طواف کے فوراً بعد پڑھنا مناسب ہے، اور بلا عذر غیر معمولی تاخیر کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر تاخیر ہوجائے، تب بھی پڑھنے سے اداء ہوجاتی ہیں۔

اگر کسی خاتون کو طواف کرنے کے بعد حیض آنا شروع ہوجائے، تو وہ طواف کے بعد کی یہ دو رکعتیں نہ پڑھے، بلکہ پاکی حاصل کرنے کے بعد پڑھے۔ [۲]

---

[۱] اور حنفیہ کے نزدیک ان دو رکعتوں کو مقامِ ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو کر یعنی مقامِ ابراہیم کو اپنے سامنے اس طرح کر کے کہ بیت اللہ کی طرف بھی رُخ ہو، پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، بشرطیکہ کسی کو ایذاء نہ پہنچے، پھر اس کے بعد اگر کسی کو موقع میسر ہو، تو بیت اللہ کے اندر پڑھنے کا درجہ ہے، پھر میزابِ رحمت کے نیچے حطیم کے اندر پڑھنے کا درجہ ہے، پھر حطیم کے جتنا قریب ہو کر پڑھے اس کا درجہ ہے، پھر مسجدِ حرام میں جس جگہ بھی پڑھ لے اس کا درجہ ہے، پھر حرم کی حدود کا درجہ ہے، پھر اس کے بعد (کسی اور جگہ پڑھنے میں) فضیلت کا درجہ ختم ہوجاتا ہے، اور کراہت واساءت لازم آجاتی ہے، تاہم ادائیگی پھر بھی معتبر ہوجاتی ہے۔

قال الحنفية :إذا فرغ الطائف من الطواف يأتي مقام إبراهيم عليه السلام ويصلي ركعتين، وإن لم يقدر على الصلاة في المقام بسبب المزاحمة يصلي حيث لا يعسر عليه من المسجد، وإن صلى في غير المسجد جاز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸، ۳۴۰ مادة "مقام إبراهيم")

ويستحب مؤكدا أداؤها خلف المقام، ثم في الكعبة ثم في الحجر تحت الميزاب، ثم كل ما قرب من الحجر، ثم باقي الحجر ثم ما قرب من البيت، ثم المسجد ثم الحرم، ثم لا فضيلة بعد الحرم بل الإساءة اهـ(ردالمحتار، ج۲ص ۴۹۹، كتاب الحج، فصل في الاحرام وصفة المفرد)

[۲] اگر طواف کے بعد نوافل کا مکروہ وقت ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس مکروہ وقت کے ختم ہونے کی تاخیر میں کوئی کراہت نہیں، اور کیونکہ طواف ان اوقات میں بھی مکروہ نہیں، اس لئے اگر کسی نے فجر یا عصر کے بعد طواف کیا، تو مکروہ وقت کی وجہ سے نوافل چھوڑ کر دوبارہ طواف کرنے اور پھر مکروہ وقت گزرنے کے بعد ان دونوں طوافوں کی نوافل پڑھنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وللطائف جمع أسابيع من الطواف، فإذا أفرغ منها ركع لكل أسبوع ركعتين، والأولى أن يصلي لكل أسبوع عقبه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸ص ۳۴۲،مادة "مقام ابراهيم")

والسنة الموالاة بينهما وبين الطواف، فيكره تأخيرها عنه إلا في وقت مكروه......(قوله بعد كل أسبوع) أي على التراخي ما لم يرد أن يطوف أسبوعا آخر، فعلى الفور بحر .وفي السراج يكره عندهما الجمع بين أسبوعين أو أكثر بلا صلاة بينهما وإن انصرف عن وتر.

وقال أبو يوسف :لا يكره إذا انصرف عن وتر كثلاثة أسابيع أو خمسة أو سبعة، والخلاف في غير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۵۲...... طواف کے بعد کی ان دو رکعتوں کا حنفیہ کے نزدیک ان اوقات میں پڑھنا مکروہ ہے، جن اوقات میں نفل نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، یعنی سورج کے طلوع ہونے، غروب ہونے، اور زوال کے بعد، اور اسی طرح عصر کی نماز پڑھنے کے بعد سے لے کر مغرب تک، اور طلوعِ فجر سے لے کر سورج طلوع ہونے تک کے اوقات میں، اس لئے حنفیہ کے نزدیک مکروہ وقت گزرنے کا انتظار کرنا چاہئے، اور مکروہ وقت گزرنے کے بعد ان دو رکعتوں کو پڑھنا چاہئے۔ [1]

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حرم شریف میں طواف کرنے کے بعد یہ دو رکعتیں مکروہ اوقات میں بھی پڑھنا جائز ہے، بلکہ شافعیہ کے نزدیک مکہ میں ان اوقات میں کسی بھی قسم کی نوافل کا پڑھنا مکروہ نہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقت الكراهة أما فيه فلا يكره إجماعا ويؤخر الصلاة إلى وقت مباح .اهـ .وإذا زال وقت الكراهة هل يكره الطواف قبل الصلاة لكل أسبوع ركعتين قال في البحر :لم أره وينبغي الكراهة لأن الأسابيع حينئذ صارت كأسبوع واحد .اهـ ولو تذكر ركعتي الطواف بعد شروعه في آخر فإن قبل تمام شوط رفضه وإلا أتم الطواف(ردالمحتار، ج۲ ص ۴۹۹، كتاب الحج، فصل في الاحرام وصفة المفرد)

[1] اور اسی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک اگر کسی نے عصر کی نماز کے بعد طواف کیا، تو اسے چاہئے کہ غروب کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھے، پہلے مغرب کی نماز اداء کرے، پھر طواف کی دو رکعتیں اداء کرے، پھر مغرب کی دو سنتیں اداء کرے، اور اگر کسی نے مغرب کی سنتیں پہلے پڑھ لیں، اور اس کے بعد طواف کی دو رکعتیں پڑھیں، تب بھی ادا ہو جاتی ہیں، بلکہ اگر غروب کے بعد نماز کھڑی ہونے میں کچھ وقت ہو، تو مغرب کی نماز سے پہلے پڑھنے سے بھی اداء ہو جاتی ہیں۔

ولو طاف بعد العصر يصلى المغرب، ثم ركعتي الطواف، ثم سنة المغرب(رد المحتار، ج۲، ص ۴۹۹، كتاب الحج)

[2] (ويركع للطواف) يعني في أوقات النهي، وممن طاف بعد الصبح والعصر وصلى ركعتين ابن عمر، وابن الزبير، وعطاء، وطاوس، وفعله ابن عباس، والحسن، والحسين، ومجاهد، والقاسم بن محمد، وفعله عروة بعد الصبح، وهذا مذهب عطاء، والشافعي، وأبي ثور .وأنكرت طائفة ذلك، منهم أبو حنيفة، ومالك .واحتجوا بعموم أحاديث النهي.

ولنا، ما روى جبير بن مطعم، أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :يا بني عبد مناف، لا تمنعوا أحدا طاف بهذا البيت، وصلى في أي ساعة شاء، من ليل أو نهار .رواه الأثرم، والترمذي، وقال :حديث صحيح .ولأنه قول من سمينا من الصحابة، ولأن ركعتي الطواف تابعة له، فإذا أبيح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵۳...... طواف کے بعد کی ان دو رکعتوں کا طریقہ دوسری عام نفل نمازوں کی طرح ہے، جن میں سورہ فاتحہ کے بعد جونسی سورتوں کی قرائت کرنا چاہیں، جائز ہے، البتہ اگر پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھی جائے، تو زیادہ بہتر ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۵۴...... اگر کسی نے طواف کے بعد دو رکعتوں کے بجائے ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھ لیں، تب بھی جائز ہے، اور اس سے بھی طواف کے بعد کی ان دو رکعتوں کا حکم پورا ہو جاتا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۵۵...... طواف کی ان دو رکعتوں کو حرم شریف میں پڑھتے ہوئے نمازی کو اپنے سامنے سُترہ قائم کرنا ضروری نہیں ہے، اگرچہ کوئی سامنے سے گزر ہی کیوں نہ رہا ہو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المتبوع ينبغي أن يباح التبع، وحديثهم مخصوص بالفوائت، وحديثنا لا تخصيص فيه، فيكون أولى(المغني لابن قدامة، ج۲،ص ۸۲، كتاب الصلاة،مسألة يركع للطواف)

أما حكم المسألة فقال أصحابنا لا تكره الصلاة بمكة في هذه الأوقات سواء في ذلك صلاة الطواف وغيرها هذا هو الصحيح المشهور عندهم وفيه وجه أنه انما تباح صلاة الطواف حكاه الخراسانيون وجماعة من العراقيين منهم الشيخ أبو حامد والبندنيجي والماوردي وحكاه صاحب الحاوي عن أبي بكر القفال الشاشي والمذهب الأول قال صاحب الحاوي وبه قال أبو إسحق المروزي وجمهور أصحابنا والمراد بمكة البلدة وجميع الحرم الذي حواليها وفي وجه إنما تباح في نفس البلدة دون باقي الحرم وفي وجه ثالث حكاه صاحب الحاوي عن القفال الشاشي إنما تباح في نفس المسجد الذي حول الكعبة لا فيما سواه من بيوت مكة وسائر الحرم والصحيح الأول صححه الأصحاب وحكاه صاحب الحاوي عن أبي اسحق المروزي هذا تفصيل مذهبنا وقال مالك وأبو حنيفة وأحمد لا تباح الصلاة بمكة في هذه الأوقات لعموم الأحاديث دليلنا حديث جبير والله أعلم(المجموع شرح المهذب، ج۴،ص ۱۷۹،باب الساعات التي نهى عن الصلاة فيها)

[1] وفي الفتاوى الظهيرية يقرأ في الركعة الأولى ب (قل يا أيها الكافرون)وفي الثانية ب (قل هو الله أحد)تبركا بفعل رسول الله -صلى الله عليه وسلم -وإن قرأ غير ذلك جاز(البحرالرائق، ج۲ص۳۲۷، كتاب الحج، باب الاحرام)

(قوله ثم صلى شفعا) أي ركعتين يقرأ فيهما الكافرون والإخلاص اقتداء بفعله -عليه الصلاة والسلام -نهر(ردالمحتار، ج۲ص۴۹۸،وص ۴۹۹، كتاب الحج، فصل في الاحرام)

[2] ولو صلى أكثر من ركعتين جاز(ردالمحتار، ج۲ص ۴۹۹، كتاب الحج، فصل في الاحرام وصفة المفرد)

کیونکہ مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۵۶...... طواف کی ان دو رکعتوں کے بعد اپنے اور مومنین کے لئے دعاء کرنا مستحب ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۵۷...... طواف کی ان دو رکعتوں کے بعد مقامِ ابراہیم کو چھونا یا اس کو بوسہ وغیرہ دینا شرعاً ثابت نہیں، اس لئے اس قسم کی حرکات سے پرہیز کرنا چاہئے، البتہ اس قسم کی حرکت کئے بغیر مقامِ ابراہیم کی زیارت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

بعض لوگ مقام ابراہیم کو بوسہ دیتے ہیں یا اس کا استلام کرتے ہیں حالانکہ ایسا کرنا لغو اور مکروہ حرکت ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا۔ [3]

مسئلہ نمبر ۵۸...... اگر کسی عورت کو قربانی کے دنوں میں (یعنی دس ذی الحجہ سے لے کر بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے کے دوران) حیض یا نفاس سے پاک ہونے کی حالت میں اتنا موقع مل گیا کہ وہ ان دنوں میں طوفِ زیارت کر سکتی تھی، مگر اس نے طوافِ زیارت نہیں کیا، اور اس نے بارہ ذی الحجہ کے بعد طوافِ زیارت کیا، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ جمہور فقہائے کرام اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک اس پر کسی

---

[1] ولا بأس أن يصليهما إلى غير سترة، ويمر بين يديه الطائفون من الرجال والنساء ، فإن النبى صلى الله عليه وسلم صلاهما والطواف بين يديه ليس بينه وبين الكعبة سترة، ويكفى عنهما مكتوبة وسنة راتبة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨ص ٣٤٢،مادة "مقام ابراهيم")

[2] ويستحب أن يدعو بعد صلاته خلف المقام بما يحتاج إليه من أمور الدنيا والآخرة، ويصلى ركعتى الطواف فى وقت يباح له أداء التطوع فيه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨، ٣٤١ مادة "مقام إبراهيم")

وإذا فرغ من صلاته يدعو للمؤمنين والمؤمنات(البحرالرائق، ج٢ص٣٢٧، كتاب الحج، باب الاحرام)

ويستحب له أن يدعو بعد صلاته خلف المقام بما يحتاج إليه من أمور الدنيا والآخرة، كذا فى التبيين(الفتاوىٰ الهندية، ج ١ ص ٢٢٦، كتاب المناسك،الباب الخامس)

[3] ولا يشرع تقبيل المقام ولا مسحه لعدم وروده(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨ص ٣٤٢،مادة "مقام ابراهيم")

صورت میں دَم واجب نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے نزدیک طوافِ زیارت کو بارہ ذی الحجہ سے مؤخر کرنے پر دَم واجب نہیں ہوا کرتا، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی عورت کو قربانی کے دنوں میں (یعنی دس ذی الحجہ سے لے کر بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے کے دوران) حیض یا نفاس جاری تھا، پھر بارہ ذی الحجہ کے غروب سے پہلے اس کا حیض ونفاس بند ہوگیا، تو اگر اتنی دیر پہلے بند ہوا کہ وہ غسل کر کے مسجدِ حرام میں پہنچ کر پورا طوافِ زیارت یا طوافِ زیارت کے کم از کم چار چکر ادا کرسکتی تھی، مگر اس نے ایسا نہیں کیا، اور بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہوگیا، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دَم واجب ہوگا، اور اس پر طوافِ زیارت کرنا بھی لازم ہوگا، اور اگر اس سے کم وقت ملا، یا ان تین دنوں میں پورے وقت حیض یا نفاس جاری رہا، تو دَم واجب نہیں ہوگا، اور وہ پاک ہونے کے بعد طوافِ زیارت کرے گی۔ [1]

---

[1] اور اگر عورت قربانی کے ابتدائی دنوں میں پاک تھی، اور اس نے طوافِ زیارت نہیں کیا، پھر آخر وقت میں اس کو حیض یا نفاس جاری ہوگیا، اور اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کو آخر وقت میں حیض یا نفاس جاری ہوجائے گا، تو پھر تاخیر پر دَم واجب نہیں ہوگا۔

ج -لو حاضت فی أيام النحر بعد أن مضت عليها فترة تصلح للطواف فأخرت طواف الإفاضة عن وقته بسبب الحيض وجب عليها دم بهذا التأخير عند الحنفية .أما إذا حاضت قبل يوم النحر أو بعده بوقت يسير لا يكفى للإفاضة فتأخر طوافها عن وقته بسبب ذلک فلا جزاء عليها ولا إثم.

ولا يتصور عند المالكية ذلک، لأن وقت طواف الإفاضة الواجب يمتد عندهم لآخر ذى الحجة، ولا عند الشافعية والحنابلة لأنه لا وقت يلزم الجزاء بتأخيره عنه عندهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٧٠، وص ١٧، مادة "حج")

فلو طهرت الحائض إن قدر أربعة أشواط ولم تفعل لزم دم وإلا لا(الدرالمختار)

(قوله إن قدر أربعة أشواط) أى إن بقى إلى غروب الشمس من اليوم الثالث من أيام النحر ما يسع طواف أربعة أشواط، والظاهر أنه يشترط مع ذلک زمن يسع خلع ثيابها واغتسالها ويراجع .اهـ .ح وعلى قياس بحثه ينبغى أن يشترط زمن قطع المسافة أن لو كانت فى بيتها ط.

قلت :وبالأخير صرح فى شرح اللباب وذلک كله مفهوم من قول البحر عن المحيط إذا طهرت فى آخر أيام النحر فإن أمكنها الطواف قبل الغروب ولم تفعل فعليها دم للتأخير وإن لم يمكنها طواف أربعة أشواط فلا شىء عليها اهـ فإن إمكان الطواف لا يكون إلا بعد الاغتسال وقطع المسافة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کسی عورت کو طوافِ زیارت کے بعد حیض یا نفاس آیا، تو پھر کوئی حرج نہیں، اور اگر روانگی تک اس کا حیض یا نفاس جاری رہا، تو اس سے طوافِ وداع بھی معاف ہوجاتا ہے، جیسا کہ طوافِ وداع کے بیان میں آتا ہے۔ ل

مسئلہ نمبر ۵۹......عورت کو حیض ونفاس کی حالت میں حج کے تمام کام کرنا جائز ہے، سوائے طواف کے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور حنفیہ کے نزدیک حیض کی کم از کم مدت تین دن اور تین رات اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن اور دس رات ہے، اور تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ آنے والا خون حیض کے بجائے استحاضہ یعنی بیماری والا خون ہے، جس میں غسل یا وضو کے بعد طواف کرنا گناہ نہیں۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک حیض کی کم از کم مدت ایک رات اور ایک دن، اور زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن اور پندرہ رات ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وفي البحر أيضا :ولو حاضت بعدما قدرت على الطواف فلم تطف حتى مضى الوقت لزمها الدم لأنها مقصرة بتفريطها اهـ أى بعدما قدرت على أربعة أشواط .زاد في اللباب فقولهم لا شيء عليها لتأخير الطواف مقيد بما إذا حاضت في وقت لم تقدر على أكثر الطواف أو حاضت قبل أيام النحر ولم تطهر إلا بعد مضيها، لكن إيجاب الدم فيما لو حاضت في وقته بعد ما قدرت عليه مشكل .لأنه لا يلزمها فعله في أول الوقت، نعم يظهر ذلك فيما لو علمت وقت حيضها فأخرته عنه تأمل(ردالمحتار، ج٢ص ٥١٩، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة)

(قوله وكذا إذا أخرت طواف الزيارة) أى إذا حاضت قبل أن تقدر على أكثر الطواف قال في اللباب ولو حاضت في وقت تقدر على أن تطوف أربعة أشواط فلم تطف لزمها دم للتأخير، ولو حاضت في وقت تقدر على أقل من ذلك لم يلزمها شيء فقولهم لا شيء على الحائض وكذا النفساء لتأخير الطواف مقيد بما إذا حاضت في وقت لم تقدر على أكثر الطواف، أو حاضت قبل أيام النحر ولم تطهر إلا بعد مضى أيام النحر اهـ.لما ذكره في اللباب أيضا من أنها لو طهرت في آخر أيام النحر ويمكنها طواف الزيارة كله أو أكثره قبل الغروب فلم تطف فعليها دم للتأخير، وإن أمكنها أقله فلم تطف لا شيء عليها(منحة الخالق، ج٢،ص٣٩٨،كتاب الحج،باب التمتع)

ل د -إن حاضت بعد الوقوف وطواف الزيارة فإنها تتم أعمال الحج، ثم تنصرف، ويسقط عنها طواف الوداع، إن فارقت مكة قبل أن تطهر اتفاقا بين العلماء ، ولا يجب عليها الفداء بتركه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٧٠، وص ١٧، مادة "حج")

اور مالکیہ کے نزدیک حیض کی کم از کم مدت کی کوئی تحدید نہیں، اور زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں تفصیل ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۰ ...... حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عورت کے (دوحیضوں کے درمیان) پاکی کا زمانہ کم از کم پندرہ دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک عورت کے (دوحیضوں کے درمیان) پاکی کا زمانہ کم از کم تیرہ دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] مدة الحيض :أقل مدة الحيض يوم وليلة عند الشافعية والحنابلة، وأكثرها خمسة عشر يوما بلياليها، وذلك لأنه ورد في الشرع مطلقا دون تحديد، ولا حد له في اللغة ولا في الشريعة، فيجب الرجوع فيه إلى العرف والعادة، كما في القبض والإحراز والتفرق وأشباهها .وقد وجد حيض معتاد يوما .قال عطاء :رأيت من النساء من تحيض يوما وتحيض خمسة عشر.

ويرى الحنفية أن أقل الحيض ثلاثة أيام ولياليها، وما نقص عن ذلك فهو استحاضة، وذلك لقوله عليه الصلاة والسلام :أقل حيض الجارية البكر والثيب ثلاثة أيام، وأكثر ما يكون عشرة أيام، فإذا زاد فهي مستحاضة، وعن أبي يوسف أنه يومان والأكثر من الثالث، إقامة للأكثر مقام الكل، وأكثر الحيض عشرة أيام ولياليها، والزائد استحاضة .

ويرى المالكية أنه لا حد لأقل الحيض بالزمان، وأكثره لمبتدأة غير حامل تمادى بها نصف شهر، وأكثره لمعتادة غير حامل سبق لها حيض ولو مرة ثلاثة أيام زيادة على أكثر عادتها أياما لا وقوعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۴، مادة "اجل")

[2] مدة الطهر :يرى الحنفية والمالكية والشافعية والثوري أن أقل الطهر بين الحيضتين خمسة عشر يوما، واستدل الحنفية على ذلك بقول النبي صلى الله عليه وسلم :أقل الحيض ثلاثة، وأكثره عشرة أيام، وأقل ما بين الحيضتين خمسة عشر يوما.منقول عن إبراهيم النخعي، وقد قيل : أجمعت الصحابة عليه؛ ولأنه مدة اللزوم، فكان كمدة الإقامة.واستدل الشافعية على ذلك بأن الشهر غالبا لا يخلو عن حيض وطهر، وإذا كان أكثر الحيض -على رأيهم -خمسة عشر يوما لزم أن يكون أقل الطهر كذلك، ولا حد لأكثر الطهر بالإجماع، فقد لا تحيض المرأة في عمرها إلا مرة، وقد لا تحيض أصلا.

ويرى الحنابلة أن أقل الطهر بين الحيضتين ثلاثة عشر، لما روى عن علي " :أن امرأة جاء ته، وقد طلقها زوجها، فزعمت أنها حاضت في شهر ثلاث حيض، طهرت عند كل قرء وصلت .فقال علي لشريح :قل فيها .فقال شريح :إن جاء ت ببينة من بطانة أهلها، ممن يرضى دينه وأمانته، فشهدت بذلك، وإلا فهي كاذبة .فقال علي :قالون "أي جيد، بالرومية .رواه الإمام أحمد بإسناده .وهذا لا يقوله إلا توقيفا، ولأنه قول صحابي انتشر، ولم يعلم خلافه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص ۱۴، وص ۱۵، مادة "اجل")

مسئلہ نمبر۶۱ ...... نفاس یعنی بچہ کی پیدائش کے بعد آنے والے خون کے کم از کم زمانہ کی کوئی مدت مقرر نہیں، بلکہ وہ بہت تھوڑے وقت کے لئے بھی آ کر بند ہوسکتا ہے، اور عورت پاک شمار ہوسکتی ہے۔

جہاں تک نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعلق ہے، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے، لہٰذا بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون چالیس دن سے متجاوز ہوجائے، یعنی اس مدت سے آگے بڑھ جائے، تو وہ نفاس کا خون شمار نہیں ہوتا۔ [1]

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

[1] اور بعض حضرات کے نزدیک نفاس کا زیادہ سے زیادہ زمانہ ساٹھ دنوں پر مشتمل ہوسکتا ہے۔

مدة النفاس :اتفق الفقهاء على أنه لا حد لأقل النفاس، فأى وقت رأت المرأة الطهر اغتسلت، وهى طاهر، واختلفوا فى أكثره :فيرى جمع من العلماء أن أكثر النفاس أربعون يوما .قال أبو عيسى الترمذى :أجمع أهل العلم من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ومن بعدهم على أن النفساء تدع الصلاة أربعين يوما، إلا أن ترى الطهر قبل ذلک، فتغتسل وتصلى .وقال أبو عبيد : وعلى هذا جماعة الناس، وروى هذا عن عمر وابن عباس وعثمان بن أبى العاص وعبد الله بن عمر وأنس وأم سلمة رضى الله عنهم، وبه قال الثورى وإسحاق والحنفية والحنابلة .واستدلوا بما روى أبو سهل كثير بن زياد عن مسة الأزدية عن أم سلمة قالت :كانت النفساء تجلس على عهد النبى صلى الله عليه وسلم أربعين يوما وأربعين ليلة.

وروى الحكم بن عتيبة عن مسة الأزدية عن أم سلمة أنها سألت النبى صلى الله عليه وسلم :كم تجلس المرأة إذا ولدت؟ قال :أربعين يوما، إلا أن ترى الطهر قبل ذلک رواه الدارقطنى، قال ابن قدامة :ولأنه قول من سمينا من الصحابة، ولم نعرف لهم مخالفا فى عصرهم فكان إجماعا، وقد حكاه الترمذى إجماعا، ونحوه حكى أبو عبيد.

ويرى المالكية والشافعية أن أكثره ستون يوما، وحكى ابن عقيل عن أحمد بن حنبل رواية مثل قولهما، لأنه روى عن الأوزاعى أنه قال :عندنا امرأة ترى النفاس شهرين، وروى مثل ذلک عن عطاء أنه وجده، والمرجع فى ذلک إلى الوجود، وقال الشافعية :إن غالبه أربعون يوما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۱۵، وص۱۶، مادة "اجل")

(باب نمبر ۱۱)

سعی کے فضائل واحکام

طوافِ زیارت سے پہلے (یعنی حج کا احرام باندھ کر کوئی بھی طواف کرنے کے بعد) اگر سعی نہ کی ہو، تو طوافِ زیارت کے بعد سعی کی جاتی ہے، اور سعی سے مراد صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر کاٹنا ہے۔ [1]

سعی سے متعلق احادیث وروایات

پہلے سعی کے سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے احکام ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهِ أَتَى الصَّفَا، فَعَلَا عَلَيْهِ حَتّٰى نَظَرَ إِلَى الْبَيْتِ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَحْمَدُ اللّٰهَ وَيَدْعُوْ بِمَا شَاءَ أَنْ يَّدْعُوَ (مسلم) [2]

ترجمہ: پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کرکے فارغ ہوگئے، تو صفا پر آئے، پھر صفا کے اتنے اوپر ہوگئے کہ جہاں سے بیتُ اللہ کو دیکھ سکتے ہوں، اور آپ نے اپنے ہاتھ (دعاء کے لئے) اُٹھائے، پھر اللہ کی حمد وثناء کی، اور دعاء کی جو دعاء آپ نے کرنی چاہی (مسلم، ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ طواف کے بعد صفا پر پہنچ کر بیتُ اللہ کی طرف نظر کرکے دعاء کے لئے

---

[1] الرابع :السعي بين الصفا والمروة :المراد بالسعي بين الصفا والمروة قطع المسافة بينهما سبع مرات، بعد أن يكون طاف بالبيت(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٣، مادة "حج")

[2] رقم الحديث ١٧٨٠ "٨٤"كتاب الجهاد والسير، باب فتح مكة، أبوداود، رقم الحديث ١٨٧٢.

ہاتھ اٹھانا چاہئے، اور حسبِ توفیق دعاء کرنی چاہئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَقِيَ عَلَى الصَّفَا، حَتّٰى إِذَا نَظَرَ إِلَى الْبَيْتِ كَبَّرَ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے، یہاں تک کہ آپ نے بیتُ اللہ پر نظر ڈالی، اور تکبیر کہی (یعنی اللہ اکبر پڑھا) (نسائی)

اس سے معلوم ہوا کہ صفا پر پہنچ کر بیتُ اللہ پر نظر ڈالتے ہوئے اللہ اکبر وغیرہ کا ذکر بھی کرنا چاہئے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

وَخَرَجَ إِلَى الصَّفَا، ثُمَّ قَرَأَ: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ، ثُمَّ قَالَ: نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ، فَرَقِيَ عَلَى الصَّفَا حَتّٰى إِذَا نَظَرَ إِلَى الْبَيْتِ كَبَّرَ، قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهٗ، وَصَدَقَ عَبْدَهٗ، وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ، ثُمَّ دَعَا، ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى هٰذَا الْكَلَامِ، ثُمَّ نَزَلَ حَتّٰى إِذَا انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِي الْوَادِي، رَمَلَ، حَتّٰى إِذَا صَعِدَ مَشٰى، حَتّٰى أَتَى الْمَرْوَةَ، فَرَقِيَ عَلَيْهَا، حَتّٰى نَظَرَ إِلَى الْبَيْتِ، فَقَالَ عَلَيْهَا كَمَا قَالَ عَلَى الصَّفَا (مسند أحمد) [2]

ترجمہ: اور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) صفا کی طرف نکلے، پھر یہ آیت قرائت کی کہ:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ.

---

[1] رقم الحديث ۲۹۷۱، كتاب مناسك الحج، باب موضع القيام على الصفا.

[2] رقم الحديث ۱۴۴۴۰، ابن خزيمة، رقم الحديث ۲۷۵۷.

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

پھر فرمایا کہ ہم اُسی کے ساتھ (سعی کرنے کی) ابتداء کریں گے، جس کے ساتھ اللہ نے ابتداء کی (یعنی صفا سے) پھر آپ صفا پر چڑھے، یہاں تک کہ آپ نے بیتُ اللہ پر نظر ڈالی، آپ نے تکبیر یعنی اللہ اکبر پڑھ کر یہ کلمات پڑھے کہ:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَنْجَزَ وَعْدَهٗ، وَصَدَقَ عَبْدَهٗ، وَغَلَبَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ .

پھر آپ نے دعاء کی، پھر یہی کلمات پڑھے، پھر آپ (صفا سے) نیچے اُترے، یہاں تک کہ جب وادی کے بیچ میں (یعنی میلین اخضرین کے قریب) آپ کے قدم پہنچ گئے، تو آپ نے تیز چلنا شروع کیا، یہاں تک کہ جب آپ (وادی سے) اوپر چڑھے (یعنی میلین اخضرین کا فاصلہ ختم ہوگیا) تو آپ حسبِ معمول چلے (یعنی رفتار کی تیزی ختم کردی) یہاں تک کہ مروہ پر پہنچ گئے، پھر آپ مروہ پر چڑھے، یہاں تک کہ آپ نے بیتُ اللہ پر نظر ڈالی، اور یہاں وہی کلمات پڑھے، جو صفا پر پڑھے تھے (مسند احمد، ابن خزیمہ)

اس سے معلوم ہوا کہ سعی کا آغاز صفا سے کرنا چاہئے، اور بیتُ اللہ پر نظر ڈالتے ہوئے تکبیر کے ساتھ مذکورہ کلمات کا پڑھنا بھی سنت ہے، اور میلین اخضرین کے درمیان مرد حضرات کو کچھ تیز چلنا چاہئے، اور ہر مرتبہ صفا اور مروہ پر پہنچ کر بیتُ اللہ کی طرف نظر کر کے اللہ کا ذکر اور مذکورہ کلمات کا وِرد یا جو دعاء ممکن ہو، اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

اَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الصَّفَا، وَالْمَرْوَةِ يَقُوْلُ: كُتِبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيُ فَاسْعَوْا (مسند احمد، رقم الحديث ۲۷۴۶۳) [1]

---

[1] فی حاشية مسند احمد: حديث حسن.

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صفا اور مروہ کے درمیان یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارے اوپر سعی فرض کردی گئی ہے، تو تم سعی کرو (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ سعی کا عمل کوئی سنت درجہ کا عمل نہیں ہے، بلکہ فرض یا واجب درجہ کا عمل ہے، جس کی تفصیل آگے سعی سے متعلق مسائل کے ضمن میں آتی ہے۔

سعی سے متعلق مسائل

احادیث وروایات کے بعد اب سعی کے سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... سعی کے لغت میں معنیٰ ''چلنے، عمل کرنے'' وغیرہ کے آتے ہیں، اور عربی میں اس لفظ کا استعمال ''تیز چلنے'' اور ''دوڑنے'' کے معنیٰ میں بھی ہوتا ہے۔

اور شریعت کی خاص زبان میں ''سعی'' کے معنیٰ ''صفا اور مروہ'' کے درمیان چلنے اور چکر لگانے کے آتے ہیں۔ [۱]

---

[۱] اور بعض اوقات عربی میں طواف کا لفظ بول کر بھی سعی مراد لیا جاتا ہے۔

السعي لغة :من سعى يسعى سعيا؛ أي :قصد أو عمل أو مشى أو عدا، ويستعمل كثيرا في المشي.

ووردت المادة في القرآن بما يفيد معنى الجد في المشي، كقوله تعالى في صلاة الجمعة :(فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع) وقال تعالى :(وجاء من أقصى المدينة رجل يسعى قال يا قوم اتبعوا المرسلين)

والسعي في الاصطلاح :قطع المسافة الكائنة بين الصفا والمروة سبع مرات ذهابا وإيابا بعد طواف في نسك حج أو عمرة.

الألفاظ ذات الصلة:

أ -الطواف:الطواف هو الدوران حول الكعبة على الصفة المعروفة .واستعمل أيضا بمعنى السعي في نص القرآن :(إن الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت أو اعتمر فلا جناح عليه أن يطوف بهما) أي :يسعى.

وفي الأحاديث كحديث جابر :حتى إذا كان آخر طوافه على المروة أي: آخر سعي النبي صلى الله عليه وسلم.

وتقدم الطواف شرط لصحة السعي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۱۱، وص۱۲، ماده سعي)

مسئلہ نمبر۲...... سعی کا حکم قرآن وسنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... حنفیہ کے نزدیک سعی کرنا حج وعمرہ کے رُکن میں تو داخل نہیں، البتہ حج وعمرہ کے واجب میں داخل ہے، جس کے ترک کرنے پر دَم سے تلافی ہوجاتی ہے۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام (شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ) کے نزدیک سعی کرنا حج وعمرہ کے رکن میں داخل ہے، جس کی ادائیگی کے بغیر حج وعمرہ صحیح نہیں ہوتا، اور اس کی تلافی کسی دَم وغیرہ سے نہیں ہوتی۔ [2]

---

[1] الأصل فی مشروعیة السعی الکتاب والسنة .أما الکتاب فقوله تعالی :(إن الصفا والمروة من شعائر الله) الآیة.

وأما السنة فما ورد من أن النبی صلی الله علیه وسلم سعی فی حجه بین الصفا والمروة وقال :اسعوا فإن الله کتب علیکم السعی.

وقد وضعت الشریعة السعی علی مثال سعی السیدة هاجر عندما سعت بینهما سبع مرات لطلب الماء لابنها کما فی حدیث البخاری عن ابن عباس مرفوعا، وفی آخره قال ابن عباس :قال النبی صلی الله علیه وسلم: فذلک سعی الناس بینهما (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۵، ص۱۲، مادة "سعی" أصل السعی)

[2] الحکم التکلیفی:ذهب المالکیة والشافعیة والحنابلة فی المعتمد عندهم إلی أن السعی رکن من أرکان الحج والعمرة، لا یصحان بدونه .وهو قول عائشة وعروة بن الزبیر.

وذهب الحنفیة والحنابلة فی روایة إلی أن السعی واجب فی الحج والعمرة، ولیس برکن فیهما، فمن ترکه لغیر عذر وجب علیه الدم، وإن ترکه لعذر فلا شیء علیه، وهو مروی عن الحسن البصری وسفیان الثوری.

وروی عن أحمد بن حنبل أنه سنة لا یجب بترکه دم، وروی ذلک عن ابن عباس وأنس، وابن الزبیر وابن سیرین.

وسبب الخلاف أن الآیة الکریمة :(إن الصفا والمروة من شعائر الله . . .) لم تصرح بحکم السعی، فآل الحکم إلی الاستدلال بالسنة وبحدیث :اسعوا فإن الله کتب علیکم السعی.

وفی الصحیحین عن أبی موسی الأشعری رضی الله عنه قال :قدمت علی النبی صلی الله علیه وسلم وهو بالبطحاء فقال :بما أهللت؟ قلت :أهللت بإهلال النبی صلی الله علیه وسلم .قال :هل سقت من هدی؟ قلت :لا .قال :فطف بالبیت وبالصفا والمروة، ثم حل.

فاستدل بذلک المالکیة والشافعیة ومن وافقهم علی الفرضیة؛ لأن "کتب "بمعنی فرض؛ ولأنه صلی الله علیه وسلم أمر أبا موسی بالسعی ورتب علیه الحل فیکون فرضا.

واستدل به الحنفیة علی الوجوب؛ لأنه کما قال الکمال بن الهمام " :مثله لا یزید علی إفادة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... حج کی سعی کا اصل وقت دس ذی الحجہ کو طوافِ زیارت کے بعد شروع ہوجاتا ہے۔

البتہ حجاج کرام کی سہولت کے لئے حج کا احرام باندھنے کے بعد طواف کر کے بھی سعی کرنے کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا اور آگے بھی آتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۵...... سعی کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ صفا سے سعی کا آغاز کیا جائے، اگر کسی نے صفا کے بجائے مروہ سے سعی کا آغاز کیا، تو اگرچہ اس کی وجہ سے کوئی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الوجوب، وقد قلنا به .أما الركن فإنما يثبت عندنا بدليل مقطوع به .فإثباته بهذا الحديث إثبات بغير دليل ."يعني بغير دليل يصلح لإثبات الركنية .واستدل للقول بالسنية بقوله تعالى :(فلا جناح عليه أن يطوف بهما) .ونفي الحرج عن فاعله دليل على عدم وجوبه، فإن هذا رتبة المباح، وإنما تثبت سنيته بقوله تعالى :(من شعائر الله) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۱۳، ماده سعی)

[1] پھر اگر کوئی حاجی ایسا ہو کہ اس نے طوافِ قدوم کرنا ہو، تو طوافِ قدوم کے بعد، ورنہ حج کا احرام باندھ کر نفلی طواف کے بعد حج کی سعی کر لینا جائز ہے، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ سعی بغیر طواف کے مشروع نہیں، اور حج کی سعی ادا ہونے کے لئے حج کا احرام بھی ضروری ہے۔

وقت السعي الأصلي هو يوم النحر بعد طواف الزيارة لا بعد طواف القدوم؛ لأن ذلك سنة، والسعي واجب، فلا ينبغي أن يجعل الواجب تبعا للسنة، فأما طواف الزيارة ففرض، والواجب يجوز أن يجعل تبعا للفرض .إلا أنه رخص في السعي بعد طواف القدوم، وجعل ذلك وقتا له ترفيها للحاج وتيسيرا عليه، لازدحام الاشتغال له يوم النحر.

فأما وقته الأصلي فيوم النحر عقيب طواف الزيارة، وتقدم طواف القدوم ليس شرطا عند الحنفية، بل الشرط سبق السعي بالطواف ولو نفلا.

وقريب من ذلك مذهب الجمهور .إلا أن المالكية شرطوا لعدم وجوب الدم أن يكون بعد طواف واجب ونوى وجوبه، وطواف القدوم عندهم واجب.

وخص الشافعية والحنابلة وقت السعي أنه بعد طواف ركن أو قدوم.

هذا كله بالنسبة للحاج المفرد الآفاقي، فإنه يشرع له طواف القدوم .أما المكي المفرد ومثله المتمتع الآفاقي فليس لهما طواف قدوم؛ لأنهما يحرمان بالحج من مكة، فلا يقدمان السعي عند الجمهور، إلا عند المالكية فيمكن لهما أن يطوفا نفلا ويسعيا بعده ويلزمهما دم.

أما عند الحنفية فيمكن لهما أن يفعلا ذلك ولا شيء عليهما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۱۶و۱۷، ماده سعی)

المتمتع بعد إحرام الحج تنفل بطواف ثم سعى بعده سقط عنه سعي الحج (منحة الخالق، ج۲، ص۳۹۱، كتاب الحج، باب التمتع)

دَم وغیرہ واجب نہیں ہوگا، مگر یہ چکر لغو شمار ہوگا، اور صفا سے مروہ کی طرف کا چکر سعی کا پہلا چکر کہلائے گا۔ [1]

اور اگر اس نے اس چکر کا اعادہ نہیں کیا، تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے سعی کے چھ چکر ادا کئے، اور فقہائے کرام کے نزدیک جو حکم سعی کا ایک چکر چھوڑنے والے کا ہے، وہی حکم اس کا ہوگا۔ [2]

---

[1] ب -الترتيب بين الصفا والمروة بأن يبدأ بالصفا فالمروة، حتى يختم سعيه بالمروة، اتفاقا بينهم.
فلو بدأ بالمروة لغا هذا الشوط واحتسب الأشواط ابتداء من الصفا، وذلك لفعله صلى الله عليه وسلم كما سبق في حديث جابر، وقوله :أبدأ بما بدأ الله به، فبدأ بالصفا، وروى الحديث بصيغة الأمر ابدء وا بما بدأ الله به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۱۶، مادة "سعى")

[2] مشائخ حنفیہ کے مروہ سے سعی کا آغاز کرنے کے حکم کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول شرط ہونے کا، دوسرا وجوب کا، تیسرا سنیت کا۔
حنفیہ کے اکثر متون وفتاویٰ اور لُباب میں شرط کے قول کو اختیار کیا گیا ہے، اور الاصل کی ظاہر الروایۃ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔
لیکن شارحِ لُباب نے من حیث الدلیل وجوب کے قول کو اعدل ومختار قرار دیا ہے۔
مگر اس قول کا نہ تو حنفیہ کی ظاہر الروایۃ اور متون وفتاویٰ کے مطابق مختار ہونا ثابت ہوتا، اور نہ دلیل کے اعتبار سے مختار ہونا ثابت ہوتا، کیونکہ قرآن مجید میں صفا کا مروہ سے پہلے ذکر آیا ہے، اور احادیث میں بھی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی ذکر کردہ ترتیب کے مطابق سعی کرنے کا حکم آیا ہے، اور یہ حکم امورِ تعبدیہ میں سے ہے، جو کہ شریعت سے ثابت شدہ حکم کے مطابق عمل کرنے سے ہی عبادت بنتا ہے، بالخصوص جبکہ نہ اس کے لئے پاکی شرط ہے، اور نہ نیت وغیرہ۔
ان حالات میں سعی کے عبادت بننے کے لئے شریعت سے ثابت شدہ طریقہ پر اس کی ادائیگی شرط ہونی چاہئے۔
ولو بدأ بالمروة لا يعتد به بالإجماع، وشذ عطاء بن أبي رباح فقال :إن بدأ فيه بالمروة أجزأ (البناية شرح الهداية، ج۴، ۲۰۷، كتاب الحج، حكم السعي بين الصفا والمروة وكيفيته)
وإن بدأ بالمروة وختم بالصفا حتى فرغ أعاد شوطا واحدا لأن الذى بدأ فيه بالمروة ثم أقبل منها إلى الصفا لا يعتد به (الاصل المعروف بالمبسوط للشيباني، ج۲ص۴۰۷، باب السعي بين الصفا والمروة)
(قال) وإن بدأ بالمروة وختم بالصفا حتى فرغ أعاد شوطا واحدا؛ لأن الذى بدأ بالمروة فيه ثم أقبل منها إلى الصفا لا يعتد به، ومعنى هذا أن افتتاح هذا الطواف مشروع من الصفا على ما روينا أنه لما سئل رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بأيهما نبدأ فقال ابدء وا بما بدأ الله تعالى، وإذا افتتح من غير موضع الافتتاح لا يعتد بطوافه حتى يصل إلى موضع الافتتاح ثم المعتد به يبقى بعد ذلك فعليه إتمامه بشوط آخر كما لو افتتح الطواف من غير الحجر (المبسوط للسرخسي، ج۴ص۵۰، باب السعي بين الصفا والمروة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۷ ...... سعی کے ساتوں چکر بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک سعی کے ارکان میں داخل ہیں، لہٰذا جب تک سعی کے ساتوں چکر مکمل نہ کئے جائیں، تو حج ادا نہیں ہوتا، اور جس طرح سے ان کے نزدیک پوری سعی کی تلافی دَم وغیرہ سے نہیں ہوسکتی، اسی طرح سعی کے کسی حصے کی تلافی بھی دَم وغیرہ سے نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کو بہرحال ادا کرنا ہی ضروری ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فلو بدأ بالمروة لم يعتد بالأول هو الأصح(الدر المختار مع ردالمحتار، ج٢ص ٥٠١، كتاب الحج،فصل فى الإحرام وصفة المفرد)

(قوله بدأ بالمروة لا يعتد بالأول) هذا يفيد أن البداء ة بالمروة شرط لا أنه واجب وهو أحد أقوال ثلاثة فإنه قيل إنه شرط، وقيل واجب وقيل سنة ومشى فى اللباب على الأول، وقال شارحه الأعدل المختار من حيث الدليل الوجوب فيصح أداؤه لكن يعاقب عليه دون عقاب ترك الفرض وعلى الأول لا يصح وتمام تحقيقه هناك(منحة الخالق على البحر الرائق،ج٢،٣٥٨،كتاب الحج)

إذا سعى معكوساً بأن بدأ بالمروة، فمن أصحابنا رحمهم الله من قال :يعتد به ولكن يكره، والصحيح أنه لا يعتد بالشوط الأول لا لكونه معكوساً لكن؛ لأن الواجب هناك صعود الصفا أربع مرات، وصعود المروة ثلاث مرات، فإذا بدأ بالمروة، فإنما صعد الصفا ثلاث مرات، فعليه أن يصعده مرة أخرى فلا يمكنه ذلك إلا بإعادة شوط واحد بين الصفا والمروة، فأما ها هنا ما ترك شيئاً من أصل الواجب عليه، وقد دار حول البيت سبع مرات فلهذا كان طوافه معتداً به(المحيط البرهانى، ج٢ص ٤٦١، كتاب المناسك، الفصل الثامن :فى الطواف والسعى)

ومنها البداية بالصفا، والختم بالمروة فى الرواية المشهورة حتى لو بدأ بالمروة، وختم بالصفا لزمه إعادة شوط واحد.

وروى عن أبى حنيفة -رحمه الله -تعالى أن ذلك ليس بشرط، ولا شيء عليه لو بدأ بالمروة، وجه هذه الرواية أنه أتى بأصل السعى، وإنما ترك الترتيب فلا تلزمه الإعادة، كما لو توضأ فى باب الصلاة وترك الترتيب.

(ولنا) أن الترتيب ههنا مأمور به لقول النبى -صلى الله عليه وسلم -وفعله، أما قوله فلما روى أنه لما نزل قوله عز، وجل (إن الصفا والمروة من شعائر الله)قالوا بأيهما نبدأ يا رسول الله؟ فقال -صلى الله عليه وسلم -ابدء وا بما بدأ الله به .

وأما فعله -صلى الله عليه وسلم -فإنه بدأ بالصفا، وختم بالمروة، وأفعال النبى -صلى الله عليه وسلم -فى مثل هذا موجبة لما تبين، وإذا لزمت البداية بالصفا فإذا بدأ بالمروة إلى الصفا لا يعتد بذلك الشوط فإذا جاء من الصفا إلى المروة كان هذا أول شوط فيجب عليه أن يعود بعد ستة من الصفا إلى المروة حتى يتم سبعة(بدائع الصنائع، ج٢ص ١٣٤، ١٣٥، كتاب الحج،فصل شرائط جواز السعى)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے نزدیک سعی کے چار چکر تو سعی کے ارکان میں داخل ہیں، اور باقی تین چکر واجب ہیں، لیکن کیونکہ حنفیہ کے نزدیک خود سعی کرنا رُکن وفرض نہیں، بلکہ واجب ہے، اس لئے اگر کسی نے سعی کے چار سے کم چکر ادا کئے، تو ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا کہ اس نے سعی نہیں کی، اس لئے اس پر دَم واجب ہوگا، مگر یہ کہ وہ یہ چکر ادا کرلے، اور اگر کم از کم چار چکر ادا کر لئے اور بقیہ تین یا دو یا ایک چکر چھوڑ دیا، تو دَم تو واجب نہیں ہوگا، لیکن چھوٹے ہوئے ہر ایک چکر کے بدلہ میں صدقہ کی شکل میں فدیہ واجب ہوگا، مگر یہ کہ وہ یہ چھوٹے ہوئے چکر بعد میں ادا کر لے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فلو بدأ بالمروة لا يعتد بالشوط الأول فى الصحيح(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ۱، ۲۷۴، كتاب الحج)

فلو بدأ بالمروة لا يعتد بالشوط الأول فى الأصح(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ۱، ص ۷۲۹، كتاب الحج)

ولو بدأ بالمروة لا يعتد بالشوط الأول فى الأصح(الدر المختار)

(قوله فى الأصح) مقابله ما قاله الكرمانى أنه يعتد به لكنه يكره لترك السنة، وتستحب إعادة ذلك الشوط لتكون البداء ة على وجه السنة، ومشى فى اللباب على أنه شرط لصحة السعى، فعدم الاعتداد بالشوط الأول يتفرع عليه، وعلى القول بالوجوب لأن المراد بعدم الاعتداد به لزوم إعادته أو لزوم الجزاء على تقدير عدمها وإنما الفرق من حيث إنه إذا لم يعد الشوط الأول يلزمه الجزاء لترك السعى على القول بالشرطية لأنه لا صحة للمشروط بدون شرطه، ولترك الشوط الأول على القول بالوجوب الذى هو الأعدل المختار من حيث الدليل، كما فى شرح اللباب، وقد يقال إنه إذا لم يعتد بالأول حصل البداء ة بالصفا بالثانى فقد وجد الشرط، ولا يتصور تركه إنما يكون تاركا لآخر الأشواط إلا إذا أعاد الأول، وكون ذلك شرطا لا ينافى الوجوب إذ لا يلزم من كون الشىء شرطا لآخر تتوقف عليه صحته أن يكون ذلك الشىء فرضا كما قدمناه فى الحلق خلافا لما فهمه فى شرح اللباب هنا، وفى الحلق ولو كان فرضا لزم فرضية السعى، أو فرضية بعضه ووجوب باقيه مع أنه كله واجب يجبر بدم وحينئذ تعين القول بالوجوب إذ لا ثمرة تظهر على القول بالشرطية كما نص عليه فى المنسك الكبير وإن استغربه القارى فى شرح اللباب والله تعالى أعلم بالصواب(ردالمحتار، ج۲ص ۴۶۹، ۴۷۰، كتاب الحج)

[1] وركن السعى سبعة أشواط عند الجمهور، وأربعة عند الحنفية والباقى واجب عندهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰، ص ۳۲۲، مادة " عمرة ")

ركن السعى: ذهب الجمهور إلى أن السعى ركن فى الحج أو العمرة، قالوا :إن القدر الذى لا يتحقق السعى بدونه :سبعة أشواط يقطعها بين الصفا والمروة، لفعل النبى صلى الله عليه وسلم ولإجماع الأمة سلفا فخلفا على السعى كذلك. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۷...... جو شخص پیدل چل کر سعی کرنے پر قادر ہو تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کو پیدل سعی کرنا واجب ہے، اور بلا عذر پیدل سعی کرنے کی صورت میں دم واجب ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پیدل سعی کرنا سنت ہے، اور اس کی خلاف ورزی میں ان کے نزدیک کوئی گناہ یا دَم وغیرہ واجب نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وقال الحنفية :يكفي لإسقاط الواجب أربعة أشواط؛ لأنها أكثر السعي، وللأكثر حكم الكل، فلو سعى أقل من أربعة أشواط فعليه دم عند الحنفية؛ لأنه لم يؤد الواجب، أما عند الجمهور فيجب عليه العود لأداء ما نقص ولو كان خطوة، ولا يتحلل من إحرامه إلا بذلك.

ويحصل الركن بكون السعي بين الصفا والمروة في الأشواط المفروضة، سواء كان بفعل نفسه أو بفعل غيره، ولا يشترط الرقي عليهما بل يكفي أن يلصق عقبيه بهما، وكذا عقبي حافر دابته إذا كان راكبا، وهذا هو الأحوط، أو يلصق عقبيه في الابتداء بالصفا وأصابع رجليه بالمروة، وفي الرجوع عكسه، وهذا هو الأظهر.

لكن تصويرهما إنما كان يتصور في العهد الأول حيث يوجد كل من الصفا والمروة مرتفعا عن الأرض، وأما في هذا الزمان فلكونه قد دفن كثير من أجزائهما لا يمكن حصول ما ذكر فيهما، فيكفي المرور فوق أوائلهما

ثم هذا فرض عند الجميع، وهو الظاهر في تحقيق مذهب الحنفية في الأشواط الأربعة التي هي ركن الطواف الواجب عندهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۱۴، وص۱۵، ماده سعی)

ب -إكمال الأشواط الثلاثة الأخيرة عند الحنفية؛ لأن الأقل من السبعة واجب عند الحنفية، فلو ترك الأقل وهو ثلاثة أشواط فما دون ذلك صح سعيه وعليه صدقة لكل شوط عندهم .أما الجمهور فكل هذه الأشواط السبعة ركن عندهم لا يجوز أن تنقص ولو خطوة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۱۸، ماده سعی، واجبات السعی)

حكم السعي: ذهب الأئمة الثلاثة إلى أن السعي ركن من أركان الحج لا يصح بدونه، حتى لو ترك الحاج خطوة منه يؤمر بأن يعود إلى ذلك الموضع فيضع قدمه عليه، ويخطو تلك الخطوة .وهو قول عائشة وعروة بن الزبير.

وذهب الحنفية إلى أن السعي واجب في الحج وليس بركن، وهو مذهب الحسن البصري وسفيان الثوري .وركن السعي عند الجمهور سبعة أشواط، حتى لو ترك شيئا منها لم يتحلل من إحرامه، أما الحنفية فإن ركن السعي أكثر أشواط السعي، والثلاثة الباقية ليست ركنا، وتنجبر بالفداء.

والمشي للقادر واجب في السعي عند الحنفية والمالكية، سنة عند الشافعية والحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۳، مادة "حج")

[1] رابعا :واجبات السعي:أ -المشي للقادر عليه عند الحنفية .وذهب الجمهور إلى أنه سنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۰، مادة "حج")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اگر کسی نے بغیر عذر کے دوسرے کی پشت یا سواری (وھیل چیئر وغیرہ) پر سوار ہوکر سعی کی، تو سعی تو سب فقہائے کرام کے نزدیک ادا ہوجائے گی، لیکن حنفیہ کے نزدیک اس پر اس سعی کا اعادہ ورنہ دَم واجب ہوگا۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔

مگر یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ بلا عذر سوار ہوکر سعی کی ہو، اور اگر کوئی بیماری، کمزوری اور غیر معمولی تھکن، یا بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے سوار ہوکر سعی کرے، تو اس میں کسی کے نزدیک بھی کوئی حرج ودَم نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... سعی اور طواف کے درمیان موالات یعنی طواف کے فوراً بعد سعی کرنا اور سعی کی نیت کرنا، اور سعی کو پاکی کی حالت میں کرنا اور مرد کو میلین اخضرین کے درمیان تیز دوڑنا اور سعی کے تمام چکروں کو پے درپے یعنی لگاتار کرنا، یہ تمام چیزیں سعی کے فرائض یا واجبات

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ویجب المشی فی السعی علی القادر علیه عند الحنفیة، والمالکیة، ویسن عند الشافعیة والحنابلة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۰، ص۳۲۲، مادة "عمرة")

أو سعی بین الصفا والمروة راکباً أو محمولاً إن کان کذلک من عذر یجزئه، ولا یلزمه شیء، وإن کان من غیر عذر، فما دام یمکنه، فإنه یعید، وإذا رجع إلی أهله، فإنه یریق لذلک دماً عندنا(المحیط البرهانی، ج۲، ص۴۶۱، الفصل الثامن :فی الطواف والسعی)

[1] واجبات السعی:أ -المشی بنفسه للقادر علیه، وهذا عند المالکیة والحنفیة، وعند الشافعیة والحنابلة هو سنة.

فلو سعی راکبا أو محمولا أو زحفا بغیر عذر صح سعیه باتفاقهم جمیعا، لکن علیه الدم عند الحنفیة والمالکیة؛ لترکه المشی فی السعی بغیر عذر، وهو واجب عندهم، أو إعادة السعی.

ولا یلزمه شیء عند الشافعیة والحنابلة ولو مشی بغیر عذر؛ لأن المشی فی السعی سنة عندهم.

بل صرح الشافعیة بأن الأفضل أن لا یرکب فی سعیه إلا لعذر کما سبق فی الطواف؛ لأن المشی أشبه بالتواضع .واتفقوا علی أن السعی راکبا لیس بمکروه لکنه خلاف الأفضل.

ولو سعی به غیره محمولا جاز، لکن الأولی سعیه بنفسه إن لم یکن صبیا صغیرا أو له عذر کمرض ونحوه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۵، ص۱۸، مادة "سعی")

میں داخل نہیں، بلکہ سنت یا مستحبات میں داخل ہیں، جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۹...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک سعی درست ہونے کے لئے صرف صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا عمل کرنا کافی ہے، دل میں سعی کی نیت کرنا ضروری نہیں، البتہ نیت کرنا سنت ہے، لہٰذا اگر کوئی بغیر نیت کے (مثلاً کسی کو تلاش کرنے کی غرض سے) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرلے، تو اس کی سعی ادا ہوجاتی ہے، اور اس پر دَم وغیرہ واجب نہیں ہوتا۔ [2]

مسئلہ نمبر۱۰......سعی نیچے کی منزل کے علاوہ اوپر کی منزلوں میں بھی کرنا جائز ہے۔ [3]

---

[1] وتسن الموالاة بين السعي والطواف، ونية السعي، والسعي الشديد بين الميلين الأخضرين، كما تسن الموالاة بين أشواط السعي عند الجمهور، وهي شرط لصحة السعي عند المالكية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰،ص ۳۲۲،مادة " عمرة ")

[2] ب -النية :هي سنة في السعي عند الجمهور، والراجح عند الحنفية، وقيل عند الحنفية إنها مستحبة .خلافا للحنابلة القائلين باشتراطها .قال علي القاري " :ولعلهم أدرجوا فيه السعي في ضمن التزام الإحرام بجميع أفعال المحرم به.

فلو مشى من الصفا إلى المروة هاربا أو بائعا أو متنزها أو لم يدر أنه سعي، جاز سعيه .وهذه توسعة عظيمة، كعدم شرط نية الوقوف بعرفة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۱۹، مادة "سعي" ،سنن السعي ومستحباته)

[3] فمعنى قوله :(وسقفها) أن السقف تابع للأسفل، وفرّع على هذا مسألة السعي بين الصفا والمروة في الدور الثاني، فإنه مفرَّع على مسألة من ملك أرضاً ملك سماء ها وبناء ها (شرح زاد المستقنع للشنقيطي، كتاب البيع، ما يتبع الدور والبنيان عند بيعها)

الحمد لله وحده ، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده وبعد :

فبناء على الخطاب الوارد لفضيلة رئيس إدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد من معالي وزير العدل رقم (۲۶۷)وتاريخ۱۳۹۳/۳/۲۳هـ المبني على خطاب سمو نائب وزير الداخلية رقم(۱۰۶۱۲/۲۶)وتاريخ ۱۳۹۳/۳/۲۱هـ بخصوص الرغبة في إبداء الحكم الشرعي في (حكم السعي فوق سقف المسعى) ليكون وسيلة من وسائل علاج ازدحام الحجاج أيام الموسم ، وبناء على ما رآه فضيلته من إدراج هذا الموضوع في جدول أعمال هيئة كبار العلماء في دورتها الرابعة فقد تم إدراج ذلك ، وفي تلك الدورة جرى الاطلاع على أوراق المعاملة المتعلقة بالاستفتاء ، كما جرى الاطلاع على البحث المقدم من الأمانة العامة لهيئة كبار العلماء ، والمعد من اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء .

وبعد دراسة المسألة ، واستعراض أقوال أهل العلم في حكم الطواف والسعي والرمي راكبا ، والصلاة إلى هواء الكعبة أو قاعها ، وكذا حكم الطواف فوق أسطحة الحرم وأروقته ، وحكمهم بأن من ملك أرضا ملك أسفلها وأعلاها . ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۱...... سعی کا باوضو ہونا اور جنابت ونجاست سے پاک ہوکر کرنا فرض یا واجب درجہ کا عمل نہیں، بلکہ سنت ومستحب ہے۔

لہٰذا اگر کوئی بغیر وضو کے یا جنابت کی حالت میں یا ناپاک جسم یا ناپاک لباس میں سعی کرے، تو بھی سعی ادا ہو جاتی ہے۔

اور اسی وجہ سے عورت کو حیض ونفاس کی حالت میں بھی سعی کرنا درست ہے۔

جبکہ اس حالت میں طواف کرنا درست نہیں، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وبعد تداول الرأى والمناقشة انتهى المجلس بالأكثرية إلى الإفتاء بجواز السعي فوق سقف المسعى عند الحاجة ، بشرط استيعاب ما بين الصفا والمروة ، وأن لا يخرج عن مسامتة المسعى عرضا لما يأتى :

۱ ۔ لأن حكم أعلى الأرض وأسفلها تابع لحكمها فى التملك والاختصاص ونحوهما ، فللسعى فوق سقف المسعى حكم السعي على أرضه .

۲ ۔ لما ذكره أهل العلم من أنه يجوز للحاج والمعتمر أن يطوف بالبيت ويسعى بين الصفا والمروة راكبا لعذر باتفاق ، ولغير عذر على خلاف من بعضهم ، فمن يسعى فوق سقف المسعى يشبه من يسعى راكبا بعيرا ونحوه ، إذ الكل غير مباشر للأرض فى سعيه ، وعلى رأى من لا يرى جواز السعي راكبا لغير عذر ، فإن ازدحام السعاة فى الحج يعتبر عذرا يبرر الجواز .

۳ ۔ أجمع أهل العلم على أن استقبال ما فوق الكعبة من هواء فى الصلاة كاستقبال بنائها ، بناء على أن العبرة بالبقعة لا بالبناء ، فالسعي فوق سقف المسعى كالسعي على أرضه .

۴ ۔ اتفق العلماء على أنه يجوز الرمى راكبا وماشيا ، واختلفوا فى الأفضل منهما ، فإذا جاز رمى الجمرات راكبا جاز السعي فوق سقف المسعى ، فإن كلا منهما نسك أدى من غير مباشرة مؤدية للأرض التى أداه عليها ، بل السعي فوق السقف أقرب من أداء أى شعيرة من شعائر الحج أو العمرة فوق البعير ونحوه ؛ لما فى البناء من الثبات الذى لا يوجد فى المراكب .

۵ ۔ لأن السعي فوق سقف المسعى لا يخرج عن مسمى السعي بين الصفا والمروة ؛ ولما فى ذلك من التيسير على المسلمين والتخفيف مما هم فيه من الضيق والازدحام ، وقد قال الله تعالى :(يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ)وقال تعالى :(وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ).

مع عدم وجود ما ينافيه من كتاب أو سنة ، بل إن فيما تقدم من المبررات ما يؤيد القول بالجواز عند الحاجة (ابحاث هيئة كبار العلماء، قرار هيئة كبار العلماء، رقم (۲۱) وتاريخ ۱۲/۱۱/۱۳۹۳ھ)

[1] د -يستحب أن يسعى على طهارة من الحدث الأصغر والأكبر والنجاسة، ولو خالف صح سعيه .ففى الحديث الصحيح عن عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لها لما حاضت :افعلى كما يفعل الحاج، غير أن لا تطوفى بالبيت حتى تطهرى متفق عليه . وهو يدل دلالة صريحة على جواز السعي بغير طهارة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۱۹، مادة "سعى" ،سنن السعى ومستحباته)

عورت کو حیض ونفاس کی حالت میں مسجدِ حرام کی حدود میں داخل ہونا جائز نہیں۔

اب رہا یہ کہ مسجدِ حرام کی توسیع کے بعد سعی والی جگہ مسجدِ حرام کی حدود میں داخل ہو چکی ہے یا نہیں؟

تو اس بارے میں بہت سے اہلِ علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ سعی والی جگہ کو مسجدِ حرام کے اندر شامل نہیں کیا گیا، بلکہ اس کو مسجدِ حرام سے الگ مستقل رکھا گیا ہے، جیسا کہ اس کی شروع سے حیثیت ہے۔

اس لئے اگر کوئی عورت حیض ونفاس کی حالت میں مسجدِ حرام میں داخل ہوئے بغیر بیرونی راستہ سے سعی والی جگہ میں نیچے یا اوپر کی منزل میں آکر سعی کرے، تو اس میں حرج نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا طواف کے فوراً بعد کرنا فرض یا واجب درجہ کا عمل نہیں، بلکہ سنت ومستحب درجہ کا عمل ہے۔

لہٰذا اگر کسی وجہ سے طواف کرنے کے بعد فوراً سعی نہ کی جا سکے، مثلاً درمیان میں تھکن یا نماز وغیرہ کے عذر کی وجہ سے کچھ وقفہ کرنا پڑ جائے، تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ [2]

---

[1] هل تبقى له الأحكام السابقة أم يدخل حكمه ضمن حكم المسجد : الحمد لله، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم ..أما بعد :فإن مجلس المجمع الفقهي الإسلامي برابطة العالم الإسلامي في دورته الرابعة عشرة المنعقدة بمكة المكرمة التي بدأت يوم السبت ٢٠من شعبان ١٤١٥هـ ٢١/١/١٩٩٥م؛ قد نظر في هذا الموضوع، فقرر بالأغلبية أن المسعى بعد دخوله ضمن مبنى المسجد الحرام لا يأخذ حكم المسجد ولا تشمله أحكامه، لأنه مشعر مستقل، يقول الله عز وجل (إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا)وقد قال بذلك جمهور الفقهاء ، ومنهم الأئمة الأربعة، وتجوز الصلاة فيه متابعة للإمام في المسجد الحرام ،كغيره من البقاع الطاهرة، ويجوز المكث فيه والسعي للحائض والجنب، وإن كان المستحب في السعي الطهارة .والله أعلم .
وصلى الله على سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه وسلم تسليمًا كثيرًا .والحمد لله رب العالمين
(المجمع الفقهي الإسلامي رابطة العالم الإسلامي،الاثنين ١٦ شوال ١٤٢٥ الموافق ٢٩ نوفمبر ٢٠٠٤، المسعى بعد التوسعة السعودية)

[2] سنن السعي ومستحباته:
أ -الموالاة بين الطواف والسعي :فلو فصل بينهما بفاصل طويل بغير عذر فقد أساء ويسن له الإعادة، ولو لم يعد لا شيء عليه اتفاقا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۳...... صفا اور مروہ کی سعی کرتے ہوئے سعی کے تمام چکروں کو پے درپے اور لگاتار کرنا بھی فرض یا واجب درجہ کا عمل نہیں، بلکہ سنت درجہ کا عمل ہے، جو کہ باعثِ ثواب ہے، لیکن اس کی خلاف ورزی پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں۔ [۱]

لہٰذا اگر کسی عذر سے سعی کے چکر لگاتار نہ کیے جاسکیں، مثلاً درمیان میں تھکن یا نماز وغیرہ کے عذر کی وجہ سے کچھ وقفہ کرنا پڑ جائے، تو کچھ حرج کی بات نہیں۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ودليل الفقهاء على ذلك الاعتبار بتأخير الطواف الركن عن الوقوف، فإنه يجوز تأخيره عنه سنين كثيرة ولا آخر له ما دام حيا بلا خلاف فيه عند الحنفية .(ر :طواف ف ۹ وحج ف ۱۴۲. ۱۴۰)

وملحظهم فيه أنه أداه في وقته الأصلي، وهو ما بعد طواف الإفاضة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۱۸، وص۱۹، مادة "سعي" ،سنن السعي ومستحباته)

[۱] عن ابن جريج ، عن عطاء ؛ أنه كان لا يرى بأسا أن يستريح الرجل في سعيه ، إذا طاف بين الصفا والمروة من حصر (مصنف ابن ابی شيبةً ،رقم الحديث ۱۵۲۰۲)

عن عبد الكريم الجزري ، عن عطاء ، قال :لا بأس أن يستريح الرجل بين الصفا والمروة (ايضاً ،رقم الحديث ۱۵۲۰۳)

عن أبي العالية الواسطي ، قال :رأيت الحسن يستريح بينهما ، فذكرته لمجاهد ، فكرهه (ايضاً ،رقم الحديث ۱۵۲۰۴)

[۲] البتہ مالکیہ کے نزدیک اور حنابلہ کے ایک قول کے مطابق سعی کے چکروں کو لگاتار اور پے درپے کرنا سعی کے صحیح ہونے کی شرط ہے، تاہم اگر خفیف وقفہ ہو، تو ان کے نزدیک بھی حرج نہیں، مگر حنفیہ کے نزدیک طویل وقفہ ہونے کے باوجود سعی کے ادا کئے ہوئے چکر ضائع ولغو شمار نہیں ہوتے۔

ح -الموالاة بين أشواط السعي :وسنيتها مذهب الجمهور، خلافا للمالكية والحنابلة في المعتمد، فقد جعلوا الموالاة بين أشواط السعي شرطا لصحة السعي.

وبناء على ذلك فصل المالكية فقالوا.

إن جلس في سعيه وكان شيئا خفيفا أجزأه، وإن كان لا ينبغي له ذلك .وإن طال جلوسه وصار كالتارك بأن كثر التفريق، ابتدأ السعي من جديد.

لا ينبغي له أن يبيع أو يشترى أو يقف مع أحد ويحدثه، فإن فعل وكان خفيفا لم يضر وإن كان مكروها، فإن كثر ابتدأ السعي من جديد.

إن أصابه حقن توضأ وبنى على ما سبق ولم يعد.

إن أقيمت عليه الصلاة تمادى إلا أن يضيق وقت الصلاة فليصل، ثم يبنى على ما مضى له.

وكل ذلك لا يضر عند الجمهور قل أو كثر، لكنه يكره، ويستثنى من الكراهة أن يقطع السعي لإقامة الصلاة المكتوبة بالجماعة، ولصلاة الجنازة، كما في الطواف، بل هو هنا أولى .(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۲۰، مادة "سعي" ،سنن السعي ومستحباته)

بعض اوقات سعی کرنے کے دوران نماز کھڑی ہو جاتی ہے لیکن اس وقت بھی بہت سے لوگ اس خیال سے سعی جاری رکھتے ہیں کہ اگر درمیان میں نماز پڑھ لی گئی تو سعی ضائع ہو جائے گی اور اس طرح ان لوگوں کی نماز باجماعت چھوٹ جاتی ہے۔

حالانکہ اگر سعی کے دوران نماز کھڑی ہو جائے تو سعی چھوڑ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لینی چاہئے، پھر نماز سے فارغ ہو کر جہاں سے سعی چھوڑی تھی وہیں سے باقی سعی پوری کرلیں، ادا کی ہوئی سعی کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر۱۴۱...... صفا اور مروہ کی سعی کرتے ہوئے میلین اخضرین (یعنی دو سبز ستونوں) کے درمیان مرد حضرات کو ہر چکر میں دوڑنا بھی فرض یا واجب درجہ کا عمل نہیں، بلکہ سنت و مستحب درجہ کا عمل ہے، جو کہ باعثِ ثواب ہے، لیکن اس کی خلاف ورزی پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں۔

اور یہ سنت و مستحب بھی مرد حضرات کے ساتھ خاص ہے، خواتین کو اس کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کو حسبِ معمول اپنی عام رفتار کے ساتھ چل کر صفا اور مروہ کے چکر پورے کرنے چاہئیں۔ [۱]

بعض لوگ میلین اخضرین (یعنی سبز ستونوں) کے درمیان بہت تیز دوڑتے بھاگتے ہیں، جس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے اور بعض اوقات خود اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ اتنا زیادہ تیز دوڑنا کوئی خیر کا کام نہیں، درمیانی رفتار سے دوڑنا چاہئے۔

اسی طرح بعض لوگ ہجوم اور رش کے وقت بھی ستونوں کے درمیان سنت کے مطابق دوڑنے

---

[۱] ز - السعی الشدید بین المیلین الأخضرین : وهما العمودان الأخضران اللذان فی جدار المسعی الآن، وهو سنة فی الأشواط السبعة، ویستحب أن یکون فوق الرمل ودون العدو . والسنة أن یمشی فیما سوی ذلک . فقد کان صلی الله علیه وسلم یسعی بطن المسیل إذا طاف بین الصفا والمروة . متفق علیه.

وقال المالکیة : یسن الخبب فی الذهاب من الصفا إلی المروة فقط، ولا یسن فی الإیاب.

وسنیة السعی الشدید هذه تختص بالرجال دون النساء ؛ لأن مبنی حالهن علی الستر، فالسنة فی حقهن المشی فقط (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۵، ص۱۹، وص۲۰، مادة "سعی" ،سنن السعی ومستحباته)

کا ضروری اہتمام کرتے ہیں جس سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے اور کبھی اپنے آپ کو بھی تکلیف پہنچ جاتی ہے، حالانکہ اگر رش اور ہجوم کی وجہ سے ستونوں کے درمیان دوڑنے سے دوسروں کو یا اپنے آپ کو ایذاء پہنچے تو دوڑنا سنت نہیں، جتنے حصہ میں جگہ ملے صرف اتنے حصہ میں دوڑیں ورنہ اپنے آپ کو دوڑانے کی طرح صرف حرکت دیتے چلیں یہی کافی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۵......سعی کے دوران صفا اور مروہ پر پہنچ کر ہر مرتبہ معمولی اوپر چڑھنا اور کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہونا فرض یا واجب درجہ کا عمل نہیں، بلکہ سنت و مستحب درجہ کا عمل ہے، جو باعثِ ثواب ہے، لیکن اس کی خلاف ورزی پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں۔ [۱]

بعض ناواقف لوگ صفا پر بہت اوپر چڑھ جاتے ہیں اور بعض لوگ تو بالکل چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جتنا اوپر چڑھیں گے اتنا ہی ثواب حاصل ہوگا، حالانکہ سعی کے وقت صفا پر صرف اتنا چڑھنا چاہئے کہ کعبہ (یا اس کا کچھ حصہ) نظر آنے لگے، آج کل تھوڑا سا اوپر چڑھنے سے دروازوں کے درمیان سے کعبہ (یا اس کا کچھ حصہ) نظر آنے لگتا ہے، اس سے زیادہ اوپر چڑھنا لغو حرکت ہے۔

اسی طرح مروہ پر بھی زیادہ اوپر نہیں چڑھنا چاہئے، صرف اتنا کافی ہے کہ اگر سامنے تعمیرات نہ ہوتیں تو وہاں سے بیت اللہ نظر آنے لگتا (آجکل چونکہ مروہ اور بیت اللہ کے درمیان تعمیر حائل ہے اس لئے وہاں سے بیت اللہ نظر نہیں آتا) لہٰذا مروہ پر کھڑے ہو کر دعاء کرتے وقت صرف کعبہ کی طرف رخ کر لینا کافی ہے، کعبہ کا نظر آنا ضروری نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۶......سعی کے دوران صفا اور مروہ پر چڑھ کر دعاء کرنا بھی فرض یا واجب درجہ کا عمل نہیں، بلکہ سنت و مستحب درجہ کا عمل ہے، جو کہ باعثِ ثواب ہے، لیکن اس کی خلاف ورزی

---

[۱] جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صفا اور مروہ پر چڑھنے کا مستحب ہونا مَرد حضرات کے ساتھ خاص ہے، خواتین اس میں داخل نہیں۔

هـ -أن يصعد على الصفا والمروة كلما بلغهما في سعيه بحيث يستقبل الكعبة، وقدره النووي في المجموع بقدر قامة .وهذا الصعود مستحب عند الشافعية والحنابلة وخصوا به الرجال دون النساء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۱۹، مادة "سعي" ،سنن السعي ومستحباته)

پر کوئی دَم وغیرہ واجب نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ١٧...... طواف کے بعد سعی کرنے کے لئے صفا کی طرف جانے سے پہلے اگر بآسانی میسر ہو، تو حجرِ اسود کا استلام کر لینا سنت ہے، جو کہ طواف شروع کرنے کے وقت سے لے کر اب تک مجموعی طور پر نواں استلام کہلاتا ہے۔

اور اگر استلام کرنا مشکل ہو، تو دور سے ہی اس کی طرف اشارہ سے استلام کر لینا بھی کافی ہے، اور اگر کوئی بالکل بھی یہ استلام نہ کرے، تب بھی کوئی دَم لازم نہیں، مگر بلا عذر اس کو ترک کر دینا مکروہ ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ١٨...... صفا اور مروہ کی سعی کے دوران مرد حضرات کو اضطباع کرنا سنت نہیں ہے، البتہ شافعیہ کے نزدیک سنت ہے۔ [3]

مسئلہ نمبر ١٩...... صفا اور مروہ پر کسی مخصوص دعاء کا پڑھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ حسبِ منشاء دعاء کی جاسکتی ہے۔ [4]

---

[1] و -الدعاء :عند صعود الصفا والمروة وفى السعى بينهما، جعله الحنفية من المستحبات. على تفصيل سيأتى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥، ص ١٩، مادة "سعى" ،سنن السعى ومستحباته)

[2] ج -أن يستلم الحجر الأسود بعد ركعتى الطواف قبل الذهاب إلى السعى، إن تيسر له استلام الحجر، وإلا أشار إليه، فيكون الاستلام بمثابة وصلة بين الطواف والسعى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥، ص ١٩، مادة "سعى" ،سنن السعى ومستحباته)

[3] ط -ذهب الشافعية إلى سنية الاضطباع فى السعى قياسا على الطواف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥، ص ٢٠، مادة "سعى" ،سنن السعى ومستحباته)

[4] عن إبراهيم ، قال :ليس على الصفا والمروة دعاء مؤقت فادع ما شئت(مصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ٣٠٢٥٨، كتاب المناسک،باب من قال ليس على الصفا والمروة دعاء مؤقت)

عن ابن جريج ، عن عطاء ، قال :لم أسمع ، أن على الصفا والمروة دعاء موقتا(ايضاً، رقم الحديث ٣٠٢٥٩)

عن أفلح ، عن القاسم ، قال :ليس فيها دعاء موقت فادع بما شئت وسل ما شئت (ايضاً، رقم الحديث ٣٠٢٦٠)

عن معاذ بن العلاء ، قال :شهدت عكرمة بن خالد المخزومى يقول :لا أعلم على الصفا والمروة دعاء مؤقتا(ايضاً، رقم الحديث ٣٠٢٦١)

البتہ بعض دعاؤں کا پڑھنا سنت ہے، مثلاً سعی کرنے کے لئے صفا کی طرف چلتے ہوئے اگر بآسانی ممکن ہوتو یہ دعا پڑھنا سنت ہے کہ:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا.

اور ہر مرتبہ صفا اور مروہ پر پہنچ کر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونے کی حالت میں اگر بآسانی ہو سکے تو یہ دعا پڑھنا سنت ہے کہ:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. اَللّٰهُ اَكْبَرُ.

لَا إِلٰــهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

اور میلین اخضرین کے درمیان یہ دعاء پڑھنا سنت ومستحب ہے کہ:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ، وَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ. [1]

---

[1] اس کے علاوہ بعض اہلِ علم حضرات نے سعی کے دوران اور بھی کئی دعاؤں کا ذکر کیا ہے، لیکن چونکہ عجمی عوام تو درکنار اہلِ علم اور عربی دان حضرات کو بھی ان دعاؤں کا یاد کرنا اور ان کو اپنے موقع پر پڑھنا مشکل ہوتا ہے، اور عوام اس سلسلہ میں عام طور پر تشویش کا شکار رہتے ہیں، اس لئے ان دعاؤں پر ضرورت سے زیادہ زور دینے کے بجائے سعی اور حج وعمرہ کے متعلق اہم مسائل کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، جن سے کہ عوام الناس غفلت اختیار کرتے ہیں۔

وردت جملة من الأدعية والأذكار المأثورة فى السعى عن النبى صلى الله عليه وسلم وعن بعض الصحابة، منها ما يلى:

أ -عند التوجه إلى الصفا للسعى يذهب من أى باب يتيسر له، ويقرأ هذه الآية :(إن الصفا والمروة من شعائر الله) وكذلك عندما يبلغ المروة آخر كل شوط.

لفعل النبى صلى الله عليه وسلم ذلك.

ب -إذا صعد على الصفا وقف عليه بحيث يرى الكعبة المعظمة، وكذلك إذا صعد على المروة توجه إلى القبلة وذكر ودعا كما فعل النبى صلى الله عليه وسلم ويسن أن يطيل القيام، ويقول كما ورد فى صحيح مسلم عن جابر :فاستقبل القبلة فوحد الله وكبره، وقال :لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شىء قدير، لا إله إلا الله وحده، أنجز وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده .ثم دعا بين ذلك، قال مثل هذا ثلاث مرات . . .حتى أتى المروة ففعل على المروة كما فعل على الصفا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲۰...... سعی کے دوران بعض کام جائز اور مباح ہیں، اور وہ کام وہی ہیں، جو طواف کے درمیان بھی جائز ومباح ہیں، بلکہ بعض اور چیزیں بھی جائز ومباح ہیں۔

مثلاً سعی کے دوران جائز کلام وبات چیت کرنا جائز ومباح ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ج -ورد من الدعاء على الصفا " :اللهم إنك قلت (ادعونى أستجب لكم) ، وإنك لا تخلف الميعاد، وإنى أسألك كما هديتنى للإسلام ألا تنزعه منى حتى تتوفانى وأنا مسلم.

"اللهم اعصمنا بدينك وطواعيتك، وطواعية رسولك، وجنبنا حدودك .اللهم اجعلنا نحبك ونحب ملائكتك وأنبياء ك ورسلك، ونحب عبادك الصالحين .اللهم يسرنا لليسرى وجنبنا العسرى، واغفر لنا فى الآخرة والأولى، واجعلنا من أئمة المتقين

د -عند الهبوط من الصفا ورد هذا الدعاء " :اللهم أحينى على سنة نبيك، وتوفنى على ملته، وأعذنى من مضلات الفتن برحمتك يا أرحم الراحمين .

هـ -عند السعى الشديد بين الميلين الأخضرين " :رب اغفر وارحم، إنك أنت الأعز الأكرم "

و -عند الاقتراب من المروة يقرأ (إن الصفا والمروة من شعائر الله) . ثم يرقى على المروة ويقف مستقبل القبلة ويأتى من الذكر والدعاء كما عند الصفا، وكذلك عندما يهبط من المروة يدعو بما سبق عند الهبوط من الصفا؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم فعل على المروة كما فعل على الصفا . كما سبق فى الحديث.

ولم يثبت فى الحديث شىء من الأدعية والأذكار يوزع على أشواط السعى ويخص كل شوط بدعاء ، إنما وزع العلماء عليها أدعية من المأثور فى السعى ومن غيره إرشادا للناس، وتسهيلا عليهم لإحصاء أشواط السعى .وهو سنة بغير تحديد عند المالكية، وجعل الحنفية الدعاء فى السعى من المستحبات.

ويجتهد فى الذكر والدعاء بأنواع الأذكار والأدعية فى السعى كله، فإن ذلك مقصود عظيم، لقوله صلى الله عليه وسلم :إنما جعل رمى الجمار والسعى بين الصفا والمروة لإقامة ذكر الله (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۲۱، الیٰ ص۲۳، ماده سعى)

عن ابن مسعود، أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا سعى فى بطن المسيل قال :اللهم اغفر وارحم، وأنت الأعز الأكرم.

لم يرو هذا الحديث عن أبى إسحاق إلا ليث، تفرد به عبد الوارث(المعجم الأوسط، رقم الحديث ۲۷۵۷)

وفيه ليث بن أبى سليم مختلف فيه ورواه موقوفاً عليه بسند صحيح (المغنى عن حمل الأسفار للعراقى، تحت رقم الحديث ۱۰۸۲)

عن صفية بنت شيبة،عن امرأة من بنى نوفل رضى الله عنها قالت :سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول وهو يسعى مما يلى الوادى " :رب اغفر وارحم، إنك أنت الأعز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورسعی کے دوران کھانا پینا بھی جائز ومباح ہے۔

اورسعی کے دوران فرض نماز یا نمازِ جنازہ پڑھنے کے لئے جانا جائز ومباح ہے۔ ؎۱

مسئلہ نمبر ۲۱......سعی کے دوران بعض کام مکروہ ہیں۔

مثلاً سعی کے دوران خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے۔

اوراسی طرح بغیر عذر کے سعی کو طواف سے غیر معمولی مؤخر کرنا یا بغیر عذر کے سعی کے چکروں میں غیر معمولی فاصلہ کرنا یا اسی طرح سے بلا عذر سعی کی کسی اورسنت کی خلاف ورزی کرنا مکروہ ہے۔ ؎۲

مسئلہ نمبر ۲۲......سعی کرنے کا مسنون ومستحب طریقہ یہ ہے کہ طواف سے فارغ ہونے کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الأكرم "(أخبار مكة للفاكهى، رقم الحديث ١٣٩٣)

عن مسروق، أن ابن مسعود، رضى الله عنه نزل من الصفا فمشى حتى أتى الوادى فسعى فجعل يقول :رب اغفر وارحم إنك أنت الأعز الأكرم(الدعاء للطبرانى، رقم الحديث ٨٧٠)

عن العلاء بن المسيب ,عن أبيه ، قال :كان عمر إذا مر بالوادى بين الصفا والمروة سعى فيه حتى يجاوزه ويقول :رب اغفر وارحم وأنت الأعز الأكرم(مصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ١٥٨٠٩، باب ما يقول الرجل فى المسعى)

عن أبى إسحاق ,عن ابن عمر ، أنه كان يقول :رب اغفر وارحم وأنت الأعز الأكرم (مصنف ابن أبى شيبة، رقم الحديث ١٥٨١٢، باب ما يقول الرجل فى المسعى)

؎۱ البتہ مالکیہ کے نزدیک چونکہ سعی کے چکروں کو پے درپے کرنا ضروری ہے، اس لئے ان کے نزدیک ایسا کام منع ہے، جو پے درپے ہونے میں مخل ہو۔

مباحات السعى:يباح فى السعى ما يباح فى الطواف، بل هو أولى .ومن ذلك:

أ -الكلام المباح الذى لا يشغله.

ب -الأكل والشرب.

ج -الخروج منه لأداء مكتوبة، أو صلاة جنازة، على خلاف للمالكية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥، ص ٢١، مادة " سعى ")

؎۲ مكروهات السعى:أ -البيع والشراء والحديث، إذا كان شىء منها على وجه يشغله عن الحضور، ويدفعه عن الذكر والدعاء ، أو يمنعه عن الموالاة.

ب -تأخير السعى عن وقته المختار تأخيرا كثيرا من غير عذر، بإبعاده كثيرا من الطواف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥، ص ٢١، مادة " سعى ")

بعد صفا کی طرف جائے، تا کہ اس سے سعی کو شروع کرے، اور صفا کی طرف جاتے ہوئے حجرِ اسود کا استلام کرے، اور صفا پہاڑی پر اتنا اوپر چڑھ جائے کہ کعبۃُ اللہ نظر آنے لگے، پھر کعبہ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو، اور ''لا الٰہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' کا وِرد کرے، اور حسبِ توفیق وحسبِ منشاء دونوں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرے۔

پھر آہستہ آواز میں ذکر ودعاء کرتے ہوئے مروہ کی طرف چلنا شروع کرے، اور اگر مرد ہو تو میلین اخضرین یعنی دو سبز ستونوں کے درمیان تیز چلے، اور خاتون ہو تو عام رفتار کے ساتھ چلے۔

اور میلین اخضرین سے گزرنے کے بعد مرد بھی عام رفتار کے ساتھ چل کر مروہ تک پہنچ جائے، اور مروہ پر کھڑے ہو کر بھی بیتُ اللہ کی طرف رُخ کر کے صفا کی تفصیل کے مطابق کھڑے ہو کر دعاء کرے۔

اس طرح یہ ایک چکر مکمل ہوا۔

پھر مروہ سے صفا کی طرف پہلی تفصیل کے مطابق واپس جائے، اور صفا پر جا کر پہلی تفصیل کے مطابق دعاء کرے، اس طرح دوسرا چکر بھی مکمل ہو گیا، اور اسی طرح کرتے کرتے سات چکر مکمل کر لے، ساتویں چکر کا اختتام مروہ پر ہو گا۔ [1]

---

[1] پھر اگر کوئی سعی کرنے والا عمرہ کی سعی کر رہا ہو، تو سعی پر اس کے عمرہ کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں، اس کے بعد سر کے بال کٹا یا منڈا کر وہ عمرہ کے احرام سے نکل جاتا ہے۔

اور اگر یہ سعی طوافِ زیارت کے بعد حج کی ہو، اور اس سے پہلے دس ذی الحجہ کی رَمی وغیرہ کر لی ہو، تو تمام فقہائے کرام کے نزدیک احرام کی دوسری پابندیوں کے ختم ہونے کے ساتھ ساتھ زوجین کے باہمی تعلقات بھی جائز ہو جاتے ہیں، جس کی تفصیل طواف کے بیان میں گزر چکی ہے۔

صفة السعي: بعد انتهاء الحاج أو المعتمر من الطواف يتوجه إلى الصفا ليبدأ السعي منها، فيرقى على الصفا، ويستقبل الكعبة المشرفة، ويوحد الله ويكبره، ويأتي بالذكر الوارد، ثم يسير متوجها إلى المروة، فإذا حاذى الميلين (العمودين) الأخضرين اللذين فى جدار المسعى اشتد وأسرع ما استطاع، وهكذا إلى العمودين التاليين الأخضرين، ثم يمشي المشي المعتاد حتى يصل إلى المروة فيصعد عليها .ويوحد ويكبر كما فعل على الصفا، وهذا شوط واحد.

ثم يشرع فى الشوط الثانى فيتوجه من المروة إلى الصفا، حتى إذا حاذى العمودين الأخضرين اشتد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض لوگ صفا اور مروہ پر دعاء کرتے وقت تکبیرِ تحریمہ کی طرح تین مرتبہ تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے ہیں، یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے، صفا اور مروہ پر دعاء کے لئے تکبیرِ تحریمہ کے بجائے اس طرح ہاتھ اٹھانا چاہیے جس طرح دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۲۳...... حنفیہ کے نزدیک سعی سے فارغ ہوکر مکروہ وقت نہ ہوتو دو رکعات نفل کا پڑھنا مستحب ہے، لیکون ختم السعی کختم الطواف.

جبکہ بعض فقہاء سعی کے بعد ان دو رکعتوں کے مستحب ہونے کے قائل نہیں، لعدم الثبوت. [1]

مسئلہ نمبر ۲۴...... حجِ تمتع کرنے والے کے لئے تو طوافِ قدوم سنت نہیں، اس لئے اگر وہ طوافِ زیارت کے بعد والی سعی پہلے کرنا چاہتا ہے، تو اسے حج کا احرام باندھنے کے بعد ایک نفلی اضافی طواف کرنا ہوگا، جس کے بعد اُسے حج کی سعی کر لینا جائز ہوگا۔

جہاں تک حجِ افراد اور حجِ قران کرنے والوں کا تعلق ہے، تو ان کے لئے کیونکہ طوافِ قدوم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأسرع كثيرا حتى يصل إلى العمودين التاليين، ثم يمشي المشي المعتاد إلى أن يصل إلى الصفا فيرقى عليها، ويستقبل الكعبة، ويوحد الله ويكبره، ويدعو كما فعل أولا، وهذا شوط ثان، ثم يعود إلى المروة وهكذا حتى يعد سبعة أشواط ينتهي آخرها عند المروة.

فإن كان معتمرا فقط أو متمتعا بالعمرة إلى الحج فقد قضى عمرته ويحلق أو يقصر، ويتحلل التحلل الكامل .وإن كان مفردا للحج أو قارنا فلا يحلق ولا يقصر، بل يظل محرما حتى يتحلل بأعمال يوم النحر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۱۳، وص۱۴، ماده سعی)

[1] استحب الحنفية إذا فرغ من السعي أن يدخل المسجد فيصلي ركعتين، ليكون ختم السعي كختم الطواف، كما ثبت أن مبدأه بالاستلام كمبدئه.

وللشافعية قولان في هاتين الركعتين .قال الجويني " :حسن وزيادة طاعة ."وقال ابن الصلاح ": ينبغي أن يكره ذلك لأنه ابتداع شعار ."قال النووي "وهذا الذي قاله ابن الصلاح أظهر والله أعلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۲۰، وص۲۱، ماة "سعی")

ى -استحب الحنفية إذا فرغ من السعي أن يدخل المسجد فيصلي ركعتين ليكون ختم السعي كختم الطواف، كما ثبت أن مبدأه بالاستلام كمبدئه.

وللشافعية قولان في هاتين الركعتين .قال الجويني " :حسن وزيادة طاعة ."وقال ابن الصلاح ": ينبغي أن يكره ذلك لأنه ابتداع شعار ."قال النووي " :وهذا الذي قاله ابن الصلاح أظهر والله أعلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۲۰، وص۲۱، مادة "سعی"، سنن السعي ومستحباته)

سنت ہے، تو ان حضرات کو حج کا احرام باندھ کر طوافِ قدوم کے بعد حج کی سعی کرنا جائز ہوگا۔ [۱]

مسئلہ نمبر ۲۵...... حنفیہ کے نزدیک حجِ قران کرنے والے کو دو طواف اور دو سعی کرنا لازم ہوتی ہیں، ایک طواف اور سعی عمرہ کی، اور ایک طواف اور سعی حج کی۔

اس لئے اگر حجِ قران کرنے والا حج کی سعی کو پہلے کرنا چاہتا ہے، تو حنفیہ کے نزدیک پہلے یعنی عمرہ کے طواف کے بعد والی سعی عمرہ کی ہوگی، پھر طوافِ قدوم کر کے حج کی سعی کرے گا۔

جبکہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک حجِ قران کرنے والے کا حکم حجِ افراد کرنے والے کی طرح ہے، جس کو ایک طواف اور ایک سعی کا حکم ہے، اور یہی اس کے حج اور عمرہ کی طرف سے کافی ہیں، اس لئے اُن کے نزدیک اگر حجِ قران کرنے والا طوافِ زیارت سے پہلے حج کی سعی کرنا چاہے، تو وہ شروع ہی میں طوافِ قدوم والے طواف کے ساتھ حج کی سعی ادا کرے گا۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۲۶...... حج کی سعی درست ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سعی، طواف کے بعد کی گئی ہو، خواہ وہ طوافِ زیارت ہو، یا حج کا احرام شروع کرنے کے بعد کیا گیا نفلی طواف ہو، یا طوافِ قدوم ہو، جیسا کہ ابھی تفصیل گزری۔

---

[۱] كيفية طواف القدوم كطواف الزيارة، إلا أنه لا اضطباع فيه ولا رمل، ولا سعى لأجله، إلا إذا أراد تقديم سعى الحج إليه، فإنه يسن له عندئذ الاضطباع والرمل فى الطواف، لأن الرمل والاضطباع سنة فى كل طواف بعده سعى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۲، الیٰ ص۶۵، مادة ”حج“)

[۲] تكرر السعى للقارن :القارن عند الحنفية يطوف طوافين ويسعى سعيين .فيبدأ بطواف العمرة ثم سعيها، ثم يطوف للقدوم ويسعى للحج إن أراد تقديم سعى الحج عندهم.

أما عند الجمهور فحكمه كالمفرد؛ لأنه يطوف طوافا واحدا، ويسعى سعيا واحدا يجزئان لحجه وعمرته. واستدلوا بفعل النبى صلى الله عليه وسلم والصحابة الذين كانوا قارنين معه فى حجته حيث إنهم سعوا سعيا واحدا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۱۷، ماده سعى)

اور سعی سے پہلے جو طواف کیا گیا ہے، اس کی ادائیگی بھی معتبر ہو چکی ہو۔ [۱]

جس کے لئے حنفیہ کے نزدیک طواف کے اکثر یعنی کم از کم چار چکروں کی ادائیگی اور دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک تمام چکروں کی ادائیگی ضروری ہے۔ [۲]

اسی طرح دیگر فقہائے کرام کے نزدیک طواف درست و معتبر ہونے کے لئے طواف کا پاکی کی

---

[۱] شروط السعي: أ -أن يكون السعي بعد طواف صحيح :ولو نفلا، عند الحنفية وكذا المالكية، وسموا ذلك ترتيبا للسعي.

لكن المالكية فصلوا بين الشرط والواجب في سبق الطواف للسعي، فقالوا :يشترط سبق الطواف - أي طواف ولو نفلا -لصحة السعي، لكن يجب في هذا السبق أن يكون الطواف فرضا (ومثله الواجب) ونوى فرضيته أو اعتقدها .وطواف القدوم واجب عندهم فيصح تقديم السعي على الوقوف بعد طواف القدوم.

فلو سعى بعد طواف نفل فلا شيء عليه عند الحنفية.

أما عند المالكية فلو كان الطواف نفلا أو نوى سنيته، أو أطلق الطواف ولم يستحضر شيئا، أو كان يعتقد عدم وجوبه لجهله، فإنه يعيد الطواف وينوي فرضيته أو وجوبه إن كان واجبا ثم يعيد السعي ما دام بمكة، أما إذا سافر إلى بلده فعليه دم .

ومذهب الشافعية والحنابلة أنه يشترط أن يكون السعي بعد طواف ركن أو قدوم، ولا يخل الفصل بينهما، لكن بحيث لا يتخلل بين طواف القدوم والسعي الوقوف بعرفة، فإن تخلل بينهما الوقوف بعرفة لم يجزه السعي إلا بعد طواف الإفاضة.

دليل الجميع فعله صلى الله عليه وسلم فإنه قد سعى بعد الطواف، وورد عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال :لتأخذوا مناسككم، وبإجماع المسلمين.

وروي عن عطاء عدم اشتراط تقدم الطواف .وفي رواية عن أحمد :لو سعى قبل الطواف ناسيا أجزأه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵ ص۱۶، مادة "سعي")

تقديم الطواف شرط لصحة السعي(ردالمحتار، ج۲ ص۵۰۰، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد)

[۲] کیونکہ حنفیہ کے نزدیک اکثر چکر تو رُکن ہیں، اور باقی واجب ہیں، اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک طواف کے تمام چکروں کی ادائیگی رکن میں داخل ہے، اس لئے ان کے نزدیک سعی درست ہونے کے لئے طواف کے مکمل یعنی سات چکر ادا کرنا ضروری ہوگا۔

(فصل) : وأما شرائط جوازه فمنها أن يكون بعد الطواف أو بعد أكثره؛ لأن النبي -صلى الله عليه وسلم -هكذا فعل.

وقد قال -صلى الله عليه وسلم -خذوا عني مناسككم ، ولأن السعي تبع للطواف، وتبع الشيء كاسمه، وهو أن يتبعه فيما تقدمه لا فيما يتبعه فلا يكون تبعا له إلا أنه يجوز بعد وجود أكثر الطواف قبل تمامه؛ لأن للأكثر حكم الكل(بدائع الصنائع، ج۲ ص۱۳۴، كتاب الحج، فصل شرائط جواز السعي)

حالت میں کرنا بھی ضروری ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک طواف کے معتبر ہونے کے لئے طواف کا پاکی کی حالت میں کرنا ضروری نہیں۔ [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ حنفیہ کے نزدیک طواف صحیح ہونے کے لئے حدثِ اصغر وا کبر سے پاک ہونا شرط نہیں، بلکہ واجب ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک فرض ہے۔

لہٰذا حنفیہ کے نزدیک بے وضو یا جنابت کی حالت میں کیا گیا طواف معتبر ہوجاتا ہے، البتہ اس کے اعادہ، یا کفارہ وغیرہ کی صورت میں تلافی واجب ہوتی ہے، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بہر حال اس کا اعادہ فرض ہوتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ناپاکی کی حالت میں کیا گیا طواف کالعدم شمار ہوتا ہے، جس کی تفصیل طواف کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہے۔

اب مذکورہ اصول کے پیشِ نظر سعی درست ہونے کے لئے دیگر فقہائے کرام کے نزدیک تو طواف کا پاکی کی حالت میں کیا جانا شرط ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک شرط نہیں ہے، اور حنفیہ کے قواعد کے مطابق یہی راجح ہے، اگرچہ بعض مشائخ حنفیہ نے سعی درست ہونے کے لئے اس سے پہلے طواف کے پاکی کی حالت میں ہونے کو شرط قرار دیا ہے، جو کہ حنفیہ کے مذکورہ اصول کے پیشِ نظر مرجوح معلوم ہوتا ہے، چنانچہ صاحبِ بدائع نے سعی کے درست ہونے کے لئے طواف کو جنابت اور حیض ونفاس سے طہارت کے ساتھ کرنے کو شرط قرار دیا ہے، جس کی بعض اُردو کتابوں میں پیروی کی گئی ہے، اور یہ مذکورہ اُصول کے خلاف ہے، اور اسی وجہ سے علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے صاحبِ بدائع کی تردید کرتے ہوئے اس کو بالاتفاق تساہل قرار دیا ہے، اس لئے اگر کوئی عورت بامرِ مجبوری واپسی کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں طواف کرے، تو اس کے بعد اسے سعی بھی کرنی چاہئے۔

فمن طاف محدثا فطوافه باطل عند الجمهور، وعليه العود لأدائه إن كان طوافا واجبا، ولا تحل له النساء إن كان طواف إفاضة حتى يؤديه .أما عند الحنفية فهو صحيح لكن تجب إعادته ما دام بمكة، وإلا وجب عليه الفداء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۱۳۱، ۱۳۲، مادہ طواف)

والسعي بين الصفا والمروة سبعة أشواط وكونه بعد طواف معتد به (البحر الرائق، ج۲ص ۲۳۲، كتاب الحج)

ومن الواجبات كون الطواف وراء الحطيم وكون السعي بعد طواف معتد به (الدر المختار)

(قوله وكون السعي بعد طواف معتد به) وهو أن يكون أربعة أشواط فأكثر، سواء طافه طاهرا أو محدثا أو جنبا وإعادة الطواف بعد السعي فيما إذا فعله محدثا أو جنبا لجبر النقصان لا لانفساخ الأول ح عن البحر ثم إن كون هذا واجبا لا ينافي ما في اللباب من عده شرطا لصحة السعي كما علمته سابقا (ردالمحتار، ج۲ص ۴۷۰، كتاب الحج)

قال -رحمه الله -(أو طاف لعمرته وسعى محدثا ولم يعد) أي تجب عليه شاة إذا طاف لعمرته وسعى لها محدثا ، ولم يعدهما حتى رجع إلى بلده لترك الطهارة في طواف الفرض ولا يؤمر بالعود لوقوع التحلل بأداء الركن ، والنقصان أيضا يسير ، وليس عليه في السعي شيء ؛ لأنه أتى على إثر طواف معتد به ، وهو لا يفتقر إلى الطهارة وما دام بمكة يعيد الطواف لتمكن النقصان فيه ويعيد السعي ؛ لأنه تبع للطواف ولا شيء عليه لارتفاع النقصان بالإعادة ، ولو أعاد الطواف ، ولم يعد السعي فلا شيء عليه على ما اختاره شمس الأئمة ؛ لأن الطهارة ليست بشرط في السعي ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۲۷...... احرام کی تمام چھوٹی بڑی پابندیوں سے نکلنے کے لئے حنفیہ کے نزدیک طوافِ زیارت کرنا کافی ہے، خواہ ابھی تک طوافِ زیارت کے بعد سعی نہ کی ہو، جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سعی بھی ضروری ہے، خواہ یہ سعی حج کا احرام باندھ کر طوافِ زیارت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإنما الشرط أن يقع عقيب طواف معتد به ، وطواف المحدث بهذه الصفة ألا ترى أنه يتحلل به وذكر قاضي خان وغيره من شراح الجامع الصغير أنه يجب عليه دم ؛ لأنه لما أعاد الطواف صار الطواف الأول غير معتبر كأن لم يكن ، ولولا ذلك لكانا فرضين أو الأول وحده ولا يعتد بالثاني ، ولم يقل به أحد فإذا ارتفض الأول بقي السعي قبل الطواف .

وهو لا يجوز ؛ لأنه ما عرف كونه قربة إلا بفعله -عليه الصلاة والسلام- فلا يكون عبادة على غير ذلك الوجه فيكون تاركا له فيجب عليه الدم بخلاف ما إذا لم يعد الطواف وأراق دما حيث لا يجب عليه لأجل السعي شيء ؛ لأن بإراقة الدم لا يرتفع الطواف الأول ، وإنما ينجبر به نقصانه فيكون متقررا في موضعه فيكون السعي عقيبه فيعتبر (تبيين الحقائق، ج۲ص۶۰، ۶۱، كتاب الحج)

وأما الطهارة عن الجنابة، والحيض فليست بشرط فيجوز سعي الجنب، والحائض بعد أن كان طوافه بالبيت على الطهارة عن الجنابة، والحيض؛ لأن هذا نسك غير متعلق بالبيت فلا تشترط له الطهارة عن الجنابة والحيض، كالوقوف، إلا أنه يشترط أن يكون الطواف على الطهارة عن الجنابة والحيض؛ لأن السعي مرتب عليه ومن توابعه، والطواف مع الجنابة والحيض لا يعتد به حتى تجب إعادته فكذا السعي الذي هو من توابعه ومرتب عليه فإذا كان طوافه على الطهارة عن الحدثين فقد وجد شرط جوازه فجاز، وجاز سعي الجنب، والحائض تبعا له لوجود شرط جواز الأصل؛ إذ التبع لا يفرد بالشرط بل يكفيه شرط الأصل فصار الحاصل أن حصول الطواف على الطهارة عن الجنابة والحيض من شرائط جواز السعي، فإن كان طاهرا وقت الطواف جاز السعي، سواء كان طاهرا وقت السعي، أو لا، وإن لم يكن طاهرا، وقت الطواف لم يجز سعيه رأسا، سواء كان طاهرا، أو لم يكن، والله أعلم (بدائع الصنائع، ج۲، ص۱۳۵، فصل شرائط جواز السعي)

(قوله :وليس عليه لترك السعي شيء) عطف على قوله فعليه دم، والمراد ليس عليه لترك جابر السعي شيء :أي لا يجب باعتبار مجرد السعي محدثا شيء ؛ لأنه لا تجب الطهارة فيه، بل الواجب فيه الطهارة في الطواف الذي هو عقيبه وقد جبر ذلك بالدم إذ فوت، وقدمنا أن شرط جواز السعي كونه بعد أكثر طواف، والله أعلم .وما في البدائع من قوله لا يشترط له الطهارة؛ لأنه نسك غير متعلق بالبيت، إلا أنه يشترط أن يكون الطواف على طهارة من الجنابة والحيض، إلى أن قال : والحاصل أن حصول الطواف على الطهارة عن الحيض والجنابة من شرائط جواز السعي تساهل وهذا بالاتفاق، بخلاف ما إذا أعاد الطواف وحده ذكر فيه الخلاف وصحح عدم الوجوب وهو قول شمس الأئمة والمحبوبي (فتح القدير، ج۳، ص۵۷، وص۵۸، كتاب الحج، باب الجنايات)

سے پہلے کی جاچکی ہو، یا اب طوافِ زیارت کے بعد کی ہو، جس کی تفصیل طوافِ زیارت کے بیان میں گزر چکی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۸...... بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ حج وعمرہ کی سعی کے علاوہ بھی طواف کیے بغیر خوامخواہ صفاو مروہ کی سعی کرتے رہتے ہیں اوراس میں ثواب سمجھتے ہیں۔

یہ غلط ہے اوراس میں کوئی ثواب نہیں اور خالی سعی شرعاً ثابت نہیں، یہ لوگ بلافائدہ اپنی جان کو تھکاتے ہیں، اس کے بجائے طواف یا دوسری عبادات میں مشغول ہونا چاہئے۔

مسئلہ نمبر ۲۹...... بعض لوگ بلاوجہ صفا اور مروہ پر بیٹھ جاتے ہیں یا کھڑے ہوکر منظر دیکھتے رہتے ہیں، جس سے دوسرے لوگوں کو سعی کے لئے اپنے اعمال انجام دینے میں تنگی ہوتی ہے، اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

---

[1] ذهب الجمهور إلى أنه لا يتحلل المحرم من إحرامه إلا بالعود للسعي ولو نقص خطوة واحدة، ويظل محرما فى حق النساء حتى يرجع ويسعى مهما بعد مكانه، وذلك لقولهم بركنية السعي .(ر: مصطلح حج ف ٥٦ و١٢٥) ولا شيء عليه بتأخير السعي مهما طال الأمد، ويرجع بإحرامه المتبقي دون حاجة لإحرام جديد.

وقال الحنفية :إذا تأخر السعي عن وقته الأصلي -وهو أيام النحر بعد طواف الزيارة -فإن كان لم يرجع إلى أهله فإنه يسعى ولا شيء عليه، لأنه أتى بما وجب عليه، ولا يلزمه بالتأخير شيء ؛ لأنه فعله فى وقته الأصلي وهو ما بعد طواف الزيارة .ولا يضره إن كان قد جامع؛ لوقوع التحلل الأكبر عند الحنفية بطواف الزيارة؛ إذ السعي ليس بركن حتى يمنع التحلل، وإذا صار حلالا بالطواف فلا فرق بين أن يسعى قبل الجماع أو بعده، غير أنه لو كان بمكة يسعى ولا شيء عليه لما قلنا، وإن كان رجع إلى أهله فعليه دم لتركه السعي بغير عذر .وإن أراد أن يعود إلى مكة فإنه يعود بإحرام جديد؛ لأن إحرامه الأول قد ارتفع بطواف الزيارة؛ لوقوع التحلل الأكبر به، فيحتاج إلى تجديد الإحرام، وإذا عاد وسعى يسقط عنه الدم لأنه تدارك الترك قال محمد بن الحسن :الدم أحب إلى من الرجوع؛ لأن فيه منفعة الفقراء ، والنقصان ليس بفاحش.

وهذا المذكور عن الحنفية ينطبق على القول بالوجوب عند الحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥، ص١٧، وص١٨، ماده سعي)

(باب نمبر۱۲)

گیارہ تا تیرہ ذی الحجہ کی رَمی کے فضائل واحکام

حج کرنے والے کو منیٰ میں تینوں جمرات کو گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو رَمی کرنا بھی واجب ہے، اور تیرہ ذی الحجہ کی رَمی واجب نہیں ہے، البتہ بعض صورتوں میں واجب ہوجاتی ہے۔

گیارہ تا تیرہ ذی الحجہ کی رَمی سے متعلق احادیث

پہلے گیارہ تا تیرہ ذی الحجہ کی رَمی کے سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ احکام ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

لَمَّا أَتٰى إِبْرَاهِيمُ خَلِيلُ اللّٰهِ الْمَنَاسِكَ عَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتّٰى سَاخَ فِي الْأَرْضِ، ثُمَّ عَرَضَ لَهُ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الثَّانِيَةِ فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتّٰى سَاخَ فِي الْأَرْضِ، ثُمَّ عَرَضَ لَهُ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الثَّالِثَةِ فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتّٰى سَاخَ فِي الْأَرْضِ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اَلشَّيْطَانَ تَرْجُمُونَ وَمِلَّةَ أَبِيكُمْ تَتَّبِعُونَ (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۱۷۱۳، كتاب المناسك) [1]

ترجمہ: جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ، مناسک میں (منیٰ) آئے تو آپ کے سامنے جمرۂ عقبہ کے قریب شیطان سامنے آ گیا، جس کو آپ نے سات کنکریاں ماریں، یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، پھر شیطان دوسرے جمرے کے قریب آپ کے سامنے آیا، پھر اس کو آپ نے سات کنکریاں ماریں، یہاں تک

---

[1] قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه "

کہ وہ زمین میں دھنس گیا، پھر شیطان تیسرے جمرے کے قریب آپ کے سامنے آیا، پھر اس کو آپ نے سات کنکریاں ماریں، یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم (رمی کر کے) شیطان کو رجم کرتے ہو اور اپنے باپ (ابراہیم) کے طریقہ کی تعریف کرتے ہو (حاکم)

اس قسم کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

---

[1] عن أبي الطفيل، قال :قلت لابن عباس :يزعم قومك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، رمل بالبيت، وأن ذلك سنة .فقال :صدقوا وكذبوا .قلت :وما صدقوا وكذبوا ؟ قال :صدقوا، رمل رسول الله صلى الله عليه وسلم بالبيت، وكذبوا، ليس بسنة، إن قريشا قالت :زمن الحديبية :دعوا محمدا وأصحابه حتى يموتوا موت النغف، فلما صالحوه على أن يقدموا من العام المقبل، يقيموا بمكة ثلاثة أيام، فقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم، والمشركون من قبل قعيقعان، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه " :ارملوا بالبيت ثلاثا "، وليس بسنة .قلت :ويزعم قومك أنه طاف بين الصفا والمروة على بعير، وأن ذلك سنة .فقال :صدقوا وكذبوا . فقلت :وما صدقوا وكذبوا ؟ فقال :صدقوا، قد طاف بين الصفا والمروة على بعير، وكذبوا، ليس بسنة، كان الناس لا يدفعون عن رسول الله، ولا يصرفون عنه، فطاف على بعير ليسمعوا كلامه، ولا تناله أيديهم، قلت :ويزعم قومك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سعى بين الصفا والمروة، وأن ذلك سنة ؟ قال :صدقوا، إن إبراهيم لما أمر بالمناسك، عرض له الشيطان عند المسعى فسابقه، فسبقه إبراهيم، ثم ذهب به جبريل إلى جمرة العقبة، فعرض له شيطان -قال يونس :الشيطان -فرماه بسبع حصيات، حتى ذهب، ثم عرض له عند الجمرة الوسطى فرماه بسبع حصيات، قال :قد تله للجبين -قال يونس :وثم تله للجبين -وعلى إسماعيل قميص أبيض، وقال :يا أبت، إنه ليس لي ثوب تكفنني فيه غيره، فاخلعه حتى تكفنني فيه، فعالجه ليخلعه، فنودي من خلفه :(أن يا إبراهيم قد صدقت الرؤيا)فالتفت إبراهيم، فإذا هو بكبش أبيض أقرن أعين، قال ابن عباس :لقد رأيتنا نتبع ذلك الضرب من الكباش، قال :ثم ذهب به جبريل إلى الجمرة القصوى، فعرض له الشيطان، فرماه بسبع حصيات حتى ذهب، ثم ذهب به جبريل إلى منى قال :هذا منى -قال يونس :هذا مناخ الناس -ثم أتى به جمعا، فقال :هذا المشعر الحرام، ثم ذهب به إلى عرفة، فقال ابن عباس :هل تدرى لم سميت عرفة ؟ قلت " :لا . "قال :إن جبريل قال لإبراهيم :عرفت -قال يونس : هل عرفت ؟ -قال :نعم .قال ابن عباس :فمن ثم سميت عرفة، ثم قال :هل تدرى كيف كانت التلبية ؟ قلت :وكيف كانت ؟ قال :إن إبراهيم لما أمر أن يؤذن في الناس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سے معلوم ہوا کہ جمرات پر رَمی کرنا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے عمل کی یادگار ہے۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ:

جَاءَ جِبْرِيْلُ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبَ بِهٖ لِيُرِيَهُ الْمَنَاسِكَ فَانْفَرَجَ لَهٗ ثَبِيْرٌ، فَدَخَلَ مِنًى فَأَرَاهُ الْجِمَارَ، ثُمَّ أَرَاهُ عَرَفَاتٍ فَنَبَغَ الشَّيْطَانُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْجَمْرَةِ فَرَمِيَ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتّٰى سَاخَ، ثُمَّ نَبَغَ لَهٗ فِي الْجَمْرَةِ الثَّانِيَةِ فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتّٰى سَاخَ، ثُمَّ نَبَغَ لَهٗ فِيْ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتّٰى سَاخَ فَذَهَبَ (مستدرک حاکم رقم الحديث ۱۷۵۴، كتاب المناسك) [1]

ترجمہ: حضرت جبریل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پھر آپ کو لے کر گئے، تاکہ آپ کو حج کے مناسک دکھائیں، پس آپ کے لیے ثبیر پہاڑ (بطور معجزہ) کھل گیا، پھر منیٰ میں داخل ہوگئے، تو آپ کو (منیٰ میں) جمرات دکھائے، پھر آپ کو عرفات دکھایا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرہ کے پاس شیطان دکھائی دیا، جس کو آپ نے سات کنکریاں ماریں، یہاں تک کہ وہ دھنس گیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے جمرہ کے پاس شیطان دکھائی دیا، پھر آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریں، یہاں تک کہ وہ دھنس گیا، پھر آپ کو جمرۂ عقبہ کے قریب شیطان دکھائی دیا، پھر آپ نے اس کو سات کنکریاں ماریں، یہاں تک کہ وہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ بالحج، خفضت له الجبال رء وسها، ورفعت له القرى، فأذن في الناس بالحج(مسند أحمد رقم الحديث۲۷۰۷)

في حاشية مسند احمد:رجاله ثقات رجال الصحيح غير أبي عاصم الغنوي، فقد روى له أبو داود، وقال أبو حاتم :لا أعرف اسمه ولا أعرفه، ولا حدث عنه سوى حماد بن سلمة، وقال إسحاق بن منصور عن ابن معين :ثقة، وقال الحافظ في "التقريب :"مقبول .قلنا :ولمعظم هذا الحديث طرق وشواهد يتقوى بها.

[1] قال الحاكم:هذا حديث صحيح الإسناد، ولم يخرجاه.

دھنس گیا اور غائب ہو گیا (حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شیطان ان جمرات کے قریب نظر آیا تھا، جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں ماری تھیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى، وَرَمٰى فِيْ سَائِرِ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ بَعْدَمَا زَالَتِ الشَّمْسُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۲۹۱، مسلم، رقم الحديث ۱۲۹۹) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر (یعنی دس ذی الحجہ) کو جمرۂ عقبہ کی رمی چاشت کے وقت (یعنی طلوع ہونے کے بعد سورج روشن ہو چکنے پر) کی، اور باقی تمام ایامِ تشریق میں سورج کے زوال کے بعد کی (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ دس ذی الحجہ کے بعد کے دنوں کی رَمی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال کے بعد کی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى مِنًى، فَمَكَثَ بِهَا لَيَالِيَ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ يَرْمِى الْجَمْرَةَ، إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ كُلَّ جَمْرَةٍ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ، وَيَقِفُ عِنْدَ الْأُوْلٰى، وَالثَّانِيَةِ فَيُطِيْلُ الْقِيَامَ، وَيَتَضَرَّعُ، وَيَرْمِى الثَّالِثَةَ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا (سنن ابى داؤد) [۲]

ترجمہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ واپس تشریف لے آئے، پھر ایامِ تشریق (یعنی دس ذی الحجہ کے بعد) کی راتوں میں وہاں ٹھرے رہے، آپ

---

[۱] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[۲] رقم الحديث ۱۹۷۳، كتاب مناسك الحج، باب فی رمی الجمار، مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۴۵۹۲.

فی حاشية مسند احمد: حديث حسن.

جمرے کی رمی فرماتے تھے جب سورج کا زوال ہوجاتا تھا، ہر جمرے پر سات کنکریاں مارتے تھے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور پہلے جمرے پر اور دوسرے جمرے پر ٹھہرتے تھے اور دیر تک کھڑے رہتے تھے اور دعاء وتضرع کرتے تھے اور تیسرے جمرے کی رمی کرتے تھے لیکن اس کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے (ابوداؤد، مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ دس ذی الحجہ کے بعد کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا چاہئے، اور سورج کے زوال کے بعد رَمی کرنی چاہئے، اور پہلے اور دوسرے جمرہ پر رَمی کے بعد کچھ دیر کے لئے ٹھہرنا چاہئے، اور تیسرے جمرہ پر رَمی کے بعد دعاء کے لئے نہیں ٹھہرنا چاہئے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجِمَارَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے زوال کے بعد رَمی جمار کیا کرتے تھے (ترمذی)

حضرت وبرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، مَتٰى أَرْمِي الْجِمَارَ؟ قَالَ: إِذَا رَمٰى إِمَامُكَ، فَارْمِهْ فَأَعَدْتُ عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ، قَالَ: كُنَّا نَتَحَيَّنُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا (بخاری) [2]

ترجمہ: میں نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میں کب رمی کروں؟ انہوں نے فرمایا کہ جب تمہارا امام (وحاکم) رمی کرے، تو تم بھی رمی کرو، پھر میں

---

[1] رقم الحديث ۸۹۸، ابواب الحج، باب ما جاء فی الرمی بعد زوال الشمس.
قال الترمذی: هذا حديث حسن.

[2] رقم الحديث ۱۷۴۶، كتاب الحج، باب رمی الجمار، سنن أبی داود، رقم الحديث ۱۹۷۲، باب فی رمی الجمار.

نے دوبارہ پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ ہم انتظار کیا کرتے تھے، جب آفتاب ڈھل جاتا (یعنی زوال ہوجاتا) تو ہم رمی کرتے تھے (بخاری)

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ: لَا تُرْمَى الْجِمَارُ فِي الْأَيَّامِ الثَّلَاثَةِ، حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ (الموطأ مالک، رقم الحديث ۱۵۳۶، كتاب الحج، باب رمى الجمار)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم تین دنوں (یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) میں رمی جمار سورج کے زوال سے پہلے نہ کرو (مؤطا امام مالک)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ گیارہ ذی الحجہ اور اس کے بعد کے دنوں کی رَمی زوال کے بعد کرنی چاہئے۔

حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، كَانَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، ثُمَّ يُكَبِّرُ عَلٰى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ، ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُسْهِلُ، فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ قِيَامًا طَوِيْلًا، فَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَرْمِي الْجَمْرَةَ الْوُسْطٰى كَذٰلِكَ، فَيَأْخُذُ ذَاتَ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ قِيَامًا طَوِيْلًا، فَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ، ثُمَّ يَرْمِي الْجَمْرَةَ ذَاتَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي، وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا، وَيَقُوْلُ: هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ (بخاری) [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قریبی (یعنی پہلے) جمرہ پر سات کنکریاں مارتے پھر ہر کنکری پر تکبیر کہتے پھر آگے بڑھتے تو نرم زمین پر (یعنی لوگوں کے رَمی کرنے والی جگہ سے ہٹ کر الگ) پہنچتے، اور قبلہ رو کھڑے ہوتے

---

[1] رقم الحديث ۱۷۵۲، كتاب الحج، باب رفع اليدين عند جمرة الدنيا والوسطى.

اور دیر تک کھڑے رہتے اور دعاء کرتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر درمیانی جمرہ کی رمی کرتے، پھر بائیں جانب جاتے اور نرم زمین پر پہنچتے پھر قبلہ رو کھڑے ہوتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور دعاء کرتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر وادی کے نچلے حصہ سے جمرہ ذاتِ عقبہ (یعنی جمرۂ عقبہ) کی رمی کرتے اور وہاں کھڑے نہ رہتے وہاں سے فارغ ہوتے، تو کہتے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے اور دوسرے جمرہ پر رَمی کے بعد ایک طرف ہوکر قبلہ رُو ہوکر کچھ دیر دعاء کرنا سنت ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

أَيَّامُ مِنًى ثَلَاثَةٌ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ، فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ، فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ، وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (شرح مشكل الآثار للطحاوى) [1]

ترجمہ: منیٰ کے ایامِ تشریق کے تین دن ہیں (یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) پس جو شخص دو دن (رَمی کر کے) جلدی چلا جائے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جو شخص (تیسرے دن تک جانا) مؤخر کرے (اور تیسرے دن کی بھی رَمی کرے) تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (شرح مشکل الآثار، ترمذی، مسند احمد، ابنِ ماجہ)

اس سے معلوم ہوا کہ گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رَمی کرنا تو ضروری ہے، اور اس کے بعد تیسرے دن کی رَمی کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يَقُوْلُ: مَنْ غَرَبَتْ لَهُ الشَّمْسُ مِنْ أَوْسَطِ

---

[1] رقم الحديث ۴۸۶۰، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من قوله: "من أدرك عرفة، فقد أدرك الحج"، سنن الترمذى، رقم الحديث ۸۸۹، مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۷۷۳، سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۳۰۱۵.
فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَهُوَ بِمِنًى، فَلَا يَنْفِرَنَّ، حَتّٰى يَرْمِيَ الْجِمَارَ مِنَ الْغَدِ(مؤطا امام مالک، رقم الحديث ١٥٣١، كتاب الحج، باب رمی الجمار)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جس شخص کے لئے ایامِ تشریق کے درمیانی دن (یعنی بارہ ذی الحجہ) کا سورج غروب ہوگیا، اور وہ منیٰ میں تھا، تو وہ وہاں سے نہ جائے، یہاں تک کہ اگلے دن کی رمی جمار نہ کرلے(مؤطا امام مالک)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر منیٰ کی حدود میں رہتے ہوئے بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہوجائے، تو پھر اگلے دن (یعنی تیرہ ذی الحجہ) کی رَمی کئے بغیر جانا برا ہے۔

ملحوظ رہے کہ ایک روایت میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جب تیرہ ذی الحجہ کو سورج بلند ہوجائے (یعنی سورج طلوع ہوجائے) تو رَمی اور طوافِ صدر یعنی طوافِ وداع حلال ہوجاتا ہے۔ [1]

مگر اس روایت کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے، بعض محدثین نے اس روایت کو شدید ضعیف قرار دیا ہے۔

اور دیگر مرفوع وموقوف صحیح احادیث وروایات سے دس ذی الحجہ کے بعد باقی دنوں کی رَمی کے زوال کے بعد ہی کرنے کا ذکر ملتا ہے، جن پر اس ضعیف یا شدید ضعیف حدیث کو ترجیح دینا مشکل ہے۔ [2]

---

[1] وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ ,ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ,ثنا العباس بن محمد ,ثنا محمد بن عبيد ,ثنا طلحة ,عن عبد الله بن أبي مليكة ,عن ابن عباس رضي الله عنهما ,قال " :إذا انتفخ النهار من يوم النفر الآخر فقد حل الرمي ,والصدر "(السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث ٩٦٨٧)

[2] قال البيهقي:طَلْحَةُ بْنُ عَمْرٍو الْمَكِّيُّ ضَعِيف.
وقال ابن حجر:طلحة بن عمرو بن عثمان الحضرمي المكي متروك من السابعة مات سنة اثنتين وخمسين ق (تقريب التهذيب، ج ١ ص ٢٨٣، رقم الترجمة، ٣٠٣٠)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ يَزُوْرُ الْبَيْتَ كُلَّ لَيْلَةٍ مِنْ لَيَالِي مِنًى(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۲۹۰۴، ج۱۲ ص۲۰۵) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال ايضاً: "ق -طلحة "بن عمرو بن عثمان الحضرمي المكي روى عن عطاء بن أبي رباح ومحمد بن عمرو بن علقمة وأبي الزبير وسعيد بن جبير وغيرهم وعنه جرير بن حازم والثوري وأبو داود الطيالسي وعبد الله بن الحارث المخزومي وخالد بن يزيد بن صالح بن صبيح وجعفر بن عون وأبو عاصم ووكيع وأبو نعيم وعبيد الله بن موسى وجماعة قال عمرو بن علي كان يحيى وعبد الرحمن لا يحدثان عنه وقال أحمد لا شيء متروك الحديث وقال ابن معين ليس بشيء ضعيف وقال الجوزجاني غير مرضي في حديثه وقال أبو حاتم ليس بقوي لين عندهم وقال البخاري ليس بشيء كان يحيى بن معين سيء الرأي فيه وقال أبو داود ضعيف وقال النسائي متروك الحديث وقال أيضا ليس بثقة وروى له بن عدي أحاديث وقال روى عنه قوم ثقات وعامة ما يرويه لا يتابع عليه وقال عبد الرزاق سمعت معمرا يقول اجتمعت أنا وشعبة والثوري وابن جريج فقدم علينا شيخ فأملى علينا أربعة آلاف حديث عن ظهر قلب فما أخطأ إلا في موضعين ونحن ننظر في الكتاب لم يكن الخطأ منا ولا منه إنما كان من فوق فكان الرجل طلحة بن عمر وقال البخاري عن يحيى بن بكير مات سنة اثنتين وخمسين ومائة وكذا أرخه بن أبي عاصم قلت وكذا قال ابن سعد وزاد كان كثير الحديث ضعيفا جدا مات بمكة وقال علي بن المديني عن ابن مهدي قدم طلحة بن عمرو يعني البصرة فقعد على مصطبة واجتمع الناس فخلوت به أنا وحسين بن عربي وذكرنا له الأحاديث يعني المنكرة فقال استغفر الله وأتوب فقلنا له أقعد على مصطبة وأخبر الناس فقال أخبروهم عني وقال البزار ليس بالقوي وليس بالحافظ وقال علي بن سعيد النسائي عن أحمد بن طلحة بن يحيى أحب إلي منه وقال الحاكم أبو أحمد ليس بالقوي عندهم ذكره في أبي عمران وقال علي بن الجنيد متروك وقال ابن المديني ضعيف ليس بشيء وقال أبو زرعة والعجلي والدارقطني ضعيف وذكره الفسوي في باب من يرغب عن الرواية عنه وقال ابن حبان كان ممن يروي عن الثقات ما ليس من أحاديثهم لا يحل كتب حديثه ولا الرواية عنه إلا على جهة التعجب(تهذيب التهذيب، ج۵ص۲۳، ۲۴)

[1] قال الالباني: وجملة القول أن الحديث صحيح على كل حال سواء ثبت سماع ابن عرعرة إياه من معاذ أم لا أما الأول فواضح لثقة ابن عرعرة وحفظه وأما على الآخر فغايته أن يكون روايته وجادة في كتاب معاذ، وقد ناوله هذا إياه، فهي وجادة صحيحة من أقوى الوجادات مقرونة بمناولة الشيخ .وبالله التوفيق.

ومما يقوي الحديث أن له شاهدا مرسلا قويا، فقد قال البيهقي عقبه مشيرا إلى تقوية الحديث به ": وروى الثوري في "الجامع "عن ابن طاووس عن طاووس :أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يفيض كل ليلة يعني ليالي منى (سلسلة الأحاديث الصحيحة،تحت رقم الحديث ۸۰۴)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کی راتوں میں سے ہر رات میں بیت اللہ کی زیارت کیا کرتے تھے (طبرانی)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّبِيتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى، مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهٖ، فَأَذِنَ لَهٗ (بخاری رقم الحديث ۱۶۳۴، كتاب الحج، باب سقاية الحاج)

ترجمہ: عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اجازت طلب کی کہ وہ منیٰ کی راتوں کو مکہ میں گزاریں تاکہ وہ زمزم پلانے کی خدمت کر سکیں، تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی (بخاری)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رَمی کئے جانے والی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا فرض یا واجب نہیں، اور اگر کوئی کسی عذر سے اس کو ترک کر دے، تو کوئی حرج نہیں۔

گیارہ تا تیرہ ذی الحجہ کی رَمی سے متعلق مسائل

احادیث وروایات کے بعد اب گیارہ تا تیرہ ذی الحجہ کی رَمی کے سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رَمی کرنا تو حج کے واجبات میں سے ہے، اور تیرہ ذی الحجہ کی رَمی کرنا فی نفسہٖ حج کے واجبات میں سے نہیں، اور کوئی کرے، تو افضل ہے، لیکن بعض صورتوں میں تیرہ ذی الحجہ کی رَمی بھی واجب ہو جاتی ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔[1]

---

[1] والأفضل أن يتأخر بمنى ويرمي اليوم الرابع، لقوله تعالى :(ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى)واتباعا للنبى صلى الله عليه وسلم تكميلا للعبادة .
أما ما ورد من ركوب النبى صلى الله عليه وسلم فى الرمى فأجيب عنه بأنه "محمول على رمى لا رمى بعده، أو على التعليم ليراه الناس فيتعلموا منه مناسك الحج "والجواب الثانى أولى وأقوى، يدل عليه قوله فى اليوم الأول وهو راكب :لتأخذوا عنى مناسككم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۶۴، ۱۶۵، مادة "رمى")

مسئلہ نمبر۲...... گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کو تینوں جمرات کو سات سات کنکریاں مارنا واجب ہے۔

پہلے چھوٹے جمرہ کو، جسے عربی زبان میں ''جمرۂ اولیٰ'' یا ''جمرۂ صغریٰ'' یا ''جمرۂ دنیا'' کہا جاتا ہے، جو کہ منیٰ میں مسجدِ خیف کے قریب واقع ہے، اس کے بعد درمیانے جمرہ کو، جسے عربی زبان میں ''جمرۂ ثانیہ'' یا ''جمرۂ وسطیٰ'' کہا جاتا ہے، جو کہ پہلے جمرہ کے بعد ہے، اور تیسرے جمرہ سے پہلے ہے، اور اس طرح سے وہ دونوں جمروں کے درمیان میں واقع ہے، پھر اس کے بعد آخری یا بڑے جمرہ کو، جسے عربی زبان میں ''جمرۂ ثالثہ'' یا ''جمرۂ عقبہ'' یا ''جمرۂ کبریٰ'' کہا جاتا ہے، جو کہ منیٰ میں سب سے آخر میں بیت اللہ کی طرف واقع ہے۔

اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک رَمی صحیح ہونے کے لئے اسی ترتیب سے تینوں جمرات کو رَمی کرنا ضروری ہے، اور اگر کسی نے اس ترتیب کے برعکس جمرات کی رَمی کی، مثلاً پہلے بڑے جمرہ کو، پھر درمیانی کو، پھر چھوٹے کو، تو ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا کہ اس نے چھوٹے جمرہ کی اب پہلے رَمی کی ہے، اس لئے اس پر درمیانی اور آخری جمرہ کی رَمی کو دوبارہ کرنا واجب ہوگا۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک رَمی صحیح ہونے کے مذکورہ ترتیب سے تینوں جمرات کو رَمی کرنا ضروری نہیں، البتہ سنت ہے، لہٰذا اگر کسی نے اس ترتیب کے خلاف رَمی کی، مثلاً پہلے رَمی، دوسرے یا تیسرے جمرہ کی کردی، اور اس کے بعد دوسرے جمرات کی رَمی کی، تو اس کی رَمی کرنے کا واجب ادا ہوجاتا ہے، اور اس کو دوبارہ رَمی کرنا واجب نہیں ہوتا، البتہ اس کو دوبارہ رَمی کرنا سنت ہوتا ہے، تاکہ وہ سنت کے ثواب سے محروم نہ ہو۔ [۱]

---

[۱] ز -ترتيب الجمرات في رمي أيام التشريق:

وهو أن يبدأ بالجمرة الصغرى التي تلي مسجد الخيف، ثم الوسطى، ثم جمرة العقبة.

وهو مذهب الجمهور (المالكية والشافعية والحنابلة) فهذا الترتيب شرط لصحة الرمي.

فلو عكس الترتيب فبدأ من العقبة ثم الوسطى ثم الصغرى وجب عليه إعادة رمي الوسطى والعقبة عندهم ليتحقق الترتيب.

ومذهب الحنفية أن هذا الترتيب سنة، إذا أخل به يسن له الإعادة .وهو قول الحسن وعطاء.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... گیارہ اور بارہ ذی الحجہ دونوں دنوں کی رَمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، اور حنفیہ سمیت جمہور علماء کے نزدیک زوال سے پہلے رَمی کرنا جائز نہیں ہوتا۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

استدلوا بأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم رتبہا کذلک، کما ثبت عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنہ کان یرمی الجمرۃ الدنیا بسبع حصیات یکبر علی إثر کل حصاۃ، ثم یتقدم حتی یسہل، فیقوم مستقبل القبلۃ، فیقوم طویلا ویدعو ویرفع یدیہ، ثم یرمی الوسطی، ثم یأخذ ذات الشمال فیستہل ویقوم مستقبل القبلۃ، فیقوم طویلا، ویدعو، ویرفع یدیہ ویقوم طویلا، ثم یرمی جمرۃ(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ج۲۳، ص ۱۵۵ مادۃ "رمی")

[۱] اوپر بارہ ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے جائز نہ ہونے کا حنفیہ کا جو قول ذکر کیا گیا ہے، وہ حنفیہ کی مشہور یا ظاہرُ الروایۃ کے مطابق ہے، جبکہ حنفیہ کی ایک غیر ظاہرُ الروایہ کے مطابق اگر بارہ ذی الحجہ کو کسی کا منیٰ سے روانگی کا ارادہ ہو تو اُسے زوال سے پہلے رمی کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر زوال کے بعد رمی کرنا افضل ہے، اور اگر کسی کا ابھی منیٰ سے روانگی کا ارادہ نہ ہو، تو اُسے بارہ ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے کرنا جائز نہیں، مگر جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ یہ حنفیہ کی غیر مشہور یا غیر ظاہر الروایۃ ہے۔

الرمی فی الیوم الأول والثانی من أیام التشریق:

یجب فی ہذین الیومین رمی الجمار الثلاث علی الترتیب :أولا الجمرۃ الصغری، التی تلی مسجد الخیف بمنی، ثم الوسطی، بعدہا، ثم جمرۃ العقبۃ، یرمی کل جمرۃ منہا بسبع حصیات.

ویبدأ وقت الرمی فی ہذین الیومین بعد الزوال، ولا یجوز قبلہ عند جمہور العلماء ، وہی الروایۃ الظاہرۃ عن أبی حنیفۃ.

وروی الحسن عن أبی حنیفۃ " :إن کان من قصدہ أن یتعجل فی النفر الأول فلا بأس أن یرمی فی الیوم الثالث قبل الزوال، وإن رمی بعدہ فہو أفضل، وإن لم یکن ذلک من قصدہ لا یجوز أن یرمی إلا بعد الزوال، وذلک لدفع الحرج، لأنہ إذا نفر بعد الزوال لا یصل إلی مکۃ إلا باللیل، فیحرج فی تحصیل موضع النزول(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ج۱۷، ص۵۵، مادۃ "حج")

ب -الرمی فی الیوم الأول والثانی من أیام التشریق:

وہما الیومان الثانی والثالث من أیام النحر :یجب فی ہذین الیومین رمی الجمار الثلاث علی الترتیب :یرمی أولا الجمرۃ الصغری التی تلی مسجد الخیف، ثم الوسطی، ثم یرمی جمرۃ العقبۃ، یرمی کل جمرۃ بسبع حصیات.

یبدأ وقت الرمی فی الیوم الأول والثانی من أیام التشریق بعد الزوال، ولا یجوز الرمی فیہما قبل الزوال عند جمہور العلماء ، ومنہم الأئمۃ الأربعۃ علی الروایۃ المشہورۃ الظاہرۃ عن أبی حنیفۃ .

وروی عن أبی حنیفۃ أن الأفضل أن یرمی فی الیوم الثانی والثالث -أی من أیام النحر -بعد الزوال فإن رمی قبلہ جاز، وہو قول بعض الحنابلۃ.

وروی الحسن عن أبی حنیفۃ :إن کان من قصدہ أن یتعجل فی النفر الأول فلا بأس بأن یرمی فی الیوم الثالث قبل الزوال، وإن رمی بعدہ فہو أفضل، وإن لم یکن ذلک من قصدہ لا یجوز أن یرمی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کل بعض لوگ گیارہویں یا بارہویں تاریخ کی رمی زوال سے پہلے ہی کر کے چل دیتے ہیں، حالانکہ جمہور فقہائے کرام اور حنفیہ کے راجح قول کے مطابق گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو زوال سے پہلے رمی جائز نہیں ہے، اس لئے اس طرزِ عمل سے بچنا چاہئے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ إلا بعد الزوال، وذلك لدفع الحرج؛ لأنه إذا نفر بعد الزوال لا يصل إلى مكة إلا بالليل فيحرج في تحصيل موضع النزول .
وهذا رواية أيضا عن أحمد، لكنه قال :ينفر بعد الزوال.
استدل الجمهور بفعل النبي صلى الله عليه وسلم كما ثبت عنه.
فعن ابن عمر رضي الله عنهما قال :كنا نتحين، فإذا زالت الشمس رمينا.
وعن جابر قال :رأيت النبي صلى الله عليه وسلم رمى الجمرة يوم النحر ضحى، وأما بعد ذلك فإذا زالت الشمس.
وهذا باب لا يعرف بالقياس، بل بالتوقيت من الشارع، فلا يجوز العدول عنه.
واستدل للرواية بجواز الرمي قبل الزوال بقياس أيام التشريق على يوم النحر؛ لأن الكل أيام نحر، ويكون فعله صلى الله عليه وسلم محمولا على السنية.
واستدل لجواز الرمي ثاني أيام التشريق قبل الزوال لمن كان من قصده النفر إلى مكة بما ذكروا أنه لرفع الحرج عنه؛ لأنه لا يصل إلا بالليل، وقد قوى بعض المتأخرين من الحنفية هذه الرواية توفيقا بين الروايات عن أبي حنيفة.
والأخذ بهذا مناسب لمن خشي الزحام ودعته إليه الحاجة، لا سيما في زمننا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۵۷،۱۵۸ مادة "رمى")
وأما وقت الرمي من اليوم الأول والثاني من أيام التشريق، وهو اليوم الثاني والثالث من أيام الرمي فبعد الزوال حتى لا يجوز الرمي فيهما قبل الزوال في الرواية المشهورة عن أبي حنيفة.
وروى عن أبي حنيفة أن الأفضل أن يرمي في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال، فإن رمى قبله جاز، وجه هذه الرواية أن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث؛ لأن الكل أيام النحر، وجه الرواية المشهورة ما روى عن جابر -رضي الله عنه -أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -رمى الجمرة يوم النحر ضحى، ورمى في بقية الأيام بعد الزوال ، وهذا باب لا يعرف بالقياس بل بالتوقيف، فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز، ولا شيء عليه؛ لأن الليل وقت الرمي في أيام الرمي لما روينا من الحديث فإذا رمى في اليوم الثاني من أيام التشريق بعد الزوال فأراد أن ينفر من منى إلى مكة، وهو المراد من النفر الأول فله ذلك لقوله تعالى (فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه)أي من نفر إلى مكة بعدما رمى يومين من أيام التشريق، وترك الرمي في اليوم الثالث فلا إثم عليه في تعجيله، والأفضل أن لا يتعجل بل يتأخر إلى آخر أيام التشريق، وهو اليوم الثالث منها فيستوفي الرمي في الأيام كلها ثم ينفر، وهو المعنى من النفر الثاني، وذلك معنى قوله تعالى (ومن تأخر فلا إثم عليه)(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۲ ص۱۳۷،۱۳۸، كتاب الحج، فصل وقت رمي الجمار)

مسئلہ نمبر۴۸...... گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا مسنون وقت زوال سے لے کر سورج غروب ہونے تک جاری رہتا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گیارہ اور بارہ ذی الحجہ دونوں دِنوں کی رَمی کا ادا وقت اُس دن سے متصل رات گزر کر طلوعِ فجر ہونے پر ختم ہوتا ہے۔ [1]

گویا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگلا دن شروع ہونے سے پہلے پہلے اس دن کی رمی کر لینا، یہ رمی کے واجبات میں سے ہے، اور اگر اس نے گیارہ ذی الحجہ کی رَمی نہیں کی، یہاں تک کہ اگلے دن کا طلوعِ فجر ہوگیا، یا بارہ ذی الحجہ کی رَمی نہیں کی، یہاں تک کہ اگلے دن کا طلوعِ فجر ہوگیا، تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دَم بھی واجب ہوتا ہے، اور تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے اس چھوٹی ہوئی رَمی کا اعادہ کرنا بھی واجب ہوتا ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک دس ذی الحجہ سمیت، سب دنوں کی رمی کا آخری وقت تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے تک جاری رہتا ہے، لہٰذا اگر کسی نے دس، گیارہ یا بارہ ذی الحجہ کے دن کی رَمی نہیں کی، تو تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے اس چھوٹی ہوئی رَمی کو ادا کر لینا واجب ہوتا ہے، اور اگر کوئی تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے کسی بھی دن کی چھوٹی ہوئی رَمی کو ادا کر لے، خواہ رات میں یا دن میں، زوال سے پہلے یا زوال کے بعد، تو اس پر دَم وغیرہ واجب نہیں ہوتا، لیکن اگر تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے تک بھی اس نے چھوٹی ہوئی رَمی ادا نہیں کی، تو پھر اس پر دَم واجب ہوا کرتا ہے۔ [2]

---

[1] یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رَمی کا مسنون اور افضل وقت زوال کے بعد سے لے کر سورج غروب ہونے تک ہے، اور سورج غروب ہونے کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک ادا مگر مکروہ وقت ہے، اور رات میں عذر کی صورت میں کرنا مکروہ بھی نہیں۔

[2] اور مالکیہ کے نزدیک ہر دن کی رَمی کا وقت اس دن کا سورج غروب ہونے پر ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ پہلے دس ذی الحجہ کی رَمی کے بیان میں گزرا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رَمی اور اگر تیرہ ذی الحجہ کو رَمی کرنا چاہے، تو اس دن کی رَمی میں سنت یہ ہے کہ پہلے جمرہ اور دوسرے جمرہ کو سات سات کنکریاں مارنے کے بعد اگر بسہولت ممکن ہو، تو ایک طرف ہٹ کر کچھ دیر کے لئے کھڑا ہو جائے، اور قبلہ رُو ہاتھ اٹھا کر حمد و ثناء اور درود شریف پڑھے، اور اس کے بعد جو چاہے دعاء کرے۔

اور اگر کوئی ایسا نہ کرے، بلکہ رَمی سے فارغ ہو کر اگلے جمرہ پر جا کر رَمی کر لے، یا ہجوم کی وجہ سے وہاں کھڑا ہونا ممکن نہ ہو، تو اس عمل کو چھوڑ دینے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔

بعض لوگ پہلے اور دوسرے جمرہ کی رمی کے بعد دعاء کے لئے ٹھہرنے میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ بیچ راستہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں جس سے دوسرے لوگوں کو خلل اور راستہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، پس یہ دعاء بیچ راستہ سے ہٹ کر کرنی چاہئے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يجب عدم تأخير رمى يوم لتاليه عند الحنفية، وإلى المغرب عند المالكية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۰، مادة "حج")

وأما نهاية وقت الرمى فى اليوم الأول والثانى من أيام التشريق :فقد ذهب الشافعية والحنابلة إلى أن آخر الوقت بغروب شمس اليوم الرابع من أيام النحر، وهو آخر أيام التشريق الثلاث، فمن ترك رمى يوم أو يومين تداركه فيما يليه من الزمن، والمتدارك أداء على القول الأصح الذى اختاره النووى واقتضاه نص الشافعية.

وهكذا لو ترك رمى جمرة العقبة يوم العيد فالأصح أنه يتداركه فى الليل وفى أيام التشريق.

ويشترط فيه الترتيب فيقدمه على رمى أيام التشريق .كذلك أوجب المالكية والحنابلة الترتيب فى القضاء .وصرح الحنابلة بوجوب ترتيبه فى القضاء بالنية.

وإن لم يتدارك الرمى حتى غربت شمس اليوم الرابع فقد فاته الرمى وعليه الفداء.

ودليلهم :أن أيام التشريق وقت للرمى، فإذا أخره من أول وقته إلى آخره لم يلزمه شىء.

وأما الحنفية والمالكية فقيدوا رمى كل يوم بيومه، ثم فصلوا :فذهب الحنفية إلى أنه ينتهى رمى اليوم الثانى من أيام النحر بطلوع فجر اليوم الثالث، ورمى اليوم الثالث بطلوع الفجر من اليوم الرابع .فمن أخر الرمى إلى ما بعد وقته فعليه قضاؤه، وعليه دم عندهم.

والدليل على جواز الرمى بعد مغرب نهار الرمى حديث الإذن للرعاء بالرمى ليلا.

وذهب المالكية إلى أنه ينتهى الأداء إلى غروب كل يوم، وما بعده قضاء له، ويفوت الرمى بغروب الرابع، ويلزمه دم فى ترك حصاة أو فى ترك الجميع، وكذا يلزمه دم إذا أخر شيئا منها إلى الليل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۵۹ مادة "رمى")

اور رَمی کے باقی احکام وہی ہیں، جو دس ذی الحجہ کی رَمی کے بیان میں گزر چکے ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر کوئی تمام دنوں کی رَمی ترک کردے، یا ایک دن کی مکمل رَمی ترک کردے (مثلاً دس ذی الحجہ کی جمرۂ عقبہ کی رَمی، یا اس کے بعد والے دن تینوں جمرات کی رَمی) یا ایک دن کی اکثر کنکریاں ترک کردے (یعنی دس ذی الحجہ کی چار یا اس سے زیادہ، اور باقی دنوں کی گیارہ یا اس سے زیادہ کنکریاں) تو حنفیہ کے نزدیک اس پر ایک دَم واجب ہوجائے گا، اور اگر اس سے کم کنکریاں ترک کرے، تو ہر ایک چھوٹی ہوئی کنکری کے عوض میں ایک فطرانہ کے برابر صدقہ واجب ہوگا۔ [2]

اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی شخص تمام دنوں کی یا ایک یا دو دن کی رَمی ترک کرے، یا کسی ایک دن کی تین یا اس سے زیادہ کنکریاں ترک کردے، تو اس پر دَم واجب ہوتا ہے۔

اور اگر ایک کنکری ترک کردے، تو شافعیہ کے نزدیک ایک مُد، اور دو کنکریوں میں دو مُد واجب ہوتے ہیں۔

---

[1] ولا يقف عندها ويقف عند الجمرة الأولى والوسطى فى المقام الذى يقف فيه الناس كذا فى الكافى والمقام الذى يقوم فيه الناس أعلى الوادى كذا فى المحيط كل رمى بعده رمى فإنه يقف بعده وكل رمى ليس بعده رمى فإنه لا يقف بعده لأن العبادة قد انتهت، كذا فى الجوهرة النيرة(الفتاوى الهندية، ج ١ ،ص ٢٣٢، كتاب المناسك،الباب الخامس)

فيرمى الجمرة الأولى وهى التى تلى مسجد الخيف ويقف قدر سورة البقرة يدعوا الله عز وجل ثم يرمى الجمرة الوسطى ويقف ويدعو الله تعالى كما ذكرنا ثم يرمى الجمرة الثالثة وهى جمرة العقبة ولا يقف عندها (المجموع شرح المهذب، ج٨،ص ٢٣٥ ،باب صفة الحج)

فإذا كان من الغد، وزالت الشمس، رمى الجمرة الأولى بسبع حصيات، يكبر مع كل حصاة، ويقف عندها، ويرمى، ويدعو، ثم يرمى الجمرة الوسطى بسبع حصيات، يكبر أيضا، ويدعو، ثم يرمى جمرة العقبة بسبع حصيات، ولا يقف عندها) قد ذكرنا أن جملة ما يرمى به الحاج سبعون حصاة، سبعة منها يرميها يوم النحر، بعد طلوع الشمس(المغنى لابن قدامة، ج٣،ص ٣٩٨، كتاب الحج،باب صفة الحج)

[2] وإن ترك رمى يوم فعليه دم، ولو يوم النحر؛ لأنه نسك تام .قيد برمى يوم؛ لأنه لو ترك إحدى الجمار الثلاث فعليه صدقة؛ لأن الكل نسك واحد فى يوم فكان المتروك أقل فيلزمه لكل حصاة نصف صاع من بر أو صاع من تمر أو صاع من شعير إلا أن يبلغ دما فينقص ما شاء إلا أن يكون المتروك أكثر من النصف بأن يترك أحد عشر من أحد وعشرين فحينئذ يلزمه الدم؛ لأن للأكثر حكم الكل(البحر الرائق، ج٣ص ٢٥ ، كتاب الحج، باب الجنايات فى الحج)

اور حنابلہ کے نزدیک ایک یا دو کنکریاں ترک کرنے پر کچھ واجب نہیں ہوتا، جبکہ مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص ایک کنکری بھی ترک کردے، تو اس پر دَم واجب ہوجاتا ہے۔ [1]

اور یہ بات پہلے گزرچکی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر دن کی رَمی کا وقت اگلے دن کے طلوعِ فجر پر ختم ہوجاتا ہے، اور تیرہ ذی الحجہ کی غروب سے پہلے اس کی قضاء بھی واجب ہوتی ہے، اور دَم یا صدقہ جو بھی ہو، وہ بھی واجب ہوتا ہے، اور اگر تیرہ ذی الحجہ کا غروب ہوگیا، تو قضاء کا وقت ختم ہوجاتا ہے، اور صرف دَم ہی واجب ہوتا ہے۔

جبکہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے تک چھوٹی ہوئی رَمی یا کنکریاں ادا کرلینے سے دَم اور صدقہ وغیرہ ساقط ہوجاتا ہے، خواہ وہ اگلے دن کی رَمی کے ساتھ یہ چھوٹی ہوئی رَمی یا کنکریاں ادا کرے، یا پھر دن، رات میں کسی اور وقت میں، اور اگر تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہوگیا، اور اس رَمی کو ادا نہیں کیا، تو پھر دَم وغیرہ متعین ہوجاتا ہے، اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے۔ [2]

---

[1] ثالثا :ترک الرمی :مذهب الشافعية والحنابلة أنه يجب الدم على من ترک الرمی كله أو ترک رمی يوم أو يومين أو ترک ثلاث حصيات من رمی أی جمرة.
وعند الشافعية فی الحصاة يجب مد واحد، وفی الحصاتين ضعف ذلک.
وعند الحنابلة فی الحصاة أو الحصاتين روايات .قال فی المغنی :الظاهر عن أحمد أنه لا شیء عليه فی حصاة ولا حصاتين "
وذهب الحنفية إلى أنه يجب الدم إن ترک الحاج رمی الجمار كلها فی الأيام الأربعة، أو ترک رمی يوم كامل، ويلحق به ترک رمی أكثر حصيات يوم أيضا، لأن للأكثر حكم الكل، فيلزم فيه الدم، أمان ترک الأقل من حصيات يوم فعليه صدقة، لكل حصاة نصف صاع من بر، أو صاع من تمر أو شعير.
ومذهب المالكية :يلزمه دم فی ترک حصاة أو فی ترک الجميع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۸۱، مادة "حج")

[2] سابعاً ۔حكم تأخيرر الرمی عن وقته :رمی الجمار واجب كما عرفنا، فإن تأخرعن وقته أو فات، وجب دم، على النحو المقرر فقهاً، فقال الحنفية :إذا ترک من جمار يوم النحر حصاة أو حصاتين أو ثلاثاً إلى الغد، فإنه يرمی ما ترک أو يتصدق لكل حصاة نصف صاع من حنطة إلا أن يبلغ قدر الطعام دماً فينقص ما شاء .والأصل أن ما يجب فی جميعه دم يجب فی أقله صدقة، فلو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... بارہ ذی الحجہ کی رمی کرنے کے بعد حاجی کو منیٰ سے مکہ یا کسی اور جگہ جانا جائز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ترک الرمي كله إلى الغد، كان عليه دم عند أبي حنيفة، فإذا ترك أقله تجب عليه الصدقة إلا أن يبلغ دماً، وإن ترك الأكثر منها فعليه دم في قول أبي حنيفة؛ لأن في جميعه دماً عنده، فكذا في أكثره.

وإن ترك الرمي كله في سائر الأيام إلى آخر أيام الرمي، وهو اليوم الرابع، فإنه يرميها فيه على الترتيب، وعليه دم عند أبي حنيفة؛ لأن الرمي مؤقت عنده.

ولو ترك رمي الكل وهو الجمار الثلاث لزمه دم عند أبي حنيفة؛ لأن جنس الجناية واحد، حظرها إحرام واحد، فيكفيها دم واحد، كما لو حلق ربع رأسه، فإنه يجب عليه دم واحد، ولو حلق جميع رأسه يلزمه دم واحد أيضاً، وكذا لو طيب عضواً واحداً أو طيب أعضاء ه كلها، أو لبس ثوباً واحداً أو لبس ثياباً كثيرة، لا يلزمه في ذلك كله إلا دم واحد.

فإذا ترك رمي الكل حتى غربت الشمس من آخر أيام التشريق وهو آخر أيام الرمي، يسقط عنه الرمي، وعليه دم واحد باتفاق الحنفية، لفوات وقته، وتعذر القضاء ، وتركه الواجب عن وقته.

وقال المالكية .إذا أخر رمي حصاة فأكثر من الجمار لليل أو ليوم بعده، وجب عليه دم، لخروج وقت الأداء وهو النهار، ودخول وقت القضاء .

ويقضي رمي جمرة العقبة أو اليوم الثاني أو الثالث قبل غروب شمس اليوم الرابع، سواء أخره لعذر أم لا، أو خالف ترتيب الجمرات، وعليه دم.

ويفوت الرمي بغروب الرابع، وعليه دم .ويلزم الدم أيضاً العاجز إذا استناب في الرمي، ويأثم أيضاً إذا لم يستنب لتقصيره، وعلى النائب دم ثان إن أخر الرمي لليل لغير عذر.

وقال الشافعية :إذا ترك رمي يوم أو رمي جمرة العقبة يوم النحر، تداركه في باقي الأيام من أيام التشريق في الأظهر، عملاً بنص الحديث المبيح لتأخير الرمي للرعاء وأهل السقاية، وبالقياس عليهم في غيرهم، إذ لا فرق بين المعذور وغيره، كما في الوقوف بعرفة والمبيت بالمزدلفة، ولا دم عليه إن تداركه لحصول الانجبار بالمأتي به، وإن لم يتداركه فعليه دم في رمي يوم أو يومين أو ثلاثة أو يوم النحر مع أيام التشريق، لاتحاد جنس الرمي، فأشبه حلق الرأس .والمذهب وجوب دم كامل في ترك ثلاث حصيات؛ لأن الثلاث أقل الجمع، كما لو أزال ثلاث شعرات متواليات، وروى البيهقي عن ابن عباس بإسناد صحيح أنه قال :من ترك نسكاً فعليه دم وفي ترك الحصاة الواحدة مدّ، وفي الثنتين مدّان.

وقال الحنابلة :إذا أخر رمي يوم إلى ما بعده، أو أخر الرمي كله إلى آخر أيام التشريق، ترك السنة، ولا شيء عليه، كما قال الشافعية، إلا أنه يقدم بالنية رمي اليوم الأول ثم الثاني، ثم الثالث؛ لأن أيام التشريق وقت للرمي، فإن أخره من أول وقته إلى آخره، لم يلزمه شيء ، كما لو أخر الوقوف بعرفة إلى آخر وقته، ولأنه وقت يجوز الرمي فيه، فجاز في آخره كاليوم الأول.

ولا يكون رميه في اليوم الثاني قضاء وإنما هو أداء ، مع ترك الأفضل؛ لأنه وقت واحد.

فإن ترك الرمي أو خالف ترتيب الجمرات، وجب دم.

وإن نقص حصاة أو حصاتين فلا بأس، ولا ينقص أكثر من ذلك، قال ابن عمر :ما أبالي رميت بست أو سبع(الفقه الاسلامي وادلته ، لوهبة الزحيلي، ج۳،ص ۲۲۶۵،الباب الخامس،الفصل الاول ،المبحث السادس،المطلب الثاني۔ رمي الجمار)

ہوجاتا ہے، اور اس کو شرعی زبان میں نفرِ اول کہا جاتا ہے، اس کے بعد تیرہ تاریخ کی رمی واجب نہیں ہوتی، اور اگر کوئی کرے، تو اچھی بات ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... اگر تیرہ ذی الحجہ کے طلوعِ فجر ہونے سے پہلے کوئی منیٰ کی حدود سے نکل جائے، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر تیرہ ذی الحجہ کی رَمی کرنا واجب نہیں ہوتا، اور اگر منیٰ کی حدود میں ہوتے ہوئے تیرہ ذی الحجہ کا طلوعِ فجر ہوجائے تو پھر تیرہ ذی الحجہ کے دن کی رمی کرنا بھی واجب ہوجاتا ہے۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اگر بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے منیٰ کی حدود سے نکل جائے، تو اس پر تیرہ ذی الحجہ کی رمی کرنا واجب نہیں ہوتا، اور اگر منیٰ کی حدود میں ہوتے ہوئے بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہوجائے تو پھر تیرہ ذی الحجہ کے دن کی رمی کرنا بھی واجب ہوجاتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہوجانے پر اگرچہ تیرہ ذی الحجہ کی رَمی واجب تو نہیں ہوتی، مگر تیرہ ذی الحجہ کی رَمی کئے بغیر منیٰ سے چلے آنا مکروہ ہے۔ [2]

---

[1] ب -أثر رمي الجمار يومي التشريق :النفر الأول:إذا رمى الحاج الجمار أول وثاني أيام التشريق يجوز له أن ينفر، أي يرحل إن أحب التعجل في الانصراف من منى، هذا هو النفر الأول، وبهذا النفر يسقط رمي اليوم الأخيروهو قول عامة العلماء ، لقوله تعالى :(فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه لمن اتقى)

وفي حديث عبد الرحمن بن يعمر الديلي الصحيح :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أيام منى ثلاثة :فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه ومن تأخر فلا إثم عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۶۵ ،مادة "رمى")

[2] النفر الأول:إذا رمى الحاج الجمار ثاني أيام التشريق يجوز له أن ينفر -أي يرحل -إلى مكة، إن أحب التعجل في الانصراف من منى، ويسمى هذا اليوم يوم النفر الأول، وبه يسقط رمي اليوم الثالث من أيام التشريق اتفاقا.

ومذهب الأئمة الثلاثة :له أن ينفر قبل غروب الشمس، ومذهب الحنفية :له أن ينفر ما لم يطلع الفجر من اليوم الرابع من أيام النحر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۵ وص ۵۶، مادة "حج")

النفر الأول :يحل للحاج إذا رمى جمار اليوم الثاني من أيام التشريق أن يرحل إلى مكة، ويسقط عنه رمي اليوم الثالث، إذا جاوز حدود منى قبل غروب الشمس عند الجمهور، وقبل فجر ثالث أيام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۹...... حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد اور دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک تیرہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی طرح زوال کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اور گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رَمی کی طرح تیرہ ذی الحجہ کی رَمی بھی زوال سے پہلے کرنا جائز و معتبر نہیں ہوتا۔

جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مشہور روایت کے مطابق تیرہ ذی الحجہ کے دن کی رمی کا وقت طلوعِ فجر کے بعد شروع ہوجاتا ہے، لہٰذا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق تیرہ ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے مگر طلوعِ فجر کے بعد کرنا جائز ہے، مگر افضل زوال کے بعد ہی ہے۔

اور تیرہ ذی الحجہ کی رمی کے وقت کا اختتام سب کے نزدیک اس دن کا سورج غروب ہونے پر ہوجاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾التشریق عند الحنفیة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۷، ص۴۸، مادة "حج")

ثم إذا فرغ من الرمی ثانی أیام العید وهو أول أیام التشریق رجع إلی منزله فی منی، ویبیت تلک اللیلة فیها، فإذا کان من الغد وهو ثانی عشر ذی الحجة، وثالث أیام النحر، وثانی أیام التشریق رمی الجمار الثلاثة بعد الزوال علی کیفیة رمی الیوم السابق.

ثم إذا رمی فی هذا الیوم فله أن ینفر أی یرحل، بلا کراهة لقوله تعالی :(فمن تعجل فی یومین فلا إثم علیه)ویسقط عنه رمی الیوم الرابع، لذلک یسمی هذا الیوم یوم النفر الأول(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۳، ص ۱۶۴ مادة "رمی")

فمن أحب التعجیل فی النفر الأول خرج قبل غروب الشمس، فإن غربت قبل خروجه من منی لم ینفر، سواء کان ارتحل أو کان مقیما فی منزله، لم یجز له الخروج، هذا قول عمر، وجابر بن زید، وعطاء، وطاوس، ومجاهد، وأبان بن عثمان، ومالک، والثوری، والشافعی، وإسحاق، وابن المنذر.

وقال أبو حنیفة :له أن ینفر ما لم یطلع فجر الیوم الثالث؛ لأنه لم یدخل وقت رمی الیوم الآخر، فجاز له النفر کما قبل الغروب .ولنا، قوله تعالی (فمن تعجل فی یومین فلا إثم علیه) (البقرة: 203) . والیوم اسم للنهار، فمن أدرکه اللیل فما تعجل فی یومین .قال ابن المنذر وثبت عن ابن عمر أنه قال :من أدرکه المساء فی الیوم الثانی، فلیقم إلی الغد حتی ینفر مع الناس .وما قاسوا علیه لا یشبه ما نحن فیه؛ فإنه تعجل فی الیومین(المغنی لابنِ قدامة، ج۳ص ۴۰۱، کتاب الحج)

[1] الرمی ثالث أیام التشریق:یجب رمی الجمار الثلاث فی هذا الیوم علی من تأخر ولم ینفر من منی "النفر الأول "ووقته عند الجمهور بعد الزوال، وقال أبو حنیفة :یجوز أن یقدم الرمی فی هذا الیوم قبل الزوال بعد طلوع الفجر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰...... دس ذی الحجہ کا دن گزرنے کے بعد آنے والی یعنی گیارہ ذی الحجہ کی رات اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾ واتفقوا على أن آخر وقت الرمى فى هذا اليوم غروب الشمس، وأن وقت الرمى لهذا اليوم ولقضاء ما قبله ينتهى أيضا بغروب شمس اليوم الرابع، لخروج وقت المناسک بغروب شمسه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۵۶، مادة "حج")

ج -الرمى ثالث أيام التشريق :يجب هذا الرمى على من تأخر ولم ينفر من منى بعد رمى ثانى أيام التشريق على ما نفصله وهذا الرمى آخر مناسک منى.

واتفق العلماء على أن الرمى فى هذا اليوم بعد الزوال رمى فى الوقت، كما رمى فى اليومين قبله، اقتداء بفعله صلى الله عليه وسلم.

واختلفوا فى جواز تقديمه :فذهب الأئمة الثلاثة والصاحبان إلى أنه لا يصح الرمى قبل الزوال، استدلالا بفعل النبى صلى الله عليه وسلم وقياسا لرمى هذا اليوم على اليومين السابقين، فكما لا يصح الرمى فيهما قبل الزوال، كذلک لا يصح قبل زوال اليوم الأخير.

وقال أبو حنيفة :الوقت المستحب للرمى فى هذا اليوم بعد الزوال، ويجوز أن يقدم الرمى فى هذا اليوم قبل الزوال، بعد طلوع الفجر.

قال فى الهداية :ومذهبه مروى عن ابن عباس رضى الله عنهما؛ ولأنه لما ظهر أثر التخفيف فى هذا اليوم فى حق الترک، فلأن يظهر فى جوازه -أى الرمى -فى الأوقات كلها أولى .

واتفقوا على أن آخر وقت الرمى فى هذا اليوم غروب الشمس، كما اتفقوا على أن وقت الرمى لهذا اليوم وللأيام الماضية لو أخره أو شيئا منه يخرج بغروب شمس اليوم الرابع، فلا قضاء له بعد ذلک، ويجب فى تركه الفداء .وذلک "لخروج وقت المناسک بغروب شمسه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۵۹، ۱۶۰ مادة "رمى")

الكلام فى اليوم الثانى والثالث، فوقت الرمى ما بعد الزوال ولو رمى قبل الزوال لا يجزئه هكذا ذكر فى الأصل و المجرد ، وذكر الحاكم الشهيد فى المنتقى قال محمد رحمه الله :كان أبو حنيفة يقول :أحب إلىّ أن لا يرمى فى اليوم الثانى والثالث حتى تزول الشمس، وإن رمى قبل ذلک أجزأه، فصار فى اليوم الثانى والثالث روايتان.

وذكر فى المجرد عن أبى حنيفة لو أراد أن ينفر فى اليوم الثالث، فله أن يرمى قبل الزوال، وإنما لا يجوز الرمى قبل الزوال لمن لا يريد النفر فيه، وروى ابن أبى مالک عن أبى يوسف أنه لا يرمى فى اليوم الثالث قبل الزوال، وإن أراد أن ينفر فيه، وأما فى اليوم الرابع فلا رمى فيه إلا بعد الزوال، ولو رمى قبل الزوال أجزأه فى قول أبى حنيفة، وعندهما لا يجوز إلا بعد الزوال(المحيط البرهانى، كتاب المناسک،الفصل الثالث :فى تعليم أعمال الحج)

وأبو حنيفة احتج بحديث ابن عباس -رضى الله تعالى عنه -إذا انتفح النهار فى آخر أيام التشريق فارموا يقال انتفح النهار إذا علا، واعتبر آخر الأيام بأول الأيام فكما يجوز الرمى فى اليوم الأول قبل زوال الشمس فكذا فى اليوم الآخر، وهذا لأن الرمى فى اليوم الرابع يجوز تركه أصلا فمن هذا الوجه يشبه النوافل، والتوقيت فى النفل لا يكون عزيمة فلهذا جوز الرمى فيه قبل الزوال ليصل إلى مكة قبل الليل(المبسوط للسرخسى،ج ۴،ص ۵۹،باب رمى الجمار)

اس کے بعد بارہ ذی الحجہ، اور اس کے بعد تیرہ ذی الحجہ کی یہ تینوں راتیں منیٰ کی راتیں کہلاتی ہیں۔ [1]

دس ذی الحجہ کے دن کے بعد آنے والی گیارہ اور اس کے بعد بارہ ذی الحجہ کی راتوں کا منیٰ میں گزارنا اور اگر تیرہویں تاریخ میں رَمی کا ارادہ ہو، تو بارہ ذی الحجہ کے بعد آنے والی تیرہ ذی الحجہ کی رات کا بھی منیٰ میں گزارنا حنفیہ اور بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سنت ہے، جس کی خلاف ورزی پر دَم وغیرہ واجب نہیں ہوتا، اور اگر کسی عذر سے اس سنت کو ترک کیا جائے، تو کوئی کراہت بھی لازم نہیں آتی۔

جبکہ دوسرے بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک ان راتوں کا منیٰ میں گزارنا واجب ہے، اور ان کے نزدیک اس واجب کی کم از کم مقدار رات کا اکثر حصہ ہے، اور بغیر عذر کے اس کی خلاف ورزی پر ان کے نزدیک فدیہ یا دَم واجب ہے، جس کی تفصیل دس ذی الحجہ کی رَمی کے بیان کے آخر میں گزر چکی ہے۔ [2]

---

[1] قوله :(ليالي منى) هي :ليلة الحادي عشر، والثاني عشر، والثالث عشر(عمدة القاري، ج۹ ص ۲۷۴، باب سقاية الحاج)
(ليالي منى) ليلة الحادي عشر والثاني عشر والثالث عشر(ارشاد الساري لشرح صحيح البخاري، ج۳ص ۱۷۹، باب سقاية الحاج)

[2] رابعا :المبيت بمنى ليالي أيام التشريق :منى :بالكسر والتنوين شعب بين جبال، طوله ميلان وعرضه يسير والمبيت بها ليالي أيام التشريق واجب عند جمهور الفقهاء، يلزم الدم لمن تركه بغير عذر.
وذهب الحنفية إلى أن المبيت بها سنة، والقدر الواجب للمبيت عند الجمهور هو مكث أكثر الليل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۷، مادة "حج")
المبيت بمنى ليالي أيام التشريق:ذهب جمهور الفقهاء، ومنهم المالكية والشافعية والحنابلة وعروة وإبراهيم وعطاء إلى وجوب المبيت بمنى ليالي أيام التشريق.
ويلزم الفداء لمن تركه بغير عذر، وهو دم لترك جل ليلة فأكثر عند المالكية، ولتركه كله عند الشافعية والحنابلة، ولترك ليلة مد، ولترك ليلتين مدان عند الشافعية والحنابلة.
وذهب الحنفية إلى أن المبيت بمنى سنة، وروى ذلك عن ابن عباس رضى الله عنهما والحسن.
وقد استدل الجمهور بحديث ابن عمر رضى الله عنهما أن العباس بن عبد المطلب رضى الله عنه استأذن النبى صلى الله عليه وسلم أن يبيت بمكة ليالي منى من أجل سقايته، فأذن له ولولا أنه واجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۱...... تیرہ ذی الحجہ کی رمی کے بعد منیٰ میں مزید قیام کرنا سنت نہیں ہے، کیونکہ اس کے بعد منیٰ کے مناسک واحکام ختم ہوجاتے ہیں، اس لئے اس کے بعد منیٰ سے روانہ ہوجانا چاہیے، اوراس روانگی کوشرعی زبان میں نفرِ ثانی کہا جاتا ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر ۱۲...... حج کے اعمال سے فراغت کے بعد منیٰ سے مکہ کی طرف روانہ ہوتے وقت وادیٔ محصب یا ابطح مقام میں کچھ وقت ٹھہرنے کے لئے اترنا مستحب ہے، لیکن اس میں غلوکرنا مناسب نہیں۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ لما احتاج إلى إذن.

وبحديث عائشة رضي الله عنها :أفاض رسول الله صلى الله عليه وسلم من آخر يومه حين صلى الظهر، ثم رجع إلى منى، فمكث بها ليالي أيام التشريق ،وفعله صلى الله عليه وسلم يدل بظاهره على الوجوب هنا .وجعل الحنفية هذه دلالة على السنية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹ص۵۸،۵۹، مادة "منٰى")

۱؎ النفر الثاني :إذا رمى الحاج الجمار الثلاث في اليوم الثالث من أيام التشريق وهو رابع أيام النحر انصرف من منى إلى مكة، ولا يسن له أن يقيم بمنى، بعد الرمي، ويسمى يوم النفر الثاني، وبه تنتهي مناسك منى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۶، مادة "حج")

ج -أثر الرمي ثالث أيام التشريق :النفر الثاني :إذا رمى الحاج الجمار في اليوم الثالث من أيام التشريق انصرف من منى إلى مكة، ولا يقيم بمنى بعد رميه هذا اليوم، ويسمى هذا النفر النفر الثاني، واليوم يوم النفر الثاني، وهو آخر أيام التشريق، وبه ينتهي وقت رمي الجمار، ويفوت على من لا يتداركه قبل غروب شمس هذا اليوم، وبه تنتهي مناسك منى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳، ص ۱۶۵ ،مادة "رمى")

۲؎ اور حنفیہ کے نزدیک وادیٔ محصب میں قیام کرنا سنت ہے، جس میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھنا بھی داخل ہے۔ اور وادیٔ محصب دراصل مکہ میں داخل ہونے کے وقت دو پہاڑوں کے درمیان حجون یا المعلّٰی نام کے مقبرہ کی طرف واقع ہے، اور آج کل یہ وادی مکہ کی آبادی کا حصہ بن چکی ہے، بلکہ مکہ کی آبادی اس سے بھی آگے تک تجاوز کر چکی ہے۔

عن نافع، عن ابن عمر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم وابوبكر وعمر وعثمان ينزلون بالابطح (مسند أحمد،رقم الحديث ۵۶۲۴)

في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

سابعا :التحصيب:وهو النزول بوادي المحصب، أو الأبطح في النفر من منى إلى مكة عند انتهاء المناسك، ويقع المحصب عند مدخل مكة بين الجبلين، إلى المقبرة المسماة بالحجون .وقد اتصل بناء مكة به في زمننا بل تجاوزه لما وراءه.

والتحصيب مستحب عند الجمهور، سنة عند الحنفية، بأن ينزل الحاج فيه في نفره من منى ويصلي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراسی وجہ سے بعض آثار میں محصّب میں نزول کے سنت سمجھنے کی ممانعت آئی ہے۔ ۱؎

مسئلہ نمبر۱۳…… حکومت کی طرف سے مقررہ امام کومنیٰ میں حجاجِ کرام کوحج کے احکام کی تعلیم وتبلیغ کے لئے خطبہ دینا بھی سنت ہے، جوشافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک دس ذی الحجہ کو ہے، اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک گیارہ ذی الحجہ کو ہے۔

پھر شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بارہ ذی الحجہ کوبھی ایک خطبہ دینا سنت ہے، جس میں حجاجِ کرام کومنیٰ سے روانگی اوررخصتی کے مسائل بتائے جائیں گے۔ ۲؎

اور منیٰ میں جمعہ کی نماز کا حکم دس ذی الحجہ کی رمی کے بیان کے آخر میں گزر چکا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيه الظهر والعصر والمغرب والعشاء. استدل الجمهور بما أخرجه الشيخان عن عائشة رضى الله عنها قالت :إنما نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم المحصب ليكون أسمح لخروجه، وليس بسنة فمن شاء نزله، ومن شاء لم ينزله.

واستدل الحنفية على السنية بحديث أسامة بن زيد قال :قلت :يا رسول الله أين تنزل غدا فى حجته .قال :وهل ترك عقيل لنا من دار ثم قال :نحن نازلون بخيف بنى كنانة، حيث قاسمت قريش على الكفر،وحيث أصبح المحصب الآن ضمن البنيان فيمكث الحاج فيه ما تيسر تحصيلا للسنة قدر الإمكان فى هذا الموضع الذى يثير تلك الذكرى من جهاد النبى صلى الله عليه وسلم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۶۹، مادة "حج"مستحبات الحج)

۱؎ عن عائشة، قالت :إنما نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم المحصب ليكون أسمح لخروجه، وليس بسنة فمن شاء نزله، ومن شاء لم ينزله(سنن أبى داود،رقم الحديث ۲۰۰۸)

عن ابن عباس قال " :ليس المحصب بشىء ، إنما هو منزل نزله رسول الله صلى الله عليه وسلم "(مسند أحمد،رقم الحديث ۱۹۲۵)

فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط الشيخين.

۲؎ الخطبة الثالثة:الخطبة الثالثة تكون بمنى فى اليوم الحادى عشر من ذى الحجة عند الحنفية والمالكية .وذهب الشافعية والحنابلة إلى أنها تكون بمنى يوم النحر.

استدل الشافعية بما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه خطب يوم النحر بمنى.

وأجاب الحنفية بأن المقصود من الخطبة التعليم وإجابة عن أسئلة وجهت إليه صلى الله عليه وسلم ويوم النحر يوم اشتغال بأعمال كثيرة وهى الرمى والذبح والحلق والطواف.

الخطبة الرابعة:زاد الشافعية والحنابلة خطبة رابعة :هى بمنى ثانى أيام التشريق، يعلمهم فيها جواز النفر فيه وغير ذلك، ويودعهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۶۵، ۶۶، مادة "حج")

(باب نمبر۱۳)

طَوَافِ وِدَاع کے فضائل واحکام

حج کرنے والے کو حج کے اعمال سے فارغ ہوکر اپنے گھر واپس لوٹتے وقت ایک طواف کرنے کا حکم ہے، جس کو طوافِ وداع کہا جاتا ہے۔

طوافِ وداع سے متعلق احادیث وروایات

پہلے طوافِ وداع کے سلسلہ میں چند احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ متعلقہ احکام ذکر کئے جائیں گے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ حَتّٰى يَكُوْنَ آخِرُ عَهْدِهٖ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ (سنن أبی داود، رقم الحديث ۲۰۰۲، كتاب المناسك، باب الوداع)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک (بیتُ اللہ سے) روانہ نہ ہو، جب تک کہ وہ آخری کام بیتُ اللہ کا طواف نہ کرلے (ابوداؤد)

حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ إِلَّا الْحُيَّضَ، وَرَخَّصَ لَهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (سنن الترمذی، رقم الحديث ۹۴۴، ابواب الحج، باب ما جاء فی المرأة تحيض بعد الإفاضة) [1]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بیتُ اللہ کا حج کرے، تو اس کا آخری کام بیتُ اللہ کا طواف ہونا چاہئے، مگر حیض (یا نفاس والی) والی عورتوں کو

---

[1] قال الترمذی: حديث ابن عمر حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أهل العلم.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ طواف چھوڑنے کی) گنجائش دی ہے (ترمذی)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلْحَائِضِ أَنْ تَصْدُرَ قَبْلَ أَنْ تَطُوفَ، إِذَا كَانَتْ قَدْ طَافَتْ فِي الْإِفَاضَةِ (مسند احمد، رقم الحديث ۳۵۰۵) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض والی عورت کو اس چیز کی گنجائش دی کہ وہ طواف (وداع) کرنے سے پہلے روانہ ہوجائے، جبکہ وہ طوافِ زیارت کرچکی ہو (مسند احمد)

ان احادیث سے طوافِ وداع کرنے کا ثبوت ہوا، اور حیض ونفاس والی عورتوں کے لئے اس کو چھوڑنے کی گنجائش کا ہونا بھی معلوم ہوا۔

طوافِ وداع سے متعلق مسائل

احادیث وروایات کے بعد اب طوافِ وداع کے سلسلہ میں متعلقہ مسائل ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ نمبر ۱...... حج کے اعمال واحکام سے فارغ ہوکر حرم سے واپس رخصت ہوتے وقت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ایک طواف کرنا واجب ہے، جس کو طوافِ وداع کہا جاتا ہے، اور اس کو طوافِ صدر اور طوافِ آخرِ عہد بھی کہا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

[2] اور مالکیہ کے نزدیک طوافِ وداع واجب نہیں، بلکہ سنت ہے۔

خامسا: طواف الوداع: طواف الوداع يسمى طواف الصدر، وطواف آخر العهد.
وذهب جمهور الفقهاء من الحنفية والحنابلة وهو الأظهر عند الشافعية إلى أن طواف الوداع واجب، وذهب المالكية إلى أنه سنة.
استدل الجمهور على وجوبه بأمره صلى الله عليه وسلم كما روى ابن عباس رضى الله عنه قال: أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت، إلا أنه خفف عن المرأة الحائض.
واستدل المالكية على أنه سنة، بأنه جاز للحائض تركه دون فداء، ولو وجب لم يجز للحائض تركه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۷، مادة "حج")

طوافِ وداع حج سے فارغ ہوکر رخصت ہونے والے کے لئے ہے، خواہ اس نے حجِ افراد کیا ہو، یا حجِ تمتع کیا ہو، یا حجِ قران کیا ہو۔[1]

مسئلہ نمبر۲...... حنفیہ کے مفتیٰ بہٖ قول کی رُو سے طوافِ وِداع صرف آفاق (یعنی میقات سے باہر) سے آنے والے حجاج پر واجب ہے، حل وحرم میں رہنے والوں پر واجب نہیں، البتہ مستحب ان کے لئے بھی ہے۔

جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک طوافِ وداع حرم کے باشندوں پر واجب نہیں، اور بعض فقہائے

---

[1] اور عمرہ کرنے والے کو بھی عمرہ سے فارغ ہوکر رخصت ہوتے وقت کئی فقہائے کرام کے نزدیک طوافِ وداع واجب یا سنت ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک واجب یا سنت نہیں، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مستحب ہے۔
بہرحال اختلاف سے بچنے کے لئے عمرہ کرنے والے کو بھی واپسی کے وقت ایک طواف کرلینا مناسب ہے۔

أن يكون قد أدى مناسك الحج مفردا أو متمتعا أو قارنا . فلا يجب على المعتمر عند الحنفية وحدهم، ولو كان آفاقيا، وكأنهم نظروا إلى المقصود، وهو ختم أعمال الحج، فلا يطلب من المعتمر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٧، مادة "حج")

أما الحنفية فلا يجب عندهم طواف الوداع على المعتمر لكن يستحب خروجا من الخلاف؛ لأن طواف الوداع عندهم من مناسك الحج، شرع ليكون آخر عهده بالبيت (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠، ص٣١٨، مادة "عمرة")

وليس على المعتمرين من أهل الأفاق طواف الصدر أيضا لأن ركن العمرة هو الطواف فكيف يصير ركنه تبعا له (تحفة الفقهاء، ج١، ص٤١٠، كتاب المناسك، باب الاحرام)

فأما طواف الصدر فلا يجب على المعتمر، وقال الحسن بن زياد يجب عليه كذا ذكر الكرخي وجه قوله :إن طواف الصدر طواف الوداع والمعتمر يحتاج إلى الوداع، كالحاج (بدائع الصنائع، ج٢ص٢٢٧، كتاب الحج، العمرة)

(قوله وليس للعمرة طواف الصدر) أي ؛ لأن الطواف ركن العمرة فكيف يصير مثل ركنه تبعا له وفيه تأمل .اهـ .كاكي (حاشية الشلبي على التبيين، ج٢ص٣٦، باب الاحرام)

إذا طاف للعمرة فهو أحوط وأبرأ للذمة؛ لأنك إذا طفت للوداع في العمرة، لم يقل أحد إنك أخطأت، لكن إذا لم تطف قال لك من يوجب ذلك :إنك أخطأت، وحينئذ يكون الطائف مصيباً بكل حال، ومن لم يطف فإنه على خطر، ومخطء على قول بعض أهل العلم (مجموع فتاوىٰ ورسائل للعثيمين، ج٢٣ص٣٢٥، كتاب المناسك، طواف الوداع في الحج والعمرة)

کرام کے نزدیک جو بھی حرم سے سفر کا قصد کر کے نکلے، اس کو طوافِ وداع کرنا چاہئے، اگر چہ وہ حرم کا باشندہ ہی کیوں نہ ہو۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... طوافِ وداع واجب ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اگر عورت ہو، تو وہ رخصت ہونے کے وقت حیض ونفاس سے پاک ہو۔

اگر رخصت ہونے کے وقت عورت حیض ونفاس کی حالت میں ہو، تو اس سے یہ طوافِ وداع معاف ہوجاتا ہے۔ [2]

---

[1] شروط وجوبه:أن يكون الحاج من أهل الآفاق، عند الحنفية والحنابلة، فلا يجب على المكى، لأن الطواف وجب توديعا للبيت، وهذا المعنى لا يوجد فى أهل مكة لأنهم فى وطنهم.
وألحق الحنفية من كان من منطقة المواقيت، لأن حكمهم حكم أهل مكة.
وقال الحنابلة :لا يسقط إلا عمن كان منزله فى الحرم فقط.
وعند المالكية والشافعية يطلب طواف الوداع فى حق كل من قصد السفر من مكة، ولو كان مكيا إذا قصد سفرا تقصر فيه الصلاة .ووصفه المالكية بأنه سفر بعيد كالجحفة لا قريبا كالتنعيم إذا خرج للسفر لا ليقيم بموضع آخر أو بمسكنه، فإن خرج ليقيم بموضع آخر أو بمسكنه طلب منه، ولو كان الموضع الذى خرج إليه قريبا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۷، مادة "حج")
ثم عليه طواف الوداع إذا أراد السفر من مكة -ولو كان مكيا -وجوبا عند الشافعية وسنة عند المالكية، ويجب عليه طواف الوداع عند الحنابلة إلا إن كان مكيا أو منزله فى الحرم، فلا يجب عليه الوداع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰،ص۳۱۸،مادة " عمرة ")
(ثم) إذا أراد السفر (طاف للصد) أى الوداع (سبعة أشواط بلا رمل وسعى، وهو واجب إلا على أهل مكة) ومن فى حكمهم فلا يجب بل يندب كمن مكث بعده (الدرالمختار مع ردالمحتار)
(قوله إلا على أهل مكة) أفاد وجوبه على كل حاج آفاقى مفرد أو متمتع أو قارن بشرط كونه مدركا مكلفا غير معذور فلا يجب على المكى، ولا على المعتمر مطلقا، وفائت الحج والمحصر والمجنون والصبى والحائض والنفساء كما فى اللباب وغيره (قوله ومن فى حكمهم) أى ممن كان داخل المواقيت، وكذا من نوى الاستيطان قبل حل النفر كما مر (قوله فلا يجب إلخ) قال فى النهر: والمنفى عنهم إنما هو وجوبه لا ندبه.
وقد قال الثانى أحب إلى أن يطوف المكى طواف الصدر لأنه وضع لختم أفعال الحج، وهذا المعنى موجود فى حقهم (ردالمحتار، ج۲، ص۵۲۳، كتاب الحج، مطلب فى طواف الزيارة)

[2] الطهارة من الحيض والنفاس :فلا يجب على الحائض والنفساء ، ولا يسن أيضا حتى إنهما لا يجب عليهما دم بتركه، لما سبق من حديث ابن عباس :إلا أنه خفف عن الحائض وكذا حديث عائشة فى قصة صفية لما حاضت فقد سافر بها النبى صلى الله عليه وسلم دون أن تطوف للوداع.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر اگر رخصت ہوتے وقت کسی عورت کو حیض جاری تھا، لیکن مکہ کی آبادی سے نکلنے سے پہلے اس کا حیض بند ہو گیا، تو اس پر فقہائے کرام نے طوافِ وداع کو واجب کہا ہے، لیکن یہ اس وقت ہے، جبکہ قانونی تقاضوں کی رُو سے اسے لوٹ کر آ کر طوافِ وداع کرنا ممکن ہو، ورنہ معاف ہو جائے گا، قیاساً علی الحج اذا کان مانعا عن السلطان۔ [1]

مسئلہ نمبر۴...... طوافِ وداع صحیح ہونے کے لئے صرف طواف کی نیت کر لینا کافی ہے، طوافِ وداع کی تخصیص و تعیین کی نیت کرنا ضروری نہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۵...... حج کے سفر کا طوافِ وداع کے صحیح ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس سے پہلے طوافِ زیارت ادا کیا جا چکا ہو۔ [3]

مسئلہ نمبر۶ ...... اگر طوافِ زیارت کے بعد رخصت ہونے سے پہلے کسی حاجی نے کوئی بھی ایک طواف کر لیا ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس طواف سے بھی طوافِ وداع کا واجب ادا ہو جاتا ہے، وہ الگ بات ہے کہ رخصت ہونے کے وقت مستقل طور پر طوافِ وداع کر لینا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ [4]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فأما الطهارة من الجنابة فليست بشرط لوجوب طواف الوداع، فيكون واجبا على المحدث والجنب، لأنه يمكنهما إزالة الحدث والجنابة فى الحال بالغسل أو التيمم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٧، مادة "حج")

[1] وإذا طهرت الحائض قبل أن تفارق بنيان مكة يلزمها طواف الصدر، وإن جاوزت جدران مكة ثم طهرت لم يلزمها طواف الصدر، اتفاقا بين الحنفية والشافعية والحنابلة .لأنها حين خرجت من العمران صارت مسافرة، بدليل جواز القصر، فلا يلزمها العود ولا الدم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٧، مادة "حج")

[2] يشترط لصحة طواف الوداع ما يأتي :أ -أصل نية الطواف لا التعيين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٩، مادة "حج"،شروطه صحته)

[3] ب -أن يكون مسبوقا بطواف الزيارة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص٥٩، مادة "حج"،شروطه صحته)

[4] اور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک طوافِ وداع کا وقت حج کے تمام اُمور سے فارغ ہونے اور سفر کا ارادہ کر لینے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کسی پر طوافِ وداع واجب تھا، اور وہ طوافِ وداع کئے بغیر اپنے گھر واپس لوٹ گیا، تو حنفیہ کے نزدیک جب تک میقات سے باہر نہ نکلے، اس وقت تک واپس لوٹ کر آنے اور طوافِ وداع کرنے سے اس کا دَم ساقط ہو جاتا ہے۔ ؎۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ج -الوقت:ووقت طواف الوداع عند الحنفية يمتد عقب طواف الزيارة لو تأخر سفره، وكل طواف يفعله الحاج بعد طواف الزيارة يقع عن طواف الصدر.

أما السفر فور الطواف فليس من شرائط جوازه عند الحنفية، حتى لو كان للصدر، ثم تشاغل بمكة بعده حتى ولو أقام أياما كثيرة، لا يجب عليه طواف آخر، لأن المراد أن يكون آخر عهده بالبيت نسكا، لا إقامة، والطواف آخر مناسكه بالبيت، إلا أن المستحب أن يؤخر طواف الصدر إلى الوقت الذى يريد أن يسافر .فيه.

وعند المالكية والشافعية والحنابلة وقته بعد فراغه من جميع أموره، وعزمه على السفر، ويغتفر له أن يشتغل بعده بأسباب السفر، كشراء الزاد، وحمل الأمتعة ونحو ذلك ولا يعيده، لكن إن مكث بعده مشتغلا بأمر آخر غير أسباب السفر كشراء متاع، أو زيارة صديق، أو عيادة مريض احتاج إلى إعادة الطواف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۵۷، الیٰ ص ۵۹، مادة "حج")

؎۱ اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی طوافِ وداع ترک کرکے مسافتِ قصر کی مقدار سے کم پر گیا تھا، اور وہ پھر لوٹ کر آ گیا، اور طوافِ وداع کر لیا، تو اس کا دَم ساقط ہو جائے گا، اور اگر مسافتِ قصر کے بقدر فاصلہ پر چلا گیا تھا، تو پھر لوٹ کر آنے اور طوافِ وداع کا تدارک کرنے سے دَم ساقط نہیں ہوگا۔

اور مالکیہ کے نزدیک طوافِ وداع مسنون ومندوب ہے، اس لئے ان کے نزدیک نہ تو اس کے چھوڑنے پر دَم واجب ہے، اور نہ کئے بغیر روانگی کے بعد کسی مرحلہ پر لوٹ کر آنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تدارك طواف الوداع :طواف الوداع واجب على غير الحائض يجبر تركه بدم، ولو كان تركه لنسيان أو جهل، وهذا قول الحنابلة، وهو أحد قولي الشافعية .والثاني عندهم :هو سنة لا يجب جبره، فعلى قول الوجوب قال الشافعية والحنابلة :إن خرج بلا وداع وجب عليه الرجوع لتداركه إن كان قريبا، أي دون مسافة القصر، فإن عاد قبل مسافة القصر فطاف للوداع سقط عنه الإثم والدم، وإن تجاوز مسافة القصر استقر عليه الدم، فلو تداركه بعدها لم يسقط الدم، وقيل :يسقط.

وعند الحنفية :طواف الوداع واجب، ويجزء عنه ما لو طاف نفلا بعد إرادة السفر، فإن سافر ولم يكن فعل ذلك وجب عليه الرجوع لتداركه ما لم يجاوز الميقات، فيخير بين إراقة الدم وبين الرجوع بإحرام جديد بعمرة، فيبتدء بطوافها ثم بطواف الوداع، فإن فعل ذلك فلا شيء عليه لتأخيره.

وعند المالكية :طواف الوداع مندوب، فلو تركه وخرج، أو طافه طوافا باطلا يرجع لتداركه ما لم يخف فوت رفقته الذين يسير بسيرهم، أو خاف منعا من الكراء أو نحو ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۱ ص ۱۰۹، ۱۱۰، مادة "تدارك")

(باب نمبر۱۴)

حرم، مسجدِ حرام اور بیتُ اللہ سے متعلق متفرق احکام

حرم شریف، مکہ مکرمہ اور مسجدِ حرام، نیز بیتُ اللہ سے متعلق کئی مسائل ایسے ہیں، جن سے وہاں جانے والے لوگوں کو سابقہ پیش آتا ہے، اس لئے اب اس طرح کے چند مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر۱...... فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ زمین کے سب سے افضل مقامات ہیں۔ [1]

پھر فقہائے کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کس کی فضیلت زیادہ ہے؟

جمہور فقہائے کرام یعنی حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور مالکیہ کے ایک قول کے مطابق مکہ مکرمہ کی فضیلت مدینہ منورہ کے مقابلہ میں زیادہ ہے، جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)...... بیتُ اللہ یا کعبہ، مکہ مکرمہ میں واقع ہے، اور حج جو کہ اسلام کا اہم رکن اور فریضہ ہے، اور عمرہ جو کہ واجب یا سنت ہے، ان کی ادائیگی مکہ مکرمہ اور حرم شریف کے ساتھ خاص ہے، جن کی مدینہ منورہ میں ادائیگی ممکن نہیں۔

(۲)...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت حاصل ہونے کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کرنے کا عرصہ مدینہ منورہ کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

---

[1] فضل بعض الأمكنة على بعض:
أجمع الفقهاء على أن بعض الأماكن أفضل من البعض الآخر بما أودع الله فيها من فضله، وما يقع فيها من إكرامه لعباده، لا بصفات قائمة فيها، لأن الأماكن فى الأصل متماثلة ومتساوية.
وقد أجمع الفقهاء على أن مكة المكرمة والمدينة المنورة هما أفضل بقاع الأرض (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲ص ۱۵۴، مادة " فضائل")

(۳)...... مکہ مکرمہ میں انبیاء اور رسولوں اور نیک لوگوں کی آمد اور وارِد ہونے کی تعداد مدینہ منورہ کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

(۴)...... بوسہ دینا اور استلام کرنا عظمت واحترام کی مخصوص شکلیں ہیں، جو مکہ مکرمہ میں بیتُ اللہ کے حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے ساتھ خاص ہیں، اور مدینہ منورہ میں ان جیسا کوئی عمل عبادت نہیں ہے۔

(۵)...... اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے ہر خطہ میں موجود انسان کو نماز میں مکہ میں واقع بیتُ اللہ کی طرف رخ کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے، اور مدینہ منورہ کو یہ شرف حاصل نہیں۔

(۶)...... قضائے حاجت کے وقت کعبہ کی طرف رخ کرنا اور پشت کرنا منع ہے، جبکہ مدینہ منورہ کی طرف رخ یا پشت کرنے کی ممانعت نہیں۔

(۷)...... مکہ اور حرم میں ابتدائے پیدائش سے ہی اللہ تعالیٰ نے قتل وقتال اور حرم کی مخصوص چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، اور کسی نبی اور رسول کے لئے بھی حلال قرار نہیں دیا، سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور وہ بھی ایک ساعت کے لئے۔

(۸)...... اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلاۃ والسلام کو مکہ میں رہائش عطا فرمائی، اور اس کو سیدُ المرسلین اور خاتم الانبیاء، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش بنایا۔

(۹)...... رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے غسل فرمایا، اور یہ عمل دوسروں کے لئے بھی مسنون ہے، جبکہ مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل کرنا منقول نہیں۔

(۱۰)...... اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں بیتُ اللہ کی جس طرح سے تعریف وتوصیف فرمائی ہے، اس طرح کی تعریف وتوصیف مدینہ منورہ کی نہیں

فرمائی۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ (سوره آلِ عمران، رقم الآية ٩٦)

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا، وہ مکہ میں ہے، جو مبارک ہے، اور تمام عالَم والوں کے لئے ہدایت ہے۔

(۱۱)...... بعض فقہائے کرام کے نزدیک مکہ مکرمہ میں مکروہ اوقات میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے، اگرچہ دوسرے فقہائے کرام کا اس میں اختلاف ہے، مگر یہ اختلاف مدینہ منورہ کے بارے میں نہیں ہے، وہاں بالاتفاق مکروہ اوقات میں نماز پڑھنا منع ہے۔

(۱۲)...... مسجدِ حرام میں نماز کی فضیلت ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اور مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت اس سے کم ہے۔ [۱]

---

[۱] ثم اختلفوا فی أیهما أفضل؟ فذهب جمهور الفقهاء ، منهم الحنفية والشافعية والحنابلة، وهو قول عند المالكية، إلى أن مكة المكرمة أفضل من المدينة المنورة، لوجوه عددها العلماء :

أحدها :وجوب قصدها للحج والعمرة، وهذان واجبان لا يقع مثلهما فی المدينة.

الثانی :إن فضلت المدينة بإقامة رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها بعد النبوة، كانت مكة أفضل منها، لأنه صلى الله عليه وسلم أقام فيها بعد النبوة ثلاث عشرة سنة وأقام بالمدينة عشرا.

الثالث :إن فضلت المدينة بكثرة الطارقين من عباد الله الصالحين، فمكة أفضل منها بكثرة من طرقها من الأنبياء والمرسلين والصالحين.

الرابع :إن التقبيل والاستلام ضرب من التقديس والاحترام، وهما مختصان بالركنين اليمانيين، ولم يوجد مثل ذلک فی المدينة.

الخامس :أن الله سبحانه وتعالى أوجب علينا استقبالها فی الصلاة حيثما كنا من البلاد والفلوات، ولم يوجب علينا مثل ذلک فی المدينة.

السادس :إن الله حرم علينا استقبال الكعبة واستدبارها عند قضاء الحاجة.

السابع :إن الله حرم مكة يوم خلق السموات والأرض، فلم تحل لأحد من الرسل والأنبياء إلا لنبينا صلى الله عليه وسلم وعلى جميع الأنبياء ، فإنها أحلت له ساعة من نهار.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۴۳)...... کئی احادیث میں مکہ مکرمہ کو دوسرے شہروں سے افضل واعظم اور بہتر قرار دیا گیا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الثامن :إن الله بوأها لإبراهيم الخليل ولابنه إسماعيل عليهما الصلاة والسلام، وجعلها مولدا لسيد المرسلين وخاتم الأنبياء عليه الصلاة والسلام.

التاسع :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم " :اغتسل لدخول مكة "، وهو مسنون، ولم ينقل عنه مثل ذلک لدخول المدينة.

العاشر :إن الله سبحانه وتعالى أثنى على البيت فى كتابه بما لم يثن به على المدينة، فقال :(إن أول بيت وضع للناس للذى ببكة مباركا وهدى للعالمين)

الحادى عشر :من شرف مكة أن الصلاة لا تكره فيها فى الأوقات التى تكره فيها الصلاة، لقوله صلى الله عليه وسلم يا بنى عبد مناف لا تمنعوا أحدا طاف بهذا البيت وصلى أية ساعة شاء ، من ليل أو نهار.

الثانى عشر :الصلاة فى المسجد الحرام بمكة تعدل مائة ألف صلاة وليس مثل ذلک فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم فى المدينة أو غيره من المساجد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲ص۱۵۴، ۱۵۵،مادة " فضائل ")

صيد الحرم: المراد بالحرم هنا مكة والمنطقة المحرمة المحيطة بها .وللحرم أحكام خاصة، منها تحريم صيده على الحلال كما يحرم على المحرم أيضا، وذلک باتفاق العلماء ، لقوله صلى الله عليه وسلم :إن هذا البلد حرمه الله، لا يعضد شوكه، ولا ينفر صيده، ولا تلتقط لقطته إلا من عرفها . متفق عليه .فقرر العلماء من تحريم الصيد على الحلال فى الحرم أحكاما نحو تحريم الصيد على المحرم، وتفرعت لذلک فروع فى المذاهب لا نطيل ببسطها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص۱۶۶،مادة " احرام ")

۱؎ وقد استدل الجمهور على تفضيل مكة وحرمها بأدلة منها :ما ورد عن عبد الله بن عدى بن حمراء رضى الله عنه قال :رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم واقفا على الحزورة فقال :والله إنک لخير أرض الله وأحب أرض الله إلى الله، ولولا أنى أخرجت منک ما خرجت وعن عبد الله بن عباس رضى الله عنهما قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لمكة :ما أطيبک من بلد وأحبک إلى، ولولا أن قومى أخرجونى منک ما سكنت غيرک .

فهذان الحديثان يدلان على تفضيل مكة على سائر البلدان ومنها المدينة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۶ص۳۱۰، ۳۱۱، مادة " مدينة ")

عن واقد بن محمد، سمعت أبى :قال عبد الله :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع :ألا، أى شهر تعلمونه أعظم حرمة قالوا :ألا شهرنا هذا، قال :ألا، أى بلد تعلمونه أعظم حرمة قالوا :ألا بلدنا هذا(بخارى، رقم الحديث ۶۷۸۵)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۱۴)......حرم کی حدود میں میقات سے باہر سے آنے والے کو حرم کی تعظیم کی وجہ سے بہت سے فقہاء کے نزدیک ہر حال میں احرام باندھنا اور بعض فقہاء کے نزدیک حج وعمرہ کی نیت سے آنے والے کو احرام باندھنا لازم ہے، جبکہ مدینہ منورہ میں داخل ہونے والے کے لئے احرام باندھنے کی یہ پابندی نہیں ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هل مكة أفضل أو المدينة ؟

قال القاضي عياض وغيره :انعقد الإجماع على أن أفضل بقع الأرض على الإطلاق المكان الذى ضم جسده صلى الله عليه وسلم، وعلى أن مكة والمدينة أفضل بقاع الأرض بعده.

واختلفوا فى أيهما أفضل مكة أم المدينة؟ فقال مالك تبعا لعمر وغيره من الصحابة المدنيين بتفضيل المدينة؛ لأنها موطن الهجرة، ومستقر الصحابة، ومثوى الرسول صلى الله عليه وسلم، ولما ورد فى فضلها من الأحاديث الصحيحة، منها :إنها طيبة ــ يعنى المدينة ـ وإنها تنفى الخبث كما تنفى النار خبث الفضة.

وذهب أكثر العلماء ، منهم الأئمة الثلاثة إلى تفضيل مكة، للحديث السابق عن مكة :والله إنك لخير أرض الله، وأحب أرض الله إلى الله، ولولا أنى أخرجت منك ما خرجت.

وحديث :يامكة، والله، إنك لخير أرض الله، وأحب البلاد إلى الله، ولولا أنى أخرجت منك ما خرجت.

وحديث الترمذى أيضا عن ابن عباس :أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لمكة :ما أطيبك وأحبك إلى، ولولا أن قومى أخرجونى منك ما سكنت غيرك.

وذكر العز بن عبد السلام أوجه تفضيل مكة على المدينة، منها:

١ ـ وجوب قصدها للحج والعمرة، وهما واجبان لا يقع مثلهما بالمدينة.

٢ ـ أن الله تعالى حرمها يوم خلق السموات والأرض.

٣ـ أن الله جعلها حرما آمنا فى الجاهلية والإسلام.

٤ ــ لا يدخلها أحد إلا بحج أو عمرة وجوبا أو ندبا(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٣ص٢٣٨٥، ٢٣٨٦، الباب الخامس الحج والعمرة)

[۱] الفرق بين حرم المدينة وحرم مكة :يختلف حرم المدينة عن حرم مكة فى شيئين :

أحدهما ـ أنه يجوز أن يؤخذ من شجر حرم المدينة ما تدعو الحاجة إليه للمساند والوسائد والرحل، ومن حشيشها ما تدعو الحاجة إليه للعلف، لما روى جابر :أن النبى صلى الله عليه وسلم لما حرم المدينة، قالوا :يا رسول الله، إنا أصحاب عمل وأصحاب نضح، وإنا لانستطيع أرضا غير أرضنا، فرخص لنا، فقال :القائمتان والوسادة والعارضة والمسند، فأما غير ذلك فلا يعضد، ولا يخبط منها شيء فاستثنى ذلك وجعله مباحا كاستثناء ذلك وجعله مباحا كاستثناء الإذخر بمكة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ مالکیہ کی مشہور روایت کے مطابق مدینہ منورہ کی فضیلت مکہ مکرمہ سے زیادہ ہے۔ [۱]
اور مذکورہ بحث مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی باہمی ایک دوسرے پر فضیلت کے بارے میں ہے۔

جہاں تک مدینہ منورہ میں اس بقعہ اور حصہ کا تعلق ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ متصل اور مَس کئے ہوئے ہے، تو اس بارے میں اہلِ علم حضرات کا فرمانا یہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ولما روى على :المدينة حرام ما بين عائر إلى ثور، لا يختلى خلاها، ولا ينفر صيدها، ولا يصلح أن يقطع منها شجرة إلا أن يعلف رجل بعيره.
وعن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لا يخبط ولا يعضد حمى رسول الله صلى الله عليه وسلم،ولكن يهش هشا رفيقا،ولأن المدينة ذات شجر وزرع، فلو منعنا من احتشاشها مع الحاجة أفضى إلى الضرر، بخلاف مكة .ولا جزاء فى مذهب المالكية خلافا لغيرهم بقتل صيد المدينة وقطع شجرها، فإن فعل استغفر الله تعالى فقط.
الثانى ــ أن من صاد صيدا خارج المدينة، ثم أدخله إليها، لم يلزمه إرساله؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقول :يا أبا عمير، ما فعل النغير وهو طائر صغير، فظاهر هذا أنه أباح إمساكه بالمدينة إذ لم ينكر ذلك.
وحرمة مكة أعظم من حرمة المدينة، بدليل أنه لا يدخلها الداخل إلا محرما(الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۳ص ۲۴۰۰،۲۴۰۱، الباب الخامس الحج والعمرة)

[۱] اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کعبہ مکرمہ کے بارے میں یہ اختلاف نہیں ہے، کیونکہ وہ مدینہ شہر سے افضل ہے، سوائے اس بقعہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر سے مَس کئے ہوئے ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔
جبکہ بعض حضرات کے بقول مدینہ منورہ کے مکہ مکرمہ سے افضل ہونے کے قول کا مِصداق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے زمانہ کا مدینہ منورہ ہے، اور آپ کے وِصال کے بعد مکہ مکرمہ کی فضیلت مدینہ منورہ پر زیادہ ہے۔
وذهب المالكية فى المشهور إلى أن المدينة أفضل من مكة .قال الحطاب :وهو -أى كون المدينة أفضل من مكة -قول أكثر أهل المدينة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۲ص ۱۵۵،مادة "فضائل")
مطلب فى تفضيل مكة على المدينة وفى آخر اللباب وشرحه :أجمعوا على أن أفضل البلاد مكة والمدينة زادهما الله تعالى شرفا وتعظيما .واختلفوا أيهما أفضل، فقيل مكة وهو مذهب الأئمة الثلاثة والمروى عن بعض الصحابة، وقيل المدينة وهو قول بعض المالكية والشافعية، قيل وهو المروى عن بعض الصحابة .ولعل هذا مخصوص بحياته -صلى الله عليه وسلم -أو بالنسبة إلى المهاجرين من مكة، وقيل بالتسوية بينهما .وهو قول مجهول لا منقول ولا معقول(ردالمحتار، ج۲ص ۶۲۶، كتاب الحج)

ہے کہ زمین کا یہ مخصوص حصہ و بقعہ دوسرے حصوں بشمول مسجدِ حرام اور کعبہ سے زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ [1]

---

[1] وهذا الخلاف يجرى فيما عدا ما ضم الأعضاء الشريفة على صاحبها أفضل الصلاة وأتم التسليم من أرض المدينة.

أما الموضع الذى ضم أعضاء ه الشريفة من قبره الكريم صلى الله عليه وسلم فقد قال العلماء :إنه أفضل بقاع الأرض حتى المسجد الحرام،وحتى الكعبة المشرفة، وإنه أفضل من السماوات حتى العرش والكرسى .كما أجمعوا على أن الكعبة أفضل من المدينة ما عدا الضريح الشريف على صاحبه أفضل الصلاة وأتم التسليم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢ص ١٥٥، ١٥٦،مادة " فضائل ")

وقد صرحوا بأن الخلاف ليس فى الكعبة المعظمة، فإنها أفضل من المدينة كلها، إلا البقعة التى ضمت أعضاء الجسد الشريف للنبى صلى الله عليه وسلم.

وذكر الشربينى الخطيب أن القاضى عياض نقل الإجماع على أن موضع قبره صلى الله عليه وسلم أفضل الأرض، والخلاف فيما سواه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦ص ٣١١، مادة " مدينة ")

مطلب فى تفضيل قبره المكرم -صلى الله عليه وسلم .-(قوله إلا إلخ) قال فى اللباب :والخلاف فيما عدا موضع القبر المقدس، فما ضم أعضاء ه الشريفة فهو أفضل بقاع الأرض بالإجماع .اهـ قال شارحه :وكذا أى الخلاف فى غير البيت :فإن الكعبة أفضل من المدينة ما عدا الضريح الأقدس وكذا الضريح أفضل من المسجد الحرام .وقد نقل القاضى عياض وغيره الإجماع على تفضيله حتى على الكعبة، وأن الخلاف فيما عداه .ونقل عن ابن عقيل الحنبلى أن تلك البقعة أفضل من العرش، وقد وافقه السادة البكريون على ذلك .وقد صرح التاج الفاكهى بتفضيل الأرض على السموات لحلوله -صلى الله عليه وسلم -بها، وحكاه بعضهم على الأكثرين لخلق الأنبياء منها ودفنهم فيها وقال النووى :الجمهور على تفضيل السماء على الأرض، فينبغى أن يستثنى منها مواضع ضم أعضاء الأنبياء للجمع بين أقوال العلماء (ردالمحتار، ج٢ص ٦٢٦،كتاب الحج)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سأل الناس :(أى بلد أعظم حرمة ؟) فأجابوا بأنه مكة .وهذا إجماع من الصحابة أنها أفضل البلاد، وأقرهم عليه السلام، هذا ونقل القاضى عياض وغيره الإجماع على تفضيل ما ضم الأعضاء الشريفة حتى على الكعبة المنيفة، وأن الخلاف فيما عداه. ونقل عن أبى عقيل الحنبلى أن تلك البقعة أفضل من العرش، وصرح الفاكهانى بتفضيلها على السماوات قال :بل الظاهر المتعين تفضيل جميع الأرض على السماء لحلوله عليه الصلاة السلام بها، وحكاه بعضهم عن الأكثرين لخلق الأنبياء منها ودفنهم فيها .وقال النووى :والجمهور على تفضيل السماء على الأرض أى :ما عدا ما ضم الأعضاء الشريفة، ومحل الخلاف فيما عدا الكعبة، فهى أفضل من بقية المدينة اتفاقا، ما عدا موضع قبره المقدس ومحل نفسه الأنفس صلوات الله وسلامه عليه ما دام الصبح تنفس والليل إذا عسعس(مرقاة المفاتيح، ج٢ص ٥٨٨، باب المساجد ومواضع الصلاة)

مسئلہ نمبر۲...... بیتُ اللہ پر کسی بھی موقع پر نظر پڑنے کے وقت دعاء کرنا مستحب ہے، اور یہ دعاء کی قبولیت کا وقت ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳...... بیتُ اللہ پر نظر پڑنے پر دعا کرتے وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا بعض فقہائے کرام کے نزدیک مستحب ہے، جبکہ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق ہاتھ اٹھانا مستحب نہیں، بلکہ ہاتھ اٹھائے بغیر دعا کرنا مستحب ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر۴...... مسجدِ حرام میں داخل ہونے والے کو اگر کوئی عذر نہ ہو، تو بیتُ اللہ کا طواف کرنا افضل ہے، البتہ اگر اس وقت طواف کرنے میں کوئی عذر ہو، اور مکروہ وقت نہ ہو، تو دو رکعت نفل تحیۃُ المسجد پڑھنا افضل ہے، اور اگر مکروہ وقت ہو تو پھر تحیۃُ المسجد نہ پڑھے، البتہ

---

[1] ج -يستحب الدعاء عند رؤية المسجد الحرام فإن الدعاء مستجاب عند رؤية البيت. وكان ابن عمر رضى الله تعالى عنهما يقول إذا رأى البيت " :باسم الله والله أكبر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٢ص ٢٢، مادة "رؤية")

[2] اختلف الفقهاء فى رفع اليدين عند رؤية البيت الحرام:
فذهب الشافعية والحنابلة والحنفية فى قول وابن حبيب من المالكية والثورى وابن المبارك وإسحاق إلى أنه يستحب رفع اليدين عند رؤية البيت.
وروى ذلك عن ابن عمر وابن عباس رضى الله عنهما، واستدلوا على ما ذهبوا إليه بحديث :لا ترفع الأيدى إلا فى سبعة مواطن :حين يفتتح الصلاة، وحين يدخل المسجد الحرام فينظر إلى البيت، وحين يقوم على الصفاء، وحين يقوم على المروة، وحين يقف مع الناس عشية عرفة،وبجمع، والمقامين حين يرمى الجمرة .
وبأن الدعاء مستحب عند رؤية البيت، وقد أمر برفع اليدين عند الدعاء .
وذهب الحنفية فى المذهب والمالكية إلى أنه لا يرفع يديه عند رؤية البيت، قال القارى فى شرحه: لا يرفع ولو حال دعائه لأنه لم يذكر فى المشاهير من كتب أصحابنا، قال السروجى :المذهب تركه، وصرح الطحاوى بأنه يكره عند أئمتنا الثلاثة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٥ص٢٦٨، مادة "يد" رفع اليدين عند رؤية البيت الحرام)
قال فى اللباب وشرحه ولا يرفع يديه عند رؤية البيت أى ولو حال دعائه لعدم ذكره فى المشاهير من كتب الأصحاب كالقدورى والهداية والكافى والبدائع بل قال السروجى المذهب تركه، وبه صرح صاحب اللباب وكلام الطحاوى فى شرح معانى الآثار صريح فى أنه يكره الرفع عند أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد ونقل عن جابر -رضى الله عنه -أن ذلك من فعل اليهود وقيل يرفع أى يديه كما ذكره الكرمانى وسماه البصروى مستحبا فكأنهما اعتمدا على مطلق آداب الدعاء (منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢ص ٣٥١، كتاب الحج، باب الاحرام)

کوئی ذکر مثلاً تیسرا کلمہ وغیرہ پڑھ لے، تو بہتر ہے۔

اور اگر اس وقت فرض نماز فوت ہونے والی ہو، یا جماعت فوت ہونے والی ہو، تو طواف میں مشغول ہونے کے بجائے فرض نماز یا جماعت میں شامل ہونا مقدم ہے۔ [1]

---

[1] تحية المسجد الحرام

ذهب الحنفية إلى أن أول ما يبدأ به داخل المسجد الحرام الطواف محرما أو غير محرم دون الصلاة إلا أن يكون عليه فائتة، أو خاف فوت الوقتية ولو الوتر، أو سنة راتبة، أو فوت الجماعة، فيقدم الصلاة فى هذه الصور على الطواف.

قال المنلا على :من دخل المسجد الحرام لا يشتغل بتحية لأن تحية هذا المسجد الشريف هى الطواف لمن عليه الطواف أو أراده، بخلاف من لم يرده، أو أراد أن يجلس فلا يجلس حتى يصلى ركعتين تحية المسجد إلا أن يكون الوقت مكروها.

واستظهر ابن عابدين أنه لا يصلى مريد الطواف للتحية أصلا لا قبله ولا بعده، ولعل وجهه اندراجها فى ركعتيه.

ويرى المالكية أن تحية المسجد الحرام فى حق الآفاقى، وكذلك المكى المأمور بالطواف الطواف، وأما المكى الذى لم يؤمر بطواف ولم يدخله لأجل الطواف، بل للمشاهدة أو للصلاة أو لقراء ة القرآن، فتحية المسجد فى حقه الصلاة.

وقال الشافعية :إن تحية المسجد الصلاة وتحية البيت الطواف، وليس الطواف تحية المسجد ، ولكن تدخل التحية فى ركعتيه وإن لم ينوها.

وصرح الحنابلة بأن تحية المسجد الحرام الصلاة وتجزء عنها الركعتان بعد الطواف.

ونقل ابن مسدى فى "إعلام الناسك "عن أحمد وغيره أنه يحيى المسجد أولا بركعتين ثم يقصد الطواف (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج٣٧،ص٢٣٧،٢٣٨،مادة"المسجد الحرام")

هـ -تحية المسجد الحرام:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن تحية المسجد الحرام الطواف للقادم لمكة، سواء كان تاجرا أو حاجا أو غيرهما، لقول عائشة رضى الله عنها عنها :إن النبى صلى الله عليه وسلم حين قدم مكة توضأ، ثم طاف بالبيت وركعتا تحية المسجد الحرام تجزء عنهما الركعتان بعد الطواف.

إلا إذا كان للداخل فيه عذر مانع، أو لم يرد الطواف، فيصلى ركعتين إن لم يكن وقت كراهة .وإذا خاف فوات المكتوبة أو جماعتها، أو الوتر، أو سنة راتبة قدمها على الطواف، إلا أنه لا تحصل بها تحية المسجد الحرام، بخلاف سائر المساجد.

وأما المكى الذى لم يؤمر بطواف، ولم يدخله لأجل الطواف، بل للصلاة أو لقراء ة القرآن أو للعلم، فتحية المسجد الحرام فى حقه الصلاة، كتحية سائر المساجد .ونص أحمد على أن الطواف لغريب أفضل من الصلاة فى المسجد الحرام .وعن ابن عباس :أن الطواف لأهل العراق، والصلاة لأهل مكة، وإليه ذهب عطاء (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج١٠،ص٣٠٦،مادة "تحية")

مسئلہ نمبر۵...... صحیح احادیث کے مطابق مسجدِ حرام میں پڑھی جانے والی نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ (سنن ابن ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے، اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ (دوسری مساجد میں) میں نماز پڑھنے سے لاکھ درجہ افضل ہے (ابنِ ماجہ، مسند احمد)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَاةٌ فِيْ ذَاكَ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ صَلَاةٍ فِيْ هٰذَا يَعْنِيْ فِيْ مَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ (صحيح ابن حبان) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے، اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا میری اس مسجدِ نبوی میں

---

[1] رقم الحديث ١٤٠٦، باب ما جاء في فضل الصلاة في المسجد الحرام ومسجد النبي صلى الله عليه وسلم، مسنداحمد، رقم الحديث ١٥٢٧١.
في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط البخاري.

[2] رقم الحديث ١٦٢٠، ذكر فضل الصلاة في المسجد الحرام على الصلاة في مسجد المدينة بمئة صلاة، مسنداحمد، رقم الحديث ١٦١١٧.
في حاشية ابنِ حبان ومسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

نماز پڑھنے سے سو درجہ (اور دوسری عام مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ) افضل ہے (ابنِ حبان، مسند احمد)

اور مسجدِ حرام میں یہ ثواب کی زیادتی اجزا کے اعتبار سے نہیں ہوتی کہ ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوجائے، بلکہ اس نماز کے ثواب میں ہی زیادتی واضافہ کیا جاتا ہے۔ [1]

پھر مذکورہ فضیلت کے فرض نماز میں حاصل ہونے پر تو فقہائے کرام کا اتفاق ہے، لیکن نفل نماز کے بارے میں اختلاف ہے، بعض حضرات اس فضیلت کو فرض نماز کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں، کیونکہ نفل نماز کو صحیح احادیث کی رُو سے گھر میں پڑھنا افضل ہے، جبکہ بعض فقہائے کرام اس فضیلت کو فرض اور نفل دونوں کے لئے عام قرار دیتے ہیں۔

نیز مسجدِ حرام میں مذکورہ فضیلت مرد حضرات کے ساتھ خاص ہے، اور خواتین کو وہاں بھی اپنے گھروں اور رہائش گاہوں میں نماز پڑھنے کی فضیلت زیادہ ہے۔ [2]

---

[1] فضل الصلاة فی المسجد الحرام:إن صلاة فی المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلاة فيما سواه من المساجد، روى جابر بن عبد الله رضى الله عنهما قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة فی مسجدی أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام، وصلاة فی المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلاة فيما سواه. ثم إن التضعيف المذكور يرجع إلى الثواب ولا يتعدى إلى الإجزاء باتفاق العلماء كما نقله النووی وغيره فلو كان عليه صلاتان فصلى فی أحد المسجدين (المسجد الحرام أو المسجد النبوی) صلاة لم تجزء إلا عن واحدة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص۲۳۸، مادة "المسجدالحرام")

[2] والفقهاء متفقون على فضيلة الفرض فی المسجد الحرام على الفرض فی غيره وإنما اختلفوا فی شمول هذا الفضل الفرض والنفل.

قال الفاسی المالكی :إن الفضل يختص بالفرض وهو مشهور مذهبنا ومذهب أبی حنيفة ، ونقل ابن عابدين قول الفاسی من غير أن يعقب عليه، ونسب العينی هذا القول إلى الطحاوی أيضا

وذهب الشافعية فی المذهب والحنابلة إلى أن المضاعفة لا تختص بالفريضة بل تعم النفل والفرض، قال الزركشی بعد أن ذكر مذهب الشافعية فی المسألة :وهو لازم للأصحاب من استثنائهم النفل بمكة من الوقت المكروه لأجل زيادة الفضيلة .

وقال الشيخ مجد الدين الحنبلی :ظاهر الأخبار أن النفل فی البيت أفضل، قال عليه الصلاة والسلام :أفضل الصلاة صلاة المرء فی بيته إلا المكتوبة، قال :وينبغی أن يكون مرادهم إلا النساء لأن صلاتهن فی بيوتهن أفضل، والأخبار مشهورة فی ذلک وهو ظاهر كلام أصحابنا وغيرهم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷،ص۲۳۸، ۲۳۹ ،مادة"المسجد الحرام")

مسئلہ نمبر٦ ...... بعض لوگ مسجدِ حرام یا مسجدِ نبوی میں قضاء نمازیں پڑھنے کا اس لئے اہتمام کرتے ہیں کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ اور مسجدِ نبوی میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص مسجدِ حرام یا مسجدِ نبوی میں ایک وقت کی قضاء شدہ نماز ادا کرتا ہے تو اس کے ذمہ سے ایک لاکھ یا ایک ہزار قضاء نمازیں ادا ہو جاتی ہیں۔

حالانکہ یہ نظریہ قطعی طور پر غلط ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ وہاں ایک قضاء نماز پڑھنے سے صرف ایک قضاء نماز ہی ادا ہوتی ہے نہ کہ زیادہ۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں نمازوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے، لیکن وہاں پڑھی گئی نمازوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی، بلکہ وہ ایک ہی نماز ہوتی ہے۔

اسی طرح بعض لوگ رمضانُ المبارک کے ثواب کو پیشِ نظر رکھ کر رمضانُ المبارک میں حرمین شریفین میں پہنچ کر قضاء نمازیں اس حساب سے پڑھتے ہیں کہ رمضان میں اس طرح کرنے سے ایک نماز پڑھنے سے بہت سی قضاء نمازیں ذمہ میں سے ادا ہو جاتی ہیں۔

ایسے سستے نسخے اگر شریعت میں ہوتے تو پھر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو (جو کہ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں نماز ادا فرماتے تھے) روزمرہ اور پوری زندگی نمازوں کی پابندی کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، اسی طرح چودہ سو سال سے زائد کے گزرے ہوئے عرصہ میں بھی اس آسان نسخہ سے فائدہ اُٹھایا جاتا۔

مسئلہ نمبر٧ ...... خواتین کو خاص نماز پڑھنے کے لئے مسجدِ حرام میں جانے کا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ صحیح احادیث کی رو سے اُن کو وہاں بھی اپنے گھروں اور رہائش گاہوں میں باپردہ طریقہ پر رہتے ہوئے نماز پڑھنے کی فضیلت زیادہ ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ كُمْ

الْمَسَاجِدَ، وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ (سنن أبی داود) [1]

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کو مساجد سے منع نہ کرو، البتہ اُن کے گھر اُن کے لئے زیادہ بہتر ہیں (ابوداؤد؛ حاکم)

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَآءِ قَعْرُ بُيُوْتِهِنَّ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کی سب سے بہترین مساجد ان کے اندرونی گھر ہیں (مسند احمد)

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِهَا فِيْ حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِيْ حُجْرَتِهَا خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِهَا فِيْ دَارِهَا وَصَلَاتُهَا فِيْ دَارِهَا خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِهَا خَارِجٌ (المعجم الاوسط للطبرانی) [3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی وہ نماز جو اس کے کمرہ میں

---

[1] رقم الحديث ۵۶۷، كتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء إلى المسجد؛ مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۵۵،

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، فقد احتجا جميعا بالعوام بن حوشب، وقد صح سماع حبيب من ابن عمر، ولم يخرجا فيه الزيادة وبيوتهن خير لهن وشاهده.

وقال الذهبی فی التلخيص: على شرطهما.

[2] رقم الحديث ۲۶۵۴۲؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۱۶۸۳؛ السنن الكبرىٰ للبيهقی، رقم الحديث ۵۳۶۰؛ مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۵۶؛ مسند شهاب قضاعی، رقم الحديث ۱۱۵۷.

فی حاشية مسند احمد: حديث حسن بشواهده.

[3] رقم الحديث ۹۱۰۱، ج۹ ص۴۸، باب الميم.

قال المنذری: رواه الطبرانی فی الأوسط بإسناد جيد (الترغيب والترهيب ج ا ص ۱۴۱)

ہواس نماز سے بہتر ہے جو دالان (یعنی برآمدہ) میں ہو، اوراس کی وہ نماز جو دالان میں ہواس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے صحن میں ہواوراس کی وہ نماز جو گھر کے صحن میں ہواس نماز سے بہتر ہے جو گھر سے باہر (مسجد وغیرہ میں) ہو (طبرانی)

اسی قسم کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِّنْ صَلَاتِهَا فِيْ حُجْرَتِهَا وَصَلَاتُهَا فِيْ مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِيْ بَيْتِهَا (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: عورت کی اپنے گھر کے اندر والے حصہ میں نماز پڑھنا افضل ہے، اس کے دالان (یعنی برآمدہ) میں نماز پڑھنے سے، اور عورت کا اندر والی کوٹھری میں نماز پڑھنا اس کے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے (ابوداؤد)

اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَحَبَّ صَلَاةٍ تُصَلِّيْهَا الْمَرْأَةُ

---

[1] قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
"لأن تصلى المرأة فى بيتها خير من أن تصلى فى حجرتها، ولأن تصلى فى حجرتها خير من أن تصلى فى الدار، وأن تصلى فى الدار خير من أن تصلى فى المسجد "(شعب الإيمان، رقم الحديث ۷۴۳۵)

قال الألباني: قلت: و لكنه شاهد لا بأس به لحديث عائشة ، فالحديث حسن بمجموعهما . و له شاهد آخر من حديث أم حميد امرأة أبى حميد الساعدى مرفوعا بنحوه ، و له عنها طريقان يقوى أحدهما الآخر كما بينته فى "تخريج الترغيب، فالحديث به صحيح (السلسلة الصحيحة الكاملة، تحت رقم الحديث ۲۱۴۲)

[2] رقم الحديث ۵۷۰، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى خروج النساء إلى المسجد؛ مستدرك حاكم رقم الحديث ۷۵۷؛ السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ۵۳۶۱؛ الاوسط لابن المنذر، رقم الحديث ۲۰۸۲ باختصار.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه، وقد احتجا جميعا بالمورق بن مشمرج العجلى (حواله بالا)

وقال الذهبى فى التلخيص: على شرطهما.

إِلَى اللّٰهِ فِي أَشَدِّ مَكَانٍ فِيْ بَيْتِهَا ظُلْمَةً (صحيح ابن خزيمة) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلَّم نے فرمایا کہ عورت کی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ نماز ہے، جو وہ اپنے گھر کے زیادہ اندھیرے (اور پردہ) والے حصہ میں پڑھتی ہے (ابنِ خزیمہ)

اسی قسم کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

اور حضرت ابوالاحوص رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ، قَالَ صَلاةُ الْمَرْأَةِ فِيْ بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلاتِهَا فِيْ حُجْرَتِهَا، وَصَلاتُهَا فِيْ حُجْرَتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلاتِهَا فِيْ دَارِهَا، وَصَلاتُهَا فِيْ دَارِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلاتِهَا فِيْمَا سِوَاهُ، ثُمَّ قَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا خَرَجَتْ تَشَرَّفَ لَهَا الشَّيْطَانُ (المعجم الكبير للطبراني) [3]

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت کا اپنے گھر کے اندر والے حصہ میں نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، بنسبت گھر کے دالان (وبرآمدہ) میں نماز پڑھنے سے، اور عورت کا گھر کے دالان میں نماز پڑھنا افضل ہے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے، اور عورت کا اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھنا

---

[1] رقم الحديث ۱۶۹۱، كتاب الامامة فى الصلاة، باب اختيار صلاة المرأة فى أشد مكان من بيتها ظلمة.

قال الألباني: حسن بما بعده (حاشية ابنِ خزيمة)

[2] عن أبى هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أحب صلاة تصليها المرأة إلى الله أن تصلى فى أشد مكان من بيتها ظلمة (صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث ۱۶۹۲)

قال الألباني: حسن بما قبله (حاشية ابنِ خزيمة)

[3] رقم الحديث ۹۴۸۲، ج۹ ص۲۹۵.

قال الهيثمي: رواه الطبراني فى الكبير ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد ج۲ ص۳۴، تحت رقم الحديث ۲۱۰۹، باب خروج النساء إلى المساجد وغير ذلك وصلاتهن فى بيوتهن وصلاتهن فى المسجد)

افضل ہے، گھر کے علاوہ کسی اور جگہ نماز پڑھنے سے۔

پھر فرمایا کہ: بے شک عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا، تاکتا ہے (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن سوید انصاری اپنی پھوپھی حضرت اُمِ حمید جو کہ ابوحمید ساعدی کی بیوی ہیں، اُن سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّهَا جَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أُحِبُّ الصَّلَاةَ مَعَكَ قَالَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّيْنَ الصَّلَاةَ مَعِيْ وَصَلَاتُكِ فِيْ بَيْتِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِيْ حُجْرَتِكِ وَصَلَاتُكِ فِيْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلَاتِكِ فِيْ دَارِكِ وَصَلَاتُكِ فِيْ دَارِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ وَصَلَاتُكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلَاتِكِ فِيْ مَسْجِدِيْ قَالَ فَأَمَرَتْ فَبُنِيَ لَهَا مَسْجِدٌ فِيْ أَقْصٰى شَيْءٍ مِنْ بَيْتِهَا وَأَظْلَمِهٖ فَكَانَتْ تُصَلِّيْ فِيْهِ حَتّٰى لَقِيَتْ اَللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کے ساتھ (مسجدِ نبوی میں باجماعت) نماز پڑھنے کا شوق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنے کا شوق رکھتی ہو، مگر تمہاری وہ نماز جو اندرونی کوٹھڑی میں ہو اس نماز

---

[1] رقم الحديث ۲۷۰۹۰؛ صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۲۲۱۷، باب ذكر البيان بأن صلاة المرأة كلما كانت أستر كان أعظم لأجرها؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۱۶۸۹.

فى حاشية مسند احمد: حديث حسن.

قال الهيثمى: رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح غير عبد الله بن سويد الأنصارى ووثقه ابن حبان (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۲۱۰۶، ج۲ص۳۴)

وفى حاشية ابنِ حبان: حديث قوى.

سے بہتر ہے جو کمرہ میں ہو، اور تمہاری وہ نماز جو کمرہ میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو گھر کے احاطہ میں ہو اور تمہاری وہ نماز جو گھر کے احاطہ میں ہو، اُس نماز سے بہتر ہے جو محلّہ کی مسجد میں ہو، اور تمہاری وہ نماز جو محلّہ کی مسجد میں ہو اُس نماز سے بہتر ہے جو میری مسجد (یعنی میرے پیچھے مسجد نبوی) میں ہو، چنانچہ (حضرت اُمِّ حمید رضی اللہ عنہا نے گھر والوں کو) کہہ کر اپنے کمرے کے کونے میں جہاں سب سے زیادہ اندھیرا رہتا تھا، نماز پڑھنے کی جگہ بنوائی، وہیں نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ اللہ عزوجل سے جا ملیں (یعنی آپ کا انتقال ہوگیا) (مسند احمد)

اور اگر خواتین مسجدِ حرام میں نماز کے لئے آئیں، اور مرد حضرات سے الگ کھڑی ہوکر نماز پڑھیں، تو جائز ہے، لیکن آنے جانے اور نماز کے دوران پردہ کا اہتمام کرنا ضروری ہے، اور یہ بھی کہ وہ خوشبو لگا کر نہ آئیں، ورنہ مکروہ اور گناہ ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۸...... حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک مقتدی کی نماز صحیح ہونے کے لئے عام نمازوں میں امام کو امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ حنفیہ کی مشہور روایت کے مطابق عورت کی اُس نماز کے درست ہونے کے لئے، جو وہ مرد امام کی اقتداء میں پڑھے،

---

[1] صلاة النساء فی المساجد: ذهب الفقهاء إلى أنه يستحب للنساء أن تكون صلاتهن فی بيوتهن، فذلک لهن أفضل من صلاتهن فی المسجد فعن ابن عمر رضی الله عنهما قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا تمنعوا نساء كم المساجد وبيوتهن خير لهن ، فإن أرادت المرأة حضور المسجد مع الرجال :فإن كانت شابة أو كبيرة يشتهى مثلها كره لها الحضور وإن كانت عجوزا لا تشتهى لم يكره لها، لما روى عن ابن مسعود رضی الله عنه قال :والذی لا إله غيره ما صلت امرأة صلاة قط خير لها من صلاة تصليها فی بيتها، إلا أن يكون المسجد الحرام أو مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم إلا عجوزا فی منقلها ، وذلک حيث تقل الرغبة فيها، ولذا يجوز لها حضور المساجد كما فی العيد.

وإن كانت شابة غير فارهة فی الجمال والشباب جاز لها الخروج لتصلی فی المسجد، بشرط عدم الطيب، وأن لا يخشى منها الفتنة، وأن تخرج فی ردیء ثيابها، وأن لا تزاحم الرجال، وأن تكون الطريق مأمونة من توقع المفسدة، فإن لم تتحقق فيها تلک الشروط كره لها الصلاة فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص۲۱۷، مادة " مسجد")

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 0092515507530

یہ ضروری ہے کہ مرد امام عورت یا عورتوں کا امام ہونے کی نیت کرے، البتہ اگر مجمع زیادہ ہو، جیسے جمعہ وعیدین کا اجتماع، تو پھر بعض حنفیہ کے نزدیک نیت کرنا ضروری نہیں [1]

جبکہ حنفیہ میں سے امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک اور حضرت حسن کی امام ابوحنیفہ سے ایک روایت کے مطابق جب عورت مرد کے برابر میں نہ کھڑی ہو، بلکہ پیچھے کھڑی ہو، تو اس کی نماز درست ہونے کے لئے امام کا عورت کی امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں۔

---

[1] ويصح اقتداء المرأة بالرجل فى صلاة الجمعة وإن لم ينو إمامتها(فتاویٰ قاضی خان، ج ا ص ١١٦، كتاب الصلاة)

(قوله وينوى اقتداء ه بالإمام) أطلقه فشمل الجمعة، وقال قاضى خان، ولو نوى الجمعة ولم ينو الاقتداء بالإمام اختلفوا فيه بعضهم جوز ذلك؛ لأن الجمعة لا تكون إلا مع الإمام اهـ.

قلت فعلى هذا صلاة العيدين(حاشية الشرنبلالى على دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج ا ص ٦٤، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة)

ظاهر إطلاقه أنه لا تصح صلاتها بلا نية الإمام إمامتها فى الجمعة والعيدين أيضا، فالنية شرط فيهما أيضا .قال فى النهر :وبه قال كثير إلا أن الأكثر على عدمه فيهما، وهو الأصح كما فى الخلاصة، وجعل الزيلعى الأكثر على الاشتراط وأجمعوا على عدمه فى الجنازة اهـ(ردالمحتار، ج ا ص ٥٧٦، كتاب الصلاة، باب الامامة)

وأما فى الجمعة والعيدين فأكثر مشايخنا قالوا :إن نية إمامتهن شرط فيهما، ومنهم من قال :ليست بشرط؛ لأنها لو شرطت للحقها الضرر لأنها لا تقدر على أداء الجمعة والعيدين وحدها، ولا تجد إماما آخر تقتدى به، والظاهر أنها لا تتمكن من الوقوف بجنب الإمام فى هاتين الصلاتين لازدحام الناس فصح اقتداؤها لدفع الضرر عنها بخلاف سائر الصلوات(بدائع الصنائع، ج ا ص ١٢٨، كتاب الصلاة، فصل شرائط اركان الصلاة)

وفى صلاة الجمعة والعيدين أكثر مشايخنا قالوا :لا يصح اقتداؤها به ما لم ينو إمامتها، وإن كان الجواب مطلقا فى الكتاب، ومنهم من سلم فقال :الضرورة فى جانبها هاهنا؛ لأنها لا تقدر على أداء صلاة العيد والجمعة وحدها ولا تجد إماما آخر تقتدى به، والظاهر أنها لا تتمكن من الوقوف بجنب الإمام فى هذه الصلوات لكثرة الازدحام فصححنا اقتداء ها به لدفع الضرر عنها، بخلاف سائر الصلوات، وروى الحسن بن زياد عن أبى حنيفة -رحمه الله تعالى -أنها إذا وقفت خلف الإمام جاز اقتداؤها به، وإن لم ينو إمامتها ثم إذا وقفت إلى جنبه فسدت صلاتها لا صلاة الرجل، وهذا قول أبى حنيفة -رحمه الله الأول، ووجهه أنها إذا وقفت خلفه فقصدها أداء الصلاة لا فساد صلاة الرجل فلا يشترط نية الإمامة، فإذا وقفت إلى جنبه فقد قصدت إفساد صلاته فرد قصدها بإفساد صلاتها إلا أن يكون الرجل قد نوى إمامتها، فحينئذ هو ملتزم بهذا الضرر (المبسوط للسرخسى، ج ا ص ١٨٥، ١٨٦، كتاب الصلاة، باب الحدث فى الصلاة)

اور حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مقتدی خواہ مرد ہو یا عورت، بہرحال امام کو مقتدی کی امامت کی نیت کرنا ضروری ہے۔ [1]

---

[1] البتہ شافعیہ کے نزدیک تمام نمازوں میں امام کو امامت کی نیت کرنا مستحب ہے، اور جمعہ کی نماز اور لوٹائی جانے والی نماز اور منذور نماز میں شافعیہ کے نزدیک اور جن نمازوں میں جماعت شرط ہے، مثلاً جمعہ، ان میں مالکیہ کے نزدیک امام کو امامت کی نیت کرنا شرط ہے۔

ويجوز اقتداء المرأة بالرجل إذا نوى الرجل إمامتها، وعند زفر نية الإمامة ليست بشرط على ما مر، وروى الحسن عن أبي حنيفة أنها إذا وقفت خلف الإمام جاز اقتداؤها به وإن لم ينو إمامتها، ثم إذا وقفت إلى جنبه فسدت صلاتها خاصة لا صلاة الرجل، وإن كان نوى إمامتها فسدت صلاة الرجل وهذا قول أبي حنيفة الأول، ووجهه أنها إذا وقفت خلفه كان قصدها أداء الصلاة لا إفساد صلاة الرجل، فلا تشترط نية الإمامة، وإذا قامت إلى جنبه فقد قصدت إفساد صلاته فيرد قصدها بإفساد صلاتها، إلا أن يكون الرجل قد نوى إمامتها فحينئذ تفسد صلاته؛ لأنه ملتزم لهذا الضرر(بدائع الصنائع، ج ١ ص ١٤٠، فصل شرائط اركان الصلاة)

في مذاهب العلماء في نية الإمامة :ذكرنا أن المشهور من مذهبنا أنه لا يشترط لصحة الجماعة وبه قال مالك وآخرون وقال الاوزاعي والثوري واسحق تجب وعن أحمد روايتان كالمذهبين وقال أبو حنيفة وصاحباه إن صلى برجل لم تجب وان صلى بامرأة أو نساء وجبت(المجموع شرح المهذب، ج٤ص٢٠٣، باب صلاة الجماعة)

قوله (ومن شرط الجماعة :أن ينوي الإمام والمأموم حالهما) أما المأموم :فيشترط أن ينوي بلا نزاع، وكذا الإمام على الصحيح من المذهب مطلقا، وعليه جماهير الأصحاب وقطع به كثير منهم(الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف،للمرداوي الحنبلي،ج٢ص٢٧،كتاب الصلاة، باب النية)

(بخلاف الإمام) لا يلزمه نية الإمامة، وليست شرطا في الاقتداء به (ولو بجنازة) إذ لا تشترط فيها الجماعة.

(إلا جمعة) فيشترط فيها نية الإمامة .لأن الجماعة شرط فيها فلو لم ينو الإمامة بطلت عليه وعليهم.

(و) إلا (جمعا) بين عشاء ين (لمطر) فلا بد فيه من نية الإمامة؛ لأن الجماعة شرط فيه ولا بد فيه من نية الإمامة في الصلاتين، ويجب فيه نية الجمع عند الأولى وجوبا فلو تركها لم تبطل بخلاف ترك نية الإمامة فتبطل الثانية فقط(الشرح الصغير مع حاشية الصاوي، ج ١ ص ٤٥٠، باب الصلاة، فصل في صلاة الجماعة واحكامها)

النية:يشترط في الإمام عند الحنابلة نية الإمامة، فإنهم قالوا :من شرط صحة الجماعة :أن ينوي الإمام أنه إمام وينوي المأموم أنه مأموم .ولو أحرم منفردا ثم جاء آخر فصلى معه، فنوى إمامته صح في النفل، لحديث ابن عباس أنه قال :بت عند خالتي ميمونة، فقام النبي صلى الله عليه وسلم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل کے بعد عرض ہے کہ حرمین شریفین میں باجماعت پانچوں نمازوں میں بہت سی خواتین بھی شامل ہوتی ہیں، تو اگر امام خواتین کی امامت کی نیت کرلے، تو پھر تو خواتین کی نماز درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور اگر امام خواتین کی امامت کی نیت نہ کرے، تو حنفیہ کے اصول اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق خواتین کی نماز درست نہیں ہوگی۔

اب رہا یہ کہ حرمین شریفین کے ائمہ خواتین کی امامت کی بھی نیت کرتے ہیں یا نہیں؟ تو بظاہر یہی ہے کہ وہ خواتین کی امامت کی بھی نیت کرتے ہوں گے، کیونکہ وہاں تقریباً ہر نماز باجماعت میں کثرت سے عورتوں کی شرکت بلکہ وہاں خواتین کے نماز پڑھنے کے لئے مخصوص جگہوں کی باقاعدہ تعیین کی وجہ سے ائمہ حضرات کو عورتوں کی شرکت کا علم ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی طرف سے عورتوں کی امامت کی نیت ہونے کا غالب گمان ہے۔

نیز وہاں کے اکثر ائمۂ کرام حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، اور حنبلی مسلک میں راجح یہ ہے کہ امام کو امامت کی نیت کرنا ضروری ہے، جس میں عورتوں کی امامت کی نیت بھی شامل ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

متطوعا من الليل، فقام إلى القربة فتوضأ، فقام فصلى، فقمت لما رأيته صنع ذلك، فتوضأت من القربة، ثم قمت إلى شقه الأيسر، فأخذ بيدى من وراء ظهره يعدلنى كذلك إلى الشق الأيمن.

أما فى الفرض فإن كان ينتظر أحدا، كإمام المسجد يحرم وحده، وينتظر من يأتى فيصلى معه، فيجوز ذلك أيضا.

واختار ابن قدامة أن الفرض كالنفل فى صحة صلاة من أحرم منفردا ثم نوى أن يكون إماما.

وقال الحنفية :نية الرجل الإمامة شرط لصحة اقتداء النساء إن كن وحدهن، وهذا فى صلاة ذات ركوع وسجود، لا فى صلاة الجنازة، لما يلزم من الفساد بمحاذاة المرأة له لو حاذته، وإن لم ينو إمامة المرأة ونوت هى الاقتداء به لم تضره، فتصح صلاته ولا تصح صلاتها، لأن الاشتراك لا يثبت دون النية.

ولا يشترط نية الإمام الإمامة عند المالكية والشافعية، إلا فى الجمعة والصلاة المعادة والمنذورة عند الشافعية، لكنه يستحب عندهم للإمام أن ينوى الإمامة فى سائر الصلوات للخروج من خلاف الموجب لها، وليحوز فضيلة الإمامة وصلاة الجماعة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٢٠٦، ٢٠٧، مادة " امام ")

اور اگر بالفرض کوئی امام عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے، تب بھی بڑے بڑے مجامع میں بعض حنفیہ کے نزدیک نیت نہ ہونے کے قول اور ابتلائے عام اور حرج کی وجہ سے نیز بے شمار عورتوں کی نمازوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے اور حضرت حسن کی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی روایت اور امام زفر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق نماز درست ہونے کا حکم لگانے کی گنجائش ہے۔

اور اگر کوئی عورت کسی مَرد کے ساتھ صف میں کھڑی ہو کر جماعت میں شامل ہو، تو اس کا حکم آگے آتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۹...... اگر کوئی عاقل، بالغ عورت باجماعت نماز میں عاقل، بالغ، محرَم یا نامحرَم مرد کے ساتھ کھڑی ہو کر نماز پڑھے، تو جمہور فقہائے کرام یعنی شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی، نہ عورت کی اور نہ مرد کی، کیونکہ کسی کی نماز فاسد ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

البتہ عورت کو اس طرح، مرد کے ساتھ بغیر کسی حائل کے نماز باجماعت میں شامل ہونا مکروہ ہے، بلکہ عورت کو مَردوں کی صف سے الگ کھڑے ہو کر جماعت کی نماز میں شامل ہونا چاہئے، کیونکہ شریعت سے اسی طرح عورت کا نماز پڑھنا ثابت ہے ''وهو الراجح عندی''[1]

---

[1] (ومن صلى بزوجته) المراد بامرأة ولو أجنبية (قامت خلفه) ولا تقف عن يمينه، فلو وقفت بجنبه كالرجل كره لها ذلک، وينبغي أن يشير لها بالتأخير، ولا تبطل صلاة واحد منهما بالمحاذاة إلا أن يحصل ما يبطل الطهارة كما هو معلوم مما مر(الفواكه الدوانی علی رسالة ابن أبی زيد القيروانی، ج ا، ص ۲۱۱، باب فی الإمامة)

فصل :وإن وقفت المرأة فی صف الرجال كره، ولم تبطل صلاتها، ولا صلاة من يليها .وهذا مذهب الشافعی .وقال أبو بكر :تبطل صلاة من يليها ومن خلفها دونها .وهذا قول أبی حنيفة لأنه منهی عن الوقوف إلی جانبها، أشبه ما لو وقف بين يدی الإمام .ولنا، أنها لو وقفت فی غير صلاة لم تبطل صلاته، فكذلک فی الصلاة، وقد ثبت أن عائشة كانت تعترض بين يدی رسول الله -صلی الله عليه وسلم -نائمة وهو يصلی .وقولهم :إنه منهی قلنا :هی المنهية عن الوقوف مع الرجال، ولم تفسد صلاتها، فصلاة من يليها أولی(المغنی لابن قدامة، ج ۲، ص ۱۵۰، كتاب الصلاة، باب الإمامة وصلاة الجماعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں عورت کی نماز تو فاسد نہیں ہوتی، البتہ اس کے دائیں بائیں متصل کھڑے ہونے والے اور اس کے عین پچھلی صف میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والے مرد حضرات کی نماز فاسد ہوجاتی ہے، خواہ وہ مرد حضرات اس عورت کے محرم رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، مگر ان حضرات کی نماز فاسد ہونے کے لئے کئی قسم کی شرائط ہیں، مثلاً یہ کہ وہ عورت یا اس کے ساتھ یا پیچھے کھڑے ہوئے مرد حضرات ایک ہی نماز باجماعت میں شریک ہوں، اور یہ کہ وہ عورت اپنے دائیں بائیں کے مرد حضرات کے ساتھ بغیر کسی حائل کے کھڑی ہو، اور یہ کہ امام نے اس عورت کی امامت کی بھی نیت کی ہو، وغیرہ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا صلى الرجل وبجنبه امرأة لم تبطل صلاته ولا صلاتها سواء كان إماما أو مأموما هذا مذهبنا وبه قال مالك والأكثرون وقال أبو حنيفة إن لم تكن المرأة فى صلاة أو كانت فى صلاة غير مشاركة له فى صلاته صحت صلاته وصلاتها فإن كانت فى صلاة يشاركها فيها ولا تكون مشاركة له عند أبى حنيفة إلا إذا نوى الإمام إمامة النساء فإذا شاركته فإن وقفت بجنب رجل بطلت صلاة من إلى جنبيها ولا تبطل صلاتها ولا صلاة من يلى الذى يليها لأن بينه وبينها حاجزا وإن كانت فى صف بين يديه بطلت صلاة من يحاذيها من ورائها ولم تبطل صلاة يحاذى محاذيها لأن دونه حاجزا فإن صف نساء خلف الإمام وخلفهن صف رجال بطلت صلاة الصف الذى يليهن قال وكان القياس أن لا تبطل صلاة من وراء هذا الصف من الصفوف بسبب الحاجز ولكن نقول تبطل صفوف الرجال وراءه ولو كانت مائة صف استحسانا فإن وقفت بجنب الإمام بطلت صلاة الإمام لأنها إلى جنبه ومذهبه أنها إذا بطلت صلاة الامام بطلت صلاة المأمومين أيضا وتبطل صلاتها أيضا لأنها من جملة المأمومين.

وهذا المذهب ضعيف الحجة ظاهر التحكم والتمسک بتفصيل لا أصل له وعمدتنا أن الأصل أن الصلاة صحيحة حتى يرد دليل صحيح شرعى فى البطلان وليس لهم ذلک وينضم إلى هذا حديث عائشة رضى الله عنها المذكور فى المسألة الثالثة فإن قالوا نحن نقول به لأنها لم تكن مصلية قال أصحابنا نقول إذا لم تبطل وهى فى غير عبادة ففى العبادة أولى وقاس أصحابنا على وقوفها فى صلاة الجنازة فإنها لا تبطل عندهم والله أعلم بالصواب وله الحمد والنعمة والمنة وبه التوفيق والهداية العصمة(المجموع شرح المهذب، ج۳،ص ۲۵۲، كتاب الصلاة)

[1] البتہ اگر نماز شروع ہوجانے کے بعد عورت، مرد کے برابر میں آ کر کھڑی ہوئی، اور مرد نے عورت کو پیچھے ہوجانے کا اشارہ کیا، مگر پھر بھی عورت پیچھے نہیں گئی، تو اس صورت میں مرد کے بجائے عورت کی نماز فاسد ہوگی۔

هـ -صلاة الرجل فى محاذاة امرأة: ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الصلاة لا تفسد بمحاذاة المصلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰...... بعض خواتین وحضرات حرمین شریفین میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی دنیاوی باتوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

امرأة سواء كانت في صلاة أو لم تكن في صلاة، وسواء كان بينهما حائل أو ليس بينهما كما لا تفسد لمحاذاة غير المرأة.

إلا أنه يكره للإنسان أن يصلي وبين يديه ما يشغله سواء كان رجلا أو امرأة أو غيرهما، ومن أجل ذلك استحب للمصلي أن يجعل في محاذاته ساترا يحول بينه وبين المارة.

وذهب الحنفية إلى أن صلاة الرجل تفسد إذا حاذته امرأة في صلاته.

وقالوا :لو قامت امرأة وسط الصف تفسد صلاة واحد عن يمينها وصلاة واحد عن يسارها وصلاة واحد خلفها بحذائها.

وشروط المحاذاة المفسدة عند الحنفية تسعة:

أ -كون المرأة مشتهاة ولو كانت محرما للرجل أو زوجة له، أو كانت ماضيا كعجوز شوهاء .

ب -كون المحاذاة بالساق والكعب في الأصح وفي الدر :المعتبر المحاذاة بعضو واحد.

ج -كون المحاذاة في أداء ركن عند محمد وهو ما اختاره ابن الهمام في الفتح وجزم به الحلبي أو قدره عند أبي يوسف.

وفي الخانية :إن قليل المحاذاة وكثيرها مفسد ونسب إلى أبي يوسف.

د -كون المحاذاة في صلاة مطلقة ولو بالإيماء فلا تبطل صلاة الجنازة إذ لا سجود لها، فهي ليست بصلاة حقيقية وإنما هي دعاء للميت.

هـ -كون المحاذاة في صلاة مشتركة من حيث التحريمة وذلك باقتداء المصلي والمرأة بإمام أو اقتدائها به.

و كون المحاذاة في مكان متحد ولو حكما، فلو اختلف المكان بأن كانت المرأة على مكان عال بحيث لا يحاذي شيء منه شيئا منها لا تفسد الصلاة.

ز -كون المحاذاة بلا حائل قدر ذراع في غلظ أصبع، أو فرجة تسع رجلا.

ح -عدم إشارة المصلي إليها لتتأخر عنه فإن لم تتأخر بإشاراته فسدت صلاتها لا صلاته ولا يكلف بالتقدم عنها لكراهته.

ط -وتاسع شروط المحاذاة المفسدة :أن يكون الإمام قد نوى إمامتها فإن لم ينوها لا تكون في الصلاة فانتفت المحاذاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳٦ص ۱۷۳، ۱۷۴، مادة " محاذاة ")

محاذاة المرأة الرجل مفسدة لصلاته ولها شرائط:

(منها)أن تكون المحاذية مشتهاة تصلح للجماع ولا عبرة للسن وهو الأصح .كذا في التبيين حتى لو كانت صبية لا تشتهى وهي تعقل الصلاة فحاذت لا تفسد صلاته .كذا في الكافي.

(ومنها)أن تكون الصلاة مطلقة وهي التي لها ركوع وسجود وإن كان يصليان بالإيماء .

(ومنها)أن تكون الصلاة مشتركة تحريمة وأداء ونعني بالشركة تحريمة أن يكونا بانيين تحريمتهما على تحريمة الإمام حقيقة ونعني بالشركة أداء أن يكون لهما إمام فيما يؤديان تحقيقا أو تقديرا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور فضول گوئیوں میں مصروف ہوجاتے ہیں جبکہ عام مسجدوں میں بھی دنیا کی باتیں کرنا منع

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فالمدرک بان تحريمته على تحريمة الإمام وبان أداء ه على أدائه حقيقة واللاحق بان تحريمته على تحريمة الإمام حقيقة وبان أداء ه فيما يقضيه على أداء الإمام تقديرا والمسبوق بان في حق التحريمة منفرد فيما يقضيه فلو حاذت الرجل المرأة فيما يقضيان لا تفسد صلاته .كذا في التبيين.
(ومنها)أن يكونا في مكان واحد حتى لو كان الرجل على الدكان والمرأة على الأرض والدكان مثل قامة الرجل لا تفسد صلاته.
(ومنها)أن يكونا بلا حائل حتى لو كانا في مكان متحد بأن كانا على الأرض أو على الدكان إلا أن بينهما أسطوانة لا تفسد صلاته .هكذا في الكافي وأدنى الحائل قدر مؤخر الرحل وغلظه غلظ الأصبع والفرجة تقوم مقام الحائل وأدناه قدر ما يقوم فيه الرجل كذا في التبيين.
(ومنها)أن تكون ممن تصح منها الصلاة حتى أن المجنونة إذا حاذته لا تفسد صلاته كذا في الكافي.
(ومنها)أن ينوي الإمام إمامتها أو إمامة النساء وقت الشروع لا بعده ولا يشترط حضور النساء لصحة نيتهن.
(ومنها)أن تكون المحاذاة في ركن كامل حتى لو كبرت في صف وركعت في آخر وسجدت في ثالث فسدت صلاة من عن يمينها ويسارها وخلفها من كل صف.
(ومنها)أن تكون جهتهما متحدة حتى لو اختلفت لا تفسد ولا يصور اختلاف الجهة إلا في جوف الكعبة أو في ليلة مظلمة وصلى كل بالتحري إلى جهة والمعتبر في المحاذاة الساق والكعب على الصحيح .هكذا في التبيين والمرأة تتناول الأجنبية والمحرمة والحليلة والصغيرة والمشتهاة والكبيرة التي ينفر عنها الرجال .هكذا في الكفاية ثم المرأة الواحدة تفسد صلاة ثلاثة واحد عن يمينها وآخر عن يسارها وآخر خلفها ولا تفسد أكثر من ذلك .هكذا في التبيين.
وعليه الفتوى .كذا في التتارخانية والمرأتان صلاة أربعة واحد عن يمينهما وآخر عن يسارهما واثنان خلفهما بحذائهما وإن كن ثلاثا أفسدت صلاة واحد عن يمينهن وآخر عن يسارهن وثلاثة خلفهن إلى آخر الصفوف وهذا جواب الظاهر .هكذا في التبيين.
ومحاذاة الخنثى المشكل لا تفسد صلاته .كذا في التتارخانية في فصل بيان مقام الإمام والمأموم (الفتاوى الهندية، ج ۱،ص ۹۰،كتاب الصلاة،الباب الخامس ،الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والمأموم)
والعاشر :حد المحاذاة أن يكون عضو منها يحاذي عضوا من الرجل؛ لأنهم شرطوا المحاذاة مطلقا فيتناول كل الأعضاء أو بعضها، ونص في "قاضي خان "أن محاذاة غير قدمها بشيء من الرجل لا يوجب فساد صلاة الرجل، وقال :المرأة إذا صلت مع زوجها في البيت إن كان قدمها محل أقدام الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة، وإن كان قدمها خلف قدم الزوج إلا أنها طويلة تقع رأس المرأة في السجود قبل رأس الزوج جازت صلاتهما؛ لأن العبرة للقدم(البناية شرح الهداية، ج۲ص ۳۴۹، كتاب الصلاة،باب في الإمامة)

ہے، اور حرمین شریفین کی مساجد تو اور زیادہ عظمت واحترام کے قابل ہیں۔

اور بعض لوگ مسجد حرام میں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر آنے جانے اور طواف کرنے والوں کو دیکھ دیکھ کر عیب جوئی اور تمسخر کرتے رہتے ہیں جو کہ سخت گناہ ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۱...... اکثر فقہائے کرام کے نزدیک دوسری جگہوں کے مقابلہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر جس طرح مسجدِ حرام میں حاصل ہوتا ہے، اسی طرح مسجدِ حرام کے علاوہ حرم کی پوری حدود میں حاصل ہوتا ہے۔

جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک مذکورہ فضیلت مسجدِ حرام کی حدود میں نماز پڑھنے کی صورت میں حاصل ہوتی ہے، اگرچہ مسجدِ حرام کی حدود وسیع کردی جائیں۔

اور مسجدِ حرام سے باہر مگر حرم کی حدود میں پڑھی جانے والی نماز کی فضیلت بھی اگرچہ بہت عظیم ہے، مگر وہ فضیلت مسجدِ حرام کی حدود میں پڑھی جانے والی نماز کی فضیلت سے کم ہے۔ [۱]

---

[۱] المراد بالمسجد الحرام الذى تضاعف فيه الصلاة:

ذهب الحنفية فى المشهور والمالكية والشافعية إلى أن المضاعفة تعم جميع حرم مكة ، فقد ورد من حديث عطاء بن أبى رباح قال :بينما ابن الزبير يخطبنا إذ قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام، وصلاة فى المسجد الحرام تفضل بمائة، قال عطاء فكأنه مائة ألف، قال :قلت يا أبا محمد هذا الفضل الذى يذكر فى المسجد الحرام وحده أو فى الحرم؟ قال :بل فى الحرم، فإن الحرم كله مسجد .

وقال ابن مفلح :ظاهر كلامهم فى المسجد الحرام أنه نفس المسجد، ومع هذا فالحرم أفضل من الحل، فالصلاة فيه أفضل .

وقال الزركشى :يتحصل فى المراد بالمسجد الحرام الذى تضاعف فيه الصلاة سبعة أقوال.

الأول :أنه المكان الذى يحرم على الجنب الإقامة فيه.

الثانى :أنه مكة.

الثالث :أنه الحرم كله إلى الحدود الفارقة بين الحل والحرم، قاله عطاء وقد سبق مثله عن الماوردى وغيره، وقال الرويانى :فضل الحرم على سائر البقاع فرخص فى الصلاة فيه فى جميع الأوقات لفضيلة البقعة وحيازة الثواب المضاعف، وقال الزركشى :وهذا فيه تصريح بهذا القول.

الرابع :أنه الكعبة، قال الزركشى وهو أبعدها.

الخامس :أنه الكعبة والمسجد حولها، وهو الذى قاله النووى فى استقبال القبلة.

السادس :أنه جميع الحرم وعرفة، قاله ابن حزم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یاد رہے کہ بیتُ اللہ کے اردگرد حرم کی مخصوص حدود شریعت کی طرف سے مقرر ہیں، اور آج کل حرم کی ہر طرف سے مقررہ حدود پر سعودی حکومت کی طرف سے نشانات اور علامات قائم کردی گئی ہیں، ان کو حرم کی حدود کہا جاتا ہے، جس کی بیتُ اللہ سے قریب ترین جہت ''تنعیم''

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السابع :أنه الكعبة وما فى الحجر من البيت، وهو قول صاحب البيان من أصحاب الشافعية .
وحكى المحب الطبرى خلاف الفقهاء فى مكان المضاعفة بالنسبة إلى الصلاة، ورجح أن المضاعفة تختص بمسجد الجماعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷ص ۲۳۹، ۲۴۰، مادة ''المسجد الحرام'')
اتفق الفقهاء على أن صلاة فى المسجد الحرام تعدل مائة ألف صلاة فيما سواه من المساجد، لما ورد فيها من أحاديث :منها قوله صلى الله عليه وسلم :صلاة فى مسجدى هذا خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام والمعنى أن الصلاة فيه تفضل على مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم.
وذكر بعض الفقهاء أن حرم مكة كالمسجد الحرام فى المضاعفة المذكورة بناء على أن المسجد الحرام فى الخبر المراد به جميع الحرم، ويتأيد بقوله تعالى :
(والمسجد الحرام الذى جعلناه للناس سواء العاكف فيه والباد.
وقوله تعالى :(سبحان الذى أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى)، وكان ذلك من بيت أم هانء.
وقيل :المراد به مسجد الجماعة الذى يحرم على الجنب الإقامة فيه .وقد ذكر فى رواية النسائى فى سننه من حديث ميمونة :إلا المسجد الكعبة ورواه مسلم عنها :إلا مسجد الكعبة.
ورجح المحب الطبرى أن المضاعفة تختص بمسجد الجماعة بالنسبة إلى الصلاة.
هذا وقد ورد عن ابن عباس رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من حج من مكة ماشيا حتى يرجع إلى مكة كتب الله له بكل خطوة سبعمائة حسنة من حسنات الحرم فقال بعضهم لابن عباس:
وما حسنات الحرم؟ قال :بكل حسنة مائة ألف حسنة.
وهذا الحديث يدل على أن المراد بالمسجد الحرام فى تضعيف الصلاة الحرم جميعه، قال الزركشى نقلا عن المحب الطبرى :نقول بموجبه إن حسنة الحرم مطلقا بمائة ألف لكن الصلاة فى مسجد الجماعة تزيد على ذلك .ولهذا قال :بمائة صلاة فى مسجدى ولم يقل حسنة.
وصلاة فى مسجده صلى الله عليه وسلم بألف صلاة، كل صلاة بعشر حسنات، فتكون الصلاة فى مسجده صلى الله عليه وسلم بعشرة آلاف حسنة، وتكون فى المسجد الحرام بألف ألف حسنة إما مسجد الجماعة وإما الكعبة على اختلاف القولين.
ومثله ما ورد فى شفاء الغرام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۲۰۰، ۲۰۱، مادة ''حرم'')

یا مسجدِ عائشہ ہے، جس کی تفصیل پیچھے احرام کے بیان میں گزر چکی ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۲...... بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک حرم کی حدود میں جو گناہ اور برائی کی جائے، اس کی شدت بھی اسی اعتبار سے زیادہ ہے، جس اعتبار سے نیک اعمال کا ثواب زیادہ ہے۔

جبکہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک حرم کی حدود میں گناہ کرنا اگرچہ دوسرے مقامات کے مقابلہ میں زیادہ شدید ہے، مگر اس کی شدت وہاں نیک اعمال کرنے کے تناسب کے برابر نہیں ہے، چنانچہ وہاں ایک گناہ کرنا ایک لاکھ گناہوں کے برابر نہیں ہے۔ [2]

---

[1] ب -تحديد حرم مكة:
حد الحرم من جهة المدينة المنورة عند التنعيم وهو على ثلاثة أميال .وفى كتب المالكية أنه أربعة أو خمسة أميال .ومبدأ التنعيم من جهة مكة عند بيوت السقيا، ويقال لها بيوت نفار، ويعرف الآن بمسجد عائشة، فما بين الكعبة المشرفة والتنعيم حرم .والتنعيم من الحل.
ومن جهة اليمن سبعة أميال عند أضاة لبن (بكسر فسكون كما فى القاموس وشفاء الغرام) ومن جهة جدة عشرة أميال عند منقطع الأعشاش لآخر الحديبية، فهى من الحرم.
ومن جهة الجعرانة تسعة أميال فى شعب عبد الله بن خالد ومن جهة العراق سبعة أميال على ثنية بطرف جبل المقطع، وذكر فى كتب المالكية أنه ثمانية أميال.ومن جهة الطائف على عرفات من بطن نمرة سبعة أميال عند طرف عرنة.
ولعل الاختلاف فى تحديد الأميال يرجع إلى الاختلاف فى تحديد أذرع الميل وأنواعها.
وابتداء الأميال من الحجر الأسود.
هذا وقد حدد الحرم المكى الآن من مختلف الجهات بأعلام بينة مبينة على أطرافه مثل المنار مكتوب عليها اسم العلم باللغات العربية والأعجمية.
وانظر مصطلح (أعلام الحرم) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۸۵، ص۱۸۶، مادة"حرم")

[2] مضاعفة السيئات بالحرم :ذهب جماعة من العلماء إلى أن السيئات تضاعف بمكة كما تضاعف الحسنات .ممن قال ذلك ابن مسعود وابن عباس ومجاهد وأحمد بن حنبل وغيرهم لتعظيم البلد .وسئل ابن عباس عن مقامه بغير مكة فقال :مالى ولبلد تضاعف فيه السيئات كما تضاعف الحسنات؟ فحمل ذلك منه على مضاعفة السيئات بالحرم، ثم قيل :تضعيفها كمضاعفة الحسنات بالحرم .وقيل :بل كخارجه، ومن أخذ بالعمومات لم يحكم بالمضاعفة قال تعالى :(ومن جاء بالسيئة فلا يجزى إلا مثلها)
وقال الفاسى :والصحيح من مذاهب العلماء أن السيئة بمكة كغيرها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷ ص ۲۰۱، مادة " حرم ")

مسئلہ نمبر۱۳...... حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد اور دیگر اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مکہ اور حرم میں مسلمان کو سکونت ورہائش کا اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب ہے، تاکہ یہاں کی برکات حاصل کی جاسکیں۔

چنانچہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَا أَطْیَبَکِ مِنْ بَلْدَۃٍ وَأَحَبَّکِ إِلَیَّ، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِیْ أَخْرَجُوْنِیْ مِنْکَ، مَا سَکَنْتُ غَیْرَکِ (ابن حبان)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ کے بارے میں) فرمایا کہ تو کس قدر پاکیزہ اور مجھے کس قدر پسندیدہ شہر ہے، اور اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی، تو میں تیرے علاوہ کسی اور جگہ رہائش اختیار نہ کرتا (ابن حبان)

اس سے معلوم ہوا کہ حرم شریف میں سکونت اختیار کرنا باعثِ فضیلت ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ انہوں نے مکہ اور حرم میں مستقل سکونت ورہائش کو مکروہ قرار دیا ہے، تاکہ وہاں رہ کر مکہ اور حرم کی بے احترامی لازم نہ آئے۔ البتہ اگر کوئی شخص احتیاط کو اختیار کرے، اور بے احترامی سے بچنے کا اہتمام کرے، تو پھر مکروہ نہیں۔[2]

---

[1] رقم الحديث ٣٧٠٩، ذكر البيان بأن مكة كانت أحب الأرض إلى رسول الله ﷺ.
فى حاشية ابن حبان: حديث صحيح.

[2] المجاورة بمكة والحرم: تستحب المجاورة بمكة والحرم عند جمهور الفقهاء (الشافعية والحنابلة وأبى يوسف ومحمد وهو قول ابن القاسم من المالكية) وذلك لما يحصل من الطاعات التى لا تحصل فى غيرها من الطواف وتضعيف الصلوات والحسنات. وحكى عن بعض الفقهاء منهم أبو حنيفة كراهة المجاورة بالحرم خوفا من التقصير فى حرمته والتبرم واعتياد المكان. ولما يحصل بالمفارقة من تهييج الشوق وانبعاث داعية العود. قال تعالى: (وإذ جعلنا البيت مثابة للناس وأمنا)أى يثوبون إليه، ويترددون إليه مرة بعد أخرى. وعلل بعضهم الكراهة بالخوف من ركوب الخطايا والذنوب فيه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧ ص٢٠٠، مادة "حرم")
ولا تكره المجاورة بالمدينة وكذا بمكة لمن يثق بنفسه(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج٢ص٦٢٨، كتاب الحج)

مسئلہ نمبر۱۴...... مکہ ومدینہ میں قیام کے دوران صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔

بعض لوگ حج کے سفر اور مکہ ومدینہ میں قیام کے زمانہ میں آپس میں بہت لڑتے جھگڑتے ہیں، ذرا ذرا سی ناگوار اور طبیعت کے خلاف بات پیش آجانے پر لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں۔

خاص طور پر جگہ لینے اور سامان وغیرہ رکھنے پر لڑتے جھگڑتے ہیں، حتیٰ کہ بعض لوگ تو اس قدر حد سے بڑھ جاتے ہیں کہ گالی گلوچ اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی ہے، حالانکہ لڑنا جھگڑنا تو عام حالات میں بھی برا ہے اور حج کی وجہ سے اس گناہ کی قباحت وشناعت اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے کہ:

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَارَفَثَ وَلَافُسُوْقَ وَلَاجِدَالَ فِي الْحَجِّ

(سورة البقرة، رقم الآية ۱۹۷)

ترجمہ: پس جو شخص حج کے مہینوں میں اپنے او پر حج کو فرض کرلے، تو حج میں پھر نہ کوئی فحش بات جائز ہے اور نہ حکم عدولی درست ہے اور نہ کسی قسم کا جھگڑا (سورہ بقرہ)

سفر کیسا ہی ہو مشقت تو اس میں ہوتی ہی ہے اس لئے سفر میں غصہ تھوک کر اور آرام گھر میں چھوڑ کر جانا چاہئے اور اپنے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہئے اور ہر قدم پر تحمل، صبر وضبط اور ہمدردی وایثار سے کام لینا چاہئے۔

مسئلہ نمبر۱۵...... مکہ ومدینہ میں قیام کے دوران اوقات کی قدر کرنی چاہئے، اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال میں مشغول رہنا چاہئے۔

بعض لوگوں کا پہلے سے مقصد سیر وتفریح اور خرید وفروخت کا تو نہیں ہوتا، لیکن وہاں جانے کے بعد چمک دمک دیکھ کر خواہ مخواہ بازاروں اور دوکانوں کے چکر کاٹتے ہیں کچھ خریدنا بھی نہ ہو ویسے ہی مختلف چیزوں کو دیکھ کر دل بہلاتے رہتے ہیں اور اس طرح اپنے قیمتی اوقات

ضائع کردیتے ہیں۔

بہت سے لوگ حج کے سفر میں بھی مکہ ومدینہ میں قیام کے دوران ڈاڑھی مونڈنا یا کترانا نہیں چھوڑتے اور بے دھڑک ڈاڑھی مونڈتے، یا ایک مٹھی سے کم کرکے کاٹتے اور تراشتے رہتے ہیں۔

اس گناہ سے دوسرے اوقات ومقامات پر بھی اور بطورِ خاص مکہ ومدینہ میں قیام کے دوران بچنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

مسئلہ نمبر ۱۶...... بعض لوگ مکہ ومدینہ میں کبوتروں اور دوسرے پرندوں کو اناج، چاول باجرا وغیرہ ڈالنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، یہاں تک کہ بہت سے لوگ حج وعمرہ پر جانے والوں کو اس غرض کے لئے رقم فراہم کرتے ہیں، پھر وہاں گلی کوچوں، راستوں اور بازاروں میں اور چلنے والوں کے پیروں کے نیچے اس رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے اور چلنے والوں کو راستہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، حتیٰ کہ صفائی کے لئے وہاں جاروب کشوں کے کام میں اضافہ ہوجاتا ہے، اور بعض جاہل اس کی منت اور نذر بھی مانتے ہیں، بلاشبہ پرندوں کو کھلانا پلانا باعث اجروثواب ہے، لیکن اس میں اتنا غلو کرنا جیسا کہ عام لوگوں نے سمجھا ہوا ہے، اور رزق کی بے ادبی کرانا، درست نہیں، لہٰذا اس طرح کی بے حرمتی اور غلو سے بچنا ضروری ہے، البتہ حدود کے اندر رہتے ہوئے ان خرابیوں سے بچ کر ایک طرف ڈالنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ضیاع نہ ہو اور حد سے تجاوز نہ ہو۔

مسئلہ نمبر ۱۷...... جب کعبہ کے باہر نماز باجماعت ادا کی جائے، اور مقتدی کعبہ کے ادگرد ہوں، تو کعبہ کے جس طرف امام کھڑا ہو، اس طرف کو چھوڑ کر کعبہ کے دوسرے اطراف میں اگر مقتدی کعبہ کے زیادہ قریب ہوں، اور کعبہ سے امام کا فاصلہ مقتدیوں کے مقابلہ میں زیادہ ہو، تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔

البتہ کعبہ کے جس طرف امام کھڑا ہو، اس طرف کھڑا ہونے والا کوئی مقتدی امام کے مقابلہ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 0092515507530

میں کعبہ کے زیادہ قریب کھڑا ہو، تو اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۸...... مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے والے کے سامنے سے لوگوں کو گزرنا حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ مطاف میں طواف کرنے والوں کو گزرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، نیز کعبہ کے اردگرد دائرہ بنا کر لوگ نماز پڑھتے ہیں، اور کعبہ کا نماز باجماعت کے علاوہ ہر وقت طواف جاری رہتا ہے، نیز کعبہ میں ہر وقت لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے، اس لئے ممانعت کی صورت میں لوگوں کو سخت مشکل اور تنگی لازم آتی ہے، اور حرج و تنگی شرعاً مرفوع ہے۔ [2]

---

[1] تقدم المأموم على الإمام فى المسجد الحرام: ذهب الحنفية والحنابلة إلى أنه إذا صلى الإمام خارج الكعبة وتحلق المقتدون حولها جاز لمن فى غير جهته أن يكون أقرب إليها منه، لا لمن كان فى جهته، لأن التقدم والتأخر إنما يظهر عند اتحاد الجهة.

وقال الشافعية :يستحب للإمام أن يقف خلف المقام، ويقف المأمومون مستديرين بالكعبة، بحيث يكون الإمام أقرب إلى الكعبة منهم، فإن كان بعضهم أقرب إليها منه وهو فى جهة الإمام ففى صحة صلاته قولان :الجديد بطلانها، والقديم صحتها.

وإن كان فى غير جهته فطريقان :المذهب :القطع بصحتها وهو نصه فى الأم وبه قطع الجمهور.

والثانى فيه القولان، حكاه الأصحاب عن أبى إسحاق المروزى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷،ص ۲۴۰ ،مادة "المسجد الحرام")

[2] بلکہ حنابلہ کے نزدیک حرم کی جملہ حدود میں نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے۔

المرور بين يدى المصلى فى المسجد الحرام: ذهب الحنفية إلى أنه لا يمنع المار داخل المسجد الحرام، لما روى عن المطلب ابن أبى وداعة رضى الله عنه :أنه رأى النبى صلى الله عليه وسلم يصلى مما يلى باب بنى سهم والناس يمرون بين يديه وليس بينهما سترة ، وهو محمول على الطائفين فيما يظهر لأن الطواف صلاة فصار كمن بين يديه صفوف من المصلين.

وقال المالكية :إن كان فى المسجد الحرام حرم المرور إن كان له مندوحة وصلى لسترة، وإلا جاز، هذا إذا كان المار غير طائف، وأما هو فلا يحرم عليه مطلقا، ثم إن كان له سترة كره حيث كان للطائف مندوحة .

ونص الرملى على أنه لو قصر المصلى، بأن وقف فى قارعة الطريق أو بشارع أو درب ضيق أو نحو باب مسجد كالمحل الذى يغلب مرور الناس به فى وقت الصلاة ولو فى المسجد كالمطاف، وكأن ترك فرجة فى صف إمامه فاحتيج للمرور بين يديه لفرجة قبله فلا يحرم المرور فى جميع ذلك، ولو فى حريم المصلى وهو قدر إمكان سجوده، خلافا للخوارزمى، بل ولا يكره عند التقصير.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۹...... جو شخص بیتُ اللہ کے قریب اور اس کے سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھ رہا ہو، تو اس کو نماز میں عین بیتُ اللہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، بیتُ اللہ کی سمت کی طرف رخ کر لینا جبکہ عین بیتُ اللہ کی طرف رخ نہ ہو، کافی نہیں۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الحنابلة :المصلي بمكة المشرفة لا يرد المار بين يديه، قال أحمد :لأن مكة ليست كغيرها لأن الناس يكثرون بها ويزدحمون فمنعهم تضييق عليهم، ولأنه صلى الله عليه وسلم صلى بمكة والناس يمرون بين يديه وليس بينهما ستر.
وألحق الموفق بمكة سائر الحرم لمشاركته لها في الحرمة.
وقال الرحيباني :إنما يتمشى كلام الموفق في زمن حاج لكثرة الناس واضطرارهم إلى المرور، وأما في غير أيام الحج فلا حاجة للمرور بين يدي المصلي للاستغناء عنه، وكلام أحمد يمكن حمله على الصلاة في المطاف أو قريبا منه وهو متجه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷، ص۲۴۰، ۲۴۱،مادة "المسجد الحرام")
الناس يكثرون بمكة لأجل قضاء نسكهم، ويزدحمون فيها، ولذلك سميت بكة، لأن الناس يتباكون فيها، أي :يزدحمون ويدفع بعضهم بعضا، فلو منع المصلي من يجتاز بين يديه لضاق على الناس، وحكم الحرم كله حكم مكة في هذا، بدليل ما روى ابن عباس، قال :أقبلت راكبا على حمار أتان، والنبي -صلى الله عليه وسلم -يصلي بالناس بمنى إلى غير جدار .متفق عليه(المغني لابنِ قدامة، ج۲ص۱۸۰، باب الامامة وصلاة الجماعة)
ذكر في حاشية المدني لا يمنع المار داخل الكعبة وخلف المقام وحاشية المطاف، لما روى أحمد وأبو داود عن المطلب بن أبي وداعة أنه رأى النبي -صلى الله عليه وسلم -يصلي مما يلي باب بني سهم والناس يمرون بين يديه وليس بينهما سترة وهو محمول على الطائفين فيما يظهر لأن الطواف صلاة، فصار كمن بين يديه صفوف من المصلين انتهى، ومثله في البحر العميق، وحكاه عز الدين بن جماعة عن مشكلات الآثار للطحاوي، ونقله المنلا -رحمه الله -في منسكه الكبير، ونقله سنان أفندي أيضا .في منسكه اهـ(ردالمحتار، ج۱ص۶۳۵، ۶۳۶، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها)

۱؎ استقبال المكي المعاين:
لا خلاف بين المذاهب الأربعة في أن من كان يعاين الكعبة فعليه إصابة عينها في الصلاة، أي مقابلة ذات بناء الكعبة يقينا، ولا يكفي الاجتهاد ولا استقبال جهتها، لأن القدرة على اليقين والعين تمنع من الاجتهاد والجهة المعرضين للخطأ .وأيضا فإن من انحرف عن مقابلة شيء فهو ليس متوجها نحوه. وذكر المالكية والشافعية وابن عقيل من الحنابلة -وأقروه -أن المصلي في مكة وما في حكمها ممن تمكنه المسامتة لو استقبل طرفا من الكعبة ببعض بدنه وخرج باقيه -لو عضوا واحدا -عن استقبالها لم تصح صلاته .وفي قول عند الشافعية والحنابلة يكفي التوجه ببعض بدنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص۶۴، مادة " استقبال " استقبال المكي للقبلة)

مسئلہ نمبر۲۰...... بیتُ اللہ کے قریب جب جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے، تو مقتدیوں کو سیدھی صفیں بنانے کے بجائے، اس طرح دائرہ کی شکل میں صفیں بنانا ضروری ہے کہ ہر مقتدی کا رُخ بعینہٖ بیتُ اللہ کی طرف ہو جائے۔ [1]

مسئلہ نمبر۲۱...... جو شخص مکہ یا حرم کی حدود میں اس طرح نماز پڑھ رہا ہو کہ اس کو بیتُ اللہ نظر نہ آ رہا ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس کو عین بیتُ اللہ کی طرف رُخ کرنا ضروری نہیں، بلکہ جس طرف بیتُ اللہ واقع ہے، اس کی سمت میں رخ کر لینا کافی ہے۔

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ [2]

مسئلہ نمبر۲۲...... جو شخص مکہ یا حرم کی حدود سے دور ہو، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کو نماز میں اس جہت کی طرف رخ کر لینا کافی ہے، جس جہت میں بیتُ اللہ واقع ہے، خاص

---

[1] صلاة الجماعة قرب الكعبة:

ذكر الحنفية والمالكية والشافعية -وهو ما يستفاد من كلام الحنابلة -أنه إن امتد صف طويل بقرب الكعبة وخرج بعضهم عن المحاذاة بطلت صلاته، لعدم استقبالهم لها، بخلاف البعد عنها، فيصلون في حالة القرب دائرة أو قوسا إن قصروا عن الدائرة، لأن الصلاة بمكة تؤدى هكذا من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص۶۵، مادة "استقبال" استقبال المكي للقبلة)

[2] استقبال المكي غير المعاين:

ذهب الحنفية إلى أن من بينه وبين الكعبة حائل فهو كالغائب على الأصح، فيكفيه استقبال الجهة، وسيأتي تفصيل مذهبهم في إصابة الجهة في "استقبال البعيد عن مكة ."

وذهب المالكية والحنابلة إلى أن من لم يصل بالمسجد من أهل مكة ومن ألحق بهم عليه إصابة العين، وهو قول ضعيف عند الحنفية.

وتفصيل مذهب الحنابلة أنهم أوجبوا إصابة العين يقينا على من كان من أهل مكة أو ناشئا بها من وراء حائل محدث كالحيطان.

وأما من لم يكن من أهلها وهو غائب عن الكعبة ففرضه الخبر، كما إذا وجد مخبرا يخبره عن يقين، أو كان غريبا نزل بمكة فأخبره أهل الدار بها.

وعند الشافعية يجب على من نشأ بمكة وهو غائب عن الكعبة إصابة العين إن تيقن إصابتها، وإلا جاز له الاجتهاد لما في تكليفه المعاينة من المشقة إذا لم يجد ثقة يخبره عن علم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص۶۵، مادة "استقبال"، استقبال المكي للقبلة)

اور عین بیتُ اللہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں۔ [۱]

مسئلہ نمبر۲۲۳...... حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بیتُ اللہ وکعبہ کی اندرونی حدود میں داخل ہو کر فرض اور نفل ہر قسم کی نماز پڑھنا جائز ہے، اور اس صورت میں نمازی جس طرف بھی رخ کرلے، درست ہے۔

جبکہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بیتُ اللہ کی اندرونی حدود میں نفل نماز تو جائز ہے، مگر فرض نماز جائز نہیں۔ [۲]

---

[۱] استقبال البعيد عن مكة:

مذهب الحنفية، وهو الأظهر عند المالكية، والحنابلة، وهو قول للشافعي :أنه يكفى المصلى البعيد عن مكة استقبال جهة الكعبة باجتهاد، وليس عليه إصابة العين، فيكفى غلبة ظنه أن القبلة فى الجهة التى أمامه، ولو لم يقدر أنه مسامت ومقابل لها.

وفسر الحنفية جهة الكعبة بأنها الجانب الذى إذا توجه إليه الإنسان يكون مسامتا للكعبة، أو هوائها تحقيقا أو تقريبا.

واستدلوا بالآية الكريمة :(وحيثما كنتم فولوا وجوهكم شطره)وقالوا :شطر البيت نحوه وقبله، كما استدلوا بحديث :ما بين المشرق والمغرب قبلة.

وهذا كله فى غير المدينة المنورة، وما فى حكمها من الأماكن المقطوع بقبلتها، على ما سيأتى فى استقبال المحاريب إن شاء الله.

والأظهر عند الشافعية، وهو قول لابن القصار عند المالكية، ورواية عن أحمد اختارها أبو الخطاب من الحنابلة :أنه تلزم إصابة العين.

واستدلوا بقوله تعالى :(وحيثما كنتم فولوا وجوهكم شطره) أى جهته، والمراد بالجهة هنا العين؛ وكذا المراد بالقبلة هنا العين أيضا، لحديث الصحيحين :أنه صلى الله عليه وسلم ركع ركعتين قبل الكعبة، وقال :هذه القبلة فالحصر هنا يدفع حمل الآية على الجهة .وإطلاق الجهة على العين حقيقة لغوية وهو المراد هنا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص۶۷، مادة " استقبال " استقبال المكى للقبلة)

[۲] حكم الصلاة فى جوف الكعبة:

قال الشافعية والحنفية :الصلاة فى جوف الكعبة جائزة فرضا كانت أو نفلا.

واستدلوا بحديث ابن عمر :أنه أتى فقيل له :هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل الكعبة، فقال ابن عمر :فأقبلت والنبى صلى الله عليه وسلم قد خرج وأجد بلالا قائما بين البابين فسألت بلالا فقلت :أصلى النبى صلى الله عليه وسلم فى الكعبة؟ قال :نعم، ركعتين بين الساريتين اللتين على يساره إذا دخل، ثم خرج فصلى فى وجه الكعبة ركعتين .ونص الشافعية على أن الصلاة فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حطیم والے حصہ کے اندر بھی نماز پڑھنا جائز ہے، مگر حطیم کے اندر نماز پڑھنے کی صورت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

جوف الكعبة صحيحة إذا استقبل المصلي جدارها أو بابها مردودا أو مفتوحا مع ارتفاع عتبته ثلثى ذراع لأنه يكون متوجها إلى الكعبة أو جزء منها أو إلى ما هو كالجزء منها.

وقال المالكية والحنابلة :الصلاة فى جوف الكعبة جائزة نفلا لا فرضا.

واستدلوا بحديث ابن عباس قال :لما دخل النبى صلى الله عليه وسلم البيت دعا فى نواحيه كلها ولم يصل حتى خرج منه فلما خرج ركع ركعتين فى قبل الكعبة وقال :هذه القبلة، فحملوا حديث ابن عباس هذا على الفرض، وحملوا حديث ابن عمر المتقدم على النفل جمعا بين الأدلة.

وقال ابن جرير وجماعة من الظاهرية وأصبغ ابن الفرج من المالكية -وحكى عن ابن عباس -لا تجوز الصلاة فى جوف الكعبة لا فرضا ولا نفلا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص ۲۶۲، مادة "كعبة")

الاستقبال عند صلاة الفريضة فى الكعبة:

ذهب جمهور العلماء إلى صحة صلاة الفريضة داخل الكعبة .منهم الحنفية، والشافعية، والثورى، لحديث بلال أن النبى صلى الله عليه وسلم صلى فى الكعبة.قال الحنفية :ولأن الواجب استقبال جزء منها غير معين، وإنما يتعين الجزء قبلة بالشروع فى الصلاة والتوجه إليه .ومتى صار قبلة فاستدبار غيره لا يكون مفسدا .وعلى هذا ينبغى أنه لو صلى ركعة إلى جهة أخرى لم يصح، لأنه صار مستدبرا الجهة التى صارت قبلة فى حقه بيقين بلا ضرورة.

ومذهب المالكية والحنابلة لا تصلى الفريضة والوتر فى الكعبة، لأنها من المواطن السبع التى نهى عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم كما سيأتى قريبا، ولما فى ذلك من الإخلال بالتعظيم، ولقوله تعالى :(وحيثما كنتم فولوا وجوهكم شطره)قالوا :والشطر :الجهة .ومن صلى فيها أو على سطحها فهو غير مستقبل لجهتها، ولأنه قد يكون مستدبرا من الكعبة ما لو استقبله منها وهو فى خارجها صحت صلاته،ولأن النهى عن الصلاة على ظهرها قد ورد صريحا فى حديث عبد الله بن عمر أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :سبع مواطن لا تجوز فيها الصلاة :ظهر بيت الله والمقبرة. .إلخ ، وفيه تنبيه على النهى عن الصلاة فيها لأنها سواء فى المعنى .وتوجه المصلى فى داخلها إلى الجدار لا أثر له، إذ المقصود البقعة، بدليل أنه يصلى للبقعة حيث لا جدار .وإنما جاز على أبى قبيس مع أنه أعلى من بنائها لأن المصلى عليه مصل لها، وأما المصلى على ظهرها فهو فيها.

وهناك قول للمالكية بجواز الصلاة فى الكعبة مع الكراهة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص ۶۵،۶۶، مادة" استقبال " استقبال المكى للقبلة)

صلاة النافلة فى الكعبة وعليها:

ذهب الأئمة الأربعة إلى جواز صلاة النفل المطلق داخل الكعبة، لأن النبى صلى الله عليه وسلم صلى فيها، وللأدلة السابقة على صحة صلاة الفريضة، وأما السنن الرواتب فذهب جمهور الفقهاء إلى جوازها فى الكعبة كذلك.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میں یہ ضروری ہے کہ بیتُ اللہ و کعبہ کی طرف رخ کرلیا جائے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وللمالكية ثلاثة أقوال :الحرمة بأدلتهم على منع الفريضة، والجواز قياسا على النفل المطلق، والثالث الكراهة وهو الراجح.

وذهب أصبغ من المالكية ومحمد بن جرير وابن عباس رضى الله عنهما فيما حكى عنه إلى أنه لا تصح صلاة النافلة فيها.

أما صلاة النافلة على ظهرها فتجوز عند الحنفية، والشافعية، والحنابلة، وفى قول للمالكية بناء على أنه يكفى استقبال الهواء أو استقبال قطعة من البناء ولو من حائط السطح.

هذا، وقد نص الشافعية على جوازها مع الكراهة لبعده عن الأدب كما تقدم فى الفريضة.

هذا، وما ورد فى شأن الصلاة فى الكعبة يرد فى الحجر (الحطيم) لأنه جزء من الكعبة.

وذهب الحنفية والمالكية، إلى أن الصلاة التى تجوز فى الكعبة، تصح لأى جهة ولو لجهة بابها مفتوحا، ولو لم يستقبل شيئا فى هذه الحال، لأن القبلة هى العرصة والهواء إلى عنان السماء ، وليست هى البناء ، بدليل أنه لو نقل إلى عرصة أخرى وصلى إليه لم يجز، ولأنه لو صلى على جبل أبى قبيس جازت بالإجماع، مع أنه لم يصل إلى البناء .وشرط الشافعية لجواز الصلاة فى الكعبة وعليها أن يستقبل جدارا منها أيا كان، أو يستقبل الباب إن كان مفتوحا وكان له عتبة قدر ثلثى ذراع بذراع الآدمى تقريبا على الصحيح المشهور، لأن هذا المقدار هو سترة المصلى فاعتبر فيه قدرها.

واختار أكثر الحنابلة أن يشترط أن يكون بين يديه شىء منها شاخص يتصل بها، كالبناء والباب ولو مفتوحا، فلا اعتبار بالآجر غير المبنى، ولا الخشب غير المسمور، لأنه غير متصل، لكنهم لم يقدروا ارتفاع الشاخص .وفى رواية عن أحمد أنه يكفى أن يكون بين يديه شىء من الكعبة إذا سجد، وإن لم يكن شاخص، اختارها الموفق فى المغنى وغيره وهى المذهب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص ۶۶، ۶۷، مادة " استقبال " استقبال المكى للقبلة)

۱؎ ثم لا يجوز أداء الصلاة إليه؛ لأن وجوب الصلاة إلى الكعبة ثبت بدليل مقطوع به، وكون الحطيم من البيت ثبت بخبر الواحد، والعمل بخبر الواحد إنما يجب إذا لم يتضمن إبطال العمل بدليل مقطوع به، أما إذا تضمن فلا، كذلک ههنا(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع،ج ۱ ،ص ۲۳، كتاب الطهارة،فصل آداب الوضوء)

(قوله كاستقباله) أى فإنه إذا استقبله المصلى لم تصح صلاته لأن فرضية استقبال الكعبة ثبتت بالنص القطعى وكون الحطيم من الكعبة ثبت بالآحاد فصار كأنه من الكعبة من وجه دون وجه فكان الاحتياط فى وجوب الطواف وراء ه وفى عدم صحة استقباله والتشبيه يمكن تصحيحه على الوجهين اللذين ذكرناهما فى قوله لم يجز مع قطع النظر عن المفهوم فافهم(ردالمحتار،ج ۲ ص ۴۹۶، كتاب الحج، فصل فى الاحرام وصفه المحرم)

ولو صلى مستقبلاً بوجهه إلى الحطيم لا يجوز(المحيط البرهانى، ج ۱ ص ۲۸۵، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فى فرائض الصلاة وسننها وآدابها وواجباتها)

مسئلہ نمبر ۲۴...... حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بیتُ اللہ کی چھت پر چڑھ کر فرض اور نفل نماز پڑھنا بھی درست ہے۔

اگرچہ بلا ضرورت بیتُ اللہ کی چھت پر چڑھنا مکروہ اور ادب کے خلاف ہے۔

جبکہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بیتُ اللہ کی چھت پر فرض نماز صحیح نہیں ہوتی۔

اور مذکورہ حکم بیتُ اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کے بارے میں ہے، اور اگر بیتُ اللہ کی حدود سے دائیں بائیں کسی عمارت یا مسجدِ حرام کی چھت پر چڑھ کر نماز پڑھے، اور بیتُ اللہ کی طرف رخ کرلے، تو اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۵...... اگر کسی طرح سے کوئی بیتُ اللہ کی اندرونی حدود کے نیچے پہنچ کر نماز پڑھے، تو حنفیہ کے نزدیک بیتُ اللہ کی اندرونی حدود میں نماز پڑھنے کی طرح، وہاں بھی

---

[1] الاستقبال عند صلاة الفريضة فوق الكعبة:
وأما صلاة الفريضة على ظهر الكعبة فقد أجازها الحنفية والشافعية، لكن مع الكراهة عندهم.
وذهب المالكية والحنابلة إلى عدم جواز الفرض والوتر عليها لما تقدم في المسألة السابقة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص ٦٦، مادة " استقبال " استقبال المكي للقبلة)
الصلاة على ظهر الكعبة:
ذهب المالكية والحنابلة إلى أنه لا تصح الفريضة على ظهر الكعبة، واستدلوا بأنه لم يستقبل شيئا من الكعبة، والهواء ليس هو الكعبة والمطلوب استقبالها.
وذهب الحنفية والشافعية وهو رواية عن الحنابلة إلى أنه تصح الفريضة على ظهر الكعبة، واشترط الشافعية والحنابلة في الرواية الثانية أن يقف آخر السطح أو العرصة ويستقبل الباقي، أو يقف وسطهما ويكون أمامه شاخص من أجزاء الكعبة بقدر ثلثي ذراع لأنه إذا كان السطح أمامه كله أو كان أمامه شاخص فهو مستقبل للقبلة وإلا لم تصح بدون ما تقدم.
واستدل الحنفية بأنه مستقبل لهوائها والكعبة عندهم هواء لا بناء، إلا أنهم نصوا على كراهة الصلاة لما فيه من إساءة الأدب بالاستعلاء عليها وترك تعظيمها.
أما النافلة فتصح فوقها عند الحنابلة والشافعية إذا كان أمامه شاخص.
وعن المالكية في النافلة المؤكدة المنع ابتداء والجواز بعد الوقوع، وكذا الحنفية يجيزون النافلة عليها من باب أولى؛ لأنهم يجيزون الفرض عليها.
أما الصلاة في الأسطح المجاورة لها والمرتفعات كجبل أبي قبيس وغيره من المواضع العالية فتصح وهذا موضع اتفاق عند الجميع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص ۲٦۲،۲٦۳، مادة "كعبة")

نماز پڑھنا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۲۶...... جمہور فقہائے کرام اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل کے بعد شروع ہو جاتا ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی مشہور روایت کے مطابق عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے۔ [2]

اور ایک مثل کے بعد عصر کی نماز کا وقت شروع ہونے کے دلائل بھی انتہائی قوی ہیں، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے، جس کے پیشِ نظر بعض مشائخِ حنفیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، جبکہ بعض نے ضرورت کے وقت ایک مثل کے بعد بھی عصر کی نماز پڑھ لینے کی اجازت دی ہے۔ [3]

---

[1] البتہ مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

الصلاة تحت الكعبة:

مقتضى مذهب الحنفية الجواز، قال الحصكفي :والمعتبر فى القبلة العرصة لا البناء فهى من الأرض السابعة إلى العرش.

أما الصلاة تحت الكعبة فلا تصح عند المالكية مطلقا فرضا كانت أو نفلا لأن ما تحت المسجد لا يعطى حكمه بحال، ألا ترى أنه يجوز للجنب الدخول تحته ولا يجوز له الطيران فوقه .

وتجوز الصلاة فى مكان أسفل من الكعبة عند الحنابلة وعللوا بأن الواجب استقبال الكعبة وما يسامتها من فوقها أو تحتها بدليل ما لو زالت الكعبة -والعياذ بالله -أنه يستقبل محلها وهذا موضع وفاق لا خلاف فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص ۲۶۳، مادة " كعبة ")

[2] مبدأ وقت العصر ونهايته :أما مبدأ وقت العصر فهو عند الصاحبين وجمهور الفقهاء من حين الزيادة على المثل، وعند أبى حنيفة من حين الزيادة على المثلين وذهب أكثر المالكية إلى تداخل وقتى الظهر والعصر، فلو أن شخصا صلى الظهر عند صيرورة ظل كل شيء مثله، وآخر صلى العصر فى هذا الوقت كانت صلاتهما أداء ، وخالف فى هذا ابن حبيب وابن العربى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص ۱۷۳ ، مادة " اوقات الصلاة")

[3] چنانچہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وقتِ مثل بندہ کے نزدیک زیادہ قوی ہے، روایاتِ حدیث سے ثبوت مثل کا ہوتا ہے، دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں۔

بناء علیہ ایک مثل پر عصر ہو جاتی ہے، گو احتیاط دوسری روایت میں ہے (فتاویٰ رشیدیہ مبوب، صفحہ ۳۱۵، کتاب الصلاۃ، باب نماز کے وقتوں کا بیان)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حرمین شریفین میں عصر کی نماز ایک مثل کے بعد ادا کی جاتی ہے، اور حرمین شریفین میں باجماعت نماز پڑھنے کے عظیم الشان اور مخصوص فضائل کے پیشِ نظر عصر کی نماز ایک مثل کے بعد اور دو مثل سے پہلے باجماعت پڑھ لینا نہ صرف یہ کہ جائز، بلکہ افضل ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۷...... حرمین شریفین (مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی) میں فرض نمازوں کے اوقات میں نمازِ جنازہ بھی کثرت سے پڑھایا جاتا ہے۔

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کے بارے میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک بلاعذر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، خواہ میت مسجد میں ہو، یا میت تو مسجد سے باہر ہو، اور نمازِ جنازہ پڑھنے والے لوگ مسجد میں ہوں۔

البتہ اگر لوگ زیادہ ہوں، جن کا کسی اور جگہ سمانا مشکل ہو، تو پھر ایسی حالت میں مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا بعض مشائخِ حنفیہ کے نزدیک ناجائز تو نہیں ہوتا، البتہ خلافِ اولیٰ ہوتا ہے۔

اور اگر بارش وغیرہ جیسے عذر کی وجہ سے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھا جائے، تو پھر خلافِ اولیٰ بھی نہیں ہوتا، بشرطیکہ مسجد میت کے جسم سے نکلنے والی غلاظت سے محفوظ رہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال النووی هذا الحديث حجة على الحنفية حيث قالوا لا يدخل وقت العصر حتى يصير ظل كل شيء مثليه قلت لا نسلم أن الحنفية قالوا ذلك وإنما هو رواية أسد بن عمرو عن أبي حنيفة وحده وروى الحسن عنه أن أول وقت العصر إذا صار ظل كل شيء مثله وهو قول أبي يوسف ومحمد وزفر واختاره الطحاوی وروى المعلى عن أبي يوسف عن أبي حنيفة إذا صار الظل أقل من قامتين يخرج وقت الظهر ولا يدخل وقت العصر حتى يصير قامتين وصححه الكرخي وفي رواية الحسن أيضا إذا صار ظل كل شيء قامة خرج وقت الظهر ولا يدخل وقت العصر حتى يصير قامتين وبينهما وقت مهمل (عمدة القاری، کتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر)

قلت ولكن الطحاوی اخذ بقولهمالكون الحديث فيه صريحا ومدارك الامام دقيقة فلا لوم عليه (فتح الملهم ج۲ص۱۹۳، باب اوقات الصلوات الخمس)

[1] الصلاة على الجنازة في المسجد:

مذهب الحنفية أنه تجوز الصلاة على الجنازة في الجبانة والأمكنة والدور وهي فيها سواء، ويكره في الشارع وأراضي الناس، وكذا تكره في المسجد الذي تقام فيه الجماعة سواء كان الميت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ مالکیہ کے نزدیک اگر میت کو مسجد سے باہر رکھ کر اس طرح جنازہ پڑھا جائے، کہ امام اور مقتدی مسجد میں ہوں، تو کوئی حرج نہیں۔

اور حنابلہ کے نزدیک اگر مسجد، میت کے جسم سے نکلنے والی غلاظت سے محفوظ ہو، تو پھر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا جائز، اور شافعیہ کے نزدیک نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والقوم فى المسجد، أو كان الميت خارج المسجد والقوم فى المسجد، أو الميت فى المسجد، والإمام والقوم خارج المسجد، وهو المختار .

ومحصل كلام ابن عابدين فى الصلاة على الجنازة فى المسجد، أن البلاد التى جرت فيها العادة بالصلاة عليها فى المسجد لتعذر غيره أو لتعسره، بسبب اندراس المواضع التى كانت يصلى فيها عليها، ينبغى الإفتاء بالقول بكراهة التنزيه الذى هو خلاف الأولى، ولا يكره لعذر المطر ونحوه، كاعتكاف الولى، ومن له حق التقدم ويصلى فيه غيره تبعا له، وأما المسجد الذى خصص لأجل صلاة الجنازة فلا يكره فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٦، ص٣٥، و٣٦، مادة "جنائز")

(تتمه) إنما تكره فى المسجد بلا عذر، فإن كان فلا، ومن الأعذار المطر كما فى الخانية والاعتكاف كما فى المبسوط، كذا فى الحلية وغيرها .والظاهر أن المراد اعتكاف الولى ونحوه ممن له حق التقدم، ولغيره الصلاة معه تبعا له وإلا لزم أن لا يصليها غيره وهو بعيد لأن إثم الإدخال والصلاة ارتفع بالعذر تأمل، وانظر هل يقال :إن من العذر ما جرت به العادة فى بلادنا من الصلاة عليها فى المسجد لتعذر غيره أو تعسره بسبب اندراس المواضع التى كان يصلى عليها فيها، فمن حضرها فى المسجد إن لم يصل عليها مع الناس لا يمكنه الصلاة عليها فى غيره، ولزم أن لا يصلى فى عمره على جنازة، نعم قد توضع فى بعض المواضع خارج المسجد فى الشارع فيصلى عليها، ويلزم منه فسادها من كثير من المصلين لعموم النجاسة وعدم خلعهم نعالهم المتنجسة مع أنا قدمنا كراهتها فى الشارع.وإذا ضاق الأمر اتسع، فينبغى الإفتاء بالقول بكراهة التنزيه الذى هو خلاف الأولى كما اختاره المحقق ابن الهمام، وإذا كان ما ذكرناه عذرا فلا كراهة أصلا، والله -تعالى - أعلم(رد المحتار ج٢ ص٢٢٦و٢٢٧)

[1] وقال مالك :أكره أن توضع الجنازة فى المسجد، فإن وضعت قرب المسجد للصلاة عليها فلا بأس أن يصلى من فى المسجد عليها بصلاة الإمام الذى يصلى عليها إذا ضاق خارج المسجد بأهله، وفى الشرح الصغير كره إدخالها المسجد ولو بغير صلاة.

وقال الشافعية :تندب الصلاة على الميت فى المسجد إذا أمن تلويثه، أما إذا خيف تلويث المسجد فلا يجوز إدخاله، وحجة جواز الصلاة على الجنازة فى المسجد؛ لأنه صلى الله عليه وسلم صلى فيه على سهل وسهيل ابنى بيضاء كما رواه مسلم .قال الشافعية .فالصلاة عليه لذلك؛ ولأن المسجد أشرف وقال الحنابلة :تباح الصلاة على الجنازة فى المسجد مع أمن تلويث، فإن لم يؤمن لم يجز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٦، ص٣٥، و٣٦، مادة "جنائز")

اور مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں نمازیوں کی تعداد تقریباً ہر نماز میں اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ان کا ان مساجد سے باہر سمانا مشکل ہوتا ہے۔

ایسی حالت میں حنفیہ کے نزدیک بھی وہاں نمازِ جنازہ میں شمولیت اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۸...... حج وعمرہ کرنے کے علاوہ اپنے یا دوسرے مسلمان کو ایصالِ ثواب کرنے کی غرض سے عام اور نفلی طواف کرنا بھی عظیم فضائل حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ، يَقُوْلُ: مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ أُسْبُوْعًا فَأَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ أُخْرٰى إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ خَطِيْئَةً وَكَتَبَ لَهُ بِهَا حَسَنَةً (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ان دونوں کونوں (یعنی حجرِ اسود اور رکنِ یمانی) کو چھونا خطاؤں (اور صغیرہ گناہوں) کا کفارہ ہوجاتا ہے، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اس بیت اللہ کے سات چکر کاٹے (یعنی سات چکر کاٹ کر ایک طواف کیا) پھر ان کی حفاظت کی (یعنی سات چکر پورے کرلئے اور شریعت کے مطابق طواف کیا) تو اسے غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ طواف کرنے والا جو قدم بھی رکھے گا، اور جو

---

[1] رقم الحديث ۹۵۹، باب ما جاء فی استلام الرکنين، مسنداحمد، رقم الحديث ۵۷۰۱.
قال الترمذی: وروی حماد بن زيد، عن عطاء بن السائب، عن ابن عبيد بن عمير، عن ابن عمر نحوه .ولم يذكر فيه عن أبيه .هذا حديث حسن.
وفی حاشية مسند احمد: حديث حسن.

قدم بھی اٹھائے گا، تو اللہ ضرور اس کی ایک خطا کو معاف فرمائے گا، اور اس کے لئے ایک نیکی لکھ دے گا (ترمذی، مسند احمد)

اس حدیث سے عام نفلی طواف کرنے اور طواف کے دوران حجرِ اسود اور رُکنِ یمانی کو چھونے کی فضیلت معلوم ہوئی۔

اس طرح کے عام نفلی طواف میں یہ بھی سہولت ہے کہ اس کے بعد سعی کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اور اس عام اور نفلی طواف میں احرام اور اس کی پابندیاں لازم نہیں ہوتیں، اور اضطباع وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، اور طواف کرنے کے بعد سر کے بال منڈانے یا کٹانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، اور طواف کے دوران خوشبو وغیرہ سے بچنے کی پابندی بھی لازم نہیں ہوتی۔

البتہ ہر قسم کا طواف پاکی کی حالت میں کرنا ضروری ہے، نیز ہر ایک طواف کے نتیجہ میں دو رکعت نفل پڑھنے کا بھی حکم ہوتا ہے، جس کی تفصیل طواف کے فضائل واحکام میں ذکر کردی گئی ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۹...... جو شخص مکہ وحرم میں موجود ہو، تو اس کو کثرت سے عمرے کرنا بھی جائز ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر ذکر کی جاچکی ہے۔

اور عمرہ کے بجائے کثرت سے بیتُ اللہ کا صرف طواف کرنا بھی جائز ہے۔

کسی ایک کی بھی ممانعت نہیں۔

لیکن کیا کثرت سے نفلی عمرے کرنا افضل ہے، یا اس کے مقابلہ میں کثرت سے نفلی طواف کرنا افضل ہے؟

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یوں تو دونوں ہی اعمال، عبادت اور اہم فضیلت والے ہیں، لہٰذا جس وقت جس عمل کی بھی توفیق ہوجائے، اسے اختیار کرنا چاہئے، لیکن کیونکہ عمرہ کے لئے احرام اور اس کی پابندیاں ضروری ہیں، اور حرم میں موجود شخص کو عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے حرم کی حدود سے باہر جانا اور طواف کے بعد سعی کرنا، اور اس کے بعد پھر بال منڈانا یا کٹانا

بھی ضروری ہے، جبکہ طواف کرنے کے لئے اتنی ساری پابندیاں نہیں ہوتیں، نیز خالی طواف کرنا تو عبادت ہے، لیکن طواف کئے بغیر خالی سعی کرنا عبادت نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ سعی کا عمل، طواف کے عمل کے تابع ہے، اور طواف کا درجہ سعی سے بڑھا ہوا ہے۔

اس لئے جتنی دیر ایک عمرہ کرنے میں خرچ ہوگی، اتنی دیر میں ایک سے زیادہ طواف کرنا ایک عمرہ کے مقابلہ میں زیادہ فضیلت رکھتا ہے، اور ایک طواف کے مقابلہ میں ایک عمرہ کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۳۰...... آبِ زم زم کا اپنے ساتھ لے جانا احادیث سے ثابت ہے، جس میں کوئی ممانعت نہیں۔ [2]

اور اسی وجہ سے زمزم کو اپنے ساتھ لے جانا، دوسروں کو پیش کرنا اور اس کو اپنے یہاں محفوظ رکھنا، تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے، نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ مستحب ہے۔ [3]

---

[1] (تنبيه) : هل إكثار الطواف أفضل أم إكثار الاعتمار والأظهر تفضيل الطواف لكونه مقصودا بالذات والمشروعية فى جميع الحالات، ولكراهة بعض العلماء إكثارها فى سنته، وتمامه فى شرح اللباب وفى حاشية المدنى قال الشيخ عبد الرحمن المرشدى فى شرح الكنز ثم قولهم إن الصلاة أفضل من الطواف ليس مرادهم أن صلاة ركعتين مثلا أفضل من أداء أسبوع؛ لأن الأسبوع مشتمل مع الركعتين مع زيادة، وإنما مرادهم به أن الزمن الذى يؤدى فيه أسبوعا من الطواف هل الأفضل فيه أن يصرفه للطواف أو يشغله بالصلاة هكذا ينبغى أن يحمل قولهم فتنبه اهـ.
وفيها عن القاضى العلامة إبراهيم بن ظهيرة أن الأرجح تفضيل الطواف على العمرة إذا شغل مقدار زمن العمرة به، وهذا فى العمرة المسنونة أما إذا قيل إنها لا تقع إلا فرض كفاية فلا يكون الحكم كذلك(منحة الخالق على البحر الرائق، ج۲ص ۳٦٠، كتاب الحج، باب الاحرام)

[2] عن عائشة، أنها كانت تحمل من ماء زمزم وتخبر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحمله :هذا حديث حسن غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه (ترمذى، رقم الحديث ٩٦٣)
عن عائشة أنها كانت تحمل من ماء زمزم فى القوارير، وتذكر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحمل (مسند ابى يعلىٰ، رقم الحديث ٤٦٨٣)
فى حاشية مسند ابى يعلىٰ: إسناده حسن.

[3] اتفق الفقهاء على أنه يجوز التزود من ماء زمزم ونقله؛ لأنه يستخلف، فهو كالثمرة، وليس بشىء يزول فلا يعود.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳۴۱...... حج وعمرہ کرنے والے کو بطورِ خاص زمزم کا پینا مستحب ہے، اور زمزم پینے والے کے لئے اس کی بھی فضیلت ہے کہ وہ سیر ہو کر زمزم پیئے۔
اور زمزم پینے کا شریعت کی طرف سے کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے، البتہ بعض حضرات کے نزدیک طواف کے بعد مستحب ہے، اور دوسرے اوقات میں بھی مستحب ہے، بلکہ زمزم کا ہر مسلمان کو پینا باعثِ فضیلت ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر۳۴۲...... بعض حضرات نے زمزم پیتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، اور اگر کوئی کعبہ کے قریب زمزم پی رہا ہو، تو اسے زمزم پیتے وقت سانس لیتے ہوئے ہر مرتبہ بیتُ اللّٰہ کی طرف دیکھنے کو بھی مستحب قرار دیا ہے، اور اس بات کو بھی مستحب قرار دیا ہے کہ کچھ زمزم اپنے سر، اپنے چہرے اور اپنے سینہ پر بھی ڈالا جائے، اور زمزم پیتے وقت دنیا وآخرت کے مقاصد کی دعاء کرنے کو بھی مستحب قرار دیا ہے، اور اسے دنیا وآخرت کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب الحنفية والمالكية والشافعية إلى أنه يستحب التزود من ماء زمزم وحمله إلى البلاد فإنه شفاء لمن استشفى، وقد روى الترمذى عن عائشة رضى الله تعالى عنها أنها كانت تحمل من ماء زمزم، وتخبر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يحمله، وروى غير الترمذى أنه صلى الله عليه وسلم كان يحمله وكان يصبه على المرضى ويسقيهم، وأنه حنك به الحسن والحسين رضى الله تعالى عنهما، وروى ابن عباس رضى الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استهدى سهيل بن عمرو من ماء زمزم، وفى تاريخ الأزرقى "أن النبى صلى الله عليه وسلم استعجل سهيلا فى إرسال ذلک إليه، وأنه بعث إلى النبى صلى الله عليه وسلم براويتين "(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص۱۵، ۱۶، مادة " زمزم " نقل ماء زمزم)

[1] اتفق الفقهاء على أنه يستحب للحاج والمعتمر أن يشرب من ماء زمزم، لأن النبى صلى الله عليه وسلم شرب من ماء زمزم، ولما روى مسلم :إنها مباركة، إنها طعام طعم زاد أبو داود الطيالسى فى مسنده :وشفاء سقم.
ويسن للشارب أن يتضلع من ماء زمزم، أى يكثر من شربه حتى يمتلىء، ويرتوى منه حتى يشبع ريا، لخبر ابن ماجه :آية ما بيننا وبين المنافقين أنهم لا يتضلعون من ماء زمزم.
ونص الشافعية على أنه يسن شرب ماء زمزم فى سائر الأحوال، لا عقب الطواف خاصة، وأنه يسن شرب ماء زمزم لكل أحد ولو لغير الحاج والمعتمر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص۱۴، مادة " زمزم " الشرب من ماء زمزم)

مقاصد کی غرض سے پینے کو مؤثر قرار دیا ہے، جس میں اپنے علاوہ دوسرے کے مقاصد کی غرض کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ [۱]

اور بعض محدثین اور فقہاء نے زمزم کے پانی کو دوسرے پانی کی طرح بیٹھ کر پینے کو مسنون قرار دیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کھڑے ہو کر زمزم پینا مروی ہے، اس سے کھڑے ہو کر پینے کے جائز ہونے کا حکم لگایا ہے۔ [۲]

اور فرمایا کہ زمزم کو کھڑے ہو کر پینا جائز درجہ کا عمل ہے، مگر کھڑے ہو کر پینے میں بیٹھ کر پینے کے مقابلہ میں زیادہ ثواب نہیں ہے۔ [۳]

مسئلہ نمبر ۳۳۳...... زمزم کو اہانت والے کاموں میں استعمال کرنا ممنوع یا مکروہ ہے، جیسا کہ

---

[۱] للشرب من ماء زمزم آداب، عدها بعض الفقهاء من السنن أو المندوبات أو المستحبات، منها :ما روى محمد بن عبد الرحمن بن أبي بكر قال :كنت عند ابن عباس رضى الله عنهما جالسا فجاء ه رجل فقال :من أين جئت؟ قال: من زمزم :قال :فشربت منها كما ينبغي؟ قال :فكيف؟ قال: إذا شربت منها فاستقبل الكعبة واذكر اسم الله تعالى، وتنفس ثلاثا من زمزم، وتضلع منها، فإذا فرغت فاحمد الله تعالى. ومنها :أن ينظر إلى البيت فى كل مرة يتنفس من زمزم، وينضح من الماء على رأسه ووجهه وصدره، ويكثر من الدعاء عند شربه، ويشربه لمطلوبه فى الدنيا والآخرة، ويقول عند شربه :اللهم إنه قد بلغني عن نبيک محمد صلى الله عليه وسلم أنه قال :ماء زمزم لما شرب له وأنا أشربه لكذا -ويذكر ما يريد دينا ودنيا -اللهم فافعل ذلک بفضلک، ويدعو بالدعاء الذى كان عبد الله بن عباس رضى الله عنهما يدعو به إذا شرب ماء زمزم وهو :اللهم إنى أسألک علما نافعا، ورزقا واسعا، وشفاء من كل داء.

ونص بعض الفقهاء على أن شرب ماء زمزم لنيل المطلوب فى الدنيا والآخرة شامل لما لو شربه بغير محله، وأنه ليس خاصا بالشارب نفسه وإن كان ظاهره كذلک، بل يحتمل تعدى ذلک إلى الغير، فإذا شربه إنسان بقصد ولده أو أخيه مثلا حصل له ذلک المطلوب إذا شرب بنية صادقة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص ۱۴، ۱۵، مادة "زمزم" آداب الشرب من ماء زمزم)

[۲] ونص بعض المحدثين والفقهاء على أنه يسن الجلوس عند شرب ماء زمزم كغيره، وقالوا :إن ما روى الشعبى عن ابن عباس رضى الله عنهما أنه قال :سقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم من زمزم وهو قائم محمول على أنه لبيان الجواز، ومعارض لما رواه ابن ماجه عن عاصم قال :ذكرت ذلک لعكرمة فحلف بالله ما فعل -أى ما شرب قائما -لأنه كان حينئذ راكبا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص۱۵، مادة "زمزم" آداب الشرب من ماء زمزم)

[۳] القيام عند الأكل والشرب :ذهب الحنفية إلى كراهة الأكل والشرب قائما تنزيها، واستثنوا الشرب من زمزم والشرب من ماء الوضوء بعده، حيث نفوا الكراهة عنهما (الموسوعة الفقهيه الكويتية، ج۳۴ص ۱۱۳، مادة "قيام")

پیشاب، پاخانہ وغیرہ کی نجاست کو دھونے کے لئے استعمال کرنا، اور زمزم سے میت کو ابتداءً غسل دینا بھی منع ہے، البتہ جب ایک مرتبہ میت کو غسل دے دیا جائے، تو اس کے بعد بطور برکت کے میت کے جسم پر زمزم ڈالنے یا چھڑکنے میں حرج نہیں۔ [1]

اور جو شخص پہلے سے پاک ہو، یعنی اس پر غسل یا وضو واجب نہ ہو، تو اسے زمزم سے وضو اور غسل کرنا جائز بلکہ بعض حضرات کے نزدیک مستحب ہے۔ [2]

اور اگر کسی کا وضو نہ ہو، تو اسے وضو کرنے کے لئے زمزم کا استعمال بعض حضرات کے نزدیک جائز، اور بعض کے نزدیک مکروہ یا خلافِ اولیٰ ہے۔ [3]

---

[1] اتفقوا على عدم استعماله في مواضع الامتهان، كإزالة النجاسة الحقيقية .ويجزم المحب الطبري الشافعي بتحريم ذلك .وهو ما يحتمله كلام ابن شعبان المالكي، وما رواه ابن عابدين عن بعض الحنفية، لكن أصل المذهب الحنفي والمذهب المالكي الكراهة، وهو ما عبر به الروياني الشافعي في "الحلية "، وصرح به البيجوري، واستظهره القاضي زكريا، وقال :إن المنع على وجه الأدب، وهو المعبر عنه هنا من بعض فقهاء الشافعية بخلاف الأولى.

واتفقوا على أنه لا ينبغي أن يغسل به ميت ابتداء .ونقل الفاكهي أن أهل مكة يغسلون موتاهم بماء زمزم إذا فرغوا من غسل الميت وتنظيفه، تبركا به، وأن أسماء بنت أبي بكر غسلت ابنها عبد الله بن الزبير بماء زمزم(الموسوعة الفقهية الكويتية .ج ا ص ١ ٩، مادة " آبار ")

[2] ولا خلاف معتبرا في جواز الوضوء والغسل به لمن كان طاهر الأعضاء ،بل صرح البعض باستحباب ذلك .ولا يعول على القول بالكراهة اعتمادا على أنه طعام، لما روى عن الرسول صلى الله عليه وسلم من قوله :هو طعام....ويدل على عدم الكراهة ما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم دعا بسجل من ماء زمزم فشرب منه وتوضا.ويقول الفاسي المالكي :التطهير بماء زمزم صحيح بالإجماع، على ما ذكره الماوردي في حاويه، والنووي في شرح المهذب .ومقتضى ما ذكره ابن حبيب المالكي استحباب التوضؤ به.وكونه مباركا لا يمنع الوضوء به، كالماء الذي وضع النبي صلى الله عليه وسلم يده فيه(الموسوعة الفقهية الكويتية .ج ا ص ١ ٩، مادة " آبار ")

اتفق الفقهاء على أن التطهير بماء زمزم صحيح، ونقل الماوردي في الحاوي، والنووي في المجموع الإجماع على ذلك.

وفي استعمال ماء زمزم في رفع الحدث وفي إزالة الخبث تفصيل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٤ ص٦ ١، مادة " زمزم " استعمال ماء زمزم)

[3] البتہ شافعیہ کے نزدیک زمزم کا استعمال حدث کے ازالہ کے لئے جائز ہے، لیکن خبث کے ازالہ کے لئے جائز نہیں

وقد صرح الشافعية بجواز استعمال ماء زمزم في الحدث دون الخبث وهو ما يفيده عموم قول الحنابلة :ولا يكره الوضوء والغسل بماء زمزم على ما هو الأولى في المذهب أما الحنفية فقد صرحوا بأنه لا يغتسل به جنب ولا محدث(الموسوعة الفقهية الكويتية .ج ا ص ١ ٩، مادة " آبار ")

مسئلہ نمبر ۳۴......حرم اور مکہ مکرمہ میں بعض متبرک ومقدس اور تاریخی مقامات کی زیارت کرنا بھی نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب ہے، بشرطیکہ اس میں بے جا غلو نہ کیا جائے، اور کسی قسم کی بدعات ومنکرات کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

مثلاً جبلِ ثور (جس میں ہجرت کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پناہ حاصل کی تھی) اور غارِ حراء (جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا تھا) اور دارِ ارقم جو صفا کے قریب واقع ہے (اور یہ ابتدائے اسلام میں خاموش دعوتِ اسلام کا مرکز تھا، اور اسی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے) اور مکہ مکرمہ کا مشہور قبرستان جس کو مقبرۃُ المعلاۃ، یا مقبرۃُ الحجون کہا جاتا ہے (جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کے دور سے لے کر آج تک ایک تاریخی قبرستان رہا ہے، اور اس میں کئی جلیلُ القدر صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام واولیائے کرام کی قبریں ہیں، اور اسی میں اُمُّ المؤمنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر بھی ہے۔ [1]

---

[1] زيارة أهم المعالم التاريخية بمكة :قال ابن جزى من المواضع التى ينبغى قصدها تبركا :قبر إسماعيل عليه السلام وأمه هاجر وهما فى الحجر، وقبر آدم عليه السلام فى جبل أبى قبيس، والغار المذكور فى القرآن وهو جبل أبى ثور، والغار الذى فى جبل حراء حيث ابتدأ فيه نزول الوحى على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وزيارة قبور من بمكة والمدينة من الصحابة والتابعين والأئمة.

وجبل حراء أو جبل النور :يقع فى شمال مكة على بعد خمسة كيلو مترات منها، وعلى يسار الذاهب إلى عرفات، وارتفاعه نحو ٢٠٠ م، وفيه ابتدأ نزول الوحى على النبى صلى الله عليه وسلم بأول سورة العلق.

وجبل ثور :أحد الجبال الكثيرة المحيطة بمكة، وارتفاعه نحو ٥٠٠م، يقع جنوبى مكة، وعلى مسافة ستة أميال منها، وهو ملجأ النبى عليه السلام وصاحبه أبى بكر أثناء الهجرة لمدة ثلاثة أيام.

ومن الأماكن الأثرية :دار الأرقم، قرب الصفا، وقد أسلم الأرقم المخزومى بعد ستة من الصحابة، وكانت داره مقر الدعوة السرية إلى الإسلام فى مبدأ الأمر، وفيها أسلم عمر.

ومنها مقبرة المعلاة أو الحجون :شمال شرقى مكة، وهى مقبرة المكيين منذ العصر الجاهلى إلى اليوم، وتضم قبور بنى هاشم من أجداد الرسول صلى الله عليه وسلم وأعمامه، وقبور بعض الصحابة والتابعين، ففيها قبور جدى الرسول :عبد مناف وعبد المطلب، وعمه أبى طالب، وقبر السيدة آمنة أم النبى صلى الله عليه وسلم، والسيدة خديجة الكبرى زوجته، وقبر عبد الله بن الزبير، وأمه أسماء بنت أبى بكر (الفقه الاسلامى وادلته للزحيلى، ج٣، ص ٢٣٩٤، و ٢٣٩٥، الباب الخامس، الفصل الثانى، المبحث الأول۔ حرم مكة)

(باب نمبر۱۵)

مدینہ منورہ اور مسجدِ نبوی سے متعلق متفرق احکام

حج وعمرہ کرنے والے حضرات عام طور پر مدینہ منورہ اور مسجدِ نبوی میں بھی حاضری کی سعادت حاصل کرتے ہیں، جو انتہائی مبارک عمل ہے، اس لئے مدینہ منورہ اور مسجدِ نبوی سے متعلق بھی چند اہم مسائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... کئی صحیح احادیث کی رو سے مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب دوسری مساجد کے مقابلہ میں ہزار نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔

جبکہ مسجدِ حرام یا مسجدِ بیت اللہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (بخاری، رقم الحديث ۱۱۹۰) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب دوسری عام مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ بہتر ہے) (بخاری)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (مسلم) [۲]

---

[۱] كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة، باب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة.

[۲] رقم الحديث ۱۳۹۵ "۵۰۹"، باب فضل الصلاة بمسجدى مكة والمدينة.

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ بہتر ہے) (مسلم)

اور امُّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا، أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْكَعْبَةَ (سنن النسائی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے، سوائے مسجدِ کعبہ (یعنی مسجدِ حرام) کے (اس میں ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ بہتر ہے) (مسلم)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيْمَا سِوَاهُ (سنن ابن ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل

---

[1] رقم الحديث ٢٨٩٨، فضل الصلاة في المسجد الحرام، مسلم، رقم الحديث ١٣٩٦ "٥١٠".

[2] رقم الحديث ١٤٠٦، باب ما جاء في فضل الصلاة في المسجد الحرام ومسجد النبي صلى الله عليه وسلم، مسنداحمد، رقم الحديث ١٥٢٧١.
في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط البخارى.

ہے، سوائے مسجدِ حرام کے، اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ (دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے) ایک لاکھ درجہ افضل ہے (ابنِ ماجہ، مسنداحمد)

اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صَلَاۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَاۃٌ فِیْ ذَاکَ أَفْضَلُ مِنْ مِائَۃِ صَلَاۃٍ فِیْ ھٰذَا یَعْنِیْ فِیْ مَسْجِدِ الْمَدِیْنَۃَ (صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے، اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا میری اس مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے سے سو درجہ (اور دوسری عام مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ) افضل ہے (ابنِ حبان، مسنداحمد)

اس طرح کی احادیث حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سندوں سے بھی مروی ہیں۔

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث متواتر درجہ میں داخل ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۲۰، ذکر فضل الصلاۃ فی المسجد الحرام علی الصلاۃ فی مسجد المدینۃ بمئۃ صلاۃ، مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۶۱۱۷.

فی حاشیۃ ابنِ حبان ومسند احمد: إسنادہ صحیح علی شرط مسلم.

[2] عن سعد بن أبی وقاص، أنہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول " :صلاۃ فی مسجدی ھذا خیر من ألف صلاۃ فیما سواہ، إلا المسجد الحرام (مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۶۰۵)

فی حاشیۃ مسنداحمد: صحیح لغیرہ، وھذا إسناد حسن من أجل عبد الرحمن بن أبی الزناد.

عن جبیر بن مطعم، قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : صلاۃ فی مسجدی ھذا أفضل من ألف صلاۃ فیما سواہ إلا المسجد الحرام (مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۶۷۳۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صَلَاۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (المعجم الأوسط للطبرانی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (کہ اس میں ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ افضل ہے) (طبرانی، بزار)

یہ حدیث گزشتہ احادیث کے ساتھ مل کر سند کے لحاظ سے حسن درجہ میں داخل ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی حاشیة مسنداحمد: حدیث صحیح لغیرہ.

عن عائشة قالت :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :صلاۃ فی مسجدی خیر من ألف صلاۃ فیما سواہ (مسند أبی یعلی، رقم الحدیث ۴۶۹۱)

عن عائشة، قالت :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :أنا خاتم الأنبیاء ومسجدی خاتم مساجد الأنبیاء ، أحق المساجد أن یزار، ویشد إلیہ الرواحل المسجد الحرام، ومسجدی، صلاۃ فی مسجدی أفضل من ألف صلاۃ فیما سواہ من المساجد إلا المسجد الحرام (کشف الأستار عن زوائد البزار، رقم الحدیث۱۱۹۳ ، باب فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

حدثنا محمد بن عمر ثنا سلمة بن وردا قال سمعت أبا سعید بن المعلی قال سمعت علیا یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ فی مسجدی خیر من ألف صلاۃ فیما سواہ من المساجد الا المسجد الحرام (بغیة الحارث، رقم الحدیث ۳۹۴، باب الصلاۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

[1] رقم الحدیث ۳۹۰۸، مسند البزار، رقم الحدیث ۶۴۶۱.

[2] چنانچہ طبرانی کی سند درج ذیل ہے:

حدثنا علی بن سعید الرازی قال :نا أبو کامل الجحدری قال :نا عبد الرحمن بن عثمان أبو بحر البکراوی قال :نا عبید اللہ بن أبی زیاد القداح قال :حدثنی حفص بن عبید اللہ بن أنس قال :حدثنی أنس بن مالک قال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کے ثواب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور بزار کی سند درجِ ذیل ہے:

حدثنا عثمان بن حفص ,عن عمرو الدورى، حدثنا عبد الرحمن بن عثمان أبو بحر البكراوى، حدثنا عبيد الله بن أبى زياد ,عن حفص، عن أنس، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام.

طبرانی کی سند کے راویوں کا حال بالترتیب درجِ ذیل ہے:

(۱)...... على بن سعيد بن بشير الرازى حافظ رحال جوال قال الدارقطنى ليس بذاك تفرد بأشياء قلت سمع جبارة بن المغلس وعبد الأعلى بن حماد روى عنه الطبرانى والحسن بن ريق والناس قال بن يونس كان يفهم ويحفظ مات سنة تسع وتسعين ومائتين انتهى وقال بن يونس تكلموا فيه قلت لعل كلامهم فيه من جهة دخوله فى أعمال السلطان وحكى حمزة بن محمد الكتانى أن عبدان بن أحمد الجواليقى كان يعظمه وقال مسلمة بن قاسم بعرف ببعلبك وكان ثقة عالما بالحديث حدثنى عنه غير واحد وقال أبو أحمد بن عيد قال لى الهيثم الدورى كان يسمع الحديث مع رجاء غلام المتوكل وكان من أراد أن يأذن له أذن له ومن أراد أن يمنعه منعه قال وسمعت أحمد بن نصر يقول سألت عنه أبا عبيد الله بن أبى خيثمة فقال عشت إلى زمان اسئل عن مثله وقال عبد الغنى بن سعيد كان أبو نصر الباوردى يدلسه فيقول حدثنا عبيد بن سعيد وهو إنما سماه عبد الرحمن بن أبى على وقال حمزة بن يوسف سألت الدارقطنى عنه فقال ليس فى حديثه بذاك وسمعت بمصر أنه كان والى قرية وكان يطالبهم بالخراج فما يعطونه فيجمع الخنازير فى المسجد فقتل كيف هو فى الحديث قال حدث بأحاديث لم يتابع عليها ثم قال نفسى منه وقد تكلم فيه أصحابنا بمصر وأشار بيده وقال هو كذا وكذا ونفض بيده يقول ليس بثقة وقال بن يونس فى تاريخه تكلموا فيه وكان من المحدثين الإجلاد وكان يصحب السلطان ويلى بعض العمالات (لسان الميزان، ج۴، ص ۲۳۱)

(۲)...... فضيل ابن حسين ابن طلحة الجحدرى أبو كامل ثقة حافظ من العاشرة مات سنة سبع وثلاثين وله أكثر من ثمانين سنة وهو أوثق من عمه كامل ابن طلحة خت م د س (تقريب التهذيب، ج ۱، ص ۴۴۷، ذكر من اسمه فضيل بالتصغير إلى آخر حرف الفاء)

(۳)...... من كنيته أبو بحر وأبو البخترى:أبو بحر البكراوى البصرى اسمه عبد الرحمن بن عثمان بن أمية بن عبد الرحمن بن أبى بكرة :عن حميد وسليمان التيمى وعنه أبو بكر بن أبى شيبة وأحمد بن عبدة.

أبو البخترى الطائى مولاهم الكوفى اسمه سعيد بن فيروز بن أبى عمران تابعى جليل :عن عمر وعلى مرسلاً وعن ابن عباس وابن عمر فرد حديث فى الجامع وعنه عمرو بن مرة ومسلم البطين وثقه أبو زرعة وابن معين (لسان الميزان، ج۳، ص ۲۶۷، حرف الباء الموحدة)

وقال أبو عبيد الآجرى :سئل أبو داود عن أبى بحر البكراوى، فقال :سمعت أحمد بن حنبل يقول :

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے برابر ہے، جبکہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک حدیث میں مسجدِ نبوی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لا بأس به .وقال في موضع آخر :سألت أبا داود عن أبى بحر البكراوى، فقال :صالح .قال لى عباس :كان على لا يحدث عنه :سألت أحمد عنه، فقال :ما أسوأ رأى البصريين فيه، قال أبو داود : سألنى أحمد، قال :
من حدث عنه؟ قلت :حدثنا عنه ، وغيره .فقال :على يحدث عنه؟ قلت :لا أدرى، ولم يكن عندى علم .قال :وسمعت أبا داود يقول :تركوا حديثه، يعنى :أبا بحر.
وقال أبو حاتم :ليس بقوى، يكتب حديثه ولا يحتج به.وقال النسائى :ضعيف.
وقال أبو أحمد بن عدى :وأبو بحر البكراوى مشهور معروف من أهل البصرة من ولد أبى بكرة، له أحاديث غرائب عن شعبة وعن غيره من البصريين، وهو ممن يكتب حديثه (تهذيب الكمال فى اسماء الرجال، ج۱۷، ص ۲۷۳، و۲۷۴)
قلت :لكن البكراوى ضعيف؛ إلا أنه يقويه رواية حرب بن شداد من الطريقين عنه.
ويزداد قوة برواية عبد الرزاق فى "المصنف(۵۲۵) " وعنه أحمد(۶/۴۴۹) عن معمر عن يحيى بن أبى كثير ...به؛ إلا أنه لم يذكر الأوزاعى فى إسناده ! والصواب إثباته، كما فى الطرق المتقدمة، وبها يزول الاضطراب، ويصح الحديث .والحمد لله (صحيح ابى داؤد للالبانى، تحت رقم الحديث ۲۰۶۰)
(۴)...... عبد الرحمن قال سألت أبى عن عبيد الله ابن أبى زياد القداح.
فقال :ليس بالقوى ولا بالمتين، وهو صالح الحديث، يكتب حديثه ومحمد بن عمرو بن علقمة أحب إلى منه، يحول اسمه من كتاب الضعفاء الذى صنفه البخارى (الجرح والتعديل لابن ابى حاتم، ج۵، ص ۳۱۶)
(۵)...... حفص بن عبيد الله بن أنس بن مالك ويقال فيه عبيد الله بن حفص ولا يصح وهو صدوق من الثالثة خ م ت س ق (تقريب التهذيب، ج ۱، ص ۱۷۲)
حفص بن عبيد الله بن أنس بن مالك الأنصارى البصرى:روى عن :جده أنس بن مالك ....
قال أبو حاتم :لا يثبت له السماع إلا من جده.
وذكره ابن حبان فى "الثقات. روى له الجماعة سوى أبى داود (تهذيب الكمال فى اسماء الرجال، ج۷، ص ۲۵، وص ۲۶)
اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث کے بعض راویوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے، جو گزشتہ کثیر اور صحیح احادیث سے تائید حاصل کرنے سے دُور ہوجاتا ہے، اور مذکورہ حدیث حسن لغیرہ میں داخل ہوجاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ذکر کیا گیا ہے۔ [۱]

مگر اولاً تو اس حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے، بعض حضرات نے اس حدیث کو شدید منکر تک بھی قرار دیا ہے، اور اس روایت کی کسی دوسری روایت سے تائید بھی نہیں ہوتی، بلکہ دوسری کثیر اور صحیح احادیث اس کے خلاف ہیں، اور ان میں مسجدِ نبوی میں پچاس ہزار کے بجائے ایک ہزار نمازوں کے برابر ثواب کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ گزشتہ تفصیل سے معلوم ہو چکا۔

اس لئے اس ضعیف اور بعض حضرات کے بقول شدید ضعیف ومنکر روایت کو دوسری صحیح اور کثیر روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے قبول کرنا مشکل ہے، اگرچہ موجودہ دور کے بہت سے اہلِ علم حضرات نے اس حدیث کو اپنی کتب میں نقل کیا ہے، اور اسی وجہ سے عوام میں بھی مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار گُنا ہونا مشہور ہے۔ [۲]

---

[۱] حدثنا هشام بن عمار قال :حدثنا أبو الخطاب الدمشقى قال :حدثنا رزيق أبو عبد الله الألهانى، عن أنس بن مالک، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة الرجل فى بيته بصلاة، وصلاته فى مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة، وصلاته فى المسجد الذى يجمع فيه بخمس مائة صلاة، وصلاته فى المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة، وصلاته فى مسجدى بخمسين ألف صلاة، وصلاة فى المسجد الحرام بمائة ألف صلاة (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۴۱۳)

[۲] والذى يظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعيف فى ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حديث ضعيف على استحباب شيئ او جوازه، ولم يدل دليل آخر صحيح عليه، وليس هناک مايعارضه ورجح عليه، قبل ذلک الحديث وجاز العمل بما افاده واقول باستحباب مادل عليه او جوازه(ظفر الأمانى فى مختصر الجرجانى فى مصطلح الحديث، ص۱۹۸، لمولانا عبدالحيى اللكنوى رحمه الله)

عن أنس بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الرجل فى بيته بصلاة وصلاته فى مسجد القبائل بخمسة وعشرين صلاة وصلاته فى المسجد الذى يجمع فيه بخمس ماية وصلاته فى المسجد الأقصى بخمسين ألفا وصلاته فى مسجدى هذا بخمسين الفا وصلاته فى المسجد الحرام بماية ألف ومعروف الخياط هذا عامة ما يرويه وما ذكرته أحاديث لا يتابع عليه(الكامل فى ضعفاء الرجال، ج۶، ص۳۲۷)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں مسجدِ نبوی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حديث :صلاة الرجل فى بيته بصلاة ، وصلاته فى مسجد القبائل بخمسة وعشرين صلاة ، وصلاته فى مسجدى بخمسين ألفاً ، وصلاته فى المسجد الحرام بمئة ألف .رواه معروف بن عبد الله الخياط :عن رزيق أبى عبد الله ، عن أنس .ومعروف هذا منكر الحديث (ذخيرة الحفاظ لمحمد بن طاهر المقدسى،ج٣،ص ١٥٣٢)

أبو الخطاب الدمشقى (ق).اسمه حماد.عن رزيق الالهانى.وعنه هشام بن عمار، ومسلمة الخشنى.ليس بالمشهور .قال هشام :حدثنا أبو الخطاب الدمشقى، حدثنا زريق الالهانى، عن أنس -مرفوعا :صلاة الرجل فى المسجد الاقصى بخمسين ألف صلاة .هذا منكر جدا (ميزان الاعتدال فى نقد الرجال ،لأبى عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان، تحت رقم الترجمة ١٠١٥٣)

وفى إسناده رزيق -بتقديم الراء المهملة -الألهانى .قال أبو زرعة :فلا بأس به .نقله عنه الحافظ جمال الدين المزى مقتصرا، وقال ابن حبان فيما نقله عنه ابن الجوزى فى الضعفاء :ينفرد بالأشياء التى لا تشبه حديث الأثبات لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق.وقال ابن الجوزى فى علله :إنه حديث لا يصح .وقال الخطيب :رزيق هذا فى عداد المجهولين. قلت :ورأيت ابن حبان ذكره فى ثقاته والراوى عن رزيق لا يعرف، وهو أبو الخطاب حماد .قال الذهبى فى ميزانه :ليس بالمشهور(البدر المنير ،لابن الملقن،ج٩،ص ٥١٤،كتاب النذر ،الحديث الثامن عشر)

عن أنس بن مالك قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :صلاة الرجل فى بيته بصلاة وصلاته فى مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته فى المسجد الذى يجمع فيه بخمس مائة صلاة وصلاته فى المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة وصلاته فى مسجدى بخمسين ألف صلاة وصلاته فى المسجد الحرام بمائة ألف صلاة."

قال المؤلف" :هذا حديث لا يصح."

قال أبو حاتم " :ابن حبان رزيق ينفرد بالأشياء التى لا تشبه حديث الأثبات لا يحتج بما ينفرد به "(العلل المتناهية فى الأحاديث الواهية،لجمال الدين أبى الفرج الجوزى، ج٢،ص ٨٦، كتاب الحج، حديث فى الصلاة فى الحرم)

هذا إسناد ضعيف أبو الخطاب الدمشقى لا نعرف حاله ورزيق أبو عبد الله الألهانى فيه مقال حكى عن أبى زرعة أنه قال لا بأس به وذكره ابن حبان فى الثقات وفى الضعفاء

وقال ينفرد بالأشياء التى لا تشبه حديث الثقات لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق انتهى.

وأورده ابن الجوزى فى العلل المتناهية بسند ابن ماجة وضعفه برزيق(مصباح الزجاجة فى زوائد ابن ماجه،باب الصلاة فى المساجد ومسجد الجامع)

(صلاة الرجل فى بيته بصلاة وصلاته فى مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته فى المسجد الذى يجمع فيه بخمسمائة صلاة وصلاته فى المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة وصلاته فى مسجدى بخمسين ألف صلاة وصلاته فى المسجد الحرام بمائة ألف صلاة، أخرجه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے اندر چالیس نمازیں پڑھنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ یہ عمل کرنے والے کے لئے آگ اور نفاق سے براءت اور عذاب سے نجات لکھ دی جاتی ہے، چنانچہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

مَنْ صَلّٰى فِي مَسْجِدِيْ أَرْبَعِيْنَ صَلَاةً، لَا يَفُوْتُهُ صَلَاةٌ، كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ، وَنَجَاةٌ مِّنَ الْعَذَابِ، وَبَرِءَ مِنَ النِّفَاقِ (مسنداحمد)[1]

ترجمہ: جس نے میری مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ اس کی کوئی نماز بھی فوت نہیں ہوئی، تو اس کے لئے آگ سے براءت لکھ دی جائے گی، اور عذاب سے نجات لکھ دی جائے گی، اور وہ نفاق سے بریٔ ہوجائے گا (مسنداحمد)

اس حدیث کی سند کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔[2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ابن ماجه(۱/۴۳۱-۴۳۲)من طريق أبي الخطاب الدمشقي :ثنا زريق أبو عبد الله الألهاني عنه .قال في (الزوائد)إسناده ضعيف لأن أبا الخطاب الدمشقي لا يعرف حاله وزريق فيه مقال حكى عن أبي زرعة أنه قال :لا بأس به وذكره ابن حبان في (الثقات) وفي (الضعفاء) وقال :ينفرد بالأشياء لا يشبه حديث الأثبات لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق.

وقال الحافظ في (التقريب) إنه:(صدوق له أوهام(قلت :وهذا الحديث من أوهامه إن كان أبو الخطاب قد حفظه منه وإلا فأبو الخطاب لا يعرف كما سبق وقال الحافظ: (إنه مجهول .(وقال الذهبي في (الميزان :((ليس بالمشهور) ثم ساق له هذا الحديث ثم قال : (هذا منكر جدا) ونعم ما قال وقد أخرج الحديث ابن عساكر أيضا في ترجمة مسجد دمشق من طرق عن أبي الخطاب به (الثمر المستطاب في فقه السنة والكتاب، ج۲،ص۵۱۸)

[1] رقم الحديث ۱۲۵۸۳.

[2] في حاشية مسند احمد: إسناده ضعيف لجهالة نبيط بن عمر، فقد تفرد بالرواية عنه عبد الرحمن بن أبي الرجال، وتساهل ابن حبان فأورده في ثقاته ۵/۴۸۳ ،وأخرجه الطبراني في "الأوسط ۵۴۴۰ عن محمد بن علي المديني، عن الحكم بن موسى، بهذا الإسناد.

قلنا :ورواه من غير هذا الطريق الترمذي ۲۴۱ عن أنس مرفوعاً وموقوفاً بلفظ :من صلّى لله أربعين يوما في جماعة يُدرِك التكبيرة الأولى، كُتِبت له براء تان :براءةٌ من النار، وبراءةٌ من النفاق. ورجح الموقوف.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اس کے برعکس کئی محدثین نے اس حدیث کو سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیا ہے۔
اگر اس کی سند کو ضعیف بھی قرار دیا جائے، تب بھی چالیس نمازوں کی فضیلت کی حد تک اس حدیث کو قبول کیا جاسکتا ہے۔
اور چالیس فرض نمازوں کے آٹھ دن بنتے ہیں، یعنی چالیس فرض نمازوں کی تعداد آٹھ دنوں میں مکمل ہوجاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الالبانی: "من صلى فى مسجدى أربعين صلاة لا يفوته صلاة كتبت له براء ة من النار، ونجاة من العذاب، وبرء من النفاق."
منكر. أخرجه أحمد ۱۵۵/۳، والطبرانى فى "المعجم الأوسط ۵۵۷٦/۲/۳۲/۲، من طريق عبد الرحمن بن أبى الرجال عن نبيط بن عمر عن أنس بن مالك مرفوعا. وقال الطبرانى: لم يروه عن أنس إلا نبيط تفرد به ابن أبى الرجال. قلت: وهذا سند ضعيف، نبيط هذا لا يعرف فى هذا الحديث، وقد ذكره ابن حبان فى الثقات ۴۸۳/۵، على قاعدته فى توثيق المجهولين، وهو عمدة الهيثمى فى قوله فى المجمع ۸/۴، رواه أحمد والطبرانى فى "الأوسط" ورجاله ثقات. وأما قول المنذرى فى الترغيب ۱۳٦/۲، رواه أحمد ورواته رواة الصحيح، والطبرانى فى "الأوسط." فوهم واضح لأن نبيطا هذا ليس من رواة الصحيح، بل ولا روى له أحد من بقية الستة! ومما يضعف هذا الحديث أنه ورد من طريقين يقوى أحدهما الآخر عن أنس مرفوعا وموقوفا بلفظ: "من صلى لله أربعين يوما فى جماعة يدرك التكبير الأولى كتبت له براء تان، براء ة من النار، وبراء ة من النفاق." أخرجه الترمذى ۷/۱ (طبع أحمد شاكر) ثم وجدت له طريقا ثالثا عنه مرفوعا أخرجه بحشل فى "تاريخ واسط" (ص ۳٦) وله شاهد من حديث عمر بن الخطاب مرفوعا. أخرجه ابن ماجه ۲٦/۱، بسند ضعيف ومنقطع، ثم استوعبت طرقه وبينت ما لها وما عليها فى الصحيحة برقم ۲۵۲/۲، وهذا اللفظ يغاير لفظ حديث الترجمة كل المغايرة، وهو أقوى منه فتأكد ضعفه ونكارته فمن قواه من المعاصرين فقد جانبه الصواب ولربما الإنصاف أيضا! (سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة، تحت رقم الحديث ۳٦۴)

[1] قال المنذرى: رواه أحمد ورواته رواة الصحيح والطبرانى فى الأوسط وهو عند الترمذى بغير هذا اللفظ (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۸۳۲، كتاب الحج الترغيب فى الحج والعمرة وما جاء فيمن خرج يقصدهما فمات)
وقال الهيثمى: قلت: روى الترمذى بعضه. رواه أحمد، والطبرانى فى الأوسط، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۸۷۸، باب فيمن صلى بالمدينة أربعين صلاة)
وفى مختصر الشمائل المحمدية: قال الحافظ ابن حجر فى تعجيل المنفعة فى زوائد الأربعة: نبيط بن عمر، ذكره ابن حبان فى الثقات، فاجتمع على توثيق نبيط كل من ابن حبان والمنذرى والبيهقى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ایک روایت میں مسجد نبوی کی تخصیص کے بغیر کسی بھی جگہ چالیس دن تک باجماعت تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کی وجہ سے دو برائتیں لکھ دی جاتی ہیں، ایک جہنم سے برائت اور دوسری نفاق سے برائت۔

چنانچہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلَّی لِلّٰہِ أَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَۃٍ یُدْرِکُ التَّکْبِیْرَۃَ الْأُوْلٰی کُتِبَ لَہٗ بَرَاءَ تَانِ: بَرَاءَ ۃٌ مِّنَ النَّارِ، وَبَرَاءَ ۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کے لئے چالیس دن تک جماعت کے ساتھ تکبیرِ اولیٰ کو پاکر نماز پڑھی، تو اس کے لئے دو برائتیں لکھی جائیں گی، ایک تو آگ (یعنی جہنم) سے برائت، اور ایک نفاق سے برائت (ترمذی)

اور مسجدِ نبوی میں پڑھی جانے والی نماز کی فضیلت زیادہ ہے، اس لئے مذکورہ فضیلت مسجدِ نبوی میں بھی چالیس دن تک باجماعت تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے سے حاصل ہوگی، البتہ خواتین کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے، اس لئے ان کو فرض نماز پڑھنے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وابن حجر ، ولم یجرحه أحد من أئمة هذا الشأن . فمن ثم لا یجوز لأحد أن یطعن ولا أن یضعف من وثقه أئمة معتبرون ، ولم یخالفهم إمام من أئمة الجرح والتعدیل ، وکفی من ذکروا من أئمة هذا الشأن قدوة.

ذلک ولو فرض وقدر جدلاً أنه فی السند مقالاً ، فإن أئمة الحدیث لا یمنعون إذا لم یکن فی الحدیث حلال أو حرام أو عقیدة ، بل کان باب فضائل الأعمال لا یمنعون العمل به ، لأن باب الفضائل لا یشدد فیه هذا التشدید .

ونقل السیوطی مثل ذلک عن أحمد وابن المبارک (مختصر الشمائل المحمدیة، ج۸، ص ۴۶۱، و ۴۶۲، تحت سورة الجن)

[1] رقم الحدیث ۲۴۱، باب فی فضل التکبیرة الأولی.

کے لئے مسجد میں آنے کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔ [1]

ترمذی کی اس حدیث کو بھی بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

جبکہ بعض حضرات نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] أما حديث إدراك تكبيرة الإحرام في أي مسجد ، فهذا أعم من موضوع المسجد النبوي الذي نتحدث عنه ، وكل أسانيده ضعيفة ولكن قال الحافظ ابن حجر :يندرج ضمن ما يعمل به في فضائل الأعمال .انتهى ملخصاً.

وهذا الحث على أربعين صلاة في المسجد النبوي ثمانية أيام في الجماعة ، واشتغاله الدائم بشأن الصلاة وحرصه عليها ، حتى لا تفوته صلاة مما يعلق قلبه بالمسجد ، فتصبح الجماعة له ملكة ويصبح مرتاحاً لارتياد المسجد وحريصاً على بقية الصلوات في بقية أيامه لا تفوته الجماعة إلا من عذر فلو اكن زائراً ورجع إلى بلاده رجع بهذه الخصلة الحميدة ، ولعل في مضاعفة الصلاة بألف تكون بمثابة الدواء المكثف الشديد الفعالية ، السريع الفائدة ، أكثر مما جاء في عامة المساجد بأربعين يوماً لا تفوته تكبيره الإحرام ، إذ الأربعون صلاة في المسجد النبوي تعادل أربعين ألف صلاة فيما سواه ، وهي تعادل حوالي صلوات اثنين وعشرين سنة .

ولو راعينا أجر الجماعة خمساً وعشرين درجة ، لكانت تعادل صلاة المنفرد خمسمائة وخمسين سنة ، أي في الأجر والثواب لا في العدد ، أي كيفاً لا كماً ، كما قدمنا .وفضل الله عظيم .

وليعلم أن الغرض من هذه الأربعين هو كما أسلفنا التعود والحرص على الجماعة .

أما لو رجع فترك الجماعة وتهاون في شأن الصلاة عياذاً بالله ، فإنها تكون غاية النكسة .نسأل الله العافية ، كما نعلم أن هذه الأربعين صلاة لا علاقة لها لا بالحج ولا بالزيارة ، على ما تقدم للشيخ رحمه الله في آداب الزيارة في سورة الحجرات .

وأن الزيارة تتم بصلاة ركعتي تحية المسجد والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى صاحبيه رضوان الله تعالى عيلنا وعليهم ، ثم الدعاء لنفسه وللمسلمين بالخير ، ثم إن شاء انصرف إلى أهله ، وإن شاء جلس ما تيسر له (مختصر الشمائل المحمدية، ج۸، ص ۴۶۱، و۴۶۲، تحت سورة الجن)

[2] قال الترمذي: وقد روى هذا الحديث عن أنس موقوفا، ولا أعلم أحدا رفعه إلا ما روى سلم بن قتيبة، عن طعمة بن عمرو "وإنما يروى هذا عن حبيب بن أبي حبيب البجلي، عن أنس بن مالك قوله .حدثنا بذلك هناد قال :حدثنا وكيع، عن خالد بن طهمان، عن حبيب بن أبي حبيب البجلي، عن أنس قوله ولم يرفعه .وروى إسماعيل بن عياش هذا الحديث، عن عمارة بن غزية، عن أنس بن مالك، عن عمر بن الخطاب، عن النبي صلى الله عليه وسلم نحو هذا. وهذا حديث غير محفوظ، وهو حديث مرسل .عمارة بن غزية لم يدرك أنس بن مالك قال محمد بن إسماعيل : حبيب بن أبي حبيب يكنى أبا الكشوثا، ويقال أبو عميرة.

[3] من صلى لله أربعين يوما في جماعة يدرك التكبيرة الأولى، كتب له براء تان، براء ة من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال صحیح اور کثیر احادیث سے مسجدِ نبوی میں پڑھی جانے والی ایک نماز کا ثواب ہزار گنا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

النار وبراء ة من النفاق " هو من رواية أنس بن مالك رضى الله عنه، وله عنه طرق .الأولى :سلم بن قتيبة عن طعمة بن عمرو عن حبيب بن أبى ثابت عنه به .أخرجه الترمذى (١ / ٢٠١ تحفة) وأسلم الواسطى فى "تاريخ واسط "(ص ٤٠) ، وقال الترمذى " :قد روى هذا الحديث عن أنس موقوفا، ولا أعلم أحدا رفعه إلا ما روى سلم بن قتيبة عن طعمة بن عمرو، وإنما يروى هذا عن حبيب بن أبى حبيب البجلى عن أنس بن مالك قوله ." قلت :قد روى مرفوعا من طريق أخرى لم يقف عليها الترمذى، وهى : الثانية :منصور بن مهاجر أبو الحسن حدثنا أبو حمزة الواسطى عن أنس بن مالك قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :فذكره .أخرجه أسلم الواسطى فى "تاريخ واسط "(ص ٣٦) : حدثنا أحمد بن إسماعيل قال :حدثنا إسماعيل بن مرزوق قال: حدثنا منصور بن مهاجر ...وقال " :هذا (يعنى أبا حمزة الواسطى) اسمه جبير ابن ميمون ."كذا قال، ولم أره لغيره ولا وجدت فى الرواة من يسمى جبير بن ميمون بل الظاهر أن أبا حمزة هذا هو عمران بن أبى عطاء القصاب، قال الدولابى فى الكنى ١/١٥٦ ، واسطى، روى عنه شعبة وهشيم ."قلت :وهو من رجال مسلم، روى عن أبيه وابن عباس وأنس وغيرهم وقد وثقه جمع وضعفه بعضهم فهو حسن الحديث، لاسيما عند المتابعة .ومنصور بن مهاجر، روى عنه جمع من الثقات منهم يعقوب بن شيبة، ولم يذكروا فيه توثيقا، ولذلك قال الحافظ فى "التقريب :" "مستور ." قلت :فمثله لا يستشهد به على أقل الدرجات .وإسماعيل بن مرزوق هو المرادى الكعبى المصرى، ذكره ابن حبان فى "الثقات "وتكلم فيه الطحاوى، لكن استنظف الحافظ إسناد حديث آخر من طريقه .وأما أحمد بن إسماعيل، فلم أعرفه الآن وفى "تاريخ بغداد "جمع من الرواة بهذا الاسم . الثالثة :عن أبى العلاء الخفاف عن حبيب بن أبى حبيب عن أنس بن مالك قال :فذكره نحوه موقوفا عليه .وهو الذى أشار إليه الترمذى فيما سبق .أخرجه الواسطى أيضا فى تاريخه (ص ٤٠) من طريقين عنه. وحبيب هذا هو ابن أبى حبيب البجلى البصرى نزيل الكوفة روى عنه أيضا طعمة بن عمرو الجعفرى وعمر بن محمد العنقزى، وذكره ابن حبان فى "الثقات "وقال الحافظ " :مقبول " يعنى المتابعة، وقد توبع كما تقدم .وأما أبو العلاء الخفاف واسمه خالد بن طهمان فهو صدوق، لكنه كان اختلط .ثم رواه الواسطى من طريق مؤمل بن إسماعيل عن سفيان عن خالد عن أبى عميرة عن أنس بن مالك بمثله .وأبو عميرة هذا ثقة، وهو ابن أنس بن مالك .وخالد هو ابن طهمان المتقدم، فكأنه اضطرب فى إسناده، فرواه تارة عن أبى عميرة عن أنس، وتارة عن أنس مباشرة لم يذكر أبا عميرة، ولعل ذلك من اختلاطه. قلت :وبالجملة، فهذه الطرق وإن كانت مفرداتها لا تخلو من علة، فمجموعها يدل على أن له أصلا، والأخير منها وإن كان موقوفا، فمثله لا يقال من قبل الرأى كما لا يخفى .وللحديث طريق رابع عن أنس مرفوعا، ولكن بلفظ " :من صلى فى مسجدى أربعين صلاة لا يفوته صلاة كتبت له براء ة من النار، ونجاة من العذاب وبرىء من النفاق ."ولكنه منكر بهذا اللفظ لمخالفته للفظه فى الطرق المتقدمة مع جهالة فى إسناده، ولذلك أوردته فى الكتاب الآخر ٣٦٤ (سلسلة الاحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ١٩٧٩)

زیادہ ہونا ثابت ہے، جس کی رُو سے مسجدِ نبوی میں کم از کم دو رکعتیں پڑھنا بھی انتہائی عظیم فضیلت واہمیت سے خالی نہیں۔

اسی لئے بعض روایات میں مدینہ منورہ میں داخل ہونے والے کو وہاں سے باہر نکلنے سے پہلے مسجدِ نبوی میں کم از کم دو رکعت پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ [1]

لیکن چالیس دن مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی جو فضیلت مذکورہ حدیث میں بیان کی گئی ہے، اس کو مسجدِ نبوی کی نمازوں کی فضیلت کی حد تک تو تسلیم کیا جا سکتا ہے، مگر اس سلسلہ میں یہ عقیدہ رکھنا مناسب نہیں کہ وہاں چالیس نمازیں پڑھنے سے بہر حال جہنم اور نفاق سے برائت اور عذاب سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ [2]

---

[1] عن مسلم بن أسلم بن بجرة، أخي الحارث بن الخزرج، وكان شيخا كبيرا قد حدث نفسه قال :إن كان ليدخل المدينة فيقضي حاجته بالسوق ثم يرجع إلى أهله، فإذا وضع رداء ه ذكر أنه لم يصل في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فيقول :والله ما صليت في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فإنه قد قال لنا :من هبط منكم إلى هذه القرية فلا يرجعن إلى أهله حتى يركع ركعتين في هذا المسجد ثم يرجع إلى أهله (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۰۵۵)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۸۷۹، باب فيمن ورد المدينة ولم يصل في المسجد)

[2] والذي يظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعيف في ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حديث ضعيف على استحباب شيئ او جوازه، ولم يدل دليل آخر صحيح عليه، وليس هناك مايعارضه ورجح عليه، قبل ذلك الحديث وجاز العمل بما افاده واقول باستحباب مادل عليه او جوازه.

غاية مافي الباب ان يكون مثل هذا الاستحباب والجواز ادون رتبة من الاستحباب والجواز الثابت بالاحاديث الصحيحة والحسنة ويشترط قبوله بشروط:

احدها: ما اشرنا اليه من فقدان دليل آخر اقوى منه معارضا له، فان دل حديث صحيح او حسن، على كراهة عمل او حرمته، والضعيف على استحبابه وجوازه ، فالعمل يكون بالاقوى ، والقول بمفاده احرى.

وثانيها: ان لايكون الحديث شديد الضعف ، بان تفرد بروايته شديد الضعف ، كالكذاب، وفاحش الغلط، والمغفل، وغير ذلك، او كثرت طرقه، لكن لم يخل طريق من طرقه عن شدة الضعف، وذلك لان كون السند شديد الضعف، مع عدم مايجبر به نقصانه ، يجعله في حكم العدم ، ويقربه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... مسجدِ نبوی میں ایک نماز کی فضیلت جو ہزار نمازوں کی فضیلت کے برابر حاصل ہوتی ہے، اس فضیلت کے فرض نماز سے متعلق ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔

اور جہاں تک نفل اور سنت نماز کی فضیلت کا تعلق ہے، تو اس سلسلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض فقہائے کرام اس بات کے قائل ہیں کہ مسجدِ نبوی میں جس طرح مذکورہ فضیلت فرض نمازیں پڑھ کر حاصل ہوتی ہے، اسی طرح سنت اور نفل نمازیں پڑھ کر بھی حاصل ہوتی ہے، کیونکہ احادیث میں فرض نمازوں کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔

جبکہ بعض فقہائے کرام اس بات کے قائل ہیں کہ مسجدِ نبوی میں مذکورہ فضیلت صرف فرض نمازیں پڑھ کر حاصل ہوتی ہے، سنت اور نفل نمازیں پڑھ کر حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ صحیح احادیث کی رُو سے سنت اور نفل نمازوں کا گھروں اور رہائش گاہوں میں پڑھنا زیادہ فضیلت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الى الموضوع والمخترع، الذى لايجوز العمل به بحال .

وثالثها: ان يكون ماثبت به داخلا تحت اصل كلي من الاصول الشرعية غير مخالف للقواعد الدينية، لئلا يلزم اثبات مالم يثبت شرعا به، فانه اذا كان مادل عليه داخلا فى الاصول الشرعية، غير مناقض لها، فنفس جوازه ثابت بها.

والحديث الضعيف الدال عليه يكون مؤكدا عله، كذا الاستحباب، فان الجائزات تصير بحسن النية عبادة، فكيف اذا وجدمافيه شبهة ثبوت الاستحباب.

ورابعها: ان لايعتقد العامل به ثبوته بل الخروج عن العهدة بيقين، فانه ان كان صحيحا فى نفس الامر فذاك ، والا لم يترتب على العمل به فساد شرعي.

وقس عليه اذا دليل الحديث الضعيف على كراهة عمل، لم يدل على استحبابه دليل آخر، فيؤخذ به ويعمل بمفاده احتياطا ، فان ترك المكروه مستحب ، وترك المباح لابأس فيه شرعا.

وبهذا كله يظهر لك دفع الاشكال الذى تصدى للجواب عنه الدوانى والخفاجي، وسلك كل منهما مسلكا مغايرا لمسلك الآخر.

وخلاصة الكلام، الرافع للاوهام ، هو ان ثبوت الاستحباب ، او الكرهة التى هى فى قوة الاستحباب ، او الجواز بالحديث الضعيف مع الشروط المتقدمة : لاينافى قولهم: انه لايثبت الاحكام الشرعية، فان الحكم باستحباب شيئ دل عليه الضعيف او كراهته: احتياطى ، والحكم بجواز شيئ دل عليه تاكيد لما ثبت بدلائل اخر، فلا يلزم منه ثبوت شيئ من الاحكام فى نفس الامر، ومن حيث الاعتقاد.

نعم لو لم تلاحظ الشروط المتقدمة ، لزم الاشكال البتة (ظفر الأماني فى مختصر الجرجانى فى مصطلح الحديث، ص۱۹۸ تا ۲۰۰، لمولانا عبدالحيي اللكنوى رحمه الله)

کا باعث ہے۔

اسی طرح خواتین کو بھی عین مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے بغیر وہاں اپنے گھروں اور رہائش گاہوں میں باپردہ رہ کر نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، جس کی تفصیل مسجدِ حرام میں نماز کے بیان میں گزر چکی ہے۔ [1]

---

[1] اور مالکیہ نے اہلِ مدینہ اور غیر اہلِ مدینہ کے اعتبار سے مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت کا فرق کیا ہے، چنانچہ جو اہلِ مدینہ یعنی مدینہ کے باشندے ہیں، ان کو تو اپنے گھروں میں سنت ونفل نمازوں کے پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے، البتہ سنتِ مؤکدہ اور ایسی نمازیں کہ جن میں جماعت کرنا مسنون ومشروع ہے، ان کے مسجدِ نبوی میں ادا کرنے کی زیادہ فضیلت ہے۔

اور جو مدینہ منورہ سے باہر کے اجنبی اور مسافر لوگ ہیں، ان کے لئے عام سنت اور نفل نمازوں کا مسجدِ نبوی میں ہی پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

ثواب الصلاة فی المسجد النبوی فرضا ونفلا:

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :صلاة فی مسجدی هذا خير من ألف صلاة فيما سواه من المساجد إلا المسجد الحرام .

ولا خلاف بين العلماء فی حصول هذه الأفضلية ومضاعفة الثواب الواردة فی الحديث -لصلاة الفرض.

أما فی صلاة النفل فيرى الحنفية والمالكية -على الصحيح -والحنابلة :أن الأفضلية ومضاعفة الثواب الواردة فی الحديث خاصة بالفرائض دون النوافل، لأن صلاة النافلة فی البيت أفضل وأقرب إلى الإخلاص وأبعد عن الرياء ، لقوله صلى الله عليه وسلم :صلاة المرء فی بيته أفضل من صلاته فی مسجدی هذا إلا المكتوبة، وقوله صلى الله عليه وسلم :إذا قضى أحدكم الصلاة فی مسجده فليجعل لبيته نصيبا من صلاته فإن الله جاعل فی بيته من صلاته خيرا.

لكن المالكية فرقوا بين من كان من أهل المدينة وبين من كان من الغرباء عنها، فقالوا إن صلاة أهل المدينة النفل المطلق فی بيوتهم أفضل من فعلها فی المسجد بخلاف الرواتب وما تسن له الجماعة فإن فعلها فی المسجد أفضل.

أما الغرباء عن المدينة فإن صلاتهم النافلة فی مسجده صلى الله عليه وسلم أفضل من صلاتهم لها فی بيوتهم وسواء أكانت النافلة من الرواتب أم كانت نفلا مطلقا . وقالوا :إن المراد بالغريب عن المدينة وهو من لا يعرف فيها، وإن المجاور بها حكمه حكم أهلها حيث كان يعرف. ويرى الشافعية -ومطرف من المالكية -أن التفضيل الوارد بالحديث يعم صلاة الفرض وصلاة النفل. قال النووی :واعلم أن مذهبنا أنه لا يختص هذا التفضيل بالصلاة فی هذين المسجدين -أی المسجد الحرام والمسجد النبوی -بالفريضة بل يعم الفرض والنفل جميعا، وبه قال مطرف من أصحاب مالك، وقال الزركشی :ذكر فی شرح المهذب أن التحقيق :أن صلاة النفل فی بيته أفضل من المسجد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷،ص ۲۵۰، ۲۵۱،مادة "المسجد النبوی")

مسئلہ نمبر۴......اکثر فقہائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ مسجدِ نبوی سے متعلق احادیث میں جو فضائل بیان ہوئے ہیں، وہ فضائل مسجدِ نبوی کے اس حصہ کو بھی حاصل ہیں، جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد تعمیر وتوسیع ہوئی ہے۔

البتہ شافعیہ کے نزدیک مسجدِ نبوی کے فضائل صرف اسی حصہ کو حاصل ہیں، جو حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجدِ نبوی کے طور پر موجود تھا۔ [۱]

---

[۱] حکم ما زید فی بناء المسجد النبوی:

طرأت على بناء المسجد النبوى توسعة وزيادات فى بنائه عما كان عليه فى عصر النبى صلى الله عليه وسلم، وقد بحث العلماء حكم هذه الزيادة من جهة نيل الثواب، فمنهم من قال إن الفضل الثابت لمسجده صلى الله عليه وسلم ثابت لما زيد فيه.

قال محب الدين الطبرى :عن ابن عمر قال :زاد عمر بن الخطاب فى المسجد من شاميه وقال :(لو زدنا فيه حتى تبلغ الجبانة كان مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعن أبى هريرة رضى الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لو بنى هذا المسجد إلى صنعاء كان مسجدى، وكان أبو هريرة رضى الله عنه يقول :ظهر المسجد كقعره.

وإلى هذا ذهب الحنفية والحنابلة وهو اختيار ابن تيمية، قال ابن عابدين " :ومعلوم أنه قد زيد فى المسجد النبوى، فقد زاد فيه عمر ثم عثمان ثم الوليد ثم المهدى، والإشارة بهذا إلى المسجد المضاف إليه صلى الله عليه وسلم، ولا شك أن جميع المسجد الموجود الآن يسمى مسجده صلى الله عليه وسلم، فقد اتفقت الإشارة والتسمية على شىء واحد فلم تلغ التسمية فتحصل المضاعفة المذكورة فى الحديث، فيما زيد فيه "

ونقل الجراعى عن ابن رجب مثل ذلک، وأنه قد قيل إنه لا يعلم عن السلف فى ذلک خلاف.

وروى عن الإمام أحمد التوقف.

ورجح السمهودى -من المالكية -أن ما زيد فى المسجد النبوى داخل فى الأفضلية الواردة بالحديث، ونقل عن الإمام مالک أنه سئل عن حد المسجد الذى جاء فيه الخبر هل هو على ما كان فى عهد النبى صلى الله عليه وسلم أو هو على ما عليه الآن؟ فقال بل هو على ما هو الآن، وقال لأن النبى صلى الله عليه وسلم أخبر بما يكون بعده وزويت له الأرض فأرى مشارق الأرض ومغاربها، وتحدث بما يكون بعده فحفظ ذلک من حفظه فى ذلک الوقت ونسى ذلک من نسيه، ولولا هذا ما استجاز الخلفاء الراشدون المهديون أن يزيدوا فيه بحضرة الصحابة ولم ينكر عليهم ذلک منكر.

لكن قال الأبى فى شرح الحديث :صلاة فى مسجدى هذا خير من ألف صلاة...إن التفضيل مختص بمسجده الذى كان فى زمانه صلى الله عليه وسلم دون ما زيد فيه بعد ذلک، فلا يتناول التفضيل ما زاد فيه عثمان لأنه من اتخاذه، ويدل على أنه من اتخاذه احتجاجه حين أنكر عليه فيه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵......مسجدِ نبوی کی غرض سے سفر کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ باعثِ ثواب ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ خَيْرَ مَا رُكِبَتْ إِلَيْهِ الرَّوَاحِلُ مَسْجِدِيْ هٰذَا، وَالْبَيْتُ الْعَتِيْقُ (مسند أحمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن مقامات کی طرف سواریوں پر سفر کر کے جایا جائے، ان میں بہترین مقام میری یہ مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) اور بیتِ عتیق (یعنی بیت اللہ شریف) ہے (مسند احمد)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْبَغِيْ لِلْمَطِيِّ أَنْ تُشَدَّ رِحَالُهُ إِلٰى مَسْجِدٍ يُبْتَغٰى فِيْهِ الصَّلَاةُ، غَيْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى، وَمَسْجِدِيْ هٰذَا (مسند أحمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر (وکوچ) کرنے والے کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنا سفر کا سامان کسی مسجد کی طرف باندھ کر (یعنی مستقل سفر کو مقصود بنا کر) جائے، تاکہ اس میں نماز پڑھی جاسکے، سوائے مسجدِ حرام اور مسجد

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الزيادة بقوله صلى الله عليه وسلم :من بنى مسجدا بنى الله له بيتا فى الجنة، فجعله من بنائه لنفسه وذهب الشافعية إلى أن هذه الفضيلة مختصة بنفس مسجده صلى الله عليه وسلم الذى كان فى زمانه دون ما زيد فيه بعده.

وإلى هذا ذهب ابن عقيل وابن الجوزى وجمع من الحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷،ص ۲۵۱، ۲۵۲،مادة "المسجد النبوى")

[1] رقم الحديث ۱۴۷۸۲.

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[2] رقم الحديث ۱۱۶۰۹.

فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

اقصٰی (یعنی بیتُ المقدس) اور میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) کے (مسند احمد)

مطلب یہ ہے کہ کسی مسجد میں نماز کی فضیلت اور ثواب حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ سفر کر کے تکلف میں پڑنے کی انسان کو ضرورت نہیں۔

البتہ مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصٰی ایسی مساجد ہیں کہ ان میں نماز کا ثواب خصوصی فضیلت کا باعث ہے، اس لئے ان مساجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے باقاعدہ سفر کرنا بھی باعثِ فضیلت ہے، بشرطیکہ اس میں غلو سے کام نہ لیا جائے، اور اعتدال کو اختیار کیا جائے۔

مسئلہ نمبر ۶ ...... مسجدِ نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حجرے (یا آپ کی قبر مبارک) کے درمیان والی جگہ بڑی بابرکت اور باعثِ فضیلت ہے، جس کو احادیث میں ''رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ''، یعنی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے (مسجد کے) منبر کے درمیان جو جگہ ہے، وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (بخاری)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور منبر کے درمیان (والا حصہ) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، اور میرا (مسجد کا) منبر میرے حوض (کوثر) پر ہے (بخاری)

---

[1] رقم الحديث ١١٩٥، باب فضل ما بين القبر والمنبر.

[2] رقم الحديث ١١٩٦، باب فضل ما بين القبر والمنبر.

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ [1]

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : إِنَّ مَا بَیْنَ مِنْبَرِیْ إِلٰی حُجْرَتِیْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ، وَإِنَّ مِنْبَرِیْ عَلٰی تُرْعَۃٍ مِّنْ تُرَعِ الْجَنَّۃِ (مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۵۱۸۷) [2]

ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا کہ میرے منبر اور حجرے کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا (مسجدِ نبوی کا) منبر جنت کے دروازے پر لگایا جائے گا (مسند احمد)

حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ قَوَائِمَ مِنْبَرِیْ ھٰذَا رَوَاتِبُ فِی الْجَنَّۃِ (سنن النسائی) [3]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اس (مسجدِ نبوی کے) منبر کے پائے جنت میں گڑے ہوئے ہیں (نسائی، مسند احمد)

اس طرح کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ [4]

---

[1] عن أبی هريرة، وأبی سعيد :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :ما بين بيتی ومنبری روضة من رياض الجنة، ومنبری علی حوضی (مسنداحمد، رقم الحديث ۱۱۰۰۳)

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح علی شرط الشيخين.

[2] فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[3] رقم الحديث ۶۹۶، مسنداحمد، رقم الحديث ۲۶۴۷۶.

فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح.

[4] عن سعيد بن المسيب، أنه سمع أبا واقد الليثی يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن قوائم منبری رواتب فی الجنة (مستدرک حاكم، رقم الحديث ۲۲۶۸)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مذکورہ احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ جس شخص کا مسجدِ نبوی میں جانے کا ارادہ ہو، تو اس کے لئے مستحب ہے کہ ریاض الجنۃ میں حاضر ہونے کے ارادہ سے مسجدِ نبوی میں داخل ہو، جس کا مقام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے درمیان ہے، اور اگر بآسانی ممکن ہو تو منبر کے قریب دو رکعتیں تحیۃ المسجد کی ادا کرے۔ [1]

اور مسجدِ نبوی میں داخل ہونے والے کے لئے اعتکاف کی نیت کر لینا بھی بہتر ہے، کیونکہ مسجدِ نبوی میں اعتکاف کی فضیلت دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، اور مسجدِ حرام کے اعتکاف کی فضیلت اور بھی زیادہ ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۷...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت اہم اور بڑی فضیلت والے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إن قوائم منبری رواتب فی الجنة وقيل معناه أن قصد منبره والحضور عنده لملازمة الأعمال الصالحة يورد صاحبه إلى الحوض ويقتضى شربه منه والله أعلم (فتح البارى لابن حجر، ج۴، ص ۱۰۰، قوله باب كراهية النبى صلى الله عليه وسلم أن تعرى المدينة)

رواتب فی الجنة جمع راتبة من رتب إذا انتصب قائما أى ان الأرض التى هو فيها من الجنة فصارت القوائم مقرها الجنة أو أنه سينقل إلى الجنة والله تعالى أعلم (حاشية السندى على سنن النسائى، ج۲، ص ۳۶، كتاب المساجد)

[1] و تحية المسجد النبوى:

اتفق الفقهاء على أن من دخل المسجد النبوى يستحب له أن يقصد الروضة إن تيسر له -وهى ما بين القبر والمنبر -ويصلى ركعتين تحية المسجد بجنب المنبر، لحديث جابر قال :جاء سليک. . .ثم يأتى قبر النبى صلى الله عليه وسلم ويقول :السلام عليک يا رسول الله ثم يسلم على أبى بكر رضى الله عنه، ثم على عمر رضى الله عنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۰، ص ۳۰۶، مادة ”تحية“)

[2] وأفضل الاعتكاف فى المسجد الحرام لأنه مأمن الخلق ومهبط الوحى ومنزل الرحمة ثم فى مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم -لأنه أفضل المساجد بعد المسجد الحرام ثم فى مسجد بيت المقدس ثم فى المساجد التى كثر جماعتها فكل مسجد كثرت جماعته فهو أفضل(الجوهرة النيرة، ج۱ ص ۱۴۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

ومنها مسجد الجماعة فيصح فى كل مسجد له أذان، وإقامة هو الصحيح كذا فى الخلاصة، وأفضل الاعتكاف ما كان فى المسجد الحرام ثم فى مسجد النبى -عليه الصلاة والسلام -ثم فى بيت المقدس ثم فى الجامع ثم فيما كان أهله أكثر، وأوفر كذا فى التبيين(الفتاوىٰ الهندية، ج۱، ص ۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع)

اعمال میں سے ہے، اور یہ اکثر وجمہور اہلِ علم حضرات کے نزدیک سنت ومستحب اعمال میں سے ہے، جبکہ بعض حضرات نے اس کو سنتِ مؤکدہ کے قریب قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] زيارة قبره صلى الله عليه وسلم من أهم القربات وأفضل المندوبات، وقد نقل صاحب فتح القدير عن مناسك الفارسي وشرح المختار :أن زيارة قبره صلى الله عليه وسلم قريبة من الوجوب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴،ص ۸۰، مادة " زيارة "، زيارة قبر الرسول صلى الله عليه وسلم)

التعريف: الزيارة :اسم من زاره يزوره زورا وزيارة، قصده مكرما له.

وزيارة النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته تتحقق بزيارة قبره صلى الله عليه وسلم.

الحكم التكليفي: أجمعت الأمة الإسلامية سلفا وخلفا على مشروعية زيارة النبي صلى الله عليه وسلم.

وقد ذهب جمهور العلماء من أهل الفتوى في المذاهب إلى أنها سنة مستحبة، وقالت طائفة من المحققين :هي سنة مؤكدة، تقرب من درجة الواجبات، وهو المفتى به عند طائفة من الحنفية .

وذهب الفقيه المالكي أبو عمران موسى بن عيسى الفاسي إلى أنها واجبة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴،ص ۸۳،ماده،زيارة، زيارة النبي صلى الله عليه وسلم)

ذهب جمهور العلماء إلى أن زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم مستحبة، وقالت طائفة إنها سنة مؤكدة تقرب من درجة الواجبات، وهو المفتى به عند طائفة من الحنفية.

وذهب الفقيه المالكي أبو عمران موسى بن عيسى الفاسي إلى أنها واجبة.

ومن أدلة مشروعيتها قوله تعالى :(ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما) وقوله صلى الله عليه وسلم :من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷،ص ۲۵۳،مادة " المسجد النبوي" ،زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم)

دليل مشروعية الزيارة:

من أدلة مشروعية زيارته صلى الله عليه وسلم :قوله تعالى :(ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاء وك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما)

فإنه صلى الله عليه وسلم حي في قبره بعد موته، كما أن الشهداء أحياء بنص القرآن، وقد صح قوله صلى الله عليه وسلم :الأنبياء أحياء في قبورهم، وإنما قال :هم أحياء أي لأنهم كالشهداء بل أفضل، والشهداء أحياء عند ربهم، وفائدة التقييد بالعندية الإشارة إلى أن حياتهم ليست بظاهرة عندنا وهي كحياة الملائكة.

وفي صحيح مسلم في حديث الإسراء قال صلى الله عليه وسلم :مررت على موسى ليلة أسري بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره.

وقوله صلى الله عليه وسلم :فزوروا القبور، فإنها تذكر الموت فهو دليل على مشروعية زيارة القبور عامة، وزيارته صلى الله عليه وسلم أولى ما يمتثل به هذا الأمر، فتكون زيارته داخلة في هذا الأمر النبوي الكريم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر آج کل اس سلسلہ میں افراط وتفریط دیکھنے میں آ رہی ہے، چنانچہ ایک فریق اس سلسلہ میں ہر طرح کی فضیلت کا منکر اور دوسرا فریق اس کے مقابلہ میں اس کو حج کی طرح فرض درجہ کا عمل قرار دینے کے درپے ہے۔

اس لئے اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات کی اسنادی حیثیت پر روشنی ڈالی جاتی ہے، تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو، اور افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال ملحوظ رہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث مروی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری زیارت کرنے کے لئے آیا، اور اس کو میری زیارت کے علاوہ کوئی اور ضرورت کھینچ کر نہیں لائی، تو مجھ پر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقوله صلى الله عليه وسلم :من زارني بعد موتي فكأنما زارني في حياتي.

ومنها قوله صلى الله عليه وسلم في الحديث :من زار قبري وجبت له شفاعتي.

فاستدل بعض الفقهاء بهذه الأدلة على وجوب زيارته صلى الله عليه وسلم لما في الأحاديث الأخرى من الحض أيضا.

وحملها الجمهور على الاستحباب، ولعل ملحظهم في ذلك أن هذه الأدلة ترغب بتحصيل ثواب أو مغفرة أو فضيلة، وذلك يحصل بوسائل أخر، فلا تفيد هذه الأدلة الوجوب.

قال القاضي عياض في كتاب الشفاء :وزيارة قبره عليه الصلاة والسلام سنة من سنن المسلمين مجمع عليها، وفضيلة مرغب فيها.

فضل زيارة النبي صلى الله عليه وسلم:

دلت الدلائل السابقة على عظمة فضل زيارة النبي صلى الله عليه وسلم وجزيل مثوبتها فإنها من أهم المطالب العالية والقربات النافعة المقبولة عند الله تعالى، فبها يرجو المؤمن مغفرة الله تعالى ورحمته وتوبته عليه من ذنوبه، وبها يحصل الزائر على شفاعة خاصة من النبي صلى الله عليه وسلم يوم القيامة، وما أعظمه من فوز.

وعلى ذلك انعقد إجماع المسلمين في كافة العصور، كما صرح به عياض والنووي والسندي وابن الهمام.

قال الحافظ ابن حجر :إنها من أفضل الأعمال وأجل القربات الموصلة إلى ذي الجلال، وإن مشروعيتها محل إجماع بلا نزاع.

وكذلك قال القسطلاني :اعلم أن زيارة قبره الشريف من أعظم القربات وأرجى الطاعات، والسبيل إلى أعلى الدرجات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۸۴، مادة " زيارة ")

قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے کا حق ہوگا (طبرانی، تاریخ اصبہان وغیرہ) [1]

اس حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے، اوراس حدیث میں مذکور ایک راوی مسلم بن سالم جہنی کو ضعیف قرار دیا ہے، جس کی وجہ سے اس حدیث کی سند فی نفسہٖ ضعیف قرار دی جاسکتی ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا عبدان بن أحمد قال :نا عبد الله بن محمد العبادى البصرى قال :نا مسلمة بن سالم الجهنى قال :حدثنى عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن سالم، عن ابن عمر قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من جاء نى زائرا لا تعمله حاجة إلا زيارتى، كان حقا على أن أكون له شفيعا يوم القيامة (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۴۵۴۶)

حدثنا أبو محمد بن حيان، ثنا محمد بن أحمد بن سليمان الهروى، ثنا مسلم بن حاتم الأنصارى، ثنا مسلم بن سالم الجهنى، حدثنى عبد الله يعنى :العمرى ,حدثنى نافع، عن سالم، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من جاء نى زائرا لم تنزعه حاجة إلا زيارتى، كان حقا على الله أن أكون له شفيعا يوم القيامة(تاريخِ اصبهان، ج۲ص۱۹۰)

حدثنا عبدان بن أحمد، ثنا عبد الله بن محمد العبادى البصرى، ثنا مسلم بن سالم الجهنى، حدثنى عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن سالم، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من جاء نى زائرا لا يعلمه حاجة إلا زيارتى كان حقا على أن أكون له شفيعا يوم القيامة(المعجم الكبير للطبرانى،رقم الحديث ۱۳۱۴۹)

[2] قال الهيثمى:رواه الطبرانى فى الأوسط، والكبير وفيه مسلمة بن سالم، وهو ضعيف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث، باب زيارة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم)

وقال ابن حجر:مسلم بن سالم الجهنى .كان يكون بمكة .قال أبو داود السجستانى :ليس بثقة.قلت :ما أبعد أن يكون مسلمة بن سالم الجهنى البصرى إمام مسجد بنى حرام الذى أخرج له الدارقطنى فى سننه ما أخبرنا على بن الفقيه وإسماعيل بن عبد الرحمن قالا :أخبرنا ابن الصباح أخبرنا ابن رفاعة .

أخبرنا الخلعى حَدَّثَنا أبو النعمان تراب بن عمر حَدَّثَنا أبو الحسن الدارقطنى حَدَّثَنا يحيى بن صاعد حَدَّثَنا عبد الله بن محمد العبادى سنة خمسين ومئتين بالبصرة حدثنا مسلمة بن سالم إمام مسجد بنى حرام حدثنا عبد الله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر رضى الله عنهما رفعه قال :من جاء نى زائرا لم تنزعه حاجة إلا زيارتى كان حقا على أن أكون له شفيعا يوم القيامة.

رواه أبو الشيخ، عَن مُحَمد بن أحمد بن سليمان الهروى حَدَّثَنا مسلم بن حاتم الأنصارى حَدَّثَنا مسلمة بهذا(لسان الميزان، ج۸ص۵۰، ۵۱، تحت رقم الترجمة ۷۷۰۵)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اس حدیث کی تائید دیگر روایات سے ہوتی ہے، اس لئے دوسری روایات سے مل کر اس حدیث کو صحیح یا کم از کم حسن لغیرہ قرار دیا جاسکتا ہے، اور اسی لئے بعض محدثین نے اس حدیث کو صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ [1]

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی مروی ایک دوسری روایت میں اس طرح کا مضمون مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی، تو اس کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقال ابن الملقن:ورواه الطبرانی فی أكبر معاجمه من حديث عبيد الله بن عمر، عن نافع، (عن سالم) عن ابن عمر مرفوعا:

من جاء نی زائرا لا (تعمله) حاجة إلا زيارتی كان حقا علی أن أكون (له) شفيعا يوم القيامة .أخرجه عن عبدان بن (أحمد) ، نا عبد الله بن محمد العبادی البصری، ثنا (مسلمة) بن سالم الجهنی، ثنا عبيد الله بن عمر به، وعزاه الضياء فی أحكامه إلی رواية الطبرانی بلفظ :من جاء نی زائرا لا ينزعه غير زيارتی، كان حقا علی الله أن أكون له شفيعا يوم القيامة ثم قال :رواه من رواية عبد الله بن عمر العمری .قال الإمام أحمد :لا بأس به.

وقال النسائی :ليس بالقوی .

والذی رأيته فی الطبرانی الكبير :عبيد الله بالتصغير كما أسلفته، فلعله فی غير المعجم الكبير وذكره ابن السكن فی سننه الصحاح المأثورة بلفظ :من جاء نی زائرا لا تنزعه حاجة إلا زيارتی كان حقا علی أن أكون له شفيعا يوم القيامة وصدر البيهقی فی سننه لاستحباب زيارة قبره -عليه أفضل الصلاة والسلام -بحديث أبی هريرة المرفوع : ما من أحد يسلم علی :إلا رد الله علی روحی حتی أرد عليه السلام .(و) رواه أبو داود فی سننه بإسناد جيد، ثم أردفه بحديث ابن عمر السالف(البدر المنير، ج٦ص٢٩٨،٢٩٩، كتاب الحج، باب دخول مكة ومايتعلق به،الحديث السادس بعد التسعين)

[1] (وقال -صلّى الله عليه وسلم -من جاء نی زائراً لا يهمه إلا زيارتی كان حقاً علی أن أكون له شفيعاً)

قال العراقی :رواه الطبرانی من حديث ابن عمر وصححه ابن السكن اهـ

قلت :ورواه الدارقطنی والخلعی فی فوائده بلفظ لم تنزعه حاجة إلا زيارتی وتصحيح ابن السكن إياه وإيراده له فی أثناء الصحاح له وكذا صححه عبد الحق فی سكوته عنه والسبكی فی رد مسألة الزيارة لابن تيمية باعتبار مجموع الطرق (تخريج احاديث الاحياء للعراقی، تحت رقم الحديث ٧٧٢)

لئے میری شفاعت واجب ہوجائے گی (دارقطنی، اصبہانی، بزاروغیرہ) ل

اس روایت کی سند پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے، اوراس کوضعیف وغیرہ قراردیا ہے۔ ۲

ل ثنا القاضی المحاملی ,نا عبید الله بن محمد الوراق ,نا موسی بن هلال العبدی , عن عبید الله بن عمر ,عن نافع ,عن ابن عمر ,قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :من زار قبری وجبت له شفاعتی (سنن الدارقطنی، رقم الحدیث ۲۶۹۵)

أخبرنا أحمد بن علی بن خلف، أنبأ أبو القاسم بن حبیب، ثنا أبو بکر أحمد بن سعد بن نصر بن بکار البخاری، ثنا أبو عبد الرحمن عبد الله، ثنا محمد بن إسماعیل الأحمسی، عن موسی بن هلال العنزی، عن عبید الله، عن نافع، عن ابن عمر قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم):(من زار قبری وجبت له شفاعتی(الترغیب والترهیب،للأصبهانی،رقم الحدیث ۱۰۸۱)

حدثنا محمد بن عبد العزیز الدینوری ، نا محمد بن إسماعیل بن سمرة ، نا موسی بن هلال العبدی ، عن عبد الله بن عمر العمری ، عن نافع ، عن ابن عمر ؛ أن النبی صلی الله علیه وسلم قال من زار قبری وجبت له شفاعتی (المجالسة وجواهر العلم،رقم الحدیث ۱۲۹)

حدثنا علی بن معبد بن نوح قال :حدثنا موسی بن هلال، قال :حدثنا عبد الله بن عمر أبو عبد الرحمن، أخو عبید الله عن نافع عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :من زار قبری وجبت له شفاعتی (الکنی والأسماء ،للدولابی ،رقم الحدیث ۱۴۸۳)

حدثنا قتیبة، ثنا عبد الله بن إبراهیم، ثنا عبد الرحمن بن زید، عن أبیه، عن ابن عمر، عن النبی صلی الله علیه وسلم :من زار قبری حلت له شفاعتی.

قال البزار :عبد الله بن إبراهیم لم یتابع علی هذا، وإنما یکتب ما یتفرد به (کشف الأستار عن زوائد البزار،رقم الحدیث ۱۱۹۸، باب زیارة قبر سیدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم)

۲ حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمی قال :حدثنا جعفر بن محمد البزوری قال :حدثنا موسی بن هلال البصری ، عن عبید الله بن عمر ، عن نافع ، عن ابن عمر قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من زار قبری فقد وجبت له شفاعتی .والروایة فی هذا الباب فیها لین(الضعفاء الکبیر للعقیلی،تحت رقم الحدیث ۱۹۲۰)

موسی بن هلال .حدثنا محمد بن موسی الحلوانی، حدثنا محمد بن إسماعیل بن سمرة، حدثنا موسی بن هلال عن عبد الله العمری عن نافع، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم.

من زار قبری وجبت له شفاعتی وقد روی غیر بن سمرة هذا الحدیث عن موسی بن هلال فقال عن عبید الله عن نافع، عن ابن عمر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن چونکہ اس مضمون کی گزشتہ اوراس کے علاوہ دیگراورروایات سے تائید ہوتی ہے، اس لئے ان سے مل کرمذکورہ روایت کاضعف کسی حدتک دورہوجاتا ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾ قال، وعبد الله أصح ولموسى غير هذا وأرجو أنه لا بأس به(الكامل فى ضعفاء الرجال ،لا بن عدى، ج۸،ص ۷۹، تحت رقم الترجمة ۱۸۳۴)

حديث :من زار قبرى ، وجبت له شفاعتى .رواه موسى بن هلال :عن عبدالله العمرى ، عن نافع ، عن ابن عمر .ورواه عن موسى :محمد بن إسماعيل بن سمرة .ورواه عنه محمد بن موسى الحلوانى ، ورواه غير ابن سمره :عن موسى ، عن عبيدالله ، عن نافع ، عن ابن عمر .وأرجو أنه لا بأس به (ذخيرة الحفاظ لمحمد بن طاهر المقدسى، تحت رقم الحديث ۵۳۲۳)

أخبرنا أبو سعد المالينى، أخبرنا أبو أحمد بن عدى الحافظ، حدثنا محمد بن موسى الحلوانى، حدثنا محمد بن إسماعيل بن سمرة، حدثنا موسى بن هلال، عن عبد الله العمرى، عن نافع، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من زار قبرى وجبت له شفاعتى ."وقيل عن موسى بن هلال العبدى، عن عبيد الله بن عمر.

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أخبرنا أبو الفضل محمد بن إبراهيم، حدثنا محمد بن زنجويه القشيرى، حدثنا عبيد الله بن محمد بن القاسم بن أبى مريم الوراق، وكان نيسابورى الأصل سكن بغداد، حدثنا موسى بن هلال العبدى، فذكره، وكذلك رواه الفضل بن سهل، عن موسى بن هلال، عن عبيد الله، وسواء قال عبيد الله أو عبد الله فهو منكر، عن نافع، عن ابن عمر لم يأت به غيره(شعب الايمان للبيهقى،رقم الحديث ۳۸۶۲، ورقم الحديث ۳۸۶۳)

وقال الهيثمى:رواه البزار وفيه عبد الله بن إبراهيم الغفارى، وهو ضعيف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث، ۵۸۴۱ باب زيارة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم)

ل عبد الله بن عمر، عن نافع عن ابن عمر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زار قبرى فقد وجبت له شفاعتى .تفرد بن موسى .وقد قال ابن عدى :أرجو أنه لا بأس به .وقال العقيلى :لا يصح حديثه ولا يتابع عليه .ثنا مطين، نا جعفر بن البزورى، نا موسى بن هلال البصرى، عن عبد الله بن عمر، عن نافع) عن ابن عمر، فذكره .أخبرنا أبو الحسن الهاشمى، أنا ابن روزبة، أنا أبو الوقت، أنا أبو إسماعيل الأنصارى، أنا أبو الحسين بن العالى، نا بشر بن أحمد نا ابن ناجية، نا عبيد بن محمد الوراق، نا موسى بن هلال العبدى، عن عبد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زارنى بعد موتى وجبت له شفاعتى .ورواه القاضى المحاملى، عن عبيد مثله .وهو حديث منكر .وفى الباب الأخبار اللينة مما يقوى بعضه بعضاً، لأن ما فى رواتها متهم بالكذب، والله أعلم .ومن أجودها إسناداً ما صح عن وكيع، نا ابن عون، وغيره، عن الشعبى، وأسود بن ميمون، عن هارون، عن أبى وزعة، عن حاطب :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى .وقال الطيالسى فى مسنده :حدثنى سوار بن ميمون العبدى :حدثنى رجل من آل عمر، عن عمر :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :من زار قبرى، أو قال من زارنى كنت له شفيعاً .الحديث .وقد أفردت أحاديث الزيادة فى جزء .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

بالخصوص جبکہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی فضیلت کے معاملہ تک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وعبد الله بن عمر لا يبلغ حديثه درجة الصحة .وقد قال ابن عدى :لا بأس به فى رواياته ولا يلحق أخاه (تاريخ الاسلام للامام الذهبى، ج ١١ ص ٢١٢، ٢١٣)

من زار قبرى وجبت له شفاعتى أشار ابن خزيمة إلى تضعيفه وروى كمن زارنى فى حياتى وضعفه البيهقى وكذا قال البيهقى طرقه كلها لينة ولكن يتقوى بعضها ببعض، وروى من زار قبرى كنت له شفيعا وشهيدا(تذكرة الموضوعات للفتنى، ج ١ ص ٧٥، باب فضل المدينة المشرفة وزيارتها)

من زار قبرى وجبت له شفاعتى.

قال فى الأصل رواه أبو الشيخ وابن أبى الدنيا وغيرهما عن ابن عمر وهو فى صحيح ابن خزيمة وأشار إلى تضعيفه ، وعند أبى الشيخ والطبرانى وابن عدى والدارقطنى والبيهقى ولفظهم كان كمن زارنى فى حياتى ، وضعفه البيهقى .وقال الذهبى طرقه كلها لينة لكن يتقوى بعضها ببعض لأن ما فى رواتها متهم بالكذب.

قال ومن أجودها إسناد حديث حاطب الذى أخرجه ابن عساكر وغيره من زارنى بعد فكأنما زارنى فى حياتى.وللطيالسى عن عمر مرفوعا من زار قبرى كنت له شفيعا أو شهيدا.

وللسبكى شفاء السقام فى زيارة خير الأنام وذكر فيه أحاديث كثيرة فى هذا المعنى.

وكذا ذكر ابن حجر المكى فى كتابه الجوهر المنظم أحاديث من هذا النمط :منها قوله عليه السلام من زارنى أو من زار قبرى إلى المدينة كنت له شفيعا وشهيدا ، وروى البيهقى عن أنس رضى الله تعالى عنه من زارنى فى المدينة محتسبا كنت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة(كشف الخفاء ، للعجلونى، ج٢،ص ٢٥٠،تحت رقم الحديث ٢٤٨٩)

والذى يبدو لى -والله تعالى أعلم -أن أصل حديث موسى بن هلال عن عبد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر يرفعه " :من زار قبرى وجبت له شفاعتى "هو الحديث المتقدم من رواية عيسى بن حفص -وهو عم عبد الله العمرى -وعبيد الله بن عمر -وهو أخو عبد الله -كلاهما عن نافع ، فأخطأ موسى بن هلال -أو عبد الله العمرى -فرواه باللفظ السابق ، وقد تقدم ذكر أمثلة كثيرة على خطأ عبد الله العمرى ، والله تعالى أعلم .

وهذه العلة -أى العلة الرابعة -لا تستغرب لأن كثيرًا من الأحاديث الضعيفة لها أصول صحيحة ، فيخطء الراوى الضعيف فى روايته إما من حيث اللفظ فيغير اللفظ ، وإما من حيث الإسناد فيغير الإسناد (تنقيح التحقيق لابن عبدالهادى،المقدمة، ص ٦١)

وعن ابن عمر عن النبى -صلى الله عليه وسلم : -من زار قبرى وجبت له شفاعتى أخرجه الدارقطنى بإسناد فيه موسى بن هلال العبدى قال أبو حاتم :مجهول العدالة، ورواه ابن خزيمة فى "صحيحه "من طريقه، وقال :إن صح الخبر فإن فى القلب من إسناده، وأخرجه البيهقى وقال العقيلى :لا يصح حديث موسى ولا يتابع عليه ولا يصح فى هذا الباب شىء .وقال أحمد :لا بأس به، وقد تابعه عليه مسلم بن سالم عند الطبرانى من طريقه، وقد صحح الحديث ابن السكن، وعبد الحق وتقى الدين السبكى(فتح الغفار الجامع لأحكام سنة نبينا المختار للصنعانى، رقم الترجمة، ٢٤٤٧)

محدود رکھا جائے، کیونکہ فضائل کے باب میں بعض شرائط کے ساتھ ضعیف حدیث قبول کر لی جاتی ہے۔ ۱؎

۱؎ فأما حديث " :من زار قبرى وجبت له شفاعتى . "
فإنه سكت عنه ، وهو فى إسناده العمرى ، وموسى بن هلال ، ولم يعرض لواحد منهما ، ولكن لا أراه صححه ، لكن تسامح فيه ، لأنه من رغائب الأعمال (بيان الوهم والإيهام فى كتاب الأحكام،لابن القطان، ج۴،ص ۲۰۰،تحت رقم الحديث ۱۶۹۲)
وذكر من طريق الدارقطنى عن ابن عمر قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " : - من زار قبرى وجبت له شفاعتى "قال :وذكره البزار أيضا .
هكذا سكت عنه ، وأراه تسامح فيه ؛ لأنه من الحث والترغيب على عمل .
وإسناده عند الدارقطنى هو هذا :حدثنا القاضى المحاملى ، حدثنا عبيد بن محمد الوراق ، حدثنا موسى بن هلال العبدى ، عن عبد الله بن عمر ، عن نافع ، عن ابن عمر ، قال :قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم " : - من زار قبرى وجبت له شفاعتى . "
وموسى بن هلال العبدى ، بصرى ، روى عن هشام بن حسان ، وعبد الله ابن عمر العمرى ، قال فيه أبو حاتم :مجهول .
هذا ، على أنه قد ذكر أن جماعة روت عنه ، وهم :أبو بجير :محمد ابن جابر المحاربى ، ومحمد بن إسماعيل الأحمسى ، وأبو أمية :محمد بن إبراهيم الطرسوسى ، وهذا عبيد بن محمد فى نفس هذا الإسناد ، ومع ذلك قال فيه :مجهول ، وهو كما قال .
وقد ذكره العقيلى أيضا فقال :موسى بن هلال البصرى ، سكن الكوفة ، عن عبد الله بن عمر ، لا يصح حديثه ، ولا يتابع عليه .
روى عنه جعفر بن محمد البزورى ، فهذه علة أخرى فيه -ولو كان معروفا -، وهو أنه لا يتابع .
فأما أبو أحمد بن عدى فإنه ذكر هذا الرجل بهذا الحديث ، ثم قال :ولموسى غير هذا ، وأرجو أنه لا بأس به .
وهذا من أبى أحمد قول صدر عن تصفح روايات هذا الرجل ، لا عن مباشرة لأحواله ، فالحق فيه أنه لم تثبت عدالته .
وإلى هذا ، فإن العمرى قد عهد أبو محمد يرد الأحاديث من أجله ، كما تقدم ذكره فى هذا الباب .
وأما قوله :وذكره البزار ، فاعلم أن البزار ذكره كما قال ، ولكن من طريق غير طريق الدارقطنى .
قال :حدثنا قتيبة -هو ابن المرزبان -قال :حدثنا عبد الله بن إبراهيم -يعنى ابن أبى عمرو الغفارى -قال :حدثنا عبد الرحمن بن زيد بن أسلم ، عن أبيه ، عن ابن عمر ، عن النبى -صلى الله عليه وسلم - قال " :من زار قبرى ؛ حلت له شفاعتى . "
قال :وعبد الله بن إبراهيم حدث بأحاديث لا يتابع عليها ، وكذا قال فيه أبو أحمد .
وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم ضعيف ، وأبو محمد يرد الأحاديث من أجله ، فذلك منه صواب ، والله الموفق (بيان الوهم والإيهام فى كتاب الأحكام،لابن القطان، ج۴،ص ۲۲۵، تحت رقم الحديث ۱۸۹۶)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے ہی مروی ایک تیسری روایت میں اس طرح کا مضمون آیا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری موت کے بعد میری قبر کی زیارت کی، تو وہ ایسا ہے، جیسا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی (طبرانی) [1]

اس حدیث کی سند میں بھی فی نفسہٖ ضعف پایا جاتا ہے۔ [2]

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی ہی سند سے ایک چوتھی روایت میں اس طرح کا مضمون مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حج کیا، پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی، تو وہ ایسا ہے، جیسا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی (طبرانی) [3]

اس حدیث کی سند میں بھی ضعف پایا جاتا ہے۔

مگر جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس کی تائید دوسری روایات سے ہوتی ہے، جن کے ساتھ مل کر یہ

---

[1] حدثنا أحمد بن رشدين، ثنا على بن الحسن بن هارون الأنصارى، ثنا الليث ابن بنت الليث بن أبى سليم، قال :حدثتنى جدتى عائشة بنت يونس امرأة الليث، عن ليث بن أبى سليم، عن مجاهد، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زار قبرى بعد موتى كان كمن زارنى فى حياتى (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۳۴۹۶ ،المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۲۸۷)

[2] قال الهيثمى:رواه الطبرانى فى الصغير، والأوسط وفيه عائشة بنت يونس ولم أجد من ترجمها(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۸۴۴، باب زيارة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم)

[3] حدثنا الحسين بن إسحاق التسترى، ثنا أبو الربيع الزهرانى، ثنا حفص بن أبى داود، عن ليث، عن مجاهد، عن ابن عمر، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من حج فزار قبرى بعد وفاتى كان كمن زارنى فى حياتى(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۳۴۹۷ ، المعجم الأوسط للطبرانى، رقم الحديث ۳۳۷۶، دارقطنى، رقم الحديث ۲۶۹۳)

روایت مقبول درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ ۱؎

۱؎ قال الطبرانی: لم یرو هذا الحدیث عن لیث إلا حفص.
وقال البیهقی: وروی حفص بن أبی داود، وهو ضعیف، عن لیث بن أبی سلیم، عن مجاهد، عن ابن عمر، مرفوعا " :من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی " أخبرناه أبو سعد المالینی، أخبرنا أبو أحمد بن عدی، حدثنا عبد الله بن محمد البغوی، حدثنا أبو الربیع الزهرانی، حدثنا حفص بهذا الحدیث .وأخبرنا علی بن أحمد بن عبدان، أخبرنا أحمد بن عبید، حدثنی محمد بن إسحاق الصفار، حدثنا ابن بکار، حدثنا حفص بن سلیمان، فذکره، وقال :قال رسول الله ﷺ :
تفرد به حفص وهو ضعیف فی روایة الحدیث(شعب الإیمان، تحت رقم الحدیث ۳۸۵۸)
وقال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر، والأوسط وفیه حفص بن أبی داود القارء؛ وثقه أحمد، وضعفه جماعة من الأئمة (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۵۸۴۳، باب زیارة سیدنا رسول الله صلی الله علیه وسلم)
وقال البوصیری: وعن ابن عمر -رضی اللّٰه عنهما -قال :قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم :-
"من حجَّ فزارنی بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی ."
رواه أبو یعلی والبیهقی فی سننه بسند فیه لیث بن أبی سلیم، والجمهور علی ضعفه(اتحاف الخیرة المهرة للبوصیری، تحت رقم الحدیث ۲۶۹۴، باب فضل مسجد المدینة المشرفة والصلاة فیه وما جاء فی زیارة قبر سیدنا رسول اللّٰه قیل والأدب عند زیارته)
وقال ابن الملقن: وله طریق ثان من حدیث ابن عمر قال :قال رسول الله -صلی الله علیه وسلم :-
من حج فزار قبری بعد وفاتی فکأنما زارنی فی حیاتی رواه الدارقطنی أیضا من حدیث حفص بن أبی داود، عن لیث بن ابی سلیم، عن مجاهد، عن (ابن عمر) ، ورواه ابن عدی بلفظ :من حج (فزارنی) بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی وصحبنی .ولیث هذا حسن الحدیث، ومن ضعفه إنما ضعفه لاختلاطه بأخرة، وحفص هذا هو (ابن سلیمان) ، قال ابن عدی :وأبو الربیع الزهرانی یسمیه حفص بن أبی داود لضعفه، وهو حفص (بن سلیمان) (الغاضری) المقرء (الإمام .قال البخاری : ترکوه) (ووثقه وکیع، قال أحمد :صالح .وفی روایة عنه :ما به بأس) وقال یحیی بن معین فی روایة أحمد بن محمد الحضرمی :لیس بشیء ، ومن أحادیثه :صنائع المعروف تقی مصارع السوء ، وصدقة السر تطفء غضب الرب .وقال البیهقی :تفرد به حفص، وهو ضعیف .ورواه أبو یعلی الموصلی بزیادة کثیر بن شنظیر (بین) حفص و لیث بلفظ :من حج فزارنی بعد وفاتی (عند) قبری فکأنما زارنی فی حیاتی .و کثیر هذا من رجال الصحیحین وإن لینه أبو زرعة، وصوب ابن عساکر الروایة التی بإسقاطه، علی أن حفصا هذا تابعه علی بن الحسن بن هارون الأنصاری .رواه الطبرانی فی أوسط معاجمه و أکبرها من حدیث أحمد بن رشدین عنه، عن اللیث ابن بنت اللیث بن أبی سلیم قال :حدثتنی جدتی عائشة بنت یونس امرأة اللیث، عن لیث بن أبی سلیم، عن مجاهد، عن ابن عمر مرفوعا :من زار قبری کان کمن زارنی فی حیاتی .ووهم بعضهم فجعل حفصا جعفر بن سلیمان الضبعی، کما نبه علیه ابن عساکر أبو الیمن بن أبی الحسن فی کتابه إتحاف الزائر ، قال: وتفرد بقوله :وصحبنی الحسن بن الطیب، وفیه نظر (البدرالمنیر، ج۶ ص۲۹۳، الیٰ ۲۹۵، کتاب الحج، باب دخول مکة ومایتعلق به،الحدیث السادس بعد التسعین)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی بڑی فضیلت ہے، جو مجموعی طور پر کئی روایات سے ثابت ہے۔

البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک روایت میں اس طرح کا مضمون آیا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حج کیا، پھر میری زیارت نہیں کی، تو اس نے میرے ساتھ ظلم وزیادتی کی (ابن عدی) [1]

مگر اس روایت کی سند کو محدثین نے غیر صحیح اور موضوع یا شدید ضعیف قرار دیا ہے۔

اور انصاف و دیانت داری کی رُو سے واقعی یہ روایت شدید ضعیف ہے، جس کی کسی اور قابلِ ذکر روایت سے تائید بھی نہیں ہوتی، اور خود یہ روایت بھی اس قابل نہیں کہ اس سے ہر حج کرنے والے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت نہ کرنے کو ظلم سے تعبیر کیا جاسکے، جس کا درجہ گناہ سے کم نہیں ہے۔

بالخصوص جبکہ فقہائے کرام نے حج کی فرضیت کے لئے مدینہ منورہ حاضری کے اخراجات کو ضروری قرار نہیں دیا۔

چنانچہ اگر کسی کو مدینہ منورہ حاضری کے اخراجات میسر نہ ہوں، لیکن اس کو حج کی استطاعت ہو، تب بھی اس پر حج کی فرضیت کا حکم لگایا ہے، اسی طرح اگر کسی پر حج فرض نہ ہو، یا وہ فرض حج ادا کر چکا ہو، اور اُسے مدینہ منورہ حاضری کی استطاعت ہو، تو اس پر بھی مدینہ منورہ حاضری کو فرض و ضروری قرار نہیں دیا۔

اور اسی وجہ سے اکثر اور جمہور فقہائے کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کو فرض یا

---

[1] النعمان بن شبل الباهلی البصری. سمعت إبراهيم بن محمد بن عيسى يقول: سمعت موسى بن هارون الحمال يقول النعمان بن شبل البصری كان متهما...... حدثنا علی بن إسحاق، حدثنا محمد بن محمد بن النعمان بن شبل، حدثنی جدی، حدثنی مالک عن نافع، عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج البيت فلم يزرنی فقد جفانی (الكامل فی ضعفاء الرجال، ج۸، ص۲۴۸، تحت رقم ۱۹۵۶)

واجب وغیرہ کے بجائے سنت ومستحب قرار دیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [1]

[1] قال العجلوني: من لم يزرني فقد جفاني . ذكره في الإحياء بلفظ من وجد سعة ولم يغد إلى فقد جفاني. ولم يخرجه العراقي بل أشار إلى ما أخرجه ابن النجار في تاريخ المدينة عن أنس بلفظ ما من أحد من أمتي له سعة ثم لم يزرني إلا وليس له عذر.
ولابن عدي في الكامل وابن حبان في الضعفاء والدارقطني في العلل وغرائب مالك وآخرين جميعا عن ابن عمر رفعه من حج ولم يزرني فقد جفاني ولا يصح والله أعلم (كشف الخفاء للعجلوني، تحت رقم الحديث ۲۱۱۲)
وقال السخاوي: حَدِيث :مَنْ لَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي، ذكره الغزالي في الإحياء بلفظ :من وجد سعة ولم يغد إلى فقد جفاني، ولم يخرجه العراقي، بل أشار إلى ما أخرجه ابن النجار في تاريخ المدينة مما هو في معناه عن أنس بلفظ:ما من أحد من أمتي له سعة، ثم لم يزرني إلا وليس له عذر. قلت : ولابن عدي في الكامل، وابن حبان في الضعفاء ، والدارقطني في العلل، وغرائب مالك، وآخرين، كلهم على ابن عمر مرفوعا :من حج ولم يزرني فقد جفاني، ولا يصح (المقاصد الحسنة، تحت رقم الحديث ۱۱۷۸)
وقال ابن العراق الكناني: (حديث) من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني (حب عد) من حديث ابن عمر وفيه محمد بن النعمان بن شبل وهو المتهم به (تعقب) بأن الزركشي قال في تخريج أحاديث الرافعي :الحديث ضعيف وبالغ ابن الجوزي فذكره في الموضوعات .
(قلت) وأورده الذهبي في الميزان، في ترجمة النعمان بن شبل من عند ابن عدي، وأعقبه بقوله هذا موضوع فأوهم أنه من كلام ابن عدي، وقد تعقبه الحافظ ابن حجر في اللسان، فقال لم يقل ابن عدي هذا موضوع، وإنما هذا كلام المصنف .
وقد تبع في ذلك ابن الجوزي وقد قال ابن عدي لم أر في حديث النعمان حديثا غريبا جاوز الحد انتهى، وجاء من حديث أنس بلفظ ما من أحد من أمتي له سعة ثم لم يزرني فليس له عذر، أخرجه ابن النجار في تاريخ المدينة والله أعلم (تنزيه الشريعة المرفوعة، تحت رقم الحديث ۸، ج۲، ص۱۷۲)
وقال السيوطي: حديث من حج ولم يزرني فقد جفاني.
ابن عدي، والدار قطني في "العلل "وابن حبان في "الضعفاء . "والخطيب في "رواة مالك " بسند ضعيف جدا عن ابن عمر (الدررالمنتثرة، ج۱، ص۱۹، حرف الميم)
وقال الحافظ العسقلاني: ورواه الخطيب في الرواة عن مالك في ترجمة النعمان بن شبل ، وقال : إنه تفرد به عن مالك ، عن نافع ، عن ابن عمر بلفظ :(من حج ولم يزرني فقد جفاني).
وذكره ابن عدي ، وابن حبان في ترجمة النعمان ، والنعمان ضعيف جدا ، وقال الدارقطني :الطعن في هذا الحديث على ابنه لا على النعمان (التلخيص الحبير، ج۳، ص۲۵۶)
وقال الحافظ العسقلاني: النعمان بن شبل الباهلي بصري: عن أبي عوانة ومالك قال موسى بن هارون :كان متهماً وقال بن حبان :يأتي بالطامات وقال ابن عدي :حدثنا علي بن إسحاق حدثنا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک روایت درجِ ذیل مفہوم کی مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی، یا یہ فرمایا کہ جس نے میری زیارت کی، تو میں اس کی شفاعت کروں گا، یا اس کا گواہ بنوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محمد بن النعمان بن شبل حدثنی أبی حدثنی مالک عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما مرفوعاً "من حج فلم یزرنی فقد جفانی "هذا موضوع (لسان المیزان، ج۳، ص۷۵، من اسمه النعمان ونعمة)

وقال ابن طاهر المقدسی: من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی. فیه النعمان بن شبل یأتی عن الثقات بما لیس من حدیثهم (کتاب معرفة التذکرة، تحت رقم الحدیث ۷۸۶)

وقال ابن طاهر المقدسی: حدیث :من حج البیت ؛ فلم یزرنی ؛ فقد جفانی .رواة النعمان بن شبل الباهلی :عن مالک بن أنس ، عن نافع ، عن ابن عمر .ولم یروه عن مالک غیره .وقال موسی بن هارون :کان النعمان هذا یتهم (ذخیرة الفاظ، تحت رقم الحدیث ۵۲۴۸)

وقال ابن حبان: النعمان بن شبل: من أهل البصرة، یروی عن أبی عوانة ومالک أخبرنا عنه الحسن بن سفیان، یأتی عن الثقات بالطامات، وعن الاثبات بالمقلوبات.

روی عن مالک عن نافع عن ابن عمر قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " :من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی "أخبرناه أحمد بن عبید بهمدان قال :حدثنا محمد بن محمود بن النعمان بن شبل أبو شبل قال :حدثنا جدی قال :حدثنا مالک عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنه (المجروحین، ج۳، ص۷۳)

وقال ابن عثمان: النعمان بن شبل الباهلی .بصری.عن أبی عوانة، ومالک .قال موسی بن هارون: کان متهما.وقال ابن حبان :یأتی بالطامات.وقال ابن عدی :حدثنا علی بن إسحاق، حدثنا محمد بن النعمان بن شبل، حدثنی أبی، حدثنی مالک، عن نافع، عن ابن عمر -مرفوعا :

من حج فلم یزرنی فقد جفانی .هذا موضوع (میزان الاعتدال، ج۴، ص۲۶۵، تحت رقم الترجمة ۹۰۹۵)

وقال برهان الدین الحلبی: النعمان بن شبل الباهلی عن أبی عوانة ومالک قال الذهبی قال موسی بن هارون کان متهما وقال بن حبان یأتی بالطامات وقال بن عدی حدثنا علی بن إسحاق ثنا محمد بن النعمان بن شبل حدثنی جدی حدثنی مالک عن نافع عن بن عمر رضی الله عنهما مرفوعا من حج فلم یزرنی فقد جفانی هذا موضوع انتهی .

وقد ذکره بن الجوزی فی موضوعاته وأشرت إلیه فی ترجمة محمد بن محمد النعمان لأن الدارقطنی أتهمه به ولم یتهم به النعمان فأعلمه.

والظاهر من قول الذهبی عن موسی بن هارون أتهمه یعنی بالوضع ویرجح ذلک قول الدارقطنی الطعن فی هذا الحدیث من محمد لا من النعمان والله أعلم (الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث، ج ۱، ص۲۶۷)

گا (مسند ابوداؤد طیالسی، بیہقی) [۱]

اس حدیث کی سند میں بھی فی نفسہٖ ضعف پایا جاتا ہے۔ [۲]

---

[۱] حدثنا أبو داود قال: حدثنا سوار بن ميمون أبو الجراح العبدى، قال: حدثنى رجل من آل عمر، عن عمر رضى الله عنه، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من زار قبرى أو قال: من زارنى كنت له شفيعا أو شهيدا ومن مات فى أحد الحرمين بعثه الله فى الآمنين يوم القيامة (مسند ابى داوٗد الطيالسى، رقم الحديث ٦٥)

أخبرنا أبو بكر بن فورك، أخبرنا عبد الله بن جعفر، حدثنا يونس بن حبيب، حدثنا أبو داود، حدثنا سوار بن ميمون أبو الجراح العبدى، حدثنى رجل من آل عمر، عن عمر، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :من زار قبرى "أو قال " :من زارنى كنت له شفيعا أو شهيدا، ومن مات فى أحد الحرمين بعثه الله من الآمنين يوم القيامة (شعب الإيمان للبيهقى، رقم الحديث ٣٨٥٧)

[۲] قال البيهقى: أخبرنا أبو بكر بن فورك ,أنا عبد الله بن جعفر ,ثنا يونس بن حبيب ,ثنا أبو داود ,ثنا سوار بن ميمون أبو الجراح العبدى ,قال: حدثنى رجل من آل عمر ,عن عمر رضى الله عنه ,قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ,يقول " :من زار قبرى , "أو قال " :من زارنى ,كنت له شفيعا "أو "شهيدا ,ومن مات فى أحد الحرمين بعثه الله فى الآمنين يوم القيامة " هذا إسناد مجهول (السنن الكبرى للبيهقى، رقم الحديث ١٠٢٧٣)

وقال البوصيرى: رواه أبوداود الطيالسى بسند ضعيف لجهالة التابعى، ورواه البزار بزيادة طويلة، ورواه البيهقى وقال: إسناد مجهول، وله شاهد من حديث سبيعة رواه أبو يعلى والطبرانى فى الكبير بسند صحيح (اتحاف الخيرة تحت رقم الحديث ٢٦٩١)

وقال ابن الملقن: من زار قبرى -أو قال: من زارنى- كنت له شفيعا أو شهيدا، ومن مات فى أحد الحرمين بعثه الله فى الآمنين يوم القيامة. قال البيهقى: هذا إسناد مجهول. وقال المنذرى: فى إسناده نظر (البدرالمنير، ج٦ ص٢٩٨، كتاب الحج، باب دخول مكة ومايتعلق به،الحديث السادس بعد التسعين)

وقال العراقى: وقال أبو داود الطيالسى فى مسنده حدثنا سوار بن ميمون أبو الجراح المعبرى قال حدثنى رجل من آل عمر عن عمر قال سمعت رسول الله -صلّى الله عليه وسلم- يقول من زارنى لا يهمه إلا زيارتى كنت له شفيعاً أو شهيداً ومن مات بأحد الحرمين بعثه الله من الآمنين فهذه ثلاثة أحاديث أوردها المصنف وفى الباب أحاديث أخر منها عن أنس رضى الله عنه قال لما خرج رسول الله -صلّى الله عليه وسلم- من مكة أظلم منها كل شىء ولما دخل المدينة أضاء منها كل شىء فقال رسول الله -صلّى الله عليه وسلم- المدينة بها قبرى وبها بيتى وتربتى وحق على كل مسلم زيارتها أخرجه أبو داود وعنه أيضاً من زارنى بالمدينة محتسباً كنت له شفيعا أو شهيداً يوم القيامة أخرجه البيهقى وابن الجوزى فى مثير العزم وأخرجه ابن أبى الدنيا فى كتاب القبور حدثنا سعيد بن عثمان الجرجانى حدثنا ابن أبى فديك أخبرنى أبو المثنى سليمان بن يزيد الكعبى عن أنس فساقه وسليمان ضعفه ابن حبان والدارقطنى (تخريج احاديث الاحياء للعراقى، تحت رقم الحديث ٧٧٢)

اور حضرت حاطب کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث درجِ ذیل مفہوم کی مروی ہے کہ:

جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی، تو اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی (دارقطنی) [1]

اس حدیث کی سند میں بھی فی نفسہٖ ضعف پایا جاتا ہے۔

کیونکہ اس میں ایک راوی مجہول ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا أبو عبيد ،والقاضى أبو عبد الله ،وابن مخلد،قالوا :نا محمد بن الوليد البسرى ,نا وكيع، نا خالد بن أبى خالد ،وأبو عون عن الشعبى ، والأسود بن ميمون ، عن هارون بن أبى قزعة ،عن رجل من آل حاطب ،عن حاطب ،قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى ،ومن مات بأحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة(سنن الدارقطنى، رقم الحديث ۲۶۹۴، شعب الايمان، رقم الحديث ۳۸۵۵)

[2] قال البيهقى: كذا وجدته فى كتابى، وقال غيره :سوار بن ميمون، وقيل ميمون بن سوار، ووكيع هو الذى يروى عنه أيضا، وفى تاريخ البخارى ميمون بن سوار العبدى، عن هارون أبى قزعة، عن رجل من ولد حاطب، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من مات فى احد الحرمين "، قال يوسف بن راشد :حدثنا وكيع، حدثنا ميمون.

وقال ابن الملقن: روى أنه -صلى الله عليه وسلم -قال :من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى، ومن زار قبرى فله الجنة .هذا الحديث مأخوذ من حديثين:

أحدهما :من حديث هارون أبى قزعة، عن رجل من آل حاطب، عن حاطب (قال) : قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى، ومن مات فى أحد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة .(أخرجه الدارقطنى كذلك) ، وهذا الرجل مجهول كما (ترى) (البدرالمنير، ج۶ص۲۹۳، الىٰ ۲۹۹، كتاب الحج، باب دخول مكة ومايتعلق به،الحديث السادس بعد التسعين)

وعن رجل من آل حاطب رفعه من زارنى متعمداً كان فى جوارى يوم القيامة الحديث أخرجه البيهقى وهو مرسل والرجل المذكور مجهول وزاد عبد الواحد التميمى فى جواهر الكلام من زارنى إلى المدينة ورواه عن أنس وعن أبى هريرة مرفوعاً من جاء مسجدى هذا لم يأته إلا بخير يتعلمه أو يعلمه فهو بمنزلة المجاهد فى سبيل الله ومن جاء لغير ذلك فهو بمنزلة الرجل ينظر إلى متاع غيره أخرجه ابن أبى شيبة وابن ماجه والحاكم والبيهقى وعن ابن عباس من حج إلى مكة ثم قصدنى فى مسجدى كتب له حجتان مبرورتان أخرجه الديلمى (تخريج احاديث الاحياء للعراقى، تحت رقم الحديث ۷۷۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث درجِ ذیل مفہوم کی مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے میری حیات میں میری زیارت کی، اور جس نے میری زیارت کی، یہاں تک کہ وہ میری قبر تک پہنچ گیا تو میں قیامت کے دن اس کے لئے گواہ بنوں گا، یا یہ فرمایا کہ اس کی شفاعت کروں گا (ضعفاء الکبیر) [1]

اس حدیث کی سند کو محدثین نے شدید ضعیف اور بعض نے غیر محفوظ اور موضوع قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] فضالة بن سعيد بن زميل المأربى عن محمد بن يحيى المأربى ، وحديثه ، غير محفوظ ، ولا يعرف إلا به. حدثناه سعيد بن محمد الحضرمى ، حدثنا فضالة بن سعيد بن زميل المأربى ، حدثنا محمد بن يحيى المأربى ، عن ابن جريج ، عن عطاء ، عن ابن عباس قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من زارنى فى مماتى كان كمن زارنى فى حياتى ، ومن زارنى حتى ينتهى إلى قبرى كنت له شهيدا يوم القيامة أو قال : شفيعا وهذا يروى بغير هذا الإسناد من طريق أيضا فيه لين(الضعفاء الكبير للعقيلى، رقم الحديث ١٦٦٤)

[2] قلت :(و) روى أيضا من حديث ابن عباس، رواه العقيلى فى تاريخ الضعفاء من حديث فضالة بن سعيد أبى زميل (المأربى) ، عن محمد بن يحيى (المأربى) ، عن ابن جريج، عن عطاء ، عن ابن عباس مرفوعا :من زارنى فى مماتى (فكان) كمن زارنى فى حياتى، ومن زارنى حتى ينتهى إلى قبرى كنت له يوم القيامة شهيدا -أو قال :شفيعا .قال العقيلى :فضالة بن سعيد عن محمد بن يحيى لا يتابع على حديثه، ولا يعرف إلا به .وفيه أيضا من حديث هارون بن قزعة عن رجل من آل الخطاب عن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :من زارنى (متعمدا) كان فى (جوارى) يوم القيامة .قال البخارى :(هارون) مدينى، لا يتابع عليه (البدرالمنير، ج٦ص٢٩٣، الىٰ ٢٩٩، كتاب الحج، باب دخول مكة ومايتعلق به،الحديث السادس بعد التسعين)

وقال الحافظ العسقلانى: فضالة بن سعيد بن زميل المازنى :عن محمد بن يحيى المازنى قال العقيلى :حديثه غير محفوظ حدثنا سعيد بن محمد الحضرمى حدثنا فضالة حدثنا محمد بن يحيى عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضى الله عنه مرفوعاً " :من زارنى فى مماتى كان كمن زارنى فى حياتى . "قلت :هذا موضوع على بن جريج ويروى فى هذا شىء أمثل من هذا انتهى وبقية كلام العقيلى ولا يعرف إلا به وكذا نقله بن عساكر عن العقيلى وقال أبو نعيم :روى المناكير لا شىء (لسان الميزان، ج٢، ص ٢٩١)

وقال ابو عثمان: فضالة بن سعيد بن زميل المأربى. عن محمد بن يحيى المأربى. قال العقيلى : حديثه غير محفوظ، حدثناه سعيد بن محمد الحضرمى، حدثنا فضالة، حدثنا محمد بن يحيى، عن ابن جريج، عن عطاء ، عن ابن عباس -مرفوعا :من زارنى فى مماتى كان كمن زارنى فى حياتى. قلت :هذا موضوع على ابن جريج .ويروى فى هذا شىء أمثل من هذا. (ميزان الاعتدال، تحت رقم الترجمة ٦٧٠٩، ج٣، ص٣٤٨، و٣٤٩)

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی فضیلت مختلف احادیث وروایات میں مذکور ہے، جن میں سے اگرچہ بعض روایات سند کے لحاظ سے غیر صحیح، موضوع یا شدید ضعیف وکمزور ہیں، لیکن بعض روایات اتنی شدید ضعیف وکمزور نہیں ہیں، اور وہ روایات ایک دوسرے کی تائید کرنے کی وجہ سے صحیح یا کم ازکم حسن ومقبول درجہ حاصل کرلیتی ہیں، اوران سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی فضیلت کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔

البتہ بعض روایات میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت نہ کرنے کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے، اوران سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت نہ کرنے کا گناہ یا شدید ترین گناہ ہونا معلوم ہوتا ہے، اُن کی سند غیر معمولی ضعیف ہے۔

نیز فی نفسہٖ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنا باوجودیکہ انتہائی مبارک اور فضیلت والا عمل ہے، لیکن اس کا درجہ حج کے فرض کی طرح نہیں ہے، بلکہ جمہور اہلِ علم حضرات کے نزدیک سنت ومستحب درجہ کا عمل ہے۔

پس جولوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی حاضری کو حج کی طرح فرض یا ضروری سمجھتے ہیں، یا نعوذ باللہ تعالیٰ اس کو حج پر بھی ترجیح دیتے ہیں، یہ طرزِ عمل غلو اور حد سے تجاوز میں داخل ہے۔

اوراس کے برعکس جولوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں، اوراس سے بڑھ کر نعوذ باللہ تعالیٰ اس کو بدعت خیال کرتے ہیں، یہ طرزِ عمل بھی اعتدال پر مبنی نہیں ہے، اورحق واعتدال ان دونوں طریقوں کے درمیان ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری سنت ومستحب درجہ کا عمل ہے، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

مسئلہ نمبر ۸...... صحیح احادیث میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اپنی قبور مبارک میں زندہ

ہونے اور بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی قبر مبارک میں زندہ ہونے اور قبر مبارک کے پاس آ کر آپ کو سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دینے کی وضاحت پائی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اَلْأَنْبِیَاءُ أَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ (مسند أبی یعلی الموصلی) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیائے کرام صلی اللہ علیہم وسلم اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور نماز پڑھتے ہیں (ابویعلیٰ، بزار)

یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے، اور بعض سندوں میں اگرچہ کچھ ضعف پایا جاتا ہے، لیکن اس کی بعض سندیں بالکل صحیح ہیں، اور مجموعی طور پر یہ حدیث سند کے لحاظ سے درست ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٣٣١، مسند البزار رقم الحديث ٦٣٩١ ورقم الحديث ٦٨٨٨، أخبار أصبهان رقم الحديث ٤٠٣٦٥، ما ورد فی حياة الأنبياء بعد وفاتهم للبيهقی ص ١.

[2] قال الهيثمی: رواه أبو يعلی والبزار، ورجال أبی يعلی ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٣٨١٢، ج٨ص ٢١١، باب ذكر الأنبياء صلی اللہ علیہ وسلم)

وقال البيهقی: ولحياة الأنبياء بعد موتهم صلوات الله عليهم شواهد من الأحاديث الصحيحة (ما ورد فی حياة الأنبياء بعد وفاتهم، حواله بالا)

وقال ابن حجر: وقد جمع البيهقی كتابا لطيفا فی حياة الأنبياء فی قبورهم أورد فيه حديث أنس الأنبياء أحياء فی قبورهم يصلون أخرجه من طريق يحيی بن أبی كثير وهو من رجال الصحيح عن المستلم بن سعيد وقد وثقه أحمد وبن حبان عن الحجاج الأسود وهو بن أبی زياد البصری وقد وثقه أحمد وبن معين عن ثابت عنه وأخرجه أيضا أبو يعلی فی مسنده من هذا الوجه وأخرجه البزار لكن وقع عنده عن حجاج الصواف وهو وهم والصواب الحجاج الأسود كما وقع التصريح به فی رواية البيهقی وصححه البيهقی وأخرجه أيضا من طريق الحسن بن قتيبة عن المستلم وكذلک أخرجه البزار وبن عدی والحسن بن قتيبة ضعيف (فتح الباری، كتاب الجهاد، باب قول الله تعالی واذكر فی الكتاب مريم)

وقال الالبانی: قلت :و هذا إسناد جيد، رجاله كلهم ثقات، غير الأزرق هذا قال الحافظ فی " التقريب " : "صدوق يغرب . "و لم يتفرد به، فقد أخرجه أبو نعيم فی "أخبار أصبهان " (٨٣/٢) من طريق عبد الله بن إبراهيم بن الصباح عن عبد الله بن محمد بن يحيی بن أبی بكير حدثنا يحيی بن أبی بكير به .أورده فی ترجمة ابن الصباح هذا، و لم يذكر فيه جرحا و لا تعديلا، و عبد الله بن محمد بن يحيی بن أبی بكير، فترجمه الخطيب (٨/١٠) و قال " :سمع جده يحيی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (سنن أبي داوٗد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بھی مجھ پر سلام کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتے ہیں، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں (ابوداؤد، مسند احمد، بیہقی)

یہ حدیث سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔ [2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امتیوں کے سلام کا جواب مرحمت فرماتے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بن أبي بكير قاضي كرمان ...و كان ثقة . "فهذه متابعة قوية للأزرق ، تدل على أنه قد حفظ و لم يغرب .و كأنه لذلك قال المناوى فى "فيض القدير "بعد ما عزاه أصله لأبى يعلى " :و هو حديث صحيح . "و لكنه لم يبين وجهه ، و قد كفيناك مؤنته ، و الحمد لله الذى هدانا لهذا و ما كنا لنهتدى لولا أن هدانا الله .هذا .و قد كنت برهة من الدهر أرى أن هذا الحديث ضعيف لظنى أنه مما تفرد به ابن قتيبة -كما قال البيهقى -و لم أكن قد وقفت عليه فى "مسند أبى يعلى "و" أخبار أصبهان . "فلما وقفت على إسناده فيهما تبين لى أنه إسناد قوى و أن التفرد المذكور غير صحيح ، و لذلك بادرت إلى إخراجه فى هذا الكتاب تبرئة للذمة و أداء للأمانة العلمية و لو أن ذلك قد يفتح الطريق لجاهل أو حاقد إلى الطعن و الغمز و اللمز ، فلست أبالي بذلك ما دمت أنى أقوم بواجب دينى أرجو ثوابه من الله تعالى وحده .فإذا رأيت أيها القارىء الكريم فى شىء من تآليفى خلاف هذا التحقيق ، فأضرب عليه و اعتمد هذا و عض عليه بالنواجذ ، فإنى لا أظن أنه يتيسر لك الوقوف على مثله .و الله ولى التوفيق (السلسلة الصحيحة للالبانى تحت حديث رقم ۲۲۱)

[1] رقم الحديث ۲۰۴۳، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، مسند احمد رقم الحديث ۱۰۸۱۵، شعب الايمان، باب فى تعظيم النبى ﷺ وإجلاله وتوقيره ﷺ، السنن الكبرىٰ للبيهقى رقم الحديث ۱۰۵۶۹.

[2] قال العراقي: أخرجه أبو داود من حديث أبى هريرة بسند جيد (تخريج احاديث الاحياء ، تحت حديث رقم ۱۰۱۳)

وقال ابن الملقن :قلت :رواه ابو داود بإسناد جيد (البدرالمنير ، الحديث السادس بعد الخمسين)

وقال ابن حجر:ورواته ثقات(فتح البارى، باب قول الله تعالى واذكر فى الكتاب مريم الخ)

وقال المناوى: قال فى الأذكار والرياض :إسناده صحيح وقال ابن حجر :رواته ثقات (فيض القدير تحت حديث رقم ۷۹۸۶)

ہیں، اور گزشتہ حدیث سے انبیاء کا اپنی قبور میں زندہ ہونا معلوم ہو چکا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ : وَالَّذِیْ نَفْسُ أَبِی الْقَاسِمِ بِيَدِهٖ لَيَنْزِلَنَّ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِمَامًا مُقْسِطًا وَحَكَمًا عَدْلًا ، فَلَيُكْسِرَنَّ الصَّلِيْبَ ، وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيْرَ ، وَلَيُصْلِحَنَّ ذَاتَ الْبَيْنِ ، وَلَيُذْهِبَنَّ الشَّحْنَاءَ، وَلَيُعْرَضَنَّ عَلَيْهِ الْمَالُ فَلَا يَقْبَلُهٗ ، ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِیْ فَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ لَأُجِيْبَنَّهٗ(مسند أبی يعلی الموصلی، رقم الحديث ۶۵۸۴) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ قسم ہے اس رب العزت کی، جس کے قبضہ میں ابوالقاسم (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، کہ عیسیٰ بن مریم ضرور بالضرور امام منصف اور حاکم وعادل ہو کر نازل ہونگے، اور وہ ضرور صلیب کو توڑیں گے، اور خنزیر کو قتل کریں گے، اور باہمی اختلافات میں صلح کرائیں گے، اور کینہ کو ختم فرمادیں گے، اور ضرور ان پر مال پیش کیا جائے گا لیکن وہ اس کو قبول نہ کریں گے، پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں کہ اے محمد (آپ پر سلام ہو) تو میں ضرور ان کو جواب دوں گا (ابو یعلیٰ)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک پر خطاب کرنے اور اس خطاب کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے کی تصریح کی ہے، اور اگلی روایت میں سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کی صاف طور پر تصریح ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت یہ ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَيَهْبِطَنَّ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا ، وَإِمَامًا مُقْسِطًا وَلَيَسْلُكَنَّ فَجًّا حَاجًّا ، أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ

---

[1] قال الهيثمی: رواه أبو يعلی ورجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد ج۸ص ۲۱۱، تحت رقم الحديث ۱۳۸۱۳، باب ذكر الأنبياء صلی الله عليهم وسلم)

بِنِيَّتِهِمَا وَلَيَأْتِيَنَّ قَبْرِیْ حَتّٰى يُسَلِّمَ وَلَأَرُدَّنَّ عَلَيْهِ (مستدرک حاکم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم ضرور بالضرور حاکم عادل اور امام منصف ہو کر نازل ہونگے، اور وہ ضرور دور دراز کے راستے سے حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت سے جائیں گے، اور وہ ضرور میری قبر پر آئیں گے، یہاں تک کہ وہ سلام کریں گے، اور میں ضرور ان کے سلام کا جواب دوں گا (حاکم)

مذکورہ صحیح اور صریح احادیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم اپنی قبور میں سب انسانوں سے زیادہ افضل وارفع اور اور اعلیٰ واقویٰ حیات رکھتے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کے قبور میں اجسام صحیح سلامت رہتے ہیں، اور وہ پیش کئے گئے سلام کو سماعت فرماتے ہیں، اور سلام کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں۔ [2]

اگر کسی کو شبہ ہو کہ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیوں کی طرف سے پیش کئے جانے والے سلام کے جواب دینے کا تو ذکر ہے، مگر درود کے جواب کا ذکر نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ سلام تو ایسا عمل ہے کہ جس کے جواب کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ضرورت ہے (جیسا کہ سلامِ تحیہ میں جواب کی ضرورت ہوتی ہے) لیکن درود ایسا

---

[1] رقم الحديث ۴۱۶۲.
قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه بهذه السياقة.
وقال الذهبي في التلخيص: صحيح.

[2] يؤخذ من هذه الاحاديث انه ﷺ حي على الدوام وذلك انه محال ان يخلو الوجود كله من واحد يسلم عليه في ليل ونهار ونحن نؤمن ونصدق بانه ﷺ حي يرزق في قبره وان جسده الشريف لاتأكله الارض، والاجماع علىٰ هذا (القول الحبيب في الصلاة على الحبيب الشفيع ص ۱۷۱، ۱۷۲، الباب الرابع)

قال أبو منصور البغدادي: قال المتكلمون المحققون من أصحابنا: إن نبينا -صلى الله عليه وسلم- حي بعد وفاته وإنه يسر بطاعة أمته، وإن الأنبياء لا يبلون مع أنا نعتقد ثبوت الإدراكات كالعلم والسماع لسائر الموتى ونقطع بعود حياة كل ميت في قبره وبنعيم القبر وعذابه وهما من الأعراض المشروطة بالحياة لكن من غير توقف على بنية، وأما أدلة الحياة في الأنبياء فمقتضاها أنها مع البنية (الفواكه الدواني لاحمدبن غنيم المالكي، ج ۱، ص ۹۶، الفائدة الخامسة في الدخان والريح التي الخ)

عمل نہیں کہ جس کے جواب کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ضرورت ہو، بلکہ درود پاک کے عمل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسرور اور خوش ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اور درجات بلند فرماتے ہیں، گناہ معاف فرماتے ہیں، نیکیاں عطا فرماتے ہیں، اور فرشتے اس کے حق میں برکت ورحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری دوسری کتاب ''درود وسلام کے فضائل واحکام'')

مسئلہ نمبر۹ ...... مدینہ منورہ میں داخل ہونے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ مسجدِ نبوی میں داخل ہو کر نماز پڑھنے کے عظیم ثواب کو حاصل کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری کی نیت کرے۔

اور اگر بسہولت ممکن ہو تو مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کر کے صاف ستھرا لباس پہن لے۔

اور مدینہ منورہ میں جب تک قیام رہے، اس وقت تک مسجدِ نبوی میں باجماعت نماز پڑھنے کی کوشش کرے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت اور سلام پیش کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کی بھی زیارت کرے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے دائیں جانب تقریباً ایک ہاتھ کے فاصلے پر واقع ہے، اور پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کی بھی زیارت کرے، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر کے دائیں جانب تقریباً ایک ہاتھ کے فاصلے پر واقع ہے۔ [1]

---

[1] آداب زيارة النبى صلى الله عليه وسلم

أ -أن ينوى زيارة المسجد النبوى أيضا لتحصيل سنة زيارة المسجد وثوابها لما فى الحديث عن أبى هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد :مسجدى هذا، ومسجد الحرام، ومسجد الأقصى.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسجدِ نبوی میں داخل ہونے والے کے لئے دوسری مسجدوں کی طرح پہلے دایاں قدم اندر رکھنا چاہئے، اوراس کے بعد بایاں قدم اور مسجدِ نبوی میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھ لینی چاہئے کہ:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ، رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ.

اور مکروہ وقت نہ ہو، تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لینا بہتر ہے۔

اوراس کے بعد اس حجرہ کی طرف بڑھنا چاہئے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے، اور بہتر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے اس طرف کھڑا ہو، جس طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ اور چہرہ مبارک ہے، جس کا بہتر طریقہ اہلِ علم حضرات نے یہ بیان فرمایا ہے کہ قبلہ کی طرف پشت کرلے، اور قبر کی طرف رخ کرلے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے باہر جو ساتھ ساتھ تین سوراخ بنے ہوئے ہیں، ان میں پہلے بائیں سوراخ کے سامنے کھڑا ہو، اور آہستہ آواز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے، اوراس کے بعد درود شریف پڑھے، اور جن الفاظ میں نماز کے قعدۂ اخیرہ میں صلاۃ وسلام پڑھا جاتا ہے، ان الفاظ میں صلاۃ وسلام پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اور سلام کے الفاظ یہ ہیں کہ:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ب -الاغتسال لدخول المدينة المنورة، ولبس أنظف الثياب، واستشعار شرف المدينة لتشرفها به صلى الله عليه وسلم.

ج -المواظبة على صلاة الجماعة فى المسجد النبوى مدة الإقامة فى المدينة، عملا بالحديث الثابت عن أبى هريرة رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :صلاة فى مسجدى هذا خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام.

د -أن يتبع زيارته صلى الله عليه وسلم بزيارة صاحبيه شيخى الصحابة رضى الله عنهما وعنهم جميعا، أبى بكر الصديق، وقبره إلى اليمين قدر ذراع، وعمر يلى قبر أبى بكر إلى اليمين أيضا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴،ص۸۵، مادة "زيارة")

وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اور درود شریف کے الفاظ یہ ہیں کہ:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. [1]

---

[1] ملحوظ رہے کہ درود شریف کا مسنون اور افضل وبہتر طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کے صیغہ کے ساتھ پڑھا جائے، مثلاً "اللھم صل" کہا جائے۔

اور احادیث وروایات میں جتنے بھی درود شریف کے صیغے آئے ہیں، ان میں عام طور پر "اللھم" وغیرہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی درخواست کی گئی ہے، براہِ راست اپنی طرف سے درود بھیجنے کا احادیث وروایات میں ذکر نہیں ملتا۔

اور باوجود تلاش کے ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابۂ کرام کی طرف سے درود بھیجنے کا کوئی صیغہ بھی ایسا نہیں ملا، جس میں اللہ تعالیٰ سے دعا ودرخواست کے بغیر درود کا ذکر ہو۔

اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ حقیقی مصلی اللہ تعالیٰ ہونگے، اور بندے کا مصلی ہونا مجازی ہوگا۔

(تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب "درود وسلام کے فضائل واحکام" ملاحظہ فرمائیں)

قرأت فی شرح مقدمة ابی اللیث للامیر المصطفیٰ الترکمانی من الحنفیة مانصه،فان قیل ماالحکمة فی ان اللہ تعالیٰ امرنا ان نصلی ونحن نقول اللھم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد فنسأل اللہ تعالیٰ ان یصلی علیه ولانصلی علیه نحن بانفسنا یعنی بان یقول العبد فی الصلاۃ الی علی محمد قلنا لانه ﷺ طاھر لاعیب فیه ونحن فینا المعائب والنقائص فکیف یثنی من فیه معائب علی طاھر؟ فنسأل اللہ تعالیٰ ان یصلی علیه لتکون الصلاۃ عن رب طاھر علی نبی طاھر کذافی المرغینانی ، انتھیٰ(القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع ص ۷۲، ۷۳،الباب الاول)

فقال صلى الله عليه وسلم : قولوا اللهم صل على محمد إلى آخر ما في بعض الروايات الصحيحة ، وفيه إيماء إلى أنكم عاجزون عن التعظيم اللائق بي فأطلبوه من الله عزوجل لي ومن هنا يعلم أن الآتي بما أمر به من طلب الصلاة له صلى الله تعالى عليه وسلم عزوجل آت بأعظم أنواع التعظيم لتضمنه الإقرار بالعجز عن التعظيم اللائق.

وقد قيل ونسب إلى الصديق رضى الله تعالى عنه العجز عن درک الإدراک إدراک .ويقرب فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے بعد جو چاہے اللہ سے دعا کرے، مگر قبر مبارک کی طرف دعا کی طرح ہاتھ نہ اٹھائے، تو بہتر ہے، تاکہ دوسرے لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کر رہا ہے۔

پھر اس کے بعد تھوڑا سا دائیں طرف ہٹ کر پہلے سوراخ کے ساتھ والے سوراخ کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو سلام پیش کرے، کیونکہ حضرت صدیقِ اکبر

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الجملة مما ذكرنا قول بعض الأجلة ونقله أبو اليمن بن عساكر وحسنه لما أمرنا الله تعالى بالصلاة على نبيه صلّى الله عليه وسلم لم نبلغ معرفة فضلها ولم ندرک حقيقة مراد الله تعالى فيه فأحلنا ذلک إلى الله عزّ وجلّ فقلنا اللهم صل أنت على رسولک لأنک أعلم بما يليق به وبما أردته له صلّى الله عليه وسلم انتهى، ولعل ما ذكرناه ألطف منه،

ومقتضى ظاهر إرشاده صلى الله تعالى عليه وسلم إياهم إلى طلب الصلاة عليه من الله تعالى شأنه أنه لا يحصل إمتثال الأمر إلا بما فيه طلب ذلک منه عزوجل ويكفي اللهم صلى على محمد لأنه الذى اتفقت عليه الروايات فى بيان الكيفية ، وكأن خصوصية الإنشاء لفظاً ومعنى غير لازمة ، ولذا قال بعض من أوجبها فى الصلاة وستعلمه إن شاء الله تعالى :إنه كما يكفى اللهم صلى على محمد ، ولا يتعين اللفظ الوارد خلافاً لبعضهم يكفى صلى الله على محمد على الأصح بخلاف الصلاة على رسول الله فإنه لا يجزى اتفاقاً لأنه ليس فيه إسناد الصلاة إلى الله تعالى فليس فى معنى الوارد .وفى تحفة ابن حجر يكفى الصلاة على محمد إن نوى بها الدعاء فيما يظهر.

وقال النيسابورى :لا يكفى صليت على محمد لأن مرتبة العبد تقصر عن ذلک بل يسأل ربه سبحانه أن يصلى عليه عليه الصلاة والسلام وحينئذ فالمصلى عليه حقيقة هو الله تعالى ، وتسمية العبد مصلياً عليه مجاز عن سؤاله الصلاة من الله تعالى عليه الصلاة والسلام فتأمله .

وذكروا أن الإتيان بصيغة الطلب أفضل من الإتيان بصيغة الخبر .وأجيب عن إطباق المحدثين على الإتيان بها بأنه مما أمرنا به من تحديث الناس بما يعرفون إذ كتب الحديث يجتمع عند قراء تها أكثر العوام فخيف أن يفهموا من صيغة الطلب أن الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم لم توجد من الله عز وجل بعد وإلا لما طلبنا حصولها له عليه صلاة الله تعالى وسلامه فأتى بصيغة يتبادر إلى أفهامهم منها الحصول وهى مع إبعادها إياهم من هذه الورطة متضمنة للطلب الذى أمرنا به انتهى ، ولا يخفى ضعفه.

فالأولى أن يقال :إن ذلک لأن تصليتهم فى الأغلب فى أثناء الكلام الخبرى نحو قال النبى صلى الله عليه وسلم كذا وفعل صلى الله عليه وسلم كذا فأحبوا أن لا يكثر الفصل وأن لا يكون الكلام على أسلوبين لما فى ذلک من الخروج عن الجادة المعروفة إذ قلنا تجد فى الفصيح توسط جملة دعائية إلا وهى خبرية لفظاً مع احتمال تشوش ذهن السامع وبطء فهمه وحسن الإفهام مما تحصل مراعاته فتدبر(روح المعانى،تحت آيت ۵۶ من سورة الاحزاب)

رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح واقع ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا سر مبارک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے کے قریب ہے۔

پھر اس کے بعد تھوڑا سا دائیں طرف ہٹ کر درمیانی سوراخ کے ساتھ والے سوراخ کے سامنے کھڑے ہوکر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو سلام پیش کرے۔

پھر اس کے بعد اگر بآسانی ممکن ہو، تو واپس پہلے والے سوراخ کی طرف لوٹ کر آجائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کرتے ہوئے اللہ سے دعاء کرے۔

اور اس پورے موقع پر اس چیز کا بڑا لحاظ کرے کہ کسی کو اپنے آپ سے ایذاء وتکلیف نہ پہنچے۔

اور اگر ہجوم کی وجہ سے قریب جانا یا مذکورہ تفصیل وترتیب کے مطابق عمل کرنا مشکل ہو، تو بآسانی جہاں موقع مل جائے وہیں کھڑے ہو کر سلام اور درود پڑھ لینا چاہیئے۔ [1]

---

[1] صفة زيارته صلى الله عليه وسلم:

إذا أراد الزائر زيارته صلى الله عليه وسلم فلينو زيارة مسجده الشريف أيضا، لتحصل سنة زيارة المسجد وثوابها.

وإذا عاين بساتين المدينة صلى عليه صلى الله عليه وسلم وقال :اللهم هذا حرم نبيك فاجعله وقاية لي من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب.

وإذا وصل باب المسجد النبوى دخل وهو يقول الذكر المعروف عند دخول المساجد " :اللهم صل على محمد، رب اغفر لي ذنوبي وافتح لي أبواب رحمتك ."

وعند الخروج يقول ذلك، لكن بلفظ "وافتح لي أبواب فضلك "

ويصلي ركعتي تحية المسجد، ثم يقصد الحجرة الشريفة التي فيها قبره عليه الصلاة والسلام فيستدبر القبلة ويستقبل القبر ويقف أمام النافذة الدائرية اليسرى مبتعدا عنها قدر أربعة أذرع إجلالا وتأدبا مع المصطفى صلى الله عليه وسلم فهو أمام وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم فيسلم عليه دون أن يرفع صوته، بأي صيغة تحضره من صيغ التسليم على النبي صلى الله عليه وسلم ويردف ذلك بالصلاة عليه صلى الله عليه وسلم بما يحضره أيضا.

وقد أورد العلماء عبارات كثيرة صاغوها لتعليم الناس، ضمنوها ثناء على النبي صلى الله عليه وسلم.

فيدعو الإنسان بدعاء زيارة القبور ويصلي ويسلم على النبي صلى الله عليه وسلم فيدعو بما يفتح الله عليه.

وإن كان أحد قد أوصاه بالسلام عليه صلى الله عليه وسلم فليقل :السلام عليك يا رسول الله من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۱۰...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کے وقت خلافِ شرع اور بے ادبی والے کاموں سے بچنا چاہیے۔

چنانچہ زیارت کے وقت غیر معمولی ہجوم اکٹھا کرنا بطورِ خاص جبکہ وہ ہجوم بھی عورتوں کا ہو، اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام یا درود پڑھتے وقت یا وہاں پر اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے وقت آواز کو بلند کرنا آداب کے خلاف ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک یا باہر کی جالیوں کو چومنا، چاٹنا یا اس کے ساتھ جسم یا لباس ورومال یا تسبیح وغیرہ کو لگانا اور قبر کو سجدہ کرنا بھی آداب بلکہ شرعی احکام کے خلاف ہے۔

بعض ناواقف روضہ کو سجدہ تک کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔

بعض لوگ بہت بلند آواز سے چیخ چیخ کر درود وسلام پڑھتے ہیں اور شور کرتے ہیں، یہ بھی خلافِ ادب ہے، نہ تو زیادہ چیخنا چاہیے اور نہ ہی بہت زیادہ آہستہ پڑھنا چاہیے، بلکہ درمیانی آواز سے اس طرح درود وسلام پڑھنا چاہیے کہ بے ادبی نہ ہو اور کسی دوسرے کو بھی خلل وایذاء نہ ہو۔

بعض جوشیلے حضرات ایک مرتبہ روضہ کے قریب پہنچ کر کسی طرح ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتے اور وہیں جم کر کھڑے یا بیٹھے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ہجوم کے زمانہ میں دوسرے لوگوں کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فلان بن فلان، أو فلان بن فلان يسلم عليک يا رسول الله، أو ما شابه ذلک.

ثم يتأخر إلى صوب اليمين قدر ذراع اليد للسلام على الصديق الأكبر سيدنا أبى بكر رضى الله عنه، لأن رأسه عند كتف رسول الله صلى الله عليه وسلم ويسلم عليه بما يحضره من الألفاظ التى تليق بمقام الصديق رضى الله عنه.

ثم يتنحى صوب اليمين قدر ذراع للسلام على الفاروق الذى أعز الله به الإسلام سيدنا عمر بن الخطاب رضى الله عنه، ويسلم عليه بما يحضره من الألفاظ التى تليق بمقامه رضى الله عنه.

ثم يرجع ليقف قبالة رسول الله صلى الله عليه وسلم كالأول، ويدعو متشفعا به بما شاء من الخيرات له ولمن يحب وللمسلمين .ويراعى فى كل ذلک أحوال الزحام بحيث لا يؤذى مسلما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴، ص۸۷، مادة "زيارة")

روضہ کے قریب آنے کا موقع نہیں مل پاتا اور وہ پریشان رہتے ہیں یہ طریقہ بھی صحیح نہیں، دوسرے لوگوں کو بھی موقع دینا چاہئے، البتہ اگر ہجوم زیادہ نہ ہو اور دوسروں کو پریشانی نہ ہو، تو پھر زیادہ ٹھہرنے میں بھی حرج نہیں۔

بعض لوگ روضہ کے قریب، ریاض الجنۃ اور اصحاب صفہ کے چبوترہ پر اور اسی طرح مسجد نبوی میں بیٹھ کر آپس میں دنیوی باتیں اور ادھر ادھر کی گپ شپ میں مشغول ہو جاتے ہیں، یہ امور تو عام مسجدوں میں بھی منع ہیں پھر ان متبرک مقامات پر کیونکر جائز ہوں گے۔

بعض لوگ روضہ پر یا ریاض الجنہ میں ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہیں، دھکے دیتے ہیں اور زبان سے بھی ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں جو کسی طرح بھی جائز نہیں، حدود کے اندر رہتے ہوئے قریب جانے کا موقع مل جائے تو خیر! ورنہ لڑ جھگڑ کر قریب جانے سے بہتر ہے کہ دور رہتے ہوئے جہاں بھی موقع ملے درود وسلام پڑھ لیا جائے۔

بعض خواتین روضۂ اقدس پر حاضری کے لئے ایسی بھاگ دوڑ، ہاپا پیٹی اور چیخ وپکار کرتی ہیں کہ کان پڑی سنائی نہیں دیتی اور کچھ خواتین گر پڑتی ہیں یہ سخت گناہ اور بے ادبی کی بات ہے، اصل چیز اخلاص اور ادب ہے۔

اگر اخلاص وادب ہے تو پھر بامرِ مجبوری کچھ دُور رہتے ہوئے بھی وہی فائدہ ہوگا جو قریب سے ہوتا اور ادب واخلاص نہیں تو پھر قریب سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا بلکہ اندیشہ ہے کہ اس بے ادبی کے نتیجہ میں فائدہ کے بجائے الٹا نقصان اور محرومی ہو۔ [1]

---

[1] ما یکرہ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یقع لکثیر من الناس أمور مکروھۃ فی زیارتھم لقبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نشیر إلی أھمھا:

١ ــ التزاحم عند الزیارۃ، وذلک أمر لا موجب لہ، بل ھو خلاف الأدب، لا سیما إذا أدی إلی زحام النساء فإن الأمر شدید.

٢ ــ رفع الأصوات بالصلاۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أو بالدعاء عند زیارتہ صلی اللہ علیہ وسلم.

٣ ـ التمسح بقبرہ الشریف صلی اللہ علیہ وسلم أو بشباک حجرتہ .أو إلصاق الظھر أو البطن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بجدار القبر. قال ابن قدامة :ولا يستحب التمسح بحائط قبر النبى صلى الله عليه وسلم ولا تقبيله، قال أحمد :ما أعرف هذا .قال الأثرم :رأيت أهل العلم من أهل المدينة لا يمسون قبر النبى صلى الله عليه وسلم يقومون من ناحية فيسلمون .قال أبو عبد الله :وهكذا كان ابن عمر يفعل.

وقال النووى منبها محذرا :ولا يجوز أن يطاف بقبره صلى الله عليه وسلم، ويكره إلصاق الظهر والبطن بجدار القبر .قالوا :ويكره مسحه باليد وتقبيله، بل الأدب أن يبعد منه، كما يبعد منه لو حضره فى حياته صلى الله عليه وسلم هذا هو الصواب الذى قاله العلماء وأطبقوا عليه، ولا يغتر بمخالفة كثيرين من العوام وفعلهم ذلك، فإن الاقتداء والعمل إنما يكون بالأحاديث الصحيحة وأقوال العلماء ، ولا يلتفت إلى محدثات العوام وغيرهم وجهالاتهم.

قال صلى الله عليه وسلم :لا تجعلوا بيوتكم قبورا، ولا تجعلوا قبرى عيدا، وصلوا على فإن صلاتكم تبلغنى حيث كنتم.

معنى الحديث لا تعطلوا البيوت من الصلاة فيها والدعاء والقراء ة فتكون بمنزلة القبور، فأمر بتحرى العبادة بالبيوت ونهى عن تحريها عند القبور، عكس ما يفعله المشركون من النصارى ومن تشبه بهم من هذه الأمة .والعيد اسم ما يعود من الاجتماع العام على وجه معتاد عائدا ما يعود السنة أو يعود الأسبوع أو الشهر ونحو ذلك.

قال فى عون المعبود :قال ابن القيم :العيد ما يعتاد مجيؤه وقصده من زمن ومكان مأخوذ من المعاودة والاعتياد، فإذا كان اسما للمكان فهو المكان الذى يقصد فيه الاجتماع والانتياب بالعبادة وبغيرها كما أن المسجد الحرام ومنى ومزدلفة وعرفة والمشاعر جعلها الله تعالى عيدا للحنفاء ومثابة للناس، كما جعل أيام العيد منها عيدا .وكان للمشركين أعياد زمانية ومكانية فلما جاء الله بالإسلام أبطلها وعوض الحنفاء منها عيد الفطر وعيد النحر، كما عوضهم عن أعياد المشركين المكانية بكعبة ومنى ومزدلفة وسائر المشاعر.

قال المناوى فى فيض القدير :معناه النهى عن الاجتماع لزيارته اجتماعهم للعيد، إما لدفع المشقة أو كراهة أن يتجاوزوا حد التعظيم .وقيل :العيد ما يعاد إليه أى لا تجعلوا قبرى عيدا تعودون إليه متى أردتم أن تصلوا على، فظاهره منهى عن المعاودة والمراد المنع عما يوجبه، وهو ظنهم بأن دعاء الغائب لا يصل إليه، ويؤيده قوله :وصلوا على فإن صلاتكم تبلغنى حيث كنتم أى لا تتكلفوا المعاودة إلى فقد استغنيتم بالصلاة على.

قال المناوى :ويؤخذ منه أن اجتماع العامة فى بعض أضرحة الأولياء فى يوم أو شهر مخصوص من السنة ويقولون :هذا يوم مولد الشيخ، ويأكلون ويشربون وربما يرقصون فيه منهى عنه شرعا، وعلى ولى الشرع ردعهم على ذلك، وإنكاره عليهم وإبطاله.

وقال شيخ الإسلام ابن تيمية :الحديث يشير إلى أن ما ينالنى منكم من الصلاة والسلام يحصل مع قربكم من قبرى وبعدكم عنه، فلا حاجة بكم إلى اتخاذه عيدا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴،ص۸۵و۸۶، مادة " زيارة ")

عَنِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا، لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ میری قبر کو بت مت بنانا، اللہ اس قوم پر لعنت فرمائے، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد وعبادت گاہ بنالیا (مسند احمد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک حدیث ان الفاظ میں مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا، وَلَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا، وَحَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَيَّ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ (مسند احمد) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ، اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ (کہ وہاں نماز پڑھنا چھوڑ دو) اور تم جہاں کہیں بھی ہو، مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے (مسند احمد)

قبر کو عید نہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کوئی خاص دن مقرر کر کے میلہ نہ لگایا جائے، جیسا کہ آج کل بزرگوں کے مزاروں پر عرس کے موقع پر ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۱...... بعض خواتین مدینہ منورہ میں پردہ نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پردہ ہے؟

---

[1] رقم الحديث ۷۳۵۸، مؤسسة الرسالة، بيروت.
فی حاشية مسنداحمد: اسناده قوی.

[2] رقم الحديث ۸۸۰۴، مؤسسة الرسالة، بيروت، واللفظ لهٗ، ابوداؤد، رقم الحديث ۲۰۴۴، كتاب المناسك باب زيارة القبور، المعجم الكبير للطبرانی رقم الحديث ۱۱۵۹، مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۴۸۳۹، كتاب الصلاة، باب التطوع فی البيت، شعب الايمان للبيهقی رقم الحديث ۳۸۶۵، باب فضل الحج والعمرة.
فی حاشية مسند احمد: إسناده حسن لأجل عبد الله بن نافع، وقد سلفت ترجمته فی الحديث السابق، وباقی رجاله ثقات رجال الشيخين غير سريج، وهو ابن النعمان الجوهری، فمن رجال البخاری.

جبکہ اولاً تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں خواتین کا پردہ کرنا ثابت ہے، دوسرے وہاں پر موجود تمام اجنبی لوگ کیا نامحرم نہیں؟ ان سے پردہ کیوں نہیں کرتیں؟
غرضیکہ اس طرح کے حیلوں سے بے پردگی جائز نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ نمبر۱۲...... خواتین اگر مخصوص ایام میں ہوں، تو انہیں اس حالت میں درود وسلام پڑھنا جائز ہے، لیکن انہیں اس حالت میں مسجدِ نبوی کی اندرونی حدود میں داخل ہونا جائز نہیں، البتہ اگر وہ مسجدِ نبوی سے باہر کے حصہ میں روضہ کے قریب باپردہ طریقہ پر حاضر ہوکر درود وسلام پڑھیں، تو اس کی ممانعت نہیں، اور اگر اس حالت میں وہاں اپنی رہائش گاہ پر باپردہ طریقہ پر رہتے ہوئے درود وسلام کی کثرت کریں، تو بھی درست ہے۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۳...... مدینہ منورہ میں گناہوں اور خاص کر بدعات سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْمَدِیْنَۃُ حَرَمٌ مَا بَیْنَ عَیْرٍ إِلٰی ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِیْھَا حَدَثًا، أَوْ آوَی مُحْدِثًا، فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ، لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ مِنْہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ صَرْفًا، وَلَا عَدْلًا (مسلم) [۲]

ترجمہ: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ منورہ قابلِ احترام ہے، جبلِ عیر سے جبلِ ثور تک (ذوالحلیفہ کے پاس جبلِ عیر اور جبلِ اُحد کے پیچھے جبلِ ثور واقع ہے)
پس جس شخص نے اس حصہ میں بدعت پیدا کی، یا کسی بدعتی کو پناہ دی، تو اس پر اللہ

---

[۱] (ولا بأس) لحائض وجنب (بقراء ۃ أدعیۃ ومسها وحملها وذکر اللہ تعالی، وتسبیح) وزیارۃ قبور، ودخول مصلی عید(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۱ ص ۲۹۳، باب الحیض)

[۲] رقم الحدیث ۴۶۷ "۱۳۷۰"، باب فضل المدینۃ، ودعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیها بالبرکۃ، وبیان تحریمها، وتحریم صیدها وشجرها، وبیان حدود حرمها.

کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، قیامت کے دن اس کی طرف سے نہ کوئی فرض عبادت قبول ہوگی، اور نہ ہی کوئی نفل عبادت قبول ہوگی (مسلم)

مسئلہ نمبر۱۴...... جس مسلمان کی مدینہ منورہ میں موت واقع ہو جائے، تو یہ اس کے لئے فضیلت کا باعث ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَفْعَلْ، فَإِنِّيْ أَشْفَعُ لِمَنْ مَاتَ بِهَا (مسند احمد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے مدینہ میں فوت ہو جانے کی استطاعت رکھے، تو اسے چاہئے کہ ایسا کرلے، کیونکہ میں اس شخص کی شفاعت کروں گا، جو مدینہ میں فوت ہوگا (مسند احمد)

مسئلہ نمبر۱۵...... مدینہ منورہ میں حاضر ہونے والے کو چاہئے کہ اگر اسے کوئی عذر نہ ہو، تو مدینہ منورہ میں واقع مسجدِ قباء میں جا کر حسبِ توفیق دو یا چار رکعتیں پڑھے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ، مَاشِيًا وَرَاكِبًا وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَفْعَلُهٗ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے دن مسجدِ قباء میں پیدل اور سوار ہو کر تشریف لاتے تھے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا کیا کرتے تھے (بخاری)

حضرت اُسید بن ظُہیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۵۴۳۷.
في حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط البخاري.

[2] رقم الحديث ۱۱۹۳، باب من أتى مسجد قباء كل سبت.

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلصَّلَاةُ فِيْ مَسْجِدِ قُبَاءٍ كَعُمْرَةٍ

(سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدِ قباء میں نماز پڑھنا عمرہ کرنے کی طرح (فضیلت کا باعث) ہے (ترمذی)

اس طرح کا مضمون ایک اور حدیث میں بھی آیا ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۶...... مدینہ منورہ میں واقع جبلِ اُحد کی بھی احادیث میں فضیلت آئی ہے، اس لئے اس کی زیارت کرنا بھی فضیلت سے خالی نہیں۔

چنانچہ حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَقْبَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ، حَتّٰى إِذَا أَشْرَفْنَا عَلَى الْمَدِيْنَةِ قَالَ : هٰذِهٖ طَابَةٌ، وَهٰذَا أُحُدٌ، جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ

(بخاری، رقم الحدیث ۴۴۲۲، کتاب المغازی)

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک سے واپس آئے، یہاں تک کہ جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پاکیزہ جگہ ہے، اور یہ احد پہاڑ ہے، جو کہ ہم سے محبت رکھتا ہے، اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں (بخاری)

اس طرح کی حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے، جن میں اُحد پہاڑ سے نبی صلی اللہ علیہ

---

[1] رقم الحدیث ۳۲۴، باب ما جاء فی الصلاة فی مسجد قباء.
قال الترمذی: وفی الباب عن سهل بن حنیف، حدیث أسید حدیث حسن صحیح، ولا نعرف لأسید بن ظهیر شیئا یصح غیر هذا الحدیث، ولا نعرفه إلا من حدیث أبی أسامة، عن عبد الحمید بن جعفر، وأبو الأبرد اسمه زیاد مدینی.

[2] حدثنی محمد بن الکرمانی، قال :سمعت أبا أمامة بن سهل بن حنیف، یقول : قال أبی :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " :من خرج حتی یأتی هذا المسجد - یعنی مسجد قباء -فیصلی فیه کان کعدل عمرة (مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۵۹۸۱)
فی حاشیة مسند احمد: صحیح بشواهده، وهذا إسناد حسن.

وسلم کا محبت رکھنا اور اُحد پہاڑ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا مذکور ہے۔ [1]

جبلِ اُحد کے دامن میں اُحد کے شہداء کی قبریں بھی واقع ہیں، جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر بھی ہے، اُن کی بھی زیارت کرنا مستحب ہے۔ [2]

مسئلہ نمبر ۱۷...... مدینہ منورہ کی کھجوروں اور خاص کر عجوہ کھجور کی بڑی فضیلت واہمیت ہے۔

چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَكَلَ سَبْعَ تَمَرَاتِ عَجْوَةٍ مِنْ بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ عَلَى الرِّيْقِ، لَمْ يَضُرَّهُ يَوْمَهُ ذٰلِكَ شَيْءٌ حَتّٰى يُمْسِيَ، قَالَ فُلَيْحٌ: وَأَظُنُّهُ قَالَ: وَإِنْ أَكَلَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يُصْبِحَ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۴۲) [3]

---

[1] عن عباس، عن أبيه، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :أحد جبل يحبنا ونحبه (بخارى، رقم الحديث ۱۴۸۲)

عن عمرو بن أبى عمرو، مولى المطلب بن حنطب، أنه سمع أنس بن مالك رضى الله عنه، يقول : خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، إلى خيبر أخدمه، فلما قدم النبى صلى الله عليه وسلم، راجعا وبدا له أحد، قال :هذا جبل يحبنا ونحبه (بخارى، رقم الحديث ۲۸۸۹)

عن قتادة، حدثنا أنس بن مالك قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن أحدا جبل يحبنا ونحبه (مسلم، رقم الحديث ۱۳۹۳ "۵۰۴")

هريرة، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن أحدا هذا جبل يحبنا ونحبه (مسنداحمد، رقم الحديث ۸۴۵۰)

فى حاشية مسنداحمد: صحيح لغيره.

أخبرنى عقبة بن سويد الأنصارى، أنه سمع أباه -وكان من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم - قال :قفلنا مع نبى الله صلى الله عليه وسلم من غزوة خيبر، فلما بدا له أحد، قال النبى صلى الله عليه وسلم " :الله أكبر جبل يحبنا ونحبه (مسنداحمد، رقم الحديث ۱۵۶۵۹)

فى حاشية مسنداحمد:حديث صحيح.

[2] وتستحب زيارة شهداء أحد رضى الله عنهم وقد أحيطت، قبورهم بسياج، وأعلم على قبر سيد الشهداء حمزة رضى الله عنه بعلامة قبر كبيرة، ومعه فى القبر المجدع فى الله عبد الله بن جحش رضى الله عنه قيل له :المجدع لأنه دعا يوم أحد أن يقاتل ويستشهد ويقطع أنفه وأذنه ويمثل به فى الله تعالى، فاستجاب الله دعاءه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۶، ص۳۱۳، مادة "المدينة المنورة، جبل أحد وقبور الشهداء عنده)

[3] فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صبح نہار منہ، مدینہ منورہ کے دونوں اطراف میں کی (یعنی مدینہ شہر کے حصہ کی) عجوہ کھجور کے سات دانے لے کر کھائے تو اس دن شام تک اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ راوی کا گمان ہے کہ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر شام کو کھا لے تو صبح تک اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکے گی (مسند احمد)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

مَرِضْتُ مَرَضًا أَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ فَوَضَعَ یَدَہٗ بَیْنَ ثَدْیَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَھَا عَلٰی فُؤَادِیْ فَقَالَ: إِنَّکَ رَجُلٌ مَفْئُوْدٌ، ائْتِ الْحَارِثَ بْنَ کَلَدَۃَ أَخَا ثَقِیْفٍ فَإِنَّہٗ رَجُلٌ یَتَطَبَّبُ فَلْیَأْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِنْ عَجْوَۃِ الْمَدِیْنَۃِ فَلْیَجَأْھُنَّ بِنَوَاھُنَّ ثُمَّ لِیَلُدَّکَ بِھِنَّ (ابوداؤد، رقم الحدیث ۳۸۷۵، باب فی تمرۃ العجوۃ) [1]

ترجمہ: میں ایک مرتبہ بیمار ہو گیا، تو میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے، اور اپنا ہاتھ مبارک میری چھاتی پر رکھا، یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے دل پر محسوس کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کو دل کی بیماری لاحق ہے، آپ حارث بن کلدہ ثقیف کے بھائی کے پاس تشریف لے جائیں، کیونکہ وہ طبیب (معالج) شخص ہیں، اور انہیں چاہئے کہ وہ مدینہ منورہ کی سات عجوہ کھجوریں لے کر ان کو گٹھلیوں سمیت پیس لیں، پھر اس کو منہ میں رکھ لیں (تاکہ وہ سفوف اندر جذب ہو جائے) (ابوداؤد)

بعض اطباء نے عام کھجوروں اور بطورِ خاص عجوہ کھجور کے استعمال کو دل کی بیماریوں کے لئے

---

[1] ورجالہ رجال الصحیح غیر اسحاق بن اسماعیل وھو ثقۃ.
قال ابن حجر: إسحاق ابن إسماعیل الطالقانی أبو یعقوب نزیل بغداد یعرف بالیتیم ثقۃ (تقریب التھذیب ج ا ص ۱۰۰)

مفید قرار دیا ہے۔

اور موجودہ دور میں بھی عجوہ کھجور کی گٹھلیوں کے سفوف کے ذریعہ سے کئی دل کے مریض شفایاب ہو چکے ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۸...... مدینہ منورہ میں حاضر ہونے والے کو بقیع نامی قبرستان میں حاضر ہونا بھی مستحب ہے، جس میں جلیل القدر صحابۂ کرام وتابعینِ عظام اور بے شمار اولیائے کرام کی قبریں ہیں۔ [1]

مسئلہ نمبر ۱۹...... جب مدینہ منورہ سے واپسی کا ارادہ کرے، تو بہتر یہ ہے کہ آخری مرتبہ مسجدِ نبوی میں جا کر نماز پڑھے، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات اور اپنی گھر میں بخیر وعافیت واپسی اور دوبارہ زیارت کی توفیق حاصل ہونے کے لئے دعاء کرے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام پیش کرے۔ [2]

---

[1] قال النووی :یستحب أن یخرج زائر المدینة کل یوم إلی البقیع خصوصا یوم الجمعة، ویکون ذلک بعد السلام علی رسول الله صلی الله علیه وسلم .

وفی البقیع قبور أجلة الصحابة والتابعین ومن بعدهم، کانت قد بنیت علیهم قباب، وقد أزیلت، لکن أهل الخبرة یعرفون مواضعهم، منهم :عثمان بن عفان، والعباس بن عبد المطلب رضی الله عنهما إلی الغرب، وشرقیه قبر الحسن بن علی رضی الله عنهما وزین العابدین وبعض أهل البیت فی قبر واحد، کقبر صفیة رضی الله عنها عمة النبی صلی الله علیه وسلم وإبراهیم رضی الله عنه ابنه إلی جنب عثمان بن مظعون، وإلی جنبه عبد الرحمن بن عوف رضی الله عنهما وثمة موضع قبور من دفن بالبقیع من أمهات المؤمنین جمیعا (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۶، ص ۳۱۳، مادة ”المدینة المنورة، جبل أحد وقبور الشهداء عنده)

[2] آداب وداع المسجد النبوی:یستحب لمن عزم علی الرجوع إلی بلده أن یودع المسجد بصلاة ویدعو بعدها بما أحب وأن یأتی القبر الشریف فیسلم علی النبی صلی الله علیه وسلم ویدعو الله بما أحب ویسأله سبحانه أن یوصله إلی أهله سالما غانما ویقول :غیر مودع یا رسول الله، ویسأل الله تعالی أن یرده إلی حرمه وحرم نبیه محمد صلی الله علیه وسلم فی عافیة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۷، ص ۲۵۴ ،مادة ”المسجد النبوی“)

(ضمیمہ)

حج سے متعلق بعض احادیث اور دعاؤں کی حیثیت

آخر میں حج یا اس کے بعض پہلوؤں سے متعلق چند ایسی احادیث وروایات ذکر کی جاتی ہیں، جو اگرچہ ہمارے معاشرہ میں مشہور ومعروف ہیں، لیکن ان کی اسناد پر محدثین نے کلام کیا ہے، بعض کو ضعیف اور بعض کو شدید ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے، اور حج کے حوالہ سے ہمارے معاشرہ میں بعض چیزیں ایسی مشہور ہوگئی ہیں کہ جن کو عوام تو درکنار بعض اہلِ علم حضرات بھی سنت درجہ دینے لگے ہیں، جبکہ بعض حضرات ان کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ ان کے بغیر حج وعمرہ کو ناقص خیال کرتے ہیں، بالخصوص حج وعمرہ کے حوالہ سے عربی زبان میں کئی دعائیں ایسی اہمیت اختیار کرچکی ہیں کہ جن کو کم از کم سنت درجہ اور اس سے بڑھ کر بعض لوگوں کی طرف سے تاکیدی درجہ دیا جانے لگا ہے، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کا حج وعمرہ کے دوران سب سے زیادہ زور ان دعاؤں کے یاد کرنے یا ان کو دیکھ کر پڑھنے کی اہمیت پر ہوتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ ان دعاؤں کا عوام کو یاد کرنا تو درکنار خود اہلِ علم بلکہ ان کو بیان ونقل کرنے والے اہلِ علم حضرات کو بھی یاد کرنا مشکل ہوتا ہے، جبکہ ان کا مستند ومعتبر احادیث سے ثبوت بھی نہیں ملتا۔

دوسری طرف فقہائے کرام نے حج کے دوران دعاؤں کے پڑھنے کو ضروری قرار نہیں دیا، بلکہ الفاظ کی پابندی کو خشوع کے خلاف فرمایا ہے۔

البتہ حج وعمرہ سے متعلق بعض دعائیں اہلِ علم حضرات نے مواقع کی مناسبت سے ذکر کردی ہیں، جن کو سنت سمجھے بغیر اختیار کرنے کی اگرچہ گنجائش تھی، لیکن ان کو سنت یا تاکیدی سنت کا درجہ دینا درست نہیں تھا، جیسا کہ آج کل بکثرت ہورہا ہے۔

فقہائے کرام خود ہی یہ بات بھی واضح فرما چکے ہیں کہ حج کے دوران دعاؤں کا اس طرح اہتمام والتزام کرنا کہ خشوع فوت ہوجائے، یا غیر مسنون دعاؤں کو مسنون دعاؤں کا درجہ دیا جائے، یا ان پر غیر ضروری زور دیا جائے، درست نہیں۔ ؎۱

علاوہ ازیں ضعیف احادیث بھی بعض شرائط کے ساتھ فضائلِ اعمال کے سلسلہ میں معتبر ہوتی ہیں۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ضعیف حدیث سے کسی عمل کی ترغیب وفضیلت ثابت ہو، اور اس کے خلاف اس سے کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو، تو اس سے اس عمل کا صرف مستحب نہ کہ سنت ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

لیکن اِس مستحب کا درجہ اُس مستحب سے کمزور ہوتا ہے، جس کا مستحب ہونا اس سے قوی (صحیح وحسن) حدیث سے ثابت ہو۔

؎۱ وليس عن أصحابنا فيه دعاء موقت؛ لأن الإنسان يدعو بما شاء ، ولأن توقيت الدعاء يذهب بالرقة؛ لأنه يجرى على لسانه من غير قصده فيبعد عن الإجابة(بدائع الصنائع، ج۲ص ۱۵۴، كتاب الحج، فصل بيان سنن الحج وبيان الترتيب فى أفعاله)

ولم يذكر فى المتون الدعاء عند مشاهدة البيت، وهى غفلة عما لا يغفل عنه فإنه عندها مستجاب ومحمد -رحمه الله تعالى -لم يعين فى الأصل لمشاهد الحج شيئا من الدعوات لأن التوقيت يذهب بالرقة وإن تبرك بالمنقول منها فحسن كذا فى الهداية .وفى فتح :ومن أهم الأدعية طلب الجنة بلا حساب والصلاة على النبى -صلى الله عليه وسلم -هنا من أهم الأذكار كما ذكره الحلبى فى مناسكه .اهـ(ردالمحتار، ج۲ص ۴۹۲، كتاب الحج،فصل فى الإحرام وصفة المفرد)

(قوله ولم يعين محمد -رحمه الله -لمشاهد الحج شيئا من الدعوات لأن توقيتها يذهب بالرقة)لأنه يصير كمن يكرر محفوظه بل يدعو بما بدا له ويذكر الله كيف بدا له متضرعا (وإن تبرك بالمأثور منها فحسن) أيضا .ولنسق نبذة منها فى مواطنها إن شاء الله تعالى(فتح القدير، ج۲ص۴۴۷،۴۴۸،باب الاحرام)

أما فى غير الصلاة يدعو بما يحضره و لا يستظهر الدعاء لأن حفظ الدعاء يذهب بالرقة(فتاویٰ قاضيخان، ج۳ص ۲۶۱، كتاب الحظر والاباحة)

وقت الوقوف بعرفة على ما ذكرنا وليس فى هذا الوقوف دعاء مؤقت(فتاویٰ قاضيخان، ج۱ص۱۹۸، كتاب الحج)

(قال) وليس فى القيام عند الجمرتين دعاء مؤقت لما بينا أن التوقيت فى الدعاء يذهب برقة القلب (المبسوط للسرخسى، ج۴ص ۶۹، كتاب المناسك، باب رمى الجمار)

اور ضعیف حدیث سے کسی عمل کے مذکورہ درجہ میں مستحب ہونے کے ثبوت کے لئے مجموعی طور پر چار شرائط ہیں۔

(۱)...... پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے خلاف اس سے کوئی قوی دلیل موجود نہ ہو (جیسا کہ پہلے گزرا)

(۲)...... دوسری شرط یہ ہے کہ یہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو، بایں طور کہ اس میں کوئی کذّاب، اور فاحش الغلط وفاحش المغفل راوی نہ ہو۔

کیونکہ اس صورت میں یہ معدوم (موضوع ومخترع حدیث) کے درجہ میں ہوتی ہے، جس پر کسی حال میں عمل جائز نہیں۔

(۳)...... تیسری شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث سے ثابت شدہ حکم شریعت کے اصولوں میں سے کسی اصول وقاعدے کے تحت داخل ہو، اور دینی قواعد اور صحیح وقوی حدیث کے خلاف نہ ہو۔

(۴)...... چوتھی شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے، بلکہ احتیاط کی وجہ سے اس پر عمل کرے۔ [۱]

---

[۱] والذی یظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعیف فی ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حدیث ضعیف علی استحباب شیئ او جوازه، ولم یدل دلیل آخر صحیح علیه، ولیس هناک مایعارضه ورجح علیه، قبل ذلک الحدیث وجاز العمل بما افاده واقول باستحباب مادل علیه او جوازه.

غایة مافی الباب ان یکون مثل هذا الاستحباب والجواز ادون رتبة من الاستحباب والجواز الثابت بالاحادیث الصحیحة والحسنة ویشترط قبوله بشروط:

احدها: ما اشرنا الیه من فقدان دلیل آخر اقوی منه معارضا له، فان دل حدیث صحیح او حسن، علی کراهة عمل او حرمته، والضعیف علی استحبابه وجوازه ، فالعمل یکون بالاقوی ، والقول بمفاده احری.

وثانیها: ان لایکون الحدیث شدید الضعف ، بان تفرد بروایته شدید الضعف ، کالکذاب، وفاحش الغلط، والمغفل، وغیر ذلک، او کثرت طرقه، لکن لم یخل طریق من طرقه عن شدة الضعف، وذلک لان کون السند شدید الضعف، مع عدم مایجبر به نقصانه ، یجعله فی حکم العدم ، ویقربه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگرچہ ضعیف حدیث کا ضعف بیان کرنا فی نفسہٖ ضروری نہ ہو، لیکن جب ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کو احتیاط کے درجہ میں رکھ کر صرف احتیاط سمجھ کر عمل کیا جائے، اور اس کے ثبوت وسنیت کا اعتقاد نہ رکھا جائے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ شرط اسی وقت برقرار رہ سکتی ہے، جبکہ اس کا ضعف بیان کر دیا جائے، ورنہ ضعف بیان نہ کرنے کی صورت میں سامع وقاری اس کو قوی وصحیح سمجھ کر مذکورہ اعتقاد رکھ سکتا ہے، جس سے ضعیف حدیث پر عمل کی ایک شرط فوت ہو جاتی ہے، بلکہ ضعیف حدیث پر عمل کی دیگر شرائط بھی اسی وقت ملحوظ رہ سکتی ہیں، جبکہ اس کا ضعیف ہونا پیشِ نظر ہو، لہٰذا اس کا لازمی تقاضا یہ ہوا کہ جب قاری وسامع کو خود سے اس حدیث کا ضعیف ہونا معلوم نہ ہو سکے، تو اس کے سامنے اس کا ضعیف ہونا بھی بیان کر دیا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الى الموضوع والمخترع، الذى لايجوز العمل به بحال .

وثالثها: ان يكون ماثبت به داخلا تحت اصل كلي من الاصول الشرعية غير مخالف للقواعد الدينية، لئلا يلزم اثبات مالم يثبت شرعا به، فانه اذا كان مادل عليه داخلا فى الاصول الشرعية، غير مناقض لها، فنفس جوازه ثابت بها.

والحديث الضعيف الدال عليه يكون مؤكدا عله، كذا الاستحباب، فان الجائزات تصير بحسن النية عبادة، فكيف اذا وجدمافيه شبهة ثبوت الاستحباب.

ورابعها: ان لايعتقد العامل به ثبوته بل الخروج عن العهدة بيقين، فانه ان كان صحيحا فى نفس الامر فذاک ، والا لم يترتب على العمل به فساد شرعي.

وقس عليه اذا دليل الحديث الضعيف على كراهة عمل، لم يدل على استحبابه دليل آخر، فيؤخذ به ويعمل بمفاده احتياطا ، فان ترک المكروه مستحب ، وترک المباح لابأس فيه شرعا.

وبهذا كله يظهر لک دفع الاشكال الذى تصدى للجواب عنه الدوانى والخفاجي، وسلک كل منهما مسلكا مغايرا لمسلک الآخر.

وخلاصة الكلام، الرافع للاوهام هو ان ثبوت الاستحباب ، او الكرهة التى هى فى قوة الاستحباب، او الجواز بالحديث الضعيف مع الشروط المتقدمة : لاينافى قولهم: انه لايثبت الاحكام الشرعية، فان الحكم باستحباب شيئ دل عليه الضعيف او كراهته: احتياطى ، والحكم بجواز شيئ دل عليه تاكيد لما ثبت بدلائل اخر، فلا يلزم منه ثبوت شيئ من الاحكام فى نفس الامر، ومن حيث الاعتقاد. نعم لو لم تلاحظ الشروط المتقدمة ، لزم الاشكال البتة (ظفر الأمانى فى مختصر الجرجانى فى مصطلح الحديث، ص ۱۹۸ تا ۲۰۰، لمولانا عبدالحيى اللكنوى رحمه الله)

اس لئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ جو احادیث سند کے لحاظ سے کمزور وضعیف ہیں، اور موجودہ دور میں شہرت اختیار کرچکی ہیں، اوران کا ضعیف ہونا بھی معلوم نہیں ہے، اُن کے ضعف کو بیان کیا جائے، اور جو شدید ضعیف یا موضوع ہیں، ان کی حقیقت کو بھی واضح کیا جائے۔

اوراسی طرح جواذ کارودعائیں مستند احادیث سے ثابت نہیں، اوران کومسنون دعاؤں کا درجہ دے کر نہ صرف یہ کہ ان کی تبلیغ وتشہیر کی جارہی ہے، بلکہ حج وعمرہ کی مسنون دعاؤں کے عنوان سے ان کی مستقل رسائل ومضامین کی شکل میں اشاعت کی جارہی ہے، ان کی حیثیت ودرجہ کو بھی واضح کردیا جائے۔ [1]

اسی ضرورت کوملحوظ رکھتے ہوئے حج سے متعلق بعض احادیث وروایات اور دعاؤں کی اسناد اور حیثیت اور ثبوت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

---

[1] چنانچہ احسن الفتاویٰ میں چندروایات درج کرنے کے بعد مذکور ہے کہ:

ان ادعیہ میں سے اکثر کی سند ضعیف ہے، لہٰذا ان کوسنت سمجھنا جائز نہیں، اشواطِ طواف کی مروجہ دعاؤں کا کوئی ثبوت نہیں، ان دعاؤں میں بہت غلوہونے لگا ہے۔

اس میں مندرجہ ذیل مفاسد ہیں:

(۱) ان دعاؤں کے عام اہتمام اور دینی اداروں کی طرف سے ان کی روزافزوں اشاعت کے باعث عوام ان کوضروری سمجھنے لگے ہیں، ایسی حالت میں امرمندوب بھی مکروہ ہوجاتا ہے، چہ جائیکہ جس کا ثبوت ہی نہ ہو۔

(۲) اکثر لوگوں کودعائیں یادنہیں ہوتیں، طواف میں کتاب دیکھ کرپڑھتے ہیں، اورازدحام میں کتاب پڑھتے ہوئے چلنے سے خشوع نہیں رہ سکتا۔

(۳) ازدحام میں کتاب پرنظر رکھنا اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بھی باعثِ ایذاء ہے، بالخصوص دعاؤں کی خاطر جتھوں کی صورت میں چلنا سخت تکلیف دہ ہے، جو حرام ہے، غیرثابت امر کی خاطر ارتکابِ حرام کیا جاتا ہے۔

(۴) جتھوں کی صورت میں چلاّ چلاّ کر دعائیں پڑھنے سے دوسروں کے خشوع میں خلل پڑتا ہے۔

خدا کرے کہ علماءِ دین کومفاسدِ مذکورہ کی طرف التفات ہو، اوروہ غیر ثابت دعاؤں کی اشاعت کی بجائے اُن سے اجتناب کی تبلیغ میں مصروف ہوکر اپنا فرض ادا کریں (احسن الفتاویٰ ج ۴، ص ۵۵۷، کتاب الحج)

لالبیک ولاسعدیک کی نداء والی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث مروی ہے، جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص ناجائز اور حرام مال کے ساتھ حج کرنے کے لئے نکلتا ہے، پھر وہ لبیک کہتا ہے تو آسمان سے ایک نداء دینے والا کہتا ہے کہ لالبیک ولاسعدیک الخ (طبرانی، بزار) [1]

مگر اس حدیث کی سند محدثین کے پیشِ نظر شدید ضعیف ومنکر معلوم ہوتی ہے۔

وہ الگ بات ہے کہ مالِ حرام سے حج کرنا باعثِ وبال ہے، لیکن یہاں اصل گفتگو اس حدیث کی اسنادی حیثیت اور درجہ سے ہے۔ [2]

---

[1] عن سليمان بن داود اليمامي، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا خرج الرجل حاجا بنفقة طيبة، ووضع رجله في الغرز، فنادى: لبيك اللهم لبيك، ناداه مناد من السماء :لبيك وسعديك، زادك حلال، وراحلتك حلال، وحجك مبرور غير مأزور، وإذا خرج بالنفقة الخبيثة، فوضع رجله في الغرز، فنادى :لبيك، ناداه مناد من السماء :لا لبيك ولا سعديك، زادك حرام ونفقتك حرام، وحجك غير مبرور(المعجم الأوسط للطبراني، رقم الحديث ۵۲۲۸)

حدثنا محمد بن مسكين، قال :حدثنا سعيد بن سليمان، قال :حدثنا سليمان بن داود، قال :حدثنا يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة؛ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :من أم هذا البيت من الكسب الحرام شخص في غير طاعة الله فإذا أهل ووضع رجله في الغرز، أو الركاب وانبعثت به راحلته قال :لبيك اللهم لبيك ناداه مناد من السماء :لا لبيك، ولا سعديك كسبك حرام وزادك حرام وراحلتك حرام فارجع مأزورا غير مأجور وأبشر بما يسوؤك، وإذا خرج الرجل حاجا بمال حلال ووضع رجله في الركاب وانبعثت به راحلته قال :لبيك اللهم لبيك ناداه مناد من السماء لبيك وسعديك قد أجبتك راحلتك حلال وثيابك حلال وزادك حلال فارجع مأجورا غير مأزور وأبشر بما يسرك(مسند البزار، رقم الحديث ۸۶۳۸)

[2] قال الهيثمي: رواه البزار، وفيه سليمان بن داود اليمامي، وهو ضعيف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۲۸۰، باب في الحج بالحرام)

سليمان بن داود اليمامي ، يروى عن يحيى بن أبي كثير، روى عنه سعيد بن سليمان وبشر بن الوليد الكندي، يقلب الاخبار وينفرد بالمقلوبات عن الثقات، روى عن يحيى بن أبي كثير عن أبي سلمة عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال " :من بنى لله عزوجل بيتا من حلال بنى الله له بيتا في الجنة من در وياقوت ."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حج کے گناہوں کو خاص طرح سے دھونے کی حدیث

حضرت عبداللہ بن جراد کی سند سے ایک حدیث مروی ہے، جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ حج

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

روی عنه بشر بن الوليد الكندی، سمعت محمد بن محمود يقول :سمعت الدارمی يقول :سمعت يحيى بن معين يقول :سليمان بن داود ليس بشء.

قال الدارمی، أرجو أنه ليس كما قال يحيى، فإن يحيى بن حمزة روى عنه أحاديث حسانا .كأنها مستقيمة . قال أبو حاتم، هذا شئ قد اشتبه على شيوخنا لاتفاق الاسمين، أما سليمان بن داود اليمامی الذی يروی عن الزهری ويحيى بن أبی كثير فهو ضعيف كثير الخطأ، وسليمان بن داود الخولانی الذی يروی عن الزهری حديث الصدقات فهو دمشقی صدوق مستقيم الحديث إنما وقع التشبيه فی هذا لانهما جميعا رويا عن الزهری فمن لم يمعن النظر فی تخليص أحدهما من الآخر اشتبه عليه أمرها وتوهم أنهما واحد(كتاب المجروحين لابن حبان، ج ۱ ص ۳۳۴)

سليمان بن داود اليمامی أبو الجمل:صاحب يحيى بن أبی كثير قال ابن :معين ليس بشیء وقال البخاری منكر الحديث وقد مر لنا أن البخاری قال من قلت فيه منكر الحديث فلا تحل رواية حديثه وقال ابن حبان ضعيف وقال آخر متروک بشر بن الوليد حدثنا سليمان بن داود اليمامی عن يحيى عن أبی سلمة عن أبی هريرة رضی الله عنه حديث "والذی بعثنی بالحق نبيا لا تنقضی الدنيا حتى يقع بهم الخسف والمسخ والقذف قيل ومتى ذاک قال :إذا رأيت النساء ركبن السروج وكثرت القينات وشهادة الزور وشرب المسلمون فی آنية أهل الشرک الذهب والفضة واستغنى الرجال بالرجال والنساء بالنساء فاستنفروا واستعدوا "وبه ثلاث من كن فيه حاسبه الله حسابا يسيراً تعطی من حرمک وتصل من قطعک وتعفو عمن ظلمک وبه "من بنى لله مسجداً بنى الله له بيتاً فی الجنة من در وياقوت "يحيى بن إسحاق السيلحينی حدثنا سليمان بن داود الهجری عن يحيى بن أبی كثير عن أبی سلمة عن أبی هريرة رضی الله عنه مرفوعاً "من سمع النداء فلم يجب فلا صلاة له "وساق ابن عدی له عدة أحاديث وقال عامة ما يرويه لا يتابعه عليه أحد سعدويه عن سليمان عن يحيى عن أبی سلمة عن أبی هريرة رضی الله عنه مرفوعاً أن هذه النوائح يجعلن يوم القيامة على شفير من جهنم ينبحن على أهل جهنم كما تنبح الكلاب وبعض الناس أخطأ حيث خلطه بمن قبله يعنی بالخولانی الذی أخرج له النسائی وقد مر لنا أبو الجمل اليمامی آخر فيه ضعف وهو أمثل من هذا اسمه أيوب بن محمد يروی عن يحيى بن أبی كثير أيضاً انتهى .وحديث ثلاث من كن فيه صححه الحاكم فی تفسير انشقت وتعقبه المصنف فی مختصره وقال العقيلی فی حديث من بنى رواه أبان العطار عن يحيى يعنی فخالف فی إسناده قال :عن محمود بن عمرو عن أسماء بنت يزيد قال :واختلف على موسى بن إسماعيل عن أبان فی رفعه ووقفه . قلت :والمستغرب منه قوله فيه من در وياقوت فإن للحديث طرقاً جيدة ليس هذا فيها وقال أبو حاتم فی سليمان ضعيف الحديث منكر الحديث لا أعلمهم له حديثاً صحيحاً(لسان الميزان،لابن حجر العسقلانی،ج ۱ ،ص ۴۵۲)

کرو،اس لئے کہ حج گناہوں کوایسے دھوڈالتا ہے،جیسے پانی گندگی کودھوڈالتا ہے(طبرانی) [1]

مگرمحدثین کے نزدیک اس حدیث کی سند شدید ضعیف ہے، کیونکہ اس میں ایک جھوٹا وکذاب راوی ہے۔ [2]

حاجی کے چارسولوگوں کی شفاعت کی حدیث

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث مروی ہے،جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ حاجی اپنے گھر کے چارسوافراد کی سفارش کرے گا(بزار،عبدالرزاق) [3]

مگراس حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہیں،جن کا حال معلوم نہیں کہ وہ کون ہیں۔

اس لئے اس حدیث میں مذکور مضمون پراعتقادرکھنا خلافِ احتیاط ہے۔ [4]

---

[1] حدثنا أبو الفضل القاسم بن محمد البرتي ببغداد قال :نا إسماعيل بن عبد الله بن زرارة الرقي قال :نا يعلى بن الأشدق قال :سمعت عمي عبد الله بن جراد، يقول : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حجوا، فإن الحج يغسل الذنوب كما يغسل الماء الدرن (المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ٤٩٩٧)

[2] قال الهيثمي: رواه الطبراني فى الأوسط، وفيه يعلى بن الأشدق، وهو كذاب (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٢٧٧، باب فضل الحج والعمرة)

[3] أخبرنا عمرو بن علي، قال :أخبرنا أبو عاصم، قال :أخبرنا عبد الله بن عيسى، رجل من أهل اليمن عن سلمة بن وهرام عن رجل، عن أبي موسى الأشعرى، رفعه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :الحاج يشفع فى أربع مائة أهل بيت، أو قال من أهل بيته، ويخرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه(مسند البزار،رقم الحديث ٣١٩٦)

عبد الرزاق عن عبد الله بن عيسى قال أخبرني سلمة بن وهرام عن رجل من الأشعريين عن أبي موسى الأشعرى أن رجلا سأله عن الحاج فقال إن الحاج يشفع فى أربع مئة بيت من قومه ويبارك له فى أربعين من أ مهات البعير الذى حمله ويخرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه قال فقال له رجل يا أبا موسى إنى كنت أعالج الحج وقد ضعفت وكبرت فهل من شيء يعدل الحج قال له هل تستطيع أن تعتق سبعين رقبة مؤمنة من ولد إسماعيل فإما الحل والرحيل فلا أجد له عدلا أو قال مثلا (مصنف عبد الرزاق،رقم الحديث ٨٨٠٧)

[4] قال المنذرى: رواه البزار وفيه راو لم يسم(الترغيب والترهيب،تحت رقم الحديث ١٦٩٢،كتاب الحج الترغيب فى الحج والعمرة وما جاء فيمن خرج يقصدهما فمات)

پیدل حج کرنے والے کو ستر حج کے ثواب کی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ پیدل حج کرنے والے کو ستر حجوں کے برابر ثواب ملتا ہے، اور سواری پر حج کرنے والے کو تیس حجوں کے برابر ثواب ملتا ہے (طبرانی) [۱]

مگر اس حدیث کی سند درست معلوم نہیں ہوتی، بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے موضوع اور من گھڑت ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی متروک وشدید ضعیف ہے، جسے کذاب وجھوٹا تک بھی قرار دیا گیا ہے۔ [۲]

البتہ بعض اور روایات کی رو سے پیدل حج کرنا فی نفسہٖ باعثِ ثواب ہے، اگرچہ ان روایات کی سند پر بھی محدثین کا کچھ کلام ہے۔

---

[۱] حدثنا محمد بن عبد الله بن بكر، ثنا إسماعيل بن إبراهيم، ثنا محمد بن محصن العكاشي، ثنا إبراهيم بن أبي عبلة، عن عبد الواحد بن قيس قال :سمعت أبا هريرة، يقول :قدم على النبي صلى الله عليه وسلم جماعة من مزينة، وجماعة من هذيل، وجماعة من جهينة، فقالوا :يا رسول الله، إنا خرجنا إلى مكة مشاة، وقوم يخرجون ركبانا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم :للماشي أجر سبعين حجة، وللراكب أجر ثلاثين حجة

لم يرو هذا الحديث عن إبراهيم بن أبي عبلة إلا محمد بن محصن (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۷۰۸۳)

[۲] قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط، وفيه محمد بن محصن العكاشي، وهو متروك (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۲۷۹، باب فيمن يحج ماشيا)

وقال المزي: محمد بن محصن العكاشي ، هو محمد بن إسحاق بن إبراهيم بن محمد بن عكاشة بن محصن العكاشي الأسدي نسب إلى جده الأعلى.

روى عن :إبراهيم بن أبي عبلة ....قال البخاري عن يحيى بن معين :كذاب.وقال أبو حاتم : مجهول.وقال في موضع آخر :كذاب . وقال البخاري :منكر الحديث .وقال ابن حبان :شيخ يضع الحديث على الثقات لا يحل ذكره في الكتب إلا على سبيل القدح فيه .وقال الدارقطني : متروك، يضع .وروى له أبو أحمد بن عدي أحاديث، ثم قال :وهذه الأحاديث مع غيرها مما لم أذكره لمحمد بن إسحاق العكاشي كلها مناكير موضوعة (تهذيب الكمال في اسماء الرجال، تحت رقم الترجمة ۵۵۸۳، ج۲۶، ص ۳۷۲)

اس لئے پیدل حج کرنے کو مستحب درجہ کا عمل قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن مذکورہ روایت میں مذکور فضیلت کا عقیدہ رکھنا درست نہیں۔ [1]

نکاح سے پہلے حج کرنے کی حدیث

ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ حج نکاح سے پہلے ہوتا ہے، اور جس نے حج سے پہلے نکاح کیا، تو اس نے گناہ کیا (الکامل لابنِ عدی)

مگر اس حدیث کی سند نا قابلِ اعتبار معلوم ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا أحمد بن أبان القرشي، وأحمد بن الهيثم الثغرى، قالا :حدثنا يحيى بن سليم، قال :حدثنا محمد بن مسلم، عن إسماعيل بن إبراهيم، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، رضى الله عنهما، أنه قال :يا بنى اخرجوا من مكة حاجين مشاة حتى ترجعوا إلى مكة فإنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :إن الحاج الراكب له بكل خطوة تخطوها راحلته سبعون حسنة، وإن الماشى له بكل خطوة يخطوها سبعمئة حسنة من حسنات الحرم .قيل :يا رسول الله وما حسنات الحرم؟ قال :الحسنة بمئة ألف حسنة.

هذا الحديث لا نعلمه يروى بهذا اللفظ إلا من هذا الوجه، وقد روى عن ابن عباس قريبا من معناه بغير هذا الإسناد (مسند البزار، رقم الحديث ۵۱۱۹)

قال الهيثمي: رواه البزار والطبرانى فى الأوسط والكبير بنحوه، وفيه قصة، وله عند البزار إسنادان: أحدهما فيه كذاب والآخر فيه إسماعيل بن إبراهيم عن سعيد بن جبير، ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۲۷۸، باب فيمن يحج ماشيا)

[2] حدثنا محمد بن الحسن بن قتيبة، حدثنا أحمد بن جمهور القرفنيانى، حدثنا محمد بن أيوب، حدثنى أبى عن رجاء بن روح حدثتنى ابنتا وهب بن منبه عن أبيها، عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من تزوج قبل أن يحج فقد بدأ المعصية. قال محمد بن أيوب قال لى أبى ما حدثت هذا غيرك.

قال الشيخ :وبعض روايات أيوب بن سويد أحاديث لا يتابعه أحد عليه (الكامل فى ضعفاء الرجال، ج۲، ص۳۰)

قال الفتنى: من تزوج قبل أن يحج فقد بدأ بالمعصية فيه من روى الموضوعات (تذكرة الموضوعات، ج۱، ص۷۳)

وقال ابن الجوزى: أنبأنا إسماعيل بن أحمد أنبأنا إسماعيل بن مسعدة أنبأنا حمزة بن يوسف أنبأنا أبو أحمد بن عدى حدثنا محمد بن الحسن بن قتيبة حدثنا أحمد بن جمهور القرصانى حدثنا محمد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حج نہ کرسکنے سے پہلے حج کرنے کی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ تم حج کرلو، اس سے پہلے کہ تم حج نہ کرسکو، اور پانی گزرنے کی جگہ (یعنی وادیوں اور گزرگاہوں) پر دیہاتی بیٹھ جائیں، جن کی وجہ سے کوئی حج کرنے نہ جاسکے (دارقطنی) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بن أيوب حدثني أبي عن رجاء بن نوح حدثتني ابنة وهب ابن منبه عن أبيه عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال " :من تزوج قبل أن يحج فقد بدأ بالمعصية . "هذا حديث لا يصح . قال ابن حبان :كان محمد بن أيوب يروى الموضوعات لا يحل الاحتجاج به ، فأما أبوه فقال يحيى :ليس بشء (الموضوعات لابن الجوزى، ج٢، ص٢١٣، باب ذم من تزوج قبل الحج)

وقال الشوكاني: حديث من تزوج قبل أن يحج فقد بدأ بالمعصية رواه ابن عدى عن أبي هريرة مرفوعا وفي إسناده أحمد بن جمهور القرقساني ومحمد بن أيوب والأول يروى الموضوعات والثاني متهم بالكذب (الفوائد المجموعة، تحت رقم الحديث ٣، ج١، ص١٠٣)

وقال السيوطي: حدثنا محمد بن الحسن بن قتيبة حدثنا أحمد بن جمهور القرقساني حدثنا محمد بن أيوب حدثني أبي عن رجاء بن نوح حدثتني ابنة وهب بن منبه عن أبيها عن أبي هريرة مرفوعا من تزوج قبل أن يحج فقد بدأ بالمعصية. محمد بن أيوب يروى الموضوعات (قلت) وأحمد بن جمهور متهم بالكذب والله أعلم (اللآلي المصنوعة، ج٢، ص١٠١)

وقال المناوى: (الحج قبل التزويج) كذا هو بخط المصنف وفي نسخ التزوج بدون الياء ولا أصل له في نسخته أي هو مقدم عليه لاحتمال أن يشغله التزوج عنه وذهب ذاهبون إلى أن الأولى تقديم التزوج على الحج ليكون فكرة مجتمعا تمسكا بأدلة أخرى وكأنهم لم يبالوا بهذا الحديث لشدة ضعفه إن سلم عدم وضعه ولهذا قال ابن المنير عند قول البخارى باب من أحب أن يتزوج قبل الغزو ما نصه يستفاد منه الرد على العامة في تقديمهم الحج على الزواج ظنا منهم أن التعفف إنما يتأكد بعد الحج بل الأولى أن يتعفف ثم يحج هذه عبارته وحكاه عنه ابن حجر وأقره ولو كان في الحديث نوع تماسك لما ساغ لهما التعبير بهذه العبارة

(فر عن أبي هريرة) وفيه غياث بن إبراهيم قال الذهبي :تركوه وميسرة ابن عبد ربه قال الذهبي : كذاب مشهور (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٣٧٩٨)

[1] ثنا على بن عبد الله بن مبشر ,نا أحمد بن منصور الرمادى ,نا عبد الرزاق ,نا عبد الله بن عيسى بن بحير ,حدثني محمد بن أبي محمد ,عن أبيه ,عن أبي هريرة , قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :حجوا قبل أن لا تحجوا ,قيل :ما شأن الحج؟ قال :تقعد أعرابها على أذناب أوديتها فلا يصل إلى الحج أحد(سنن الدارقطني،رقم الحديث ٢٧٩٥)

مگر اس حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے، اور اس کو غیر مستند وغیر معتبر تک قرار دیا ہے۔ [1]

اس سے ملتی جلتی ایک اور روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

مگر اس کی سند پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے، بعض حضرات نے اس کی سند میں مذکور ایک

---

[1] محمد بن أبی محمد یروی عن أبیه عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم حجوا قبل أن لا تحجوا روی عبد الرزاق عن عبد الله بن بحیر بن ریسان الصنعانی عنه وهذا خبر باطل وأبو محمد لا یدری من هو (کتاب الثقات لا بن حبان، ج۷ص ۴۰۱)

عبد الله بن عیسی الجندی: شیخ لعبد الرزاق یروی عن محمد بن أبی محمد عن أبیه عن أبی هریرة رضی الله عنه مرفوعاً "حجوا قبل أن لا تحجوا قالوا: وما شأن الحج یا رسول الله؟ قال یقعد أعرابها علی أذناب شعابها فلا یصل إلی الحج أحد" رواه سلمة بن شبیب عن عبد الرزاق عنه وهذا إسناد مظلم وخبر منکر انتهی. وذکره العقیلی فی الضعفاء وساق له هذا الحدیث عن الفاکهی عنه فقال إسناد مجهول فیه نظر (لسان المیزان، ج۲ص ۵۳)

(حجوا قبل أن لا تحجوا) قالوا: وما شأن الحج یا رسول الله قال: (تقعد أعرابها علی أذناب أودیتها) أی المواضع التی تنتهی إلیه مسائل الماء وذبابة الوادی بالضم الموضع الذی ینتهی إلیه سیله (فلا یصل إلی الحج أحد) قال القرطبی: وذلک بعد رفع القرآن من الصدور والمصاحف وذلک بعد موت عیسی علیه الصلاة والسلام حتی لا یبقی فی الأرض من یقول الله الله وقد مر لذلک مزید تبیان وفی روایة حجوا قبل أن تنبت شجرة فی البادیة لا تأکل منها دابة إلا نفقت ولا تعارض لاحتمال وقوع الأمرین معا.

(هق) فی الحج (عن أبی هریرة) قال الذهبی فی المهذب: إسناده واه اه.

ورواه الدارقطنی باللفظ المزبور عن أبی هریرة المذکور وتعقبه مختصره الغریانی بأن فیه عبد الله بن عیسی بن یحیی شیخ لعبد الرزاق مجهول ومحمد بن أبی محمد مجهول وأورده ابن الجوزی فی العلل وجعل علته جهالة محمد بن أبی محمد (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۳۶۸۴)

[2] حدثنا أبو بکر الطلحی ثنا أبو حصین الوادعی ثنا یحیی بن عبدالحمید الحمانی ثنا حصین بن عمر الاحمسی ثنا الأعمش عن ابراهیم التیمی عن الحارث بن سوید قال سمعت علیا رضوان الله علیه یقول حجوا قبل أن لا تحجوا فکأنی أنظر إلی حبشی أصلع أقرع بیده معول یهدمها حجرا حجرا فقلت له شیء تقوله برأیک أو سمعته من النبی صلی الله علیه و سلم قال لا والذی فلق الحبة وبرأ النسمة ولکن سمعته من نبیکم صلی الله علیه و سلم.

هذا حدیث غریب من حدیث الحارث وإبراهیم لم یروه عن الأعمش إلا حصین بن عمر (حلیة الاولیاء، ج۴ص ۱۳۱،۱۳۲، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۶۴۶)

راوی کو متروک قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] ثنا بن ذريح ثنا جبارة ثنا حصين بن عمر عن الأعمش عن إبراهيم التيمي عن الحارث بن سويد قال سمعت عليا يقول حجوا قبل أن لا تحجوا فلكأني أنظر الى حبشي أصمع أقرع على كعبتكم هذه بيده معول ينقضها حجرا حجرا قلت سمعت من النبي صلى الله عليه وسلم أو من رأيك قال بل سمعت من نبيكم صلى الله عليه وسلم قال بن عدي وهذا يرويه حصين بن عمر عن الأعمش ولحصين غير هذا من الحديث وعامة أحاديثه معاضيل ينفرد عن كل من يروى عنه حصين والد داود بن حصين(الكامل فى ضعفاء الرجال، ج۲ص ۳۹۶)

حصين ابن عمر الأحمسي (الأحمس) بمهملتين الكوفي متروك من الثامنة ت(تقريب التهذيب، ج۱ ص ۱۷۰، رقم الترجمة ۱۳۷۸)

حصين بن عمر الأحمسي، أبو عمر، ويقال :أبوعمران، الكوفي......قال البخاري:منكر الحديث، ضعفه أحمد، قدم من الكوفة إلى بغداد سائلا يسأل .وقال أبو حاتم:قال لي دلويه يعني :زياد بن أيوب :نهاني أحمد بن حنبل أن أحدث عن حصين بن عمر، وقال :إنه كان يكذب.وقال إسحاق بن منصور، عن يحيى بن معين :ليس بشيء .وقال علي بن المديني :ليس بالقوي، روى عن مخارق أحاديث منكرة.وقال يعقوب بن سفيان :ضعيف جدا، ومنهم من يجاوز به الضعف إلى الكذب.

وقال أبو زرعة وزكريا بن يحيى الساجي:منكر الحديث.وقال أبو حاتم:واهي الحديث جدا لا أعلم يروي حديثا يتابع عليه، هو متروك الحديث.وقال الترمذي:ليس عند أهل الحديث بذاك القوي.وقال النسائي:ضعيف.وقال في موضع آخر :ليس بثقة.وقال أحمد بن عبد الله العجلي : كوفي ثقة .وقال أبو أحمد بن عدي :عامة أحاديثه معاضيل :ينفرد عن كل من روى عنه(تهذيب الكمال ، ج۶ص ۵۲۶، الیٰ ۵۲۹، ملخصاً)

(حجوا قبل أن لا تحجوا) أي اغتنموا فرصة الإمكان والفوز بتحصيل هذا الشعار العظيم الحاوي للفضل العميم قبل أن يفوت فإنه فائت ولا بد أن يمتنع عليكم الحج ويحال بينكم وبينه (فكأني أنظر إلى) عبد (حبشي أصمع) بصاد مهملة أي صغير الأذن وفي رواية بدله أصلع (أفدع) بوزن أفعل أي متفاصل المفاصل والفدع محركا اعوجاج الرسغ من اليد والرجل فينقلب الكف والقدم إلى الجانب الآخر (بيده معول يهدمها) حال كونه هدمه (حجرا حجرا) زاد في رواية ويتناولونها حتى يرمونها يعني حجارة الكعبة إلى البحر وزاد أحمد فلا تعمر بعد ذلك أبدا وذلك قرب الساعة وهو من أشراطها وقال الطيبي :وهذا استحضاره لتلك الحالة القريبة في الذهن تعجبا وتعجيبا للغير ونحوه (ولو ترى إذ المجرمون ناكسوا رؤوسهم عند ربهم) في وجه وقد جاء في تخريب الكعبة أحاديث كثيرة عند البخاري وغيره وهذا التخريب لا ينافيه قوله تعالى (أولم يروا أنا جعلنا حرما آمنا) ولا خبر الصحيح إني أحلت لي مكة ساعة من نهار ثم عادت حرمتها إلى يوم القيامة لأن تخريبه مقدمة لخراب الدنيا بدليل الحديث القدسي قال الله تعالى :إذا أردت أن أخرب الدنيا بدأت ببيتي فخربته فكونه آمنا محترما إنما هو قبل ذلك على أن الحكم بالحرمة والأمن باق إلى يوم القيامة بالفعل لكن باعتبار أغلب أوقاته وإلا فكم وقع فيه من قتال وإخافة لأهله جاهلية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عمرہ کے حج کا سر کے مثل ہونے کی حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ عمرہ حج کے لئے ایسا ہے، جیسا جسم کے لئے سر ہوتا ہے، اور روزہ کے لئے زکاۃ ہوتی ہے۔

مگر اس کی سند شدید ضعیف اور نا قابلِ اعتبار معلوم ہوتی ہے۔ [1]

حج سے پہلے عمرہ کی ممانعت کی حدیث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے پہلے عمرہ کرنے سے منع فرمایا (ابوداؤد) [2]

مگر اس حدیث کی سند اولاً تو ضعیف ہے۔

اور دوسرے صحیح احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حج سے پہلے عمرہ کرنا ثابت ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وإسلاما في زمن ابن الزبير وبعده إلى زمننا ولو لم يكن إلا وقعة القرامطة.

(ک هق) في الحج من حديث الحارث بن سويد (عن علي) أمير المؤمنين قال الحارث :سمعت عليا يقوله فقلت له شيء تقول برأيک أو سمعته من النبي صلى الله عليه وسلم فقال :لا والذي فلق الحبة وبرأ النسمة ولكنني سمعته من نبيكم انتهى وتعقبه الذهبي في التلخيص والمهذب بأن حصين بن عمر الأحمش أحد رواته واه ويحيى ليس بعمدة(فيض القدير للمناوي،تحت رقم الحديث ٣٦٨٣)

[1] (العمرة في الحج بمنزلة الرأس من الجسد وبمنزلة الزكاة من الصيام) فيه إشارة إلى وجوب العمرة فلا يكفي الحج عن العمرة ولا عكسه(فر عن ابن عباس) وفيه إسماعيل بن أبي زياد وهم ثلاثة قد رمي كل منهم بالكذب وجويبر قال الذهبي :قال الدارقطني متروک(فيض القدير للمناوي، تحت رقم الحديث ٥٧٣٦)

[2] حدثنا أحمد بن صالح، حدثنا عبد الله بن وهب، أخبرني حيوة، أخبرني أبو عيسى الخراساني، عن عبد الله بن القاسم، عن سعيد بن المسيب، أن رجلا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، أتى عمر بن الخطاب رضي الله عنه، فشهد عنده أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي قبض فيه ينهى عن العمرة قبل الحج(ابوداؤد، رقم الحديث ١٧٩٣)

اس لئے یہ حدیث صحیح احادیث کے بھی خلاف ہوئی۔ [1]

البتہ اگر اس حدیث کا یہ مطلب مراد لیا جائے، کہ جس پر حج فرض ہو، اور اس کو حج کرنے سے کوئی عذر بھی نہ ہو، تو اسے حج کا فرض ترک کر کے عمرہ کرتے رہنا درست نہیں، تو اس حد تک اس حدیث کا مفہوم درست ہوسکتا ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا أحمد بن محمد، أخبرنا عبد الله، أخبرنا ابن جريج، أن عكرمة بن خالد، سأل ابن عمر رضى الله عنهما، عن العمرة قبل الحج؟ فقال :لا بأس، قال عكرمة :قال ابن عمر: اعتمر النبى صلى الله عليه وسلم قبل أن يحج(بخارى، رقم الحديث ١٧٧٤)

(نهى عن العمرة) أى فعلها (قبل) فعل (الحج) لا يعارضه أنه اعتمر قبل الحج ثلاث عمر وبعد ذلك عمرته فى الحجة التى حجها لأنه إنما نهى عن ذلك لسبب وقد زال بإكمال الدين أو يحمل النهى على الندب جمعا بينهما أو أنه إنما نهى عنه لئلا يميل الناس إلى التمتع وخفته فيضيع الإفراد الأفضل عند قوم(د عن رجل) من الصحابة قال الخطابى :وفى إسناده مقال (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٩٤١٥)

فإن قلت :روى أبو داود عن سعيد بن المسيب أن رجلا من الصحابة أتى عمر، رضى الله تعالى عنه، فشهد عنده أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى عن المتعة قبل الحج؟ قلت :أجيب عن هذا بأنه حالة مخالفة للكتاب والسنة والإجماع، كحديث أبى ذر، بل هو أدنى حالا منه، فإن فى إسناده مقالا(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج٩ص ١٩٩ ،باب التمتع والإقران والإفراد بالحج وفسخ الحج لمن لم يكن معه هدى)

[2] حديث الرجل الذى شهد عند عمر رضى الله عنه :(أنه سمع النبى صلى الله عليه وسلم فى مرضه الذى مات فيه ينهى عن العمرة قبل الحج)، ومعلوم أن العمرة قبل الحج ثابتة بالأحاديث الكثيرة، والنبى صلى الله عليه وسلم اعتمر قبل الحج، وعمره كانت قبل أن يحج، فقد اعتمر ثلاث عمر قبل الحج، واعتمر مع حجته الذى قرنها معها، بل إن الذين كانوا معه وكانوا قارنين ومفردين وليس معهم هدى أمرهم أن يفسخوا إحرامهم إلى العمرة، فيكونون متمتعين، فعلى هذا فهذا المعنى لا يستقيم ولا يصح، ولا تعارض بمثل هذه الأحاديث الأحاديث الأخرى؛ اللهم إلا أن يكون المقصود من ذلك أن الإنسان يأتى بالحج أولا، فهذا له وجه، ولكن لا مانع أن يعتمر الإنسان ولو لم يحج، ولا يعول على هذا الحديث الذى فيه أنه إذا لم يكن قد حج فلا يعتمر، بل يحج أولا ثم يعتمر، ولو أراد أن يعتمر قبل ذلك فليس له ذلك، فهذا ليس بصحيح، بل إذا تيسر له أن يعتمر فليعتمر ولو لم يحج، وإذا تيسر له الحج فليحج، والعمرة واجبة والحج واجب، ومتى استطاع الإنسان أن يؤدى واجبا من الواجبات المكلف بها سواء كان حجا أو عمره فعل وبادر، وعلى هذا : فهذا الحديث لا يحتج به؛ لأن فيه من لا يصلح للاحتجاج به، وفيه أيضا انقطاع بين سعيد بن المسيب وعمر، فإن سعيدا لم يسمع من عمر رضى الله تعالى عنه وأرضاه(شرح سنن ابى داوٗد للعباد، كتاب الحج،شرح حديث:أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن العمرة قبل الحج)

جعرانہ سے ستر نبیوں کے عمرہ کرنے کی حدیث

ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ جعرانہ سے ستر نبیوں نے عمرہ کیا ہے (ابنِ سعد) [1]

مگر اس حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے، لہٰذا اس کے ثبوت پر اعتقاد نہ رکھنا چاہئے۔ [2]

حجِ تمتع کی ممانعت کی حدیث

ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ تمہارے بعد کسی کو حجِ تمتع کرنا جائز نہیں (طبرانی) [3]

مگر اس حدیث کی سند منکر معلوم ہوتی ہے۔

اس حدیث میں ایک راوی سعید بن مرزبان، اور دوسرے راوی عباد بن صہیب پر محدثین نے غیر معمولی کلام کیا ہے۔

نیز صحیح احادیث میں قیامت تک عمرہ کے حج میں داخل ہونے کا ذکر آیا ہے، جس سے مرادِ حجِ تمتع ہی ہے۔

---

[1] أخبرنا موسى بن داود .أخبرنا ابن لهيعة عن عياض بن عبد الرحمن عن محمد بن جعفر :(أن النبى -صلى الله عليه وسلم -اعتمر من الجعرانة وقال :اعتمر منها سبعون نبيا)(الطبقات الكبرىٰ لابنِ سعد، ج ۲ ص ۱۳۰)

[2] کیونکہ اس روایت کے ایک راوی محمد بن جعفر ہیں، جو کہ مجہول معلوم ہوتے ہیں، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی براہِ راست روایت کررہے ہیں، اور ابنِ لہیعہ پر بھی محدثین کا کلام ہے۔

البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جعرانہ سے عمرہ کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

[3] حدثنا موسى بن عيسى الجزرى البصرى، نا صهيب بن محمد بن عباد بن صهيب، نا عباد بن صهيب، نا سعيد بن المرزبان أبو سعد البقال، عن إبراهيم التيمى، عن أبيه قال :مررنا على أبى ذر، بالربذة، فسألته عن المتعة فى الحج؟ فقال :خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن مهلون بالحج، فلما قدمنا مكة أمرنا فأحللنا، ووطئناالنساء ، فلم يحل النبى صلى الله عليه وسلم من أجل أنه ساق الهدى، ثم قال :لا يكون لأحد بعدكم.لم يرو هذا الحديث بهذا التمام عن أبى سعد إلا عباد بن صهيب، تفرد به :صهيب (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۸۴۰۸)

لہٰذا مذکورہ حدیث ان احادیث کے بھی خلاف ہے۔ ل

ل سعيد بن المرزبان العبسي، أبو سعد، البقال، الكوفي، الأعور، مولى حذيفة بن اليمان.....قال إسماعيل بن عبد الله سمويه، عن عمر بن حفص بن غياث :ترک أبي حديث أبي سعد البقال.وقال محمود بن غيلان :سئل وكيع عن أبي سعد البقال فقال :كان يروى عن أبي وائل، وكان أبو وائل ثقة.وقال البخارى:قال ابن عيينة :كان عبد الكريم أحفظ منه .وقال محمد بن سهل بن طرخان البيكندى، عن عبد الله بن المبارک، قلت شريک :أتعرف أبا سعيد البقال؟ قال :أى والله، أنا أعرفه عالي الإسناد، أنا حدثته عن عبد الكريم الجزرى، عن زياد بن أبي مريم، عن عبد الله بن معقل، عن عبد الله بن مسعود، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :الندم توبة .فتركني وترک عبد الكريم، وحدث عن عبد الله بن معقل، عن عبد الله بن مسعود، عن النبي صلى الله عليه وسلم.وقال أبو هشام الرفاعي :حدثنا أبو أسامة، قال :حدثنا سعيد بن المرزبان، وكان ثقة .وقال عبد الله بن أحمد بن حنبل عن أبيه :ما رأيت سفيان بن عيينة أملى علينا الا حديثا واحدا، حديث أبي سعيد البقال، قيل له :لم؟ قال :لضعف أبي سعد عنده.وقال عباس الدورى، وأحمد بن سعد بن أبي مريم عن يحيى بن معين :ليس بشيء.زاد ابن أبي مريم :لا يكتب حديثه.وقال أبو داود، عن يحيى بن معين :ليس بشيء ، وكان أعور، وكان من قراء الناس.وقال عمرو بن على:ضعيف الحديث، متروک الحديث. وقال أبو زرعة:لين الحديث، مدلس .قيل :هو صدوق؟ قال :نعم، كان لا يكذب.وقال أبو حاتم :لا يحتج بحديثه .وقال البخارى :منكر الحديث.وقال النسائي: ضعيف.وقال في موضع آخر :ليس بثقة ولا يكتب حديثه.وقال أبو أحمد بن عدى :حدث عنه شعبة والثورى وابن عيينة وغيرهم من ثقات الناس، وله من الحديث شيء صالح، وهو في جملة ضعفاء الكوفة الذين يجمع حديثهم ولا يترک، وكان قاسم المطرز قد جمع حديثه يمليه علينا(تهذيب الكمال ،ج ١١ ص ٥٢ الى ٥٥ ملخصاً)

عباد بن صهيب البصرى: أحد المتروكين عن هشام بن عروة والأعمش قال ابن المديني ذهب حديثه وقال البخارى والنسائي وغيرهما متروک وقال ابن حبان كان قدرياً داعية ومع ذلک يروى أشياء إذا سمعها المبتدى في هذه الصناعة شهد لها بالوضع محمد بن موسى......قال البخارى في كتاب الضعفاء الكبير عباد بن صهيب مات بعد المائتين تركوه كثير الحديث وأما أبو داود فقال صدوق قدرى وقال أحمد ما كان بصاحب كتب وكان عنده من الحديث أمر عظيم قد سمع من الأعمش وقال الكديمي سمعت علياً يقول تركت من حديثي مائة ألف حديث النصف منها عن عباد بن صهيب وروى أحمد بن روح عن عباد مائة ألف حديث قال ابن عدى :لعباد بن صهيب تصانيف كثيرة ومع ضعفه يكتب حديثه بن أبي داود حدثنا يحيى بن عبد الرحمن سمعت يحيى بن معين يقول عباد بن صهيب أثبت من أبي عاصم النبيل وقال أبو إسحاق السعدى عباد بن صهيب غال في بدعته بأباطيله انتهى .وحكى الأصمعي أن كلباً تخلل جماعة ثم بال على عباد فقال خلف الأحمر لو كان هذا من القافة ما زاد على هذا وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه رأيته بالبصرة وكانت القدرية تبجله وقال أبو بكر بن أبي شيبة تركنا حديثه قبل أن يموت بعشرين سنة وقال أبو حاتم متروک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حاجی سے ملاقات اور سلام اور مصافحہ کی حدیث

ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جب آپ حاجی سے ملاقات کریں، تو اُسے سلام کریں، اوراس سے مصافحہ کریں، اوراس سے اپنے لئے استغفار کی درخواست کریں، قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو (مسند احمد) [1]

مگراس حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے، بعض نے ضعیف اور بعض نے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الحديث ضعيف الحديث تركت حديثه وقال عبدان لم يكذبه الناس وإنما لقنه صهيب بن محمد بن صهيب أحاديث فى آخر الأمر وقال عبدان لم يكذبه الناس وإنما لقنه صهيب بن محمد بن صهيب أحاديث فى آخر الأمر وقال النسائى فى التمييز ليس بثقة وفى رواية شاذة عن يحيى بن معين هو ثبت وقال الساجى عنى بطلب الحديث ورحل وكتب عنه الناس وكان قدرياً وكان يحدث عن كل من لقى وكانت كتبه ملأى من الكذب قال يحيى بن معين كان من الحديث بمكان إلا أن الله يضع من يشاء ويرفع من يشاء قيل له فتراه صدوقاً فى الحديث قال ما كتبت عنه شيئاً وقال العجلى كان مشهور بالسماع إلا أنه كان يرى القدر ويدعو له فترك حديثه وبنحوه قال ابن سعد و قال ابن عدى :عباد بن صهيب أبو بكر الكليبى بصرى ومن الرواة من إذا روى عنه يقول حدثنا أبو بكر الكليبى ولا يسميه لضعفه(لسان الميزان، ج۲ص۱۳، ۱۴)

[1] حدثنا عفان، حدثنا محمد بن الحارث الحارثى، حدثنا محمد بن عبد الرحمن بن البيلمانى، عن أبيه، عن عبد الله بن عمر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ": إذا لقيت الحاج فسلم عليه وصافحه، ومره أن يستغفر لك قبل أن يدخل بيته، فإنه مغفور له (مسند أحمد، رقم الحديث ۵۳۷۱)

[2] فى حاشية مسند احمد:إسناده ضعيف جداً.

محمد بن الحارث الحارثى وعبد الرحمن ابن البيلمانى أبو محمد ضعيفان، ومحمد بن عبد الرحمن البيلمانى ضعيف أيضاً، وقال عنه البخارى :منكر الحديث.

وأخرجه ابن حبان فى "المجروحين۲/۲۶۵"من طريق محمد بن الحارث، بهذا الإسناد .وأورده ضمن نسخة قال عنها :وأكثرها موضوعة أو مقلوبة.

وقال ابن حجر:محمد بن عبد الرحمن بن البيلمانى بفتح الموحدة واللام بينهما تحتانية ساكنة ضعيف وقد اتهمه بن عدى وابن حبان من السابعة(تقريب التهذيب ج ا ص ۴۹۲)

عبد الرحمن بن البيلمانى مولى عمر مدنى نزل حران ضعيف من الثالثة (ايضاً ج ا ص ۵۶۳)

وقال ابن طاهر:إذا لقيت الحاج فسلم عليه وصافحه ومره أن يستغفر لك.فيه محمد بن عبد الرحمن البيلمانى، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ بعض اور ضعیف روایات وآثار میں حج یا عمرہ کرنے والے سے دعاء کی درخواست کا ذکر ملتا ہے، مگر ان میں حج یا عمرہ کرکے واپس آنے اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے سلام ومصافحہ اور دعاء کی درخواست کی قید نہیں ہے، جن سے حج یا عمرہ کرنے والے سے گھر میں داخل ہونے سے پہلے کسی وقت کی قید وشرط کے بغیر (خواہ جانے سے پہلے ہو یا آنے کے بعد یا حج وعمرہ کرنے کے دوران) دعاء کی درخواست کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وهو لا شيء في الحديث(معرفة التذكرة، تحت رقم الحديث ٨٧)

وقال ابن حبان: محمد بن عبد الرحمن البيلماني يروى عن أبيه روى عنه أهل البصرة كان ممن أخرجت له الأرض أفلاذ كبدها حدث عن أبيه بنسخة شبيها بمائتي حديث كلها موضوعة لا يجوز الاحتجاج به ولا ذكره في الكتب إلا على جهة التعجب سمعت محمد بن محمود يقول سمعت الدارمي قلت ليحيى بن معين محمد بن عبد الرحمن البيلماني فقال ليس بشيء قال أبو حاتم وقد روى بن البيلماني عن أبيه عن بن عمر...... قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا لقيت الحاج فسلم عليه وصافحه ومره أن يستغفر لك قبل أن يدخل بيته فإنه مغفور له...... كلها أخبرنا بهذه الأحاديث محمد بن يعقوب بن إسحاق الخطيب بالأهواز قال حدثنا عبد الله بن محمد الحارثي قال حدثنا محمد بن الحارث الحارثي قال حدثني محمد بن عبد الرحمن البيلماني مولى بن عمر عن أبيه عن بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في تلك النسخة التي ذكرناها أكثرها موضوعة أو مقلوبة كرهت ذكرها كلها لأن فيما ذكرناه غنية لمن هذا الشأن صناعته عن الإكثار منها في الذكر(المجروحين لابنِ حبان، ج۲ص ۲۶۴، ۲۶۵، تحت رقم الترجمة ۹۴۸)

[1] حدثنا وكيع، حدثنا سفيان، وعبد الرزاق قال :أخبرنا سفيان، عن عاصم بن عبيد الله، عن سالم،عن ابن عمر، أن عمر استأذن النبي صلى الله عليه وسلم في العمرة فأذن له .فقال " :يا أخي أشركنا في صالح دعائك ولا تنسنا "، قال :عبد الرزاق في حديثه :فقال :عمر " :ما أحب أن لي بها ما طلعت عليه الشمس (مسند احمد، رقم الحديث ۵۲۲۹)

في حاشية مسند احمد:إسناده ضعيف لضعف عاصم بن عبيد الله -وهو ابن عاصم بن عمر بن الخطاب -، وباقي رجاله ثقات رجال الشيخين.

وقال الهيثمي:رواه أحمد وأبو يعلى، وفيه عاصم بن عبيد الله بن عاصم، وفيه كلام كثير لغفلته، وقد وثق (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۲۸۶،باب دعاء الحجاج والعمار)

حدثنا إبراهيم بن سعيد الجوهري ,حدثنا حسين بن محمد ,حدثنا شريك ,عن منصور ,عن أبي حازم ,عن أبي هريرة رضي الله عنه ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :يغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج. وهذا الحديث لا نعلم رواه عن منصور ,عن أبي حازم ,عن أبي هريرة رضي الله عنه، إلا شريك ولا عن شريك إلا حسين بن محمد ولم نسمعه إلا من إبراهيم بن سعيد (مسند البزار، رقم الحديث ۹۷۲۶،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حاجی کی واپسی تک دعاء قبول ہونے کی حدیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث مروی ہے، جس میں یہ مضمون آیا ہے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ۸۵۹۴،المعجم الصغیر للطبرانی، رقم الحديث ۱۰۸۹)

قال الهيثمي: رواه البزار والطبراني في الصغير، وفيه شريك بن عبد الله النخعي، وهو ثقة، وفيه كلام، وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۲۸۷،باب دعاء الحجاج والعمار)

عن ليث ، عن مجاهد ، قال :قال عمر :يغفر للحاج ، ولمن استغفر له الحاج ، بقية ذي الحجة ، والمحرم ، وصفرا ، وعشرا من شهر ربيع الأول(مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۱۲۸۰۰)

حدثنا شريك ، عن جابر ، عن مجاهد ؛ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :اللهم اغفر للحاج ، ولمن استغفر له الحاج(مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۱۲۸۰۱)

يغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج . رواه البزار والطبراني في الصغير عن أبي هريرة رفعه ، ورواه ابن خزيمة في صحيحه والحاكم في مستدركه والبيهقي بلفظ اللهم اغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج ، وقال الحاكم أنه على شرط مسلم وتعقب بأن في سنده شريك القاضي ولم يخرج له في المتابعات ، ولكن له شاهد عند التيمي في ترغيبه عن مجاهد مرسلا ، ونحوه ما رواه أحمد عن أبي موسى الأشعري قال إذا رجع يعني الحاج من الحج المبرور رجع وذنبه مغفور ودعاؤه مستجاب - إلى غير ذلك من الآثار كما بينها السخاوي في أماليه وروى أحمد أيضا عن ابن عمر مرفوعا إذا لقيت الحاج فسلم عليه وصافحه ومره أن يستغفر لك قبل أن يدخل بيته فإنه مغفور له . ولمسدد في مسنده وأبي الشيخ في الثواب وغيرهما عن عمر أنه قال يغفر للحاج ولمن يستغفر له الحاج بقية ذي الحجة والمحرم وصفر وعشرا من ربيع الأول ، وهو من رواية ليث بن أبي سليم ، وهو ضعيف عن عمر وهو على ما ظن منقطع ، ويشهد له ما جاء عن يونس بن أسباط عن يس الزيات وهو ضعيف أنه قال يغفر للحاج ولمن استغفر له الحاج في ذي الحجة والمحرم وصفر وعشرين من ربيع كما ذكره الدينوري في المجالسة ، ومثله لا يقال من قبل الرأي فحكمه الرفع قال في المقاصد ويمكن أن تكون حكمته أن أكثر الحاج يصل لمكة في أول ذي الحجة أو قبله بيسير ومعلوم أن الحسنة بعشر أمثالها فيجعل لكل يوم من عشر ذي الحجة ما عدا يوم الوقوف لمزيد الثواب فيه عشرة أيام فبلغ ذلك تسعين يوما القدر المذكور في حديث عمر ، ويحتمل أن يكون ذلك أقصى زمن ينتهي فيه القاصد مكة بعد حجه لبلده غالبا ، وأما ما أورده الديلمي في الفردوس بلا إسناد ولم يقف له ولده ولا شيخنا على سند عن علي رفعه يغفر للحاج ولأهل بيت الحاج ولقرابة الحاج ولعشيرة الحاج ولمن شيع الحاج ولمن استغفر له الحاج أربعة أشهر وعشرين من بقية ذي الحجة والمحرم وصفر وربيع الأول وعشرين من ربيع الآخر. فليس عليه رونق ألفاظ النبوة بل هو ركيك لفظا ومعنى كما بينته في بعض الأجوبة انتهى(كشف الخفاء للعجلوني، تحت رقم الحديث ۳۲۲۵)

کہ حاجی کی دعاء واپسی تک قبول کی جاتی ہے (بیہقی) [1]

مگر اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالرحیم بن زید عمّی ہیں، جن پر محدثین نے سخت تنقید فرمائی ہے، جس کی وجہ سے یہ حدیث شدید ضعیف معلوم ہوتی ہے۔ [2]

حج وعمرہ کے علاوہ سر کے بال کٹانے کی ممانعت کی حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث میں یہ مضمون مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج یا عمرہ کے علاوہ سر کے بال کٹانے سے منع فرمایا ہے (طبرانی) [3]

مگر اس حدیث کی سند کو محدثین نے ضعیف اور بعض نے منکر قرار دیا ہے، اس لئے اس روایت سے حج وعمرہ کے علاوہ دوسرے مواقع پر سر کے بال منڈانے یا کٹانے کی ممانعت یا عدمِ جواز پر استدلال درست نہیں ہے۔ [4]

---

[1] عبد الرحيم بن زيد العمى ,عن أبيه عن سَعِيد بن جُبَيْر عن ابن عباس رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم قال خمس دعوات يستجاب لهن دعوة المظلوم حتى ينتصر ودعوة الحاج حتى يصدر ودعوة المجاهد حتى يقفل ودعوة المريض حتى يبرأ ودعوة الأخ لأخيه بظهر الغيب ,ثم قال :وأسرع هذه الدعوات إجاة دعوة الأخ بظهر الغيب(الدعوات الكبير للبيهقى، رقم الحديث ٦٧١)

[2] ق :عبد الرحيم بن زيد بن الحوارى العمى، أبو زيد البصرى.روى عن :أبيه زيد العمى (ق) ، ومالک بن دينار......قال عباس الدروى، عن يحيى بن معين :ليس بشيء.وقال إبراهيم بن يعقوب الجوزجانى:غير ثقة.وقال أبو زرعة:واهى، ضعيف الحديث .وقال أبو حاتم:ترک حديثه، منكر الحديث، كان يفسد أباه يحدث عنه بالطامات.وقال البخارى :تركوه.وقال أبو داود ضعيف . وقال النسائى : متروک الحديث.وقال فى موضع آخر :ليس بثقة ولا مأمون، ولا يكتب حديثه. وقال أبو أحمد بن عدى يروى عن أبيه، عن شقيق، عن عبد الله غير حديث منكر، وله أحاديث لا يتابعه الثقات عليها(تهذيب الكمال، ج١٨ ص٣٤ الىٰ ٣٦ ،ملخصاً)

[3] حدثنا يعقوب بن إسحاق، حدثنى أبى، ثنا محمد بن سليمان بن مسمول، حدثنى عمر بن محمد بن المنكدر، عن أبيه، عن جابر، عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال :لا توضع النواصى إلا فى حج أو عمرة(المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ٩٤٧٥)

[4] قال الهيثمى:رواه البزار والطبرانى فى الأوسط، وفيه محمد بن سليمان بن مسمول، وهو ضعيف بهذا الحديث وغيره(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٥٥٩٥،باب فى الحلق والتقصير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علاوہ ازیں صحیح حدیث میں سر کے بال منڈانے کی اجازت ثابت ہے، البتہ عورتوں کو سر کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقوله لا توضع النواصی إلا فی حج أو عمرة)

وقال محمد بن طاهر المقدسی: حديث :لا توضع النواصی لله تعالى إلا فی حج ، او عمرة .رواه محمد بن سليمان بن مشمول :عن محمد بن المنكدر ، عن جابر .ومحمد هذا ضعيف .وقال البخاری :كان الحميدی يتكلم فيه(ذخيرة الحفاظ، تحت رقم الحديث ۶۱۷۴)

محمد ابن سليمان بن مسمول المسمولی المخزومی حجازی :سكن مكة يروی عن نافع وعن القاسم بن مخول أدركه الحميدی وقال النسائی مكی ضعيف.

وقال أبو حاتم :ضعيف الحديث وقال ابن عدی :عامة ما يرويه لا يتابع عليه متناً وإسناداً فمن ذلک له عن عبيد الله بن سلمة ابن وهرام عن أبيه عن طاوس عن ابن عباس رضی الله عنه مرفوعاً قال " :لا يشهد على شهادة حتى يكون أضوأ من الشمس "وبه مرفوعاً "الناس معادن والعرق دساس ودر السوء كعرق السوء "

إسحاق ابن أبی إسرائيل حدثنا محمد بن سليمان بن مشمول المكی حدثنا عمر ابن محمد بن المنكدر عن أبيه عن جابر رضی الله عنه مرفوعاً "لا توضع النواصی إلا لله فی حج أو عمرة " إبراهيم بن عبيد الله ابن مهدی حدثنا محمد ابن مشمول المكی حدثنا عبيد الله ابن سلمة ابن وهرام عن أبيه عن ميل ابن مسرح الأشعری قال :رأيت أبی يقلم أظفاره ويدفنها ويقول رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم :يفعل ذلک انتهى .وفی الإكمال فی مشرح بكسر الميم وسكون المعجمة روت عنه بنته ميل ومحمد ابن سليمان ذكره ابن حبان فی الثقات وذكره ابن شاهين فی الثقات وزعم أن يحيى ابن معين وثقه ذكره العقيلی والساجی والدولابی وابن الجارود فی الضعفاء قال ابن حزم :منكر الحديث(لسان الميزان، ج۲ص۳۹۴)

> أخبرنا عبيد الله بن عدی فی كتابه وحدثنی عنه ثابت بن أسد ,ثنا علی بن إبراهيم بن الهيثم ,ثنا حماد بن الحسن ,ثنا عمر بن بشر المكی ,ثنا فضيل بن عياض ,قال: سمعت عبد الملک بن جرير ,حدثنی عطاء ، عن ابن عباس ,قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :لا توضع النواصی إلا لله فی حج أو عمرة فما سوى ذلک فمثلة غريب من حديث الفضيل لم نكتبه إلا من هذا الوجه(حلية الاولياء لابی نعيم، ج۸ص۱۳۹)

أما الحديث الثالث :(لا توضع النواصی) فإنه ضعيفٌ أخرجه البزار(۱۱۳۴)والعقيلی فی الضعفاء (۴/۷۰)، وابنُ عدی فی الكامل (۲۲/۴/۶) والخطيب(۳/۲۳۹)والطبرانی فی الأوسط (۹۴۷۵)من طريق محمد بن سليمان بن مسمول ، حدثنی عمر بن محمد بن المنكدر ، عن أبيه ، عن جابر مرفوعًا ، فذكره ، قال الطبرانی :(لم يرو هذا الحديث عن عمر بن محمد بن المنكدر ، إلا محمد بن سليمان بن مسمول) ، وقال البزار :لا نعلمه عن جابر إلا بهذا الإسناد ، وعمر حدَّث بأحاديث عن كتابٍ ، فوقع فی النفس منه تهمة ، وإلا فأصلُ الحديث معروف) . اهـ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بال منڈانے کی ممانعت ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلتُ :ومحمد بن سليمان بن مسمول ضعيف ، وفيه توثيق ليّنٌ ، وقد خالفه نافع بن محمد ، فرواه عن عمر بن محمد بن المنكدر ، عن أبيه قال :(لا توضع النواصي إلا في حج أو عمرة) ، يعني الحلْق ، أخرجه العقيلي (۴/۷۰) من طريق سفيان ، حدثنا رجل يُقال له :نافع بن محمد .
فذكره ، قال العقيلي :وهذا أولى ، وهو يعني أنه بقول محمد بن المنكدر أشبه منه مرفوعًا ، وقد وقفت على طريق آخر للحديث المرفوع ، فأخرجه الرامهرمزي في المحدث الفاضل (۲۰۴)من طريق أحمد بن سليمان بن هاشم ثنا محمد بن إسماعيل بن الأشج قال :سألت يوسف بن محمد بن المنكدر ، قلت :أأخبرك أبوك أن جابرًا حدَّثه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال فذكره .
وسنده ضعيفٌ ، ويوسف بن محمد بن المنكدر تركه النسائي والدولابي ، وضعَّفه أبو داود وأبو حاتم والعقيلي وابن حبان ، ومشَّاه أبو زرعة وابن عدي .
وله شاهد من حديث ابن عباس مرفوعًا :(لا توضع النواصي إلا لله في حج أو عمرة).
أخرجه بحشل في تاريخ واسط(ص ۲۵۴،۲۵۵) قال :حدثنا علي بن سهل بن عبيد الله ، قال :ثنا سعيد بن سالم ، عن ابن جريج ، عن عطاء ، عن ابن عباس مرفوعًا .
وعلي بن سهل لم أجد له ترجمة ، وابن جريج مدلسٌ ، ولم يصرح بتحديث ، لكنه لم يتفرد به ، فتابعه عبد الملك بن جريج ، قال :حدثني عطاء ، عن ابن عباس مرفوعًا مثله ، وزاد :(فما سوى ذلك فمثلة).
أخرجه أبو نعيم في (الحلية) (۸/۱۳۹) من طريق عمر بن بشر المكي ، ثنا فضيل بن عياض ، قال :سمعت عبد الملك بن جرير .
قلتُ :كذا وقع في (الحلية) : (عبد الملك بن جرير) ؛ ولم أجده ، فكأن صوابه :(عبد الملك بن جريج) ، ولم أجد من نص على رواية الفضيل عنه ، وإن كان روايته عنه مقبولة ؛ لأنه من طبقة الآخذين -عن ابن جريج ، فإن صحَّ ذلك فتكون المتابعة من الفضيل لسعيد بن سالم ، ولكن قال أبو نعيم عقب الرواية :(غريب من حديث الفضيل ، لم نكتبه إلا من هذا الوجه(الفتاوىٰ الحديثية للحويني، ج ۱ ص ۶۴،۶۵)

ل حدثنا أحمد بن حنبل، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا معمر، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم :رأى صبيا قد حلق بعض شعره وترك بعضه، فنهاهم عن ذلك، وقال :احلقوه كله، أو اتركوه كله(سنن ابی داوٗد،رقم الحدیث ۴۱۹۵)

اس لئے اگر سر کے بال کٹانے کی ممانعت کو عورتوں کے ساتھ خاص رکھا جائے، یا یہ مراد لیا جائے کہ حج وعمرہ کے علاوہ دوسرے موقع پر سر کے بال کاٹنا یا مونڈنا عبادت کے طور پر ثابت نہیں، تو پھر اس حدیث کے معنیٰ درست ہوسکتے ہیں، مگر اس وقت کلام اس حدیث کی سند اور اس کے عام مفہوم کے بارے میں ہے۔

تین دن حج کی مسافت طے کرنے کی فضیلت کی حدیث

ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ حج کرنے والا جب اپنے گھر سے نکلتا ہے، پھر تین دن چلتا ہے، تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے، جیسا کہ وہ ماں سے پیدا ہونے کے دن تھا، اور اس کو تمام دنوں کے برابر درجات حاصل ہوتے ہیں (بیہقی) [1]

مگر اس روایت میں ایک راوی عبدالرحیم بن زید عمّی ہیں، جن پر محدثین نے سخت تنقید فرمائی ہے، جیسا کہ پہلے بھی گزرا، اس لئے یہ روایت شدید ضعیف معلوم ہوتی ہے۔ [2]

ستر نبیوں کے بیتُ اللہ کا ننگے پیر حج کرنے کی حدیث

بعض روایات میں یہ مضمون آیا ہے کہ ستر نبیوں نے بیتُ اللہ کا اس طرح حج کیا ہے کہ انہوں نے حرم کی تعظیم کی وجہ سے اپنے جوتے اتار لئے تھے۔

---

[1] عن عبد الرحيم بن زيد العمى، عن أبيه، عن تسعة، أو ثمانية نفر أخبروه، عن أبى ذر، أنه قال :عن رسول الله صلى الله عليه وسلم " :إذا خرج الحاج من أهله فسار ثلاثة أيام أو ثلاث ليال خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه، وكان سائر أيامه درجات، ومن كفن ميتا كساه الله من ثياب الجنة، ومن غسل ميتا خرج من ذنوبه، ومن حثا عليه التراب فى قبره كانت له بكل هباة أثقل فى ميزانه من جبل من الجبال ."تفرد به عبد الرحيم بهذا الإسناد وليس بالقوى (شعب الايمان، رقم الحديث ۳۸۱۹)

[2] ق :عبد الرحيم بن زيد بن الحوارى العمى، أبو زيد البصرى.روى عن :أبيه زيد العمى (ق) ومالک بن دينار......قال عباس الدروى، عن يحيى بن معين :ليس بشىء.وقال إبراهيم بن يعقوب الجوزجانى:غير ثقة.وقال أبو زرعة:واهى، ضعيف الحديث .وقال أبو حاتم:ترک حديثه، منكر الحديث، كان يفسد أباه يحدث عنه بالطامات.وقال البخارى :تركوه.وقال أبو داود ضعيف .

وقال النسائى : متروک الحديث.وقال فى موضع آخر :ليس بثقة ولا مأمون، ولا يكتب حديثه.

وقال أبو أحمد بن عدى يروى عن أبيه، عن شقيق، عن عبد الله غير حديث منكر، وله أحاديث لا يتابعه الثقات عليها(تهذيب الكمال، ج۱۸ ص۳۴ الىٰ ۳۶ ،ملخصاً)

عن عائشة إذا خرج الحاج من بيته كان فى حرز الله فإن مات قبل أن يقضى نسكه غفر الله ما تقدم من ذنبه وما تأخر وإنفاقه الدرهم الواحد فى ذلک الوجه يعدل أربعين ألف ألف درهم فيما سواه من سبيل الله تعالى قال ابن حجر موضوع (تذكرة الموضوعات للفتنى، ج ۱، ص۷۳)

مگران روایات کو محدثین نے غیر صحیح اور بعض کو ضعیف یا شدید ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے مذکورہ مضمون کے ثبوت پر عقیدہ رکھنا خلافِ احتیاط ہے۔ [۱]

مسجدِ نبوی میں پچاس ہزار نمازوں کے ثواب کی حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے مروی ایک حدیث میں مسجدِ نبوی میں

---

[۱] (روى) أنه -صلى الله عليه وسلم -قال :لقد حج هذا البيت (سبعون) نبيا لهم، خلعوا نعالهم من ذى طوى تعظيما للحرم.

هذا الحديث روى بمعناه من طريقين:

إحداهما :عن أبى موسى الأشعرى رضى الله عنه قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-لقد مر بالصخرة من الروحاء (سبعون) نبيا حفاة، عليهم العباء يؤمون البيت العتيق فيهم موسى رواه الطبرانى فى أكبر معاجمه والعقيلى فى تاريخ الضعفاء فى ترجمة أبان الرقاشي، وقال :حدثنى آدم، قال :سمعت البخارى، قال :أبان الرقاشي، عن أبى موسى روى عنه يزيد، ولم يصح حديثه .قال العقيلى :والحديث هو هذا.

(الطريق الثانى) : عن عطاء بن أبى رباح، عن ابن عباس رضى الله عنهما موقوفا عليه، قال :كانت الأنبياء يدخلون الحرم مشاة حفاة يطوفون بالبيت ويقضون المناسك حفاة مشاة رواه ابن ماجه فى سننه كذلك وفى إسناده مبارك بن حسان البصرى وثقه ابن معين، وقال النسائى :ليس بالقوى. وقال الأزدى :متروك الحديث، لا يحتج به، يرمى بالكذب .ورواه أحمد فى مسنده على نمط آخر فقال :ثنا وكيع، نا زمعة بن صالح، عن سلمة بن وهرام، عن عكرمة، عن ابن عباس، قال :لما مر رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بوادى عسفان حين حج (قال) : يا أبا بكر، أى واد هذا؟ قال :وادى عسفان .قال :لقد مر به هود وصالح على بكرات حمر خطمها الليف، أزرهم العباء ، وأرديتهم النمار، يلبون نحو البيت العتيق وزمعة ضعفه أحمد، وأخرج له مسلم مقرونا بآخر، وسلمة بن وهرام مختلف فيه، وثقه ابن معين وغيره، وضعفه أبو داود، وفى علل ابن أبى حاتم ، عن ابن عمر قال :وقف رسول الله -صلى الله عليه وسلم -بعسفان، فقال :لقد مر (بهذه) القرية سبعون نبيا، ثيابهم العباء ، ونعالهم الخوص قال ابن أبى حاتم :(قال أبى:) هذا حديث موضوع بهذا الإسناد.

ولما ذكر ابن الرفعة عن (النووى) استحباب دخول مكة حافيا، قال :وهو ما ذكره فى البحر عن بعض الناس مستدلا بقوله تعالى لموسى عليه السلام :(اخلع نعليك) (وبقوله عليه السلام :لقد حج هذا البيت ... فذكر الحديث، وهو كما ذكره عن (البحر) ، وكأنه سقط شىء من الاستدلال وأصله (لقوله تعالى :(اخلع نعليك) الآية)(البدرالمنير لابن الملقن، ج٦ ص ١٧٦ الىٰ ١٧٨، باب دخول مكة ومايتعلق به، الحديث الخامس)

ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ذکر کیا گیا ہے (ابنِ ماجہ) [1]

مگر اولاً تو اس حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے، بعض حضرات نے اس حدیث کو شدید منکر تک بھی قرار دیا ہے، دوسرے اس کی کسی دوسری روایت سے تائید بھی نہیں ہوتی۔ [2]

---

[1] حدثنا هشام بن عمار قال :حدثنا أبو الخطاب الدمشقي قال :حدثنا رزيق أبو عبد الله الألهاني، عن أنس بن مالك، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة الرجل في بيته بصلاة، وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة، وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلاة، وصلاته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة، وصلاته في مسجدي بخمسين ألف صلاة، وصلاة في المسجد الحرام بمائة ألف صلاة(سنن ابن ماجه، رقم الحديث ۱۴۱۳)

[2] عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة الرجل في بيته بصلاة وصلاته في مسجد القبائل بخمسة وعشرين صلاة وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة وصلاته في المسجد الأقصى بخمسين ألفا وصلاته في مسجدي هذا بخمسين الفا وصلاته في المسجد الحرام بماية ألف ومعروف الخياط هذا عامة ما يرويه وما ذكرته أحاديث لا يتابع عليه(الكامل في ضعفاء الرجال، ج۶،ص۳۲۷)

حديث :صلاة الرجل في بيته بصلاة ، وصلاته في مسجد القبائل بخمسة وعشرين صلاة ، وصلاته في مسجدي بخمسين ألفاً ، وصلاته في المسجد الحرام بمئة ألف .رواه معروف بن عبد الله الخياط :عن رزيق أبي عبد الله ، عن أنس .ومعروف هذا منكر الحديث (ذخيرة الحفاظ لمحمد بن طاهر المقدسي،ج۳،ص ۱۵۳۲)

أبو الخطاب الدمشقي (ق).اسمه حماد.عن رزيق الالهاني.وعنه هشام بن عمار، ومسلمة الخشني.ليس بالمشهور .قال هشام :حدثنا أبو الخطاب الدمشقي، حدثنا زريق الالهاني، عن أنس -مرفوعا :صلاة الرجل في المسجد الاقصى بخمسين ألف صلاة .هذا منكر جدا (ميزان الاعتدال في نقد الرجال ،لأبي عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان، تحت رقم الترجمة ۱۰۱۵۳)

وفي إسناده رزيق -بتقديم الراء المهملة -الألهاني .قال أبو زرعة :فلا بأس به .نقله عنه الحافظ جمال الدين المزي مقتصرا، وقال ابن حبان فيما نقله عنه ابن الجوزي في الضعفاء :ينفرد بالأشياء التي لا تشبه حديث الأثبات لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق.وقال ابن الجوزي في علله :إنه حديث لا يصح.وقال الخطيب :رزيق هذا في عداد المجهولين. قلت :ورأيت ابن حبان ذكره في ثقاته والراوي عن رزيق لا يعرف، وهو أبو الخطاب حماد .قال الذهبي في ميزانه :ليس بالمشهور(البدر المنير ،لابن الملقن،ج۹،ص۵۱۴،كتاب النذر ،الحديث الثامن عشر)

عن أنس بن مالك قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" :صلاة الرجل في بيته بصلاة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بلکہ دوسری کثیر اور صحیح احادیث اس کے خلاف ہیں، اور ان میں مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کے بجائے ایک ہزار نمازوں کے برابر اور مسجدِ حرام یا مسجدِ بیت اللہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر حاصل ہونے کا ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةٌ فِيْ مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وصلاته فى مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته فى المسجد الذى يجمع فيه بخمس مائة صلاة وصلاته فى المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة وصلاته فى مسجدى بخمسين ألف صلاة وصلاته فى المسجد الحرام بمائة ألف صلاة."

قال المؤلف" :هذا حديث لا يصح."

قال أبو حاتم " :ابن حبان رزيق ينفرد بالأشياء التى لا تشبه حديث الأثبات لا يحتج بما ينفرد به "(العلل المتناهية فى الأحاديث الواهية،لجمال الدين أبى الفرج الجوزى، ج۲،ص ۸٦، كتاب الحج، حديث فى الصلاة فى الحرم)

هذا إسناد ضعيف أبو الخطاب الدمشقى لا نعرف حاله ورزيق أبو عبد الله الألهانى فيه مقال حكى عن أبى زرعة أنه قال لا بأس به وذكره ابن حبان فى الثقات وفى الضعفاء

وقال ينفرد بالأشياء التى لا تشبه حديث الثقات لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق انتهى.

وأورده ابن الجوزى فى العلل المتناهية بسند ابن ماجة وضعفه برزيق(مصباح الزجاجة فى زوائد ابن ماجه،باب الصلاة فى المساجد ومسجد الجامع)

(صلاة الرجل فى بيته بصلاة وصلاته فى مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة وصلاته فى المسجد الذى يجمع فيه بخمسمائة صلاة وصلاته فى المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة وصلاته فى مسجدى بخمسين ألف صلاة وصلاته فى المسجد الحرام بمائة ألف صلاة، أخرجه ابن ماجه(۱ / ۴۳۱ - ۴۳۲)من طريق أبى الخطاب الدمشقى :ثنا زريق أبو عبد الله الألهانى عنه .قال فى (الزوائد)إسناده ضعيف لأن أبا الخطاب الدمشقى لا يعرف حاله وزريق فيه مقال حكى عن أبى زرعة أنه قال :لا بأس به وذكره ابن حبان فى (الثقات) وفى (الضعفاء) وقال :ينفرد بالأشياء لا يشبه حديث الأثبات لا يجوز الاحتجاج به إلا عند الوفاق

وقال الحافظ فى (التقريب) إنه:(صدوق له أوهام(قلت :وهذا الحديث من أوهامه إن كان أبو الخطاب قد حفظه منه وإلا فأبو الخطاب لا يعرف كما سبق وقال الحافظ: (إنه مجهول .(وقال الذهبى فى (الميزان :((ليس بالمشهور) ثم ساق له هذا الحديث ثم قال : (هذا منكر جدا) ونعم ما قال وقد أخرج الحديث ابن عساكر أيضا فى ترجمة مسجد دمشق من طرق عن أبى الخطاب به (الثمر المستطاب فى فقه السنة والكتاب، ج۲،ص ۵۱۸)

أَلْفِ صَلاَةٍ فِيْمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ(بخاری، رقم الحديث ۱۱۹۰)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ بہتر ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (کہ مسجدِ حرام میں ایک نماز کا ثواب دوسری عام مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ بہتر ہے) (بخاری)

اس طرح کی احادیث حضرت ابنِ عمر، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت علی رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما کی سندوں سے بھی مروی ہیں۔ [1]

---

[1] عن ابن عمر، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :صلاة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه، إلا المسجد الحرام(مسلم،رقم الحديث ۱۳۹۵ "۵۰۹")

عن جابر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :صلاة فى مسجدى أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام وصلاة فى المسجد الحرام أفضل من مائة ألف صلاة فيما سواه (سنن ابن ماجه،رقم الحديث ۱۴۰۶ ،مسنداحمد،رقم الحديث ۱۵۲۷۱)

فى حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط البخارى .

عن عبد الله بن الزبير قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :صلاة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام وصلاة فى ذاك أفضل من مائة صلاة فى هذا "يعنى فى مسجد المدينة (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ۱۶۲۰، ذكر فضل الصلاة فى المسجد الحرام على الصلاة فى مسجد المدينة بمئة صَلَاةٍ،مسنداحمد، رقم الحديث ۱۶۱۱۷)

فى حاشية ابنِ حبان ومسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

عن سعد بن أبى وقاص، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " :صلاة فى مسجدى هذا خير من ألف صلاة فيما سواه، إلا المسجد الحرام "(مسنداحمد،رقم الحديث ۱۶۰۵)

فى حاشية مسنداحمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن من أجل عبد الرحمن بن أبى الزناد.

عن جبير بن مطعم، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام (مسنداحمد، رقم الحديث ۱۶۷۳۱)

فى حاشية مسنداحمد: حديث صحيح لغيره.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صَلَاۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۳۹۰۸، مسند البزار، رقم الحدیث ۶۴۶۱)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس مسجد (یعنی مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا اس کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار درجہ افضل ہے، سوائے مسجدِ حرام کے (کہ اس میں ایک نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ درجہ افضل ہے) (طبرانی، بزار)

یہ حدیث گزشتہ کئی صحیح احادیث کے ساتھ مل کر سند کے لحاظ سے حسن درجہ میں داخل ہے، جس کی تفصیل ہم نے "مدینہ منورہ میں حاضری اور اس کے احکام" میں ذکر کردی ہے۔

اس لئے مسجدِ نبوی میں ایک نماز کے پچاس ہزار نمازوں کے برابر ثواب والی اس ضعیف اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

عن عائشة قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :صلاة فى مسجدى خير من ألف صلاة فيما سواه(مسند أبى يعلى، رقم الحديث ۴۶۹۱)

عن عائشة، قالت :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أنا خاتم الأنبياء ومسجدى خاتم مساجد الأنبياء ، أحق المساجد أن يزار، ويشد إليه الرواحل المسجد الحرام، ومسجدى، صلاة فى مسجدى أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد إلا المسجد الحرام(كشف الأستار عن زوائد البزار، رقم الحديث ۱۱۹۳، باب فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم)

أن ميمونة زوج النبى صلى الله عليه وسلم قالت :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :صلاة فى مسجدى هذا، أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد، إلا المسجد الكعبة (سنن النسائى ، رقم الحديث ۲۸۹۸،مسلم،رقم الحديث ۱۳۹۶"۵۱۰")

حدثنا محمد بن عمر ثنا سلمة بن وردا قال سمعت أبا سعيد بن المعلى قال سمعت عليا يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة فى مسجدى خير من ألف صلاة فيما سواه من المساجد الا المسجد الحرام (بغية الحارث، رقم الحديث ۳۹۴، باب الصلاة فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم)

بعض حضرات کے بقول شدید ضعیف ومنکر روایت کو دوسری صحیح اور کثیر احادیث اور اس سے بڑھ کر خود حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک اور معتبر حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے قبول کرنا مشکل ہے۔

اگرچہ موجودہ دور کے بہت سے اہلِ علم حضرات نے اس حدیث کو اپنی کتب میں نقل کیا ہے، اور اسی وجہ سے بہت سے عوام میں مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار گُنا ہونا مشہور ہے، بلکہ اس کا پختہ عقیدہ بنا ہوا ہے، جو کہ درست نہیں ہے، اور اس عقیدہ کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔ [1]

حج کے لئے نکلنے کے وقت ایک دعاء کی حدیث

بعض کتابوں میں احرام کی دو رکعت پڑھنے کے بعد، گھر سے نکلنے سے پہلے، مندرجہ ذیل دعا کو سنت لکھا گیا ہے کہ:

اللهم بک انتشرت وإليک توجهت وبک اعتصمت وعليک توكلت اللهم أنت ثقتي وأنت رجائي فاكفني ما أهمني وما لا أهتم به وما أنت أعلم به مني عز جارک ولا إله غيرک اللهم زودني التقوى واغفر لي ذنوبي ووجهني للخير أينما توجهت

مگر ہمیں تحقیق کرنے سے مذکورہ الفاظ کے ساتھ احرام کے بعد اس دعا کا مسنون ہونا ثابت نہیں ہوسکا، البتہ اس سے ملتے جلتے الفاظ سفر کے لئے نکلنے کے وقت ایک روایت میں آئے ہیں، مگر اس روایت کی سند کو محدثین نے ضعیف ومنکر قرار دیا ہے۔

---

[1] والذی يظهر بعد التامل الصادق، هو قبول الضعيف فی ثبوت الاستحسان وجوازه، فاذا دل حديث ضعيف على استحباب شيئ او جوازه، ولم يدل دليل آخر صحيح عليه، وليس هناک مايعارضه ورجح عليه، قبل ذلک الحديث وجاز العمل بما افاده واقول باستحباب مادل عليه او جوازه (ظفر الأماني في مختصر الجرجاني في مصطلح الحديث، ص۱۹۸، لمولانا عبدالحيي اللكنوي رحمه الله)

اس لئے مذکورہ موقع پر اس دعاء کے سنت ہونے کا عقیدہ نہیں رکھنا چاہئے۔ [1]

حدودِ حرم میں داخل ہونے کی چند دُعائیں

بعض کتابوں میں حرم میں داخل ہونے کے وقت مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کا سنت ہونا مذکور ہے کہ:

اللهم هذا حرمک وأمنک فحرمني علی النار وآمني من عذابک یوم تبعث عبادک واجعلني من أولیائک وأهل طاعتک.

اور بعض کتابوں میں مندرجہ ذیل دعاء کا سنت ہونا بھی مذکور ہے کہ:

اللهم البلد بلدک والبیت بیتک جئت أطلب رحمتک وألزم

---

[1] عن أنس قال :لم یرد النبي -صلی الله علیه وسلم -سفرا قط إلا قال حین ینهض من جلوسه " :اللهم بک انتشرت، وإلیک توجهت، وبک اعتصمت، اللهم أنت ثقتي، وأنت رجائي، اللهم اکفني ما أهمني، وما لا أهتم به، وما أنت أعلم به مني، وزودني التقوی، واغفر لي ذنبي، ووجهني للخیر حیثما توجهت ."(قال :ثم یخرج) رواه أبو یعلی، وفیه عمر بن مساور، وهو ضعیف(مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۱۷۰۹۱، باب ما یقول إذا نهض للسفر)

فیه عمرو بن مساور منکر الحدیث(کتاب معرفة التذکرة، لابن طاهر المقدسي، تحت رقم الحدیث ۶۵۳)

عمر بن مساور العجلي :وهو الذي یقال له ابن مسافر من أهل البصرة،یروي عن الحسن وأبي جمرة، روی عنه المحاربي وزید بن الحباب، منکر الحدیث جدا، یروي المناکیر عن المشاهیر وینفرد عن الاثبات بما لیس من أحادیثهم فوجب التنکب عن روایته علی الاحوال.وهو الذي روی عن الحسن عن أنس بن مالک قال " :لم یرد رسول الله صلی الله علیه وسلم سفرا قط إلا قال حین ینهض من جلوسه :اللهم بک انتشرت وإلیک توجهت وبک اعتصمت.اللهم أنت ثقتي وأنت رجائي.اللهم اکفني ما یهمني وما أهتم به وما أنت أعلم به مني، زودني التقی واغفر لي ذنبي ووجهني للخیر حیثما توجهت "ثم یخرج.

أخبرناه أبو یعلی قال :حدثنا أبو کریب قال :حدثنا المحاربي قال :حدثنا عمر بن مساور العجلي عن الحسن.لم یتابع علیه(المجروحین من المحدثین للحافظ محمد بن حبان، ج۲، ص۸۶)

طاعتک الخ.

مگر ہمیں ذخیرۂ احادیث میں تلاشِ بسیار کے باوجود باسند اور معتمد طریقہ پر ان دعاؤں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہونا دستیاب نہیں ہوسکا، اس لئے ان دعاؤں کو پڑھنے والے کو چاہئے کہ وہ ان دعاؤں کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھنے سے پرہیز کرے۔ [۱]

بیتُ اللہ کو دیکھنے کے وقت ہاتھ اٹھا کر مخصوص دعاء کی حدیث

ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیتُ اللہ کو دیکھتے، تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعاء کرتے کہ:

اللهم زد هذا البيت تشريفا وتعظيما وتكريما ومهابة، وزد من شرفه وعظمه ممن حجه أو اعتمره تشريفا وتكريما وتعظيما وبرا.

مگر اس روایت کی سند کو محدثین نے مرسل ومنقطع اور ضعیف قرار دیا ہے۔ [۲]

---

[۱] (قوله :فصل وإذا صل (المحرم) إلى حرم مكة زادها الله شرفاً استحب له أن يقول :اللهم هذا حرمک وأمنک فحرمني على النار وآمني من عذابک يوم تبعث عبادک واجعلني من أوليائک وأهل طاعتک.(

قلت :ذكر في شرح المذهب عن الماوردي أن جعفر بن محمد روى عن أبيه عن جده قال :كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول عند دخول مكة) :(اللهم البلد بلدک والبيت بيتک جئت أطلب رحمتک وألزم طاعتک (. . . .) الحديث.

ولم يسنده الماوردي ولا وجدته موصولاً ولا الذي قبله، وقد بيض له من خرج أحاديث المهذب كالحازمي والمنذري.

وجعفر هذا هو الصادق، وأبوه محمد هو الباقر، وأما جده فإن كان الضمير لمحمد فهو الحسين بن علي، ويحتمل أن يريد أباه علي بن أبي طالب، لأنه الجد الأعلى رضي الله عنهم، وعلى الأول يكون مرسلاً(نتائج الافكار لابنِ حجر، ج۵ص ۲۵۶، كتاب اذكار الحج، فصل اذا وصل المحرم الى حرم مكة، المجلس ۲۰۶)

[۲] اگرچہ ضعیف حدیث سے کمزور درجہ کا استحباب ثابت ہوجاتا ہے، مگر یہاں اصل مقصود حدیث کی اسنادی حیثیت کو بیان کرنا اور ضعیف احادیث سے ثابت شُدہ عمل کو ثابت اور سنت سمجھ لینے کی اصلاح پر متنبہ کرنا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کعبہ کو دیکھتے وقت آسمان کے دروازے کُھل جانے کی حدیث

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ چار مقامات پر آسمان کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أنه -صلى الله عليه وسلم -كان إذا رأى البيت رفع يديه ثم قال :اللهم زد هذا البيت تشريفا وتعظيما وتكريما ومهابة، وزد من شرفه وعظمه ممن حجه أو اعتمره تشريفا وتكريما وتعظيما وبرا هذا الحديث رواه البيهقي من طريق الشافعي أنا سعيد بن سالم، عن ابن جريج :أن النبي -صلى الله عليه وسلم -كان إذا رأى البيت رفع (يديه) وقال:اللهم ... فذكره كما ساقه الرافعي، إلا أنه قال بدل :وعظمه :وكرمه وسيأتي بلفظ :وعظمه أيضا .قال البيهقي :هذا منقطع .وقال ابن الصلاح والنووي :مرسل معضل .وقال صاحب الإمام :معضل فيما بين ابن جريج والنبي -صلى الله عليه وسلم .-وقال المنذري :هكذا حدث به الشافعي منقطعا .وقال :ليس في رفع اليدين شيء أكرهه ولا أستحبه عند رؤية البيت وهو عندي حسن .قال البيهقي :وكأنه لم يعتمد على الحديث لانقطاعه.

قلت :وسعيد بن سالم هو القداح، وقد علمت حاله في أواخر الباب قبله، قال البيهقي :وله شاهد مرسل عن سفيان الثوري، عن أبي سعيد الشامي، عن مكحول، قال :كان النبي -صلى الله عليه وسلم -إذا دخل مكة (فرأى) البيت رفع يديه وكبر وقال :اللهم أنت السلام ومنك السلام، فحينا ربنا بالسلام، اللهم زد هذا البيت تشريفا وتعظيما وتكريما (ومهابة، وزد من حجه أو اعتمره تشريفا وتكريما) (وتعظيما) وبرا .

قلت :وله شاهد متصل من حديث حذيفة بن أسيد، رواه الطبراني في أكبر معاجمه عن محمد بن موسى الأيلي المفسر، ثنا عمر بن يحيى الأيلي، نا عاصم بن سليمان الكوزي، عن زيد بن أسلم، عن أبي الطفيل، عن حذيفة بن أسيد أن النبي -صلى الله عليه وسلم -كان إذا نظر إلى البيت قال :اللهم زد بيتك هذا تشريفا وتعظيما وتكريما وبرا ومهابة .وعاصم (هذا) كذبوه .وفي سنن سعيد بن منصور :نا (معتمر) بن سليمان، حدثني برد بن سنان أبو العلاء، قال :سمعت عباد بن قسامة يقول :إذا رأيت البيت فقل :اللهم زد بيتك هذا تشريفا وتعظيما وتكريما ومهابة، وزد من شرفه وعظمه وكرمه ممن حجه (واعتمره) تشريفا وتعظيما وتكريما وبرا وفيها أيضا عن سعيد بن المسيب، قال :سمعت هذا من عمر، وما بقي على الأرض سمع هذا منه غيري أنه نظر إلى البيت فقال :اللهم أنت السلام ومنك السلام (فحينا) ربنا بالسلام وفي هذا إثبات سماع سعيد (من عمر) والمشهور خلافه.

فائدة :وقع في مختصر المزني ذكر المهابة في هذا الحديث في الموضعين، وغلطه الأصحاب في ذلك وقالوا :إنما يقال في الثاني وبرا لأن المهابة تليق بالبيت والبر يليق بالإنسان، (قال الرافعي: والثابت في الخبر إنما هو الاقتصار على البر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور دعاء قبول کی جاتی ہے، ان میں سے ایک مقام کعبہ کو دیکھنے کا ہے (طبرانی) [1]

مگر اس حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے، اس لئے اس پر عقیدہ نہیں رکھنا چاہئے۔ [2]

مکہ سے منیٰ جانے کی ایک دعاء

بعض حضرات نے مکہ سے منیٰ روانہ ہوتے وقت مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کو مسنون لکھا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت: أين الثبوت؟ فالحديث في نفسه رواه الشافعي مرسلا ومعضلا . ووقع في الوجيز ذكر المهابة والبر جميعا في (الأول) وذكر البر وحده ثانيا، واعترضه الرافعي فقال: لم (ير) الجمع بينهما إلا له، ولا ذكر له في الحديث الوارد بهذا الدعاء، ولا في كتب الأصحاب، والبيت لا يتصور منه بر، ولا يصح إطلاق هذا اللفظ عليه إلا أن يعني البر عليه. وأجاب النووي فقال في تهذيبه: لإطلاق البر على البيت وجه صحيح وهو أن يكون (معناه) أكثر زائريه، فبره بزيارته كما أن من جملة بر الوالدين والأقارب والأصدقاء زيارتهم واحترامهم. ولكن المعروف ما تقدم، وقد روى الأزرقي في تاريخ مكة حديثا عن مكحول، عن النبي -صلى الله عليه وسلم - (أنه) كان إذا رأى البيت رفع يديه وقال: اللهم زد هذا البيت تشريفا وتعظيما وتكريما ومهابة وبرا وزد من شرفه ... إلى آخره، هكذا ذكره، جمع أولا بين المهابة والبر كما وقع في الوجيز لكن هذه الرواية مرسلة، وفي (إسنادها) رجل مجهول وآخر ضعيف (البدرالمنير لابن الملقن، ج٦ص ١٧٢ الیٰ ١٧٥، باب دخول مكة ومايتعلق به، الحديث الرابع)

[1] حدثنا محمد بن العباس المؤدب، ثنا الحكم بن موسى، ثنا الوليد بن مسلم، عن عفير بن معدان، عن سليم بن عامر، عن أبي أمامة، سمعه يحدث، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :تفتح أبواب السماء ، ويستجاب الدعاء في أربعة مواطن :عند التقاء الصفوف في سبيل الله، وعند نزول الغيث، وعند إقامة الصلاة، وعند رؤية الكعبة (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ٧٧١٣)

[2] قال البوصيري: رواه أبو يعلى والبيهقي بسند ضعيف لضعف عفير بن معدان، وتدليس الوليد بن مسلم (اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، تحت رقم الحديث ١٦٢٥)

وقال الهيثمي: رواه الطبراني، وفيه عفير بن معدان، وهو مجمع على ضعفه (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٧٢٥٣)

وقال ابن حجر: هذا حديث غريب، أخرجه البيهقي في (المعرفة) من طريق الهيثم بن خارجة، عن الوليد بن مسلم بهذا الإسناد. فوقع لنا عالياً. وأشار إليه في (السنن) وإلى ضعفه بعفير بن معدان (نتائج الافكار، ج ١ ص ٣٨٣، ٣٨٤، باب الدعاء عند الاقامة، المجلس ٨٠)

ہے کہ:

اللهم إياك أرجو، ولك أدعو، فبلغني صالح أملي، واغفر لي ذنوبي، وامنن علي بما مننت به على أهل طاعتك، إنك على كل شيء قدير.

مگر ہمیں کسی مستند حدیث سے اس دعاء کا مذکورہ موقع پر سنت ہونا معلوم نہیں ہوسکا۔

لہٰذا اس دعاء کو مذکورہ موقع پر سنت سمجھنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

میزابِ رحمت کے نیچے پڑھنے کی ایک دعاء

بعض حضرات نے میزابِ رحمت یعنی بیتُ اللہ شریف کے پرنالہ کے نیچے مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کو سنت لکھا ہے کہ:

اللهم انی اسئلك ايمانا لايزول ويقينا لاينفذ ومرافقة نبيك صلى الله عليه وسلم، الخ.

مگر ہمیں اس دعاء کے میزابِ رحمت کے نیچے پڑھنے کا بھی سنت ہونا احادیث میں دستیاب نہیں ہوسکا۔

ملتزم پر پڑھنے کی چند مشہور دعائیں

ایک روایت میں ملتزم یعنی بیتُ اللہ کے دروازے اور حجرِ اسود کے درمیان مندرجہ ذیل دعاء کا ذکر آیا ہے کہ:

اللهم انی أسألك ثواب الشاكرين، ونزل المقربين، الخ.

مگر اس روایت کی سند شدید ضعیف معلوم ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] عن ابی هريرة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو بين الحجر الاسود والباب: اللهم انی أسألك ثواب الشاكرين، ونزل المقربين، ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے ملتزم پر مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کو سنت لکھا ہے کہ:

اللهم هذا بيتک المحرم الذى جعلته مباركا وهدى للعالمين، الخ.

مگر اس دعاء کے ملتزم پر پڑھنے کا سنت ہونا احادیث میں دستیاب نہیں ہوسکا۔ [1]

اسی طرح بعض اہلِ علم حضرات نے ملتزم پر مندرجہ ذیل دعاء پڑھنے کے سنت ہونے کا بھی ذکر کیا ہے کہ:

اللهم يا رب البيت العتيق أعتق رقبتى من النار وأعذنى من الشيطان الرجيم وأعذنى من كل سوء وقنعنى بما رزقتنى وبارک لى فيما آتيتنى اللهم إن هذا البيت بيتک والعبد عبدک وهذا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومرافقة النبيين، ويقين الصديقين ، وذلة المتقين، وإخبات الموقنين ، حتى توفانى على ذلک يا أرحم الراحمين.

(الديلمى) وفيه عبد السلام بن ابى الجنوب قال أبو حاتم متروک (كنز العمال، رقم الحديث ۴۹۴۵، ج۲، ص ۶۳۱)

[1] البتہ علامہ فاکہی نے عبدالکریم سے بیتُ اللہ کے قریب اس طرح کی دعاء کے پڑھنے کو روایت کیا ہے۔

مگر اس حدیث کی سند پر کلام ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہر ہے کہ اس کو مرفوع حدیث کا درجہ حاصل نہیں ہے کہ اس دعاء کو سنت قرار دیا جاسکے۔

حدثنا عبد الجبار بن العلاء قال :ثنا بشر بن السرى قال :ثنا سفيان الثورى، عن إسماعيل بن عبد الملک، عن عبد الكريم قال :إذا كنت فى بعض البيت فقل " :اللهم هذا بيتک المحرم الذى جعلته مباركا وهدى للعالمين، وجعلت (فيه آيات بينات مقام إبراهيم ومن دخله كان آمنا)وجعلت لک :(على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا ومن كفر فإن الله غنى عن العالمين)الحمد لله الذى رزقنى حجه والطواف به، تصديقا بما أنزل الله فيه، إيمانا بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر، أعوذ بعظمة الله، وجلال وجه الله، وحرمة وجه الله، ونور وجه الله، وسعة رحمة الله، أن أصيب بعد مقامى خطية مخطية، وذنبا لا يغفر، هذا مقام العائذ بک من النار، فإنه يصدر بأفضل ما صدر به حاج أو معتمر إلا من قال مثل ما قال (اخبار مكة للفاكهى، رقم الحديث ۷۰۷، ذكر ما يقال عند وداع الكعبة وكيف يفعل من أراد الوداع)

مقام العائذ بک من النار اللهم اجعلنی من أکرم وفدک علیک.

مگر ہمیں تلاشِ بسیار کے باوجود اس دعاء کا کسی معتبر حدیث سے ثبوت نہیں مل سکا۔

طواف کے وقت کعبہ پر ہاتھ رکھ کر پڑھنے کی ایک دعاء

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ مضمون آیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیتُ اللہ کا طواف کیا، تو اپنے ہاتھ کو کعبہ پر رکھا، اور یہ دعاء پڑھی کہ:

اللهم البیت بیتک ونحن عبیدک ونواصینا بیدک الخ.

مگر اس حدیث کی سند کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اس لئے اس دعاء کے مذکورہ موقع پر ثبوت اور سنت ہونے کا اعتقاد رکھنے سے پرہیز کرنے میں احتیاط ہے۔ [1]

طواف شروع کرتے وقت ایک مخصوص دعاء کی حدیث

بعض روایات میں طواف کو شروع کرنے اور حجرِ اسود کا استلام کرنے کے وقت مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے کہ:

اللهم إیمانا بک، وتصدیقا بکتابک، واتباعا سنة نبیک صلی الله علیه وسلم.

مگر ان روایات کے مرفوع ہونے میں محدثین کو کلام ہے، البتہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس دعاء کے پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے، اور ان کی اسناد پر بھی محدثین نے کلام کیا ہے۔

اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مجموعی طور پر ان روایات سے مذکورہ دعاء کا مستحب ہونا ثابت

---

[1] وقد وجدت فی مسند الفردوس من حدیث ابن مسعود رضی الله عنه، قال: لما طاف النبی صلی الله علیه وسلم بالبیت وضع یده علی الکعبة فقال): (اللهم البیت بیتک ونحن عبیدک ونواصینا بیدک (....) فذکره حدیثاً. وسنده ضعیف(نتائج الافکار لابنِ حجر، ج۵ص۲۵۷، کتاب اذکار الحج، فصل اذا وصل المحرم الی حرم مکة، المجلس ۶۰۸)

ہوسکتا ہے۔ ل

ل عن أبي إسحاق، عن الحارث، عن علي، أنه كان إذا استلم الحجر قال :اللهم إيمانا بك، وتصديقا بكتابك، واتباعا سنة نبيك صلى الله عليه وسلم لا نعلم أسند أبو العميس عن أبي إسحاق حديثا غير هذا، ولم يروه عن أبي العميس إلا حفص، ولا عن حفص إلا إبراهيم الشافعي (المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ۴۹۲)

وذكر في المهذب عن علي الحديث الذي : أخبرنا به شيخنا الحافظ أبو الفضل بن الحسين رحمه الله بالسند الماضي آنفاً إلى الطبراني في (الدعاء) حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمي. وقرأت على عبد الله بن عمر، عن زينب بنت أحمد، عن يوسف بن خليل، أن خليل بن بدر قال :أخبرنا الحسن بن أحمد، قال :أخبرنا أحمد بن عبد الله، قال :أخبرنا سليمان بن أحمد، قال :حدثنا أحمد بن محمد الشافعي، قالا :حدثنا إبراهيم بن محمد بن العباس الشافعي، قال :حدثنا حفص بن غياث، قال :حدثنا أبو العميس -بمهملتين مصغر -عن أبي إسحاق، عن الحارث، عن علي رضي الله عنه، أنه كان إذا استلم الحجر قال :اللهم إيماناً بك وتصديقاً بكتابك واتباعاً لسنة نبيك.

هذا حديث موقوف غريب .أخرجه البيهقي من رواية محمد بن عبد الله الحضرمي بهذا الإسناد .فوقع لنا عالياً .وقال الطبراني في الأوسط :لم يروه عن أبي العميس إلا حفص، تفرد به إبراهيم، ولا نعلم أسند أبو العميس عن أبي إسحاق إلا هذا الحديث.قلت :قد وقع لي من وجه آخر .قرأت على عبد الرحمن بن أحمد بن حماد فيما سمع على أحمد بن منصور، عن علي بن أحمد سماعاً، قال :أخبرنا أبو المكارم اللبان في كتابه قال :أخبرنا أبو علي الحداد، قال :أخبرنا أبو نعيم، قال :أخبرنا عبد الله بن جعفر، قال :أخبرنا يونس بن حبيب، قال :حدثنا سليمان بن داود الطيالسي، قال :حدثنا المسعودي، عن أبي إسحاق فذكر نحوه.

وأوله :كان إذا مر بالحجر الأسود فرأى عليه زحاماً استقبله وكبر وقال ..وكنت أظن أن المسعودي هذا هو عبد الرحمن المشهور، ثم ظهر لي أنه أبو العميس وهو مسعودي أيضاً، واسمه عتبة بن عبد الله بن عتبة بن مسعود .فترد رواية أبي داود على دعوى تفرد حفص.وأخرجه البيهقي عن أبي بكر بن فورك، عن عبد الله بن جعفر. فوقع لنا بدلاً عالياً.وفيه علتان:ضعف الحارث وتدليس أبي إسحاق(نتائج الافكار لابنِ حجر، ج۵ص۲۶۳،۲۶۴، کتاب اذکار الحج، فصل اذا وصل المحرم الی حرم مكة، المجلس ۵۰۸)

محمد بن مهاجر، عن نافع قال :كان ابن عمر إذا أراد أن يستلم الحجر قال :اللهم إيمانا بك، وتصديقا بكتابك وسنة نبيك محمد صلى الله عليه وسلم ، ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، ويستلمه لم يرو هذا الحديث عن محمد بن مهاجر إلا عون بن سلام(المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ۵۴۸۶)

ورواه العقيلي في تاريخه أطول من هذا، وهذا لفظه :كان ابن عمر إذا أراد أن يستلم يقول :اللهم إيمانا بك، وتصديقا بكتابك وسنة نبيك. ثم يصلي على النبي -صلى الله عليه وسلم -، ثم يستلمه .وفي إسناده محمد بن (مهاجر) عن نافع، قال البخاري :لا يتابع على حديثه(البدرالمنير لابن الملقن، ج۶ص۱۹۷، باب دخول مكة ومايتعلق به، الحديث الخامس بعد العشرين)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

طواف کے دوران ایک مخصوص دعاء

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو شخص طواف

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

محمد "بن مهاجر القرشي الكوفي روى عن إبراهيم بن سعد بن أبي وقاص ونافع مولى بن عمر وأبي جعفر محمد بن علي بن الحسين وعنه عبيد بن محمد وأبو معاوية الضرير ومطلب بن زياد وعون بن سلام وذكره بن حبان في الثقات قلت قال البخاري لا يتابع على حديثه وممن يقال محمد بن مهاجر ستة أنفس ذكرهم الخطيب أحدهم كوفي بجلي أخو إبراهيم والثاني أزدي كوفي والثالث ثقة أنصاري كوفي والرابع كان قاضي اليمامة روى عن الحسن بن زيد في متعة النساء والخامس قيسي كوفي ذكره بن عبدة والسادس يقال له أخو حنيف وضاع ذكرت ترجمته في لسان الميزان(تهذيب التهذيب، ج ۹ ص ۴۷۸، رقم الترجمة ۷۷۴)

عن جويبر عن الضحاك بن مزاحم عن بن عباس أنه كان إذا استلم قال اللهم إيمانا بک وتصديقا بکتابک وسنة نبيک صلى الله عليه و سلم (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۸۸۹۸)

جويبر بن سعيد الأزدي أبو القاسم البلخي عداده في الكوفيين ويقال اسمه جابر وجويبر لقب روى عن أنس بن مالك والضحاک بن مزاحم وأكثر عنه وأبي صالح السمان ومحمد بن واسع وغيرهم وعنه بن المبارک والثوري وحماد بن زيد ومعمر وأبو معاوية ويزيد بن هارون وغيرهم قال عمرو بن علي ما كان يحيى ولا عبد الرحمن يحدثان عنه وكذا قال أبو موسى وقال أبو طالب عن أحمد ما كان عن الضحاک فهو أيسر وما كان يسند عن النبي صلى الله عليه وسلم فهو منكر وقال عبد الله بن أحمد عن أبيه كان وكيع إذا أتى على حديث جويبر قال سفيان عن رجل لا يسميه استضعافا وقال الدوري وغيره عن بن معين ليس بشيء زاد الدوري ضعيف ما أقربه من جابر الجعفي وعبيدة الضبي وقال عبد الله بن علي بن المديني سألته يعني أباه عن جويبر فضعفه جدا قال وسمعت أبي يقول جويبر أكثر على الضحاک روى عنه أشياء مناكير وذكره يعقوب بن سفيان في باب من يرغب عن الرواية عنهم وقال الآجري عن أبي داود جويبر على ضعفه وقال النسائي وعلي بن الجنيد والدارقطني متروک وقال النسائي في موضع آخر ليس بثقة وقال بن عدي والضعف على حديثه ورواياته بين قلت وقال أبو قدامة السرخسي قال يحيى القطان تساهلوا في أخذ التفسير عن قوم لا يوثقونهم في الحديث ثم ذكر الضحاک وجويبر ومحمد بن السائب وقال هؤلاء لا يحمل حديثهم ويكتب التفسير عنهم وقال أحمد بن سيار المروزي جويبر بن سعيد كان من أهل بلخ وهو صاحب الضحاک وله رواية ومعرفة بأيام الناس وحاله حسن في التفسير وهو لين في الرواية وقال بن حبان يروي عن الضحاک أشياء مقلوبة وقال الحاكم أبو أحمد ذاهب الحديث وقال الحاكم أبو عبد الله أنا أبرأ إلى الله من عهدته وذكره البخاري في التاريخ الأوسط في فصل من مات بين الأربعين إلى الخمسين ومائة(تهذيب التهذيب، ج ۲ ص ۱۲۳، ۱۲۴، رقم الترجمة ۲۰۰)

کے دوران کلام نہ کرے،اور یہ دعاء پڑھے کہ:

سبحان الله والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، ولا حول ولا قوة، إلا بالله.

تو اس کی دس برائیاں مٹادی جاتی ہیں،اوراس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں،اوراس کے دس درجات بلند کئے جاتے ہیں،اور جس نے طواف کیا اور طواف کرتے ہوئے باتیں بھی کیں تو وہ اپنے دونوں پاؤں کے ساتھ رحمت میں اس طرح گھسا جس طرح کہ پانی میں آدمی کے پاؤں ڈوب جاتے ہیں (ابنِ ماجہ) [1]

مگر اس حدیث کی سند کو محدثین نے ضعیف، جبکہ بعض نے شدید ضعیف اور غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] حدثنا هشام بن عمار قال :حدثنا إسماعيل بن عياش قال :حدثنا حميد بن أبي سوية، قال :سمعت ابن هشام، يسأل عطاء بن أبي رباح عن الركن اليماني، وهو يطوف بالبيت، فقال عطاء :حدثني أبو هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال " :وكل به سبعون ملكا، فمن قال :اللهم إني أسألك العفو والعافية في الدنيا والآخرة، ربنا آتنا في الدنيا حسنة، وفي الآخرة حسنة، وقنا عذاب النار، قالوا :آمين "فلما بلغ الركن الأسود، قال يا أبا محمد ما بلغك في هذا الركن الأسود؟ فقال عطاء :حدثني أبو هريرة، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :من فاوضه، فإنما يفاوض يد الرحمن قال له ابن هشام :يا أبا محمد فالطواف؟ قال عطاء :حدثني أبو هريرة، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :من طاف بالبيت سبعا ولا يتكلم، إلا بسبحان الله والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، ولا حول ولا قوة، إلا بالله، محيت عنه عشر سيئات، وكتبت له عشر حسنات، ورفع له بها عشرة درجات، ومن طاف، فتكلم وهو في تلك الحال، خاض في الرحمة برجليه، كخائض الماء برجليه(سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۹۵۷)

[2] ثم أخرج الحافظ عن حميد بن أبي سوية، قال :سمعت رجلاً يسأل عطاء بن أبي رباح، وهو يطوف بالبيت عن الركن اليماني؟ فقال :حدثني أبو هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (وكل به سبعون ملكاً، فمن قال اللهم إني أسألك العفو والعافية والمعافاة الدائمة في الدنيا والآخرة، (ربنا آتنا في الدنيا حسنةً وفي الآخرة حسنةً وقنا عذاب النار) قالوا :آمين.
وقال الحافظ :هذا حديث غريب، وأخرجه ابن ماجه عن هشام بن عمار، عن إسماعيل بن عياش، حدثنا حميد بن أبي سوية، قال :سمعت ابن هشام يسأل عطاء بن أبي رباح عن الركن اليماني، وهو يطوف بالبيت، فقال عطاء :حدثني أبو هريرة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا طواف کے دوران اس دعاء کو سنت سمجھنے سے احتیاط کرنی چاہئے، البتہ فضیلت کی حد تک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فذكره ورواه الطبراني في الأوسط وقال :لم يرو هذا الحديث إلا حميد بن أبي سويد).تفرد به إسماعيل. وأما قول المنذري :حسنه بعض مشايخنا فلعله تسامح فيه، لكونه من الفضائل (نتائج الافكار لابنِ حجر، ج۵ص ۲۷۲، ۲۷۳، كتاب اذكار الحج،فصل :إذا وصل المحرم إلى حرم مكة ،المجلس ۵۱۱)

هذا إسناد ضعيف حميد قال فيه ابن عدى أحاديثه غير محفوظة وقال الذهبي مجهول(مصباح الزجاجة في زوائد ابنِ ماجه، ج۳ص۱۹۵، باب فضل الطواف)

وفي الزوائد يدل على أن الحديث من الزوائد إلا أنه ما تكلم على إسناده وذكر الدميري ما يدل على أنه حديث غير محفوظ والله أعلم(حاشية السندى على سنن ابن ماجه، ج۲ص۲۲۵، باب فضل الطواف)

وعن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه و سلم قال ((وكل به يعني الركن اليماني سبعون ملكا فمن قال اللهم إني سألك العفو والعافية في الدنيا وفي الآخرة ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار قالوا آمين)) أخرجه ابن ماجه بإسناد فيه إسماعيل بن عياش وهشام بن عمار وهما ضعيفان وأخرج ابن ماجه أيضا من حديثه أنه سمعه يقول ((من طاف بالبيت سبعا ولا يتكلم إلابسبحان الله والحمد الله ولاإله إلاالله والله أكبر ولاحول ولاقوة إلا بالله محيت عنه عشر سيئات وكتب له عشر حسنات ورفع له بها عشر درجات)) وفي إسناده من تقدم(الدرارى المضية للشوكاني، ج ا ص۲۴۳، كتاب الحج)

قال المنذري في الترغيب بعد ذكر هذا الحديث : رواه ابن ماجة عن إسماعيل بن عياش حدثني حميد بن أبي سوية وحسنه بعض مشائخنا -انتهى .ولم يتكلم البوصيري في الزوائد على إسناده . قال السندي :وذكر الدميري ما يدل على أنه حديث غير محفوظ -انتهى .وذكره الحافظ في التلخيص وقال :إسناده ضعيف .قلت :هشام بن عمار من رجال الستة .قال الحافظ عنه : صدوق مقرء ، كبر فصار يتلقن فحديثه القديم أصح ، وأما إسماعيل بن عياش الشامي الحمصي فهو صدوق في روايته عن أهل بلده أي الشاميين مخلط في غيرهم ، وهذا الحديث من غير أهل بلده ، وهو حميد بن أبي سوية ويقال ابن أبي سويد المكي .قال الحافظ في التقريب :إنه مجهول ، وقال في تهذيب التهذيب : ذكره ابن عدى وقال :حدث عنه ابن عياش بأحاديث عن عطاء غير محفوظات ، منها حديث فضل الدعاء عند الركن اليماني .قال الحافظ :أخرج ابن ماجة في الحج في فضل الطواف وغيره عن هشام ابن عمار عن إسماعيل فقال :في روايته حميد بن أبي سوية ، وأخرجه ابن عدى فقال :في روايته حميد بن أبي سويد مصغرًا بدال بدل الهاء في آخره ، وصوبه المصنف وترجمه ابن عدى فقال :حميد بن أبي سويد مولى بني علقمة ، وقيل :حميد بن أبي حميد حدث عنه إسماعيل بن عياش منكر الحديث ، وقد ظهر بهذا كله أن الحديث ضعيف من وجهين:لكونه من رواية ابن عياش عن غير أهل بلده ، ولجهالة حميد بن أبي سوية المكي (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،ج۹ص۱۳۰، ۱۳۱، كتاب المناسك، باب دخول مكة والطواف)

اس دعاء کو پڑھنے میں حرج معلوم نہیں ہوتا، بشرطیکہ بسہولت ممکن ہو۔ [1]

طواف کے پہلے چکر کی ایک مخصوص دعاء کی حدیث

ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف کی ابتداء میں یہ دعاء پڑھنا مذکور ہے کہ:

بسم الله والله أكبر، اللهم إيمانا بک، وتصديقا بكتابک، ووفاء بعهدک، واتباعا لسنة نبيک محمد.

اور بعض اردو تصانیف میں اس دعاء کو طواف کے پہلے چکر کی مسنون دعاء کے طور پر اس پابندی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو دوسرا چکر شروع کرنے سے پہلے ختم کیا جائے۔

مگر اس حدیث کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس دعاء کو سنت کا درجہ حاصل ہونا مشکل ہے، چہ جائیکہ اتنی پابندی بھی ساتھ لگائی جائے کہ اس دعاء کو دوسرا چکر شروع کرنے سے پہلے پہلے ختم کیا جائے۔ [2]

---

[1] (رواه ابن ماجه) بسند ضعيف، إلا أنه مقبول فى فضائل الأعمال(مرقاة المفاتيح، ج۵ص۱۷۹۷، كتاب المناسک، باب دخول مكة والطواف)

[2] عن عبد الله بن السائب (رضى الله عنه) (أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -) كان يقول فى ابتداء الطواف :بسم الله والله أكبر، اللهم إيمانا بک، وتصديقا بكتابک، ووفاء بعهدک، واتباعا لسنة نبيک محمد.

هذا الحديث غريب من هذا الوجه، لا يحضرنى من خرجه مرفوعا بعد البحث عنه، (وذكره) صاحب المهذب من رواية جابر،(ولم يعزه المنذرى، ولا النووى فى شرحه ، ولا صاحب الإمام ورواه ابن ناجية) فى فوائده بإسناد غريب (عنه) ؛ رواه عن صباح بن مروان أبى سهل، نا عبد الله بن سنان الزهرى، عن أبيه، عن محمد بن على بن حسين، عن جابر بن عبد الله :أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -مضى إلى الركن الذى فيه الحجر، وكبر (فاستلم) ثم قال :اللهم وفاء بعهدک، وتصديقا بكتابک .قال جابر :وأمرنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أن (نقول) : واتباع سنة نبيک .قال ابن عساكر فى تخريجه لأحاديث المهذب :هذا مختصر من حديث جابر فى المناسک، وهو غريب من هذا الوجه وليس بالقوى(البدرالمنير لابن الملقن، ج٦ص۱۹۵، ۱۹٦، كتاب الحج، باب دخول مكة ومايتعلق به،الحديث الخامس بعد العشرين)

طواف کے دوسرے چکر کی بعض دعاؤں کی حیثیت

بعض کتابوں میں طواف کے دوسرے چکر میں مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کا مسنون ہونا لکھا ہے کہ:

اللهم حبب إلينا الإيمان وزينه فی قلوبنا، وكره إلينا الكفر، والفسوق، والعصيان، واجعلنا من الراشدين.

مگر اس دعاء کا طواف کے دوسرے چکر، بلکہ طواف کے دوران پڑھنے کا سنت ہونا کسی حدیث میں دستیاب نہیں ہوسکا، البتہ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُحد کے دن جو دعاء پڑھنا منقول ہے، اس میں مذکورہ دعاء کا پڑھنا بھی منقول ہے، مگر اس کی وجہ سے مذکورہ دعاء کا طواف کے دوران اور اس سے بڑھ کر خاص طواف کے دوسرے چکر میں چکر ختم ہونے سے پہلے پڑھ چکنے کی پابندی کے ساتھ مسنون ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ [۱]

بعض کتابوں میں طواف کے دوسرے چکر میں مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کے مسنون

---

[۱] عن ابن رفاعة الزرقی، عن أبيه، وقال غير الفزاری :عبيد بن رفاعة الزرقی،قال: لما كان يوم أحد وانكفأ المشركون، قال :رسول الله صلى الله عليه وسلم استووا حتى أثنی على ربی، فصاروا خلفه صفوفا، فقال " :اللهم لک الحمد كله، اللهم لا قابض لما بسطت، ولا باسط لما قبضت ، ولا هادی لما أضللت ، ولا مضل لمن هديت، ولا معطی لما منعت، ولا مانع لما أعطيت، ولا مقرب لما باعدت، ولا مباعد لما قربت، اللهم ابسط علينا من بركاتک ورحمتک وفضلک ورزقک، اللهم إنی أسألک النعيم المقيم الذی لا يحول ولا يزول، اللهم إنی أسألک النعيم يوم العيلة والأمن يوم الخوف، اللهم إنی عائذ بک من شر ما أعطيتنا وشر ما منعت،اللهم حبب إلينا الإيمان وزينه فی قلوبنا، وكره إلينا الكفر، والفسوق، والعصيان، واجعلنا من الراشدين، اللهم توفنا مسلمين، وأحينا مسلمين، وألحقنا بالصالحين غير خزايا ولا مفتونين، اللهم قاتل الكفرة الذين يكذبون رسلک، ويصدون عن سبيلک، واجعل عليهم رجزک وعذابک، اللهم قاتل الكفرة الذين أوتوا الكتاب إله الحق "(مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۴۹۲)

فی حاشية مسند احمد:رجاله ثقات.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: 0092515507530

ہونے کا ذکر کیا گیا ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ.

مگر طواف کے دوسرے چکر میں اس دعاء کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا کسی حدیث میں دستیاب نہ ہوسکا، البتہ یہ دعاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوتے وقت پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

مگر ان سے اس دعاء کے خاص طواف کے دوران یا خاص دوسرے چکر میں پڑھنے اور تیسرے چکر کے شروع کرنے سے پہلے ختم کر لینے کی پابندی کے مسنون ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا۔ [1]

اسی طرح بعض کتابوں میں طواف کے دوسرے چکر کی مندرجہ ذیل دعاء بھی لکھی گئی ہے کہ:

اللھم ارزقنی الجنة بغیر حساب.

مگر ہمیں اس دعاء کی بھی احادیث میں کوئی سند دستیاب نہیں ہوسکی۔

طواف کے تیسرے چکر کی بعض دعاؤں کی حیثیت

بعض کتابوں میں طواف کے تیسرے چکر میں مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کا مسنون ہونا لکھا

---

[1] عن البراء بن عازب، قال :کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوسد يمينه عند المنام، ثم يقول :رب قنی عذابک يوم تبعث عبادک :هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه(ترمذی، رقم الحديث ۳۳۹۹)

عن حذيفة بن اليمان :أن النبی صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن ينام وضع يده تحت رأسه، ثم قال :اللهم قنی عذابک يوم تجمع -أو تبعث -عبادک :هذا حديث حسن صحيح(ترمذی،رقم الحديث ۳۳۹۸)

عن عبد الله، أن النبی صلى الله عليه وسلم كان إذا أوى إلى فراشه وضع يده -يعنی اليمنى -تحت خده، ثم قال :قنی عذابک يوم تبعث -أو تجمع عبادک (ابن ماجة، رقم الحديث ۳۸۷۷)

عن حفصة، زوج النبی صلى الله عليه وسلم، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يرقد وضع يده اليمنى تحت خده ثم يقول :اللهم قنی عذابک يوم تبعث، عبادک ثلاث مرار(ابوداؤد، رقم الحديث ۵۰۴۵)

ہے کہ:

اللهم انی أعوذبک من الشقاق ، والنفاق ، وسوء الأخلاق الخ.

مگر طواف کے حوالہ سے اس دعاء کا کسی معتبر حدیث سے ثبوت نہیں مل سکا، اور ایک روایت میں اس سے ملتے جلتے الفاظ دستیاب ہوئے ہیں، جس میں طواف کا ذکر نہیں، مگر اس کی سند میں بھی ضعف پایا جاتا ہے۔ [1]

اسی طرح طواف کے تیسرے چکر میں مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کو بعض حضرات نے مسنون قرار دیا ہے کہ:

اللهم انی اعوذبک من فتنة القبر واعوذبک من فتنة المحيا والممات الخ.

مگر طواف کے تیسرے بلکہ کسی بھی چکر میں اس دعاء کے پڑھنے کا بھی معتبر حدیث سے ثبوت نہیں مل سکا۔

پھر ان دعاؤں کو طواف کے تیسرے چکر میں مسنون ہونے کا دعویٰ کرنا اور پڑھنے والوں کو چوتھا چکر شروع کرنے سے پہلے ختم کر لینے کی پابندی لگانا، کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

---

[1] حديث :اللهم انی أعوذبک من الشقاق ، والنفاق ، وسوء الأخلاق .رواه ضبارة بن عبدالله :عن دويد بن نافع ، عن أبی صالح ، عن أبی هريرة قال :كان رسول الله (. وضبارة ضعيف(ذخيرة الحفاظ ،تحت رقم الحديث ٦٦٢)

ضبارة بن عبد الله بن مالک بن أبی السليک الحضرمی ويقال الألهانی أبو شريح الحمصی ومنهم من ينسبه إلى جده ومنهم من ينسبه إلى أبی السليک وقيل هم ثلاثة .روی عن أبيه مالک ودويد بن نافع وأبی الصلت الشامی وعنه ابنه محمد وبقية وإسماعيل بن عياش قال الجوزجانی روی حديثا معضلا وذكره ابن حبان فی الثقات وقال يعتبر حديثه من رواية الثقات عنه قلت وذكره ابن عدی فی الكامل وساق له ستة أحاديث مناكير وفرق تبعا للبخاری بين ضبارة بن عبد الله بن أبی السليک فقال فيه القرشی وبين ضبارة بن مالک بن أبی السليک فقال فيه الحضرمی وقال ابن القطان أخاف أن يكونا واحدا اضطرب بقية فيه ويحتاج من جعلهما واحدا أن يضم إلى كونه قرشيا أن يكون حضرميا مولا أو حلف لأحد القبيلتين وكيفما كان فهو مجهول (تهذيب التهذيب، ج۲ص ۴۴۲، رقم الترجمة ۷۷۷)

طواف کے چوتھے چکر کی بعض دعاؤں کی حیثیت

بعض اہلِ علم حضرات نے طواف کے چوتھے چکر میں مندرجہ ذیل دعاء پڑھنے کو سنت قرار دیا ہے کہ:

اللهم إنا نسألک موجبات رحمتک، وعزائم مغفرتک، والسلامة من كل إثم، والغنيمة من كل بر، والفوز بالجنة، والنجاة بعونک من النار.

مگر طواف کے چوتھے چکر میں اس دعاء کا سنت ہونا کسی حدیث میں دستیاب نہیں ہوسکا۔

اور بعض روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ بالا دعاء کے عام حالات میں پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، مگر ان کی اسناد پر بھی کلام ہے۔ [1]

---

[1] (كان من دعائه صلى الله عليه وسلم :اللهم إنا نسألک موجبات رحمتک، وعزائم مغفرتک، والسلامة من كل إثم، والغنيمة من كل بر، والفوز بالجنة، والنجاة بعونک من النار).
ضعيف جدا .أخرجه الحاكم (١/٥٢٥)من طريق خلف بن خليفة :حدثنا حميد الأعرج عن عبد الله بن الحارث عن ابن مسعود رضى الله عنه قال :فذكره؛ وقال:
"صحيح على شرط مسلم ."ووافقه الذهبي.
قلت :لكن خلف بن خليفة متكلم فيه من قبل حفظه حتى اتهمه بعضهم، فقال الذهبي نفسه فى " الضعفاء :"
"صدوق، قال ابن عيينة :يكذب ."
وقال الحافظ فى "التقريب :"
"صدوق، اختلط فى الآخر، وادعى أنه رأى عمرو بن حريث الصحابي، فأنكر عليه ذلک ابن عيينة وأحمد ."
قلت :فمثله ضعيف الحديث حتى يتبين انه حدث به قبل الاختلاط، أو يأتي ما يشهد له، وذلک مما لم نقف عليه، اللهم إلا فى حديث صلاة الحاجة الذى أخرجه الترمذى - 2/344)شاكر) وغيره من طريق فائد بن عبد الرحمن عن عبد الله بن أبى أوفى مرفوعا بلفظ " :من كانت له إلى الله حاجة " ...الحديث وفيه هذا الدعاء دون قوله "والفوز ." ...
وضعفه الترمذى وغيره؛ وذلک لأن فائدا هذا متروک .ثم إن الحديث أخرجه الحاكم أيضا(١/٥٣٤ ـ ٥٣٥)من طريق خلف بن خليفة بزيادة فى أوله وآخره؛ وقال:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض اہلِ علم حضرات نے طواف کے چوتھے چکر میں مندرجہ ذیل دعاء کے سنت ہونے کا ذکر کیا ہے کہ:

اللهم قنعنی بما رزقتنی وبارک لی فیه، واخلف علی کل غائبة لی بخیر.

مگر ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے طواف کے چوتھے چکر میں اس دعاء کے پڑھنے کا ثبوت نہیں مل سکا۔

البتہ بعض روایات میں اس دعاء کے رُکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، جن کی اسناد پر محدثین کا کلام ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

"صحیح الإسناد ."ورده الذهبی بقوله:
"قلت :حمید متروک ."
قلت :فتأمل کیف تناقض الذهبی فضلا عن الحاکم، علی أن تناقض هذا أیسر من الذهبی!
وعلی کل حال فهذه علة أخری أهم من الأولی؛ لشدة ضعف حمید الأعرج هذا.
ومـما ینبغی أن یستفاد بهذه المناسبة أن حمیدا هذا؛ هو غیر حمید بن قیس الأعرج، فهذا مکی ثقة محتج به فی "الصحیحین "، وذاک کوفی واهی (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة، تحت رقم الحدیث ۲۹۰۸)

[1] أبو بکر البیهقی، قال :أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، قال :أخبرنا أبو العباس الأصم، قال :أخبرنا أبو الربیع بن سلیمان، قال :أخبرنا أسد بن موسی، قال :حدثنا سعید بن زید، عن عطاء بن السائب، عن سعید بن جبیر، قال :کان ابن عباس رضی الله عنهما یقول :احفظوا هذا الحدیث -وکان یرفعه إلـی النبی صلی الله علیه وسلم -أن الـنبی صلی الله علیه وسلم کان یدعو بین الرکنین یقول :(اللهم قنعنی بما رزقتنی وبارک لی فیه، واخلف علی کل غائبة لی بخیر)
قلت :هذا حدیث غریب.
أخـرجـه الـحـاکم فی المستدرک هکذا، وقال :صـحیـح الإسـنـاد ولم یخرجاه، لأنهما لم یحتجا بسعید بن زید.
قلت :هو أخو حماد بن زید، وهو صدوق.
قال أبو حاتم وأبو داود :لیس بالقوی.
ووثقه قوم لصدقه، وضعفه قوم من جهة ضبطه، وأخرج له مسلم متابعة، والبخاری تعلیقاً.
وشیخه أخرج له مسلم متابعة، والبخاری مقروناً، وهو ممن اختلط، وسماع سعید منه متأخر.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا مذکورہ دعاؤں کو طواف کے چوتھے چکر میں پڑھنے کے سنت ہونے کا دعویٰ کرنا اور مزید براں پانچواں چکر شروع کرنے سے پہلے ان دعاؤں کو ختم کرلینے کی پابندیاں لگانا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لكنه لم ينفرد به، فقد أخرجه سعيد بن منصور عن خلف بن خليفة، وخالد بن عبد الله، كلاهما عن عطاء، عن سعيد بن جبير موقوفاً على ابن عباس من هذا الوجه، وتابعه على رفعه من هو أوثق منه، وهما أوثق من سعيد، لكن زاد فى السند رجلاً، وأطلق فى المتن.

أخبرنا الإمام المسند أبو الحسن بن عقيل، قال :أخبرنا عبد الرحمن بن محمد بن عبد الحميد، قال :أخبرنا أحمد بن عبد الدائم (ح)

وقرأت على فاطمة بنت المنجا بدمشق، عن سليمان بن حمزة، قال :أخبرنا أبو عبد الله الحافظ الضياء، قالا :أخبرنا يحيى بن محمود الثقفى، قال :أخبرنا جدى لأمى أبو القاسم التيمى، قال : أخبرنا أبو بكر بن مردويه، قال :أخبرنا على بن عمر، قال :أخبرنا أحمد بن محمد بن إسحاق، قال: أخبرنى عبد الله بن محمد بن سعيد، قال :حدثنا محمد بن عمار، قال :حدثنا عبد الرحمن بن عبد الله الدشتكى (ح)

وقرأت على أحمد بن الحسن الزينبى، عن زينب بنت أحمد، قالت :أخبرنا يوسف بن خليل الحافظ فى كتابه، قال :حدثنا محمد بن إسماعيل الطرسوسى، قال :أخبرنا محمود بن إسماعيل، قال: أخبرنا محمد بن عبد الله بن شاذان، قال :أخبرنا أبو بكر القباب، قال :حدثنا أبو بكر بن أبى عاصم، قال :حدثنا يوسف بن موسى، قال :حدثنا عبد الله بن الجهمى، قالا :حدثنا عمرو بن أبى قيس (ح)

وبه إلى الضياء :قال :أخبرنا محمد بن محمد بن غانم، قال :أخبرنا القاسم بن الفضل الصيدلانى، وقرأته عالياً على عبد الله بن عمر بن على، عن زينب بنت أحمد، عن عجيبة بنت أبى بكر، عن القاسم، قال :أخبرنا عمر بن أحمد السمسار، قال :أخبرنا على بن محمد بن ناشادة، قال :أخبرنا أبو عمرو بن حكيم، قال :أخبرنا محمد بن مسلم بن وارة، قال :حدثنا محمد بن سعيد، قال :حدثنا عمرو بن أبى قيس، عن عطاء بن السائب، عن يحيى بن عمارة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضى الله عنهما، قال :كان من دعاء النبى صلى الله عليه وسلم) :(اللهم قنعنى بما رزقتنى (...) فذكر باقيه سواء.

قلت :هذا حديث حسن، وعمرو قديم السماع من عطاء، ويحيى بن عمارة أخرج له أحمد والترمذى والنسائى حديثاً غير هذا عن سعيد، عن ابن عباس.

وحسنه الترمذى (نتائج الافكار لابنِ حجر، ج۵ص ۲۷۵، ۲۷۷، كتاب اذكار الحج،فصل :إذا وصل المحرم إلى حرم مكة ،المجلس ۲ ۱ ۵)

طواف کے پانچویں چکر کی بعض دعاؤں کی حیثیت

بعض حضرات نے طواف کے پانچویں چکر میں مندرجہ ذیل دعاء کے سنت ہونے کا ذکر کیا ہے کہ:

اللهم اظلني تحت ظل عرشک يوم لاظل الا ظل عرشک.

مگر ہمیں کسی مستند حدیث میں اس دعاء کے طواف کے پانچویں چکر بلکہ سرے سے طواف اور اس سے بڑھ کر کسی دوسرے موقع پر پڑھنے کے سنت ہونے کا ذکر نہیں مل سکا۔

اسی طرح بعض حضرات نے طواف کے پانچویں چکر میں مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کو بھی سنت لکھ دیا ہے کہ:

اللهم إنا نسألک من خير ما سألک منه نبيک محمد صلى الله عليه وسلم ونعوذ بک من شر ما استعاذ منه نبيک محمد صلى الله عليه وسلم، وأنت المستعان، وعليک البلاغ، ولا حول ولا قوة إلا بالله.

مگر طواف کے پانچویں چکر میں اس دعاء کا پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوسکا، اس لئے اس دعاء کو بھی طواف کی سنت نہیں سمجھنا چاہئے۔

البتہ طواف کی قید کے بغیر اس دعاء کے پڑھنے کا ذکر بعض احادیث میں پایا جاتا ہے۔ [1]

---

[1] ليث بن أبي سليم، عن عبد الرحمن بن سابط، عن أبي أمامة، قال :دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بدعاء كثير لم نحفظ منه شيئا، قلنا :يا رسول الله دعوت بدعاء كثير لم نحفظ منه شيئا، فقال " :ألا أدلكم على ما يجمع ذلک كله، تقول :اللهم إنا نسألک من خير ما سألک منه نبيک محمد صلى الله عليه وسلم ونعوذ بک من شر ما استعاذ منه نبيک محمد صلى الله عليه وسلم، وأنت المستعان، وعليک البلاغ، ولا حول ولا قوة إلا بالله .:."هذا حديث حسن غريب (ترمذی، رقم الحديث ۳۵۲۱، باب ما جاء فی فضل التسبيح والتكبير والتهليل والتحميد)

قال عبد القادر الأرناؤوط وفی سنده ليث بن أبي سليم و هو صدوق اختلط أخيرا و لم يتميز حديثه فترک (روضة المحدثين، ج۳، ص۱۰۶، تحت رقم الحديث ۴۸۵۷)

اسی طرح بعض حضرات نے طواف کے پانچویں چکر میں ایک مندرجہ ذیل دعاء کا ذکر کیا ہے کہ:

اللھم انی اسئلک الجنة ونعیمھا ومایقربنی الیھا من قول او فعل او عمل واعوذبک من النار ومایقربنی الیھا من قول او فعل او عمل.

مگر تحقیق کے باوجود مذکورہ الفاظ کسی مستند حدیث میں دستیاب نہیں ہوسکے۔

طواف کے چھٹے چکر کی بعض دعاؤں کی حیثیت

بعض حضرات نے طواف کے چھٹے چکر میں مندرجہ ذیل دعاء کے سنت ہونے کا ذکر کیا ہے کہ:

اللھم ان لک علی حقوقا کثیرۃ فیما بینی وبینک وحقوقا کثیرۃ فیما بینی وبین خلقک، الخ.

مگر ہمیں کسی مستند حدیث میں اس دعاء کے طواف کے چھٹے چکر میں پڑھنے کے سنت ہونے کا ذکر نہیں مل سکا۔

اسی طرح بعض حضرات نے طواف کے چھٹے چکر میں مذکورہ دعاء کے ساتھ مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کا بھی ذکر کیا ہے کہ:

اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک، وأغننی بفضلک عمن سواک.

مگر ہمیں اس دعاء کے طواف کے دوران پڑھنے کا بھی احادیث میں ثبوت نہیں مل سکا۔

البتہ ایک حدیث میں اس دعاء کے قرض کی ادائیگی کے لئے پڑھنے کا ذکر ملتا ہے۔

جس کی سند پر کلام ہے۔ [1]

طواف کے ساتویں چکر کی ایک دعاء کی حیثیت

بعض حضرات نے طواف کے ساتویں چکر میں مندرجہ ذیل دعاء کے سنت ہونے کا ذکر کیا ہے کہ:

اللھم انی اسئلک ایمانا کاملا، ویقینا صادقا ورزقا واسعا وقلبا خاشعا، ولسانا ذاکرا، وحلالا طیبا، وتوبۃ نصوحا، الخ.

مگر ہمیں کسی مستند حدیث میں اس دعاء کے طواف کے ساتویں چکر میں پڑھنے کے سنت ہونے کا ذکر نہیں مل سکا۔

مذکورہ اوراس جیسی دعاؤں کے طواف کے دوران پڑھنے پر بعض کتب ورسائل میں بڑا زور دیا گیا ہے، اوراگر زور بھی نہ دیا گیا ہو، مگران کی حیثیت کو واضح کئے بغیر لکھ دیا گیا ہے، اوراتنی قیود لگادی گئی ہیں کہ یہ دعائیں فلاں چکر ختم ہونے پر اوراس سے اگلا چکر شروع ہونے سے پہلے ختم کرلی جائیں، جبکہ بعض دعائیں مختصر اور بعض لمبی ہوتی ہیں، اورطواف کا چکر کبھی جلدی

---

[1] حدثنا عبد الله، حدثنی أبو عبد الرحمن عبد الله بن عمر، حدثنا أبو معاویة، عن عبد الرحمن بن إسحاق القرشی، عن سیار أبی الحکم، عن أبی وائل، قال :أتی علیا رضی الله عنه رجل، فقال :یا أمیر المؤمنین، إنی عجزت عن مکاتبتی فأعنی .فقال علی رضی الله عنه :ألا أعلمک کلمات علمنیهن رسول الله صلی الله علیه وسلم، لو کان علیک مثل جبل صیر دنانیر لاداه الله عنک، قلت :بلی .قال :قل " :اللهم اکفنی بحلالک عن حرامک، وأغننی بفضلک عمن سواک (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۳۱۹)

فی حاشیة مسند احمد: إسناده ضعیف لضعف عبد الرحمن بن إسحاق :وهو أبو شیبة الواسطی الأنصاری، وقول احد الرواة فی هذا الحدیث فی نسبه "القرشی "وهم، فإن عبد الرحمن بن إسحاق القرشی لا یروی عن سیار أبی الحکم ولا یروی عنه کذلک أبو معاویة محمد فی بن خازم الضریر .أبو وائل :هو شقیق بن سلمة وأخرجه الترمذی(۳۵۶۳)والبزار(۵۶۳)والحاکم (۵۳۸/۱)من طرق عن أبی معاویة، بهذا الإسناد .وقال الترمذی؟ حسن غریب، وصحح إسناده الحاکم ووافقه الذهبی.

پورا ہوجاتا ہے، کبھی دیر سے، پھر طواف کے عمل کے ساتھ ان دعاؤں کی اتنی سخت پابندی پر عمل کیونکر ممکن ہے، بلکہ یہ خود ایسی سخت پابندیاں ہیں کہ جن میں مشغولی اور ان کی طرف توجہ ہی ایک مستقل کام ہے، ایسے میں طواف کے احکام پر عمل اور خشوع کا لحاظ کیونکر ممکن ہے، اور اسی وجہ سے ان دعاؤں کو پڑھ کر عوامُ الناس کو بڑی تشویش لاحق ہوتی ہے، اور یہ دعائیں عموماً عوام تو کیا، اکثر اہلِ علم حضرات کو بھی زبانی یاد نہیں ہوتیں، اس لئے کم علمی کی صورت میں کتابوں اور رسالوں کی مدد سے طواف کے دوران ان دعاؤں کے پڑھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور دعاؤں کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے طواف کے بعض احکام میں بھی خلل آتا ہے۔

بعض لوگ جو خود سے دیکھ کر دعائیں نہیں پڑھ سکتے، وہ کرایہ پر رَٹی رَٹائی دعائیں پڑھنے والے لوگوں کو ساتھ لے کر جتھوں کی شکل میں طواف کرتے ہیں، جس سے طواف کے دوران بڑی گڑبڑ ہوتی ہے، اور آواز کے اونچا ہونے کی وجہ سے دوسروں کو بھی خلل آتا ہے۔

اس قسم کی بے اعتدالیوں سے بچنے کا اہم راستہ یہ ہے کہ ان دعاؤں کی حیثیت کو واضح کیا جائے، جس پر ہم نے گزشتہ صفحات میں کلام کردیا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

طواف کے چکروں میں جو دعائیں پڑھنے کا عام دستور ہوگیا ہے، ان کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، چکروں کی تخصیص کے بغیر صرف چند ایک کی ضعیف روایت ملتی ہے، البتہ ایک دو دعائیں قابلِ اعتماد روایت سے ثابت ہیں، مگر ان کی بھی کسی چکر کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں۔

وجوہِ ذیل کی بناء پر چکروں کی دعائیں پڑھنا بدعت اور گناہ ہے:

(۱) جو عمل ضعیف حدیث سے ثابت ہو، اس کو سنت سمجھنا بدعت اور ناجائز ہے، جبکہ یہ دعائیں کسی ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں، اور عوام وخواص ان کو سنت سے بھی بڑھ کر فرض سمجھتے ہیں، اس لئے یہ بہت خطرناک بدعت اور بہت بڑا گناہ ہے۔

(۲) ان دعاؤں کے التزام اور دینی اداروں کی طرف سے ان کی روز افزوں اشاعت کی وجہ سے عوام ان کو ضروری سمجھنے لگے ہیں، ایسی حالت میں امر مندوب بھی مکروہ ہوجاتا ہے، چہ جائیکہ جس کا ثبوت ہی نہ ہو۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

زمزم پیتے وقت ایک مخصوص دعاء کی حدیث

زمزم پیتے وقت بہت سے اہلِ علم حضرات نے مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کو سنت قرار دیا ہے کہ:

اللهم إني أسألك علما نافعا، ورزقا واسعا، وعملا متقبلا، وشفاء من كل داء.

مگر ہمیں مذکورہ دعاء کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زمزم پینے کے وقت پڑھنا کسی مستند حدیث میں دستیاب نہ ہوسکا۔

البتہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اس دعاء کا پڑھنا مروی ہے، مگر اس کی سند پر بھی کلام ہے۔

اس لئے ہمیں زمزم پیتے وقت اس دعاء کے پڑھنے کو سنت سمجھنے سے تو پرہیز کرنے میں احتیاط معلوم ہوتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(۳) اکثر لوگوں کو دعائیں یاد نہیں ہوتیں، طواف میں کتاب دیکھ کر پڑھتے ہیں، اور ازدحام میں کتاب پڑھتے ہوئے چلنے سے خشوع نہیں رہ سکتا۔

(۴) ازدحام میں کتاب پر نظر رکھنا اپنے لئے اور دوسروں کے لئے بھی باعثِ ایذاء ہے، بالخصوص دعاؤں کی خاطر جتھوں کی صورت میں چلنا سخت تکلیف دہ ہے، جو حرام ہے۔

(۵) جتھوں کی صورت میں چِلاَّ چِلاَّ کر دعائیں پڑھنے سے دوسروں کے خشوع میں خلل پڑتا ہے۔

(۶) عوام دعاؤں کے الفاظ صحیح نہیں اداء کر پاتے، تو معلِّم جتھے کو روک کر الفاظ کہلوانے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ طواف میں ٹھہرنا مکروہِ تحریمی ہے۔

علاوہ ازیں اس صورت میں بعض لوگوں کی بیتُ اللہ کی طرف پشت یا سینہ ہوجاتا ہے، یہ بھی مکروہِ تحریمی ہے، اور اسی حالت میں کچھ آگے کو سرک گئے تو اتنے حصہ کے طواف کا اعادہ واجب ہے۔

اللہ کرے کہ علماءِ دین کو مفاسدِ مذکورہ کی طرف التفات ہو، اور وہ اس بدعتِ شنیعہ ومعصیتِ علانیہ کی اشاعت کی بجائے اس سے اجتناب کی تبلیغ کا فرض اداء کریں (احسن الفتاویٰ ج۴، ص۵۷۹، کتاب الحج)

البتہ کوئی سنت سمجھے بغیر پڑھے تو حرج معلوم نہیں ہوتا۔ ۱؎

ل وعن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ماء زمزم لما شرب له إن شربته تستشفى شفاك الله وإن شربته لشبعك أشبعك الله وإن شربته لقطع ظمئك قطعه الله وهى هزمة جبرائيل عليه السلام وسقيا الله إسماعيل عليه السلام. رواه الدارقطنى والحاكم وزاد وإن شربته مستعيذا أعاذك الله وكان ابن عباس رضى الله عنه إذا شرب ماء زمزم قال اللهم إنى أسألك علما نافعا ورزقا واسعا وشفاء من كل داء وقال صحيح الإسناد إن سلم من الجارود يعنى محمد بن حبيب. قال الحافظ سلم منه فإنه صدوق قاله الخطيب البغدادى وغيره لكن الراوى عنه محمد بن هشام المروزى لا أعرفه وروى الدارقطنى دعاء ابن عباس مفردا من رواية حفص بن عمر العدنى
الهزمة بفتح الهاء وسكون الزاى هو أن تغمز موضعا بيدك أو رجلك فتصير فيه حفرة (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۸۱۶، الترغيب فى شرب ماء زمزم وما جاء فى فضله)
قال الحاكم :هذا حديث صحيح الإسناد إن سلم من محمد بن حبيب الجارودى.
قلت :قد سلم منه؛ قال ابن القطان فى علله :محمد هذا قدم بغداد وحدث بها، وكان صدوقا، لكن الراوى عنه لا يعرف حاله وهو محمد بن هشام بن على المروزى.
قلت :لكن ظاهر كلام الحاكم يدل على أنه (يعرف حاله) إذ لم يتوقف إلا عن الجارودى فقط.
وقال الذهبى فى الميزان :هذا الحديث رواه الدارقطنى عن (عمر) بن الحسن الأشنانى القاضى صاحب ذاك المجلس، وضعفه الدارقطنى، والحسن بن أحمد الخلال، ويروى عن الدارقطنى أنه كذاب، ولم يصح هذا، ولكن هذا الأشنانى صاحب بلايا، (من) ذلك هذا الحديث .ثم ساقه، (و) قال :ابن حبيب صدوق، فآفته هو .قال :فلقد أثم الدارقطنى بسكوته عنه، فإنه بهذا الإسناد باطل، ما رواه ابن عيينة قط بل المعروف حديث جابر (البدرالمنير لابن الملقن، ج٦، ص۳۰۲، وص۳۰۳، باب دخول مكة وما يتعلق به)
وقال " :هذا حديث صحيح الإسناد ,إن سلم من الجارودى ."
قلت :ووافقه الذهبى ,وذلك من وهمه وتناقضه ,فقد سبق عنه أنه قال فى الجارودى هذا ":" أتى بخبر باطل ."وقد عرفت مما تقدم ذكره أن قوله هذا هو الصواب وأنه أخطأ فى رفعه ووصله.
ثم إن الحافظ قد ذكر فى ترجمة الأشنانى هذا عن الحاكم أنه كان يكذب ,وعنه أنه قال :قلت للدارقطنى :سألت أبا على الحافظ عنه ,فذكر أنه ثقة ,فقال :بئس ما قال شيخنا أبو على !
وقال الذهبى فى "الرد على ابن القطان "(بعد أن ساق الحديث من طريق الدارقطنى(۱۹/۲ - ۱)
قلت :هؤلاء ثقات ,سوى عمر الأشنانى ,أنا أتهمه بوضع حديث أسلمت وتحتى أختان ."
وجملة القول :إن الحديث بالزيادة التى عند الدارقطنى موضوع .لتفرد هذا الأشنانى به ,وهو بدونها باطل لخطأ الجارودى فى رفعه ,والصواب وقفه على مجاهد ,ولئن قيل إنه لا يقال من قبل الرأى فهو فى حكم المرفوع ,فإن سلم هذا ,فهو فى حكم المرسل ,وهو ضعيف ,والله أعلم (ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۱۱۲٦)

طواف کی دو رکعتوں کے بعد کی ایک دعاء

بعض اہلِ علم حضرات نے طواف کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد مندرجہ ذیل دعاء پڑھنے کا حکم فرمایا ہے کہ:

اللھم وفقنی لما تحب وترضی الخ

مگر مذکورہ موقع پر اس دعاء کا مسنون اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص اس موقع پر پڑھنا ہمیں کسی معتبر حدیث سے معلوم نہیں ہو سکا۔

البتہ اس طرح کی دعاء کا ایک روایت میں ذکر آیا ہے، جس میں طواف کی دو رکعتوں کے پڑھنے کے بعد کی کوئی قید نہیں، اور اس کی سند پر بھی کلام ہے۔ [۱]

مقامِ ابراہیم پر دعائے آدم کی حدیث

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ حدیث مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اُترے، تو آپ نے بیتُ اللہ کا طواف کیا، اور دو رکعتیں پڑھیں، پھر انہوں نے مندرجہ ذیل دعاء پڑھی کہ:

اللھم إنک تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی، وتعلم حاجتی فأعطنی سؤالی، وتعلم ما عندی فاغفر لی ذنبی، اللھم أسألک

---

[۱] ثنا المقدمی ثنا المعتمر بن سلیمان عن عبد الملک بن خالد عن سالم بن حذلم قال: رآنی ابن عمر أصلی فلما انصرفت قال لی :ممن أنت؟ فقلت :من أھل الشام فقال :إنکم أھل الشام تطیلون الصلاۃ وتکثرون الدعاء وإننی لم أصل خلف أحد أخف صلاۃ فی تمام من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت دعوۃ یدعو بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن یقول" :اللھم وفقنی لما تحب وترضی من القول والعمل والنیۃ والھدی إنک علی کل شیء قدیر" (السنۃ لابنِ ابی عاصم، رقم الحدیث ۳۷۳)

قال الالبانی فی ظلال الجنۃ علی السنۃ لابن ابی عاصم:إسنادہ ضعیف عبد الملک بن خالد وسالم بن حذلم لم أعرفھما.

إيماناً يباشر قلبي، ويقيناً صادقاً حتى أعلم أنه لا يصيبني إلا ما كتبت لي.

جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی کہ اے آدم! آپ نے میرے سے جو دعاء کی ہے، وہ میں نے قبول کرلی ہے، اور آپ کے بعد آپ کی اولاد میں سے جو بھی مجھ سے یہ دعاء کرے گا تو میں اس کی دعاء قبول کروں گا، اور اس کے گناہ معاف کروں گا، اور اس کے فکر اور غم کو دُور کروں گا، وغیرہ۔

مگر اس حدیث کی مرفوع سند کو محدثین نے شدید ضعیف قرار دیا ہے، اس لئے اس کے ثبوت اور حضرت آدم علیہ السلام کی طرف اس دعاء کی نسبت کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ [1]

---

[1] عن سليمان بن مسلم، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم) :(لما أهبط الله آدم عليه السلام إلى الأرض طاف بالبيت وصلى ركعتين، ثم قال :اللهم إنك تعلم سري وعلانيتي فاقبل معذرتي، وتعلم حاجتي فأعطني سؤالي، وتعلم ما عندي فاغفر لي ذنبي، اللهم أسألك إيماناً يباشر قلبي، ويقيناً صادقاً حتى أعلم أنه لا يصيبني إلا ما كتبت لي، فأوحى الله تعالى إليه: يا آدم إنك دعوتني بدعاءٍ استجبت لك فيه، ولن يدعوني به أحدٌ من ذريتك من بعدك إلا استجبت له، وغفرت ذنبه، وفرجت همه وغمه ونزعت قلبه من بين جنبيه وتجرت له من وراء كل تاجرٍ، وأتته الدنيا وهي راغبةٌ)

قلت: هذا حديث غريب فيه سليمان بن مسلم الخشاب ضعيف جداً لكن تابعه حفص بن سليمان، عن علقمة بن مرثد، عن سليمان بن بريدة.

وأخرج أبو الوليد الأزرقي في كتاب مكة من طريق حفص -وهو ضعيف أيضاً، لكنه إمام في القراء ة. وأخرجه الأزرقي أيضاً من طريق عبد الله بن أبي سليمان مولى بني مخزوم موقوفاً عليه.

ووقع لنا أيضاً من حديث عائشة.

قرأت على فاطمة بنت محمد المقدسية ونحن نسمع بصالحية دمشق، عن أبي العماد، قال: أخبرنا أبو محمد بن بنيان في كتابه، قال: أخبرنا إسحاق بن أحمد الحافظ، قال: أخبرنا الحسن بن أحمد المقرء، قال: أخبرنا أحمد بن عبد الله الحافظ، قال: أخبرنا سليمان بن أحمد، قال: حدثنا محمد بن علي الأقمر، قال: حدثنا النضر بن طاهر، قال: حدثنا معاذ بن محمد، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها، فذكر الحديث مختصراً.

والنضر أشد ضعفاً من سليمان بن الخشاب، والخشاب أشد ضعفاً من حفص.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مکہ میں داخل ہونے یا طواف کے بعد کی ایک دعاء

بعض حضرات نے مکہ میں داخل ہونے، اور اسی طرح طواف کے بعد مندرجہ ذیل دعاء کو سنت لکھ دیا ہے کہ:

اللهم هذا بلدك الحرام والمسجد الحرام وبيتك الحرام، وأنا عبدك وابن عبدك وابن أمتك أتيتك بذنوبٍ كثيرةٍ وخطايا جمة وأعمالٍ سيئةٍ، وهذا مقام العائذ بك من النار، فاغفر لى إنك أنت الغفور الرحيم.

اللهم إنك دعوت عبادك إلى بيتك، وقد جئت طالباً رحمتك ومبتغياً رضوانك، وأنت مننت على بذلك، فاغفر لى، إنك على كل شيء ٍقديرٌ.

مگر اس دعاء کا مذکورہ مواقع پر مسنون ہونا ہمیں مستند طریقہ پر احادیث میں دستیاب نہیں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهذه الطرق الأربعة ترقى الحديث إلى مرتبة ما يعمل به فى فضائل الأعمال كالدعاء، والله أعلم.

قوله (يقول فى الدعاء فى الملتزم -إلى أن قال -اللهم لك الحمد حمداً يوافى نعمك ..إلى آخره)

قلت :لم أقف له على أصل، والله المستعان (نتائج الافكار لابن حجر، ج۵، ص۲۹۰، و۲۹۱، فصل :إذا وصل المحرم إلى حرم مكة، المجلس ۲۱۶)

وقال الهيثمى: عن عائشة، عن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :لما أهبط الله آدم إلى الأرض قام وجاء الكعبة فصلى ركعتين، فألهمه الله هذا الدعاء :اللهم إنك تعلم سريرتى وعلانيتى، فاقبل معذرتى، وتعلم حاجتى فأعطنى سؤلى، وتعلم ما فى نفسى فاغفر لى ذنبى، اللهم إنى أسألك إيمانا يباشر قلبى، ويقينا صادقا حتى أعلم أنه لا يصيبنى إلا ما كتبت لى، ورضا بما قسمت لى ."

قال " :فأوحى الله إليه :يا آدم، قد قبلت توبتك، وغفرت ذنبك، ولن يدعونى أحد بهذا الدعاء إلا غفرت له ذنبه، وكفيته المهم من أمره، وزجرت عنه الشيطان، واتجرت له من وراء كل تاجر، وأقبلت إليه الدنيا وهى راغمة وإن لم يردها.

رواه الطبرانى فى الأوسط، وفيه النضر بن طاهر، وهو ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۴۲۶، باب دعاء آدم صلى الله عليه وسلم)

ہوسکا۔ [1]

صفا سے مروہ کی طرف چلتے ہوئے ایک دعاء کی حیثیت

بعض حضرات نے صفا سے مروہ کی طرف چلتے ہوئے مندرجہ ذیل دعاء کو سنت قرار دیا ہے کہ:

اللھم استعملنی بسنة نبیک وتوفنی علی ملته وأعذنی من مضلات الفتن برحمتک یا أرحم الراحمین.

مگر ہمیں مذکورہ الفاظ کے ساتھ اس دعاء کے سعی کے دوران پڑھنے کا سنت ہونا مستند طریقہ پر ثابت نہ ہوسکا۔

البتہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل دعاء کا صفا پر پڑھنا مروی ہے کہ:

اَللّٰھُمَّ أَحْیِنِیْ عَلٰی سُنَّةِ نَبِیِّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ،وَتَوَفَّنِیْ عَلٰی

---

[1] البتہ بعض حضرات نے دخولِ مکہ یا طواف کے بعد اس طرح کی دعاء کو مستحب لکھا ہے، مگر علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند دستیاب نہ ہونے کا حکم لگایا ہے، ہمیں بھی تلاشِ بسیار کے باوجود اس کی سند دستیاب نہ ہوسکی۔

والمستحب إذا دخل مكة أن يقول اللهم أنت ربی وأنا عبدک والبلد بلدک جئتک هاربا منک إلیک لأؤدی فرائضک وأطلب رحمتک وألتمس رضوانک أسألک مسألة المضطرین إلیک الخائفین عقوبتک أسألک أن تستقبلنی الیوم بعفوک وتدخلنی فی رحمتک وتتجاوز عنی بمغفرتک وتعیننی علی أداء فرائضک اللهم نجنی من عذابک وافتح لی أبواب رحمتک وأدخلنی فیها وأعذنی من الشیطان الرجیم(الجوهرة النیرة، ج ۱ ص ۱۵۳ ، کتاب الحج)

(قوله :ویستحب إذا فرغ من الطواف -إلی أن قال -ومن الدعاء المنقول فیه :اللهم إنی عبدک ...) إلی آخره.

قلت :ذکره فی شرح المهذب ونقل عن صاحب الحاوی أنه قال :یستحب أن یدعو بما روی عن جابر، أن النبی صلی الله علیه وسلم طاف وصلی خلف المقام رکعتین، ثم قال:اللهم هذا بلدک الحرام والمسجد الحرام وبیتک الحرام، وأنا عبدک وابن عبدک وابن أمتک أتیتک بذنوبٍ کثیرةٍ وخطایا جمة وأعمالٍ سیئةٍ، وهذا مقام العائذ بک من النار، فاغفر لی إنک أنت الغفور الرحیم، اللهم إنک دعوت عِبادک إلی بیتک، وقد جئت طالباً رحمتک ومبتغیاً رضوانک، وأنت مننت علی بذلک، فاغفر لی، إنک علی کل شیءٍ قدیرٌ.

قلت :ولم أظفر بسنده إلی الآن، والله المستعان(نتائج الافکار لابنِ حجر، ج۵ص۲۸۸،کتاب اذکار الحج، فصل اذا وصل المحرم الی حرم مکة، المجلس ۵۱۵)

مِلَّتِہٖ،وَأَعِذْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ. ۱؎

عرفہ کے دن تمام عام مسلمانوں کی مغفرت کی حدیث

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ عرفہ کے دن کی شام کو اُن تمام عام مسلمانوں کی مغفرت کردی جاتی ہے، جن کے دلوں میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوتا ہے (طبرانی) ۲؎

مگر اس حدیث کی سند انتہائی شدید ضعیف معلوم ہوتی ہے۔ ۳؎

۱؎ أخبرنا أبو القاسم عبد الرحمن بن عبيد الله الحرفي ,ببغداد ,ثنا حمزة بن محمد بن العباس ,ثنا أحمد بن الوليد الفحام ,ثنا شاذان ,أنبأ سفيان بن عيينة ,عن أبي الأسود ,عن نافع ,عن ابن عمر أنه كان يقول عند الصفا " :اللهم أحيني على سنة نبيك صلى الله عليه وسلم ,وتوفني على ملته ,وأعذني من مضلات الفتن "(السنن الكبرىٰ للبيهقي، رقم الحديث ۹۳۴۹، باب الخروج إلى الصفا والمروة ,والسعي بينهما ,والذكر عليهما)

اور امام عقیلی نے تھوڑے بہت مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے اس طرح کی دعاء روایت کی ہے، مگر ساتھ ہی اس کی سند کو غیر مستقیم بھی قرار دیا ہے۔

حسين بن أبي سفيان السلمي الواسطي والد سفيان بن حسين حدثني آدم بن موسى قال :سمعت البخاري قال :حسين بن أبي سفيان روى عنه عبد الرحمن بن إسحاق حديثه ليس بمستقيم.

ومن حديثه ما حدثنا به جعفر بن محمد بن حرب بن الحسن الطحان قال :وجدت في كتاب جدي حرب بن الحسن الطحان ، حدثنا القاسم بن مالك ، عن عبد الرحمن بن إسحاق ، عن حسين بن أبي سفيان السلمي قال :كنت أطوف بين الصفا والمروة أو بالبيت فسمعت عبد الله بن عمر يقول : اللهم استعملني بسنة نبيك وتوفني على ملته وأعذني من الفتن (الضعفاء الكبير للعقيلي، تحت رقم الحديث ۳۹۶)

۲؎ حدثنا الحسين بن إسحاق التستري، ثنا أبو الربيع الزهراني ، ثنا الصلت بن الحجاج، ثنا الصباح ، عن أبي داود ، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا كان عشية عرفة لم يبق أحد في قلبه مثقال حبة من خردل من إيمان إلا غفر له .قلت :يا رسول الله، أهل عرفة خاصة؟ قال :بل للمسلمين عامة (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۱۳۸۹۶)

۳؎ قال الهيثمي: رواه الطبراني في الكبير، وفيه أبو داود الأعمى، وهو ضعيف جدا (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۵۵۱، باب في عرفة والوقوف بها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دس ذی الحجہ کے دن کی ایک دعاء

حضرت جابر بن عبداللہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس ذی الحجہ کو مندرجہ ذیل دعاء کرنا مروی ہے کہ:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَا إِلٰہَ إِلَّا أَنْتَ، بِرَحْمَتِکَ أَسْتَغِیْثُ فَاکْفِنِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ، وَلَا تَکِلْنِیْ إِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ . [1]

اس حدیث کی سند کے راوی معتبر ہیں۔

البتہ اس کی سند میں ایک راوی یعقوب بن محمد ہیں، جن پر محدثین نے کچھ کلام کیا ہے، لیکن وہ کلام زیادہ شدید معلوم نہیں ہوسکا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال ابن حبان: نفیع بن الحارث أبو داود الاعمی القاص الهمدانی :من أهل الكوفة، يروی عن بريدة الاسلمی وأنس ابن مالک، روی عنه إسماعيل بن أبی خالد والعلاء بن المسيب، كان ممن يروی عن الثقات الاشياء الموضوعات توهما، لا يجوز الاحتجاج به ولا الرواية عنه إلا على جهة الاعتبار (المجروحين لابن حبان، ج۳، ص۵۵)

وقال الحافظ العسقلانی: وقال أحمد بن أبی يحيى سمعت أحمد بن حنبل يقول أبو داود الأعمى يقول سمعت العبادلة ولم يسمع منهما شيئا وقال أيضا سمعت ابن معين يقول أبو داود الأعمى يضع ليس بشیء وقال أبو حاتم منكر الحديث ضعيف الحديث وقال البخاری يتكلمون فيه وقال الترمذی يضعف فی الحديث وقال النسائی متروک الحديث وقال فی موضع آخر ليس بثقة ولا يكتب حديثه وقال العقيلی كان ممن يغلو فی الرفض وقال ابن عدی هو فی جملة الغالية بالكوفة وقال ابن حبان فی الضعفاء نفيع أبو داود الأعمى يروی عن الثقات الموضوعات توهما لا يجوز الاحتجاج به وقال فی الثقات نفيع بن الحارث عن أنس وعنه إسماعيل بن أبی خالد فكأنه جعله اثنين قلت هو وهم منه بلا ريب وهو هو قال الساجی كان منكر الحديث يكذب (تهذيب التهذيب لابن حجر، ج۱۰، ص۴۷۱)

[1] يعقوب بن محمد الزهری، ثنا محمد بن معن الغفاری، عن عمارة بن صياد، عن جابر بن عبد الله، رضی الله عنه قال :رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو واقف على القرن -يعنی قرن الثعالب -يوم النحر وهو يقول :يا حی يا قيوم لا إله إلا أنت، برحمتک أستغيث فاكفنی شأنی كله، ولا تكلنی إلى نفسی طرفة عين (الدعاء للطبرانی، رقم الحديث ۸۸۰)

اس لئے اس حدیث کو قبول کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ [1]

عرفات کے لئے روانگی اور عرفات کی ایک دعاء

بعض کتابوں میں نو ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات کے لئے روانگی کے وقت مندرجہ ذیل دعاء کو مسنون لکھا گیا ہے کہ:

اللهم إليك توجهت، وعليك توكلت، ووجهك الكريم أردت، فاجعل ذنبي مغفورا، وحجي مبرورا، وارحمني ولا تخيبني، وبارك في سفري، واقض بعرفات حاجتي إنك على كل شيء قدير.

اسی طرح عرفات میں داخل ہونے کے وقت بھی مذکورہ دعا سے ملتی جلتی ایک دعا کو مسنون

---

[1] يعقوب بن محمد بن عيسى بن عبد الملك بن حميد بن عبد الرحمن بن عوف الزهرى القرشى ، أبو يوسف المدنى.....وقال أحمد بن سنان القطان، عن يحيى بن معين :ما حدثكم عن الثقات فاكتبوه، وما لا يعرف من الشيوخ فدعوه.وقال أبو عبيد الأجرى :سألت أبا داود عن يعقوب بن محمد بن عيسى الجوهرى، فقال :سمعت الدقيقى يقول :سألت يحيى بن معين عن يعقوب بن محمد، فقال :إذا حدث عن الثقات.وقال أبو زرعة:واهى الحديث.وقال فى موضع آخر:ليس عليه قياس، يعقوب الزهرى، وابن زبالة، والواقدى، وعمر بن أبى بكر المؤملى يتقاربون فى الضعف . وقال أبو حاتم :هو على يدى عدل، أدركته فلم أكتب عنه .وقال على بن الحسين بن الجنيد الرازى ، عن حجاج بن الشاعر :حدثنا يعقوب بن محمد الزهرى الثقة.وقال على بن الحسين بن حبان : وجدت فى كتاب أبى بخط يده :قال أبو زكريا :يعقوب بن محمد الزهرى صدوق، ولكن لا يبالى عمن حدث، حدث عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من لم يكن عنده صدقة فليلعن اليهود "، هذا كذب وباطل لا يحدث بهذا أحد يعقل.وقال صالح بن محمد الأسدى :سمعت يحيى بن معين سئل عن يعقوب بن محمد، فقال :أحاديثه تشبه أحاديث الواقدى، يعنى تركوا حديثه .وقال محمد بن سعد:كان أبوه محمد بن عيسى من سراة أهل المدينة وأهل المروء ة منهم، وكان يعقوب كثير العلم والسماع للحديث، ولم يجالس مالكا ولكنه قد لقى من كان بعد مالك من فقهاء أهل المدينة ورجالهم أهل العلم منهم، وكان حافظا للحديث.وذكره ابن حبان فى كتاب "الثقات(تهذيب الكمال فى أسماء الرجال،ج٣٢،ص ٣٧١،تحت رقم الترجمة ٧١٠٥)

لکھا گیا ہے، مگر ہمیں اس دعاء کا مسنون ہونا کسی مستند حدیث سے دستیاب نہیں ہوسکا۔

عرفہ کی شام میں چند دعاؤں سے متعلق احادیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث مروی ہے، جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ عرفہ کی شام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے کہ:

اللهم إنک ترى مکانى، وتسمع کلامى، وتعلم سرى وعلانيتى، لا يخفى عليک شىء من أمرى، أنا البائس الفقير، المستغيث المستجير، الوجل المشفق، المقر المعترف بذنبه، أسألک مسألة المسکين، وأبتهل إليک ابتهال المذنب الذليل، وأدعوک دعاء الخائف الضرير، من خضعت لک رقبته، وذل جسده، ورغم أنفه، اللهم لا تجعلنى بدعائک شقيا، وکن بى رء وفا رحيما، يا خير المسئولين، ويا خير المعطين. [1]

---

[1] يحيى بن صالح الأبلى، عن إسماعيل بن أمية، عن عطاء بن أبى رباح، عن ابن عباس قال : کان مما دعا به النبى صلى الله عليه وآله وسلم عشية عرفة : اللهم إنک ترى مکانى ,وتسمع کلامى ,وتعلم سرى وعلانيتى ,لا يخفى عليک شىء من أمرى ,أنا البائس الفقير ,المستغيث المستجير ,الوجل المشفق ,المقر المعترف بذنبه , أسألک مسألة المسکين ,وأبتهل إليک ابتهال المذنب الذليل ,وأدعوک دعاء الخائف الضرير ,من خضعت لک رقبته ,وذل جسده ,ورغم أنفه ,اللهم لا تجعلنى بدعائک شقيا ,وکن بى رء وفا رحيما ,يا خير المسئولين ,ويا خير المعطين لم يروه عن عطاء إلا إسماعيل ,ولا عنه إلا يحيى تفرد به ابن بکير (المعجم الصغير للطبرانى، رقم الحديث ۶۹۶)

اور طبرانی کبیر کی روایت میں عرفہ کے بجائے حجۃ الوداع میں اس دعاء کا کرنا مروی ہے۔

يحيى بن صالح الأبلى، عن إسماعيل بن أمية، عن عطاء بن أبى رباح، عن ابن عباس، قال : کان فيما دعا به رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع : اللهم إنک تسمع کلامى، وترى مکانى، وتعلم سرى وعلانيتى، لا يخفى عليک شىء من أمرى، أنا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل المشفق المقر المعترف بذنبه، أسألک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مگر اس کی سند کو محدثین نے شدید ضعیف قرار دیا ہے۔ [1]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کی شام میں اکثر وقوفِ عرفہ کے دوران یہ دعا کیا کرتے تھے کہ:

اللهم لک الحمد كالذى نقول وخيرا مما نقول، اللهم لک صلاتى ونسكى ومحياى ومماتى، وإليک مآبى، ولک رب تراثى.

اللهم إنى أعوذ بک من عذاب القبر ووسوسة الصدر وشتات الأمر، اللهم إنى أعوذ بک من شر ما يجىء به الريح. [2]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مسألة المستكين وأبتهل إليک ابتهال المذنب الذليل، وأدعوک دعاء الخائف الضرير من خضعت لک رقبته وفاضت لک عيناه وذل جسده ورغم أنفه لک، اللهم لا تجعلنى بدعائک شقيا، وكن بى دوما رحيما، يا خير المسئولين ويا خير المعطين(المعجم الكبير للطبرانى،رقم الحديث ۱۱۴۰۵)

[1] قال الهيثمى:رواه الطبرانى فى الكبير والصغير وزاد " :الوجل المشفق ."وفيه يحيى بن صالح الأيلى.

قال العقيلى : روى عنه يحيى بن بكير مناكير، وبقية رجاله رجال الصحيح(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۵۵۴۹، باب فى عرفة والوقوف بها)

وقال العراقى: وإسناده ضعيف وباقى الدعاء من دعاء بعض السلف فى بعضه ما هو مرفوع ولكن ليس مقيدا بموقف عرفة (تخريج احاديث الاحياء للعراقى، تحت رقم الحديث ۸۰۴)

وقال ابن الجوزى:هذا حديث لا يصح قال الدارقطنى كان إسماعيل بن أمية يضع الحديث(العلل المتناهية فى الاحاديث الواهية، تحت رقم الحديث ۱۴۱۲، كتاب الدعاء)

[2] حدثنا محمد بن حاتم المؤدب قال :حدثنا على بن ثابت قال :حدثنى قيس بن الربيع، وكان من بنى أسد، عن الأغر بن الصباح، عن خليفة بن حصين، عن على بن أبى طالب، قال :أكثر ما دعا به رسول الله صلى الله عليه وسلم عشية عرفة فى الموقف : اللهم لک الحمد كالذى نقول وخيرا مما نقول، اللهم لک صلاتى ونسكى ومحياى ومماتى، وإليک مآبى، ولک رب تراثى، اللهم إنى أعوذ بک من عذاب القبر ووسوسة الصدر وشتات الأمر، اللهم إنى أعوذ بک من شر ما يجىء به الريح(سنن الترمذى، رقم الحديث ۳۵۲۰)

مگر محدثین نے اس حدیث کو غریب اور کمزور جبکہ بعض نے غیر معمولی ضعیف قرار دیا ہے۔[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث یہ مروی ہے، جس میں مذکور ہے کہ جو شخص بھی وقوفِ عرفہ کی شام کو میدانِ عرفات میں قبلہ کی طرف اپنا رُخ کر کے کھڑا ہو، پھر سو مرتبہ یہ دعا پڑھے:

لا إله إلا الله وحده لا شريک له، له الملک وله الحمد وهو على کل شيء قدير مائة مرة.

پھر سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔

پھر سو مرتبہ یہ درود پڑھے:

اللهم صل على محمد كما صليت على إبراهيم وآل إبراهيم إنک حميد مجيد، وعلينا معهم.

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو گواہ بنا کر، اس دعاء پڑھنے والے کی مغفرت کا اعلان ہوتا

---

[1] قال الترمذي: هذا حديث غريب من هذا الوجه وليس إسناده بالقوى.

وقال ابن الملقن: وفي إسناده قيس بن الربيع القاضي وقد ساء حفظه بأخرة، قال الرافعي: وأضيف (إليه): له الملک وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم اجعل في قلبي نورا، (وفي سمعي نورا) وفي بصري نورا، اللهم اشرح لي صدري، ويسر لي أمري.

قلت: أما قوله: له الملک إلى قوله: قدير فقد أسلفناه في عدة أحاديث، وأما قوله: اللهم اجعل في قلبي نورا ... إلى آخره فرواه البيهقي من حديث موسى بن عبيدة، عن أخيه (عبد الله) بن عبيدة، عن علي رضي الله عنه قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: أكثر دعائي ودعاء الأنبياء قبلي (بعرفة): لا إله إلا الله وحده لا شريک له، له الملک وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم اجعل في قلبي نورا، وفي سمعي نورا، وفي بصري نورا، اللهم اشرح لي صدري ويسر لي أمري، وأعوذ بک من وسواس الصدر، وشتات الأمر، وفتنة القبر، اللهم إني أعوذ بک من شر ما يلج في الليل، (وشر ما يلج في النهار)، وشر ما تهب به الرياح، ومن شر بوائق الدهر. قال البيهقي: تفرد به موسى بن عبيدة الربذي، وهو ضعيف ولم يدرک أخوه عليا.

قلت: فصار الحديث ضعيفا بوجهين، وعبد الله أخو موسى: ضعيف أيضا (و) قال ابن حبان: منكر الحديث جدا، ليس (له) راو غير أخيه موسى، وموسى ليس بشيء في الحديث، ولا أدري البلاء من أيهما (البدر المنير لابن الملقن، ج٦ ص ٢٢٦، ٢٢٧، كتاب الحج، باب دخول مكة وما يتعلق به، الحديث الخمسون)

ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بندہ تمام میدانِ عرفات والوں کی سفارش کی دعا کرے، تو میں اس کو بھی قبول کروں گا (بیہقی) [1]

مگر اس حدیث کو بعض محدثین نے غریب اور اجنبی قرار دیا ہے۔ [2]

بعض حضرات نے عرفہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل دعاء کے سنت ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ:

اللهم إليك أشكو ضعف قوتي ، وقله حيلتي ، وهواني على الناس ، يا أرحم الراحمين ، أنت أرحم بي ، إلى من تكلني إلى

---

[1] أخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ، حدثنا أبو جعفر أحمد بن عبيد بن إبراهيم الأسدي الحافظ بهمدان، حدثنا علي بن الحسن بن عبد الصمد الطيالسي .علان الحافظ، حدثنا أبو إبراهيم الترجماني، حدثنا عبد الرحمن بن محمد الطلحي، حدثنا عبد الرحمن بن محمد المحاربي، عن محمد بن سوقة، عن محمد بن المنكدر، عن جابر بن عبد الله، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :ما من مسلم يقف عشية عرفة بالموقف فيستقبل القبلة بوجهه، ثم يقول :لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير مائة مرة، ثم يقرأ قل هو الله أحد مائة مرة، ثم يقول :اللهم صل على محمد كما صليت على إبراهيم وآل إبراهيم إنك حميد مجيد، وعلينا معهم مائة مرة إلا قال الله تعالى :يا ملائكتي ما جزاء عبدي هذا؟، سبحني، وهللني، وكبرني، وعظمني، وعرفني، وأثنى علي، وصلى على نبيي، اشهدوا ملائكتي أني قد غفرت له، وشفعته في نفسه، ولو سألني عبدي هذا لشفعته في أهل الموقف كلهم ."قال الشيخ أحمد " :هذا متن غريب وليس في إسناده من ينسب إلى الوضع، والله أعلم ورواه أحمد بن عبيد الصفار، عن علان بن عبد الصمد ببعض معناه غير أنه قال :عبد الله بن محمد الطلحي، وكذا قال غيره عن محمد بن بشر بن مطر، عن أبي إبراهيم، عن عبد الله بن محمد الطلحي، وروي عن غير الطلحي أيضا عن المحاري(شعب الايمان، رقم الحديث ٣٧٨٠)

[2] قال ابن عراق الكناني:أخرجه البيهقي في الشعب وقال متن غريب وليس في إسناده من ينسب إلى الوضع وأورده الحافظ ابن حجر في أماليه وقال رواته كلهم موثوقون إلا عبد الرحمن بن محمد الطلحي فإنه مجهول انتهى.

وقد تابع الطلحي أحمد بن ناصح البغدادي أخرجه الديلمي وابن النجار بزيادة (قلت) والحديث المتعقب قال المحب الطبري في أحكامه أخرجه أبو منصور في جامع الدعاء الصحيح والله أعلم(تنزيهه الشريعة المرفوعة عن الاخبار الشنيعة الموضوعة، ج٢ص ١٧١،كتاب الحج، الفصل الثاني)

عدو يتجهمني ، أم إلى القريب ملكته أمرى إن لم تكن غضبانا علي ، فلا أبالي غير أن عافيتك هو أوسع لي ، أعوذ بنور وجهك الذي أشرقت له الظلمات ، وصلح عليه أمر الدنيا والآخرة أن تنزل بي غضبك ، أو تحل على سخطك ، لك العتبى حتى ترضى ، ولا حول ولا قوة إلا بك.

مگر ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے دن اس دعاء کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوسکا۔

البتہ اس دعاء کا ایک اور موقع پر روایت میں ذکر آیا ہے، جس کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ [۱]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جس نے مندرجہ ذیل دعاء کو عرفہ کے دن ہزار مرتبہ پڑھا، تو وہ جو بھی دعاء کرے گا، قبول کی جائے گی، بشرطیکہ قطع رحمی اور گناہ کی دعاء نہ کرے۔

وہ دعاء یہ ہے:

---

[۱] حديث :لما توفى أبو طالب خرج النبى (إلى الطائف ماشيا على قدمية ، فدعا إلى الإسلام قال :فلم يجيبوه قال :فانصرف ، فأتى ظل شجرة ، فصلى ركعتين ، ثم قال :اللهم إليك أشكو ضعف قوتى ، وقلة حيلتى ، وهوانى على الناس ، يا أرحم الراحمين ، أنت أرحم بي ، إلى من تكلنى إلى عدو يتجهَمُنى ، أم إلى القريب مَلَكتَهُ أمرى إن لم تكن غضباناً عليَّ ، فلا أبالي غير أن عافيتك هو أوسع لى ، أعوذ بنور وجهك الذى أشرقت له الظلمات ، وصلح عليه أمر الدنيا والآخرة أن تنزل بى غضبك ، أو تُحِلَّ على سَخَطَك ، لك العُتبى حتى ترضى ، ولا حول ولا قوة إلا بكَ .رواه محمد بن إسحاق عن هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن عبد الله بن جعفر قال :لما . . .قال ابن عدى :هذا حديث أبى صالح القاسم بن الليث الراسبى بتنيس أنا سألته ؛ فأملاه علينا من حفظه :حدثنا محمد بن أبى صفوان الثقفى إملاء ، ثنا وهب بن جرير بن حازم ، عن أبيه ، عن محمد بن إسحاق ، عن هشام بن عروة ، (عن أبيه ، عن عبد الله بن جعفر) . قال ابن عدى :لم أسمع أحدا حدث بهذا الحديث غيره ، ولم أكتبه إلا عنه (ذخيرة الحفاظ لابن طاهر المقدسى، ج۴، ص۱۹۶۸، و۱۹۶۹، تحت رقم الحديث ۴۵۲۶)

سبحان الذی فی السماء عرشه، سبحان الذی فی الأرض موطئه،
سبحان الذی فی البحر سبیله، سبحان الذی فی النار سلطانه،
سبحان الذی فی الجنة رحمته، سبحان الذی فی القبور قضاؤه،
سبحان الذی فی الهواء روحه، سبحان الذی رفع السماء ،
سبحان الذی وضع الأرض سبحان الذی لا منجا منه إلا إلیه.

اس حدیث کی سند ضعیف معلوم ہوتی ہے، جبکہ بعض محدثین نے اس کے ثبوت ہی کا انکار کیا ہے۔[1]

مزدلفہ کی دو مشہور دعائیں

بعض علماء نے مزدلفہ میں مندرجہ ذیل دعاء پڑھنے کے سنت ہونے کا ذکر کیا ہے:

---

[1] وعن عبد الله بن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم قال :من قال لیلة عرفة هذه العشر کلمات ألف مرة لم یسأل الله شیئا إلا أعطاه إلا قطیعة رحم أو مأثم :سبحان الذی فی السماء عرشه، سبحان الذی فی الأرض موطئه، سبحان الذی فی البحر سبیله، سبحان الذی فی النار سلطانه، سبحان الذی فی الجنة رحمته، سبحان الذی فی القبور قضاؤه، سبحان الذی فی الهواء روحه، سبحان الذی رفع السماء ، سبحان الذی وضع الأرض سبحان الذی لا منجا منه إلا إلیه.
رواه أبو یعلی والطبرانی فی الکبیر، وفیه عزرة بن قیس ضعفه ابن معین (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۵۵۴۸، باب فی عرفة والوقوف بها)
هذا حدیث لا یصح عن رسول الله صلی الله علیه وسلم .قال العقیلی :عزرة لا یتابع علی حدیث (الموضوعات لابن الجوزی، ج۲، ص ۲۱۱، باب فی الدعاء عشیة عرفة)
(عق) من حدیث ابن مسعود ولا یصح فیه عزرة بن قیس الیحمدی ضعیف ولا یتابع علیه، (تعقب) بأن هذا لا یقتضی الوضع، والحدیث أخرجه الطبرانی وأبو یعلی والبیهقی فی الدعوات من طرق عن عزرة (قلت) ورواه البیهقی فی فضائل الأوقات أیضا، وقال إن بعض رواته زاد فیه أن یکون علی وضوء فإذا فرغت من آخره صلیت علی النبی، واستأنف حاجتک والله تعالی أعلم (تنزیه الشریفة المرفوعة، ج۲، ص ۱۶۹)
عزرة بن قیس حدثنا بن حماد ثنا معاویة عن یحیی قال عزرة بن قیس الیحمدی أزدی بصری ضعیف سمعت بن حماد یقول قال البخاری عزرة بن قیس سمع أم الفیض قالت سمعت عبد الله بن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم لا یتابع علیه وعزرة هذا أیضا لا یعرف إلا بهذا الحدیث الذی ذکره البخاری (الکامل فی ضعفاء الرجال، تحت رقم ۱۵۴۲، ج۵، ص۳۷۷)

اللهم إني أسألک أن ترزقني في هذا المكان جوامع الخير كله، وأن تصلح شأني كله، وأن تصرف عني الشر كله، فإنه لا يفعل ذلک غيرک، ولا يجود به إلا أنت.

لیکن اس دعاء کا سنت ہونا کسی مستند حدیث سے ثابت نہ ہوسکا، اس لئے اس دعاء کو سنت سمجھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

اسی طرح بعض حضرات نے مزدلفہ میں مندرجہ ذیل دعاء پڑھنے کا بھی ذکر کیا ہے:

اللهم بحق المشعر الحرام والبيت الحرام والركن والمقام أبلغ روح محمد منا التحية والسلام وأدخلنا دار السلام يا ذا الجلال والإكرام.

مگر اس دعاء کے مسنون ہونے کا بھی کسی مستند حدیث سے ثبوت نہ مل سکا، اور اس دعاء میں کچھ الفاظ بھی خلافِ احتیاط ہیں۔ [1]

مزدلفہ سے روانگی کے وقت کی ایک دعاء

بعض کتابوں میں مزدلفہ سے روانگی کے وقت مندرجہ ذیل دعاء کو سنت قرار دیا گیا ہے:

اللهم إليک أفضت ومن عذابک أشفقت وإليک رغبت ومنک رهبت فاقبل نسكي وعظم أجري وارحم تضرعي واقبل توبتي واستجب دعوتي.

---

[1] قال -رحمه الله : -(وبحق فلان) أي يكره أن يقول في دعائه بحق فلان، وكذا بحق أنبيائک، وأوليائک أو بحق رسلک أو بحق البيت أو المشعر الحرام؛ لأنه لا حق للخلق على الله تعالى (تبيين الحقائق، ج٦ ص ٣١، كتاب الكراهية)

(و) يكره (قوله أسألک بحق أنبيائک ورسلک) أو بحق البيت أو بحق المشعر الحرام إذ لا حق لأحد على الله تعالى وإنما يختص برحمته من يشاء من غير وجوب عليه (مجمع الانهر، ج٢ ص ٥٥٤، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات)

مگر تحقیق کرنے کے نتیجہ میں ہمیں مذکورہ دعاء کا سنت ہونا کسی مستند حدیث سے ثابت نہیں ہوسکا۔

بطنِ محسّر سے گزرنے کی ایک دعاء

بعض علماء نے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جاتے ہوئے بطنِ محسّر والے مقام پر مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کو سنت ہونا قرار دیا ہے:

اللهم لا تقتلنا بغضبک، ولا تهلكنا بعذابک، وعافنا قبل ذلک.

مگر اس دعاء کا خاص بطنِ محسر سے گزرتے ہوئے مسنون ہونا ثابت نہ ہوسکا، البتہ ایک روایت میں اس دعاء کے گرج چمک کے وقت پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، جس کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا عفان، حدثنا عبد الواحد بن زياد، حدثنا الحجاج، حدثني أبو مطر، عن سالم، عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سمع الرعد، والصواعق قال": اللهم لا تقتلنا بغضبک، ولا تهلكنا بعذابک، وعافنا قبل ذلک(مسند احمد، رقم الحديث ۵۷۶۳)

فی حاشية مسند احمد:إسناده ضعيف لضعف حجاج، وهو ابن أرطاة، ولجهالة حال أبي مطر، فقد ترجم له البخاري في "الكنى"، والمزي في "تهذيب الكمال"، والدولابي في "الكنى"، ولم يذكروا في الرواة عنه إلا حجاج بن أرطاة، ومسعرا .وقال الذهبي في "الميزان :4/574"لا يدرى من هو. وقال الحافظ في "التقريب :"مجهول .ومع ذلک فقد ذكره ابن حبان في"الثقات"، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين .عفان :هو ابن مسلم الصفار .وعبد الواحد بن زياد :هو العبدي، وسالم :هو ابن عبد الله بن عمر.

وأخرجه البيهقي في"السنن۳/۳۶۲ "من طريق عفان -شيخ أحمد-، بهذا الإسناد، وقد تحرف اسم أبي مطر في مطبوع البيهقي إلى :أبي مظفر.

وأخرجه ابن أبي شيبة۱۰/۲۱۶، والبخاري في "الأدب المفرد(۷۲۱) " والترمذي(۳۴۵۰) والنسائي في "الكبرى(۱۰۷۶۴) "وهو في "عمل اليوم والليلة(۹۲۸) "وأبو يعلى(۵۵۰۷) والدولابي في "الكنى۲/۱۱۷ "والطبراني في "الكبير(۱۳۲۳۰)"وابن السني في "عمل اليوم والليلة(۳۰۴)"من طرق، عن عبد الواحد، به.

قال الترمذي :هذا حديث غريب لا نعرفه إلا من لهذا الوجه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مزدلفہ سے منیٰ پہنچنے کے وقت کی ایک دعاء

بعض علماء نے مزدلفہ سے روانہ ہوکر منیٰ پہنچنے کے بعد مندرجہ ذیل دعاء کے پڑھنے کو مسنون لکھا ہے:

الحمد لله الذى بلغنيها سالما معافى ، اللهم هذه منى قد أتيتها ، وأنا عبدك ، وفى قبضتك أسألك أن تمن على بما مننت به على أوليائك ، اللهم إنى أعوذ بك من الحرمان والمصيبة فى دينى يا أرحم الراحمين.

مگر ہمیں اس دعاء کا سنت ہونا کسی حدیث سے ثابت نہ ہوسکا۔

پہلے اور دوسرے جمرہ کی رَمی کے بعد کی چند دعائیں

بعض حضرات نے پہلے اور دوسرے جمرہ کو رَمی کے بعد مندرجہ ذیل دعاء کو سنت قرار دیا ہے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه الحاكم فى "المستدرك۴/۲۸۶"من طريق عفان، بهذا الإسناد، بإسقاط الحجاج بن أرطاة .وصححه الحاكم، ووافقه الذهبى وأخرجه بإسقاط الحجاج أيضا النسائى فى "الكبرى (۱۰۷۶۳)" وهو فى"عمل اليوم والليلة(۹۲۷)"من طريق سيار بن حاتم، عن عبد الواحد بن زياد، عن أبى
مطر، به، بلفظ :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سمع الرعد والبروق، قال " :اللهم لا تقتلنا
غضبا، ولا تقتلنا نقمة، وعافنا قبل ذلك."
وقد أشار المزى إلى هذه الرواية فى "تهذيب الكمال۳۴/۲۹۸ "فى ترجمة أبى مطر، فقال :روى عنه الحجاج بن أرطاة، وعبد الواحد بن زياد فيما قيل، والصحيح عن عبد الواحد، عن الحجاج، عنه.
وأخرجه ابن أبى شيبة ۱۰/۲۱۴، عن وكيع، عن جعفر بن برقان، قال :بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا سمع الرعد الشديد، قال ...:فذكر الحديث. وهذا إسناد معضل(حاشية مسند احمد)

کہ:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّذَنْبًا مَغْفُوْرًا.

مگراس دعاء کے پڑھنے کوسنت سمجھنا خلافِ احتیاط معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ دعاء موقوفاً مروی ہے،اوراس کی سند میں بھی ضعف پایا جاتا ہے۔ [1]

اسی طرح بعض حضرات نے مذکورہ موقع پر مندرجہ ذیل دعاء کوسنت لکھا ہے:

اللهم اجعل لی حجاً مبروراً وذنباً مغفوراً . اللهم إليک أفضت ومن عذابک أشفقت وإليک رغبت ومنک رهبت فتقبل نسكی وارحم تضرعی واقبل توبتی واستجب دعوتی وعظم أجری وأعطنی سؤلی.

مگر مذکورہ الفاظ کا مسنون ہونا کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہوسکا،البتہ یہ دعاء بعض علماء سے منقول ہے،جس کوظاہر ہے کہ سنت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ [2]

سر کے بال منڈانے یا کٹانے کے بعد کی دعاء

بعض حضرات نے سر کے بال منڈانے یا کٹانے کے بعد مندرجہ ذیل دعاء پڑھنے کوسنت قرار دیا ہے:

---

[1] حديث روى أنه صلى الله عليه وسلم كان يدعو فی رمله "اللهم اجعله حجا مبرورا وذنبا مغفورا وسعيا مشكورا "لم أجده وذكره البيهقی من كلام الشافعی وروى سعيد بن منصور فی السنن عن هشيم عن مغيرة عن إبراهيم قال كانوا يحبون للرجل إذا رمى الجمار أن يقول اللهم اجعله حجا مبرورا وذنبا مغفورا وأسنده من وجهين ضعيفين عن ابن مسعود وابن عمر من قولهما عند رمی الجمرة (التلخيص الحبير، ج۲، ص ۵۴۲، تحت رقم الحديث ۱۰۳۳)

[2] ولم يرو أنه بماذا يدعو بعد الرمی الأولى والوسطى فی هذا اليوم وذكر ابن شجاع رحمه الله تعالى أن يقول اللهم اجعل لی حجاً مبروراً وذنباً مغفوراً وعن أبی يوسف رحمه الله تعالى أنه يقول اللهم إليک أفضت ومن عذابک أشفقت وإليک رغبت ومنک رهبت فتقبل نسكی وارحم تضرعی واقبل توبتی واستجب دعوتی وعظم أجری وأعطنی سؤلی(فتاوى قاضی خان،ج۱،ص۱۹۹،کتاب الحج)

اللھم بارک فی نفسی واغفرلی ذنوبی ، واجعل لی بکل شعرة منها نورا یوم القیامة.

مگر سر کے بال منڈانے یا کٹانے کے بعد اس دعاء کا مسنون ہونا کتبِ حدیث میں دستیاب نہیں ہوسکا، اس لئے اس دعاء کو بال کٹانے کے بعد مسنون سمجھنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔

مکہ سے رخصت ہوتے وقت ملتزم پر پڑھنے کی ایک دعاء

بعض حضرات نے مکہ سے رخصت ہوتے وقت طواف کرنے اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت پڑھنے کے بعد ملتزم پر آ کر مندرجہ ذیل دعاء کرنے کو مسنون لکھ دیا ہے:

اللھم عبدک وابن عبدک وابن أمتک، حملتنی علی دابتک، وسیرتنی فی بلادک حتی أدخلتنی حرمک وأمنک، وهذا بیتک، وقد رجوتک رب فیه بحسن ظنی بک أن یکون قد غفرت لی، فإن کنت رب غفرت لی فازدد عنی رضا، وقربنی إلیک زلفا، وإن کنت رب لم تغفر لی فمن الآن رب فاغفر لی قبل أن ینأی عنی بیتک، یا رب هذا أوان انصرافی إن أذنت لی غیر راغب عنک، ولا عن بیتک، ولا مستبدل بک یا رب ولا ببیتک، اللھم احفظنی من بین یدی ومن خلفی وعن یمینی وعن شمالی ومن أمامی ومن ورائی حتی تقدمنی إلی أهلی، فإذا قدمتنی ربی فلا تتخل عنی واکفنی مئونة أهلی ومئونة خلقک، إنک ولیی وولیهم.

مگر ہمیں ذخیرۂ احادیث میں تلاش کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دعاء کے مسنون ہونے کا ثبوت نہیں ملا۔

اس لئے اس کے سنت ہونے کا اعتقاد نہیں رکھنا چاہئے۔ [1]

ملحوظہ: ہم نے اس بحث کے شروع میں ضعیف حدیث کی شرائط پر کلام کر دیا ہے، لہٰذا جو دعائیں ضعیف احادیث سے ثابت ہیں، ان میں ان شرائط کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

فقط۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان

۲۴/شعبان المعظم/۱۴۳۴ھ 04 / جولائی/2013ء بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

---

[1] البتہ امام طبرانی نے عبدالرزاق سے اس دعاء کو نقل کیا ہے، مگر ہماری بحث اس وقت اس دعاء کے مسنون ہونے سے ہے۔

حدثنا إسحاق بن إبراهيم، عن عبد الرزاق، قال " :إذا أردت أن تخرج إلى أهلك، يعني منقلبا من مكة، أتيت البيت فطفت به سبعا، ثم تصلي خلف المقام ركعتين، ثم تقوم في الملتزم بين الركن والباب فتقول :اللهم عبدك وابن عبدك وابن أمتك، حملتني على دابتك، وسيرتني في بلادك حتى أدخلتني حرمك وأمنك، وهذا بيتك، وقد رجوتك رب فيه بحسن ظني بك أن يكون قد غفرت لي، فإن كنت رب غفرت لي فازدد عني رضا، وقربني إليك زلفا، وإن كنت رب لم تغفر لي فمن الآن رب فاغفر لي قبل أن ينأى عني بيتك، يا رب هذا أوان انصرافي إن أذنت لي غير راغب عنك، ولا عن بيتك، ولا مستبدل بك يا رب ولا ببيتك، اللهم احفظني من بين يدي ومن خلفي وعن يميني وعن شمالي ومن أمامي ومن ورائي حتى تقدمني إلى أهلي، فإذا قدمتني ربي فلا تتخل عني واكفني مئونة أهلي ومئونة خلقك، إنك وليي ووليهم، ثم تنصرف إلى أهلك وأنت تأمل الرجوع سليما إن شاء الله عز وجل (الدعاء للطبراني، رقم الحديث ۸۸۳)

اسی طرح امام فاکہی نے محمد بن علی سے اس موقع پر درجِ ذیل دعاء نقل کی ہے، مگر اس کا مرفوع ہونا دستیاب نہیں ہوسکا۔

حدثنا عبد الله بن أحمد بن أبي مسرة قال :ثنا محمد بن حرب بن سليم قال :ثنا مسلم بن خالد، عن عبد الرحمن بن محمد، عن محمد بن علي قال " :إذا أردت أن تودع، فأت الملتزم فقل :اللهم على دابتك حملتني، وفي بلادك سيرتني، حتى أوردتني حرمك وأمنك، وقد كان في حسن ظني بك أن تكون قد غفرت لي ورحمتني، فإن كنت غفرت لي ورحمتني فازدد عني رضا، وقربني إليك زلفا، وإن كنت لم تغفر لي فمن الآن قبل أن ينأى عن بيتك داري، فقد حان انصرافي غير راغب عنك ولا عن بيتك، ولا مستبدل بك ولا به، اللهم وأقدمني على أهلي سالما، فإذا أقدمتني عليهم فلا تخل مني، واكفني ما بيني وبين عبادك (أخبار مكة للفاكهي، رقم الحديث ۷۰۳)